8

قصص العلماء

میرزا محمد تنکابنی

AL-KISA PUBLISHERS
Postal Code: 75850, office R-159, Sector 5-B/2
North Karachi, Karachi. Pakistan
Contact @ +92 21 36968621, +92 300 2406150
Email: al-kisa@hotmail.com

ISBN
978-969-9605-07-9

قصص العلماء

تالیف

میرزا محمد تنکابنی

مترجم

سیدہ ملیکہ خاتون کاظمی

We Provide The Standard

AL-KISA
PUBLISHERS
Postal Code: 75850.
Office # R-159, 5-B/2, North Karachi,
Karachi, Pakistan.
Contact:
+92 21 36968621, +92 300 2406150
E-mail: ansamaqvi@hotmail.com
al-kisa@hotmail.com

ISBN 978-969-9605-07-9

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ

نام کتاب	قصص العلماء
مؤلف	میرزا محمد تنکابنی
مترجم	سیدہ ملیکہ خاتون کاظمی
تصحیح و تحقیق	سید فیضیاب علی رضوی
کمپوزنگ	الکساء پبلشرز (آرٹ ڈیپارٹمنٹ)
ٹائٹل ڈیزائنگ	سید انصار حسین نقوی
قیمت	-/350 روپیہ
اشاعت اول	جون ۲۰۰۶ء
اشاعتِ دوئم	مارچ ۲۰۱۳ء
تعداد	500

نمبر شمار	فہرست	صفحہ نمبر
	عرض ناشر	۷
	حرف آغاز	۸
	عرض مترجم	۱۳
	دیباچہ از مؤلف	۱۴
۱	آقا سید ابراہیم بن سید محمد باقر موسوی	۱۶
۲	الحاج ملا محمد تقی بن محمد برغانی قزوینی	۲۷
۳	آقا سید محمد باقر بن سید علی حسینی قزوینی	۶۶
۴	کثیر الافضال مؤلف کے حالات	۷۰
۵	حاجی ملا صالح برغانی	۸۶
۶	آخوند ملا صفر علی لاہیجانی	۸۸
۷	آخوند ملا عبدالکریم	۸۸
۸	آخوند ملا محمد جعفر استر آبادی	۹۲
۹	آخوند ملا حسن یزدی	۹۳
۱۰	شیخ محمد حسن نجفی	۹۵
۱۱	اعلم العلماء شیخ مرتضیٰ ششتری الانصاری	۹۷
۱۲	آخوند ملا آقای دربندی	۹۸
۱۳	قدوۃ الفقہاء شریف العلماء	۱۰۲
۱۴	شیخ محمد تقی اصفہانی	۱۰۵
۱۵	حاجی محمد ابراہیم کلباسی	۱۰۶
۱۶	حاجی ملا علی کنی	۱۰۸
۱۷	آقا سید صادق	۱۰۸
۱۸	آقا سید اسد اللہ	۱۰۸
۱۹	حاجی ملا محمد اشرفی	۱۰۶
۲۰	شیخ زین العابدین	۱۰۹
۲۱	آقا سید حسین ترک	۱۰۹
۲۲	آقا سید محمد مہدی	۱۰۹
۲۳	آقا سید محمد بن آقا سید علی	۱۱۰
۲۴	حاجی ملا احمد نراقی	۱۱۳
۲۵	آخوند ملا محمد مہدی نراقی	۱۱۵
۲۶	آقا سید محمد علی مازندرانی	۱۱۶
۲۷	حجۃ الاسلام حاجی سید محمد باقر	۱۱۸
۲۸	آقا سید مہدی بحر العلوم	۱۴۲
۲۹	آقا سید علی صاحب شرح کبیر و صغیر	۱۴۷
۳۰	میرزائی قمی	۱۵۰
۳۱	شیخ جعفر نجفی کاشف الغطاء	۱۵۲
۳۲	آقا سید محسن کاظمینی	۱۶۴
۳۳	آقا محمد باقر بہبہانی	۱۶۴
۳۴	آخوند ملا محمد باقر مجلسی رحمۃ اللہ	۱۶۹
۳۵	آخوند ملا محمد صالح	۱۹۰
۳۶	آقا محمد ہادی	۱۹۱
۳۷	آخوند ملا محمد تقی مجلسی	۱۹۲
۳۸	شیخ بہائی رحمۃ اللہ	۱۹۴
۳۹	شیخ حسین بن عبدالصمد بن محمد	۲۰۶
۴۰	شیخ زین الدین شہید ثانی	۲۰۷
۴۱	ملا خلیل قزوینی	۲۱۸
۴۲	آقا حسین بن محمد خوانساری	۲۱۹

۴۳	آقا محمد بن آقا حسین خوانساری	۲۲۰
۴۴	ملا میرزا محمد بن حسن شیروانی	۲۲۰
۴۵	آخوند ملا عبداللہ تونی	۲۲۳
۴۶	شیخ یوسف بن احمد بن ابراہیم بحرانی	۲۲۴
۴۷	شیخ حسین بن شیخ محمد بحرانی	۲۲۶
۴۸	شیخ سلیمان بن شیخ عبداللہ	۲۲۷
۴۹	شیخ سلیمان بن راشد	۲۲۹
۵۰	شیخ علی بن سلیمان	۲۲۹
۵۱	شیخ احمد بن شیخ محمد بن یوسف خطی	۲۳۰
۵۲	آقا سید علی ملقب بہ سید نور الدین	۲۳۰
۵۳	آقا سید محمد صاحبِ مدارک	۲۳۲
۵۴	شیخ حسن صاحبِ معالم	۲۳۲
۵۵	شیخ محمد بن ماجد بن مسعود بحرانی	۲۳۶
۵۶	سید ہاشم بن سید سلیمان	۲۳۶
۵۷	شیخ فخر الدین طریح نجفی	۲۳۷
۵۸	شیخ صالح بن عبدالکریم	۲۳۷
۵۹	شیخ جعفر بن کمال الدین بحرانی	۲۳۸
۶۰	شیخ احمد بن صالح بحرانی	۲۳۸
۶۱	علی بن عبداللہ بحرانی	۲۳۸
۶۲	علی بن حسن بن یوسف	۲۳۸
۶۳	شیخ محمود بن عبدالسلام	۲۳۸
۶۴	محمد بن حسن بن علی العاملی	۲۳۹
۶۵	شیخ زین الدین نوادہ شہید ثانی	۲۴۲
۶۶	شیخ محمد بن شیخ حسن	۲۴۵
۶۷	شیخ علی بن شیخ محمد	۲۴۷
۶۸	شیخ سلیمان	۲۵۴
۶۹	شیخ احمد بن ابراہیم	۲۵۴
۷۰	شیخ عبداللہ بن حاج صالح جمعہ	۲۵۶
۷۱	میر محمد مومن	۲۵۷
۷۲	میر محمد صالح بن عبدالواسع	۲۵۷
۷۳	محمد قاسم	۲۵۷
۷۴	محمد بن حسن مشہور بفاضل ہندی	۲۵۸
۷۵	محمد امین بن محمد شریف	۲۶۶
۷۶	میرزا محمد بن علی	۲۶۷
۷۷	محمد بن مرتضیٰ ملقب بفیض	۲۶۷
۷۸	میر محمد باقر داماد	۲۷۶
۷۹	شیخ عبدالعالی محقق ثانی	۲۷۸
۸۰	سید ماجد بن ہاشم بن علی	۲۷۸
۸۱	ملا عبداللہ بن حسین ششتری	۲۷۹
۸۲	شیخ نعمت اللہ بن احمد بن محمد	۲۷۹
۸۳	شمس الدین محمد شہید اول	۲۸۰
۸۴	احمد بن محمد مقدس اردبیلی	۲۸۴
۸۵	علی بن عبدالعالی محقق ثانی	۲۸۷
۸۶	شیخ ابراہیم بن سلیمان	۲۸۹
۸۷	محمد بن حسن فخر المحققین	۲۹۲
۸۸	محمد بن محمد رازی	۲۹۳
۸۹	حسن بن یوسف بن علی (علامہ حلّی)	۲۹۴
۹۰	جعفر بن یحییٰ بن حسن محقق اول	۳۰۳

۹۱	محمد بن محمد خواجہ نصیر الدین طوسی	۳۰۵
۹۲	محمد باقر محقق سبزواری	۳۲۱
۹۳	محمد بن عبد الفتاح تنکابنی	۳۲۱
۹۴	محمد صادق بن محمد تنکابنی	۳۲۱
۹۵	علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی	۳۲۲
۹۶	شیخ الصدوق رحمۃ اللہ علیہ	۳۲۳
۹۷	محمد بن یعقوب الکلینی رحمۃ اللہ علیہ	۳۲۵
۹۸	محمد بن محمد بن نعمان ملقب بہ "شیخ مفید"	۳۳۶
۹۹	علی بن حسین سید مرتضیٰ علم الہدیٰ	۳۴۷
۱۰۰	محمد بن حسین سید رضی رحمۃ اللہ علیہ	۳۵۱
۱۰۱	محمد بن حسن بن علی بن طوسی	۳۵۴
۱۰۲	سید مرتضیٰ الداعی الرازی الحسینی	۳۵۷
۱۰۳	احمد بن طاؤس الحسینی	۳۵۹
۱۰۴	ابن میثم بحرانی	۳۶۱
۱۰۵	یحییٰ بن احمد	۳۶۲
۱۰۶	مقداد بن عبید اللہ	۳۶۲
۱۰۷	علی بن عبید اللہ بن حسن	۳۶۳
۱۰۸	احمد بن عبد اللہ بن محمد	۳۶۴
۱۰۹	سید تاج الدین ابی عبد اللہ	۳۶۴
۱۱۰	علی بن ابراہیم محمد بن حسین	۳۶۴
۱۱۱	فضل بن حسن بن فضل الطبرسی	۳۶۵
۱۱۲	محمود بن علی بن الحسین الزاری	۳۶۶
۱۱۳	ورام بن ابی الفراس	۳۶۶
۱۱۴	سید عزم الدین ابو المکارم حمزہ بن علی	۳۶۶
۱۱۵	شیخ ابو منصور احمد بن علی	۳۶۷
۱۱۶	محمد بن ادریس	۳۶۷
۱۱۷	حسین بن علی بن داؤد	۳۶۸
۱۱۸	محمد بن جعفر بن ابی البقاء	۳۶۹
۱۱۹	سید فخار بن معد بن فخار الموسوی	۳۶۹
۱۲۰	عربی بن مسافر عبادی	۳۶۹
۱۲۱	ابو علی حسن بن محمد الطوسی	۳۶۹
۱۲۲	محمد بن علی بن شہر آشوب	۳۷۰
۱۲۳	شیخ ابو عبد اللہ جعفر بن محمد	۳۷۰
۱۲۴	جعفر بن محمد موسیٰ بن قولویہ	۳۷۱
۱۲۵	حسن بن ابی عقیل ابو علی	۳۷۱
۱۲۶	محمد بن احمد بن الجنید	۳۷۲
۱۲۷	سلار بن عبد العزیز	۳۷۲
۱۲۸	عبد العزیز قاضی بن نحریر بن عبد العزیز	۳۷۳
۱۲۹	تقی بن نجم ابو الصلاح الحلبی	۳۷۴
۱۳۰	عبد العزیز بن ابی کامل	۳۷۴
۱۳۱	محمد بن علی بن عثمان کراچکی	۳۷۵
۱۳۲	محمد بن عمر بن عبد العزیز	۳۷۵
۱۳۳	احمد بن علی بن احمد	۳۷۵
۱۳۴	شیخ ابو عبد اللہ	۳۷۶
۱۳۵	محمد بن احمد بن سُلیم	۳۷۶
۱۳۶	ابو عبد اللہ	۳۷۶
۱۳۷	محمد بن محمد بصری	۳۷۶
۱۳۸	محمد بن حسین	۳۷۶

۱۳۹	حسین بن علی بن محمد	۳۷۷
۱۴۰	سعید بن ہبۃ اللہ	۳۷۷
۱۴۱	محمد علی بن حمزہ	۳۷۷
۱۴۲	محمد بن جہم اسدی	۳۷۸
۱۴۳	ابن ابی المجد	۳۷۸
۱۴۴	حسن بن ابی طالب یوسفی	۳۷۸
۱۴۵	محمد بن علی بن محمد گرگانی	۳۷۸
۱۴۶	علی بن محمد فاشی	۳۷۸
۱۴۷	محمد بن شجاع القطان	۳۷۹
۱۴۸	احمد بن محمد بن فہد	۳۷۹
۱۴۹	مفلح بن حسین صمیری	۳۷۹
۱۵۰	جواد بن سعد بن جواد	۳۷۹
۱۵۱	میر فیض اللہ	۳۷۹
۱۵۲	رفیع الدین محمد حسینی	۳۸۰
۱۵۳	سید عماد الدین	۳۸۰
۱۵۴	سید نعمت اللہ جزائری	۳۸۰
	خاتمہ کتاب میں	۳۹۳

عرضِ ناشر

اللہ کی مدد کے ساتھ آغاز کررہا ہوں جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

ساری تعریفیں اس رب العزت کے لئے ہیں جو سارے جہان کا پیدا کرنے اور پالنے والا ہے، اور سلام و درود ہو اللہ کے حبیب، خاتم النبیین، رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰؐ پر اور ان کے بھائی، وصی، جانشین، حاجت روا، جن وانس کی مشکلات کو دور کرنے والے، جن کے محبوں کے لئے جنت اور دشمنوں کے لئے جہنم ہے اور جن کی ولایت کو دین کا مرکز قرار دیا گیا یعنی حضرت علی مرتضیٰؑ اور ان کی آلؑ پر۔

ربِ غنی کی رحمت ہے کہ مجھے اس ماحول میں پروان چڑھایا جب میرے والدِ مرحوم و مغفور (سید اشفاق حسین نقوی) احادیث معصومینؑ کے تراجم شائع کرنے میں دن رات کوشاں تھے اس طرح میں نے علم معصومینؑ کو اپنے اطراف میں پایا۔ بلاشبہ میرے والد پر رب کریم کی وہ خاص عنایت تھی جو صرف صاحبانِ دانش اور ذی عقل لوگوں پر ہوتی ہے وہ معقول، منقول اور فروع واصول کے معاملے میں بہت محتاط تھے، ان کے اعمال افضل تھے اور وہ اچھے اخلاق کے حامل تھے۔ توحید کی معرفت کے ساتھ معرفتِ رسولؐ وائمہ معصومینؑ رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ احادیثِ معصومینؑ کی تشہیر میں آخری وقت تک سرگرم رہے۔ انہوں نے جن کتب کے تراجم شائع کرنے کا شرف حاصل کیا وہ تمام کی تمام شیخ الصدوقؒ کی شہرۂ آفاق کتب ہیں جیسے علل الشرائع، من لا یحضرہ الفقیہ، کمال الدین وتمام النعمت، التوحید، الخصال، ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، اور معانی الاخبار۔ یہ کام اس وقت تک سرانجام نہیں پاسکتا جب تک ابوابِ مدینۃ العلم کی جانب سے مدد نہ ہو۔ اور یقیناً مدد ملی کیونکہ ان کا ایمان غیر متزلزل اور یقین محکم تھا اور دنیا سے زیادہ آخرت کیلئے فکر مند تھے، ہر شب جمعہ حدیثِ کساء کا ذکر کیا کرتے اور نماز کے پابند تھے، وہ بہت محبت کرنے والے، شفیق، مہربان، صادق، سخی، مخلص، نہایت سادہ طبیعت کے مالک، شیریں گفتگو کرنے والے تھے۔ آج وہ ہم میں موجود تو نہیں مگر ان کی انمول کاوشیں موجود ہیں جن کو وہ بارگاہِ خداوندی و معصومینؑ میں پیش کرچکے ہیں۔ اللہ ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور ان کی لحد کو خوشبوؤں کا مرکز قرار دے اور اپنے نور سے منور کرے۔ آمین

آخر میں میری آپ سے یہ گزارش ہے کہ جب بھی آپ اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں تو تمام علماء کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھیں اور ان کے ساتھ اس ناچیز کے والدِ گرامی (سید اشفاق حسین نقوی) کو بھی شامل کرلیں۔

والسلام

سید انصار حسین نقوی

حرفِ آغاز

ابتداء اس ربِ رؤف و رحیم کے نام سے جس نے انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا پھر اس عقل کی غذا علم کو قرار دیا اور پھر اس علم کے حامل کو دیگر انسانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

حدیثِ معصوم کے تحت انسانوں کے تین گروہ ہیں۔ ایک علماء کا، ایک طالبان علم کا اور ایک خس و خاشاک کا۔

علماء کے حقیقی مصداق صرف پیغمبران ماسلف اور چہاردہ معصومینؑ ہیں۔ طالبان علم وہ ہیں جو ان کی بتائی ہوئی راہ میں کوشش کرنے والے اور مسلسل آگے بڑھنے والے ہیں جنہیں مجازی علماء قرار دیا جاتا ہے اور خس و خاشاک کی یہ تعریف شاید غلط نہ ہو کہ یہ وہ لوگ ہیں جو معلومات کو علم سمجھ لیتے ہیں یا اپنی صلاحیتوں کو بنی نوع انسان کو نقصان پہنچانے میں صرف کرتے ہیں۔

یوں تو ہر انسان کی زندگی میں کچھ نہ کچھ ایسے واقعات ضرور ہوتے ہیں جو دوسروں کی دلچسپی یا عبرت کا سبب بنتے ہیں۔ لیکن جن مقدس ہستیوں نے علم حاصل کرنے میں روح فرسا مشقتیں جھیلیں اور بلند مقامات تک پہنچ گئے اُن کے حالات پر مشتمل یہ کتاب کئی وجوہات سے پڑھے جانے کے قابل ہے۔ بقول مؤلف علیہ الرحمہ:

☆ اس کتاب سے سلسلۂ اسناد کا علم ہوگا۔

☆ مؤلفین کی تالیفات کا علم ہوگا۔

☆ طالبان علم کیلئے تحصیل علم میں مددگار ہوگی۔

☆ خواص و عوام کو عبادت، زہد، پرہیز گاری اور اعتقاد و یقین کو راسخ کرنے کی رغبت ہوگی۔

☆ لوگوں کیلئے پند و نصیحت کا سبب ہوگی اور دنیائے غدار و فانی کی محبت سے نجات پانے کیلئے بہترین دوا ثابت ہوگی۔

☆ اللہ تعالیٰ کی گوناگوں نعمتوں کا اظہار ہوگا کہ یہ اس کی قدرت کا کمال ہے کہ مٹھی بھر خاک کو ایسے ایسے کمالات عطا کر دیئے اور قدرت اپنی جگہ کتنی فیاض ہے۔

☆ یہ متبرک کتاب تالیف و تصنیف، تدریس و تفہیم، اور تعلیم و تعلم کے لئے بھی کافی و شافی ہے۔

☆ علمائے کرام کے نام یاد کر لیے جائیں اور نماز وتر اور اوقات سحر میں سو، دوسو کا نام لے کر ان کے لئے طلب مغفرت کی جائے اور ان کے درجاتِ عالیہ میں اضافہ کی استدعا کی جائے تاکہ ان کی ارواح عالیہ کے فیوض دعا گو پر اپنا اثر پیدا کریں اور اس کو دینی اور دنیاوی ترقیات حاصل ہوں۔

☆ اس کتاب کے ذریعے طریقۂ تحصیل علم بھی سیکھا جا سکتا ہے۔

☆ اکثر کثرتِ مطالعہ اور غور و فکر کی وجہ سے دماغ تھکان محسوس کرنے لگتا ہے تو یہ کتاب ایسے حالات میں طالبِ علم کیلئے فرح و انبساط اور علمی شوق پیدا کرے گی۔

☆ بہت سے مشکل اور اختلافی مسائل کی اصولی اور فروعی طور پر ایسی تحقیق پیش کی گئی کہ آدمی ان کی مکمل معرفت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔

☆ یہ کتاب طلباء کو اخلاص نیت کے رکھنے اور ریا و طلبِ دنیا سے بچنے کی طرف ہدایت دیتی ہے۔

☆ اس کتاب کے مطالب و حکایات کے ذریعے مجالس و محافل کو رونق بخشی جا سکتی ہے۔

☆ اس کتاب میں کرامات اور علماء کی واضح اور روشن نشانیوں کو پیش کر کے ان کی معرفتِ دینی کے ذریعے حقیقتِ دین پیغمبر اور آپ کی آل اطہار کو دلوں میں

مستحکم کیا گیا ہے کیونکہ جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ علماء جو اس خانوادے کے خدام، دربان اور بوآب ہیں وہ اس قدر عجیب وغریب کرامات کے حامل تھے تو یقیناً ان کے مخدوم، مولا اور ائمہ کی شان کیا ہوگی اور ان کی کرامات کو سن کر جو فائدہ ہوگا تو پھر اماموں اور پیغمبروں کے معجزات سے تو حقیقت رسالت اور حجت دین مبین اور واضح ہوگی۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کتاب صاحب تالیف کے اخلاق وکردار اور عقائد کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس کتاب میں بعض ایسے واقعات میرزا صاحب نے بلا کم وکاست بیان کر دیئے ہیں جن سے عام پڑھنے والا منفی پہلو مراد لے سکتا ہے۔ لیکن میرزا صاحب نے درس معصومین کا سہارا لیتے ہوئے کہ مومن کیلئے نیک گمان رکھو، قاری کو غلط سمت جانے سے روک دیا ہے۔

اس کتاب میں نہ صرف علماء کی علمی کاوشوں کی نشاندھی کی گئی ہے بلکہ مختلف الجہت تحریروں کی خوبیوں کی طرف واضح اشارات بھی کیے گئے ہیں۔ افسوس کہ ابھی تک کتنے عظیم علمی خزانے خصوصاً اردو جاننے والے افراد کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ مزید افسوس ان افراد پر ہوتا ہے جو اس طرف تو توجہ نہیں دیتے کہ غیر ترجمہ شدہ کتابوں کا ترجمہ کرا کے شائع کریں البتہ دوسروں کی ترجمہ شدہ کتابوں کے اقتباسات اور کبھی مکمل کتاب اصل ناشر کی اجازت کے بغیر شائع کر دیتے ہیں۔

مذہبی کتابوں میں چوری کا یہ رجحان نہ صرف غیر اخلاقی ہے بلکہ شرمناک بھی ہے۔ ان افراد کیلئے شرمناک کا لفظ بھی شاید ہلکا ہے کیونکہ مسجد سے جوتیاں چرانے والوں کو اتنی شرم تو ہوتی ہے کہ وہ حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ ان کو کوئی دیکھ نہ پائے اور وہ پہچاننے میں نہ آئیں لیکن یہ لوگ تو کمال ڈھٹائی سے چوری شدہ کتاب پر اپنی تصویر بھی شائع کر دیتے ہیں۔ قانون ملکی کی کمزوریاں اپنی جگہ کہ یہ انسان کے بنائے ہوئے ہیں لیکن قوانین اخلاقی تو کائنات کے مالک اور خالق نے بنائے ہیں ان سے انحراف کرنا خاص طور پر ان افراد کیلئے جو اپنے کو اہل بیت کرامؑ سے وابستہ قرار دیتے ہیں اور عمامے، عباء، قباء اور ریش مبارک کے ساتھ چوری شدہ کتاب پر اپنی تصویر چھپواتے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کی ان کی اس حرکت پر کبھی بھی خدائے منتقم کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں گے؟

یہ جملہ معترضہ تھا لیکن اس کے کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ نہ صرف دیگر اداروں بلکہ الکساء پبلشرز کی کتابوں کی بلا اجازت ناشرین چھاپنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں علل الشرائع اور من لایحضرہ الفقیہ کے مکمل چربے شائع کیے گئے ہیں اور پاکستان میں علل الشرائع اور کمال الدین کے اقتباسات کو کتابوں میں ناموں میں تبدیلیاں کر کے شائع کیا گیا ہے اور یہ نام تبدیل کرنا بھی دھوکہ دہی کا ایک انداز ہے کہ کتاب پڑھنے کے شائقین سمجھیں کہ نئی کتاب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دینی کاموں میں چوری اور دھوکہ جائز ہے جس سے منشاء صرف پیسہ کمانا ہو؟

یہ قوم کے چہرے کے بدنما داغ ہیں۔ کاش یہ ان علماء کے حالات سے سبق سیکھیں جن کا تذکرہ اس کتاب میں کیا گیا ہے کہ انہوں نے ذاتی منفعت اور دو روزہ زندگی کیلئے نہیں بلکہ آخرت کی جاودانی زندگی کیلئے مشقتیں برداشت کیں اور قوم کیلئے ایسی تحریریں چھوڑ گئے جن کو سمجھ کر اور ان پر عمل پیرا ہو کر انسان یقینی طور پر آخرت کی ہمیشگی کی زندگی سے بہرہ مند ہو سکے گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جن دلوں پر مہریں لگی ہوئی ہیں وہ اس تحریر کا کوئی اثر قبول نہیں کریں گے لیکن کیونکہ اس موضوع پر ابھی تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا اس لئے بارش کے پہلے قطرے کے طور پر ہم نے اپنی ذمہ داری محسوس کی کہ اس احتجاج کو ریکارڈ پر لائیں۔ ہم قارئین سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ وہ مذہبی کتابوں کی چوری کر کے چھاپنے کے رجحان کی ہمت شکنی کریں اور خاص طور پر تراجم خریدتے وقت کتب فروش سے یہ ضرور دریافت کیا کریں کہ کیا یہ ترجمہ **مکمل صورت میں شائع ہو چکا ہے اور پھر اصل ترجمہ ہی خرید فرمائیں۔**

صاحبان فہم سے مخفی نہیں ہے کہ لفظ اجتہاد ایک وسیع معنی رکھتا ہے۔ کسی بھی فن میں جب کوئی شخص ایک نئی بات نکالتا ہے خواہ وہ انجینئرنگ اور شعر وسخن ہی میں کیوں نہ ہوا سے اس فن کا مجتہد کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ آرزو لکھنوی جنہوں نے دنیائے شعر کو نئے افکار سے آشنا کیا مجتہد سخن کہلاتے ہیں۔ (البتہ

یہ پیش نظر رہے کہ یہ صلاحیت اسی قادرِ مطلق کی طرف سے عطا ہوتی ہے جو ہر شے کا پیدا کرنے والا، اسے حسن عطا کرنے والا اور اس کو ارتقاء کی خواہش عطا کرنے والا ہے۔) چنانچہ فقہی امور میں بھی اجتہادات کیے گئے کیونکہ دین میں تفقہ (غور وفکر) کا حکم آیات واحادیث میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ بدعت سے بالکل مختلف چیز ہے۔ اس کتاب میں بھی متعدد اجتہادات آپ کی نظر سے گزریں گے لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی، دیگر فقہاء کی نظروں سے جب یہ اجتہادات گزرے تو ان کی فکر کو بھی جولانی ملی اور انہوں نے قائم شدہ استدلالات کے حسن وقبح پر غور وفکر کرتے ہوئے ان کے منفی پہلوؤں پر قلم اٹھایا۔ پھر ان کی رد کی بھی رد لکھی گئی اور یہ اس بات کی نشاندھی ہے کہ ذہن انسانی بند نہیں ہوا۔ ایک ہی موضوع پر نئے استدلالات، نئے پہلو اور نئی جہتیں مسلسل سامنے آرہی ہیں اور ذہن انسانی زیادہ سے زیادہ علم درک کرتا جارہا ہے، چنانچہ اگر آپ کو اس کتاب میں علماء کے افکار میں اختلاف نظر آئے تو اسے اللہ کی عظیم نعمت سمجھئے کہ اس نے ایک موضوع کی اتنی مختلف جہتیں آپ کے سامنے رکھ کر آپ کے علم وفکر کو وسعت عطا کردی ہے۔

رہی کسی فتوے پر عمل کی بات تو ایک ہی مسئلہ میں جہاں ایک عالم نے ایک انداز سے فتویٰ دیا ہے وہیں اس مسئلہ کو دوسرے عالم نے ایک اور جہت سے دیکھتے ہوئے بالکل مختلف فتویٰ دیا ہے۔ اب یہ کام سائل کا بھی ہے کہ وہ ان دونوں فتووں کو سامنے رکھتے ہوئے اس فتوے پر عمل کرے جو عقل ودرایت کے قریب ہو۔ اس کی ایک مثال علامہ حلیؒ اور فخر المحققین محمد بن حسنؒ کی ایک ہی مسئلہ میں دو مختلف فتووں کی ہے۔ جسے آپ کی دلچسپی کیلئے ذیل میں درج کیا جارہا ہے:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک شخص علامہ کی خدمت میں آیا اور ان سے عرض کی کہ بارہ سال سے ہی نماز کا وقت ہونے سے پہلے (واجب کی نیت سے) وضو کر لیتا ہوں اور اسی وضو سے واجب نماز ادا کرتا ہوں اور میرے اوپر کوئی نماز قضا بھی نہیں تھی۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی قضا نماز ذمہ نہ ہو تو وقت نماز داخل ہونے سے پہلے واجب کی نیت سے وضو نہیں کیا جاسکتا تو اتنے عرصے جو میں نے نمازیں پڑھی ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ علامہ نے کہا کہ جتنی بھی نمازیں اس عرصے میں اس طرح وضو سے پڑھی ہیں وہ سب باطل ہیں اور ان سب کی قضا کرو۔ یہ جواب سن کر وہ شخص علامہ کے پاس سے اُٹھ کر باہر آیا۔ راستے میں فخر المحققین نے اس کا مسئلہ پوچھا تو اس نے ساری بات بیان کردی۔ فخر المحققین نے کہا کہ علامہ کا فتویٰ صحیح نہیں ہے تم صرف پہلی وہ نماز جو تم نے پہلے وضو سے پڑھی ہے اس کی قضا کرو اور باقی تمہاری ساری نمازیں صحیح ہیں کیونکہ جب پہلے وضو کی نماز بے کار ہوئی تو تمہارے ذمہ ایک نماز ہوگئی تو اب جب بھی تم نے وضو کیا یہ نماز تمہارے ذمہ قضا رہی اس لئے واجب کی نیت سے وضو کرنے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوا۔ وہ شخص پھر علامہ کی خدمت میں آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ علامہ اعلی اللہ مقامہٗ نے فخر المحققین کے فتوے کی تعریف کی اور اس فتوے میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

اس سے واضح ہوا کہ تفقہ فی الدین ہٹ دھرمی نہیں سکھاتا بلکہ دلیل کو دلیل سے توڑنے کی دعوت دیتا ہے اور حلم جو علم کا لازمہ ہے عالم کی دلیل کو نہ صرف تسلیم کرلینے بلکہ دلیل دینے والے کی ہمت افزائی پر بھی ابھارتا ہے۔ واضح رہے کہ فخر المحققین علامہ حلیؒ کے صاحبزادے تھے۔

رسول اللہؐ کے دور سے ہی عوام الناس میں دین میں تزیف کا رجحان پایا جاتا ہے اور ان کے مطالبے کو قرآن مجید نے اس طرح پیش کیا ہے۔ ائت بقران غیر ھذا اوبدلہ (سورۂ یونس آیت ۱۵) ''ایک اور قرآن لے آؤ یا اس کو بدل ڈالو'' لیکن انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (سورۂ حجر آیت ۹) ''بیشک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' کی موجودگی میں قرآن میں تحریف تو نہ کی جاسکی مگر رسول اللہؐ کے ارشادات وافعال میں جھوٹ اور رطب ویابس کو شامل کردیا گیا ہے جیسا کہ خود آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میری زندگی ہی میں مجھ پر جھوٹ باندھنے والوں کی کثرت ہوگئی ہے۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد تو گویا جعلی حدیث سازی کی فیکٹریاں کھل گئیں چنانچہ مسلمانوں کے پیسوں کو قابض حکمرانوں نے اپنی ناجائز خواہشات کو جائز ثابت کرنے کیلئے، خانوادۂ عصمت سے نفرت کو فروغ دینے کیلئے اور اپنے محسنوں کے جھوٹے فضائل عام کرنے کیلئے بے دریغ استعمال کیا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اسلام کا درد رکھنے والے مسلمانوں نے احادیث کی چھان پھٹک کا اہتمام کیا۔ اس سلسلہ میں راویان حدیث بھی زیر

بحث آئے چنانچہ علمِ رجال وجود میں آیا۔ یہ اعزاز صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ ان کے یہاں یہ علم پایا جاتا ہے جبکہ کسی اور مذہب وملت میں اس کا وجود نہیں۔ اور یہ فخر صرف مذہب اہلبیت پر چلنے والوں کو حاصل ہے کہ ان کے یہاں اب بھی وہ افراد موجود ہیں جو حدیث کا سلسلہ اپنے استاد یا کسی عالم دین سے لیکر معصومین علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے خود بھی حدیث ذہبیہ کو علامہ رشید ترابی مرحوم سے سنا ہے جسے انہوں نے سعید الملت سے انہوں نے ناصر الملتؒ سے اور یہ سلسلہ بڑھاتے ہوئے امام ثامنؑ تک پہنچایا اور آنجنابؑ نے اسے اپنے آبائے کرام کے ذریعے رب العزت تک پہنچایا۔

علامہ بشیر صاحب فاتح ٹیکسلا (اللہ ان کے درجات میں اضافہ فرمائے) نے ایک بار ہدایت کی تھی کہ گفتگو کے دوران جب کسی بات کو دہرایا جائے تو یوں کہا جائے کہ میں نے فلاں کتاب میں پڑھا یا فلاں عالم دین سے سنا یا فلاں صاحب سے سنا کہ یہ گفتگو کا محتاط انداز ہے اور یہ احتیاط اس وقت اور زیادہ ضروری ہو جاتی ہے جب ہم کوئی حدیث دوہرا رہے ہوں چنانچہ کتبِ حدیث میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ حدیث کو بیان کرنے سے قبل سلسلہ راویان کو بیان کیا جاتا ہے۔ ان راویوں نے نہ صرف زبانی دوسروں کو ان کی بیان کی حدیث کی ہوئی روایت کی اجازت دی بلکہ تحریری بھی اجازت نامے جاری کیے۔ جن کے کچھ نمونے آپ کو زیرِ نظر کتاب میں نظر آئیں گے۔ یہ نمونے عربی ادب کے شاہکار کہے جا سکتے ہیں۔ گو کہ ترجمہ کرنے میں اردو زبان کی تنگدامنی عربی زبان کے اس وقار و تمکنت کو ظاہر نہیں کر سکتی ہے لیکن معلومات بڑھانے کی حد تک یہ اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ضرور ہے۔ چنانچہ اہل علم اور اہل تحقیق کیلئے یہ بات شاید نئی ہوگی کہ تاریخ شیعت میں شیخ مفید نام کے دو صاحبان گزرے ہیں ایک محمد ابن محمد ابن نعمان مفید اول اور دوسرے شیخ الطائفہ کے فرزند ابو علی حسن مفید ثانی۔ اسی طرح محقق کے لقب سے بھی تین صاحبان معروف ہوئے ایک جعفر بن یحییٰ محقق اول محمد باقر بن محمد مومن محقق دوم اور علی بن جعفر محقق سوم۔

باپ اور بیٹے کے نام میں یکسانیت تو اب بھی کہیں کہیں نظر آجاتی ہے لیکن تین نسلوں تک نام کی یکسانیت آپ کو اس کتاب میں نظر آئے گی۔

چہاردہ معصومین علیہم الصلوٰۃ السلام کی ذواتِ مقدسہ منابعِ علم تھیں۔ جس طرح رسول اللہؐ عالمین کیلئے رسول تھے اسی طرح ائمہ طاہرینؑ عالمین کے امام تھے۔ ان کے در تک جو بھی پہنچ گیا انہوں نے اسے اپنے علم سے فیضیاب کیا چنانچہ مذہب حقہ کے دانش جویان کو جب یہ علم غیر مذاہب کے افراد کے پاس نظر آیا تو انہوں نے اسے ان سے حاصل کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس سلسلے میں علامہ باقر مجلسی کے اجازہ کا مطالعہ دلچسپی کا باعث ہے جس میں انہوں نے چاروں ائمہ اہل سنت سے اپنے اجازوں کا سلسلہ ملایا ہے۔

ان اجازوں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ علم کے متلاشیان نے صرف ایک، دو یا چند استادوں سے احادیث نہیں لیں بلکہ متعدد استادوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ یہ بھی ہوا کہ راہِ شوق کے جن مسافروں کو علم کی بعض شاخوں تک دسترس حاصل ہو چکی تھی اور ان پر انہوں نے اتنا عبور حاصل کر لیا تھا کہ ان موضوعات پر درس دیا کرتے تھے انہیں اپنے شاگردوں میں کوئی ایسا بھی معلوم ہوا جو کسی اور موضوع پر درس دیا کرتا تھا تو انہوں نے اس شاخ علم کو گرفت کرنے کیلئے اپنے شاگردوں کی شاگردی اختیار کرنے میں دریغ نہیں کیا اور یہ یقیناً ان کی اعلیٰ حوصلگی اور طلب علم کے شوق کا ثبوت ہے۔ چنانچہ تعجب نہ ہونا چاہئے جب اس کتاب میں آپ کو ایک باپ اپنے بیٹے سے اجازہ لیتے ہوئے نظر آئے۔

ان محترم ہستیوں نے، جن کے حالات آپ اس کتاب میں پڑھیں گے، جس ہمت شکن ماحول کے باوجود جس شوق و لگن سے علم حاصل کیا اس کی ایک نسبتاً تفصیلی اور دلچسپ داستان آپ کو نعمت اللہ الجزائریؒ کی خودنوشت سوانح میں نظر آئے گی کہ خربوزے کے چھلکے کھا کر پیٹ کی آگ بجھاتے تھے اور چراغ میسر نہ ہونے کے سبب چاند کی روشنی میں پڑھا کرتے تھے۔

آج دینی تعلیم حاصل کرنے والے افراد جو گاہے بگاہے ہر کس و ناکس سے اپنی تکالیف کا اظہار کرتے ہیں اگر جزائری صاحب کے دورِ طالب علمی کا اپنے طالبِ علمی کے دور سے موازنہ کریں تو شاید سوائے کلمۂ شکر ان کی زبان سے حرفِ شکایت کبھی ادا نہ ہو۔

باخبر قارئین کو یاد ہوگا کہ علمائے ہندوستان کے مختصر حالات پر مشتمل ایک کتاب ''مطلع الانوار'' کے نام سے مولانا مرتضیٰ حسین نے تالیف کی تھی

لیکن موجودہ کتاب شیخ صدوق سے لے کر مؤلف کے دور تک کے علمائے اثناعشریہ کے حالات پر مبنی ہے۔ میرزا صاحب نے اس کتاب کی تالیف سے بیس برس قبل ''تذکرۃ العلماء'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی تھی لیکن اس سے مطمئن نہ تھے چنانچہ مزید معلومات اکٹھا کرنے کے بعد انہوں نے یہ کتاب مرتب کی اور صرف تین ماہ کے عرصے میں یہ کام مکمل کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب میں تمام علماءِ حقہ کا تذکرہ نہیں کیا گیا لیکن نامور علماء کے حالات جہاں تک میرزا صاحب کو دستیاب ہوئے انہوں نے پیش کر دیئے اور یہ ان کی پچاس برس کی جستجو کا نچوڑ ہے۔

یوں تو مغرب کے باشندوں کیلئے یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو دوسروں کے مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ وہ سیکولر لوگ ہیں لیکن جن طلباء کو دوران تعلیم ہوسٹلز میں غیر مذاہب والوں کے ساتھ رہنا ہوتا ہے ان کو اکثر چھیڑا جاتا ہے اور دین اسلام کی مختلف انداز سے تضحیک کی جاتی ہے۔ ایسے طلباء اگر اس کتاب کے آخر میں میرزا صاحب کا ایک عیسائی سے مناظرہ پڑھ لیں تو ان کی اپنے دین کا دفاع کرنے کی صلاحیت بڑھ جائے گی۔

آخر میں ہم محترمہ ملیکہ خاتون کاظمی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ان کی بے لوث زحمتوں کے سبب اس عظیم کتاب کا آسان اور عام فہم ترجمہ پیش کرنے کے قابل ہو سکے۔ خداوندِ کریم ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور دنیا اور آخرت میں اپنی مہربانیاں ان پر نچھاور کرتا رہے۔

والسلام

سید فیضیاب علی رضوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مترجم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد المصطفیٰ و آلہ الطیبین الطاہرین

بحمد للہ جلیل القدر عالم میرزا محمد تنکابنی کی کتاب "قصص العلماء" کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

سب سے پہلے تو میں اپنے ایک کرم فرما محترم سید سجاد حیدر زیدی صاحب کی بے حد ممنون ہوں جن کی تحریک و تشویق پر ان کی پیش کردہ ایک کتاب کا ترجمہ کیا لیکن وہ کتاب بعض مصالح کے تحت تا حال طباعت کے مراحل سے نہیں گزری۔

پھر جن لوگوں کی وساطت سے کتاب ھذا ترجمہ کے لئے میرے پاس پہنچی وہ بھی میرے شکریے اور خدائے عز و جل سے جزائے خیر پانے کے حقدار ہیں۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ محترم سید اشفاق حسین نقوی صاحب جو اس کتاب کا ترجمہ کرا رہے تھے اس کے مکمل ہونے سے پہلے ہی ہم سے جدا ہو گئے۔ خداوند کریم ان کو جوارِ معصومینؑ میں جگہ عطا فرمائے اور روز افزوں ان کے درجات عالیہ میں اضافہ فرمائے۔

"قصص العلماء" بڑی دقیق قدیم فارسی زبان میں ہے اور اس میں جگہ جگہ علمی موضوعات بھی ہیں کوشش بہر کیف یہی رہی ہے کہ ترجمہ عام فہم اور بامحاورہ ہو، تاہم کہیں موضوع کی سنگینی کی بناء پر اگر عبارت میں ثقل پیدا ہو گیا ہو تو یقیناً قابل معذرت ہوگا۔ حتی الوسع یہی کوشش کی ہے کہ مطلب بالکل واضح ہو جائے لہٰذا جگہ جگہ FOOT NOTE لکھ دیئے ہیں۔

اور جیسا کہ خاتمۂ کتاب پر مؤلف گرامی قدر نے اس کتاب کے ۱۴ فوائد بیان کیے تو یقیناً ہمارا اردو دان طبقہ بھی ان سے مستفید ہو سکے گا۔

میں اپنی اس حقیر کاوش کو بارگاہِ معصومینؑ میں ہدیہ کرتی ہوں۔ امید ہے کہ قارئین کرام اس کو سراہیں گے اور جناب سید اشفاق حسین نقوی مرحوم اور دیگر تمام ارواحِ مومنین و مومنات کو سورۂ فاتحہ کا ہدیہ ارسال فرمائیں گے نیز اس ناچیز کے والدین اور شوہر (سید صاحب عالم زیدی مرحوم) کو بھی دعائے مغفرت میں یاد فرمائیں گے اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مزید توفیقات کی دعا فرمائیں گے۔

والسلام

خاکپائے اہل بیتؑ احقر العباد

سیدہ ملیکہ خاتون کاظمی

بی اے (آنرز) فارسی، ایم اے فارسی

ایم اے اسلامک اسٹڈیز، بی۔ ایڈ

۳ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ

مطابق ۱۶ ستمبر ۲۰۰۴ء

maablib.org

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی انعم علی العباد بالعلوم الکافیه فی السداد و المحتاج الیها فی الرشاد و نصب السفراء الامجاد المرشدین الی معرفة المبداء و المعاد ثم اقام مقامهم القوام الذین بهم ثم السناد و بهم ائتلفت الفرقة بین الامة و رفع الشقاق و العناد و بینوا احکام الشرع بالمتواتر و الاحاد ثم بعد غروب الشموس سماء الرسالة و اختفا بدور بروج الولایة عین العلماء للارشاد و جعل مودتهم و النظر الی وجوههم و متابعتهم وسیلة النجاة یوم التناد و الصلوة و السلام علی خاتم السفرة الکرام البررة قاصم الکفرة و اللداد الموحی الیه بکتاب هو لکل قوم هاد الهادی الی سبیل الانقیاد و آله لاکملین الاشرفین الافضلین الاطهرین الامجاد.

اس کے بعد پروردگار عالم کی بارگاہ کا یہ شرمسار بندہ محمد بن سلیمان التنکابنی اپنے بزرگوار، جلیل القدر دوستوں اور بھائیوں کے ذہن میں یہ بات نقش کرنا چاہتا ہے کہ جب اس حکیم منان نے سلسلۂ رسالتؐ کے ختم ہونے اور دور امامت کے غیبتِ کبریٰ تک پہنچنے کے بعد نجات یافتہ اثناءعشری فرقہ حق کے علمائے اعلام اور فقہائے کرام کو تمام امور کا ملجا و ماوی اور کار ہائے دنیا و آخرت کا ذمہ دار قرار دیا اور ان علماء و فقہا میں سے بیشتر رفتار زمانہ کے ساتھ بالکل فراموش کر دیئے گئے حتیٰ کے ان کے نام، قدر و منزلت، تالیف و تصنیف تک کسی کے علم میں نہ رہے جبکہ ان میں سے بہت سے بڑی کرامات کے مالک تھے اور ان کے مراتب عالیہ کے اظہار سے تحصیلِ علم کی رغبت، اہلِ علم سے محبت اور ذہن و فہم کو جلا مل سکتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی محبت ہی اماموں سے محبت کا ثبوت ہے۔

مجھے انتہائی تعجب تو ان لوگوں پر ہوتا ہے جو تاریخ نگاری کرتے ہیں اور اس میں عیسائیوں، مجوسیوں اور بت پرستوں کے قصے لکھا کرتے ہیں بلکہ بعض ایسے شعراء تک کے حالات جو الشعرا یتبعهم الغاون (۱) کا مصداق ہیں ان کے اشعار کے دیوان جمع کر کے لوگوں میں ان کی نشر و اشاعت کرتے ہیں لیکن علماء کے حالات کی طرف شاید ہی کوئی متوجہ ہوتا ہو۔

علماء کے سلسلے میں چند ایک ہی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے ایک معالم العلماء ہے جو محمد بن علی شہرآشوب نے لکھی۔ وہ محقق طوسی کے والد کے مشائخ جلیل القدر میں سے تھے اور پانچویں صدی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس ناچیز کی نظر سے اس کتاب کا کوئی نسخہ تو نہیں گزرا ہاں سنا ہے کہ انہوں نے اپنے وقت سے لیکر شیخ طوسی کے زمانہ تک کے علماء کا جو چوتھی صدی ہجری کا دور ہے تذکرہ کیا ہے۔

دوسری کتاب عبید اللہ بن علی کی ہے جو صدوق کے بھائی کے پوتوں میں سے ہیں انہوں نے اس سلسلہ میں فہرست نامی کتاب لکھی جس میں شیخ طوسی سے لے کر اپنے وقت تک کے علماء کے حالات تحریر کیے۔ اس فقیر حقیر نے وہ کتاب بھی نہیں دیکھی۔

ایک اور کتاب امل الامل علمائے جبل عامل کے احوال میں ہے جو صاحب وسائل محمد بن حسن بن حُر عاملی کی تالیف ہے اور بہت مختصر ہے میری نظر سے یہ کتاب بھی نہیں گزری۔

لؤلؤی بحرین نامی ایک کتاب ہے جو شیخ یوسف صاحب حدائق نے اپنے دو بھتیجوں شیخ خلف اور شیخ حسین کے اجازوں میں لکھی۔

آقا سید شفیع بروجردی نے کتاب روضة البهیه تالیف کی جو اپنے صاحبزادے سید علی اکبر کے اجازہ میں تھی مذکورہ شریعۃ العلماء کے شاگرد ہیں اور یہ کتاب روضة البهیه یوں سمجھیں کہ بس لؤلؤ ہی کی طرح ہے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔

(۱) بھٹکے ہوئے لوگ شاعروں کی پیروی کرتے ہیں۔ (سورہ شعراء آیت ۲۲۴)

کچھ مشاہیر علماء کا تذکرہ قاضی نور اللہ ششتری نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں کیا ہے۔

پھر اس مؤلفِ حقیر کی اپنی کتاب تذکرۃ العلماء ہے جو میں نے بیس سال پہلے تالیف کی تھی لیکن اس وقت وسائل اتنے نہیں تھے اور زیادہ چھان بین نہیں ہو سکی تھی۔

ایک رسالہ شیخ اسد اللہ نے تالیف کیا جس میں چند مشہور علماء کے حالات قلمبند کیے وہ شیخ جعفر نجفی کے شاگرد اور داماد تھے۔

لہٰذا حقیر کی یہ خواہش ہوئی کہ جہاں جہاں سے بھی تحریری یا زبانی حالات معلوم ہو سکیں ان کو میں مفصل طور پر علمائے نامدار کے ناموں کے ساتھ ان کی عمر، وقتِ ولادت و وفات، ان کی تالیفات، اساتذہ، مشائخ اجازہ، ان کے شاگرد اور جن کے لئے انہوں نے اجازے لکھے اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات، مناظرات، شاہانِ وقت کے ساتھ ان کا طرزِ سلوک، عادات و اطوار، زہد و پرہیزگاری، زود فہمی، ثقاوت و نقاوت، حصولِ علم میں ان کی کاوشیں اور جو ان میں صاحبانِ کرامت تھے ان کی کرامات، سب کو اکٹھا کر کے ایک کتاب "قصص العلماء" کے نام سے لکھ دوں۔ امید ہے کہ یہ خواص و عوام، طالبانِ علم و زہاد سب کے لئے کارآمد ثابت ہوگی اور وہ اپنے نماز وتر کے قنوت میں ان کا نام لیکر ان کے لئے دعائے مغفرت کریں گے۔ تاکہ ان کی ارواحِ عالیہ سے فیضیاب ہو کر تحصیل علم اور طریق عبادت میں معین ثابت ہوں۔

اس ناچیز نے کرامات علماء کے بارے میں ایک علیحدہ رسالہ بھی لکھا ہے اور درحقیقت کرامات علماء کے تذکرہ سے ائمہ و انبیاء کے معجزات پر یقین پیدا ہوتا ہے اور یہ شریعت خاتم المرسلینؐ کے لئے ایک بڑا سرمایہ ہے۔ امید ہے کہ قارئین مؤلف کو بھی طلبِ مغفرت کے ساتھ یاد رکھیں گے۔

اس حقیر نے تذکرۃ العلماء میں علمائے کرام کے نام حروفِ تہجی کی ترتیب سے ذکر کیے ہیں جیسے کہ اربابِ علم رجال، رجال کے ناموں کو اس طرح ترتیب دیا کرتے ہیں لیکن اس کتاب میں، میں نے علماء کے نام اجازات، زمانہ اور وقت کے لحاظ سے لکھے ہیں اور حسابِ ابجد کے حروف سے نشاندہی کی ہے میں نے ابتداء اپنے زمانے کے علماء سے کی ہے اور انہی کے درمیان میں اپنے سیّد استاد کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

میرزا محمد تنکابنی

آقا سیّد ابراہیم بن سیّد محمد باقر موسوی

اس خاکسار کے استاد، ہر جگہ شہرت رکھنے والے، یگانہ روزگار اور علم فقہ و علم اصول و رجال میں بے مثل، تدریس میں تمام مدرسین پر فوقیت رکھنے والے، پرچم تدقیق، مینارِ تحقیق، فقاہت کا طور تھے۔ آپ کا درس ہر ایک کے لئے متوسط ہو یا مستفید و مفید ہر ایک اپنے حسب حال آپ سے بہرہ در ہوتا تھا۔ عتبۂ عالیہ حسینیہ میں رہا کرتے تھے اور حضرت سید الشہداءؑ کے حایرِ مبارک کے صحن سے متصل جو مسجد مدرسۂ سردار کی ہے اس میں تدریس فرمایا کرتے تھے اور آپ کی مجلسِ درس میں سات سو، آٹھ سو بلکہ ہزار طالبعلم، فقہا، مجتہدین مسئلہ کا استنباط کرنے والے افراد موجود ہوتے تھے۔ مثلاً آقا شیخ زین العابدین بار فروشی، آقا سیّد حسین ترک، آقا سیّد اسد اللہ نجل حجۃ الاسلام اور آقا شیخ مہدی کجوری جو شیراز کے ہیں، مرحوم آقا سیّد ابوالحسن تنکابنی، حاجی محمد کریم مجتہد لاہجی، مرحوم شیخ عبد الحسین طہرانی، مرحوم ملا علی محمد ترک، جناب حاجی ملا علی کنی سلمہ اللہ، میرزا محمد حسین ساروی، میرزا محمد محسن اردبیلی، آقا میرزا صالح عرب، آقا میرزا رضائی دامغانی، شیخ محمد طاہر گیلانی، ملا محمد صادق ترک اور آقا جمالائی محلاتی وغیرہ جن میں سے ہر ایک اپنے میدان میں باکمال تھا۔ میں نے بھی سالہا سال ان کی شاگردی کی ہے اور علوم نقلی جو فقہ سے متعلق ہیں اور علم واصول و رجال میں ان سے سند پائی ہے۔ آپ دو درس دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات اس قدر اژدہام ہو جاتا تھا کہ طلباء کی کثرت کی وجہ سے مسجد چھلک اٹھتی تھی اور سائبان لگانے پڑتے تھے۔ مسجد کا نصف صحن طلاب اور علماء سے بھر جاتا تھا۔ ایک درس علم اصول پر ہوتا تھا کہ جس میں وہ اپنی ذاتی کاوشوں اور افکار کے نتائج پیش کیا کرتے تھے جس میں آپ اپنی عبارت پڑھتے اور پھر اس کی تشریح کرتے اور دوسرا درس محقق اول کی کتاب شرائع کا۔ اس کتاب کی عبارت کی دو دو سطریں طلباء پڑھتے جاتے اور آپ ایک ایک مسئلہ پر وضاحتی تقریر کیا کرتے تھے۔

اور اکثر اوقات یہ ہوتا کہ آپ جس ترتیب سے فقہ لکھا کرتے تھے اس کا درس دینے لگتے تھے اور جب درس مکمل ہو جاتا تو اپنی فقہ کی عبارت کو جو ان کی کتاب دلائل الاحکام جو شرح شرائع الاسلام ہے کی عبارت ہوتی تھی پڑھتے اور عموماً کہا کرتے تھے کہ اگر کسی کو کچھ کہنا ہے یا اس بات کی تردید کرنی ہے یا اس سے بہتر دلیل اس کے ذہن میں ہے تو وہ بتائے۔ کبھی کسی مجلسِ درس میں یہ نوبت نہیں آئی کہ کسی نے ان کو بحث و مباحثہ میں عاجز کر دیا ہو۔ اگر دورانِ درس کوئی مناظرہ کرنے لگتا تو آپ اس کو جواب دیا کرتے تھے لیکن اگر دیکھتے کہ حریف مخالف محض لڑائی جھگڑا کرنا چاہتا ہے اور حقیقت مسئلہ سمجھنے کا رجحان نہیں رکھتا تو آپ سکوت فرما لیتے اور کچھ بحث نہ کرتے۔

کتاب فصول کے مؤلف مرحوم شیخ محمد حسین آپ کے ہم عصر تھے اور جب وہ آپ کی مجالس میں بیٹھے ہوتے تو آپس میں گفتگو کرتے اور سوالات کرتے۔ استاد ان کا جواب دیا کرتے لیکن شیخ جب اپنا استدلال پیش کرتے تو آپ چپ ہو جاتے اور ان کی تصدیق کر دیتے۔ جب آپ کے ایک شاگرد حاجی شیخ محمد مہدی کجوری کو اس بات کا پتہ چلا تو ایسی مجلس میں وہ استاد کی خدمت میں جا بیٹھے اور جب بحث شروع ہوتی تو شیخ محمد مہدی مقابلہ پر ان کے جوابات دیتے اور ہمیشہ صاحب فصول پر غالب آ جاتے۔ ایک شب اجتماع امر و نہی کے مسئلہ پر بحث ہوئی شیخ محمد حسین اس کے مخالف اور شیخ محمد مہدی اس کے حامی تھے آخر شیخ محمد مہدی ان پر غالب آ گئے اور استاد خاموش بیٹھے دیکھتے رہے حتیٰ کہ بعد میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ جس مجلس میں شیخ محمد مہدی موجود ہوتے وہاں صاحب فصول نے آنا چھوڑ دیا۔ صاحب فصول بڑے کم گو انسان تھے اور شیخ مہدی خوب بولتے تھے اور علوم نقلی اور عقلی کے جامع تھے۔

استاد کے والد بزرگوار آقا سیّد محمد باقر دہات خمسہ میں سے اہل خوئین سے تعلق رکھتے تھے اور قزوین میں رہا کرتے تھے اس کے بعد اپنے صاحبزادے کے ہمراہ کرمانشاہ چلے گئے اور خود شاہزادۂ آزادہ محمد علی میرزا کے پاس رہنے لگے اور شاہزادوں کے معلم قرار پائے اور اپنے فرزند ارجمند ہمارے سیّد استاد کو کربلا بھیج دیا۔ سیّد استاد نے آخری دنوں میں آقا سیّد علی اعلی اللہ مقامہ، صاحب شرح کبیر و صغیر جیسے جلیل القدر اور متقی و پرہیزگار بزرگ سے درس

پڑھا اور ان کے بعد علم کے عظیم سمندر، مؤسس اصول محمد شریف بن ملا حسین علی آملی مازندرانی، جو شریف العلماء کا لقب رکھتے تھے اور جن کا مسکن و مدفن کربلا تھا، کے شاگرد ہوئے۔ شریف العلماء کی مجلس درس میں ایک ہزار سے بھی زیادہ طلبا و علماء شریک ہوتے تھے اور چونکہ شریف العلماء شروع شروع میں فقہ کا درس نہیں دیا کرتے تھے تو سیّد استاد علم حصول کی تحصیل کے بعد نجف اشرف تشریف لے گئے اور سب سے بڑے فقیہ، اکرم، افضل اور اعلم بہترین محقق جلیل ترین و بزرگ ترین عالم شیخ علی بن جعفر جو محقق ثالث کہلاتے ہیں کے درس فقہ میں سترہ ماہ تک حاضر ہوتے رہے اور فقہ سیکھتے رہے پھر کربلا واپس تشریف لائے۔ اس بناء پر شریف العلماء ان سے بڑے شکستہ خاطر ہوئے کہ میرے درس سے کیوں کنارہ کشی کی۔ اس پر بعض شاگردوں نے عذر پیش کیا کہ آپ فقہ کی تعلیم نہیں دیتے جبکہ فقہ طلباء کے لئے ضروری بلکہ اصول کا مقدمہ ہے چنانچہ شریف العلماء نے ایک درس فقہ کا آغاز کیا اور مسئلہ بیع فضولی کو عنوان قرار دے کر آٹھ ماہ تک اسی موضوع پر درس دیتے رہے حتیٰ کہ جوارِ رحمت ایزدی میں پہنچ گئے۔ ان کے ایک شاگرد مرحوم شیخ مرتضیٰ تستری نے اپنی کتاب متاجر میں اپنے استاد شریف العلماء کے اقوال ذکر کیے ہیں۔

المختصر سیّد استاد نے اپنے درس کا آغاز کیا اور اس وقت تین سو افراد آپ کی مجلسِ درس میں شرکت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عالم خواب میں اپنی جدہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو دیکھا کہ دوات و قلم عنایت فرما رہی ہیں اور ارشاد فرما رہی ہیں کہ اے فرزند فقہ لکھو اور چونکہ استاد مرحوم نے آقا سیّد علی کے فرزند آقا سیّد محمدؒ سے بھی جو صاحب مناھل اور مفاتیح الاصول ہیں کچھ مدت تعلیم پائی تھی تو آقا سیّد محمد نے ان کو فقہ کی کتابیں تالیف کرنے کی ترغیب دی اور اس کے لئے ضروری سامان اور کتابیں فراہم کردیں اور حکم دیا کہ قضاوت کے بارے میں کتاب تصنیف کرو۔ آپ نے ایک مکمل کتاب قضا تصنیف کی۔ کچھ عرصے بعد لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ ایک فارسی رسالہ بھی ہونا چاہیے تاکہ ہم آپ کی تقلید کرسکیں تو آپ نے قران مجید سے استخارہ نکالا تو یہ آیت نکلی **دیناقیماملة ابراهیم حنیفاً**

آپ کی تالیفات میں کتاب 'ضوابط الاصول' دو جلدوں میں ہے اور مشہور یہ ہے کہ اس کو آپ نے مکہ میں دو ماہ میں تالیف کرلیا تھا اور یہ آپ کی ایک کرامت ہے اور اس کی تالیف اسی سال ہوئی جب طاعون کی وبا پھوٹ پڑی تھی۔ آپ نے یہ نسخہ اس طرح لکھا کہ اکثر صفحات کی سطروں میں اول و آخر کے حروف یکساں ہوتے تھے مثلاً ایک صفحہ پر اگر ہر سطر کے شروع میں الف آیا ہے تو اس صفحہ کے ہر سطر کے آخر میں نون یا لام تھا وغیرہ دو ماہ کی مدت میں اصول کے تمام قواعد اس متانت کے ساتھ اور مذکورہ طرز پر کہ اول سطور و آخر سطور میں ہم آہنگی باقی ہے یہ سوائے تائید الٰہی اور پروردگار عالم کی بے انتہا نوازش کے سوا کچھ نہیں۔ اس ناچیز نے بھی 'ضوابط' پر حاشیہ لکھا ہے۔

دوسری کتاب اصول میں 'نتائج الافکار' ہے جو تقریباً 'معالم' کے برابر ہے اس میں بھی اصول کے تمام پہلو، دلائل، اقوال موجود ہیں اور بڑی فصیح و بلیغ عبارت میں ہے اور آپ اسی کتاب کو موضوع بنا کر درس دیا کرتے تھے۔ انہی سالوں میں، میں بھی آپ کی مجلسِ درس میں استفادہ کرتا تھا اور میں نے اس کتاب پر بہت سے حواشی لکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علم اصول میں ایسی فصاحت، بلاغت اور خوبیوں کے ساتھ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ آپ کے شاگردوں نے اس پر بہت سی شرحیں لکھی ہیں جیسے آقا شیخ مہدی کجوری، آقا سیّد ابوالحسن تنکابنی ساکن قزوین وغیرہ نے۔

کتاب 'نتائج' دو چھوٹی جلدوں میں ہے۔ ایک رسالہ حجیت ظن میں پوری تفصیل سے تالیف کیا ہے بہت عمدہ رسالہ ہے اور اس میں بڑی تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ کتاب 'دلائل الاحکام' جو 'شرائع الاسلام' کی شرح ہے جو اول طہارت سے لیکر حدود و قصاص تک لکھی گئی ہے اور کئی جلدوں میں ہے۔

اس فقیر کے پاس اس کتاب کی ایک جلد طہارت میں، ایک جلد نماز میں، ایک بڑی جلد زکوٰۃ خمس میں، روزہ ایک بڑی جلد میں، اجرت کے متعلق تمام مسائل تین جلدوں میں، نکاح ایک بڑی جلد میں اور طلاق، ظہار، لعان، ایلاء، خلع، مبارات ایک بڑی جلد میں۔ شکار، ذبیحہ کھانے پینے کے مسائل ایک جلد میں اور باقی کو ان کی خدمت سے واپس آجانے کے بعد لکھا۔ اس کتاب میں فروعی مسائل بہت ہیں اور بے شمار دلائل دیئے گئے ہیں جو اور کسی مبسوط کتاب میں نہیں ملتے۔ بڑی فصیح و بلیغ مختصر آزاد عبارتوں میں نکاح سے آخر تک لکھا ہے اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ حقیقت میں بلا مبالغہ ایسی

چھان بین اور تحقیق کے ساتھ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اور یہ حقیر دورانِ تدریس وتصنیفِ نکاح وطلاق، خلع، مبارات، ظہار، لعان وایلاء واقرار سے آپ کی خدمت میں استفادہ کیا کرتا تھا۔

ایک فارسی رسالہ طہارت، نماز، روزہ میں ہے ایک نادر مفصل رسالہ طہارت وصلوٰۃ میں ہے۔ مناسکِ حج میں رسالہ، غیبت اور اس کی فروعات کے حرام ہونے کے بارے میں رسالہ، اور نمازِ جمعہ کے بارے میں رسالہ اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قواعد فقہیہ سے پانچ سو قاعدے جمع کیے تاکہ قواعد کلیہ تالیف کر دوں لیکن کتاب دیات میں قواعدِ کلیہ نہیں ملے اور جو ہے وہ بر بنائے دلیل ہے۔

آپ کا حافظہ بہترین تھا کہ ایک دفعہ جو نظر سے گزر جاتا حفظ ہو جاتا لیکن کہتے یہ تھے کہ جلد ذہن سے اتر جاتا ہے اور یاد نہیں رہتا۔ آپ بہت خوشخط تھے اور خط نسخ وشکستہ نستعلیق میں اپنے ہم عصروں میں سب سے بڑھ کر تھے اور کہتے تھے کہ میں نے صرف دو ورق مشق کے طور پر لکھے یہ آپ کی ایک کرامت ہے۔ اور آپ یہ بھی کہتے تھے کہ کتاب قوانین کو میں نے ساٹھ مرتبہ دہرایا ہے۔

شریف العلماء کے انتقال کے بعد آپ نے ان کی بیوہ سے نکاح کیا لیکن ان سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ایک دوسری خاتون سے آپ کی بیٹیاں ہوئیں کہ جن میں سے ایک کی خواستگاری مرحوم ملا علی محمد نے کی اور سیّد نے قبول کیا اور وہ ان کے فاضل شاگردوں میں سے تھے اور استاد کی زندگی میں چٹھی نویسی، نماز جماعت، اور وعظ وتدریس میں مشغول رہا کرتے تھے اور اپنے استاد کی وفات کے بعد ان کی بیوہ سے جو ان سے پہلے شریف العلماء کی بیوہ تھیں نکاح کیا۔ لیکن زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ملا علی محمد کے اہل شہر نے ان کو مہمان بنا کر بلایا اور زہر دیکر ہلاک کر دیا۔ اور ایک بیوی سے ان کے دو بیٹے پسماندگان میں بچے۔

استاد کے اہتمام سے قلعہ سامرہ کی تعمیر ہوئی۔ موقوفاتِ ہند سے سالانہ ایک بڑی رقم آیا کرتی تھی جس کی مدد سے وہ فقراء کی دستگیری کیا کرتے اور مشاہدات مشرفہ کی تعمیر فرماتے۔

آپ کا اخلاق اس قدر بلند تھا کہ کاتب کا قلم اس کی تحریر کا یارا نہیں رکھتا۔ بلکہ مجھ ناچیز نے علمائے عرب وعجم میں اس قدر خوش اخلاق شخص دیکھا ہی نہیں۔ اگر ایک عام یا غیر عام ممیز بچہ چاہے شرفاء کا ہو یا غیر شرفاء کا ان کے پاس چلا آتا تو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آتے اور ان کے لئے اپنی جگہ سے کھڑے ہو جاتے تھے اور یہ کیفیت اہل زمانہ میں کہیں دکھائی نہیں دیتی اور اگر ان کے سامنے اول فول بکتے یا معاذ اللہ ان کو گالیاں بھی دیتے تو وہ خاموش رہتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک دن ایک اعرابی جو سیّد محمد کاظم رشتی شیخی کے مریدوں میں سے تھا اور شیخیہ اور فقہا میں بڑی منافرت اور چپقلش چلی آ رہی تھی تو وہ بد شخص آپ کے درس کی مجلس میں گھس آیا اور گالم گلوچ اور بکواس کرنے لگا اس کی کمر میں ایک خنجر چھپا ہوا تھا اور وہ بڑھتا چلا آ رہا تھا اور سیّد استاد سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے اچانک کسی خادم کو حقیقت حال کا علم ہو گیا اور اس نے اس ملعون کا گریبان پکڑ لیا اس پر بھی استاد نے کہا: اسے کچھ نہ کہو اور کوئی سزا نہ دو کیونکہ یہ شخص پاگل ہے۔ خادم اس کو گھسیٹ کر باہر لے گیا اور سید الشہداؑ کے صحن میں لا کر پھینک دیا اور خوب ڈنڈے مارے۔

آپ اپنی مجلس درس میں کسی شاگرد کی گفتگو پر خفا نہ ہوتے تھے حالانکہ وہ اکثر آپ سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو جاتے تھے لیکن آپ قاعدہ قانون کے تحت ہی ان سے بحث ومباحثہ کرتے تھے اور اگر وہ زیادہ پریشان کرتے تو مسکرا کر ان کی طرف سے رخ پھیر لیتے اور کہتے تھے مناسب گفتگو کرو۔ اس سے زیادہ ہم نے ان سے کچھ نہیں دیکھا۔

ان چند سالوں میں جب ہم آپ کی خدمت میں رہے تو آپ نے کسی خاص بات کے سلسلے میں دو تین بار موعظہ فرمایا بڑی صاف ستھری آسان زبان میں تفسیر قرآن کی باریکیاں پیش کرتے ہوئے۔

ایک مزیدار قصہ جو میں نے ان سے سنا یہ تھا کہ ایک دیہاتی کا جب وقتِ آخر آ پہنچا تو اس نے وصیت کی کہ فلاں شخص کو میرے مال سے محروم نہ کیا جائے۔ اس شخص کے وصی نے اس گاؤں کے ایک عالم سے جو اصولِ فقہ جانتا تھا اس مسئلہ کی وضاحت چاہی۔ تو اس عالم نے جواب میں کہا کہ قاعدوں

کی رو سے اس شخص کو جس کے بارے میں وصیت کی گئی ہے کچھ نہیں دینا چاہئے کیونکہ نفی + نفی = اثبات ہے تو اس طرح اسے دینے سے روکا گیا ہے لہذا اسے کچھ نہ دو۔ اتفاقاً کچھ عرصے بعد ایک علم اصول کا عالم یہاں آ پہنچا۔ جب اس سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو اس عالم اصولی نے کہا کہ مناسب جواب یہ ہے کہ اس شخص کو ضرور کچھ ملنا چاہیے کیونکہ نفی + نفی = اثبات کا قاعدہ یہاں نہیں چل سکتا کیونکہ اوقاف اور وصیتوں کے بارے میں جو کچھ کہا جائے وہ عرف عام میں جو سمجھا جائے اس پر عمل درآمد ہونا چاہیے اور اس قسم کی گفتگو میں عربی عرف عام کا بھی مطلب یہی ہے کہ جس کے متعلق وصیت کی گئی ہے اسے کچھ ضرور دو اور قاعدہ عرف عام یہاں لاگو ہونا چاہیے۔

ایک اور حکایت جو مجلس درس میں بیان ہوئی وہ یہ تھی کہ استاد (خدا ان کی قبر کو پاکیزہ قرار دے) دہلی درز وجات کا درس دے رہے تھے اور اس کے جائز ہونے کے بارے میں دلائل دے رہے تھے اور پھر فرمایا کہ اگر اس کے علاوہ بھی کسی کے ذہن میں کوئی دلیل ہو تو وہ بتائے اس پر ملا محمد علی ترک نے جو ان کے بہترین شاگردوں میں سے تھے کہا کہ مجھے اس سلسلے میں ایک اور دلیل بھی ملتی ہے تو ہونے پوچھا کہ وہ کون سی دلیل ہے تو انہوں نے کہا کہ علماء کی سیرت میں یہ بات پائی جاتی ہے اس پر استاد اور سارے حاضرین ہنس پڑے۔

تیسرا واقعہ: ایک دفعہ استاد (اللہ ان کی قبر کو روشن کرے) اپنی مجلس درس میں یہ مسئلہ سمجھا رہے تھے کہ اگر کوئی کسی کو مال دے اور کسی شخص کو اپنا وکیل بنائے کہ فلاں گروہ میں اس کو خرچ کردو اور وہ وکیل اس گروہ کا فرد ہو تو آیا اس وکیل کے لئے جائز ہے کہ اپنا حصہ بھی اس مال سے لے لے تو آپ نے فرمایا کہ احتیاط یہ ہے کہ خود کچھ نہ لے۔ مرحوم ملا علی محمد نے ظرافت اور مذاق کے طور پر کہا یہ احتیاط فتویٰ ہے یا محض عملی ہے۔ اس پر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ نفی بمعنی نفی ہی ہے۔

آپ ہمیشہ فیض اخباری کی 'مفاتیح' پر تنقید کرتے تھے کہ **لو سماہ بمختصر المسالک لکان اولی** یعنی آپ کی مراد یہ تھی کہ مفاتیح میں مطالب مسالک کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ آپ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ اجتہاد تین طرح کا ہوتا ہے ایک یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر اقوال اور شہرت اجماع کو اکٹھا کر کے اقوال پر دلائل دیئے جائیں اور ان میں سے ایک کو اختیار کر کے مسئلہ کو ختم کر دیں۔ دوسرے یہ کہ دلائل جمع کر کے خوب جرح و تعدیل کی جائے اور اس کی کچھ فروعات بھی پیش کی جائیں۔ تیسرے یہ کہ ان قواعد کلیہ کو جن پر مسئلہ کا انحصار ہے خوب خوب کھنگال کر بتایا جائے اور تحریر کیا جائے اور اس قدر دلائل دیئے جائیں کہ فتویٰ کو علم بنا دیں یا علم سے قریب تر کر دیں اور اتنی فروعات نکالیں کہ انتہا نہ رہے اور مقابل کی دلیل کو اتنا کمزور بنا دیں کہ وہ تقریباً باطل ہو کر رہ جائے (یاد رہے کہ) آقا سید علی طباطبائی نے شرح کبیر ان تینوں میں سے پہلے طریقے پر لکھی ہے۔ مؤلف کتاب کہتا ہے کہ استاد کی مراد یہ نہیں ہے کہ صاحب ریاض کو اول درجہ اجتہاد سے زیادہ مرتبہ حاصل نہیں بلکہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ریاض جو شرح کبیر ہے وہ پہلے درجہ کے اجتہاد کے مطابق لکھی گئی ہے۔ ورنہ آقا سید علی (خدا ان کے مقام کو بلند کرے) استاد المجتہدین ہیں اور عالم علیم اور ذخار سمندر ہیں۔ جیسا کہ ہم ان کے حالات کے بیان میں ذکر کریں گے۔

اور یہ بات بھی غیر واضح نہ رہے کہ تقلید اعلم کے لازمی نہ ہونے کے بارے میں جو دلائل ہیں جن کو ہم نے ایک علیحدہ رسالہ میں جو تقلید سے متعلق ہے لکھا ہے کہ فقہا کے انداز مقدمات اجتہاد اور اصول اور درجات اجتہاد کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں بلکہ ہر کوئی ان ہی سے کسی ایک میں ماہر ہوتا ہے ایک عربیت میں آگے ہوتا ہے تو دوسرا رجال میں باکمال۔ تیسرا اصول میں، کوئی دلائلِ لفظی میں، کوئی دلائلِ عقلی میں، کوئی اور ابتدائی درجات میں سبقت لے جاتا ہے۔ پھر کوئی عبادات میں، کوئی معاملات میں زیادہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔ چنانچہ ایسا شخص جو مکمل فقہ میں، اس کے مقدمات میں اور دیگر تمام چیزوں میں باکمال ہو انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص ہو ہی نہیں سکتا۔

جناب سید استاد پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس فقیر کے اجتہاد کی تصدیق لکھی لیکن روایتی اجازہ کوئی نہ لکھا اور میں نے اس قسم کے اجازہ کی ان سے خواہش بھی نہیں کی تھی۔ اگرچہ ان کی یہی تحریر اجازہ کے برابر ہے اور بہتر یہ ہے کہ میں ان کا اجازہ اور تصدیق نامہ عین انہی کی عبارت میں تحریر کردوں تاکہ ان کی جودت تقریر و حسن تحریر و فصاحت و بلاغت و جزالت و سلاست اور شیرینی بیان کا اندازہ ہو سکے اور لوگ اسے سمجھ سکیں کہ آپ کو میرے اوپر کتنا اعتماد

تھا اور مجھ پر کتنے مہربان تھے اور ان کے نثری موتیوں سے مستفید ہو سکیں۔

سید الاستاد کے اجازہ کی نقل یہ ہے:

تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے شریعت خاتم الانبیا کے ذریعے ہماری ہدایت کا سامان کیا اور ہمیں راہِ حق پر یوم جزا تک برقرار رکھنے کیلئے ایک کے بعد ایک اوصیاء کے ذریعے ہماری مسلسل ہدایت جاری رکھی۔ پھر آنجنابؑ کے زمانہ غیبت میں ان علماء کے اتباع کا ہمیں حکم دیا جن کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون پر فوقیت رکھتی ہے۔

امابعد پس جو بیان کرنے کا ارادہ ہے کہ جس پر پردہ ڈالنا اور چھپانا زیبا نہیں ہے وہ ہیں جناب عالم، عامل، فاضل، کامل، حقائق کا سمندر اور باریک بینی کا خزانہ، فیض رسانی کا منبع، فوائد کا چشمہ، گفتگو اور فکر کی کان، نظم اور نثر کا ذخیرہ، فروع اور اصول کے محقق، معقول اور منقول کی چھان بین کرنے والے، یگانۂ عصر، یکتائے دہر، علمائے اعلام کے علامہ، فضلائے کرام کے پسندیدہ، فضل عظیم کے مالک، سلیم الطبع، راست فکر رکھنے والے، خوبیوں اور شرافت کے مالک، کرامتوں اور فضیلتوں کے سمیٹنے والے۔ ہمارے عزیز روحانی بیٹے آقا میرزا محمد تنکابنی، اللہ ان کی عمر دراز کرے، اپنے فضل اور ہدایت سے اور انہیں سیدھی راہ پر رکھے انہیں ہدایت سے اور انہیں نیک بخت کرے اپنے اہل خاندان اور اہل وطن میں یہ امتیازی شان کے حامل ہیں۔ انہوں نے کچھ وقت میرے ساتھ گزارا اور تحصیل علوم اور تکمیل ادب و رسوم میں پوری کوشش کری انہوں نے عالی مراتب کے حصول، مسائل فقہیہ کی تالیف اور کتب و رسائل کے تصنیف جو نظم اور نثر میں تھے کیلئے اپنی فکر کو مشقت میں ڈالا تا کہ کمال فصاحت اور انتہائی بلاغت گویا نثر کے موتی اور شہرت یافتہ نظم کے گوہر۔ فوائد کی روشنی کو گھیرنے والے، یگانت کے موتی ان کے ہاتھ آئیں، پس ان کی خوبی اللہ کیلئے ہے اور اللہ ان کو پاکیزہ کرے جب وہ تالیفات کرنے لگیں صاحبانِ عقل کیلئے مناسب نہیں ہے کہ موضوعات کو چھوٹا یا بڑا قرار دیں مگر جہاں اہم فوائد کا تذکرہ ضروری ہو۔ پس حکمت کے قواعد میں، مبہم فروعات کی توضیح میں، کثیر نادر تحقیقات اور باریکیوں میں ان کی گہرائی میں اترنے والی نظر ہے وہ ایسے فاسد اعتراضات کو دفعہ کرتے ہیں جو ضابطوں میں خلل ڈالتے ہیں۔ اور دلائل میں روڑے ڈالتے ہیں اور اس سے ان کے حصول علم کی کوششیں اور بلند ہوتی ہیں جنہوں نے ان کے افکار کے نتائج کو اور بہتر کر دیا ہے اور مسائل حلال و حرام میں ان کی بصیرت کی گہرائیوں نے جو انہوں نے حقیقی دلائل احکام سے اخذ کی تھیں قواعد میں کیسا فائدہ دیا ہے کہ جو قرب الٰہی کے متلاشی کو (اسلام میں) داخل ہونے والے کو بھی لگاؤ رکھنے والے کو بھی اور وصول کرنے والے کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ پس تہنیت ہے پاکیزہ جناب کیلئے جب وہ پہنچ گئے ہیں استنباط کرنے کے مرتبے پر اور درجۂ اجتہاد پر اور ان کی تائید کی جاتی ہے ابدی تائیدات سے اور سرمدی توفیقات سے اور ان کی مدد کی جاتی ہے قدسی قوت سے جو اعظم شرائط میں سے ہے اور قوی ترین وسیلوں اور واسطوں سے ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں ہمیشہ کی تائید کیلئے جس طرح مناسب ہو کہ وہ اس کو توفیق دے اچھی رفاقت کی یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کا مرجع ہو جائے اور اہل ملت و دین کی ہدایت کا مینارہ بن جائے اور خلوتوں میں نہ فراموش کرے اور نہ جلوتوں میں کہ بیشک وہ دعاؤں کا پورا کرنے والا اور مرادوں تک پہنچانے والا ہے اور وہی نیکوں کا والی ہے۔

اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس زمانے میں ہم عتبات عالیہ میں تھے اس وقت سید استاد وہاں کے سب سے بڑے عالم اور تمام لوگوں کے مرجع تھے۔ اس زمانے میں مرحوم شیخ محمد حسن رحمتہ اللہ صاحب جواہر الکلام کی نجف اشرف کی مجلس درس میں ساٹھ ستر افراد ہوا کرتے تھے اور شیخ مرتضی اعلی اللہ مقامہ کی مجلس درس میں تقریباً صرف بیس افراد شرکت کرتے تھے۔ استاد مرحوم دوسروں سے زیادہ شہرت یافتہ تھے۔

ایک شخص شیراز میں حادثاتی طور پر وفات پا گیا اس کی وصیت کے مطابق تیسرا حصہ جو چار ہزار تومان تھا سید استاد کی خدمت میں لایا گیا تو مرحوم شیخ محمد حسن نجف سے سید استاد کے گھر آئے اور کہا جب تک میرا حصہ مجھے نہ دیں گے میں باہر نہ نکلوں گا تو استاد نے مبلغ چار سو تومان ان کے حوالے کر دیے۔

مرحوم حجتہ الاسلام نے استاد مرحوم کے رسالہ کو قزوین میں شائع کیا لیکن وہ اس شہر کے لئے ناکافی ہو گیا تو اس کو دوبارہ چھپوایا گیا لیکن ابھی چھپ ہی رہا تھا کہ ان جناب کا انتقال ہو گیا ان بزرگوار کی وفات کے بعد مرحوم شیخ محمد حسن نجفی اعلی اللہ مقامہ کو شہرت حاصل ہوئی۔

مرحوم شیخ محمد حسن ابتداء میں مرحوم استاد کے احکام کی تصدیق نہیں کرتے تھے لیکن جب آپ کے شاگرد شیخ محمد حسن کی خدمت میں آمد و رفت کرنے لگے تو شیخ نے آپ کے شاگردوں کے اجتہاد کی تصدیق کی اور جب ان شاگردوں نے اپنے استاد کے اجتہاد کی تصدیق کی تو پھر شیخ نے بھی تصدیق کردی۔ یہ زمانے کی عجب نیرنگی ہے کہ علم واصول ورجال اور عربیت میں استاد مسلماً شیخ سے کہیں آگے تھے بلکہ فقاہت اور پرہیزگاری وتقویٰ میں وہ شیخ سے بہت زیادہ بلند تھے۔ غالباً شیخ کو شروع میں استاد کے حالات کا زیادہ علم نہیں تھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے استاد کے زھد کا یہ حال تھا کہ باوجودیکہ ہندوستان سے نیشہ رقم جو بیس ہزار تومان پر مشتمل ہوتی اور بہت کچھ مال ایران اور عرب سے موصول ہونے کے آپ فقر وفاقہ میں گزر بسر کرتے تھے اور روزمرہ اخراجات کے علاوہ قناعت پسندی کی وجہ سے اپنے لئے کچھ نہ لیتے تھے۔ انہوں نے کوئی دولت جمع نہیں کی اور جب ضیا السلطنة جو شاہ فتح علی شاہ کی ایک بیٹی تھی اور حسن وجمال اور مال وکمال میں بے مثل تھی، فتح علی شاہ نے آخوند ملا حسن یزدی، صاحب مہیج الاحزان سے خواہش کی کہ ضیا السلطنة کی آخوند کے بیٹے سے شادی کردیں تو انہوں نے قبول نہ کیا اور عذر کیا کہ ہم رعایا کے لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ ہمارے گھروں میں شاہوں کی بیٹیاں رہ سکیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ فاضل قمی، صاحب قوانین کا ایک بیٹا تھا اور مرحوم فتح علی شاہ نے چاہا کہ اپنی ایک بیٹی میرزا کے بیٹے کے عقد میں دیدے۔ جیسے ہی یہ نشست ختم ہوئی میرزا نے پروردگار عالم سے التجا کی اگر شاہزادی میرے بیٹے کی زوجیت میں آنے والی ہے تو اس سے پیشتر تو میرے بیٹے کو موت دیدے۔ ابھی دعا ختم ہی ہوئی تھی کہ میرزا کا بیٹا گھر کے حوض میں ڈوب گیا اور ہلاک ہوگیا۔

قصہ مختصر فتح علی شاہ کی وفات کے بعد ضیا السلطنة عتبات عالیات جو عرشِ معلی کے برابر ہیں کی زیارت سے مشرف ہوئی تو اس نے پہلے تو آقا سیّد محمد مہدی ابن آقا سیّد علی طباطبائی کو پیغام بھیجا کہ مجھ سے نکاح کرلیں۔ سیّد نے انکار کردیا اور جواب دیا کہ میں آپ کی خواہش کو پورا نہیں کرسکتا اور آقا سیّد محمد مہدی بڑے ہی زاہد شخص تھے۔ ان کے بعد شاہزادی نے شیخ محمد حسین، صاحب فصول سے ازدواج کی تمنا کی۔ شیخ نے بھی قبول نہ کیا اور تیسرے اس نے سیّد استاد کے پاس کسی کو بھیجا کہ نکاح کا اعزاز بخشیں تو شیخ نے کہا شہزادیوں کے اخراجات کثیر ہوتے ہیں اور ہم صرف فقر وفاقہ میں گزر بسر کرنے والے لوگ ہیں اور آپ کے اخراجات کے کفیل نہیں ہوسکتے تو پھر شہزادی نے کسی سے پیغام بھیجا کہ میں آپ سے کسی قسم کے اخراجات کی خواہش مند نہ ہونگی بلکہ آپ اور آپ کی اولاد کے اخراجات میرے ذمہ ہوں گے۔

تو ان جناب نے جواب میں فرمایا کہ میرے بیوی بچے سب موجود ہیں جو ہمارے ساتھ تنگی ترشی اور فقر وفاقہ میں گزر بسر کررہے ہیں اور آپ کی قربت اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ میں ان سے چشم پوشی کردوں اور یہ بڑی خراب بات ہے۔ اس پر شاہزادی نے پھر کسی سے پیغام بھجوایا کہ آپ بیشک اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہیں میری تو صرف اتنی خواہش ہے کہ آپ کا نام میرے سر کا تاج بن جائے لیکن سیّد استاد نے پھر بھی انکار ہی کردیا اور اس کو کلی طور پر مایوس کردیا۔

استاد کے عجیب فتاویٰ میں سے ایک یہ ہے کہ دلائل الاحکام کی کتاب صوم میں انہوں نے لکھا کہ روزہ دو وجوہات کی بناء پر دھوئیں سے باطل نہیں ہوتا اور اسی کے حاشیہ پر لکھا کہ اظہر یہ ہے کہ دخان (دھواں) روزے کو باطل نہیں کرتا۔ مؤلف یہ کہتا ہے کہ جب میں استاد کی کتاب دلائل صوم نقل کررہا تھا اور اس مقام پر پہنچا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ حقہ پینے کو مفطر صوم (روزہ ٹوٹنے کا سبب) نہیں سمجھتے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ نے کتاب میں دھوئیں کو روزہ ٹوٹنے کا باعث ہونے کی دلائل میں توقف فرمایا ہے لیکن اسی کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ اظہر یہ ہے کہ دھواں روزہ ٹوٹنے کا سبب نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو میں نے مقتضای دلیل کی بناء پر لکھا ہے فتویٰ تو نہیں دیا اور میں اس بات پر راضی نہیں ہوں کہ کوئی شخص ایسے فتویٰ کی مجھ سے نسبت دے۔

آپ کی کرامات بہت سی ہیں۔ ایک تو وہی کہ صدیقہ کبریٰ کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ دوات وقلم عنایت فرمارہی ہیں اور حکم دے رہی ہیں کہ فقہ لکھو جس کا واقعہ گزر چکا ہے۔

اور ایک کرامت یہ ہے کہ ایک رسالہ لکھنے کے لئے استخارہ کیا تو یہ آیت آئی دینا قیما ملۃ ابراھیم حنیفا اور ہم اس کے بارے میں پہلے لکھ چکے ہیں۔

ایک اور کرامت جو زبان زد خاص و عام ہے اور ہر جگہ مشہور ہے کہ ہندوستان کے لوگوں نے آپ کو عریضہ لکھا کہ آپ ہمارے لئے رسالہ تقلید لکھ کر بھجوادیں تاکہ ہم آپ کی تقلید کر سکیں۔ آپ نے اپنا رسالہ اور دوستوں کے لئے خطوط لکھ کر کسی کو دیئے۔ وہ لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے جب کشتی وسط بحر میں پہنچی تو ایسی مخالف ہوائیں چلنی شروع ہوئیں کہ کشتی الٹنے کی نوبت آگئی جو سب کے لئے پیغامِ موت تھا تو انہوں نے سارا مال و اسباب سمندر میں ڈال دیا کہ کشتی ہلکی ہوجائے اور آسانی سے چل سکے چنانچہ وہ خورجین بھی نذرِ آب ہوگئی جس میں رسالہ اور خطوط تھے۔ اب جب سب ہندوستان پہنچے تو سارا ماجرا لوگوں کو سنایا چنانچہ اہلِ ہند نے دوبارہ عریضہ لکھا کہ آپ کا رسالہ اور خطوط غرقِ آب ہوگئے ہیں تو آپ نئے سرے سے پھر رسالہ ارسال فرمادیں تو آپ نے ایک اور نسخہ لکھوا کر پھر ہندوستان بھجوایا۔ کچھ عرصے بعد آپ کی تحریریں اہلِ ہند کو ملیں اور انہوں نے لکھا کہ آپ کے خطوط مع آپ کے رسالہ کے بخیریت ہمیں موصول ہوگئے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن ہم سیر و تفریح کے لئے ساحلِ سمندر گئے کہ ایک عجیب و غریب سمندری جانور پڑا ہوا دیکھا جو مردہ حالت میں تھا اور اس کا پیٹ پھولا ہوا تھا۔ ہم نے اس کا پیٹ چاک کیا تو دیکھا کہ اس کے پیٹ میں ایک خورجین ہے۔ ہم نے اس خورجین کو نکال کر اس کا ڈھکنا کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کا رسالہ اور تمام خطوط اس میں موجود ہیں اور وہ بالکل خراب نہیں ہوئے اور نہ ان کو کائی لگی اور نہ پانی کا ان پر کوئی اثر ہوا ہے۔

آپ کی ایک اور کرامت یہ ہے کہ اس زمانہ میں سیّد ابراہیم زعفرانی کربلا میں فسادیوں کا سرگروہ تھا اور اس وقت کے بادشاہ کا باغی تھا۔ جناب استاد اس کی فساد انگیزیوں اور شرارتوں سے بڑے پریشان تھے حتیٰ کہ ایک دن اس نے ایک کٹورا استاد کی مجلس میں زمین پر دے پٹخا اور اس کے ٹکڑے اڑ گئے۔ وہ فقیروں کے مال اور ہندوستان سے آنے والے پیسے کا استاد سے مطالبہ کیا کرتا تھا تاکہ یہ مال ہتھیا لے اور فضولیات میں اڑا دے۔ اس مجلس میں شیخ محمد بن شیخ علی بن شیخ جعفر بھی موجود تھے اور ان کے پاس تلوار تھی۔ انہوں نے سیّد ابراہیم زعفرانی کی گستاخیوں کو دیکھتے ہوئے تلوار اس طرح سے اس کے سر پر دے ماری کہ وہ ٹوٹ گئی۔ ایک مدّت کے بعد بغداد کے پاشا نے ان ظالموں اور دشمنوں پر غلبہ پایا اور ایک دن کسی اہم کام کی وجہ سے اس ظالم کو پابہ زنجیر کر کے استاد کی مجلس میں لیکر آئے اور بغداد سے حکم نافذ ہوا کہ وہ اس مجلس میں بیٹھنے نہ پائے۔ وہ دو گھنٹے سے زیادہ استاد کی خدمت میں نہ ٹھہر سکا، استاد کے قدموں کا بوسہ لیا تو استاد نے اسے بٹھایا اور اس کی مشکل سے اس کی گلو خلاصی کرائی۔ اور اسی طرح کی ایک اور طرح کی کرامت جیسی کہ یہ بیان ہوئی ہے حقیر مؤلف کتاب نے خود بھی مشاہدہ کی تھی۔

نیز آپ کی ایک کرامت یہ ہے کہ جب آپ نجف اشرف میں تھے تو شیخ علی کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ خواب میں ایک دن یہ دیکھا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ کربلا چلے جاؤ۔ آپ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ خواب کوئی حجت نہیں ہوتے اس حکم کو پورا نہ کیا تو دوسری بار پھر یہی خواب دیکھا اور اب حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا پہلا خواب بھی سچا تھا اور تھوڑا سا غصہ کا اظہار بھی کیا لیکن آپ نے اس کے بعد بھی اس بات سے لاپروائی برتی۔ اب تیسری دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور حکم دیا کہ کربلا جاؤ اور وہیں اقامت گزیں ہوجاؤ اب آپ نے حکم کی پابندی کی اور کربلا آکر وہیں مقیم ہوگئے۔ وہاں استاد کے شاگردوں میں سے ایک سیّد شاگرد کربلا کے شر انگیزوں سے تعلق رکھتا تھا انہوں نے اس کو خبردار کیا لیکن اس نے ایک مجلسِ درس بنا ڈالی اور لوگوں کو زبردستی اس مجلسِ درس میں لایا جانے لگا اور جناب استاد سے بھی کہا کہ آپ اس مجلسِ درس میں آیا کریں۔ آپ نے یہ بات منظور نہیں کی اور عذر یہ کیا کہ صبح کو میری بھی مجلسِ درس ہوتی ہے اور مجھے فرصت نہیں ملتی تو ان لوگوں نے ان کے لئے مشکلات کھڑی کرنی شروع کردیں۔ آپ نے زیارت کاظمین کرنے کا ارادہ کیا اور سامرہ اور کاظمین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد بغداد کے پاشا نے کربلا کا محاصرہ اور اس کو فتح کرنے کے لئے بڑا لشکر تیار کیا اور کربلا کی طرف چل پڑا اسی موقع پر اس حقیر نے حضرت سیّد الشہداءؑ کے روضۂ مبارک پر

استخارہ کیا کہ میں یہاں سے کہیں نہ جاؤں اور یہیں مقیم رہوں تو یہ آیت نکلی ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا (سورہ نمل آیت ۳۴)(بیشک جب بادشاہ کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔) میرے پاس روانگی کا سامان بھی نہیں تھا لیکن امام کی برکتوں اور صدقے سے فوراً ہی اخراجات کا انتظام ہو گیا اور میں کاظمین کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی ہی مدت میں پاشا کربلا پر غالب آ گیا اور گرفتاریوں، قید و قتل کا بازار گرم ہوا اور ان شرانگیزوں کو قید کر کے اور طوق گردنوں میں ڈال کر بغداد لے گئے۔ میں اسی دن کسی ضروری کام سے کچھ طلباء کے ساتھ بغداد پہنچا تھا۔ بغداد قدیم میں اسیر لائے جا رہے تھے اور وہ سید جو استاد کا شاگرد تھا جس کو مدرس بنادیا گیا تھا اور جو چاہتا تھا کہ استاد اس کی مجلس درس میں آیا کریں اس کی گردن میں زنجیر، بازو رسیوں سے جکڑے ہوئے، سر برہنہ بغداد قدیم سے گزارا جا رہا تھا تا کہ بغداد جدید میں لیکر آئیں اور اس پر مقدمہ چلے اور قتل کیا جائے۔ تو وہ سید مدرس ایک طالبعلم کو پہچان گیا اور اس سے کہا کہ استاد کی خدمت میں جا کر عرض کرو کہ میں نے بیشک آپ سے بدسلوکی کی تو آپ مجھے معاف فرمادیں اور درگزر سے کام لیں اور مجھے قتل سے بچالیں۔ استاد علیہ الرحمۃ نے فوراً بغداد کے تاجروں کو لکھا کہ تم رقم دیکر سید کو خرید لو اور میں تمہارا پیسہ تمہیں لوٹا دوں گا۔ چنانچہ تاجر پاشا کے پاس گئے اور استاد نے پاشا کو بھی خط لکھا کہ سید کو میرے ہاتھ فروخت کر دو تو پاشا نے استاد کے جواب میں عرض کیا کہ میں سید کو آپ کو بخشتا ہوں اور اس کے قتل سے درگزر کرتا ہوں۔ لیکن مجھے اسے لامحالہ استنبول بھیجنا ہے کیونکہ ہمارے اہل کار نے اس کو دیکھ لیا ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ اس کو کوئی سزا نہیں دے گا چنانچہ اس سید کو استنبول بھیجا گیا اور پاشا نے اس کی سفارش کی تو اہل کار نے اس کے قتل سے درگزر کی اور اس کو آزاد کر دیا۔

یہ سب کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ اللہ کا بے پناہ کرم اور آپ کی کرامت تھی کہ سید نے آپ کی اس قدر ہتک حرمت کی اور اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کے قتل کا سامان کر دیا اور آخر وہ استاد کی مدد کا محتاج ہوا اور پھر نجات پائی۔

آپ نے کربلا کے سنی حاکم کو بھی شیعہ بنایا اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ بغداد کے پاشا نے محاصرہ اور جنگ کے بعد شہر کربلا پر قبضہ کر لیا اور ایک شخص رشید بیگ کو جو اہل سنت سے تھا کربلا کا حاکم بنا دیا۔ استاد نے اس حاکم کے ساتھ بڑے محبت اور پیار کا سلوک کیا اور جب بھی حاکم استاد کے پاس آتا آپ پنکھا ہاتھ میں لیکر اس کو جھلنا شروع کر دیتے اور اس کے ساتھ ساتھ جاتے اور استقبال کرتے۔ نتیجتاً دونوں میں اس قدر انسیت پیدا ہوگئی کہ حاکم اکثر آپ کی خدمت میں حاضر رہنے لگا۔ رات کو جب لوگ سو جاتے تو وہ آجاتا اور آدھی رات تک استاد کی خدمت میں رہتا۔ چنانچہ مذہب کے بارے میں بھی گفتگو ہونے لگی تو چونکہ وہ سنی تھا اس کی عقل کے مطابق حقیقت مذہب سمجھائی اور ہر شب کچھ نہ کچھ سنیوں کے مذہب کی خامیاں اور مذہب شیعہ کی حقیقت کے متعلق گفتگو ہوتی۔ جب حاکم کو مذہبِ تشیع کی طرف مائل دیکھا اور اس پر ثابت کیا کہ جیسا کہ سنیوں کی اکثر باتوں سے اور آیات الٰہی اور احادیث نبویؐ سے ظاہر ہوتا ہے علیؑ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اور تم اپنی عقل سے کام لیکر بتاؤ کہ اگر میرا کوئی شاگرد میرے مقابلے پر کھڑا ہو جائے اور مجھے خانہ نشین اور مجبور بنادے تو کیا اس نے کوئی اچھا کام کیا یا برا کام اور قبیح حرکت کی ہے؟ حاکم نے کہا: عقلاً بہت بری بات کی۔ تو پھر آپ نے کہا کہ ابوبکرؓ کی خلافت کو سنی بھی کہتے ہیں کہ نہ اللہ کی جانب سے ہے اور نہ رسول کی بلکہ بیعت اور اجماع سے عمل میں آئی تو اصحاب نے علیؑ کو جو افضل و عالم و ازھد، اتقی اور سب سے شجاع، سخی، عبادت گزار اور سب سے پہلا اسلام لانے والا اور رسولؐ سے سب سے زیادہ قریب تھا ان کو تو خانہ نشین کر دیا اور ابوبکرؓ جو ان کے سامنے ایک ادنیٰ طالبعلم کی حیثیت رکھتے تھے ان کو پیغمبر کی جگہ لا بٹھایا۔ انہوں نے کتنی خراب حرکت کی ہے تو اسی قسم کی دیگر دلائل سن کر وہ حاکم شیعہ ہو گیا۔ استاد کہا کرتے تھے کہ ہر پہلو سے میں نے اسے شیعہ بنا دیا تھا لیکن میں نے اسے خلفاء پر لعنت بھیجنے کی تعلیم نہیں دی۔ استاد کو جتنا شدید تقیہ اختیار کرنا پڑتا تھا اس کی وجہ سے یہ بات اس پر واضح نہ کی۔ حتیٰ کہ چغل خوروں اور بدگویوں نے یہ ساری کیفیت پاشا تک پہنچا دی اور پاشائے بغداد نے اس حاکم کو معزول کر دیا اور دوسرا شخص حاکم بنا کر بھیج دیا اور اس دوسرے حاکم میں اور استاد میں کوئی ربط قائم نہ ہو سکا اور پہلے حاکم کی طرح نئے حاکم نے استاد سے میل جول نہیں پیدا کیا اور استاد بھی اس کے پاس کبھی تشریف نہ لیجاتے تھے۔ اتفاقاً ایک دن بازار میں کسی شیعہ کا کسی سے جھگڑا ہو گیا تو اس شیعہ نے خلیفۂ دوم پر لعنت بھیجی۔ حاکم کا ایک ملازم سن رہا تھا اس نے اس شیعہ کو پکڑ لیا اور حاکم کے پاس لے گیا۔ حاکم نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا تا کہ بغداد بھیج کر اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ ادھر اس شیعہ کے عزیز

وں کو خبر ملی وہ استاد کی خدمت میں دوڑے اور سارا قصہ سنایا تو آپ نے ان سے کہا کہ تم لوگ آج ہی اس کو چپکے سے یہ سکھا دو کہ اگر کل تمہیں حاکم بلائے اور پوچھے کہ تم نے کیوں لعنت کی تو وہ جواب میں کہے کہ ہم تو خلیفہ کو قابلِ اطاعت مانتے ہیں اور ہرگز اس پر لعنت نہیں کرتے بلکہ میں تو عمر سعد پر لعنت بھیج رہا تھا جو قاتل امام حسین علیہ السلام ہے۔ چنانچہ جب اس کے رشتہ داروں نے اس سے ملاقات کی تو یہ بات سمجھا دی۔ جب دوسرے دن صبح ہوئی تو بعد نمازِ صبح استاد نے طلوع آفتاب کے بعد اپنی عبا سر پر اوڑھی اور میدان جنگ کی طرف جانے والی کسی گلی میں چل پڑے اور کسی کو اپنے ہمراہ نہ لیا۔ جب حاکم کے گھر کے پاس پہنچے تو وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا اور کمرہ گلی کے سامنے تھا دروازہ کھلا ہوا تھا اور حاکم بیٹھا ہوا گلی اور راہ گیروں کو دیکھ رہا تھا۔ استاد نے اپنی عبا کندھے پر ڈالی اور وہاں سے گزرنا چاہا اور اظہار یوں کیا کہ جیسے انہیں کہیں اور جانا ہے تو حاکم نے ان کو جلدی سے سلام کیا اور عرض کیا کہ اوپر تشریف لائیں کچھ قہوہ، حقہ نوش وغیرہ نوش فرمائیں۔ آپ نے اس کی گزارش قبول کی اور بیٹھ گئے تو سلام وغیرہ کے بعد حاکم نے کہا: کہ کل آپ کے ہم قوم شخص کو لائے تھے اس نے خلیفہ ثانی پر لعنت کی تھی چنانچہ ہم نے اسے قید کر دیا ہے تاکہ پاشا کے پاس بھیج کر اسے سزا دلائی جائے۔ استاد نے فرمایا: یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم تو خلیفہ ثانی کو نیک، صحابیِ رسولؐ اور زوجۂ رسول کا والد مانتے ہیں اور ان پر لعنت بھیجنے کو حرام سمجھتے ہیں اور شیعہ عوام ہماری تقلید کرتے ہیں یقیناً یہ جھوٹا دعویٰ اور محض الزام ہے۔ حاکم نے کہا کہ لوگوں نے اس بات پر شہادت دی ہے کہ انہوں نے یہ جملہ اس کے منہ سے سنا ہے۔ استاد نے جواب میں کہا کہ اگر لوگوں نے واقعی ایسی بات اس کی زبان سے سنی ہے تو پھر اس شخص نے یقیناً عمر سعد پر بھیجی ہوگی کیونکہ وہ فرزند رسولؐ کا قاتل، میوۂ دلِ حیدرؓ کا کاٹنے والا اور زہرائے اطہرؑ کے خوشۂ دل پر ظلم کرنے والا ہے۔ تم ابھی اس قیدی کو بلاؤ اور اپنے سامنے اس سے یہ بات پوچھو۔ چنانچہ حاکم نے قیدی کو طلب کیا اور اس بات کی حقیقت دریافت کی تو اس شخص نے کہا: میں نے تو عمر سعد، خاتم پیغمبرؐ کے پھول کے قاتل اور سیّد جوانان اہلِ جنتؑ کے قاتل پر لعنت کی ہے اور ہم خلیفہ ثانی پر لعنت نہیں کرتے۔ ان پر لعنت علماء کے نزدیک حرام ہے اور ہم اپنے علماء کی تقلید کرتے ہیں۔ حاکم نے کہا: الحمدللہ کہ ہمارا شک دور ہو گیا اور ایک بے قصور مسلمان کا خون بہنے سے بچ گیا۔ استاد نے کہا: میں نے پہلے ہی تمہیں حقیقت واقعہ بتادی تھی۔ حاکم نے فوراً اس شخص کی رہائی کا حکم جاری کر دیا۔ یہ واقعہ اس آیۂ شریفہ کے مضامین کا مصداق ہے **من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً** (سورۂ مائدہ آیت ۳۲) (جس نے ایک شخص کو زندگی بخشی اس نے گویا ساری انسانیت کو زندگی بخشی)۔

استاد نے جو عجیب وغریب حکایات بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن ہم ان کی خدمت میں بیٹھے ان کی گہر بار زبان سے مستفیض ہو رہے تھے کہ بہت بڑی مچھلی کا ذکر چل نکلا۔ تو استاد عالی مقام نے فرمایا کہ رب کائنات نے توریت میں حضرت کلیم اللہ سے خطاب فرمایا کہ میں نے سمندر میں ایک مچھلی پیدا کی ہے اور ہر روز تین مچھلیوں کو اس کی غذا قرار دیا ہے کہ ان میں ہر مچھلی کی لمبائی جتنا ایک مچھلی تین ماہ میں سمندر کا سفر کرتی ہے اتنی ہے۔ اس کے بعد استاد نے فرمایا: حضرت سلیمان۔ ان پر اور ہمارے نبیؐ اور ان کی آلؑ پر سلام ہو۔ جب اپنے لشکرِ ہائے ظفر موج اور بے شمار فوجوں کے ساتھ سمندر کے کنارے تک پہنچے تو کسی لشکری سے کہا کہ اس سمندر کی وسعت کا اندازہ کرو اور ہمیں بتاؤ۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا پرندہ آیا جس کی روزانہ خوراک ایک دانۂ گندم تھی اور ہر دن ایک سال کا فاصلہ طے کر سکتا تھا۔ اس کو تین دانۂ گندم ساتھ رکھنے کو دیئے گئے اور پرواز پر بھیج دیا گیا۔ وہ آسمان کی بلندیوں تک پرواز کرنے والا پرندہ جب پہلے دن اڑا تو شام کے وقت اس کو سمندر میں ایک ٹیلہ سا دکھائی دیا۔ رات بسر کرنے کے لئے اس پرندہ نے اس ٹیلہ پر قیام کیا اور ایک گندم کا دانہ کھالیا۔ رات گزری طلوع صبح کے بعد پھر اس نے سفر کا آغاز کیا اور اڑنا شروع کیا دن گزرا اور پھر رات آگئی تو ایک اور تو وہ نظر آیا اس پر بسیرا کیا اور دوسرا دانۂ گندم کھالیا۔ تیسرے دن بھی اس نے اسی طرح پرواز کو جاری رکھا اور ایک سال کا فاصلہ طے کیا اور اب اس طرح وہ تین سال کا فاصلہ طے کر چکا تھا پھر ایک ٹیلہ دیکھا اور وہ رات وہاں گزارنے کے لئے اتر پڑا اور تیسرا گندم کا دانہ کھالیا اور آرام کرنے لگا۔

اب اگلے دن جو سورج نے اپنی سنہری کرنیں پھیلائیں تو اس پرندہ کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ ابھی تک اس سمندر کا کوئی کنارہ نظر نہیں آرہا اور میرا توشہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ اب یہ حال ہے "نہ پائے رفتن جائے ماندن"۔ کہ نہ تو قوت پرواز رہی ہے اور نہ ہی کوئی قیام کا سہارا ہے کہ اچانک ایک مچھلی

نے پانی سے سر باہر نکالا اور قدرت خدا سے اس پرندے سے ہم کلام ہوئی کہ تو کیوں پریشان ہے؟ اس پرندے نے اس مقام کی کیفیت اول سے آخر تک بیان کی تو مچھلی نے کہا کہ ان تین دن میں تو نے تین سال کا فاصلہ طے کیا یہ تو میری لمبائی کے برابر تو نے کا فاصلہ طے کیا ہے وہ ٹیلہ جس پر تو نے پہلے دن قیام کیا میری دم تھی اور وہ دوسرا ٹیلہ جو دوسرے دن تیری آرامگاہ بنا میری کمر تھی اور یہ تیسرا ٹیلہ تو اس وقت جہاں بیٹھا ہے میرا سر ہے اور میں اس سمندر کے اندر میں جو بڑی بڑی مچھلیاں ہیں ان کے ڈر سے سمندر کے بیچ میں جانے کی جرأت بھی نہیں کرتی کیونکہ وہ تو مجھے نگل جائیں گی چنانچہ میں اپنا ٹھکانا ساحلوں کے پاس ہی بناتی ہوں تو پھر تجھ میں یہ قوت کہاں ہے کہ تو اس پورے سمندر کا چکر لگا سکے۔ اب تو یہیں سے واپس جا اور سارا حال حضرت سلیمانؑ کے سامنے عرض کردے۔ اس پر پرندے نے کہا کہ میں اتنا تھک چکا ہوں کہ واپس بھی نہیں جا سکتا۔ مچھلی نے کہا کہ میں لمحے بھر میں تجھے بڑے اطمینان سے ساحل تک پہنچا دیتی ہوں چنانچہ مچھلی نے حرکت کی اور اپنا سر گھما کر ساحل کی طرف کر دیا وہ پرندہ اڑ کر حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں پہنچا اور سارا قصہ ان کو سنایا۔ (۱)

وہ حیرت انگیز واقعات جو ہمارے استاد اور شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر کے درمیان گزرے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حاجی شیخ مہدی کجوری جو استاد کے بہت با کمال اور فاضل شاگردوں میں سے تھے ان کو استاد نے اہل شیراز کی خواہش پر شیراز بھیج دیا اور شیراز کے لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ یہ میرے نمائندے ہیں۔ شیخ مہدی نے شیراز پہنچ کر مرحوم حاجی محمد ابراہیم کلباسی کی تصنیف ''اشارات الاصول'' کا درس دینا شروع کر دیا۔ چونکہ حاجی کلباسی کا یہ اعتقاد تھا کہ اجتہاد بڑا مشکل کام ہے اور جو لوگ اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں سے اکثر مجتہد ہوتے ہی نہیں چنانچہ اگر کوئی بھی دعوائے اجتہاد کرتا تو حاجی اس کو فاسق ثابت کر دیتے تھے۔ کیونکہ شیراز اصفہان کا ہمسایہ ہے اور شیخ مہدی حاجی کی ہی کتاب اشارات پڑھا رہے تھے لہٰذا حاجی ان کے بارے میں خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں بھی اصفہان کی مجلس وعظ میں موجود تھا اور حاجی کلباسی اپنی تالیفات کی قصیدہ خوانی کر رہے تھے اور اسی ضمن میں فرمایا کہ اب شیراز میں ایک ایسا ملا پیدا ہو گیا ہے کہ جو میری اشارات کا درس دیتا ہے اور کثیر تعداد میں لوگ اس کی مجلس درس میں حاضر ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے شیراز میں ایسا ملا ہوتا تھا جو ایسی فہم رسا نہیں رکھتا تھا لیکن اس شہر میں اس کو شہرت حاصل ہوئی تھی اور مرحوم شیخ حسن نجفی اس ملا کے لئے تحریریں بھیجتے تھے جو اس کو تقویت بخشتی تھیں اور وہ حاجی شیخ مہدی کو اپنے مقام سے گرانے کی کوشش میں تھا تو حاجی شیخ مہدی نے سارے حالات کی تفصیل استاد کی خدمت میں تحریر کی اور ان سے درخواست کی کہ آپ شیخ محمد حسن سے سفارش فرمائیں کہ وہ مجھے بھی خطوط لکھا کریں اور اس شہر کے لوگوں سے کچھ میرے بارے میں بھی فرمائیں تا کہ میرے کام میں بھی رونق پیدا ہو جائے۔ چنانچہ استاد نے شیخ محمد سے سفارش کی کہ شیخ محمد فاضل و مجتہد ہے اور آپ کو چاہیئے کہ اس کی حمایت کریں۔ شیخ محمد حسن نے جواب میں لکھا کہ آپ تو ایک گواہ ہوئے ایک گواہ اور چاہیے کہ وہ کہے کہ شیخ مہدی مجتہد ہے۔ اس پر استاد نے سکوت اختیار کیا۔

شیخ محمد حسن نے کربلا میں بھی ایک چھوٹا سا مکان لیا ہوا تھا کیونکہ وہ مخصوص میں کربلا کی زیارت کے لئے ضرور آتے تھے تو وہیں آ کر ٹھہرتے تھے۔ اس گھر کے ہمسایہ میں ایک شیرازی کا گھر تھا۔ اس شیرازی کا انتقال ہو گیا اور اس نے اپنے وصی کو ہدایت کی کہ اس گھر کا تیسرا حصہ حاجی شیخ مہدی کو دیدیا جائے۔ شیخ مہدی نے استاد کو لکھا کہ آپ اس گھر کی نگرانی فرمائیں اور جو مناسب سمجھیں اس طرح عمل درآمد کریں۔ ادھر شیخ محمد حسن نے استاد سے خواہش ظاہر کی کہ میرا گھر بہت چھوٹا ہے۔ آپ وہ شیراز والا گھر مجھے عنایت کر دیں۔ استاد نے کہا اس کا اختیار تو حاجی شیخ مہدی کو ہے آپ خط لکھ کر ان سے

(۱) قدیم و جدید تحقیقات نے وہیل سے بڑی کسی مچھلی کا ابھی تک پتہ نہیں دیا۔ اس کو خشکی و تری کا سب سے عظیم الجثہ جانور قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اس واقعے میں ایک مچھلی کی طوالت کا ایک پرندے کی تین دن کی پرواز کے برابر بتائی گئی ہے (جسے انسان کے تین سال کے سفر کے برابر قرار دیا گیا ہے) پھر یہ مچھلی بھی ان مچھلیوں سے خائف تھی جو اس سے بھی بڑی تھیں اور اس کو کھا سکتی تھیں چنانچہ ان کی جسامت اس سے کئی گنا زیادہ ہونی چاہیے۔ یقیناً قادرِ مطلق ان سے بھی بڑی مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہے لیکن اب جب کہ سٹلائٹ کی مدد سے زمین کے چپے چپے کی پیمائش کی جا چکی ہے اور اسی کے ذریعے زمین پر پانی اور تیل کے ذخائر کی نشان دہی کی جا رہی ہے، اس قسم کی کسی مخلوق یا اس کے فوصل کا تا حال علم نہیں ہوا۔ ممکن ہے کہ استادِ محترم نے یہ واقعہ تمثیلاً بیان کیا ہو لیکن اس کی وضاحت بوجوہ نہ کی ہو۔ (مصحح عفی عنہ)

گزارش کریں وہ گھر آپ کے نام کردیں گے تو شیخ محمد حسن نے بڑا محبت بھرا خط جس میں ان کے اجتہاد کی بھی تصدیق کی گئی تھی شیخ مہدی کو لکھا اور ان کے پاس روانہ کردیا۔ ادھر استاد نے بھی پوری کیفیت شیخ مہدی کو لکھ بھیجی تھی کہ اب تم گھر شیخ محمد حسن کے نام منتقل کردو۔ چنانچہ شیخ مہدی نے گھر شیخ محمد حسن کے نام کردیا۔

کہیں کسی کو یہ گمان نہ پیدا ہو کہ شیخ محمد حسن نے اپنی خواہش نفسانی کی بناء پر اور اس وجہ سے کہ شیخ مہدی استاد کے شاگرد ہیں ان کی تصدیق نہیں کی لیکن بعد میں گھر کے لالچ میں تصدیق کردی بلکہ مسلمانوں کے امور کو درستی ہی پر محمول رہنا چاہیے خصوصاً صاحب جواھر الکلام کے بارے میں جو اپنے وقت کے مشہور انسان تھے ایسا گمان قطعی نامناسب ہے۔ ہوسکتا ہے ابتداً وہ شیخ مہدی کے بارے میں اتنا نہ جانتے ہوں اور بعد میں حقائق ان کے سامنے آگئے ہوں۔

ایک اور واقعہ ہے جو شیخ محمد صاحب فصول اور استاد کے درمیان پیش آیا۔ وہ مختصراً یوں تھا کہ کسی شخص نے نکاح کیا اور آخر میں میاں بیوی کے درمیان جھگڑے شروع ہوگئے تو سیّد استاد نے اس نکاح کو باطل قرار دیدیا کیونکہ منکوحہ رشیدہ نہیں تھی اور شیخ محمد حسن نے اس نکاح کو صحیح قرار دیا۔ اس جھگڑے نے طول کھینچا۔ حتیٰ کہ معاملہ نجف کے فقہا تک پہنچا تو شیخ علی محقق ثالث فرزند شیخ جعفر نجفی نے استاد کے قول کو تقویت دیتے ہوئے عقد کو باطل قرار دیا اور ان کی بات کو دوسرے سارے نجف کے فقہاء نے بھی تسلیم کیا اور اس وقت یہ معاملہ صاف ہوا۔

استاد کا انتقال ۱۲۶۴ھ میں وبائی بیماری سے ہوا تو کربلا والوں نے ان کے جنازے کو حرم سیّد الشہداؑ اور حضرت عباسؑ میں طواف کرایا ہر طرف گویا قیامت برپا تھی۔ گلی گلی سے جنازہ گزارا جارہا تھا اور سب نے سینہ کوبی کرتے ہوئے، مرثیہ پڑھتے ہوئے اور گریبان چاک حالت میں صحن کے مخصوص گوشہ میں ان کے گھر کے قریب دفن کردیا اور اس حقیر نے "منظومہ علم" کے اس حصّہ میں جس کا نام منبع الاحکام ہے اور اس میں تمام قواعد رجالیہ ہیں یہ کہا ہے:

شیخ اجازتی ھوا لاسنادولی الی جنابه استا د السیّد المشهور فی الامصار کالشمس فی رابعة النها ر الموسوی سیّد الفحول محقق الفروع والاصول سیدنا استادنا ابراهیم عامله باالکرم العمیم مد فنه فی ارض کرب والبلاء وهو شهید اد تو فیٰ بالوبا ء وکان فی مدرسة سبعماة من فضلا ء وفحول طلبه تالیفه ضوابط الاصول نتائج دلا ئل المنقول.

اور ظاہر یہ ہے کہ آپ کی عمر مبارک ساٹھ (۶۰) سال ہوئی۔

اور آپ کے ارشادات میں سے ایک بات یہ تھی کہ میں نے شرائع قدیم میں سے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں جو سب طلباء محقق کی خدمت میں پڑھا کرتے تھے۔ محقق "کتاب شرائع" کو استدلال کے ساتھ پڑھاتے تھے اور شاگرد جتنا روزانہ پڑھتے تھے اس پر نشان لگالیا کرتے تھے اور جہاں سے درس شروع ہوتا تھا وہاں لفظ "درس" لکھ دیا کرتے تھے۔ اور روزانہ شرائع کا ایک یا آدھا صفحہ ہی پڑھایا جاتا تھا۔ مولف کہتا ہے کہ محقق اوّل متاخرین میں سے ہیں اور اس زمانے میں فقہ، اصول اور رجال اس تفصیل اور تحقیق و تدقیق سے نہیں ہوتا تھا جیسا کہ اب ہے لہٰذا پڑھاتے وقت بہت تفصیل سے کام لیا جاتا تھا اور یہ بات ہر پیروی کرنے والے پر واضح ہے۔

استاد کی عجیب دلیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ کتاب وصایا میں اس مسئلہ کے دلائل میں کہ وصی کے لئے عدالت شرط نہیں مسلمؑ بن عقیل کے فعل سے دلیل نکالی ہے کہ انہوں نے عمر سعد کو وصی بنایا اور مسلمؑ نے جو کچھ کیا وہ صحت پر مبنی ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ عمر سعد عادل تھا تو اس بات کا غلط ہونا واضح ہے اور یہ کہنا کہ مسلمؑ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ فاسق ہے تو یہ انتہائی حیرت کی بات ہوگی اس لئے عمر سعد نے مسلمؑ کی جو کہ امام حسینؑ کے نائب خاص تھے نصرت نہیں کی اور یہ اس کے مرتد ہونے کا سبب ہے۔ حتیٰ کہ عمر نے یزید کو لکھا کہ مسلمؑ نے کوفہ میں پھوٹ ڈالدی ہے اور کوفہ تیرے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مسلمؑ کو اس شرط عدالت کا علم نہیں تھا تو یہ تو مزید حیرت کی بات ہوگی اور اختیار اور اضطرار کی حالتوں کے درمیان بھی کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

استاد کے عجیب و غریب استدلالات میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے عموم منزلہ اور نکاح میں رضاعت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے اس قول

کے بارے میں کہ "تمہارے چچاؤں کی بیٹیاں" دلائل پیش کیے کہ پیغمبرؐ کے چچا کی بیٹی پیغمبرؐ پر حلال ہے آیۂ شریفہ کی نص کی وجہ سے لیکن رضاعت (دودھ پینے) کی وجہ سے چچا کی بیٹی بھی پیغمبرؐ کے بھائی کے بیٹے کے برابر ہو جائے گی اور اس طرح حرام ہوگی کیونکہ پیغمبرؐ نے حمزہؓ کے ساتھ دودھ پیا اس طرح حمزہ کے بھائیوں کی بیٹیاں پیغمبر کی بھتیجیاں ہو جاتی ہیں تو ان کو حرام ہونا چاہیئے جبکہ نص آیۂ شریفہ سے وہ حلال ہیں یہاں استاد کا کلام تمام ہوا۔ اگر ہم یہ کہیں تو یہ بات تو دخترِ حمزہ کے لئے بھی ہو جائے گی کیونکہ وہ حقیقتاً پیغمبر کی رضائی بھتیجیاں ہیں تو پیغمبرؐ پر حرام ہونی چاہئیں جبکہ آیت کی نص حرمت پر ہو رہی ہے۔ ہم جواب میں کہیں گے کہ دخترِ حمزہؓ يحرم من الرضاع مايحرم من النسب کی عمومیت سے نکل جاتی ہے اس لئے ادلہ رضاع نے حمزہ کی بیٹی کی تخصیص کردی اور اگر یہ کہا جائے کہ آیہ سے ان کے بارے میں دلیل رضاع عموم میں سے ہے کیونکہ چچا کی بیٹی کا حلال ہونا اس سے کہیں زیادہ عام ہے کہ ان کے درمیان رضائی رشتہ ہے یا نہیں اور ادلہ رضاع رضائی رشتہ داروں کی حرمت پر دلالت کرتی ہے چاہے وہ چچا کی بیٹی ہو یا نہ ہو چنانچہ عمومیت کی وجہ سے ہے اور تخصیص احداز عامین کسی وجہ سے دوسرے پر دینا ترجیح بلا مرجح ہے اور عام بول چال کے خلاف بھی ہے اور فقہا بھی اس کو خلاف ہی کہتے ہیں۔ تو میرا جواب یہ ہے کہ اگر عمومیت کسی وجہ سے ہے لیکن اگر احداز عامین کی کوئی معمولی وجہ ہو تو وہ اخص مطلق کی طرح ہوگا اور وہ مخصص عام بھی ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رضاع کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں اور چچا کی بیٹیاں بکثرت چنانچہ ادلہ رضاع چچا کی بیٹیوں کے لئے مخصص ہوں گی اور اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ دودھ کے رشتے کی محرمات میں رضاع کی ہی نسبت ہونی چاہئے پھر حرمت کا حکم ہونا چاہیئے جیسے نسب کے بارے میں فرمایا واخواتكم (تمہاری بہنیں) تم پر حرام ہیں تو یہی ہونا چاہیئے کہ رضاع کے بارے میں بھی کہا جائے کہ اخواتكم من الرضاعة لہٰذا اگر زید کا بھائی کسی کے ساتھ دودھ پیئے تو اس دودھ پلانے والی کی بیٹی زید کے بھائی پر حرام ہوگی کیونکہ وہ اس کی دودھ شریک نہیں نہیں ہے اور اخواتكم من الرضاعة اس پر صادق آتا ہے لیکن وہ لڑکی زید پر حرام نہ ہوگی کیونکہ وہ زید کی دودھ شریک بہن نہیں ہے بلکہ اس کے بھائی کی رضائی بہن ہے اور نسب سے جو چیز حرام ہوئی تھی وہ اخواتكم کے ذیل میں تھی اخوات اخيكم کے ذیل میں نہیں تھی۔ اور یہ لڑکی زید کے بھائی کی دودھ شریک ہے نہ کہ زید کی دودھ شریک اور بھائی کی بہن نسب حرام نہیں ہے جب تک کہ خود اس شخص کی بہن نہ ہو اسی طرح رضاع سے بھی بھائی کی بہن حرام نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ خود اس شخص کی بھی وہ دودھ شریک ہو۔

اور عجیب استدلالات میں وہ چیز بھی ہے جسے شیخ محمد حسن نے 'جواہر الکلام' میں مسئلہ کشتی میں پیش کیا ہے حسنینؑ کے اس فعل سے کہ انہوں نے بچپنے میں پیغمبرؐ کی موجودگی میں کشتی لڑی۔ کیونکہ آپ حضراتؑ سے تو کیا بچپن، کیا بڑھاپا حرام صادر ہی نہیں ہو سکتا اور جبکہ پیغمبر بھی خاموش تھے تو اس طرح کشتی لڑنا جائز قرار پائے گا آپ غور فرمائیں۔ واللہ اعلم۔

الحاج ملاّ محمد تقی بن محمد برغانی قزوینی

آپ عالم باعمل، فقیہ عادل، جملہ علوم میں کامل، بہترین صفات کے حامل دارالخلافہ طہران کے ایک گاؤں برغان میں پیدا ہوئے اور آپ کی جائے رہائش اور مدفن دارالسلطنت قزوین تھا۔

آپ تین بھائی تھے، بڑے بھائی حاجی محمد تقی، منجھلے حاجی ملاّ محمد صالح، دونوں فقیہ تھے۔ اور سب سے چھوٹے بھائی حاجی ملاّ علی تھے جو شیخ احمد احسائی کے شاگرد تھے اور میرزا علی محمد باب کے زمانے میں باب سے متاثر ہو گئے تھے اور باب کی مجلسِ وعظ میں شرکت کرتے تھے۔ آپ کے والد ایک مقدس و متقی بزرگ تھے۔ مرحوم حاجی ملاّ محمد صالح نے کہا کہ میرے والد نے خواب میں دیکھا کہ رسولؐ خدا تشریف فرما ہیں اور علمائے کرام آپؐ کے حضور بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں سب سے آگے ابنِ فہد علیہ الرحمۃ ہیں۔ میرے والد کو بڑا تعجب ہوا کہ اتنے مشہور علماء ابن فہد سے پست تر کیوں ہیں؟ اور ان کے پیچھے کیوں بیٹھے ہیں کیونکہ بڑے بڑے علماء کے سامنے تو ابنِ فہد کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے پس انہوں نے حضرت رسولؐ خدا سے راز دریافت کیا۔ آپ

نے فرمایا کہ باقی علماء جو موجود ہیں ان کے پاس اگر فقراء ومساکین کا مال ہوتا ہے اور فقراء ان سے التجاء کرتے ہیں تو وہ مالِ فقراء میں سے ان کو عطا کردیتے ہیں اور اگر مالِ فقراء ان کے پاس نہ ہو تو معذرت کر لیتے ہیں لیکن ابن فہد وہ شخصیت ہے جو کسی بھی صورت میں فقراء کو نامراد نہیں لوٹاتا۔ اگر مالِ فقراء اس کے پاس ہوتا ہے تو دیدیتا ہے اور نہ ہو تو اپنے مال سے بخشش کرتا ہے لہٰذا وہ باقی علمائے اعلام پر اس مقام ومنزلت کا اہل ٹھہرا ہے۔

حاجی محمد تقی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ ابتداً میں نے قزوین میں تحصیل علم کی۔ اس کے بعد "قم" کے مبارک شہر پہنچا اور فاضل قمی مصنف کتاب 'قوانین' کی مجلس درس میں شرکت کی لیکن ان کا درس میرے دل کو نہ لگا تو میں اصفہان چلا گیا اور وہاں کے علماء سے علوم دینی میں مشغول ہو گیا اور میں علم حکمت بھی حاصل کر رہا تھا اور ملا صدرا کی کتاب 'شواہد ربوبیہ' کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ اس کے بعد عتباتِ عالیات کی زیارت سے مشرف ہوا اور آقا سیّد علی بن سیّد محمد علی طباطبائی مصنف کتاب 'ریاض' (جو بڑی جید کتاب ہے) کے درس میں حاضر ہوا۔

وہ کہتے ہیں کہ پہلا ہی دن تھا وہ مسئلہ نسخ وجوب اور عدم بقائے جواز پر درس دے رہے تھے۔ میں نے اس پر اعتراض جڑ دیا کہ لکیر کے فقیر بننے سے کیا حاصل؟ اچانک ایک بظاہر سیدھا سادہ سا لڑکا جو سیّد صاحب کے پاس ہی بیٹھا تھا مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ وہ بڑی محققانہ گفتگو نہایت فصاحت بلاغت اور خوش بیانی کے ساتھ کر رہا تھا۔ وہ مجھ پر الزام لگانا ہی چاہتا تھا اور میں اس سے مقابلہ کرنے سے قاصر تھا اس لئے میں بگڑ کر بولا: ارے بچے کیا بے تکی بول رہے ہو؟ میرا یہ کہنا تھا کہ آقا سیّد علی نے ناگواری سے کہا کہ اگر بات کرنی ہے تو تہذیب سے کرو۔ وہ بچہ ضرور ہے لیکن شیر کا بچہ ہے۔ تو میں نے پوچھا کہ یہ نوجوان ہے کون؟ فرمایا کہ یہ سید مہدی، آقا سیّد علی کا فرزندِ ارجمند ہے یہ سن کر میں خاموش رہ گیا۔

مختصر یہ کہ حاجی شہید ثالث نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور نہایت فصیح وبلیغ اور نصیحت آموز خطبہ دیا کرتے تھے۔ شعلہ بیان مقرر تھے اور موعظہ گوئی میں اپنے وقت کے پختہ کار واعظین میں شمار ہوتے تھے۔

آپ کے موعظات (۱) فصاحت وبلاغت وسلاست اور شیریں بیانی واثر انگیزی سے قلوب کو گرما دیتے تھے اور ثبوت میں عجیب وغریب واقعات نقل فرمایا کرتے تھے۔ ربط مصائب میں بڑی رقت فرماتے اور علمی واقتصادی مسائل کے موضوع اختیار کرتے اور بکثرت آیات قرآنی کی تفسیر وتاویل بڑے کامل طریقے سے بیان کرتے۔ آپ کی مجلسِ وعظ میں علماء وطلباء بڑی تعداد میں موجود ہوتے اور آپ کی نصیحت آمیز تقاریر کو نوٹ کیا کرتے تھے۔

آپ کی شانِ عبادت یہ تھی کہ نصف شب سے لیکر طلوعِ صبح صادق تک مسجد میں رہتے اور مناجات، دعاؤں، تضرع وزاری، بے قراری اور گریہ وزاری میں مشغول رہتے اور مناجات خمسہ عشر (۲) کو زبانی پڑھا کرتے آپ کی شب شہادت تک آپ کا یہ مستقل شیوہ تھا۔ موسم سرما میں بھی بارہا یہ منظر نظر آتا تھا کہ نیم شب میں آپ مسجد کی چھت پر جبکہ برف باری جاری ہوتی، کاندھے پر ایک پوستین ڈالے، سر پر عمامہ پہنے تضرع ومناجات کی کیفیت میں ہاتھ آسمان کی جانب کیے ہوئے ہوتے یہاں تک کہ آپ کا سراپا برف میں چھپ جاتا تھا۔

مرحوم حاجی ملا محمد صالح برغانی بھی فرمایا کرتے تھے کہ ان کے چھوٹے بھائی حاجی ملا علی تحصیل علم کے دوران رات بھر گریہ وزاری میں بسر کرتے۔ زمین میں ایک میخ گاڑ رکھی تھی اس سے ایک زنجیر باندھ کر گردن میں ڈال لیا کرتے تھے اور صبح تک عبادت میں مشغول رہتے لیکن اس تمام ریاضت سے کیا حاصل ہوا کہ بعدازاں وہ میرزا علی محمد باب (۳) کے مرید بن گئے۔ اور جو قصے ان کے متعلق مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک روز میں نے آنجناب کے کتب خانے میں شرف باریابی پایا اور اس وقت کوئی اور موجود نہیں تھا اور میں نے ان سے سوال کیا کہ کتب فقہ میں کونسی کتاب بہتر ہے تو انہوں نے علامہ اعلی اللہ مقامہ' کے 'تذکرہ' کو ترجیح دی پھر انہوں نے مجھ سے استاد کی تالیفات وحالات کے متعلق استفسار کیا۔ میں نے جواب میں کہا کہ آپ کی نظر بڑی گہری اور محققانہ ہے اور آپ کی تالیفات بہت سنجیدہ اور باوثوق ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے سفرِ جہاد کے دوران آقا سیّد محمد کے پاس ان کتابوں کو دیکھا ہے۔

(۱) نصیحت آمیز تقاریر (۲) یہ امیر المومنینؑ کی پندرہ مناجاتیں ہیں جو مفاتیح الجنان میں موجود ہیں۔ (مترجم) (۳) بابی مذہب کا بانی۔

ایک دن کہ ابھی سید غیر ملتحی تھے (یعنی ابھی ریش مبارک بھی چہرے پہ نہیں اگی تھی) کہ میں نے مرحوم آقا سید سے ایک سوال کیا اور مرحوم نے مجھے جواب دیا اور آقا سید ابراہیم بڑی باریک بینیسے گفتگو کیا کرتے تھے اور وہ مجھے بڑے صاحب فہم لگے۔ پھر شہید ثالث نے میری تالیفات کے متعلق مجھ سے استفسار کیا تو میں نے اپنی کتابوں کی فہرست پیش کی۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی توفیق تمہارے شامل حال ہے کہ اتنی کم سنی اور تھوڑی مدت میں اتنی ساری کتابیں تالیف کر ڈالیں اور ہر مؤلف کو مالیخولیا ہو جاتا ہے اور سلطنت کے لئے بھی مالیخولیا کی ضرورت ہے اگر یہ مالیخولیا نہ ہو تو سلطنت چل نہیں سکتی۔ مثلاً آقا محمد خان کے چھ سات بھائی تھے شروع شروع میں استر آباد میں چھ بھائی متفق ہو گئے اور ان میں سے ایک نے سلطنت قائم کرلی اور شہر کا انتظام شروع کر دیا اور مرحوم آقا محمد خان کو اپنے پاس نہ بلایا۔ جب رات کو بھائی اکٹھے ہوئے اور اگلے دن کے کام کے بارے میں غور و خوض کرنے لگے کہ ناگاہ آقا محمد خان جو سب سے بڑے بھائی تھے لیکن ان کی ماں دوسری تھیں، ایک شخص کے ساتھ ان کی مجلس میں پہنچ گئے اور بھائیوں سے کہنے لگے کہ سنا ہے کہ آج تم سب نے ملکر ایک بھائی کو حاکم چن لیا ہے اور میری زندگی میں یہ ناممکن ہے۔ اگر حکومت ہو سکتی ہے تو میرے نام سے ہوگی۔ اگر تم منظور کرلو تو بہت خوب اور اگر نہ مانو گے تو صبح میرے اور تمہارے درمیان جھگڑا شروع ہو جائے گا اور یہ جھگڑا سب کو لپیٹ میں لے لیگا اور کوئی بھی حاکم نہ بن سکے گا اور اگر مجھے قبول نہیں کرتے تو آج رات میں اکیلا تمہارے پاس آیا ہوں کہ تم مجھے قتل کر دو اور صبح تمہارا کوئی مدِ مقابل نہ رہے گا اور تم ہی سلطنت کے اہل قرار پاؤ گے۔ بھائی سوچ میں پڑ گئے کہ قتل اور وہ بھی بڑے بھائی کا اور ایسی ریاست کے لئے کہ جس کا ابھی کوئی باقاعدہ وجود بھی نہیں ہے، یہ کس کے بس کی بات ہے پس سب نے بالاتفاق آقا محمد خان کو حاکم تسلیم کر لیا اور ان کی اطاعت پر کمربستہ ہو گئے۔

شہید ثالث نے فرمایا کہ آقا محمد خان کو سلطنت کا مالیخولیا ہو گیا تھا اور دوسرے بھائیوں کو یہ بیماری نہ تھی اس لئے وہ حاکم بن بیٹھا اور دوسرے محروم رہ گئے۔

شہید ثالث نے فرمایا کہ اجتہاد کے سرمایۂ تجارت کی طرح بہت سے مراتب ہوتے ہیں۔ کسی کے پاس دس روپے ہیں کسی کے پاس بیس، کسی کے پاس سو، کسی کے پاس ہزار اور اسی طرح کم یا زیادہ مال ہوتا ہے اور اجتہاد بھی سوت کاتنے کے چرخے کی طرح ہوتا ہے کہ ایک چکر میں ایک بنولہ پھر دوسرا اور تیسرا اور کبھی کم اور کبھی زیادہ۔ اجتہاد کے بھی بالکل اسی طرح مراتب ہیں۔ (یعنی جس طرح چرخے سے اون کاتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ سوت تیار ہوتا ہے اسی طرح سے مرتبۂ اجتہاد تک زینہ بزینہ پہنچ سکتے ہیں اور بڑی محنت اور کاوش کے بعد مجتہد کے درجے پر فائز ہوتے ہیں۔ مترجم)

ایک دن شہید ثالث کی لائبریری میں مؤلف کتاب، کا شہید ثالث سے مباحثہ شروع ہو گیا اور موضوعِ گفتگو یہ تھا کہ بچوں کی عبادت شرعی ہے یا صرف تربیتی اور بڑی طویل بحث ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اس بحث کا خاتمہ اس پر ہوا کہ یہ تکلیف مالایطاق ہوگی تو آپ نے فرمایا کہ تکلیف مالایطاق مندوب بات میں جائز ہے مکلف کے لئے اسے ترک کرنا جائز ہے کیونکہ یہ مستحب ہے اور عقل جواز ترک کی بناء پر تکلیف مالایطاق کی برائی پر دلیل نہیں رکھتی۔ میں نے عرض کیا کہ تکلیف مالایطاق عقلاً قبیح ہوتی ہے چاہے وہ مستحبات میں ہو یا واجبات میں۔ لہٰذا اگر کوئی آقا اپنے غلام سے کہے کہ تیرے لئے یہ مستحب ہے تو آسمان پر پرواز کر تو لوگ عقلاً ایسے آقا کی مذمت کریں گے اور ایسے کام کا حکم خود آقا کے لئے حماقت قرار پائے گا اور قوتِ عاقلہ بھی اس حاکم کو احمق سمجھے گی اور تمام عقلا بھی اسے حماقت ہی قرار دیں گے اور عمومی طور پر ایسی باتوں پر تکلیف نہیں دیجاتی۔

شہید ثالث نے فرمایا: یہ کیا کہتے ہو، احکام ندبیہ جو رسول اللہ نے فرمائے ہیں ان کی تکلیف مکلفین کی طاقت سے باہر ہے کیونکہ کسی وقت بھی تم چاہو کرو یہ مستحب ہے اور ہر مکلف کے لئے صلوٰت بھیجنا، تسبیح پڑھنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور نماز مستحبی ادا کرنا اور بے شمار کام کہ ان پر عمل کرنا لوگوں کی طاقت سے خارج ہے اس کے باوجود یہ تمام تکالیف انجام دی جاتی ہیں حالانکہ ان کو ترک بھی کیا جا سکتا ہے۔

میں نے جواب میں عرض کیا کہ مستحب اعمال مبنی بر اختیار ہوتے ہیں اور مستحب کام انجام دینا کوئی عیب بھی نہیں۔ یہ تکلیف مالایطاق قرار نہ پائیں گے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے بچوں کی عبادت کے تربیتی ہونے پر اس مناظرہ کو ایک علیحدہ کتاب میں تحریر کیا ہے جو بڑی پر لطف بحث ہے۔

آپ (شہید ثالث) آقا سیّد علی صاحب شرح کبیر کے شاگرد تھے، آپ سے تحصیل علم کے بعد تہران تشریف لائے اور وہاں بہت مقبول ہوئے اور آخری ادوار میں آپ فاضل قمی تھے۔ لوگوں نے میرزائی قمی سے سوال کیا کہ حاجی ملاّ محمد مجتہد ہیں کہ نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ابھی میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی لیکن تم ان سے کوئی مسئلہ دریافت کرو کہ اس مسئلہ کو وہ قانونِ استدلال (دلیلوں) سے ثابت کریں اور وہ تحریر تم مجھے پہنچاؤ تو میں فیصلہ کروں گا کہ وہ احکام شرعی کے استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ نہیں۔ پس شہید ثالث سے سوال کیا گیا کہ زید نے اپنی جائیداد عمرو کو منتقل کی اور بکر اس کا ضامن ہوا۔ اس طرح کی ضمانت درست ہے کہ نہیں۔ شہید ثالث نے ایک مختصر رسالہ اس مسئلہ کے بارے میں لکھا اور اس میں ضمانت کو نادرست قرار دیا۔ اور بڑی تفصیل کے ساتھ اس بارے میں شبہات کا ازالہ کیا۔ وہ رسالہ میرزائی قمی صاحبِ قوانین کے مطالعہ کے لئے بھیجا گیا۔ میرزا نے ایک اور رسالہ شہید ثالث کے رسالہ پر بطور حاشیہ لکھا اور اس میں شہید ثالث کے استدلات کو بے اصل اور بے کار قرار دیا۔ جب میرزائی قمی کا یہ حاشیہ شہید ثالث کے سامنے لائے تو انہوں نے میرزا کے حاشیہ کے متعلق ایک اور رسالہ تالیف کیا اور میرزا کے تمام اعتراضات کو قطعی طور پر رد کر دیا اور یہ تینوں رسائل حقیر کے پاس موجود ہیں۔

پس شہید ثالث بار دیگر زیارات عتباتِ عالیات سے مشرّف ہوئے اور اپنے استاد عالی مقدار آقا سیّد علی سے اجازۂ اجتہاد حاصل کیا اور ایران تشریف لائے تو وہاں ان کی فتح علی شاہ سے جھڑپ ہوگئی تو اس کے بعد آپ نے دارالسلطنت قزوین میں نزول اجلال فرمایا اور مرحوم حاجی ملاّ عبدالوہاب قزوینی نے جو وہاں کے علماء میں سے تھے اور جن کی قابلیت کا ہر جاؤ نکاح رہا تھا اور شہر قزوین کے رؤسا میں سے تھے انہوں نے شہید ثالث کا شایان شان خیر مقدم کیا اور آپ کی خوب آؤ بھگت کی۔

شہید ثالث کے مناظروں میں سے ایک وہ مشہور مناظرہ ہے کہ دارالسلطنت قزوین میں ایک امیر آدمی نے وفات پائی اور بڑا مال و متاع چھوڑا اور اسکی وارث صرف ایک بیٹی تھی۔ ایک شخص نے اس دولت کے لالچ میں اپنے چھوٹے بچے کی کفالت کے لئے اس لڑکی سے اس کا عقد متعہ کر دیا۔ کچھ وقت گزرا۔ وہ لڑکی جوان تھی اور بچہ چھوٹا تھا وہ اس رشتے کو برداشت نہ کر سکی۔ اس نے ایک بڑی رقم کی پیشکش کی کہ اس مدتِ عقد کو ختم کر دیں تا کہ وہ کہیں اور نکاح کر لے۔ شہید ثالث نے فرمایا کہ بچے کا ولی پیسہ کے عوض عقد کی مدت کو ختم نہیں کر سکتا بلکہ اسے چاہیئے کہ صبر کرے کہ اس کا شوہر بالغ ہو جائے۔ اس لڑکی نے چار سو تومان ملاّ کو بھیجے کہ وہ فتویٰ دیدیں کہ عقدِ متعہ کا ولی مدت نکاح کو ختم کر سکتا ہے۔ مرحوم حاجی ملاّ عبدالوہاب نے یہ فتویٰ دیدیا اور قزوین کے علماء نے اس کو تسلیم کر لیا لیکن حاجی ملاّ صالح نے جو اپنے بھائی کی تقلید کر رہے تھے اس کی رد میں مجالس مناظرہ کا انعقاد کیا اور علماء کو بلایا اور شہید ثالث سے مناظرہ و مجادلہ و مکافحہ اور طویل بحث و مباحثہ ہوا اور علماء شہید ثالث کے دلائل کے آگے عاجز ہو گئے اور معاملہ طول کھینچ گیا یہاں تک کہ دیگر علمائے وقت سے فتویٰ دریافت کیا گیا۔ سب نے حاجی ملاّ عبدالوہاب کی موافقت کی یہاں تک کہ مرحوم حجتہ الاسلام حاجی سیّد محمد باقر سے اصفہان جا کر فتویٰ طلب کیا انہوں نے بھی اس کو جائز قرار دیا اور ان کی دلیلوں کو تسلیم نہ کیا۔ ان کی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ ولی اپنے مولی علیہ پر تصرّف و حق و ولایت رکھتا ہے اور جو شک مدّتِ نکاح کو معاف کرنے میں پیدا ہو رہا ہے کہ کیا وہ اس کی معافی کا اختیار رکھتا ہے تو بے شک اس کو یہ اختیار حاصل ہے۔ یہ طلاق خلع کا سا حکم ہے جو کثیر رقم ملنے کی صورت میں واقع ہو سکتی ہے اور مرحوم حجتہ الاسلام نے اس مسئلہ پر ایک علیحدہ کتاب تالیف کی۔ ان سب کے باوجود شہید کے فیصلے پر غلبہ نہ پا سکے اور اس زمانے کے مانے ہوئے مفتی آقا سیّد علی کے بیٹے آقا سیّد محمد صاحبِ ''مناھل و مفاتیح'' سے فتویٰ طلب کیا اور درخواست کی کہ وہ کربلا سے کسی مولوی کو قزوین بھیجیں تا کہ اس حکم کا اجراء کیا جا سکے اور نکاح متعہ کی مدّت کو شوہر کے ولی کے ذریعے ختم کیا جائے۔ پس آقا سیّد محمد نے بھی اسے جائز قرار دیا اور ایک مولوی کو بھیج کر اس حکم پر عمل درآمد کرایا اور یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

شہید ثالث نے ایک کتاب اس مسئلہ پر لکھی اور تحقیق دلائل اس کے عدم جواز پر تحریر کیے اور اپنی کتاب 'طلاق منہج' میں بھی اس مسئلہ کو اٹھایا اور اس کو ناجائز قرار دینے والے مفتیوں میں آقا سیّد مہدی بحرالعلوم اور آقا سیّد محمد قصیر خراسانی بھی ہیں اور آقا سیّد محمد ماہر فقیہ تھے اور جلیل القدر عالم آقا محمد باقر بہبہانی کے شاگردوں میں سے تھے اور ان کے فتاویٰ بہت حیران کن ہوتے تھے ان میں سے ایک فتویٰ یہ تھا کہ انگور کا شیرہ جوش کھا کر تہائی رہ جائے اُبال سے پہلے

ہی پاک ہو جاتا ہے۔ حاجی ملا احمد نراقی بھی یہی مسلک رکھتے تھے حالانکہ اجماع علماء سے اس کی نجاست ثابت ہے۔ اور ان کے عجیب و غریب فتووں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک یہ جائز تھا کہ قاضی مقدمہ کا فیصلہ قسم پر کر دیں اور یہ بھی جائز سمجھتے تھے کہ اس قسم اور صلح کا متولی مقلد ہو اور ان کے بھائی حاجی ملا محمد صالح بھی اسی بات کے قائل تھے اور ان کے فتاویٰ میں یہ بھی جائز ہے کہ حاکم شرع مقدمہ میں اپنا محنتانہ یا اجرت وصول کرے یعنی فیصلہ لکھنے کی اجرت لیلیے اور برسر منبر انہوں نے بارہا فرمایا کہ مجھے فیصلہ سنانا لازم ہے لیکن اس کو لکھنا میرا فرض نہیں اور لکھنے کی میں اجرت لیتا ہوں لہٰذا لوگ یہ کہتے تھے کہ شہید ثالث رشوت لیتے ہیں۔ پناہ بخدا وہ رشوت نہیں لیتے تھے بلکہ کتابت کی اجرت لیتے تھے۔ فاضل مہدی صاحب کشف اللثام بھی معاوضہ لیا کرتے تھے کیونکہ وہ غریب اور عیالدار تھے اور اپنا گزارا کتابت کی آمدنی سے کرتے تھے۔ جب لوگ ان کے پاس کوئی مقدمہ لاتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ میں تنگدست ہوں اور اپنے روزمرہ اخراجات کتابت کے ذریعے حاصل کرتا ہوں کیونکہ جب مقدمہ کی پیروی ہوتی ہے تو میں کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا جس سے روزی حاصل کر سکوں تو اگر میں تمہارے مقدمہ کی پیروی کروں تو تم مجھے فیصلہ لکھنے کا معاوضہ دینا۔

شہید ثالث کو اپنے استاد آقا سید علی اعلی اللہ مقامہ اور عالم باکمال شیخ جعفر نجفی صاحب کشف الغطاء اور آقا سید علی کے فرزند آقا سید محمد نے اجازۂ اجتہاد ملا ہے۔

جب آقا سید محمد سفر جہاد میں قزوین پہنچے تو ان سے سوال کیا گیا کہ آیا حاجی ملا محمد صالح برغانی مجتہد ہیں؟ تو سید نے ان کے اجتہاد پر تصریح وتصدیق فرمائی یعنی اجازت وسند دی۔ حاجی ملا محمد صالح آقا سید محمد کے شاگردوں میں سے تھے اور بعد میں آقا سید علی کے درس میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔

آقا سید محمد سے کسی نے پوچھا کہ حاجی محمد تقی مجتہد ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ قابل شخصیت ہیں اور پھر ان کی تعریف وتوصیف کی اور خوبیوں کا تذکرہ کیا۔ اس پوچھنے والے نے اس بات کو مشہور کر دیا کہ سید نے شہید ثالث کے اجتہاد پر سند دی ہے۔ جب یہ خبر حاجی ملا عبدالوہاب تک پہنچی اور سید ان دنوں انہی کے ہاں مقیم تھے تو حاجی ملا عبدالوہاب نے اس پوچھنے والے کو بلایا اور خوب ڈانٹا کہ کیوں بہتان لگاتا ہے انہوں نے شہید ثالث کو سند اجتہاد نہیں دی۔ اور حاجی ملا عبدالوہاب اور حاجی ملا محمد تقی میں کچھ رنجش تھی تو جب اس زجر وتوبیخ کی خبر عام ہوئی اور قزوین تک پہنچی تو شہید ثالث نے فرمایا کہ آقا سید محمد کا ہمیں احترام کرنا چاہیئے کہ وہ ہمارے استاد کے فرزند ہیں۔ جب شہید ثالث کی اس انکساری کا حال آقا سید محمد کو معلوم ہوا تو ایک دن حاجی ملا محمد تقی کے گھر پر ناشتہ کیا اور خاص نظر کرم فرمائی اور ان کو سندِ اجازہ لکھ دی اور اسی دن شہید ثالث کی مسجد میں پہنچے اور منبر پر بیٹھ کر ان کی تعریف وتوصیف کی اور سند اجازہ مرحمت فرمادی اور لوگوں میں اس واقعہ کا اعلان کر دیا۔

اس کتاب (قصص العلماء) کا مؤلف شہید ثالث کا اجازت نامہ اور ان سے اتصال کی سند رکھتا ہے اور میری دیگر اسانید میں آپ کا اجازہ قریب ترین ہے کیونکہ جتنی بھی اجازات میرے پاس ہیں وہ دو واسطوں سے آقا سید علی، صاحب ریاض پر منتہی ہو جاتی ہیں لیکن شہید ثالث کا اجازہ صرف ایک واسطے سے آقا سید علی تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ شہید ثالث آقا سید علی کے شاگردوں میں سے ہیں اور براہِ راست ان سے اجازہ پائے ہوئے ہیں اور دوسرے جو آقا سید علی سے اجازہ پاتے ہیں تو ایک واسطہ درمیان میں ہوتا ہے۔

جب حقیر عتباتِ عالیات کی زیارت سے واپس ہو رہا تھا تو میں نے کسی سے اپنے اجتہاد پر تصدیق یا اجازہ کا مطالبہ نہ کیا یہاں تک کہ میرے ماموں آقا سید صادق تنکابنی جو لنگر دوگیلان کے قصبے کے امام جماعت تھے اور اس شہر کے فاضل ومسلمان علماء میں سے تھے، حضرت فاطمہ قم کی زیارت سے واپسی پر قزوین میں میرے پاس تشریف لائے اور مجھے اجازہ حاصل کرنے پر ترغیب دی کیونکہ اجازہ عوام کے لئے تقلید وقضا میں اطمینان کا سبب ہوتا ہے اس کے علاوہ احادیث کی اسناد کا سلسلہ بھی اس سے مل جاتا ہے اور اس طرح انسان راویوں کی فہرست میں داخل ہو جاتا ہے پس اسی وجہ سے اور بطور تبرک میں نے اپنے استاد اور شہر قزوین کے سربرآوردہ حضرات سے جن میں حاجی ملا محمد تقی بھی شامل ہیں سے اجازہ حاصل کیا اور میں نے ان کے حکم کی اطاعت میں

کتاب 'بدایع الاسلام' جو 'شرائع الاسلام' کی شرح کے طور پر لکھی تھی منظومۂ الفیہ اصول کے ساتھ کربلا اپنے استاد کی خدمت میں بھیجی۔ انہوں نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی اور مجھے بھیج دی۔ پس میں نے وہی کتاب مع ان کے تصدیق نامہ کے شہید ثالث کی خدمت میں ارسال کی۔ جب انہوں نے استاد کا خط دیکھا تو کہنے لگے کہ استاد کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اپنے شاگرد کی زیادہ تعریف کرے اور آقا سیّد ابراہیم نے اپنے شاگرد کی بے حد تعریف و توصیف کی تھی لہٰذا شہید ثالث نے مفصل اجازت نامہ اور اجتہاد کی تصدیق میرے لئے لکھ دی اور اس کی تحریر یوں تھی:

مؤلف کتاب کے لئے شہید ثالث کا اجازہ۔

(آغاز کر رہا ہوں) اللہ کے نام کی مدد کے ساتھ جو نہایت مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کو زیب دیتی ہیں کہ جس نے مخلوقات کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا اور ان کو اپنی ربوبیت کی نشانی قرار دیا۔ ان کو گمراہی سے بچانے کے لئے واضح دلائل اور روشن ترین حجتوں کے ساتھ اپنے پیغمبروں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا جو ثواب کی راہوں تک پہنچانے والے ہیں اور جو اللہ کا انکار کرنے والوں کو اللہ کا خوف دلاتے ہیں کہ اس کے بعد ان کے پاس کوئی حجت نہ رہے تا کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل پر ہلاک ہو۔ اور اللہ کا درود و سلام ہو زمانے کے اشرف ترین نبیؐ پر کہ جن پر صاحبان فخر فخر کرتے ہیں۔ ان کا یہ فخر (آخرت کے لئے) اٹھائے جانے کے وقت تک مسلسل ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے گا جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) کیا تھا۔

اللہ نے (رسول اکرم کو) اپنی کرامت سے ایسی فضیلت دی جو اس سے پہلے اپنی مخلوق میں کسی کو نہ دی تھی۔ زمانہ ان کی نبوت کا اعتراف کرتا ہے اور اس کا یہ اعتراف اس وجہ سے بھی ہے کہ وہ نبیوں کے خاتم ہیں اور رسولوں کے آخر ہیں۔ وہ محمدؐ جو صاحب شریعت ہیں اور تمام گزشتہ شریعتوں کے ناسخ ہیں اور روشن دلائل و معجزات کے معدن ہیں۔ اور ہمارا سلام ہو ان پر جو علم الٰہی کا خزینہ اور وحی الٰہی کے ترجمان ہیں، جو اللہ کی زبان ہیں، جو اللہ کی آنکھ ہیں، جو اللہ کا پہلو ہیں، جن کی فضیلت تمام مخلوق پر عیاں ہے، جن کو اللہ نے نفس نبی بنایا جس کی گواہ قرآن کی آیہ مباہلہ ہے اور ان ہی کو باطن قرآن میں نبی کا خلیفہ بنایا اور ظاہر میں ان کو امام غالب بنایا اور غالب علیؑ کل غالب علیؑ ابن ابی طالبؑ قرار دیا۔ اور سلام ہو ان کی عترت طاہرہ پر جو منزل کا پتہ دینے والے روشن ستارے ہیں، اللہ کی واضح دلائل ہیں جن کو خوشی و غم میں غلطیاں کرنے سے بچا لیا گیا اور وہ بھول چوک اور خطا سے پاک معصوم ہیں۔ ان پر اللہ کا درود ہو اور اس کی برکتیں ان پر ہمیشہ ہوں۔

اس کے بعد میں (محمد تقی بن محمد) حقیقتاً اجازت دے رہا ہوں صاحب فضیلت، زکی، صائب رائے، عالم، جناب ملا محمد تنکابنی کو جو روشن فکر دانش اور بھرپور علمی استعداد رکھنے والے، بلندی کی طرف پہنچانے والے، احکامات الٰہیہ اور افکار کے بارے میں تگ و دو کرنے والے، حلال اور حرام کے مسائل کی چھان بین کرنے والے اور یقین کی حدود تک فہم کو استقامت کی راہ دکھانے والے ہیں۔

ان کی علم میں معرفت، دین میں پارسائی اور احتیاط، تحصیل احکام میں چھان بین کا اہتمام اور کوشش کر کے کمی پر غالب آنے کی صلاحیت اور اجتہاد کے سبب وہ اپنی طلب کی حاجت پوری کرنے اور اپنی دعا کی اجابت میں تیز بہنے والی ندی کی طرح ہیں جیسا کہ ہمارے علمائے ابرار کی شان رہی ہے اور یہی ہمارے علمائے اخیار کی پیروی ہے۔ پس میں اسی لئے ان کو اجازت دے رہا ہوں کہ وہ مجھ سے روایت کریں میری روایات اور جو مجھ سے ہمارے ائمہ کی بیان کردہ اصول و فروع میں احادیث کے بارے میں سنیں (اللہ کا ان سب پر سلام ہو)، خاص کر کتب اربعہ جن کا مدار کافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام اور الاستبصار پر ہے۔ جن کے مرتب کرنے والے تین محمد یعنی "کلینی"، "قمی"، "طوسی" تھے۔ اللہ انہیں اپنی رحمتوں میں ڈھانپ لے، کہ تمام بڑی بڑی کتابوں کے مجموعے ان ہی جمع شدہ حدیثوں کی وجہ سے تیار ہوئے جیسے وسائل، وافی، بحار جیسی مشہور زمانہ تصنیفات و تالیفات جو اصول و فروع کے عنوانات کو سمیٹے

ہوئے ہیں۔ منجملہ کئی جلدوں میں 'عیون الاصول' اور قضا ہو جانے والی نمازوں اور نماز جمعہ کے بارے میں میرا مختصر رسالہ اور میری مبسوط اور مدلل کتابیں جیسے کئی جلدوں میں 'منہج الاجتہاد' جو 'شرائع الاسلام' کی بہت کشادگی اور تحقیق کے ساتھ چوبیس جلدوں میں شرح ہے طہارت سے دیات تک، جس میں آیات وروایات واجماعات وشہرت کی رو سے فروعات واحکامات کے ماخذ کو پیش کیا گیا ہے۔ جو تحقیق دقیق کرنے والے کو کتب احادیث اور ہمارے برگزیدہ علماء کی تمام تصنیفات سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اسی لئے میں اجازت دے رہا ہوں کہ وہ (تنکابنی) مجھ سے روایت کریں اور ان تمام شیوخ سے جنہوں نے مجھے اجازت دی ہے جن میں ہیں وہ جن کی ذات میں بلند علوم اور سر براہی جمع ہو گئے تھے، جو بحر زخار اور چمکتے ہوئے چاند ہیں یعنی ہمارے استاد اعظم، میر سید علی بن محمد علی طباطبائی جو (شرائع الاسلام) کبیر وصغیر کی نفع بخش شرح کرنے والے ہیں۔ ان ہی میں ہمارے شیخ الاعظم، ہمارے عظیم المرتبت استاد جو فروعی عنوانات کے میدان میں اپنے دور میں منفرد تھے، اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں یکتا تھے، یعنی شیخ جعفر الغروی۔ اور وہ اجازت یافتہ ہیں دو معروف شیخوں سے یعنی استاد کامل جناب آقا محمد باقر بہبہانی اور زمانے کی عزت اور فخر کا تاج کہ ان کا ثانی اس دور میں نہیں یعنی جناب سید مہدی طباطبائی، اللہ بلند جنتوں کو ان سب کا مسکن قرار دے۔ اور ان میں مستند سردار، طویل تحقیق کرنے والے، گہری نظر رکھنے والے سید محمد جو فرزند ہیں ہمارے سردار کے جن کا ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں انہوں نے اجازہ لیا تھا اپنے دو استادوں یعنی اپنے والد (کہ وہ بھی امیر کہلاتے ہیں) اور جناب سید مہدی طباطبائی سے اور انہوں نے اپنے گزرے ہوئے اساتذہ سے اجازہ لیا تھا جن کا سلسلہ ان کے اسلاف سے ہوتا ہوا ائمہ طاہرین تک پہنچتا ہے اور ان کا سلسلہ اپنے گزرے ہوئے آباء سے ہوتا ہوا جناب خاتم النبیینؐ تک پہنچتا ہے۔ اور ان جنابؐ نے حامل وحی جبرئیل امینؑ سے وحی کو لیا تھا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عالی مرتبت ارواح اور آسمانوں اور زمینوں کے پستلوگوں اجسام کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔

اور میں انہیں نیکی اور تقویٰ میں پورے شد ومد سے کمال حاصل کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور احتیاط کے طریقے کو لازم قرار دیتا ہوں۔ بس یہ کہ مجھے صبح کی دعا میں اور اوقات اجابت دعا میں کبھی فراموش نہ کریں اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی توفیقات کے ساتھ محمدؐ اور ان کی عترت طاہرہ کے صدقے میں ان لوگوں میں شامل کر دے جن کے سیدھے ہاتھ میں اعمال نامے ہونگے اور جو یکتا اور بے نیاز اللہ کی طرف سے امان نامے اور امید کے سہارے ہوں گے۔

محمد تقی بن محمد

یہاں تک شہید ثالث کے اجازہ کی نقل تھی۔ جو انہوں نے مجھ حقیر کے لئے لکھا تھا اور چونکہ آقا سید محمد سفر جہاد پر تشریف لے جا رہے تھے اس لئے اکثر ایرانی علماء ان کی خدمت میں حاضر تھے اور ان میں سے ملاّ محمد تقی بھی تھے۔ یہاں تک کہ نائب السلطنت شروع کے چند معرکوں میں تو کامیاب رہے لیکن پھر مغلوب ہو گئے اور ان کی جگہ فتح علی شاہ نے لے لی۔ مرحوم فتح علی شاہ نے علماء کے سامنے نائب السلطنت (ولی عہد) کی فوجی قوت کے متعلق سوال کیا۔ سب خاموش رہے تو پھر سوال دہرایا تو شہید ثالث نے فرمایا کہ مجھے ان کے متعلق معلوم ہے لیکن اس کی وضاحت ایک حکایت سے ہو سکتی ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک بڑا عابد وزاہد شخص تھا۔ اس کی خانقاہ کے پاس ایک بڑا مضبوط تناور درخت تھا۔ تھکے ماندے قافلے اس درخت کے سائے تلے آرام کرنے کے لئے پڑاؤ ڈالتے تھے۔ تو ڈاکو جو پہلے سے اس درخت کی گھنی شاخوں میں چھپے بیٹھے ہوتے تھے اہل قافلہ کو لوٹ لیا کرتے تھے۔

عابد نے ایک دن سوچا کہ کیوں نہ اس درخت کو کاٹ دیا جائے تاکہ یہ ڈاکوؤں کی پناہ گاہ نہ بن سکے اور لوگوں کے جان ومال محفوظ رہ جائیں۔ چنانچہ کلہاڑی وغیرہ لیکر درخت کاٹنے کو پہنچ گیا۔ ابھی کام شروع ہی کیا تھا کہ شیطان انسانی شکل میں آدھمکا کہ اس درخت کو ہرگز نہ کاٹنے دونگا۔ آخر دونوں میں کشتی ہوئی کہ جو غالب آجائے وہی کامیاب قرار پائے گا۔ عابد نے ایک ہی داؤ میں شیطان کو پچھاڑ دیا اور چاہتا تھا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دے لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مہلت یافتہ ہے اس لئے عابد اسے قتل نہ کر سکا اور اسے معاف کر دیا۔ شیطان واپس چلا گیا اور عابد نے درخت کاٹنا شروع کر دیا ابھی آدھا ہی کاٹ سکا تھا کہ رات ہو گئی۔ عابد نے سوچا کہ باقی کام کل کرلوں گا اور قافلوں کو چوروں کی آزار سے آزاد کر دوں گا۔ لیکن اب میں قافلہ

والوں سے اپنی اس محنت پر اجرت وصول کروں گا تا کہ میری زندگی فارغ البالی سے گزر سکے۔ صبح ہوئی تو پھر اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ شیطان پھر نازل ہو گیا اور درخت کاٹنے سے روکنے لگا۔ پھر کشتی کی ٹھانی اور اس دفعہ شیطان نے عابد کو دے پٹخا اور کہا کہ خبردار اس درخت کو مت کاٹنا۔

معاملہ کیا تھا؟ پہلے دن عابد نے اپنا کام قربۃً الی اللہ انجام دیا تھا لہٰذا شیطان پر غالب آ گیا تھا اور دوسرے دن اس کی نیت ڈانواڈول ہو گئی تھی اور لوگوں سے اجرت لینا چاہتا تھا لہٰذا مغلوب و مقہور ہو گیا۔

یہی صورتحال یہاں ہے کہ شاہزادہ نائب السلطنۃ پہلی مرتبہ خالصتاً قربۃً الی اللہ لشکر کشی کر رہا تھا تو روسی فوجوں پر غالب آ گیا دوسری دفعہ خود غرضی شامل ہو گئی تو مغلوب ہو گیا۔

مرحوم فتح علی شاہ کو شہید ثالث کی یہ بات بہت بھائی اور ان کو خلعت سے نوازا۔ ان کی حاضر جوابی کی یہ ایک مثال تھی ورنہ اکثر محافل میں ان کی حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کا یہی عالم تھا۔

فتح علی شاہ کے زمانے کی ہی بات ہے کہ سلطان نے قزوین کے دیہاتوں میں سے ایک قریہ شہید کو بخش دیا۔ شہید ثالث نے وہ قطعۂ زمین میرزا ابراہیم نامی ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس کی نقد قیمت وصول کی۔ ظاہر یوں ہوتا تھا کہ یہ ان قریوں میں سے ہے جو مجہول المالک (۱) ہیں اور حاکم شرع کو پورا اختیار ہوتا ہے کہ وہ ایسی املاک کو جس طرح چاہے استعمال کرے۔ لیکن جب مرحوم محمد شاہ کا دورِ حکومت شروع ہوا تو میرزا ابراہیم سے اس کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ میرزا ابراہیم نے بارگاہِ سلطانی میں عرض کیا کہ میں نے تو یہ قطعۂ زمین شہید ثالث سے خریدا تھا۔

سلطان کا وزیر حاجی میرزا آقاسی چونکہ تصوّف کی طرح میلان رکھتا تھا اور علمائے کرام اور فقہائے عظام کا سخت دشمن تھا چنانچہ وزیر محصولات کو حکم دیدیا کہ اس قریہ کی قیمت شہید ثالث سے وصول کر کے میرزا ابراہیم کو لوٹا دی جائے۔

جب حکومت کا کارندہ وصولیٔ رقم کیلئے شہید ثالث کے گھر پہنچا تو آپ فوراً دار الحکومت پہنچے اور وہاں باریابی حاصل کر کے اس شاہی زمین کی فروخت پر گفتگو کی جس میں شہید ثالث نے سلطان سے کہا کہ میں ایک بڑی پر لطف بات اس سلسلے میں آپکے گوش گزار کرتا ہوں۔

یہ اس زمانے کی بات ہے کہ میں دار السلطنت اصفہان میں تحصیل علم میں مصروف تھا اور بالکل قلاش و مفلس تھا۔ کبھی کبھی تو کھانے کو کچھ بھی میسر نہ آتا اور کبھی نوبت یہ آتی کہ لوگ جو پھلوں وغیرہ کے چھلکے کوڑے دان پر پھینک دیتے تھے میں ان میں سے خربوزے وغیرہ کے چھلکے کھا کر گزارا کرتا تھا ایک دفعہ کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایسے میں کسی نے کسی مرحوم کی نماز وحشت کے عوض چند سکے دیئے۔ میں وہ لیکر بازار کی طرف دوڑا کہ کوئی سستی سی چیز خرید کر پیٹ بھرنے کا سامان کروں کہ اتنے میں آواز آئی "پختہ شیرہ دار خربوزہ دو روپے من" (۲)۔ میں نے سوچا کہ اس سے سستی اور بہترین چیز اور کونسی ہو سکتی ہے۔ میں نے بقدر ضرورت اس خربوزہ کو خریدا اور گھر آ گیا اب جب کاٹا تو خربوزہ میں سے سوائے بیجوں اور پانی کے کچھ نہ نکلا۔ میں اسے لیکر پھر خربوزہ فروش کے پاس گیا اور اسے خربوزے کی کیفیت بتائی کہ تم نے مجھ سے دھوکا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے تو یہ یہی کہا تھا نا کہ پختہ شیرہ دار خربوزہ اور یہ دونوں لفظ اس پر پورے اتر رہے ہیں میں لاجواب ہو کر واپس آ گیا۔

اب میرزا ابراہیم کا واقعہ بالکل یہی ہے کہ میں نے کہا تھا کہ یہ خالصۂ سلطانی ہے جسے میں فروخت کر رہا ہوں۔ وہ پہلے اسکی خریداری پر مائل نہ تھا لیکن یہ سن کر خرید لیا۔ تو اب مجھ سے کیا واسطہ اور میری اس بارے میں کیا ذمہ داری؟

بادشاہ یہ سنکر خوش ہو گیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس نے شہید ثالث کا بڑا احترام و اکرام کیا۔

ایک اور عجیب و غریب قصہ یہ ہے کہ میرزا آقاسی صوفی وزیر مرحوم محمد شاہ، حاجی ملا محمد تقی سے بڑی عداوت رکھتا تھا اور اس کو خوش رکھنے کے لئے

(۱) مجہول المالک وہ چیز ہوتی ہے جس کے مالک کا علم نہ ہو تو امام وقت کی نیابت میں مجتہد اعلم کو اختیار ہوتا ہے کہ اس کو جس طرح چاہے استعمال کرے۔ (مترجم)

(۲) ایرانی من چار کلو ہوتا ہے (مترجم)

لوگ شہید کو بڑی تکلیف پہنچایا کرتے تھے لیکن نتیجہ اس آیت کے مصداق ہوا کہ اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے چاہے مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

ایک شخص میرزا نظر علی قزوین کے نامور لوگوں میں سے تھا اور حکیم باشی کے نام سے پکارا جاتا تھا اور سلطان اور میرزا آقاسی کا بڑا معتقب تھا لیکن لواطہ کرنے والا بدکردار شخص تھا۔ اس کا حسب نسب بھی درست نہ تھا۔ کسی زمانے میں بہت غریب تھا لیکن پھر دنیاوی مناصب پا کر بہت خوشحال ہو گیا تھا۔ پرانے دفتوں میں حکیم باشی نے ایک ہیرے کی انگوٹھی حاجی شہید کو ھبہ اور عطیہ کے طور پر دی تھی۔ اب اس نے وزیر کے آسانے یا اپنی ثروتمندی کے گھمنڈ میں شہید ثالث سے اس انگوٹھی کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ شہید نے فوراً انگوٹھی بھجوادی۔ حکیم باشی نے اسے دیکھا تو واپس لوٹا دیا کہ یہ تو کوئی اور انگوٹھی ہے اور یہ وہ بیش قیمت انگوٹھی نہیں ہے جس کی قیمت سات سو ۷۰۰ تومان تھی۔ شہید نے پھر وہی انگوٹھی بھیجی اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی دیا کہ جس زمانے میں میں اصفہان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، بہت غریب تھا اور کبھی تو ایسا ہوتا کہ کھانے کو کچھ بھی نصیب نہ ہوتا۔ ایک دفعہ بہت بھوکا تھا، کہیں سے کچھ پیسے ملے تو سوچا کہ اس سے مزیدار کھانا پکا کے کھاؤں۔ میں نے چاول، گوشت اور گھی خریدا۔ چاول چنے اور پلاؤ پکایا اور کھایا تو اتنا مزہ آیا کہ بیان سے باہر ہے۔ بعدہ جب دنیا سے مجھے بہت کچھ حاصل ہونے لگا تو مجھے پلاؤ کی وہ لذت یاد تھی۔ میں نے اہلیہ سے فرمائش کی کہ

ویسا پلاؤ پکاؤ مگر مجھے مزہ نہ آیا۔ پھر شہر کے باورچیوں سے پکوایا لیکن وہ ذائقہ پھر بھی نہ پیدا ہوا۔ آخر میں نے نتیجہ نکالا کہ پلاؤ کی وہ لذت اصفہان میں غربت کے دن گزارنے کی وجہ سے تھی کیونکہ میں بہت بھوکا تھا لہٰذا اس وقت اس میں بہت لطف آیا۔ اب جب خداوند کریم کی عطا کی ہوئی گونا گوں نعمات مجھے مہیا ہیں مگر وہ لذت نصیب نہیں ہو رہی۔

تمہاری الماسی انگوٹھی کا بھی یہی قصہ ہے کہ جب تم بالکل قلاش تھے اس وقت یہ انگوٹھی مجھے ہدیہ کی تھی اور تمہاری نظر میں اس کی قیمت سات سو ۷۰۰ تومان تھی اب تم جب دولت وعزت کے مزے لوٹ رہے ہو تو اس انگوٹھی کی تمہاری نظر میں کوئی وقعت ہی نہ رہی حالانکہ یہ بعینہ وہی انگوٹھی ہے۔

اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ ہے۔ حاجی میرزا آقاسی وزیر ہمیشہ شہید اور ان کے بھائیوں بلکہ تمام فقہا کے لئے کوشاں رہتا تھا کہ ان کو اپنے مقام سے گرادے۔ ایک دفعہ جب محمد شاہ قزوین آیا تو وزیر نے حکم دیا کہ شہید ثالث اپنے بھائیوں حاجی ملا محمد صالح، اور حاجی ملا علی قزوینی سمیت باہر نکل جائیں۔ جب بادشاہ نے دربار لگایا تو شہید ثالث مع اپنے بھائیوں کے حاضر دربار ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد خادم نے اشارہ کیا کہ اٹھ جاؤ۔ شہید نے بادشاہ سے عرض کی کہ مجھے نہایت اہم کام ہے اور اس لئے ضروری ہے کہ ایک واقعہ مختصراً عرض کروں لیکن حاجب ہمیں اشارہ کر رہا ہے کہ تم چلے جاؤ۔ سلطان حاجی پر غضبناک ہوا اور حاجی سے فرمایا کہ اپنا معاملہ پیش کریں، تو شہید ثالث نے بیان کرنا شروع کیا کہ جب برادران یوسف نے یوسفؑ کو مصری مالک کے ہاتھ فروخت کر دیا اور زبردستی ان کو مصر کی طرف بھیج دیا تو یقلوس نامی ایک سیاہ رو اور بدسرشت غلام کو ان کا موکل و پاسبان بنا دیا۔ جب یہ قافلہ آل یعقوبؑ کے قبرستان سے گزرا تو یوسفؑ نے خود کو اونٹ سے نیچے گرا دیا اور اپنی والدہ راحیل کی قبر کے پاس بیٹھ کر گریہ وزاری کرنے لگے۔ یقلوس نے یوسفؑ کو اونٹ کی پشت پر نہ دیکھا تو تلاش میں نکلا تو دیکھا کہ بالین تربت والدہ بیٹھے ہیں تو منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ یوسفؑ نے بارگاہ خداوندی میں ہاتھ اٹھا کر فریاد کی۔ اچانک قہر الٰہی کا دریا متلاطم ہو گیا اور زلزلہ پیدا کرنے والے فرشتے کو حکم ہوا کہ زمین میں زلزلہ پیدا کرے اور ہواؤں پر موکل فرشتے کو حکم ملا کہ ہواؤں کے جھکڑ چلائے اور جبرئیلؑ کو خطاب ہوا کہ زمین پر پر مار کر قافلہ کا راستہ روک دے۔ حکم کی دیر تھی تیز ہوائیں چلنے لگیں، زمین میں زلزلہ پیدا ہوا اور غبار کے بگولے اٹھنے لگے۔ تمام اہل قافلہ حیران و پریشان کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ آخر یوسفؑ سے پناہ کے طالب ہوئے۔ انہوں نے خدا سے دعا کی تب یہ تمام پریشانیاں دور ہوئیں۔ تو فرشتوں نے باری تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ بار الٰہا تیرے پیغمبرؑ کے فرزند یوسفؑ پر بھائیوں نے کونسا ستم نہ کیا۔ کنوئیں میں ڈالا، کپڑے اتارے، طمانچے مارے اور کانٹوں دار صحرا میں پابرہنہ دوڑایا اور آخر کار غلام بنا کر بیچ ڈالا تو نے کسی موقع پر بھی تو ملائکہ کو یہ نہ فرمایا کہ عناصر قدرت کے ذریعہ انقلابات پیدا کر دیں اور یہاں صرف ایک طمانچے پر اتنے تغیرات رونما کر دیئے۔ تو درگاہ ایزدی سے جواب ملا کہ پہلی ساری مصیبتیں جو فرزند یعقوبؑ کو پہنچیں وہ ان کے بھائیوں کی وجہ سے تھیں جو خود اولاد پیغمبرؑ تھے۔ لیکن یقلوس ایک غیر شخص ہے اور قدرت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ یہ ناچیز غلام بھی یوسفؑ کو اذیت دے۔ لہٰذا یہ

سارے تغیرات پیدا ہوئے۔
اب جناب عالی سے عرض ہے کہ حضور جو حکم میں فرمائیں بسر و چشم قبول ہے لیکن یہ بقلوس جو حاجی میرزا آقاسی وزیر کا غلام ہے یہ ہمیں اشارے کرے ہماری غیرت کو گوارا نہیں اور وزیر حکم دیتا ہے کہ ہمیں ایران سے نکال باہر کرے اگر آپ کا فرمان ہے تو پھر ہمیں پروا نہیں ہمارے سر آنکھوں پر! یہ سنکر بادشاہ وزیر پر غضبناک ہوا اور شہید کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور وہ فائز المرام ہو کر دربار سے نکلے اور سلطان کے دل میں ان کو بڑا مقام و عظمت حاصل ہوا۔

سفر جہاد کے دوران مرحوم آقا سیّد محمد نماز جماعت نہیں پڑھاتے تھے اور بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام شہزادے کسی نہ کسی عالم کی جاء نماز بچھائیں اور ان کی خدمات بجالائیں۔ انہیں میں مرحوم محمد شاہ بھی تھے جو اس وقت شہزادے تھے اور میرزا محمد پکارے جاتے تھے انہیں حکم ملا کہ حاجی ملا محمد کا سجادہ بچھائیں اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ جس زمانے میں حاجی ملا سیّد محمد تقی قزوین میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے اس وقت شہید نماز جمعہ کو حرام سمجھتے تھے چنانچہ ایک دن حاجی سیّد محمد تقی نے لوگوں کی مخالفت کی اور نماز جمعہ کے لئے مسجد نہ گئے اور شہید مسجد میں تشریف لائے اور نماز جمعہ ادا کی اور اسکے بعد سے ہمیشہ شہید نماز جمعہ ادا کیا کرتے تھے اور حاجی سیّد محمد تقی ایک جامع و فاضل شخصیت تھے بلکہ ان کے متعلق کرامات کا بھی شہرہ ہے جیسا کہ ذکر ہوگا۔ ایک موقع پر سیّد اور شہید دونوں اکٹھے تھے تو سیّد نے شہید سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ایک ہفتہ نماز جمعہ حرام تھی اور دوسرے ہفتے واجب قرار پا گئی شہید نے کہا: میں سمجھا نہیں۔ تو سیّد نے کہا نماز جمعہ جب میں نے پڑھائی تھی تو حرام تھی اور جب آپ نے پڑھائی تو واجب ہوگئی!

مؤلف کہتا ہے کہ موضوع اور من گھڑت قصہ ہے کیونکہ یہ دونوں بزرگ اس قدر جلیل القدر ہیں کہ اس قسم کی بے ہودہ باتوں کی ان سے نسبت نہیں دی جا سکتی جبکہ دونوں قطعی ثقہ ہیں۔

شہید ثالث کی کتابوں میں ایک کتاب 'سیرۃ الاصول' دو جلدوں میں ہے اور علم اصول پر مبنی ہے تقریباً ''قوانین'' کی ضخامت رکھتی ہے۔ بلکہ ''قوانین'' کے متعلق اس میں مباحث موجود ہیں۔ شہید ثالث کے متعلق یہ بھی سنا گیا ہے کہ سفر جہاد کے دوران راتوں کو حاجی ملا احمد نراقی کے ساتھ بیٹھ کر 'عیون الاصول' پر میرے تبصروں کو موضوع بنا کر گفتگو کیا کرتے تھے۔

دوسری کتاب 'منہج الاجتہاد' جو 'شرائع' کی شرح ہے طہارت سے لیکر دیات تک چوبیس ۲۴ جلدوں میں ہے اور یہ شیخ محمد حسن کی 'جواھر الکلام' کے برابر ہے۔ جس زمانے میں شیخ محمد حسن 'جواھر الکلام' لکھ رہے تھے تو جب موضوع جہاد پر پہنچے تو کافی مواد فراہم نہ ہو سکا کیونکہ فقہا نے جہاد کے موضوع پر بہت کم لکھا ہے۔ آقا محمد مرحوم شہید کے صاحبزادے اس زمانے میں نجف میں زیر تعلیم تھے تو شیخ محمد حسن نے شہید کی کتاب جہاد منہج الاجتہاد ان سے عاریتاً لے لی اس سے ان کا کام بن گیا اور اپنی کتاب جہاد کی تالیف کو مکمل کیا۔

جس زمانے میں میں دارالسلطنت قزوین میں تحصیل علم کر رہا تھا تو شہید اس زمانے میں اس کتاب کی تالیف میں مشغول تھے اور لوگوں سے ملاقات اور شادی و غمی میں شرکت تک ترک کی ہوئی تھی۔ اور کتاب 'منہج' کی تالیف میں مشغول رہتے تھے سوائے اس کے روزانہ عصر سے مغرب تک دو گھنٹے کے لئے فارغ بیٹھتے تھے باقی تمام اوقات تالیف میں مصروف رہتے۔

تیسرا رسالہ فوت ہو جانے والی نمازوں کی قضا کے بارے میں
چوتھا نماز جمعہ کے بارے میں ایک رسالہ
پنجم طہارت و نماز اور روزے کے بارے میں رسالہ

ساتویں کتاب 'مجالس المتقین' موضوع وعظ پر جو پچاس مجالس پر مشتمل ہے اور ہر مجلس میں بہت سے فقہی مسائل کے دلائل پر اجمالی اشارے کیے ہیں اور بعض میں آیات کی تفسیر، حکایات اور ذکر مصیبت حسینؑ اور بعض میں ذاتی زندگی کے وہ حالات جب ایک شخص نے شہید ثالث اور آخوند ملا صفر علی لاھجی کو مہمان بلایا اور بہت سے علماء و طلاب وغیرہ بھی مدعو تھے۔ آخوند ملا صفر علی لاھجی قزوین کے رہنے والے اور مرحوم آقا سید محمد باقر جو صاحب 'مفاتیح

الاصولؒ سے اجازہ پائے ہوئے تھے کے شاگرد تھے اور خود انھوں نے مرحوم حجۃ الاسلام حاجی سید محمد باقر سے اجازہ حاصل کیا ہوا تھا اور ایک کتاب نقہ کے موضوع پر معالم کی شرح اور فنِ درایت پر ایک رسالہ تحریر کیا تھا۔ اور مجھ فقیر نے بھی جبکہ میں ابتدائی مراحل تعلیم میں تھا ان کی خدمت میں اصول کی تعلیم حاصل کی تھی۔ لائق و فاضل شخص تھے لیکن حافظہ کمزور تھا۔

جب مہمانوں نے آنا شروع کیا تو پہلے آخوند ملا صفرعلی آئے تو کسی نے آخوند سے سوال کیا کہ کیا بکری پر زکوٰۃ ہوتی ہے یا نہیں؟ آخوند نے کہا کہ قاعدہ سے ہونی تو نہیں چاہئے۔ اتنے میں شہید ثالث داخل مجلس ہوئے تو ان سے وہی سوال کیا گیا تو شہید نے جواب دیا ہاں ہاں بکری پر زکوٰۃ ہے۔ ملا صفرعلی بولے قاعدہ سے تو نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اصول برائت ذمہ وجوب زکوٰۃ کا باعث ہے اور گوسفند اس اصل میں شامل نہیں دلیل وحدت کی بنا پر کیونکہ اس کو غنم کہتے ہیں اور حکم اس کے نام کے مطابق ہوگا اور بکری کے لئے مُعز کا لفظ استعمال ہوتا ہے غنم کا نہیں۔ شہید نے کہا جناب آخوند آپ نے شاید شرائع نہیں پڑھی جس میں کہا گیا ہے کہ غنم اور معز ایک ہی جنس ہے اور اسی طرح گائے اور بھینس اور محقق نے اپنے فتوے کی کتاب شرائع میں ان کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ سن کر آخوند ساکت رہ گئے۔ غرض شہید مسائل کے بنیادی حد سے حل کرنے میں ایسی مہارت رکھتے تھے کہ اپنے زمانے کے ماہر کامل سمجھے جاتے تھے۔

ایک دفعہ کسی مسئلہ میں شہید ثالث اور مرحوم حاجی ملا محمد صالح میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک شب حاجی محمد صالح اور ان کے چھوٹے بھائی حاجی ملا علی مہمان بلائے گئے اور اسی بحث کو چھیڑا گیا حاجی ملا محمد صالح شہید خفا ہونے لگے کہ یہ تو بالکل بے ربط بات ہے۔ شہید بڑے حلیم الطبع تھے لہٰذا سکوت اختیار کر لیا۔ حاجی ملا علی جو چھوٹے بھائی تھے ملا صالح پر بگڑے کہ تم یہ کیسی گفتگو کر رہے ہو شہید تمہارے بڑے بھائی ہیں اور تمہیں ان کا احترام کرنا چاہئے اس پر حاجی شہید نے حاجی ملا علی کو ٹوکا کہ تم بھی تو بے تکی کہہ رہے ہو آخر حاجی ملا محمد صالح تمہارے بھی تو بڑے بھائی ہیں ان کا احترام تمہارے اوپر لازم ہے۔

اور جس سال مرحوم آقا سید محمد سفر جہاد پر تشریف لے گئے تھے تو ایران کے اکثر علماء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ہر شب جمع ہو کر آپ کے ساتھ علمی مباحث کیا کرتے تھے اور ان کی تصدیق آقا سید محمد سے کرایا کرتے تھے اور وہ جس کی بات کی تصدیق کر دیتے دوسرے بنظر احترام مجبوراً اس کو قبول کر لیتے کیونکہ وہ ان میں سے اکثر کے استاد تھے اور بہت سوں کے لئے استاد کے فرزند تھے اور جس مجلس میں ہوتے ان کے لئے گاؤ تکیہ کا انتظام ہوتا (یعنی تعظیماً احترام سے بٹھائے جاتے)۔ کچھ لوگوں نے سوچا کہ شہید اور حاجی نراقی میں مناظرہ کرایا جائے چنانچہ ایک شب دو آدمیوں نے شہید کی کتاب سے ایک فرعی مسئلہ اٹھایا اور ایک شہید کے حق میں بولنے لگا اور دوسرا مخالفت میں اور فیصلہ حاجی نراقی سے طلب کیا۔ حاجی نراقی نے مخالف شخص کی تصدیق کی کہ وہ ٹھیک کہتا ہے اور شہید نے جو موافقت میں بول رہا تھا اس کو سراہا اور دلیلیں اور قاعدے بیان کرنا شروع کیے حاجی نراقی سنتے رہے اور کچھ نہ بولے نہ کوئی بحث کی۔

دوسری شب ان لوگوں نے پھر ایک مسئلہ اسی طرح سے پیش کیا اور حاجی نراقی سے تصدیق چاہی۔ انہوں نے پھر شہید کے مخالف کی تصدیق کر دی اور پھر شہید نے پہلے کی طرح اپنی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی اور حاجی نراقی خاموش رہے۔

تیسری شب پھر یہی کیا اور آج بھی حاجی نراقی نے اسی کی بات کی تصدیق کی جو شہید کی مخالفت میں بول رہا تھا شہید نے پھر پہلے کی طرح دلائل دینے شروع کیے۔ حاجی نراقی جو پہلے ٹیک لگائے بیٹھے رہتے تھے آج سیدھے ہو بیٹھے اور شہید کی ساری دلیلوں کو رد کر دیا اور پھر خود قواعد بیان کر کے شہید کے مخالف کی حمایت کی اور شہید نے ان کو تسلیم کیا۔

شہید ثالث اعلی اللہ مقامہ کی بہت سی کرامات ہیں ہم چند ایک کا یہاں تذکرہ کرتے ہیں:

ان میں سے ایک یہ واقعہ ہے کہ اس زمانے میں ملا محمد علی مازندران کا باشندہ تھا اور کوئی خاص علمی مقام نہ رکھتا تھا۔ مرحوم حاجی ملا محمد صالح نے

ابتدائی تعلیم اس شخص سے حاصل کی تھی لوگ اس کو ملا محمد علی جنگلی کہا کرتے تھے۔ایک دفعہ جب جنت مکان فتح علی شاہ نے قزوین میں نزول اجلال فرمایا علماء بھی بادشاہ کی ملاقات کو گئے۔بادشاہ نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ملا محمد علی نے حسب حال جواب دیدیا جو بادشاہ کو بہت بھایا اور اس کا نام پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ یہ محمد علی جنگلی ہے۔بادشاہ نے کہا کہ چونکہ آخوند کا تعلق ہمارے علاقے مازندران سے ہے لہٰذا اسے ملا محمد علی جدلی کہا کرو۔چند سال بعد شہید اپنے بھائیوں کے ساتھ فتح علی شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس وقت ملا محمد علی جدلی موجود تھا۔سلطان نے کوئی مسئلہ شہید ثالث سے دریافت کیا شہید نے جواب دیا لیکن ملا محمد علی نے اس پر اعتراض جڑ دیا۔شہید نے اس اعتراض کا جواب دیا تو ملا محمد علی بھڑک اٹھا اور لڑنے پر آمادہ ہوگیا شہید خاموش ہوگئے اوران کا دستور یہی تھا کہ اگر کوئی لڑنے جھگڑنے پر آجاتا تو وہ سکوت اختیار کر لیتے تھے اور لڑائی جھگڑے سے پہلو تہی کرتے تھے۔ملا محمد صالح نے محسوس کیا کہ شہید کی مجلس سلطان میں خاموشی شکست قبول کرنے پر مبنی نہ سمجھی جائے اس لئے حاجی ملا محمد صالح بھی ملا محمد علی سے بحث کرنے لگے۔ملا محمد علی ایک چالاک چرب زبان شخص تھا دوران بحث حاجی سے کہنے لگا کہ گذشتہ دنوں میں یہی مسئلہ تو تم نے میرے درس میں پڑھا تھا اب ملا محمد صالح لاجواب ہوکر ساکت رہ گئے۔حاجی ملا علی نے دیکھا کہ سارے بھائی چپ سادھ گئے ہیں اور دشمن نے پالا مارلیا ہے تو اور جوش میں آگیا اور جھگڑے کو طول دینے لگا اور مباحثہ کرنے والے ایک دوسرے سے دور بیٹھے تھے باتیں کرتے کرتے قریب آگئے اور جب زور وشور سے گفتگو اور مباحثہ جاری تھا تو ملا محمد علی نے اپنا ہاتھ بڑھایا کہ ملا محمد علی جنگلی کو طمانچہ ماریں لیکن حاجی نے سبقت کی اور ملا محمد علی کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔اب حاجی ملا علی اور ملا محمد علی جنگلی دونوں اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے اور ایک دوسرے کا گریبان پکڑ لیا۔اس پر سلطان حاجی ملا علی اور بھائیوں پر غضبناک ہوا اور فرمایا کہ یہ بیہودہ حرکتیں شاہی دربار کے لائق نہیں ہیں اور آئندہ کبھی ایسی نازیبا بات نہیں ہونی چاہیئے اور وہاں سے نکل جانے کو کہا چنانچہ وہ اپنے گھر واپس آگئے۔

صبح ہوئی تو فتح علی شاہ نے درباریوں سے خطاب کیا کہ کل رات میں نے شاہزادی کائنات جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا کو خواب میں دیکھا کہ مجھ پر غضبناک ہورہی ہیں کہ تو نے میری اولاد کے احترام کے خلاف کیسے اقدام کیا تو اگر ان کو راضی نہیں کرے گا اور ان کے ساتھ کمال احترام سے پیش نہیں آئے گا تو تیری حکومت کا تخت الٹ جائے گا۔اس کے بعد اس نے شہید ثالث اوران کے بھائیوں کو بلایا اور کمال عزت واحترام سے پیش آیا اور ہرایک کو شاہی خلعتیں اوراعلیٰ قسم کے انعامات سے نوازا اوران کی تمام حاجات کو پورا کیا۔

اس سے واضح ہے کہ علماء جناب فاطمہؑ کی روحانی اولاد ہیں اور یوں لگتا ہے کہ ان کے مادری سلسلہ میں کوئی سیدانی ضرور تھی اور والدہ کی جانب سے اولاد زہراؑ سے تھے اور مرحوم حاجی ملا محمد صالح کہا کرتے تھے۔میری والدہ کا نام فاطمہ تھا۔

اور شہید ثالث کی کرامات میں سے ایک قصہ یہ ہے کہ وہ دارالسلطنت قزوین میں سزاؤں اور حدود شرعی کا اجراء کیا کرتے تھے۔اوراسی سلسلہ میں کسی وقت ایک شخص پر حد شرعی جاری کی تھی اس کا کوئی رشتہ دار رات کے وقت ہتھیار لیکر ان کے کتب خانہ میں قتل کرنے کے لئے گھس آیا چراغ روشن تھا اور وہ بزرگوار بارگاہ ایزدی میں مصروف مناجات تھے اوراس شخص کی کوئی پرواہ نہ کی حالانکہ انہیں یہ احساس ہوگیا تھا کہ کوئی شخص اندر آیا ہے۔اب اس شخص نے اپنا ہتھیار ہاتھ میں لیا اور چپکے سے اس کمرے میں قدم رکھا لیکن اچانک کسی نے پیچھے سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹا اور باہر نکال دیا اس نے گھوم کر دیکھا کوئی نظر نہ آیا تو کہنے لگا یہ صرف میرا وہم ہے ورنہ اصلاً کوئی بھی نہیں ہے پھر اس نے پاؤں اندر رکھا اور پھر وہی کیفیت پیش آئی۔اور تیسری دفعہ کوشش کی تو پھر وہی ہوا۔اب اس شخص کو عقل آئی اور توبہ تلا کرنے لگا اور ہتھیار پھینک کر جب اندر داخل ہوا تو اب کسی نے اسے باہر نہ دھکیلا۔اس نے آگے بڑھ کر شہید کے ہاتھ کو بوسہ دیا،معافی مانگی اور واپس چلا گیا۔شہید تینوں دفعہ قطعاً اس کی طرف ملتفت نہیں ہوئے تھے اور بدستور عبادت پروردگار میں مشغول رہے تھے۔

اسی طرح سے قزوین کے تاجروں میں سے ایک شخص اسی قسم کے حکم سزا کی بناء پر جو آپ نے صادر فرمایا تھا آپ سے دشمنی پر تل گیا اور چاہا کہ کسی رات آپ کو قتل کردے۔ایک رات اسی ارادے سے چلا کہ اچانک اس کے روئی کے گودام میں آگ بھڑک اٹھی اور ذراسی دیر میں سب کچھ جل کر خاک ہوگیا۔اس شخص نے اپنا ارادہ ترک کیا اور ذلیل،خوار ہوکر رہ گیا اور خداوند تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔

نیز شہید ثالث حضرت سیّد الشہداء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجالس میں بہت زیادہ شور غوغا اور مصائب اہلبیت کی ظاہری تصویر کشی کی ممانعت فرماتے تھے اور ائمہؑ کے بیان مصائب میں بھی اور مرثیوں وغیرہ میں غنا سے روکتے تھے۔ ایک دفعہ شب قدر کی کسی رات میں خواب میں دیکھا کہ پیغمبر خداؐ مسجد شہید میں زیب منبر ہیں اور شہید ثالث کو مخاطب کر کے فرمارہے ہیں کہ آخوند میرے بچے حسینؑ کے مرثیوں میں غنا سے نہ روکو۔ جیسے لوگ چاہیں پڑھیں پڑھنے دو۔ شہید نے اس خواب کی تفصیل اپنی کتاب 'مجالس المتقین' میں لکھی ہے چونکہ مجھے اس قصہ کی تفصیل معلوم نہیں اور نہ کتاب مجھے میسر آئی کہ تصدیق کر لیتا لہٰذا اجمالاً میں اس واقعہ کو یہاں لکھا ہے۔

مختصر یہ کہ اس خواب کے بعد اہل بیتؑ کی مصیبت کے بیان میں غناء سے بھی نہ روکتے تھے اور تعبیہ وتشبیہ سے بھی یہاں تک کہ خود تعبیہ کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ تعبیہ صفوی دور کی اختراع ہے اور چونکہ مذہب تشیع ایرانی علاقوں میں سلاطین صفوی نے بزور شمشیر پھیلایا اور حضرت سید الشہداءؑ کے مصائب کے بیان کے لئے ذاکرین بلائے جاتے تھے اور لوگ گریہ نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ اس مذہب میں راسخ الاعتقاد نہیں تھے لہٰذا تعبیہ کی اختراع ہوئی کہ شاید حضرتؑ کے مصائب کی تصویر کشی سے ان کے دل بھر آئیں اور ان میں رقّتِ قلب پیدا ہو۔ لفظ تعبیہ کے معنی اختراع ہی ہیں اور سب جانتے ہیں کہ سابق ادوار میں اس کا وجود نہ تھا اور علماء اس کو جائز نہیں مانتے بلکہ اکثر تو حرام قرار دیتے ہیں اور حرام قرار دینے والوں میں سے جلیل القدر فقیہ شیخ جعفر نجفی ہیں اور بعض نے توقف اختیار کیا ہے جیسے حجۃ الاسلام نے اپنی سوال وجواب کی کتاب میں اس مسئلہ پر خاموشی ظاہر کی ہے اور دوسرے بھی اس کے متعلق فتویٰ دینے میں توقف کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ متوقفین دراصل مانعین (منع کرنے والے) ہی ہیں۔ فقہ میں سے شاذ ونادر نے تعبیہ کو جائز قرار دیا ہے۔ مختصر یہ کہ میں تعبیہ وتشبیہ کو حرام قرار دیتا ہوں اس لئے کہ تعبیہ اگر ہے بھی تو سنت عبادت ہے اور اصل عبادات میں شارع مقدس کی طرف سے اس پر کوئی دلیل نہیں ملتی کیونکہ عبادت تو توقیفی اور لازمی ہے اور سب یہ تسلیم کرتے ہیں اور جو اس کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے پاس سوائے سیرت کے کوئی دلیل نہیں ہے اور سیرت کو بالکل مسخ کر دیا گیا ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ رسولؐ وائمہؑ کے زمانے میں اس کا کوئی وجود نہ تھا اس لئے اس سیرت کی پیروی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح اس کو جائز قرار دینے والے عام طور پر مَن بَکیٰ او ابکیٰ (روئے یا رلائے) کو دلیل بناتے ہیں اور کمزور دلیل کمزور بات کے لئے مفید نہیں ہوتی کہ اس سے تمسک اختیار کریں ایک لفظ مَن ہے اور وہ عموم پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کی عمومیت اس کے بعد جو کہا گیا ہے اس پر ہوتی ہے کہ جو روتا ہو اور رونے والوں جیسا ہو اس لئے ہم مَن کے عموم کو تو مانتے ہیں۔ لیکن معاملہ ابکیٰ کا ہے اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ ابکیٰ (رلائے) فعل ہے اور سب کا اتفاق ہے کہ فعل عمومات میں داخل نہیں ہوتا بلکہ جس پر اس کا اطلاق ہو اس پر داخل ہوتا ہے اور یہ بھی کھلی واضح باتوں میں سے ہے کہ احادیث میں اطلاقات اس زمانے کے افراد کی طرف جاتے ہیں جن سے خطاب ہو رہا ہو اور تعبیہ کے متعلق اجماع ہے کہ اس زمانے میں نہیں تھا اور کوئی بات بکثرت ہو تب پھیلتی ہے یا جب کثرت استعمال ہو یا اختلاف رائے کی بناء پر چاہے دونوں صورتیں ہوں اور تعبیہ اس زمانے میں نہ استعمال ہوتا تھا نہ کثرت وجود رکھتا تھا بلکہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا اور جو اس زمانے میں رواج تھا وہ نواح کا تھا یعنی نوحہ گر اور وہ اس طرح ہوتا تھا کہ جب کوئی اس دنیا سے رخصت ہوتا تو نوحہ گر آتے اور وہ عورتوں اور مردوں کے گروپ ہوتے تھے۔ خواتین خواتین کی مجلس میں اور مرد مردانی مجلس میں اشعار پڑھتے اور میت کے مناقب، مفاخر واوصاف بیان کرتے، پڑھتے اور حاضرین گریہ کرتے۔ پھر یہ نوحہ خواں اپنی اجرت لیتے اور چل دیتے۔ اسی لئے باب اجرت میں اجرت نواحہ کا بھی عنوان قائم کیا گیا ہے۔

رلانا ان معنی میں ہے جیسے اس زمانے میں رلاتے تھے اور اب بھی یہی ہوتا ہے اور یہ رونے رلانے والی حدیث ضعیف احادیث سے ہے جس نے شہرت پالی ہے اور تعبیہ کے متعلق شہرت تو اس دلیل سے بھی محقق نہیں۔ اور سنت کی دلیلوں میں تسامح کا بھی تعبیہ سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ تعبیہ کے سلسلے

میں تو کوئی حدیث ہے ہی نہیں کہ چلو ہم اس کی سند سے تسامح وچشم پوشی اختیار کرلیں اور میں نے ایک مکمل کتاب تعبیہ کے حرام ہونے کے بارے میں تالیف کی ہے اور اس کی مدت تالیف ایک دن سے بھی کم تھی۔ اور تسامح کے بارے میں ایک بات اور عرض کردوں کہ تسامح وہاں ہوتا ہے کہ جہاں سوائے شریعت کی رو سے حرام ہونے کے اور کوئی ذاتی حرمت نہ پائی جاتی ہو اور اس میں تو ذاتی طور پر بھی حرام ہونے کا احتمال ہے اور اخوند ملا آقا دربندی نے کتاب 'اکسیر العبادات واسرار الشہادات' میں تعبیہ کو جائز مانا ہے اور کئی دلائل دیئے ہیں اور میں نے اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اس فاضل جلیل کی دلیلوں کو رد کیا ہے۔ جو تفصیل کا خواہش مند ہے اس کی طرف رجوع کرے اور جہاں تک خواب کا قصہ ہے تو خواب دیکھنے والے کو اگر واقعی حکم خداوندی ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں لیکن علماء کا اجماع ہے کہ خواب کوئی دلیل نہیں بنتا۔

شہید ثالث سے سوال کیا گیا کہ آیا حاجی ملا محمد صالح مجتہد ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجتہد تو ہیں لیکن کند ذہن اور کم سمجھ ہیں۔ اور ان کے عجیب واقعات میں سے ایک واقعہ شیخ احمد احسائی کی تکفیر کا ہے اور پہلے شخص جس نے ان کی تکفیر (کافر ہونے) کا فتویٰ دیا جناب شہید ثالث تھے۔ اس بات کی تفصیل یوں ہے کہ شیخ احمد، بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی اور دوسرے فقہا اور فضلاء کے شاگردوں میں سے تھے اور بہت سے فقہاء سے اجازہ یافتہ تھے اور حاجی محمد ابراہیم کلباسی نے شیخ سے اجازہ لیا تھا اور کتاب 'اشارت الاصول' کی دوسری جلد میں احادیث کے مباحث کے آخر میں اپنے اجازہ کے مشائخ کا تذکرہ کیا ہے ان میں شیخ احسائی کو بھی شامل کیا ہے اور ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ شیخ احمد جب بھی اصفہان آتے حاجی کلباسی کے مکان پر اقامت گزیں ہوتے اور مسجد حکیم میں جو حاجی کی ہی مسجد تھی نماز ادا کرتے اور حاجی ان کی اقتداء کرتے تھے لیکن مرحوم حاجی سید محمد باقر حجتہ الاسلام دیگر علماء کی طرح شیخ احمد کا ویسا احترام نہ کرتے جیسے استقبال ومشایعت وغیرہ اور بحرین میں شیخ احمد، ابن ابی جمہور کی لائبریری میں ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور اکثر مقامات پر ان کے ہم مذہب تھے۔ اور ابن ابی جمہور صاحب 'مجلی' ہے اور شیخ احمد نفس کو قابو میں رکھنے والے تھے اور کندر(۱) زیادہ کھاتے تھے اس لئے بے حد ذہین تھے۔ انہوں نے تالیفات بہت کی ہیں جیسے 'زیارت جامعہ کبیر' کی شرح جو چار جلدوں میں ہے، 'جوابات مسائل'، ملا صدری کی 'عرشیہ' کی شرح، ملا صدری کی مشاعر کی شرح، علامہ کے 'تبصرہ' کی شرح اور 'فوائد' اور 'شرح فوائد' مشہور ہیں۔ شیخ احمد کی "فوائد" جب اصفہان لائی گئی اور اخوند ملا علی نوری جو مؤلف کتاب کے والد کے استاد تھے کی نظر سے گزری تو انہوں نے شیخ کی فہم وفطانت کو بہت سراہا اور جب شرح فوائد اصفہان پہنچی تو اخوند کا خیال بدل گیا اور کہا کہ شیخ کی "فوائد" سے میں نے جو مطالب حاصل کیے شیخ خود ان تک نہ پہنچ پائے اور اپنی عبادات کے کچھ اور ہی معانی نکالے ہیں۔ جب شیخ اصفہان گئے تو ملا اسمٰعیل جو اخوند ملا علی کے شاگردوں میں سے تھے شیخ کی مجلس میں گئے اور کسی علمی مسئلہ میں ان کے اور شیخ کے درمیان گفتگو ہوئی، ملا اسمٰعیل شیخ پر غالب آ گئے۔ ملا اسمٰعیل اخوند ملا علی کے بہترین شاگردوں میں شمار ہوتے تھے اور کتاب 'شوارق' پر ان کے حواشی ہیں۔ اور میں نے اخوند ملا آقا حکیم قزوینی سے جو ملا علی کے مشہور شاگردوں میں سے تھے اور مؤلف کتاب کے والد کے رفیق دوست تھے سنا کہ انہوں نے کہا کہ شیخ احمد احسائی جب قزوین آئے اور ملا عبدالوہاب کے گھر میں قیام کیا۔ وہ دن میں خصوصی مجلس میں درس دیا کرتے تھے جس میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت نہ تھی پس میں نے حاجی ملا عبدالوہاب کے ذریعہ اس مجلس میں شرکت کی اجازت چاہی۔ حاجی نے شیخ سے عرض کی کہ اخوند کوئی اجنبی نہیں ہیں (انہیں اجازت دیدیجائے) جب میں مجلس میں پہنچا تو کسی علمی مسئلہ کو سمجھا رہے تھے میں نے شیخ پر اعتراض کیا۔ شیخ نے میرے اعتراض کا جواب دیا تو میں نے اس جواب کے کئی پہلو پیش کر دیئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ میرا طریقہ تو مکاشفہ اور شہود کا ہے نہ کہ برہان واستدلال کا اور آپ کا طریقہ کار دلائل حکمت ہیں نہ کہ مکاشفہ۔ دوسرے یہ کہ اس مجلس میں اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

شیخ اصفہان میں حاجی کلباسی کے ہاں جاتے تھے اور ظہر سے قبل مسجد حکیم میں جا بیٹھتے اور گھڑی وقطب نما وغیرہ وہیں چھوڑ دیتے۔ جیسے ہی ظہر کا اول وقت شروع ہوتا نافلہ نماز کی نیت کر لیتے اور محراب تک پہنچتے پہنچتے چند رکعت نماز نافلہ تمام کر لیتے۔ محراب میں پہنچ کر حاجی کلباسی کی جگہ نماز ادا کرتے اور

(۱) کندر: ایک گوند

حاجی ان کی اقتدا کرتے۔ اور مختصر یہ ہے کہ نوافل اور نماز کے اول وقت ادائیگی میں اس قدر اہتمام کرتے کہ بیان سے باہر ہے اور جیسا کہ مؤلف کتاب سے ماموں آقا سیّد ابوالقاسم بن سید محمد حسین جو اس علاقے میں مقدس علی سبیل الاطلاق کے نام سے مشہور تھے اور شیخ احمد احسائی کے شاگردوں میں سے تھے، نے مجھ سے ایک قصہ بیان کیا کہ کرمانشاھاں میں میرا گھر شیخ کے پڑوس میں تھا اور چھت سے چھت ملی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ شیخ بیمار ہوئے اور کھڑے ہو کر نماز کرنے کی طاقت نہ رہی۔ تو میں نے دیکھا کہ چھت سے رسی باندھ کر لٹکائی ہوئی ہے اور فریضہ کے ساتھ نوافل بھی کھڑے ہو کر ہی ادا کر رہے تھے اور جب کھڑا ہونا چاہتے تو اس رسی کو پکڑ کر کھڑے ہوتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں اس کو پکڑے ہی رہتے اور پورے نوافل و فرائض ادا کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ مقروض ہو گئے تو شہزادہ آزادہ محمد علی میرزا نے شیخ سے کہا کہ آپ جنت کا ایک دروازہ میرے ہاتھ فروخت کیجئے میں آپ کو ہزار تومان دیتا ہوں تا کہ آپ اپنا قرض ادا کریں۔ شیخ نے جنت کا ایک دروازہ ان کو فروخت کر دیا اور اپنے ہاتھ سے اس کی دستاویز لکھ کر زوجہ سے اس کو مہر کر دیا اور شہزادے کو دیدی اور ہزار تومان وصول کر کے قرض سے خلاصی پائی۔ ایسے ہی ایک بار آقا سید رضا فرزند آقا سید مہدی بحر العلوم بھی ایک دفعہ مقروض ہوئے نجف سے کربلا تشریف لائے اور اپنی درخواست شہزادہ کو پیش کی۔ شہزادہ محمد علی میرزا نے کہا کہ آپ ایک دروازۂ جنت ہزار تومان کے عوض مجھے فروخت کر دیں۔ سیّد نے کہا میں کہاں سے جنت کا مالک بن گیا۔ شہزادہ نے کہا آپ اس سلسلہ میں قبالہ لکھ دیں اور کربلا اور نجف کے علماء اس پر مُہر لگا دیں میں وہی قبول کر لوں گا اور خدائے تعالیٰ سے صلہ پالوں گا تو سیّد نے یہی کیا اور ہزار تومان وصول کر لیے اور جب شہزادہ نے وفات پائی تو اس سے قبل وصیت کر دی کہ دونوں قبالے اس کے کفن میں رکھ دیں اور خدائے تعالیٰ یقیناً مجھے عطا کرے گا۔

شیخ احمد کا یہ دعویٰ تھا کہ مجھے ہر علم سے آگاہی ہے تو ایک شیخ نے دریافت کیا کہ آپ علم کیمیا(۱) بھی جانتے ہیں یا نہیں۔ شیخ نے کہا میں علم کیمیا جانتا ہوں تو اس شخص نے کہا کہ جب آپ علم کیمیا سے واقف ہیں تو پھر شاہزادے کے ہاتھ بہشت فروخت کر کے اپنے قرضے کیوں ادا کرتے ہیں، کیوں علم کیمیا سے کام لیکر اپنے قرضے ادا نہیں کرتے؟ شیخ نے کہا: علم کیمیا ضرور رکھتا ہوں لیکن اس پر عمل میرے اختیار میں نہیں ہے۔ سائل نے کہا: یہ کیسے ممکن ہے۔ علم رکھتے ہوں اور عمل کا اختیار نہ رکھتے ہوں۔ شیخ نے کہا: یہ ناممکن تو نہیں ہے جیسے میں علم طی الارض رکھتا ہوں جو اس طرح ہوتا ہے یہ کہہ کر شیخ نے خود کو غائب کر دیا اور پھر سامنے آ گئے کہا: اسی طرح وہ علم ہے لیکن عمل پر قدرت نہیں۔

شیخ سے یہ بھی سوال ہوا کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا علم قرآن مجید میں ہے تو کیا ابنہ داشتن ثانی بھی قرآن میں ہے یا نہیں شیخ نے کہا: ہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لایتاھون عن منکر فعلوہ (سورہ مائدہ آیت ۷۹)۔ (جو بدی کرتے تھے اس سے باز نہ آتے تھے) اور لفظ منکر کے اعداد لفظ ثانی کے برابر ہیں اور منکر کے مطلب ہے معصیت (گناہ) یعنی کسی قبیح اور معصیت کے کام سے باز نہ آتے تھے یعنی ہر گناہ کو وہ انجام دیتے تھے تو اس طرح ابنہ ثانی کی برائی کا تذکرہ عمومیت کے طور سے کر دیا ہے، مؤلف کتاب کہتا ہے کہ مجھے ابنۂ ثانی کے بارے میں شک ہے اور مجھے کوئی حدیث بھی ائمہ سے اس بارے میں نہیں ملی تھی حتیٰ کہ میں نے سیّد نعمت اللہ جزائری علیہ الرحمۃ کی کتاب 'انوار نعمانیہ' جلد اول میں دیکھا کہ انہوں نے لکھا کہ شیخ جلال الدین سیوطی جو علمائے عامہ مسلمین کے بڑے معتبر علماء میں سے ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں یہ کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ ایسے تھے جو مرض ابنہ میں گرفتار تھے اور ان میں سے عمر بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ علمائے امامیہ میں سے کسی نے اعتقادات کے بارے میں کتاب لکھی جب امامت کی بحث تک پہنچے تو لکھا کہ ان کو ایک مرض تھا جس کی دوا ماء الرجال ہے۔ ان کے بعد علمائے عامہ میں سے کسی نے اس کتاب کی شرح لکھی تو ماء الرجال کے معنی میں لکھا کہ وہ "نبت" ہے یعنی ماء الرجال ایک قسم کی گھاس ہے۔ ان کے بعد علمائے شیعہ میں سے کسی نے "نبت" کے لئے حاشیہ میں لکھا یخرج من بین الصلب والترائب یعنی وہ گیاہ (گھاس)۔ تشریح کرنے والا کہتا ہے کہ اس گیاہ کے پیدا ہونے کا مقام مرد کا "صلب" اور عورت کا "ترائب" ہے اور ترائب عورت کے سینہ میں ہوتا ہے اور یہ آیۂ شریفہ کے مطابق ہے کہ فرمایا گیا ہے خلق من ماءٍ دافق ؁ یخرج من بین الصلب والترائب۔ (سورۂ طارق آیت ۶۔۷)

(۱) وہ علم جس کے ذریعہ عام دھاتوں کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ (مترجم)

مختصر یہ ہے کہ شیخ احمد اپنی بہت سی تالیفات خصوصاً 'شرح زیارت جامعہ کبیرہ' میں اکثر مقامات پر کہتے ہیں میں نے حضرت صادقؑ سے سنا اور بعض جگہ یہ کہ میں نے ان سے بالمشافہ سنا یعنی بیداری میں معصومؑ سے سنا بلکہ ان کی مراد ایک اور چیز ہے جس کا ذکر علیحدہ کتاب میں کیا ہے اور وہ کتاب میرے والد ماجد کی تحریر کی صورت میں میرے پاس موجود ہے۔ اس رسالہ میں انہوں نے لکھا کہ میں شروع میں ریاضات کیا کرتا تھا۔ ایک رات عالم خواب میں دیکھا کہ بارہ کے بارہ امامؑ ایک جگہ جمع ہیں پس میں نے حضرت حسن مجتبیٰؑ سے متوسل ہو کر ان کا دامن پکڑ کر عرض کی کہ آپ مجھے ایسی چیز تعلیم فرمادیں کہ جب کوئی مشکل درپیش ہو تو میں اس کو پڑھوں اور آپ میں سے کسی کی زیارت کا خواب میں شرف پاؤں اور اس مشکل کے بارے میں سوال کروں اور وہ حل ہو جائے۔ اُن حضرتؑ نے فرمایا کہ ان اشعار کو پڑھا کرو۔

کن من امورک معرضاً و کل الامور الی القضاء

فلربما اتسع المضیق وربماضاق القضاء

ولربّ امر معتوب لکَ فی عواقبه رضا

الله یفعل مایشاء فلا تکن متعرضاً

الله عودک الجمیل فقس علی ماقد مضیٰ.

پھر اس کے بعد انھوں نے اس قافیہ اور بحر سے عدول کیا (بدلا) ایک اور بحر اور ایک اور قافیہ میں اور فرمایا:

رب امر ضاقت النفس به جاء هامن قبل الله فرج لاتکن من وجه روح

ایسا وبما قد فرجت تلکَ الرتج

بینماالمرءِ کئیب دنف جائهالله بروح وفرج

پس میں بیدار ہوا تو کچھ اشعار بھول گیا میں پھر سو گیا تو پھر وہی مجمع اور وہی سارے امامؑ خواب میں دیکھے اور انہوں نے پھر ان اشعار کو پڑھا یہاں تک کہ مجھے یاد ہو گئے۔ پس میں بیدار ہو گیا۔ اور ہمیشہ ان اشعار کو پڑھتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ تائید ایزدی اور الہامِ خداوندی سے مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرتؑ کی مراد صرف پڑھنے میں مداومت نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ میں ان مبارک مقدس اشعار کو اپنے رگ و پے میں بسالوں اور ان خوبیوں کا اپنے کو متصف کرلوں پس میں نے اس سلسلہ میں بہت محنت و کاوش کی اور ان ہدایت نشان پراسرار اقوال کا مکمل طور پر معتقد اور عامل ہو گیا اور جب بھی کسی امامؑ کے لئے ارادہ کرتا عالم رؤیا میں ان کے دیدار سے مشرّف ہوتا اور بڑے پیچیدہ مسائل کا حل بھی ان کے ذریعے معلوم کر لیتا یہاں تک کہ مجھے عجم جانا پڑا اور بادشاہوں کے ساتھ معاشرت اختیار کرنا پڑی اور مجھے بادشاہوں کے لباس، پوشاک، طعام و قیام کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ وہ پہلی والی کیفیت سلب ہو گئی اور اب تو کبھی کبھار ہی ائمہؑ کی خواب میں زیارت ہوتی ہے۔

مؤلف کتاب نے حاجی سیّد کاظم سے سنا کہ ان کے استاد شیخ احمد نے چالیس اربعین تک ریاضت کی تو عالی مدارج پر فائز ہوئے۔ شیخ بحرین کے معززین میں سے تھے اور ایک سپاہی جو پہلے یزد میں اقامت پذیر تھا کرمانشاہاں آ گیا۔ محمد علی میرزا اس کو ہر سال سات سو ۷۰۰ تومان دیا کرتے تھے۔ اس نے کربلا کو اپنا وطن قرار دیدیا اور اس کا بیٹا شیخ علی فاضل شخص تھا وہ کرمانشاہ میں اس کے عہدہ پر فائز ہو گیا۔ ذکر اور غور و فکر کرنے والا شخص تھا۔ گفتگو کم کرتا تھا لیکن علم واصول وفروع وحدیث اور اصول کافی واستبصار کا درس دیا کرتا تھا اور کربلا میں دائرہ ہندسیہ بنایا ہوا تھا۔

مؤلفِ کتاب کہتا ہے کہ خوارق عادت باتیں حق پرست اور باطل پرست دونوں سے صادر ہوسکتی ہیں۔ اسی لئے اگر صوفیوں سے، خدا ان کو غارت کرے، کوئی خارق عادت بات ظہور پذیر ہوتی ہے تو اس کا انکار نہیں کرنا چاہئے لیکن یہ ان کے مذہب کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ بعض اشقیاء کو بھی استدراج (۱) اور اِتمام نعمت کی غرض سے یہ مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ونستدرجہم من حیث لایعلمون (سورۂ اعراف آیت ۱۸۲ اور سورۂ قلم آیت ۴۴) (ہم ان کو بتدریج اس طرح گرفتار کرلیں گے کہ وہ کچھ نہ سمجھ سکیں گے۔) نیز فرمایا: "انما نملی لھم لیزدادوا اثماً (۲) (سورۂ آل عمران آیت ۱۷۸)۔ (ہم تو اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ گنہگاری میں اور بڑھ جائیں)" بلکہ بعض اولیائے خدا کو یہ مرتبہ ریاضیات شرعیہ کے نتیجہ میں بھی مل جاتا ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے: لااضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ (سورہ آل عمران آیت۔۱۹۵) (۳) (میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت) اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی فیاضی سے یہ بعید نہیں کہ وہ عامل کی استعداد کے بقدر اس کو امکانی غیبی قوتوں سے استفادہ کی صلاحیت بخش دے۔ کیونکہ وہ کسی کی محنتوں کو ضائع وفاسد نہیں کرتا چاہے عمل کرنے والا کافر ہو یا مؤمن۔ پس دونوں فریق اہل کفر وطغیان یا اہل ایمان وایقان حسب استعداد اور مصالح خداوندی کے مطابق اس مرتبے پر فائز ہوسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں بسنے والے ہندو اپنے بت خانوں میں طرح طرح کی ریاضات کیا کرتے ہیں مثلاً بعض اپنی منت کے لئے بت کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی پر گندم یا کسی اور اناج کا دانہ مٹی یا پانی میں ملاکر رکھ لیتے ہیں اور ہاتھ کو اوپر اٹھا کر کھڑے رہتے ہیں حتیٰ کہ دانہ پھوٹ آتا ہے اور اس میں کونپل نکل آتی ہے اور گویا اس طرح ان کی حاجت پوری ہوجاتی ہے جس کے لئے یہ عمل کیا گیا تھا۔ اور ان کی ایک ریاضت حبس نفس کی ہے کہ بعض تو صرف دن میں دومرتبہ سانس کھینچتے ہیں اور اسی طرح اور مثالیں ہیں لہٰذا اگر ان سے کوئی خارق عادت چیز واقع ہو تو وہ ان کے صاحبِ حق ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

مؤلف کتاب کے عموی محترم (چچا) آخوند ملا عبدالمطلبؒ فرماتے ہیں کہ میں امام ہشتم (حضرت امام علی رضاؑ) کی زیارت سے مشرف ہوا اور کچھ عرصے مشہد مقدس میں قیام کیا۔ وہاں ایک درویش سے ملاقات ہوئی جو طی الارض (۴) کا علم رکھتا تھا۔ میں نے اس درویش سے دوستی کرلی اور کچھ عرصے بعد اس سے خواہش کی کہ مجھے بھی یہ علم تعلیم کردے اس نے کہا: تو اس کا اہل نہیں ہے۔ جب میں نے بہت اصرار کیا تو کہنے لگا: اگر تو سیکھنے کا خواہش مند ہے اور خود کو اس کا اہل سمجھتا ہے تو پہلے میری دو شرطیں ہیں ان پر عمل کر تو میں تجھے علم طی الارض تعلیم کردوں گا۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس قبر میں جو امامؑ مدفون ہیں تو ان کو امامؑ نہ مان۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایک ہفتہ تک تو نماز واجب یومیہ بالکل ترک کردے۔ میں نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا اور اتنے میں وقت نماز آپہنچا میں نے اپنے آپ سے کہا امامؑ کو ماننا باطنی معاملہ ہے اور اس درویش کو میرے دل کا حال کیا معلوم، میں ظاہراً یہی کہہ دوں گا کہ وہ امام نہیں ہیں اور باطنی طور پر ان بزرگوار کی امامت کا قائل ہی رہوں گا۔ اپنی نماز میں گھر بند کرکے وضو کرکے نماز پڑھ لیتا ہوں اور درویش سے یہی کہوں گا کہ میں نے نماز نہیں پڑھی۔ چنانچہ گھر کے دروازے کو بند کرکے میں نے وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑا ہوگیا ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ درویش وہیں میرے پاس آکھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ تو اس علم کا اہل نہیں ہے۔ یہ کہہ کر فوراً چلا گیا اور پھر کبھی وہ مجھے دکھائی نہ دیا۔ اس سے پتہ چلا کہ صوفیہ کے خارق عادت کام انجام دینا ان کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ خارق عادت کام تو مؤمن سے بھی انجام پذیر ہوتے ہیں تو اگر اس کو حق پر ہونے کی دلیل سمجھیں تو پھر صوفی اور مؤمن دونوں حق پر ماننے پڑیں گے اور یہ محال ہے اور میری اس بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو "زینۃ المجالس" میں لکھی ہوئی ہے کہ اسرار ودقائق کے

---

(۱) گناہوں کی بناء پر جب بندہ عذاب کا مستحق ہوجائے تو اس پر اللہ تعالیٰ نعمتوں کی بارش فرمانے لگتا ہے تاکہ نیکیوں کا صلہ اسی دنیا میں مل جائے اور وہ خدا سے غافل ہوکر اور زیادہ گناہ کرے اور رفتہ رفتہ عذاب خداوندی کا مستحق ہوجائے۔

(۲) ہم انکو مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ اور گناہ کرلیں۔ (۳) ہم کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

(۴) وہ علم جس سے فاصلے سمٹ جاتے ہیں طی الارض کہلاتا ہے اور اسی علم کی بدولت حضرت آصف بن برخیاء وزیر حضرت سلیمانؑ نے یمن سے تختِ بلقیس پلک جھپکتے ہی حضرت سلیمانؑ کے دربار میں حاضر کردیا تھا۔ (مترجم)

کھولنے والے امام جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام کے زمانے میں ایک شخص ہندوستان سے آیا تھا اور جو چیز بھی ہاتھ میں چھپائی جاتی علم کشف کے ذریعہ بتادیتا تھا۔اس بات کا ذکر امامؑ کی خدمت میں کیا گیا۔آپؑ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور کچھ ہاتھ میں چھپا کر اس سے پوچھا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔اس شخص نے کچھ سوچ کر بتایا تو جواب درست تھا۔آپؑ نے فرمایا: تو ٹھیک کہتا ہے اب میں ایک اور چیز ہاتھ میں چھپاتا ہوں پس آپ نے اپنا ہاتھ اپنے گھر سے باہر نکال کر پھیلایا اور لمحہ بھر بعد ہاتھ اندر کھینچ لیا اور فرمایا کہ اب بتا میرے ہاتھ میں کیا ہے۔اب اس شخص نے کافی دیر غور وفکر کے بعد کہا: اس وقت میں نے تمام دنیا کا جائزہ لیا سب کچھ اپنی جگہ موجود تھا لیکن جزائر ہند میں سے فلاں جزیرہ میں فلاں پرندہ کے گھونسلے میں ایک انڈا نہیں تھا۔حضرتؑ نے اپنا دست مبارک کھولا اور فرمایا تو سچ کہتا ہے اب یہ بتا کہ تو کس عمل کے ذریعہ اس مقام تک پہنچا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ جو میرا نفس چاہتا تھا میں ہمیشہ اسکی مخالفت کرتا تھا تو یہ مقام مجھے حاصل ہوا۔آنجنابؑ نے فرمایا: تیرا دل کفر کو پسند کرتا ہے یا اسلام کو؟ کہا: میرا نفس کفر کو پسند کرتا ہے۔آپؑ نے فرمایا کہ اب تو خلاف نفس کام کر۔اس نے کہا: میں اپنے نفس کے خلاف اسلام کو اختیار کرتا ہوں۔حضرتؑ نے فرمایا: اب دیکھ کہ کیا اب بھی تجھے چیزوں کا حال پتہ چل جاتا ہے؟ پس شخص نے تھوڑا تامل کے بعد کہا کہ اب تو مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہو رہا۔آپؑ نے فرمایا: تو ٹھیک کہتا ہے کیونکہ تو کافر تھا تو تو نے جو ریاضات کیں ان کا صلہ تجھے اس صورت میں دیدیا گیا اب جب تو مسلمان ہو گیا ہے مکاشفات کے دروازے تجھ پر بند کر دیئے گئے۔اب تو شرعی عبادات کو انجام دے تو اللہ تعالیٰ اس رتبہ سے کہیں زیادہ تجھے عطا کرے گا اور آخرت میں بھی تجھے نوازے گا اور شرعی ریاضت یہ ہے کہ چالیس روز تک مسلسل تو اس حال میں صبح کرنا کہ تیرا ہر فعل خداوند تعالیٰ کی جانب سے اور اسی کی خاطر سے ہو اور ہر کام چاہے کھانا پینا ہو یا نیند و بیداری یا حرکت وسکون تیرا ہر قول اور فعل صرف خدا کے لئے ہو۔

یہ تو کوئی امام کی ہدایت تھی لیکن صوفیاء کی ریاضت اس طرح کی ہوتی ہے کہ مثلاً چالیس روز تک گوشت نہ کھانا، غذا کا کم کر دینا اور اتنا کم کر دینا کہ دن بھر میں صرف ایک بادام یا کھجور سے زیادہ نہ کھانا اور کچھ مخصوص اذکار کو پڑھتے رہنا اور اس قسم کی ریاضت شرعاً ممنوع اور حرام ہے جیسا کہ **کلوا واشربوا ولا تسرفوا** (سورۂ اعراف آیت ۳۱) (کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔) اس پر گواہ ہے اور ان سب چیزوں کے ترک کر دینے سے بدن میں ایسی کمزوری واقع ہوگی جو دور نہ ہو سکے گی اور جب بدن اور قوائے انسانی کمزور ہو نگے تو اس سے زیادہ برداشت نہ کریں گے اور آیۂ وافی ہدایہ **ولا تلقوا بایدکم الی التهلکه** (سورۂ بقرہ آیت۔۱۹۵) (اور اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں مت ڈالو) اس پر گواہ ہے اور حدیث سے دلیل یہ ہے کہ جو چالیس روز تک گوشت نہ کھائے تو اس کے کان میں اذان دو اور ظاہر یہ ہے کہ اذان کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ کہیں شیطان اس پر حاوی نہ ہو جائے اور اذان کی آواز سنکر بھاگ جائے یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ شخص عنقریب اسلام سے خارج ہونے والا ہے تو اذان کہو تا کہ اسلام سے دور نہ ہو جائے اور اس بات کی تشریح یوں کی جاسکتی ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کی مشیت یوں ہوئی کہ دنیا میں مخلوقات کو پیدا کرے تو چاہا کہ کمزور ترین عناصر سے تخلیق انسان کرے تو اس نے آب وگل (پانی ومٹی) کو باد وآتش (ہوا اور آگ) سے چار مزاجوں حرارت، برودت (ٹھنڈک)، یبوست (خشکی) اور رطوبت (تری) کے ساتھ مسلسل مخلوط کیا تا کہ نفس اس میں تصرف کر سکے۔تو پہلے وہ نبات بنتی ہے اور نبات (سبزہ) کے بعد حیوان کی غذا بنتی ہے اور مزاج حیوانی کی صورت میں اس میں اشراق نفس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر کافی لوٹ پھیر کے بعد منی اور نطفہ میں تبدیل ہوتی ہے اور **قرارِ مکین** صلب میں قرار پکڑ لیتی ہے اور یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دین مبین کے پیغمبرؐ نے جانور کے اطہر (نہایت پاک وپاکیزہ) گوشت کو حلال قرار دیا ہے، اس جانور کے جو گھاس پھونس، چارہ کھاتا ہو تا کہ تمام مراتب میں کمال حاصل کرلے اور کمال نفسانی کے لئے استعداد مہیا کرلے۔پس وہ جمادات سے نباتات میں اور نباتات سے حیوان اور پھر انسان تک پہنچے اور ہر حیوان جو درندہ یا گوشت خور ہوا سے حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان میں نباتیت یا تو ہوتی ہی نہیں یا کم ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ شارع مقدس نے گوشت کھانے کو مستحب سمجھا ہے۔اور اسی لئے فرمایا کہ میں نے تمہاری دنیا سے تین چیزیں اختیار کی ہیں گوشت، عورت اور خوشبو اور بعض احادیث میں طیب (خوشبو) کی جگہ نماز ہے۔اور بالجملہ گوشت کھانے کو ترک کرنا کوئی مرض نہیں ہے خصوصاً چالیس دن تک کیونکہ انسان کے مزاج میں ہر چیز کی تاثیر چالیس روز تک باقی رہتی ہے

اور چالیس دن کے بعد یہ تاثیر بالکل زائل ہو جاتی ہے اور جب گوشت کا اثر مزاج انسانی سے زائل ہو جاتا ہے تو مزاج حیوانی جو مزاج انسانی کا حصہ ہے انسان میں سے زائل ہو جاتا ہے لیکن انسانیت سے دور نہیں ہوتا اور وہ لوگ جو چالیس دن تک گوشت نہیں کھاتے وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حیوانیت سے بچ گئے اور اس طرح فرشتوں کے عالم ملکوت تک راہ پالیں گے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح وہ عالم انسانیت سے جو حیوانیت و مَلَکیت کا مجموعہ ہے دور ہو جاتے ہیں۔ ان کی حاسیت انسانی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ ہر چند کہ اس سے ایک ایسی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ حقیقتاً عالم ملکوت تک راستہ بنا سکتی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ عالم انسانیت میں آکر عالم ملکوت تک پہنچ جائیں تو بارگاہِ خداوندی کے مقرب قرار پائیں گے اور یہی وجہ ہے کہ شریعتِ خاتم الانبیاءؐ میں رہبانیت ممنوع ہے اور ہونا یہ چاہیئے کہ علائقِ دنیاوی سے وابستہ رہتے ہوئے بارگاہِ ایزدی تک پہنچنے کی راہ پیدا کریں اور یہ افضل ہے اور یہی وجہ ہے کہ شریعتِ پیغمبرؐ کے پابند علماء اس قسم کی ریاضت سے روکتے ہیں اور ان مخصوص کیفیات کے ساتھ کوئی کام بھی شرع میں جائز نہیں حالانکہ وہ بڑے عقلمند لوگ ہوتے ہیں اور پیغمبرؐ اور ائمہ کا مقصد کمال حاصل کرنا ہے اور حصول کمال و تکلیف شرعی کے بارے میں انہوں نے ہرگز کنجوسی اور بخل سے کام نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اطہارؑ سے صوفیوں کی لڑائی اور لعن طعن کے بارے میں سولہ سو (۱۶۰۰) احادیثِ شریفہ منقول ہیں۔ شیخ حر عاملی نے ان تمام احادیث کو کتابی صورت میں جمع کیا ہے۔ ان کے مذہب کا باطل ہونا اجماع سے طے پایا ہوا ہے بلکہ مذہبِ امامیہ میں اس کے ابطال کو ضروری سمجھا گیا ہے۔ اور ریاضات صوفیہ کے متعلق ایک دلیل یہ ہے کہ وہ حقیقت پہ مبنی نہیں ہوتیں کیونکہ اربابِ کشف و شہود اعتقادات و احکام عقلیہ و شرعیہ میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں چنانچہ بعض اربابِ مکاشفہ وجود کو حقیقی مانتے ہیں اور بعض ماہیت کو اور بعض وحدت وجود کے قائل ہیں اور کچھ بالکل اس کے خلاف ہیں اور بعض اربابِ مکاشفہ سنی ہیں اور بعض شیعہ جیسے محی الدین عربی سنی تھے اور آخوند ملا صدری شیعہ تھے اور دونوں اربابِ کشف سے تھے۔ ریاضت کی وجہ سے ان کے بدن کمزور و ضعیف ہو جاتے ہیں اور فضول خیالات دماغ میں پیدا نہیں ہو پاتے۔ محی الدین عربی کہتے ہیں کہ عالم مکاشفہ میں معراج پر چلا گیا اور میں نے وہاں آسمانِ چہارم پر ابوبکر کو دیکھا اور آسمانِ سوئم پر عمر کو اور آسمانِ دوم پر عثمان کو اور آسمانِ اوّل پر علیؑ کو دیکھا تو میں نے علیؑ سے کہا کہ دنیا میں تو آپ خود کو سب سے افضل سمجھتے تھے لیکن یہاں تو آپ کا مقام ان سب سے پست ہے۔ تو علیؑ سے (معاذ اللہ) کوئی جواب بن نہ پڑا۔ شیخ احمد احسائی کہتے ہیں کہ محی الدین غلط نہیں کہتا کیونکہ اس نے تو علیؑ کو اپنے آئینۂ خیال میں دیکھا ہے اور وہ آئینہ ٹیڑھا میڑھا تھا۔ جیسے سرخ رنگ کے آئینہ میں شکل سرخ دکھائی دیتی ہے اور اگر کسی داغدار، بدرنگ، ٹوٹے ہوئے آئینہ میں کوئی اپنی شکل دیکھے تو اسے اپنی شکل داغدار، بدرنگ نظر آئے گی جیسے کہ سورج کی روشنی اگر مختلف رنگ کے شیشوں میں سے دیکھی جائے تو سرخ شیشوں سے سرخ شعاع، زرد سے زرد، سبز سے سبز، سفید سے سفید نظر آئے گی۔ چونکہ محی الدین کے تصور میں علیؑ افضل نہیں مفضول ہیں اس لئے اس نے علیؑ کو اسی خیال کے تحت سب سے نیچے کے آسمان پر دیکھا اور بے شک تو نے علیؑ کو تاریک ذہن سے دیکھا اس لئے دوسروں کو ان سے برتر سمجھ لیا۔ اس مقام پر مجھے بڑی اچھی حکایت یاد آرہی ہے جو لطافت سے خالی نہیں۔

وہ قصہ یوں ہے کہ مؤلف کتاب جب دار السلطنت اصفہان میں تحصیل علوم کر رہا تھا تو چونکہ اس کے بعد عتبات عالیات واپسی تھی لہٰذا چاہتا یہ تھا کہ ہر علم سے آگاہی حاصل کرلوں۔ لہٰذا ہر علم کا استاد تلاش کرتا تھا۔ تو میں علم جفر (۱) بھی سیکھنا چاہتا تھا تو شیخ عزیز نامی ایک شخص ملا جو رمل، علم اعداد اور علم جفر جانتا تھا لیکن کسی ایک علم میں بھی کامل نہیں تھا۔ اس نے اپنی معلومات کے مطابق ان علوم کی کچھ اصطلاحات سکھا دیں جس سے مجھے علم جفر میں کچھ شُد بُد ہوگئی پھر میں ملّا ابو طالب لواسانی سے، جو مدرسۂ نیم آورد میں جوانی سے بڑھاپے کی منزل تک پہنچ گئے تھے (یعنی ساری عمر اس مدرسے کی خدمت میں گزار دی تھی)، علم جفر میں اس علاقے کے تمام مسلمانوں میں مشہور تھے، میرے والد ماجد کے دوست تھے، درخواست کی کہ اپنے قواعد جفر مجھے تعلیم کر دیں تو انہوں نے پوچھا کہ اس کی پریکٹس کی ہے؟ اور انہوں نے کہا کہ اسکی تعلیم بغیر عملی مشق کے نہیں ہوسکتی۔ کسی زمانے میں میں نے کسی ایسے شخص کو تعلیم دی تھی جس نے اس سلسلے میں ریاضت نہیں کی تھی تو میں بڑی مصیبت میں پڑ گیا تھا۔ میں نے کہا کہ ریاضت میرے مزاج سے موافق نہیں ہے اور مجھے امراض پیدا ہو جاتے

(۱) ایک مشہور علم کا نام جس سے غیب پر آگاہی ہوتی ہے۔ (مترجم)

ہیں۔ کہا کہ پھر وقت مؤجل پر آنا میں جفر سے سوال کروں گا اگر جواب آیا کہ تمہیں تعلیم کر سکتا ہوں تو بہت خوب ورنہ نہیں۔ پھر میں وقت مقررہ پر جب ان کے پاس گیا تو انہوں نے ایک کاغذ کا پرزہ نکالا جس پر سوال کیا گیا تھا کہ آیا میں فلاں شخص کو علم جفر تعلیم کر سکتا ہوں اور پھر استخراج کیا (جواب نکالا) گیا کہ سوائے اہل ریاضت کے اور کسی کی نہ سکھاؤ۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم ریاضت شروع کرو تو میں تمہیں تعلیم کروں گا۔ میں نے کہا اگر ریاضت سے مراد شرعی ریاضت ہے تو کوئی مضائقہ نہیں اگر اب تک نہیں بھی کی تو آئندہ کرلوں گا اور اگر یہ صوفیوں کی سی ریاضت ہے تو میں اسے جائز نہیں مانتا۔ اس لئے پہلے اس ریاضت کے شرعی ہونے کے بارے میں مجھ سے مناظرہ کرو اور مجھے مناسب جواب دو تو پھر مجھے کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔

ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ اسی زمانے میں میرزا ابراہیم مستوفی اصفہانی ان سے یہ علم جفر سیکھ رہا تھا لیکن غالباً اس کی ضروریات زندگی یعنی لباس، مکان، کھانا پینا مال حرام سے تھا۔ جبکہ میں نے شرعی امور مدرسہ میں علمائے اعیان کے حضور میں حاصل کیے تھے لیکن میں اہل ریاضت میں سے نہیں تھا اور میرزا ابراہیم محتسب اہل ریاضت تھا لیکن وہی قاعدے جو میں نے ملا ابوطالب لواسانی سے سیکھے تھے ان ہی سے اللہ قادر متعال نے مجھے اس قابل کر دیا کہ میں نے علم جفر کے متعلق ایک کتاب لکھ دی۔

شیخ احمد نے شرع وحکمت کے قواعد کو اکٹھا کیا اور اپنے تصوّر میں معقول کو منقول کے مطابق قرار دیدیا اور نتیجتاً ان پر کفر کا فتوی جاری کر دیا گیا کیونکہ اکثر قواعد معقول شریعت کے مطابق ہو ہی نہیں سکتے۔ غرض شیخ احمد اہل دنیا کے لئے تو بڑے عظیم اور مُسلّم شخصیت قرار پائے لیکن علماء کے نزدیک ان کو کوئی وقعت حاصل نہ ہوئی اور وہ شیخ کی فضیلت ومعقول دانی کے قطعی معتقد نہ تھے۔ فضیلتِ شیخ کے بارے میں ملاّ علی سے سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ عام صاف ضمیر شخص ہے۔ ویسے شیخ احمد تمام شہروں میں بڑے معزّز مانے جاتے تھے اور سلطانِ وقت مرحوم فتح علی شاہ تو ان سے بہت لگاؤ رکھتے تھے بلکہ سلطان ان سے سوالات کرتے تھے اور انہوں نے ان سوالات کے جوابات کے بارے میں ایک کتاب لکھی۔ جہاں بھی پہنچ جاتے اس شہر کے علماء بڑے احترام سے پیش آتے اور ان کے ساتھ نماز جماعت ادا کیا کرتے تھے۔ آخری دفعہ جب قزوین آئے تو ملاّ عبدالوہاب کے گھر میں قیام فرمایا۔ دن کی نمازیں مسجد جمعہ میں ادا کرتے اور تمام علمائے قزوین بھی حاضر ہوتے اور وہ نماز کی اقتداء فرمایا کرتے تھے۔ حاجی عبدالوہاب شیخ کے مریدوں میں سے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ شیخ کی اعتقادات کی طرف ملتفت نہیں تھے۔ شیخ احمد علمائے قزوین کی ملاقات کو جاتے تو علماء کی ایک جماعت بھی ان کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ وہ شہید ثالث حاجی ملاّ تقی کی ملاقات کو گئے تو رسمی تعارف کے بعد شہید نے شیخ سے سوال کیا کہ معاد کے بارے میں آپ اور ملاّ صدری کا عقیدہ یکساں ہے۔ شیخ نے کہا: نہیں تو، میرا عقیدہ ملاّ صدری سے قطعاً مختلف ہے۔ شیخ نے اپنے چھوٹے بھائی حاجی ملاّ علی سے کہا کہ میری لائبریری میں جاؤ اور فلاں جگہ ملاّ صدری کی شواہد ربوبیہ رکھی ہے وہ اٹھا لاؤ۔ حاجی ملاّ علی چونکہ شیخ احمد کے شاگردوں میں سے تھے لہٰذا کتاب شواہد ربوبیہ لانے میں پس وپیش کیا۔ شہید ثالث نے کہا فی الحال ہم اس جھگڑے کو نظر انداز کرتے ہیں کہ آپ کا اور ملاّ صدری کا عقیدہ معاد کے بارے میں یکساں ہے لیکن آپ معاد کے بارے میں اپنا مسلک واضح کریں۔ تو شیخ نے کہا کہ میں معاد کو جسم ہورقلیائی سمجھتا ہوں اور وہ اسی بدنِ عنصری میں ہوتی ہے جیسے پتھر میں شیشہ۔ شہید نے کہا: بدن ہورقلیائی غیر عنصری ہوتا ہے اور دین اسلام میں یہ اعتقاد ضروری ہے کہ روز قیامت یہی بدن عنصری پلٹا جائے گا نہ کہ بدن ہورقلیائی۔ شیخ نے کہا: میری مراد بھی یہی بدن ہے۔ غرض کہ دونوں میں زور وشور سے مناظرہ شروع ہوگیا اور شیخ کا ایک شاگرد جو ترکستانی تھا شہید سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہوگیا بجائے اس کے کہ حقیقت کو تلاش کرے۔ اس لئے شہید نے سکوت اختیار کرلیا۔ پھر سب وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ اجتماع بجائے سکون وآشتی کے افتراق واختلاف کا شکار ہوگیا۔ اور اس دن شیخ جب نماز کے لئے مسجد روانہ ہوئے تو علماء میں سے کوئی بھی ان کے ہمراہ نہیں گیا۔ سوائے ملاّ عبدالوہاب کے جنہوں نے شیخ سے درخواست کی کہ معاد کے بارے میں کتاب لکھیں جس میں بدن عنصری کے ہی معاد میں ظاہر ہونے کے متعلق بتائیں اور لوگوں کے شکوک دور ہوں۔ شیخ نے مذکورہ کتاب لکھی لیکن اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا بلکہ قزوین میں ان کی تکفیر کا ہمہمہ پیدا ہوگیا۔ وہ رسالہ شیخ کی کتاب مسائل کے جوابات کے ساتھ ملا کر چھاپا گیا۔ جب شیخ کی تکفیر کا ہنگامہ قزوین میں اٹھ کھڑا ہوا تو چونکہ شیخ مسلّم طور پر معروف انسان تھے حاکم شہر شاہزادہ رکن الدولہ علی نقی میرزا نے

اپنی بدنامی کو رفع کرنے کے لئے کہ شہر قزوین میں ایسا ہنگامہ ہوا ہے بادشاہ نے گا تو ناراض ہوگا چاہا کہ اس افتراق کو اتفاق سے تبدیل کر دیا جائے چنانچہ اس نے علماء کو دعوت میں مدعو کیا اور شیخ کو بھی شرکت کی دعوت دی اور جہاں محفل میں شیخ احمد بیٹھے تھے ان کے بعد شہید بیٹھے لیکن اپنے اور شیخ کے درمیان نشست میں فاصلہ رکھا اب جب کھانے کے خوان لا کر رکھے گئے تو شیخ اور شہید کے لئے ایک خوان رکھا گیا۔ شہید نے اپنا ایک ہاتھ چہرے پر رکھ لیا کیونکہ وہ شیخ سے ناراض تھے۔ کھانے کے بعد شہزادے نے جو میزبان تھے بات چیت کا آغاز کیا اور دونوں کے میل جول کی پوری کوشش کی کہ جناب شیخ علمائے عرب و عجم میں سب سے بڑھ کر ہیں اس لئے واجب الاحترام ہیں اور شہید کو بھی چاہئے کہ ان کے احترام میں کمی نہ ہونے دیں اور فسادیوں کے بارے میں توجہ نہ دیں جو فساد وعناد کا بیج بوتے ہیں۔ اس پر شہید نے کہا کہ کفر وایمان میں صلاح و آشتی ناممکن ہے اور شیخ معاد کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھتے ہیں جو ضروریات دین اسلام کے خلاف ہے اور ضروریاتِ اسلام کا منکر کافر ہوتا ہے۔ شاہزادے نے ہر چند چاہا کہ صلح ہو جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی وہ محفل برخاست ہوگئی اور شہید نے شیخ کی تکفیر میں شدت اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ ایک دن مؤلف کتاب ان کی لائبریری میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص جو خود مدعی تھا اور ایک اور شخص کی وصایت اور وراثت کا انکار کر رہا تھا اور غالباً وہ شخص شیخی تھا۔ شہید نے وصیت اور وصی کو غلط قرار دیا اور مجھ سے کہا کہ یہ گروہ فلاسفہ کی موافقت کرنے والے ہیں اور ان کا قاعدہ یہ ہے کہ الفاعل الواحد لایصدر عنہ الا الواحد (ایک کام کرنے والے سے صرف ایک ہی چیز نکلتی ہے۔) اور ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہوتا ہے۔ میں خاموش رہا۔ غرض کہ شیخ کی تکفیر ہر شہر و دیار میں مشہور ہوگئی تو شیخ نے قزوین کو چھوڑ کر عراق عرب کا راستہ پکڑا اور مکہ جانے کا عزم کیا۔ بصرہ ہی پہنچے تھے کہ وفات پاگئے۔ آپ کے ارشد تلامذہ میں شیخ آقا سید ابوالحسن بن سید محمد حسین تنکابنی تھے جو مؤلف کتاب کے ماموں تھے۔ انہوں نے موضوع علم پر کتاب لکھی اور شیخ کی خدمت میں ارسال کی تو شیخ نے اسکی شرح لکھی۔ آقا سید ابوالحسن کے بعد ارشد شاگرد سید کاظم تھے جو اصلاً رشت کے رہنے والے تھے لیکن کربلا میں اقامت پذیر تھے۔ ایک تو شیخ کی تکفیر کی خبر پھیلی دوسرے شیخ کا انتقال بھی ہو گیا تو اسی زمانے میں آقا سید مہدی ابن آقا سید علی صاحب ریاض کمال تقویٰ اور احتیاط کی بناء پر فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ شیخ کو تو شہید ثالث نے کافر قرار دے دیا اب ہم جو تابعین شیخ ہیں کی ذمہ داری کیا ہے۔ آقا سید مہدی نے ایک مجلس ترتیب دی اور شریف العلماء، حاجی ملا محمد جعفر استر آبادی اور حاجی سید کاظم کو بلایا انہوں نے سید کاظم سے مناظرہ کیا اور شیخ کی ایک کتاب سے چند مکالمات نکالے اور کہا کہ یہ عبارات بظاہر کفر ہیں۔ سید کاظم نے کہا کہ یہ عبارتیں تو بظاہر کفر ہیں لیکن شیخ ان کے ظاہر کو نہیں لے رہے وہ تو ان کلمات کی تاویل کر رہے ہیں اور شیخ کی اصل مراد وہ تاویل ہی ہے۔ انہوں نے کہا: ہم تاویل پر مامور نہیں ہیں۔ قرآن مجید کی آیات، حضورؐ اور ائمہ طاہرین کی احادیث وغیرہ ان میں ہر کافر اپنی تاویل رکھتا ہے۔ تو سید کاظم سے کہا کہ آپ یہ لکھ دیں کہ یہ عبارات ظاہری طور پر کفر ہیں۔ سید کاظم نے یہ جملہ لکھ دیا اور اس پر اپنی مہر بھی ثبت کر دی۔ آقا سید مہدی اگرچہ فتویٰ نہیں دیتے تھے لیکن ان دو عادل اشخاص شریف العلماء اور حاجی ملا محمد استر آبادی کی گواہی کے بعد انہوں نے شیخ اور ان کے تابعین کی تکفیر کا حکم جاری کر دیا۔ اس کے بعد مسجد تشریف لے گئے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کی کہ آجکل بھیڑیوں کے بھیس میں بھیڑیے آگئے ہیں اور لوگوں کے دین کو برباد کر رہے ہیں اور وہ شیخ احمد احسائی اور ان کے تابعین ہیں اور یہ سب کافر ہیں پھر تو اُن کی تکفیر کی شہرت عام ہوگئی۔ جن علماء نے شیخ اور ان کے تابعین کو کافر قرار دیا ان میں سب سے پہلے حاجی ملا محمد تقی قزوینی، دوم آقا سید مہدی وحاجی ملا محمد جعفر استر آبادی اور آخوند ملا آقائی دربندی اور شریف العلماء اور سید ابراہیم میرے استاد اور شیخ محمد حسین صاحب فصول، شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر بلکہ ان کے زمانے کے بہت سے علماء نے ان کی تکفیر کی چند مسائل تھے جن کی وجہ سے وہ کافر قرار پائے اور اس میں سب سے پہلے مسئلہ معاد ہے کیونکہ شیخ معاد کا مطلب جسم ہورقلیائی سمجھتے ہیں اور تحقیق کلام یہ ہے کہ حکماء اشراق عالم مثال کے قائل ہیں اور اپنے مکاشفہ کے ذریعے اس کو ثابت کرتے ہیں اور اس کے اور نام بھی ہیں عالم مثال، عالم اشباح، عالم اظلہ وکوہ قاف، آٹھویں دنیا، شہر جابلقا وجابلسا اور بعض عبارتوں میں یہ لفظ جابرسا، لام کے بجائے راء سے لکھا گیا ہے، اور ہورقلیا وغیرہ لفظ ہورقلیا "ھا" پر پیش واؤ پر زبر، راء پر جزم، قاف کے نیچے زیر اور لام جزم کے ساتھ ہے اور بعض ہورقلیا کو ھاء پر پیش، اور واؤ پر سکون کے ساتھ پڑھتے ہیں لیکن یہ غلط ہے۔

مؤلف کتاب سفر خراسان پر روانہ ہوا اور جب میں سبزوار پہنچا تو میں نے کلام حکمت وتفسیر سے متعلق چند مسائل کو ایک رسالہ میں جمع کر دیا اور ان میں جو شدید اشکالات پیش آئے وہ میں نے حاجی ملا ہادی سبزواری کو بھجوائے جو نامور حکمائے زمانہ میں سے تھے اور آخوند ملا علی نوری کے شاگرد تھے اور بچانوے سال کا سن تھا۔ صاحب کرامات لوگ تھے اور ان کو اکسیر کہا کرتے تھے۔ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ پرہیزگار شخص تھے۔ کسی سے ہرگز کوئی تحفہ قبول نہیں کرتے تھے۔ لوگ ان سے ملتے لیکن وہ کسی کے پاس نہ جاتے تھے اور اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے بس گزارے کی آمدنی رکھتے تھے اس پر بھی ہر ہفتہ کثیر مال فقراء کو دیا کرتے تھے لہٰذا لوگ ان کو اکسیر کہتے تھے اور شہری ان سے بہت سی کرامات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جب میرا رسالہ سوالات کے ساتھ ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ اوّلاً جس نے یہ جملے لکھے ہیں وہ خود شبہات کو دور کر سکتا ہے ثانیاً یہ کہ سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے میں ان مسائل میں غور وفکر کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور تیسری بات یہ کہ دن بھر میں تدریس میں مشغول رہتا ہوں اگر ان مسائل کے جوابات لکھنے بیٹھوں تو درس کی تعطیل ہو جائے گی اور چوتھے یہ کہ ان مسائل میں بہت اشکالات ہیں اور یہ کہ لانے والا بڑی جلدی میں ہے اور مسافر ہے لہٰذا تفصیل کے ساتھ ان کے جوابات نہیں لکھے جا سکتے۔ جب میں اس سفر سے واپس آیا تو میرزا محمد حسین مجتہد ساروی وجناب حاجی ملا محمد اشرفی، حاجی ملا ہادی کے اس طرح سے جواب وسوال کی کیفیت سے واقف ہوئے کہ گویا وہ ڈرتے تھے کہ اگر وہ ان مسائل کا جواب لکھیں گے تو تم ان پر کفر کا فتویٰ لگا دو گے کیونکہ وہ بھی ملا صدری کے ہم عقیدہ ہیں اور خرابی عقیدہ میں ان کے شریک ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر آج باطل ادیان کے پادری اور پوپ مذہب اسلام میں شبہات پیدا کریں تو آپ کے پاس سوائے حاجی ملا ہادی اور ملا آقائے دربندی کے اور کوئی ہے جو ان شبہات کا رد کر سکے اور دین اسلام کا استحکام برقرار رکھ سکے؟ تا کہ اصل براءت اور استصحاب کو جاری رکھ سکیں۔ انھوں نے اس بات کی تعریف اور تصدیق کی۔ مختصر یہ کہ اسکے بعد ملا ہادی سے ملاقات کے لئے گیا تو انہوں نے مجھ سے سوالات وغیرہ کیے اور علماء وحکماء کے احوال پوچھے۔

چونکہ مُلا آقا حکیم قزوینی، آخوند ملا علی نوری کے شاگردوں میں سے تھے لیکن پہلے دور کے شاگردوں میں سے تھے اور حاجی ملا ہادی دورِ وسط کے طلاب سے تھے اور انہوں نے حاجی ملا آقا کو نہیں دیکھا تھا تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ آخوند ملا آقا کی فضیلت کیا ہے؟ میں نے کہا کہ بہت ہی فاضل شخصیت ہیں اور معقول گوئی میں تو وہ سب پر بازی لے گئے ہیں۔ حاجی نے کہا: میں نے انہیں دیکھا تو نہیں لیکن مجھے بھی یہی یقین تھا کہ فاضل انسان ہیں لیکن میں نے ان کے بارے میں سنا ہے کہ شیخ احمد کی زیارت کی شرح کا درس دیا کرتے تھے اسی وجہ سے میرے اعتقاد میں فتور پیدا ہوا۔ شیخ احمد کا یہ مقام تو نہیں ہے کہ ان کی کتاب ایک فاضل شخص پڑھائے۔ میں نے کہا کہ کیا آپ آخوند ملا سعد کی شرح تصریف کی تدریس نہیں فرماتے؟ کہا: یہ کس لئے پوچھتے ہو؟ میں نے کہا کہ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ملا سعد آپ سے افضل ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح جب آخوند ملا آقا سے خواہش کی گئی کہ شیخ کی شرح زیارت کی تدریس کریں تو وہ راضی ہو گئے۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ شیخ کی تکفیر کیوں ہوئی۔ میں نے کہا کہ تکفیر کرنے والوں کا کہنا یہ تھا کہ معاد کے سلسلے میں ان کا عقیدہ ملا صدری کے عقیدہ کے مطابق تھا۔ انہوں نے کہا ملا صدری کی بھی تکفیر ہوئی ہے؟ میں نے کہا کہ قدیم الایام سے ہی علماء کی زبان پر ان کی تکفیر جاری تھی۔ انہوں نے کہا کہ ملا صدری معاد جسمانی کے قائل نہیں ہیں! میں نے کہا: ہاں انہوں نے اپنی کتاب "شواہد ربوبیہ" میں لکھا ہے کہ الحق ان المعاد فی المعاد هو الجسم العنصری (حق یہ ہے کہ معاد محشور ہونا ہے وہ اس خاکی جسم کے ساتھ ہے) لیکن اس کے بعد تفصیل عنصری کو باقی نہ رکھا اس کے علاوہ کتاب "شرح اصول کافی" اور "تفسیر سورۂ بقرہ" اور "اسفار" میں عذاب کے منقطع ہونے کے قائل ہیں اور ابدی عذاب کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فرعون مومن دموحد مرا تھا اور وحدت وجود کو مانتے ہیں اور اسی طرح دیگر احمقانہ اور فضول باتیں ان کے ہاں پائی جاتی ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص سبزوار میں بیٹھا ہے اور اسے یہ نہیں معلوم کہ ملا صدری کی بھی تکفیر ہو چکی ہے۔ الحاصل حاجی نے پوچھا کہ شیخ احمد کی تکفیر کس بات پر ہوئی؟ میں نے کہا کہ وہ جسم ہورقلیائی کے قائل ہیں اور میں نے یہ لفظ زبر کے ساتھ بولا تو حاجی نے کہا کہ ھور میں واؤ ساکن ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے ملا علی نوری کے ایک شاگرد سے سنا تھا کہ آخوند ملا علی نوری یہ کہتے تھے کہ ھور میں واؤ پر سکون غلط مشہور ہے اور صحیح یہ ہے کہ واؤ پر زبر دیا جائے۔ حاجی نے کہا: ہم

برھانِ قاطع میں دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا: برھانِ قاطع فارسی لغت ہے اور ملا علی نوری کہتے تھے کہ ھورقلیا یونانی لفظ ہے جس کے معنی عالمِ آخرت ہے۔ اس کے بعد حاجی نے میری تالیفات کے بارے میں پوچھا۔ میں نے کچھ تالیفات کا ذکر کیا تو کہنے لگے میرا ایک چھوٹا بچہ ہے جو ابھی علم اصول پڑھ رہا ہے تم اپنا منظومۂ اصول اس کے لئے بھیج دینا۔

مجملاً یہ ہے کہ عالم مثال فلک قمر کے نیچے ہے اور مثالی اجسام مادہ سے خالی ہوتے ہیں اور یہ بات نسخہ کی رو سے ہے اور غلط ہے اور کوئی جسم بھی اپنے سے الگ نہیں ہوسکتا اور ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ روح اس جسم سے نکل کر ایک مثالی قالب میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کے لئے صبح شام بھی ہوتے ہیں جس کی دلیل ولھم رزقھم فیھا بکرۃ وعشیا (سورۂ مریم آیت ۶۲) [ان (باغوں) میں ان کیلئے رزق صبح وشام آتا رہے گا] اور حضرت امام جعفر صادقؑ نے اسی آیت سے عالم برزخ کے وجود پر استدلال کیا ہے اور ہمارا اعتقاد یہی ہے کہ روح جسم سے مفارقت کے بعد عالم مثال میں بدن مثالی میں چلی جاتی ہے اور اگر اہل نجات سے ہوتی ہے تو طرح طرح کی نعمات اسے میسر آتی ہیں اور اگر اہل عذاب سے ہے تو آخرت میں طرح طرح کے عذابوں سے معذب ہوتی ہے اور آخرت میں سب اپنے عنصری ابدان میں ہی محشور ہوں گے اور یہ طے ہے کہ بدن عنصری میں بقائے ابدی کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے اور روح بھی بقائے ابدی کے لئے تیار ہونی چاہیئے چنانچہ کوئی نہ کوئی برزخ ہونا چاہیئے جہاں نہ صرف فانی اور مٹ جانے والے بدن ہوں یا نہ صرف ہمیشگی ہو بلکہ کوئی بھی ضائع نہ ہونے پائے اور اسی کا مطلب برزخ اور عالم مثال سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ کہتے ہیں کہ امیر المومنینؑ وقت احتضار پر ہر محتضر کے سرہانے پہنچتے ہیں چاہے وہ مومن ہو چاہے منافق ہو اور اس پر یہ بلیغ اشعار گواہ ہیں۔

یاحار همدان من یمت یرنی	من مؤمن او منافق قبلا
یعرفنی طرفه واعرفه	بنعمته واسمه وما فعلا
وانت عند الصراط معترضی	فلا تخف عثره ولا زللا
اقول للنار حین توقف للعرض	ذریه لاتقربی الرجلا
ذریه لا تقربیه ان له	حبلابحبل النبی متصلا
اسقیه من بارد علی ظماء	تخاله فی الحلاوة العسلا
قول علی الحارث عجب کم	ثم اعجوبة له حملا

اور علم الہدیٰ سید مرتضیٰ نے اس قاعدہ کی بناء پر کہ ایک جسم ایک وقت میں مختلف مقامات پر موجود نہیں ہوسکتا فرمایا کہ محتضر کا وقت احتضار علیؑ کو دیکھنے سے مقصد یہ ہے کہ وہ آنجنابؑ کی ولایت ومحبت کا ثمر اس وقت دیکھے گا نہ کہ بنفس نفیس آنجنابؑ کو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر محتضر آنجنابؑ کو بہ نفس نفیس دیکھتا ہے جیسے کہ سورج کو ہر ایک دیکھتا ہے۔ سورج تو اپنے مقام پر ہے لیکن ہر شخص ہر شہر میں اس کو دیکھتا ہے اس کے انوار اور شعاعوں کی بدولت۔ اور یا ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص آنجنابؑ کو بدن مثالی میں دیکھتا ہے کیونکہ عظیم نفوس قدسیہ کو یہ قوت وقدرت اور صلاحیت حاصل ہوتی ہے کہ ایک ہی نفس متعدد ابدان میں تصرف کرسکتا ہے جیسے انبیاء واولیاء وغیرہ کے نفوس۔ یہی وجہ ہے کہ جناب امیر المومنینؑ ایک ہی شب میں ستر گھروں میں مہمان ہوئے وہ ہر محتضر کے سرہانے بھی آسکتے ہیں۔ اور موسیٰؑ نے نور الٰہی کی تجلی دیکھنے سے بے ہوش ہونے کے بعد جو در حقیقت نور کروبین تھا جو شیعان امیر المومنینؑ سے ملائکہ کا ایک گروہ ہے انہوں نے دیکھا کہ ستر ہزار موسیٰ ہیں جو ستر ہزار عقیق کے پہاڑوں کے اوپر کھڑے ہیں اور سب نے اونی لباس بدن میں اور اونی عمامہ سر پر رکھا ہوا ہے، عصا ہاتھ میں ہے اور سارے کے سارے رب ارنی کا نعرہ بلند کررہے ہیں تو موسیٰؑ نے جبرائیلؑ سے سوال کیا کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی موسیٰ ہے ورنہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرائیلؑ نے کہا یہ آپ ہی کے ابدانِ مثالی ہیں اور یہی معنی اس روایت کے ہیں جو عوام الناس کی ایک بہت مشہور کتاب کی روایت ہے کہ جنگ جمل میں طلحہ زخمی حالت میں میدان میں پڑا ہوا تھا اور ابھی رمق جان اس میں باقی تھی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تیرا قاتل کون ہے تو کہنے لگا کہ

علی۔ کہا: علیؑ تو فلاں جگہ ہیں انہوں نے تجھے قتل نہیں کیا۔ تو طلحہ نے جواب دیا کہ مجھے بھی علیؑ نے مارا ہے بلکہ سارے مقتولین کو علیؑ نے ہی قتل کیا ہے۔ تمہیں دکھائی نہیں دے رہا کہ کبھی علیؑ ہوا میں ہیں کبھی پشت سر پر کبھی منہ کے سامنے اور کبھی دائیں جانب سے حملہ کر رہے ہیں کبھی بائیں جانب سے۔ بے شک اس وقت اس آیت کے فرمان کے مطابق کہ **فبصرک الیوم حدید** (سورہ ق آیت ۲۲) (سو آج تیری نظر بہت تیز ہے) اس کی آنکھوں کے آگے سے پردے اٹھا دیئے گئے تھے اور وہ امیر المومنینؑ کے ابدانِ مثالی کو دیکھ رہا تھا۔ اور احادیث سے عالمِ مثال کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے دعاء **یامن اظہر الجمیل وستر القبیح** (۱) الخ میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ جو کچھ انسان سے اس عالم ظاہر میں صادر ہوتا ہے وہی عمل اس کے بدن مثالی سے ظہور پذیر ہوتا ہے پس اگر وہ کوئی خیر و نیکی ہوتی ہے تو سب ابدانِ مثالی اس سے باخبر ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی شر و خرابی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے انتہائی کرم سے اس پر پردہ ڈال دیتا ہے تو کوئی بھی مثالی بدن اس فعل قبیح اور معصیت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا اس طرح وہ شخص شرمندگی و خجالت سے بچ جاتا ہے۔

شیخ بہائی زید بہاہٗ نے اپنی کتاب میں چالیس احادیث اس سلسلہ میں ذکر کی ہیں اور عالم مثال کی ان کے ذریعہ وضاحت کی ہے اور اصول کافی میں جو شیعوں کی کتب اربعہ میں سے ایک معتبر کتاب ہے تقریباً بیس (۲۰) احادیث عالم مثال کے بارے میں لکھی ہیں اور شیخ احمد کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کا جسم مختلف اجزاء کا مرکب ہے۔ ہر جز نو آسمانوں میں سے اخذ کیا گیا ہے اور اسی طرح عناصر اربعہ سے ایک ایک جز لیا گیا ہے اور ان سب کو ملا دیا گیا ہے اور جب روح بدن سے مفارقت کرتی ہے تو اجزائے عنصری سب اپنے اپنے مرکز کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا اور جو رہتا ہے وہ اجزائے فلکی ہوتے ہیں اور وہی حشر کے دن محشور کیے جائیں گے۔

اور اسی وجہ سے شبہ اکل و ماکول میں بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ماکول (کھائے جانے والی چیزیں) اجزائے عنصریہ ہیں اور وہ عود نہیں کرتیں۔ جو عود کرتے ہیں وہ اجزائے فلکیہ ہیں اور کھانے میں جز بدن نہیں بنیں گے۔ شبہ اکل و ماکول کو حل کرنے میں متکلمین جیسے علامہ حلّی اعلی اللہ مقامہ اور اُن کے استاد محقق طوسی اجزائے اصلیہ کی تجرید کے قائل ہیں کہ نطفہ کا مادۂ منویہ زاید و ناقص نہیں ہوتا اور جزء بدن و غذا نہیں ہوتا وہ اصلی اجزاء تو عود کرتے ہیں اور جو چیز بدن کا حصہ بنتی ہے وہ اجزائے فضلیہ ہیں نہ کہ اصلیہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ کی یہ تحقیق ظاہراً دین اسلام کی ضرورت کے خلاف ہے بلکہ لازم یہی ہے کہ اجزائے عنصریہ عود کرتے ہیں اور شیخ احمد نے معراج کے بارے میں بھی یہی نظریہ اختیار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ جب حضرت ختمی مرتبتؐ درجہ بدرجہ نبوت کے مدارج طے کرتے ہوئے معراج کی منزل تک پہنچے تو انہوں نے اپنے جسم کے خاکی اور آبی اجزاء کو زمین پر پھینک دیا اور جز ہوائی کو ہوا میں اور جز ناری کو آگ میں اور ان تمام اجزاء کے ساتھ جو نو افلاک سے لیے گئے تھے افلاک تک پہنچ گئے لہٰذا خرق والتیام (۲) واقع ہی نہیں ہوا اور ان کی عبارت یہ ہے **فلما وصل الیٰ کرۃ الھواء فالقی فیھا ماھو منھا** الخ اور انہوں نے ہر کرّے کے عناصر کے بارے میں یہی کہا ہے اور یہ دین اسلام کی ضروریات کے خلاف ہے کیونکہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ اسی بدن عنصری کے ساتھ آسمان پر تشریف لے گئے اور آپ کا دامن لوٹے سے الجھا تو لوٹے سے پانی بہنے لگا۔ آپ معراج پر تشریف لے گئے اور آسمانوں کی سیر کی اور واپس تشریف لے آئے تو بھی لوٹے کا پورا پانی بھی نہ بہا تھا۔ بلکہ آپ اپنے پاؤں کی نعلین مبارک کے ساتھ معراج پر گئے اور چاہا کہ ادب کی وجہ سے نعلین کو اتار دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ نعلین سمیت آجاؤ تا کہ ہمارے عرش کو تمہاری نعلین سے زینت حاصل ہو۔ پس معراج تمام اجزائے عنصری کے ساتھ بلکہ لباس اور نعلین کے ساتھ واقع ہوئی۔ رہا خرق والتیام تو اس سلسلہ میں حکماء کے دلائل نویں آسمان

(۱) یہ دعا مفاتیح الجنان میں جمعہ کے دن کی نمازوں میں امام زین العابدینؑ کی نماز کے ضمن میں لکھی گئی ہے اور یہ امام کی دعا ہے۔ یہ دعا مسجد کوفہ میں مقام امیر المومنینؑ کی نماز کے بعد دعا میں بھی پڑھی جاتی ہے۔ (مترجم)

(۲) پہلے زمانے کے لوگوں کا خیال تھا کہ آسمان پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے کے اوپر واقع ہیں۔ تو اگر رسول کو معراج ہوئی تو یقیناً ہر آسمان پھٹا ہوگا جو پھٹا ہوا نظر نہیں آ رہا تو پھر بعد میں جڑا ہوگا۔ اور چونکہ یہ ناممکن ہے لہٰذا وہ واقع معراج کے منکر ہو گئے۔ اب سائنس نے ثابت کر دیا کہ آسمان اس طرح سے ایک دوسرے اوپر نہیں ہیں لہٰذا خرق (پھٹنا) اور التیام (جڑنا) کا نظریہ باطل ہو گیا اور معراج ثابت ہو گئی۔ (مترجم)

کے ساتھ مخصوص ہیں نہ کہ تمام آسمانوں کے ساتھ۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا کا جسم مبارک آسمانوں سے زیادہ لطیف ہے لہذا آسمانوں کو پھاڑنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جرم فلکی محاط ہے اور پیغمبرؐ کا جسم اطہر محیط اور محیط محاط سے اشرف والطف (بہت زیادہ لطیف) ہوتا ہے جیسے کہ کسی بند گھر میں جن داخل ہوجاتے ہیں بغیر اسکے کہ اسکی دیواروں میں توڑ پھوڑ کریں اس کے علاوہ خرق التیام کے امتناع (نہ ہونا) کے دلائل خلل سے خالی نہیں ہیں۔

اور شیخ احمد اور فقہا کے درمیان یہ دوسرا اختلافی مسئلہ ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ شیخ ائمہ کو چار علل سمجھتے ہیں یعنی علت صوری، علت غائی، علت عادی اور علتِ فاعلی اور یہ بھی ضرورتِ مذہب امامیہ کے خلاف ہے اگرچہ شیخ کہتا ہے کہ ائمہ فاعل، اللہ کے اذن سے ہی ہیں جیسے وکیل موکل ہوتے ہیں اور مقام ائمہ کو مقام مشیت خدا ہی بتاتے ہیں اور اقوی یہی ہے کیونکہ اگر احادیث کا جائزہ لیں تو ائمہ کا مقام، مقام مشیت و فعل ہی ہے اور وہ کہتا ہے کہ خدا کا دنیا کو پیدا کرنا اور امام کا دنیا کو پیدا کرنا اس آیت کی طرح ہوگا "فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم" سورۂ بقرہ آیت ۷۹ (ترجمہ: پس ویل ہے ان کے لئے بوجہ اس کے جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے) اور ائمہ یداللہ (اللہ کا ہاتھ) ہیں اور وہ کہتا ہے کہ لوگ خالقیت ائمہ کو بعید کیوں تصور کرتے ہیں جبکہ تبارک اللہ احسن الخالقین اس پر گواہ ہے کہ خدا کے علاوہ بھی خالق ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قول حضرت عیسیٰ روح اللہ کے بارے میں واذ تخلق من الطین کھیئة الطیر (سورۂ مائدہ آیات نمبر ۱۱۰) (اور جس وقت تم گندھی ہوئی مٹی سے پرندہ کی سی شکل بناتے تھے) اس معنی پر گواہ ہے اور قول امیرالمومنینؑ انا خالق السمٰوت والارض (میں آسمانوں اور زمینوں کا بنانے والا ہوں) کا مطلب بھی یہی ہے اور یہ ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ کسی کو خلق کرتا ہے تو آسمان و زمین اس کے اذن سے خلق کیے ہیں اور وہ اس بات کی قدرت رکھتا ہے اور یہ اس کے لطف و کمالِ قدرت کی دلیل ہے اور لوگ زیادہ تر یہی معنی مراد لیتے ہیں اور میں نے یہی باتیں حاجی سید کاظم سے براہِ راست سنی ہیں کیونکہ میں ایک مدت تک ان کی مجلسِ درس میں حاضر ہوا کرتا تھا اور یہ کلمات اور استدلالات مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ بودے ہیں اور ائمہ علیہم السلام کی بیشتر احادیث میں یہ ملتا ہے کہ خلقت و رزق کی نسبت ائمہ سے دینا موجب کفر و ضلالت ہے اور ائمہؑ نے اسکی ممانعت کی ہے اور اس گروہ کا نام "مفوضۂ خلقیہ" رکھا ہے کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ خداوند عالم نے خلق و رزق امامؑ کو تفویض کردیا ہے اور حضرت صاحب الامرؑ (میری جان ان پر فدا اور خدا ان کے ظہور میں تعجیل فرمائے) نے توقیع لکھی ہے کہ جو کوئی مجھے یا میرے آباء میں سے کسی سے ایسی نسبت دے تو میں اور میرے آباء اس سے بیزار ہیں اور آنجنابؑ کی عبارت یوں ہے "فانا و آبائی منه بر آء" اور دیگر تمام علماء کی طرح علامہ مجلسی نے بھی اس گروہ کو کافر قرار دیا ہے اور حقیقتاً یہ لوگ کافر ہی ہیں۔

شیخ احمد یہ کہتا ہے کہ میں تفویض کا قائل نہیں ہوں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ خلق خدا کرتا ہے اور ائمہؑ بمنزلہ ید (ہاتھ) ہیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ صرف الفاظ کا الٹ پھیر ہے اور احادیث میں معنیٔ اول لیے گئے ہیں اور اگر ایسی احادیث ہوں تو وہ دیوار پر مار دینے کے قابل ہیں خواہ احادیث متواتر ہی کیوں نہ ہوں نیز ضروریات دین سے تو تعرض کیا ہی نہیں جاسکتا اور تفصیل یوں ہے کہ پہلے تو یہ کہا کہ مقام امام علیہ السلام مقام مشیت ہے۔ ٹھیک ہے ہم مانتے ہیں کہ مقام امامؑ مقام مشیت ہے لیکن اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ امامؑ مظہر مشیتِ پروردگار ہے اور مشیت الٰہی کا اظہار امامؑ کے ذریعہ ہوتا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جو امام چاہتے ہیں وہی خدا چاہتا ہے اور جو امامؑ نہیں چاہتا خدا بھی وہ نہیں چاہتا۔ نہ کہ امامؑ مشیت خدا کی حقیقت بن جائے اور یہ ہاتھ ہونے کی مانند ہے کہ امامؑ یداللہ ہے یعنی مظہر قدرتِ خدا ہے نہ یہ کہ نفس قدرت وہی ہے پس ید سے مراد مظہر و محل قدرت خدا ہے۔ جیسا کہ بعض زیارات میں مرقوم ہے السلام علیٰ محال معرفة اللہ مشیة اللہ (سلام ہو آپ پر اے اللہ کی معرفت اور مشیت اترنے کی جگہ) پس مشیت اللہ بالکل اس طرح جیسے یداللہ، حبیب اللہ، عین اللہ، اُذن اللہ، نفس اللہ وغیرہ پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امامؑ خالقِ زمین و آسمان ہوجائیں۔

دوسرے ہم یکتبون الکتاب بایدیھم (سورۂ البقرۃ آیت ۷۹) (جو کتاب کو اپنے ہو ہاتھوں لے سکتے ہیں) کے بارے میں کہتے ہیں کہ کتاب کی کتابت ہاتھ کے ذریعہ ہوتی ہے یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہاتھ مظہر ہے نہ کہ حقیقت امامؑ ہے کہ وہ اللہ کا دستِ حقیقی سمجھا جائے اور پھر اس ہاتھ سے تخلیق عالم ہو تب ہی یہ سمجھا جائے گا کہ کام ہاتھ سے ہوا ہے۔ اور اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ امامؑ حقیقت ید ہے تو اگر ہم لغت

اور عام بول چال کے محاورات کے قانون کو دیکھیں تو بھی فعل کی نسبت ہاتھ سے نہیں دی جاسکتی اور کوئی نہیں کہتا کہ ہاتھ کاتب ہے بلکہ کاتب وہ انسان ہے جس کا وہ ہاتھ ہے کیونکہ "ید" آلہ کی حیثیت رکھتا ہے (جس سے لکھنے کا کام لیا جاتا ہے) سوائے اس کے کہ مجازی طور پر کہا جائے۔ آلہ سے نسبت مجازی بھی مجاز عقلی کی ہو کیونکہ وہ نسبت جو کچھ اس میں نہیں ہے اس کے علاوہ سے منسوب ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ معنی کس طرح کے ہونگے تاہم شیخ کی مراد یہ معنی بھی نہیں ہیں۔

تیسری بات احسن الخالقین کے بارے میں جس کو شیخ نے اختیار کیا ہے وہ بھی مجازاً کہا جاتا ہے جیسے رحم میں تولید نطفہ کے لئے دو فرشتے خالق کہے جاتے ہیں تو یہ بھی لغوی مجاز ہے اور متعدد خالقین (پیدا کرنے والے) کا ہونا لازم نہیں ہے کہ ائمہ کو خالق مانا جائے نہ یہ دلیل جن کے مطابق ہے نہ خیالی ہے نہ التزامی اور یہ تو کھلی حقیقت ہے۔

چوتھے واذتخلق من الطین کھیئة الطیر کے سلسلے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی احسن الخالقین کی طرح مدعٰی کے لئے دلیل نہیں بنتی کیونکہ اول تو عیسیٰ مجازی خالق ہیں، نیز عیسیٰ کا پرندہ کو پیدا کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ امیر المؤمنینؑ بھی زمین و آسمان کو پیدا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کھیئة الطیر کہا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ حقیقتاً پرندہ پیدا نہیں کرتے تھے۔

اور پانچویں یہ کہ ہم انا خالق السمٰوت والارض کے بارے میں یہ کہتے ہیں یہ حدیث جعلی، موضوعی اور کھلا افترا ہے۔ یہ خبر محمود علی وھدار کے خطبۃ البیان میں ہے جو جھوٹ اور موضوع خطبہ ہے (جو امیر المومنینؑ سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ مترجم)۔ شیخ رجب برسی نے اپنی کتابوں میں اس خطبہ کو نہیں نقل کیا اور اسی طرح علمائے عالیمقدار، وقت کے مشاہیر، دور گذشتہ کے عظیم مسلمانوں نے جن میں علماء، محدثین، فضلائے ابرار شامل ہیں اور ائمہ اطہار کی زندگیوں کا جائزہ لینے والے جیسے علامہ مجلسی جو احادیث کے سمندر میں غوطہ زن ہونے والے تھے (کہ خدا ان کو اپنی رضا اور خوشنودی کے مقام پر جگہ عطا فرمائے) اور بحار الانوار کے مؤلف تھے، اور سید رضی، حیدر کرارؑ کے خطبات کو نہج البلاغہ میں جمع کرنے والے اور نامور شیخ حجۃ الاسلام کلینی اور ان ہی جیسے دوسرے عظیم الشان علماء نے اس خطبہ کو اپنی کتب میں نقل نہیں کیا۔ نہ ہم نے کسی اور معتبر کتاب میں یہ دیکھا ہے نہ سنا ہے بلکہ بعض افضل و اکمل لوگوں نے اس کے موضوعی و کذب ہونے کی تصریح کی ہے اور جیسا کہ ارباب ہدایت نے فرمایا ہے ایک روایت جو درایت (۱) کے اصول پر پوری اترے ہزار بے درایت روایتوں سے بہتر ہے۔ کچھ تو عقل سے کام لیا جائے کہ لوگ تو امیر المومنینؑ کو خلیفۂ چہارم بھی ماننے پر تیار نہ ہوں اور وہ منبر پر جا کر یہ اعلان کر دیں کہ انا خالق السمٰوت والارض (زمین و آسمان کا خالق میں ہوں) بلکہ آپ تو اتنا نہ کہہ سکتے تھے کہ میں پیغمبرؐ کا بلافصل خلیفہ و جانشین ہوں۔ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حاجی محمد کریم خان قاجار کا شیخ عبد الرحیم بروجردی سے مناظرہ پیش کیا جائے۔ حاجی محمد کریم خان سید کاظم کے شاگردوں میں اور رکن رابع کے بانی ہیں اور شیخ عبد الرحیم فقیہ ہیں اور شیخ موسیٰ اور شیخ علی محقق کے شاگردوں میں سے ہیں جب مذکورہ حاجی دار الخلافہ آئے تو ترک علماء نے ان سے ملاقات کی۔ ایک دن معتمد الدولہ عباس قلی خان کے گھر پر جو نشیر امیر دیوان شیخ ان کی ملاقات کو آئے، عباس قلی خان سمجھدار آدمی تھے اور مؤلف کتاب کا ایک دفعہ ان سے مناظر ہبھی ہوا تھا۔ قصہ مختصر حاجی مذکورہ بھی اس وقت عباس قلی خان سے ملنے آگئے۔ تھوڑی بات چیت کے بعد حاجی نے شیخ سے کہا کہ ہم دار الخلافہ آئے تمام علماء کو معلوم تھا لیکن کسی نے پرواہ نہ کی، لگتا ہے کہ وہ ہمیں گمراہ سمجھتے ہیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ تمہارے خود گمراہ ہونے کا تو پتہ نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ تم دوسروں کو گمراہ کر رہے ہو کیونکہ تم نے اپنی کتاب میں جو عوام کی رہنمائی کے لئے لکھی یہ لکھا ہے بلکہ بارہا منبر سے بھی کہا ہے کہ اس زمانے کے علماء ہماری باتوں اور بیانات کو سمجھتے ہی نہیں ہیں اور اسی لئے ہمارے اوپر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ جو باتیں اور احادیث زمانے کے ماہر علماء اور علم و قدرتِ فہم رکھنے والے جب نہ سمجھ سکیں تو ایسے کلمات و اعتقادات اور احادیث فارسی میں لکھ کر اور انہیں چھپوا کر سیدھے سادے عوام کے ہاتھوں میں پہنچا دینا اور منبروں پر ہر چھوٹے بڑے، عام و خاص کے سامنے ایسے مراحل کا اظہار سوائے گمراہی اور دوسروں کے لئے بہکانے کا باعث ہے۔ کیا ائمہ کی

(۱) وہ علم جس کے ذریعہ احادیث کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ (مترجم)

یہ احادیث تم تک نہیں پہنچیں کہ "لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق کلام کرو" اور عقل ہر اچھی بری بات پر پکی اور عادل گواہ ہے نیز ائمہ نے یہ بھی فرمایا: **ما کلما یعلم یقال ولا کلما یقال** (جو جانتا ہے وہ بیان کرو جو نہیں جانتا اسے بیان نہ کرو) اس پر حاجی مذکور بول اٹھے کہ یہ تو خود امیر المومنین نے بالائے منبر فرمایا کہ " **انا خالق السموت والارض** " جبکہ سب خواص وعام وہاں موجود تھے تو کیا وہ سب سے زیادہ گمراہ کرنے والے ہوئے؟ شیخ نے فرمایا تم ایسی حدیث کو کیسے مان سکتے ہو کہ وہ زمانہ تو ایسا تھا کہ بعض علیؑ کو کافر سمجھتے تھے جیسے اہل شام اور بعض ان کو صرف خلیفہ چہارم مانتے تھے اور اکا دکا کوئی ان کو خلیفہ بلافصل ماننے والے بھی تھے۔ اس زمانے میں بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ علیؑ برسرِ منبر یہ فرمائیں کہ میں زمین وآسمان کا خالق ہوں۔ جو لوگ ان کا خلیفہ پیغمبرؐ ہونا تسلیم نہ کرتے تھے وہ ان کی خالقیت کے معتقد کیسے بن سکتے تھے۔ اگر ایسی بات وہ ان کے منہ سے سن بھی لیتے تو ان کی جان کے درپے ہو جاتے۔ اس پر حاجی مذکور سنائے میں آگئے۔

اور میرا مناظرہ جو معتمد الدولہ عباس قلی خان جوانشیر سے ہوا بڑا لطیف تھا اس لئے وہ بھی ذکر کر رہا ہوں۔

ہوا یوں کہ ایک دن میں اعتماد الدولہ صدر اعظم میرزا آقا خان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ نواب کے ساتھ معتمد الدولہ نائب السلطنت شاہزادہ فرہاد میرزا اور شاہزادہ ایلخانی ابوالملوک کیومرث میرزا اور دیگر اعیان حکومت بیٹھے ہوئے تھے۔ عباس قلی خان اور یہ دونوں شاہزادے بہت ذہین اور صاحب علم تھے۔ نجوم کے متعلق بات چیت ہونے لگی تو میں شریعت حقہ کے مطابق علم نجوم کی تکذیب کرنے لگا اور اس سلسلے میں آیات قرآنی اور احادیث معصومینؑ کا حوالہ دیا۔ عباس قلی خان نے کہا کہ نجوم کی تاثیر بالکل واضح ہے اور مشاہدات کا انکار نہیں کیا جا سکتا میں نے کہا کہ کواکب (ستارے) خود موثر نہیں ہوتے بلکہ اللہ نے ان کے لئے ایک نظام بنایا ہے کہ نظر کذائی میں دو سیارے مثلاً فلاں تاثیر عالم کون وفساد میں پیدا کریں گے یہی وجہ ہے کہ شہید اول نے اپنی کتاب قواعد میں فرمایا ہے کہ جو شخص اس بات کا معتقد ہو کہ کواکب مدبر عالم ہیں تو وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اور یہاں انہوں نے لفظ عندنا لکھا ہے یعنی ایسے شخص کا کافر ہونا فرقۂ شیعہ میں اجماعی ہے۔ میں نے احادیث سے آغاز کیا یہاں تک کہ ایک شعر دیوان تک جا پہنچا اور میں نے یہ اشعار پڑھے۔

خوفنی منجم اخوخبل	**تراجع المریخ فی بیت حمل**
فقلت دعنی من اکا ذیب الحیل	**المشتری عندی سواء وزحل**

عونی بخالقی وعونی عزوجل

عباس قلی خان نے کہا کہ حمل نہیں ہے بلکہ الحمل ہے۔ میں نے انکار کیا۔ دو تین شاہی افراد جو علم میں بالکل کورے تھے وہ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے مخالف کی تصدیق کی۔ میں نے کہا کہ دیوان بلاغت شان کے صحیح نسخہ میں اسی طرح لکھا ہے جیسے میں نے پڑھا ہے۔ انہوں نے شدید انکار کیا تو مجھے غصہ آ گیا اور کہا کہ اگر اشعار میں اختلاف ہو تو اس کو پرکھنے کا ایک میزان ہوتا ہے اور اسے علم عروض کہتے ہیں تو ہم سب علم عروض کی طرف رجوع ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ یہ شعر بحر تقارب میں ہے اور بحر تقارب کو چھ مستفعل میں پورا ہونا چاہیئے اور ہر مصرع میں تین مستفعل چاہیئں جو اس طرح اٹھارہ ۱۸ بن جائیں گے اس طرح شعر چھتیس ۳۶ حرفوں میں پورا ہوگا اور الفیہ ابن مالک میں اسی طرح ہے اور جب اس بیت کو علم عروض پر تقطیع کرتے ہیں اور حمل کو بغیر الف اور ل لیتے ہیں تب ۳۶ حرف بنتے ہیں، الف، لام سے زیادہ ہو جاتے ہیں اس لئے یہاں الف، لام نہیں ہونا چاہیئے۔ اس پر میر امد مقابل خاموش رہ گیا۔

مجملاً ائمہؑ کو علل اربع سمجھنا بھی ائمہؑ کی واضح احادیث کے خلاف ہے۔ ہاں ہم یہ مانتے ہیں کہ پیغمبرؐ وائمہؑ دنیا کی تمام موجودات کی علت غائی ہیں اور بہت سی احادیث اس کو ثابت کرتی ہیں اور حدیث قدسی **لولاک لماخلقت الافلاک** بھی اس مطلب پر گواہ ہے۔

چھٹے یہ کہ لطف وعموم قدرت خدا سے ائمہؑ عالم امکان کے خالق ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات سراسر بکواس ہے اور اس کے صحیح ہونے کا شائبہ تک نہیں ہے کیونکہ ایک تو دلیل ظنی ہے اور اس قسم کے دلائل سے واجبات مذہب شیعہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور اس بات کا توڑ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس

دنیا میں اس وقت کوئی ایسا عجیب انسان پیدا کردے کہ جس کے ہزار سر اور ہزار سر میں ہزار زبانیں ہوں اور وہ ہر زبان سے مختلف بولیوں میں تسبیح و تمجید خدا کرے تو یہ بات اس کے لطف کے اعلیٰ درجہ کی مثال ہوگی اور لوگوں کی کثیر تعداد ایسے انسان کو دیکھ کر جود ملکِ منّان کا اعتراف کرلے گی چنانچہ ایسا انسان اس دنیا میں ہونا چاہیئے لیکن پھر بھی کوئی ایسا انسان موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی دلیلیں بھی ایسے مطالب کے لئے کوئی فائدہ نہیں رکھتیں۔

اس مقام پر مناسب ہے کہ ملا محمد صالح کے ایک خواب کا تذکرہ کردیا جائے جس میں انہوں نے پیغمبرؐ کی زیارت کی۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ حاجی ملا محمد صالح برغانی شہید ثالث کے بھائی نے خواب میں پیغمبرؐ کی زیارت کی اور آپ سے چند سوالات کیے۔ اُس وقت حاجی ایک مدرسہ بنا رہے تھے اور ارادہ یہ تھا کہ اس میں سونے چاندی سے نقاشی اور طلا کاری کریں اس سلسلہ میں رسول خداؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا نقاشی نہ کراؤ سادگی ہی اچھی لگتی ہے۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ پرانے زمانے کے علماء صاحبانِ کرامات و مکاشفات ہوتے تھے اور اب معلوم ہوتا ہے کہ باب مکاشفات بند ہو چکا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ متقدمین احکام کو دو قسموں میں تقسیم کرتے تھے واجب اور حرام، پس حرام کو ترک کردیتے تھے اور واجبات پر عملدر آمد کرتے تھے اور جو مکروہات اور مباحات ہیں ان کو محرمات میں داخل سمجھتے تھے یعنی مقامِ عمل میں ترک محرمات اور مکروہات کرتے تھے۔ اور مقام عمل میں مستحبات پر بھی لازمی طور پر عمل کرتے تھے کیونکہ وہ ان کو واجبات ہی قرار دیتے تھے اور تم لوگ جو طبقہ متاخرین (بعد میں آنے والے علماء) سے ہو احکام کو مقام عمل میں پانچ قسموں میں تقسیم کرتے ہو اور تم مستحبات کو ترک کردیتے ہو اور مکروہات اور مباحات کو انجام دیتے ہو یہی وجہ ہے کہ ابواب کرامات و مکاشفات تمہارے لئے بند ہو گئے ہیں۔

پھر میں نے شیخ کے متعلق سوال کیا کہ مجھے نہیں معلوم اس پر کیا گزر رہی ہے کیونکہ کچھ کفر آمیز باتیں اس سے صادر ہوئی تھیں۔ آنحضرتؐ نے تبسم فرمایا اور کہا: شیخ احمد غلط کرتا ہے کہ ایسی باتیں کہتا ہے اور کچھ سوالات بھی کیے لیکن حاجی مذکور نے ان سوالات و جوابات کا اظہار نہیں فرمایا اور شیخ احمد کندر کھانے کا عادی تھا چنانچہ حافظہ کے لحاظ سے وہ اپنے تمام ہم عصروں میں بازی لے گیا تھا اور اس کے اتباع کرنے والے بھی کندر کھایا کرتے تھے اور سیّد کاظم جوان کے شاگرد تھے تو اس قدر کندر کھاتے تھے کہ ان کے سارے دانت تک اسی وجہ سے گر گئے تھے کیونکہ کندر گرم بہت ہوتا ہے۔ بہر حال کندر کھانے کے لئے بہت سی احادیث میں ملتا ہے۔ بلکہ کوئی پیغمبرؐ مبعوث ہی نہیں ہوا مگر یہ کہ وہ بداء کا قائل ہوتا اور کندر کھانا اسکو وراثتاً حاصل ہوتا تھا اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء ہمیشہ کندر کھایا کرتے تھے اور جس زمانے میں، میں سیّد کاظم کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا شیخ ایک روز اپنے استاد شیخ احمد کی وصیتیں نقل کر رہے تھے اور انہوں نے کہا کہ شیخ احمد نے مجھے لکھا: **فاما الاعصار التی تراهافی بعدی فمهیجهاانا** اور اس عبارت کی تشریح یوں کی کہ کسی زمانے میں اس کندر سے ہر جگہ دھواں پھیل جائے گا یعنی وہ دھواں جو میرے بعد تم زمین و آسمان کے درمیان اس قدر پھیلا ہوا پاؤ گے کہ دنیا اسکی وجہ سے تاریک ہو جائے گی وہ دھواں پیدا کرنے والا میں ہونگا۔ میں (مؤلفِ کتاب) کہتا ہوں کہ شیخ احمد نے ٹھیک ہی کہا تھا کیونکہ شیخ کے بعد حاجی سیّد کاظم اس فرقہ کے رئیس بنے اور کتنے تنازعات اختلافات ان کے اور فقہاء کے تابعین میں پیدا ہوئے۔

سیّد کاظم کے شاگردوں میں ایک ان کا جانشین حاجی کریم خان قاجار بھی تھا اس کی وجہ سے علاقۂ کرمان میں کتنا قتل و غارتگری اور پھانسیاں ہوئیں اور ان کے شاگردوں میں میر علی محمد شیرازی بھی تھا جو خود کو "باب" کہتا تھا اور اس نے تو ہر علاقے میں قتل و خونریزی، لوٹ و غارتگری اور پھانسیوں کا سلسلہ جاری کیا ہوا تھا جو بیان سے باہر ہے بلکہ ابھی تک اس شعلہ کی لپک شہروں میں باقی ہے۔ خدا ہمیں اس کے آزار سے بچائے۔ اور شیخ احمد ملا صدری کو کافر کہتا تھا اور کہتا تھا کہ ملا صدری کی یہ عبارت کہ **بسیط الحقیقة کل الاشیا** باطل ہے اور اس کے بہت سے معانی نکالے ہیں اور اسی کی وجہ سے ان کو کافر کہتا تھا اور اس ضمن میں دونوں کے متعلق بحث کرنا ہمارے موضوع سے باہر ہے کیونکہ اس مسئلہ میں بڑی گہرائیاں ہیں اور بڑا طویل مسئلہ ہے۔ اور اسی طرح ملا صدری نے اپنی تفسیر اور دوسری تحریروں میں لکھا ہے کہ محی الدین اعرابی کہتا تھا کہ **فرعون مات مؤمناً مؤحداً** (فرعون مومن و موحد مرا ہے)۔ اور ملا صدری کہتے ہیں کہ مجھے یہ کلام بڑا ناگوار ہے اور تحقیق اور انصاف کی رو سے یہ کلمۂ کفر ہے کیونکہ فرعون احکام دینی سے کفر کی حالت میں مرا ہے اور قران

مجید کی کھلی آیت اس پر دلیل ہے۔

شیخ احمد ملاّ محسن کو بھی کافر کہتا تھا کیونکہ اس نے ملاّ محسن کی کتاب قرۃ العین کی شرح لکھی اور ان کی باتوں کو رد کیا ہے۔ اور حاجی ملاّ ہادی سبزواری نے ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں شیخ کے اعتراضات کے جوابات دیئے تھے اور ملاّ محسن کی حمایت کی تھی اور حق یہ ہے کہ ملاّ محسن ملاّ صدری کے شاگردوں میں سے تھے اور ان کے داماد بھی تھے اور ظاہر یہی ہے کہ وہ ملاّ صدری کے عقاید کے حامل تھے اور شیخ ان کے بعض جملوں کے بارے میں کہتا ہے: قال المسیء القاسانی تبعاً لامامه ممیت الدین (گنہگار قاسانی نے کہا: دین کو موت دینے والے اس کے امام کی پیروی کرو) اعرابی اور مسیء سے اس نے ملاّ محسن مراد لیا ہے ممیت الدین محی الدین کو کہا ہے اور فی الحقیقت اگر محی الدین کافر نہیں ہے تو پھر کسی صوفی یا کافر پر حکم تکفیر جاری نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ خود کو خاتم ولایت مطلقہ تصور کرتا ہے اور کہتا ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا محل ہے لیکن ابھی نا تمام ہے اور اسکی ایک اینٹ باقی تھی میں نے اسے پورا کرنا چاہا اور بقیہ اینٹ بھی اس میں لگادی تو وہ پورا ہو گیا۔ میں بیدار ہوا تو میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ ولایت مطلقہ مجھ پر اختتام پذیر ہوئی ہے اور نیز محی الدین کہتا ہے کہ معراج کے موقع پر میں نے علیؑ کو خلفائے ثلاثہ سے پست تر دیکھا اور کتب فتوحات ملکیہ کی ابتداء میں کہتا ہے سبحان من اظهر الاشیا و هو عینها (پاک ہے وہ جو اشیاء کا ظاہر تر ہے اور ان کی آنکھ ہے)۔ جب یہ کتاب علاء الدولہ سمنانی کی نظر سے گزری۔ وہ بھی مشاہیر عرفاء میں سے تھے تو انہوں نے حاشیۂ کتاب پر اسی مقام پر یہ لکھا کہ اگر کوئی تجھے تیرے فضل و بزرگی سے نسبت دے اور کہے کہ شیخ در حقیقت یہی فضل و بزرگی ہے تو تو تسلیم نہ کرے گا تو تو اس بات کو کیسے تسلیم کرتا ہے کہ حضرت واجب الوجود کو اس کے فضل سے نسبت دیدے اور زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس میں کتاب فتوحات سے یہی عبارت نقل کی ہے اور پھر اس کی توجیہہ میں کہا ہے کہ و هو عینها شاید تشدید یاء مثناۃ تحتانیہ کے ساتھ ہو اور شاید هو غیبها نقطہ والی غین کے ساتھ اور تشدید یاء مثناۃ تحتانیہ اور فتح باء موحدہ کے ساتھ اور کاتب نے لکھنے میں غلطی کی ہو۔

یہاں قاضی صاحب کا کلام تمام ہوا۔ اور یہ توجیہہ ایسی ہے جس سے لکھنے والا خود راضی نہیں ہے (کہ جس کے کلام کی توجیہہ کی گئی ہے وہ اس کو نہیں مانتا۔ مترجم)۔

اور اس بات پر حیرت نہ کرو کیونکہ شیخ بہائی زید بہاؤہ اپنی کتاب کشکول و اربعین وغیرہ میں محی الدین کا نام تعظیم سے لیتے ہیں اور اس طرح کی عبارت لکھتے ہیں کہ عارف ربانی، لاثانی، فاضل محی الدین عربی نے فرمایا۔ شیخ بہائی نے کتاب کشکول میں چند شعر بھی لکھے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ میں ہر قسم کے لوگوں کے پاس گیا ہوں کہ میری بات کا انکار نہ کریں۔

دیگر یہ کہ میرے پاس محی الدین کے کچھ رسائل ہیں جو اس کے کفر کی کھلی دلیل ہیں۔ ایک رسالہ میں وہ کہتا ہے کہ جب میں معراج پر گیا تو خدا اور میرے درمیان بات چیت ہوئی اور اس کے الفاظ یہ ہیں ''فقلت یا من انا انت و انت انا فان قلت فلم ناجیتی و انا انت و انت انا قلت جهة المخاطبیة و المخاطبیة المختلفة'' اور یہ کھلم کھلا کافرانہ باتیں ہیں۔

اور اسفار اور شرح اصول کافی میں ملاّ صدری کا انقطاعِ عذاب کے بارے میں صریح کلام ہے تو مؤلف کتاب نے ملاّ آخوند علی نوری کے معتبر فاضل شاگرد سے یہ سنا کہ ملاّ صدری آخر عمر میں آخرت کے دائمی عذاب نہ ہونے کے قول سے باز آ گئے تھے اور ایک رسالہ اس کے دائمی ہونے کے بارے میں تحریر کیا تھا۔ ایضاً ملاّ صدری دنیا کو حادث ذاتی اور قدیم زمانی (ہمیشہ سے ہونا) سمجھتے ہیں اور میں نے منظومہ الفیہ توحید نامی کتاب اور اسکی شرح میں اس بات کو نحوی اصولوں پر پرکھ کر باطل ثابت کر دیا ہے۔

اور اس بات کی تحقیق کہ ملاّ صدری کو شیخ احمد سے استاد سے شاگرد کی نسبت کی طرح ہے حالانکہ شیخ کو جامعیت حاصل ہے کیونکہ شیخ کو علم فقہ میں مہارت حاصل ہے اور انہوں نے فقہ پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور بہت سے رسائل بھی تحریر کیے ہیں اور ان میں قانونِ فقہا کی پابندی کی ہے اور ان کے فتووں میں سے ایک یہ ہے کہ تعبیہ و تشبیہ حرام ہے۔ لیکن معقولات میں ملاّ صدری واقعی شیخ کے استاد ہیں اور تکفیر کا معاملہ بڑا مشکل اور اجتہادی مسئلہ ہے۔ اور

شریعت میں کتابیں حجت نہیں بنا کرتیں اور جیسا کہ علمائے اعلام کا کہنا ہے کہ کاغذ پر کوئی عمل نہیں ہوتا۔ کتابیں محل وفاقی ہوتی ہیں لیکن وہ کتابیں محل قطع بن جاتی ہیں کہ جن کا لکھنے والا اپنی تحریروں کا معتقد ہو اور انہی کی رو سے بات کرتا ہو۔ شیخ احمد، ملا صدری اور ملا محسن کی بعض باتیں یقیناً ضروریات دین اسلام یا مذہب شیعہ کے خلاف ہیں لیکن یہ سب کتابی باتیں ہیں اور (مجھ) فقیر کو یہ علم نہیں کہ ان کی مراد ان سے کیا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان لوگوں کی تکفیر نہ کی جائے اور اس بارے میں احتیاط کو ترک نہ کیا جائے حالانکہ ملا صدری کے بہت سے مریدوں کے کفر میں کوئی کلام نہیں ہے اور انہوں نے بھی ان کے مطالب اور مرادات کو نہ سمجھا (اس لئے عملاً کافر بن گئے۔ مترجم)

اور شیخ احمد کے شاگرد سید کاظم نے قیاس پر عمل پیرا ہونے کے حرام ہونے کے بارے میں رسالہ لکھا اور شیخ احمد بھی یہی کہتا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ میں حدیث کو پرکھ سکتا ہوں اور نفسِ حدیث سے ہی میرے لئے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کلام امامؑ ہے اور اس کا سلسلۂ رجال (وہ علم جس کے ذریعہ راویٔ حدیث کو پرکھا جاتا ہے) وغیرہ دیکھنے کی مجھے ضرورت نہیں پڑتی۔ اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے اور حدیث کو پرکھنا بڑا دشوار گزار امر ہے چنانچہ مجھ فقیر نے "قوانین وتقریرالاصول والفیہ اصول" کے حاشیہ پر ان احادیث کے درست ہونے کے بارے میں نحوی اصولوں پر چھان پرکھ کی ہے۔

قصہ مختصر ایک دفعہ شیخ احمد نجف آیا تو شیخ محمد حسن صاحب جواہر الکلام کہ جن کا خاص تعلق تو بس فقہ سے تھا لیکن بحث ومباحثہ میں بھی ایسا ید طولیٰ رکھتے تھے کہ اس میں اُن پر غالب آنا بہت مشکل تھا تو شیخ محمد حسن نے اس بات کا بھید کھولنا چاہا کہ آیا واقعی شیخ احمد صرف نفس کلام سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ کلام امامؑ ہے کہ نہیں تو شیخ محمد حسن نے ایک جعلی حدیث گڑھی اور بڑے الجھن والے الفاظ استعمال کیے کہ ان کے مفرد تو بڑے خوبصورت الفاظ تھے لیکن مرکبات بے معنی تھے اور اس خود ساختہ حدیث کو ایک کاغذ پر لکھا اور اس کاغذ کا رگڑ رگڑ کر دھوئیں اور غبار سے آلودہ کر کے بوسیدہ بنا دیا اور شیخ احمد کے پاس لائے کہ ایک حدیث ملی ہے آپ ذرا دیکھ لیں کہ وہ واقعی حدیث ہے یا نہیں اور اس کے معنی کیا ہیں۔ شیخ احمد نے اسے لیا اور بغور پڑھا اور شیخ محمد حسن سے کہا کہ یہ حدیث ہے اور کلام امامؑ ہے اور اس پر بہت توجہ دی۔ شیخ محمد حسن نے کاغذ کا ٹکڑا لیا اور باہر نکل گئے اور اس کو پارہ پارہ کر دیا۔

مرحوم میرزا محمد حسن کا قصہ یہ ہے کہ جلیل القدر عالم ملا علی نوری جیسے عالم وحکیم کے فرزند باشرف تھے اور اپنے والد ماجد سے ہی تعلیم حاصل کی تھی ان کے کوئی اولاد نہ تھی چنانچہ زوجہ کے ساتھ عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ایک سال تک وہیں اقامت پذیر رہے۔ وہ مؤلف کے استاد آقا سیّد ابراہیم سے بڑی الفت رکھتے تھے۔ اسی سال حق تعالیٰ نے ان کو اولادِ نرینہ سے سرفراز کیا اور استاد نے میرزا سے کہا کہ چونکہ یہ فرزند حضرت سید الشہداءؑ کی کرامت کی وجہ سے آپ کو عطا ہوا ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس کا نام عبدالحسین رکھو تو میرزا نے اس کا نام عبدالحسین رکھا۔ اتفاقاً حاجی سید کاظم نے ایک شب میرزا محمد حسن کو مہمان بلایا تو سیّد کاظم کے شاگردوں میں سے کسی نے سیّد سے ملا صدری کی اس عبارت کے متعلق سوال کیا "بسیط الحقیقۃ کل الاشیاء" اس کا مطلب کیا ہے؟ سیّد نے شیخ احمد کے طریقے کے مطابق اس عبارت کو لفظاً ومعناً بیکار قرار دیا۔ تو مذکورہ میرزا نے کہا کہ تم نے جو بسیط الحقیقۃ کے معنی لیے ہیں ملا صدری کی مراد وہ نہیں ہے اور میں اس عبارت کے معنی ملا صدری کے مطابق بتاتا ہوں پھر تم جو اعتراض ہو وہ پیش کر دینا۔ پھر مراد ملا صدری کی وضاحت کی اور کہا کہ اب بتاؤ تمہیں کیا اعتراض ہے سید نے کہا اگر یہ معنی ہیں تو کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔

شیخ احمد نے ایک رسالہ لکھا جس میں کہا کہ نماز گزار کو ایاک نعبد کہتے وقت امیر المومنینؑ کا قصد کرنا چاہیئے کیونکہ خداوند تعالیٰ تو تصور سے بالاتر ہے اور جو ذہن میں آتا ہے وہ ذہن کی تخلیق ہے جیسا کہ حضرت صادقؑ فرماتے ہیں: "کلما میزتموہ باوھامکم بادق معانیۃ فھو مخلوق مثلکم مردود الیکم" اس لئے تمہیں وجہ اللہ کا ارادہ کرنا چاہیئے اور وہ امیر المومنینؑ ہیں۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ خدا انسان کے دماغ میں نہیں آ سکتا بلکہ ہم ذات خدا کو اس کی صفات سے پہچانتے ہیں اور ایاک نعبد کہتے ہوئے ہمیں اسی خدائے جامع صفات کا قصد کرنا چاہیئے اور بلاشک بس اتنا ہی قصد کافی ہے اس کے علاوہ یہ ہے کہ خدا ہی ذہن انسانی سے بالاتر نہیں ہے امیر المومنینؑ کا تصور بھی ہمارے لئے مجہول الکنہ ہی ہے تو اگر امیر المومنینؑ کو بھی ذہن میں لانا چاہیں گے تو وہ بھی ایک ذہنی تخلیق ہوگی اور وہی مسئلہ یہاں پیدا ہو جائے گا ایضاً جیسے خدا ہمارے لئے مجہول الکنہ ہے ایسے ہی امیر المومنین

کے لئے بھی ہے تو بھلا امیر المومنینؑ جب نماز میں ایاک نعبد کہتے تھے تو وہ کس کا قصد کرتے تھے؟ مختصر یہ کہ یہ بات مذہب شیعہ سے خارج ہے اور یہ سلسلہ قائم رہے گا اور عقل کے بالکل خلاف ہے اور یہ صوفیوں کے ایک گروہ کا طریقۂ کار ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سالک کو چاہئے کہ عبادات کے وقت اپنے مرشد کو ذہن میں رکھے۔

آخری ایام میں جب میں کربلا میں تھا تو جو واقعات پیش آئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ ہندوستان کے کچھ لوگوں نے سید استاد آقا سید ابراہیم کو ایک خط لکھا کہ کیا شیخ اور شیخ کے ماننے والے کافر ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کیوں اور ان کے عقائد کیا ہیں اور ان کے معاملہ میں ہماری ذمہ داری کیا ہے آیا ہم ان کے ساتھ معاشرت رکھیں اور ان کی باتوں کو اسلام میں جاری کریں یا نہیں؟ اور ایک اور خط حاجی سید کاظم کو بھیجا کہ آپ کا مذہب کیا ہے اور آپ پر کفر کا فتویٰ کیوں صادر ہوا؟ تکفیر کرنے والے کیا کہتے ہیں اور ان کے اعتراضات کے مقابلہ میں آپکا جواب کیا ہے اور اس ضمن میں ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ پہلا خط استاد کو دیا گیا وہ بزرگوار بہت احتیاط سے کام لیتے تھے اور کبھی کسی نے ان کی زبان سے کسی کی مذمت یا تکفیر کے بارے میں کسی مجلس یا مجمع عام میں نہیں سنا تھا۔ جب یہ خط آپ کی نظر مبارک سے گزرا تو اس کے اوپر یہ لکھ دیا: **قال اللہ تعالیٰ من جاھد فینا لنھدینّھم سبلنا وقال امیر المومنین لکمیل ابن زیاد اخوک دینک فاحفظ لدینک وقال الصادقؑ لزرارۃ خذ مااشتھربین اصحابک حررہ ابراھیم الموسوی** (۱). پھر ان سوالات و جوابات کو سید کاظم کے خط کے ساتھ سید کاظم کو پہنچایا سید نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ دلیل المتحیرین کے نام سے لکھا اور شیخ محمد حسین صاحب 'فصول' کو اس قوم کا ثانی اور سید استاد کو ثالث قوم نام رکھا جیسا کہ خطبۂ شقشقیہ میں کہا گیا ہے اس کے بعد دعائے صنمی قریش (۲) کی طرح چند فقرے اس گروہ سے نسبت دیکر لکھے جیسے یہ عبارت **فرب عقود افسدوھا ورب فروج ضیعوھا ورب احکام ابطلوھا** (۳) وغیرہ اور سید کے جواب پر بھی کچھ اعتراضات کیے مثلاً یہ کہ تم خود کو نائب امام سمجھتے ہوں اور خود تم راستوں کی نشاندہی کرنے والے ہو تو لوگوں کو صرف اجمالی طور پر آیت کا حوالہ دے دینا سوال و جواب کے قانون سے الگ بات ہے اور اس بات کا جواب یہ ہے کہ کفر و ایمان اجتہادی امور میں سے ہے تو ہر کسی کو اس بارے میں اجتہاد کرنا چاہئے اور اس میں تقلید کافی نہیں ہے سوائے ظاہر راستوں کے جو ہدایت کے راستے ہیں اور بے شک راہ ہدایت فطری ہوتی ہے اور مذہب اسلام کی حقیقت بھی یہی ہے اور اس پر دلیل **فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا** (سورہ روم آیت ۳۰) (۴) ہے اور باطنی طور پر سبل سے مراد "معرفت" ہے۔ مختصر یہ کہ سید کاظم نے اس رسالہ میں اپنا اور شیخ احمد کا مذہب بیان کیا ہے اور بہت کچھ باتیں کہی ہیں اور شیخ کی بے انتہا تعریف کی ہے اور شیخ کی ساری تالیفات کا ذکر کیا ہے انتہا یہ ہے کہ ہر قصیدہ کو ایک تالیف شمار کیا ہے اور ہر خطبہ کو ایک علیحدہ کتاب سمجھا ہے اور اور فقہا رضوان اللہ علیہم کی بڑی مذمت کی ہے (کہ انہوں نے شیخ کی تکفیر کی۔ مترجم) جب اس کتاب کو سید استاد کے پاس لے گئے تو آنجناب نے پوچھا کہ اس کتاب کا نام کیا ہے عرض کیا کہ اس کا نام دلیل المتحیرین ہے تو ان بزرگوار نے تبسم فرمایا اور کہنے لگے: مناسب تو یہ تھا کہ اس کا نام 'شتمیہ' رکھا جاتا اس لئے کہ اس میں جو کچھ ہے وہ علمائے اعلام پر سب و شتم ہی ہے۔

اس کے بعد شیخ مہدی کجوری نے جو استاد کے بہترین شاگردوں میں سے تھے اور اب وہ شیراز کی یونیورسٹی میں لوگوں کا مرجع و ملجأ ہیں حاجی سید کاظم کی کتاب کی شرح لکھنی شروع کی اور اس کے مطالب کو رد کرنے لگے۔ سید استاد نے کسی کو شیخ مہدی کے پاس بھیجا اور شرح لکھنے سے روکا اور کہا کہ میں اس بات پر راضی نہیں ہوں کہ تم اس کی شرح لکھو۔ شیخ مہدی نے اپنے استاد کو جواب بھجوایا کہ اس سلسلہ میں آپ کی رضامندی ضروری نہیں ہے کیونکہ میں نے

(۱) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جو ہماری راہ میں کوشش کرتا ہے ہم اس کو راستہ کی ہدایت کر دیتے ہیں"۔ امیر المومنینؑ نے کمیل ابن زیاد سے فرمایا: دین تیرا بھائی ہے اسکی حفاظت کر۔ حضرت صادق نے زرارہ سے فرمایا: تیرے دوستوں میں جو زیادہ اچھا ہے اسے اختیار کر۔

(۲) امیر المومنینؑ کی ایک مشہور دعا وظائف الابرار میں درج ہے۔

(۳) پروردگار ان کے معاہدوں کو توڑ دے، فروج کو ضائع کر دے، ان کے احکام باطل قرار دیدے۔

(۴) ترجمہ: یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ (مترجم)

مبدع (۱) کو دیکھا کہ دین میں اس نے بکواس، احمقانہ اور فاسد باتیں جن سے عوام گمراہ ہو سکتے ہیں لکھ ڈالی ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ اس کی پیدا کی ہوئی بدعت کا خاتمہ کردوں، اسکی اختراعات کو فاسد کروں اور عوام کو اس کے مکروفریب سے نجات دلاؤں۔ اسی دوران بغداد کے بادشاہ نے کربلا کا محاصرہ کرلیا، اسے فتح کرکے اس ارضِ مقدس میں قتل عام کیا اور اہل عجم اغیار کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہوکر رہ گئے اور اس جھگڑے کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

حاصل کلام ہم شہید ثالث حاجی ملاّ محمد تقی برغانی قزوینی کے احوال بیان کررہے تھے۔ ان کی کرامات میں سے ایک ان کی شہادت ہے کہ جس میں انہوں نے امیر المومنینؑ کی مکمل پیروی فرمائی اور مسجد میں درمیان محراب دو سجدوں کے درمیان ان کا خون بہایا گیا۔ یہ ان کی زندگی کا آخری سال تھا جب انہوں نے مذہب باب کے پھیلنے کی وجہ سے غالباً برسرِ منبر لوگوں سے خطاب کیا اور لوگوں کو باب کی فتنہ انگیزی سے خبردار کرکے اس گروہ کو کافر قرار دیا۔ ایک شخص میرزا جواد جو عربی نسل تھا مگر قزوین میں اقامت گزین تھا وہ کہتا ہے کہ ان کی شہادت سے چند روز پہلے میں ان جناب کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میں آپ سے التماسِ دعا کرتا ہوں تو میں نے عرض کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت کی نعمات سے سرفراز فرمایا ہے، عزت، ثروت، اولاد، علم، شریعت کی اشاعت اور علمی تالیفات اب کونسی آرزو آپ کو رہ گئی ہے؟ کہا: تمنائے شہادت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا تو ہر قدم شہادت ہے بلکہ اس سے بھی عظیم تر سرمایہ آپ کو حاصل ہے کیونکہ یہ حدیثِ معتبر ہے کہ علماء کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے۔ آنجناب نے فرمایا بے شک یہ ٹھیک ہے لیکن میں تو اس شہادت کا متمنی ہوں جس میں میں اپنے خون میں آغشتہ ہوجاؤں اور اسی رات آپ نے جام شہادت نوش کیا۔ جب آدھی رات ہوگئی تو مسجد جانا چاہا جب کہ ہمیشہ وہاں عبادتوں میں مشغول رہا کرتے تھے تو زوجہ نے کہا کہ آج رات مسجد نہ جاؤ۔ تو کہا: کیا تم لوگ ڈرتے ہو کہ مجھے قتل کردیں گے؟ میں تو اپنی شہادت کا طالب ہوں لیکن یہ سعادت بڑی دُور ہے کہ شاید ہی مجھے نصیب ہو۔ پس سن ۱۲۶۴ کی آدھی رات میں گھر سے نکل کر اپنی مسجد میں پہنچے اور محراب عبادت میں کھڑے ہوگئے اور بارگاہ ایزدی میں تضرع، زاری وبیقراری واضطراب کے ساتھ گریہ شروع کیا اور جب صبح کا وقت قریب آیا گویا صبح کاذب کا وقت تھا اور ایک ضعیفہ جو روزانہ چراغ روشن کرنے آتی تھی چراغ جلا رہی تھی۔ شہید ثالث اس وقت سجدے میں سر رکھے ہوئے مناجات خمسہ عشر کو خضوع خشوع کے ساتھ پڑھ رہے تھے اور بارگاہ خداوندی میں گریہ کررہے تھے کہ باغی، گمراہ بابی فرقہ کے چند افراد مسجد میں داخل ہوئے اور نیزہ گردن مبارک پر مارا۔ آنجناب نے کچھ نہ کہا تو دوسرا زخم لگایا تو آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور فرمایا کہ مجھے کیوں مار رہے ہو اس پر آپ کے دہن مبارک پر نیزہ مارا کہ جس سے منہ پھٹ گیا کل آٹھ زخم آپ کو لگائے۔ اچانک وہ ضعیفہ چیخ وپکار کرنے لگی تو قاتل بھاگ نکلے۔ وہ محراب سے اٹھے کہ مسجد سے نکل جائیں تاکہ خون مسجد میں نہ گرنے پائے اور محراب دروازہ سے قریب ہی تھا۔ ابھی مسجد کے دروازے کے قریب ہی پہنچے تھے کہ ضعف غالب آیا اور زخموں اور بڑھاپے کی شدت اور راتوں کی عبادت کی کمزوری کی وجہ سے دروازے کے قریب ہی غش کھاکر گر پڑے اور اپنے خون میں غلطاں ہوگئے۔

بیوی بچوں کو پتا چلا تو آئے اور جسم اطہر کو اٹھا کر شراب خانہ (۲) لے گئے وہاں دو روز تک زندہ رہے اور صحیح طرح سے بول نہیں سکتے تھے کیونکہ زبان کٹ گئی تھی۔ پیاس بہت لگ رہی تھی لیکن پانی نہ پی سکتے تھے کیونکہ زخم زبان میں سخت سوزش ہوتی تھی اور پانی پینے سے تکلیف ہوتی تھی اور اس حالت میں بار بار سید الشہداء علیہ السلام کی پیاس کو یاد کرتے تھے، آنکھوں سے آنسو بہاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یا ابوعبداللہ میری جان آپ پر نثار آپ کی پیاس کا کیا حال تھا۔ غرض دو دن بعد آپ کی روح مبارک جنت میں جوانان اہل بہشتؑ کی خدمت میں پہنچ گئی۔ لوگ چاہتے تھے کہ آپ کے جسدِ مبارک ارض مقدس میں منتقل کردیں لیکن اہل قزوین راضی نہ ہوئے اور ایک مجمع اکٹھا ہوگیا چنانچہ آپ کو قزوین میں شاہزادہ حسین کے جوار میں ایک علیحدہ مقبرہ جو میرزا ابوالقاسم شیرازی نے اپنے لئے تعمیر کیا تھا اس میں سپرد خاک کردیا اور پھر چند ماہ یا چند سال بعد تعمیر قبر کے لئے قبر کو کھولا گیا تو بدن اطہر اسی طرح تروتازہ تھا جیسا کہ ایام زندگی میں تھا آپ کا مزار مبارک شہرت رکھتا ہے ان کو یہ سعادت مبارک ہو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف اور دیگر احباب وہم عصر دوستوں کو درجۂ شہادت پر فائز فرمائے گا۔

(۱) مبدع: بدعتی (۲) شراب خانہ: ایک جگہ کا نام ہے۔ (مترجم)

چونکہ اس وقت ہمارا موضوع پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "باب" اور اس کے مذہب کے زمانۂ ظہور سے مختصر معرفت حاصل ہو جائے اور اسکے لئے اللہ سے توفیق طلب کرتے ہیں۔ شیخ کے تابعین ان کے بعد کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے ایک فرقہ شیخی کو بخوبی جانتا ہے اور دوسرا فرقہ وہ ہے جو عقائد میں ان کی پیروی کرتا ہے اور فقہا کو پسند نہیں کرتا اور ان کو عقلاً کمزور سمجھتا ہے۔ جس زمانے میں میں حاجی سید کاظم کے درس میں شرکت کرتا تھا اور ان کے مذہب کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ لوگ علماء کی بڑی مذمت کرتے تھے اور سخت الفاظ بلکہ پناہ بخدا فقہا کو برا بھلا کہتے تھے اور شروع شروع میں غلو آمیز کلمات امیرالمومنین علیہ السلام کے مرقد مطہر پر لکھے۔ صفوان جمال کی زیارت ایک تختی پر لکھ کر لٹکائی تھی اور اس میں ایک یہ فقرہ بھی شامل تھا السلام علیک یامُنزِل المن و السلوی'(اے من وسلویٰ کے نازل کرنے والے آپ پر سلام) کیونکہ مذہب شیخیہ ائمہ وعلل اربعہ قرار دینے کی بنیاد پر پیدا ہوا۔ مرحوم شیخ محمد حسن نجفی صاحب' جواھر الکلام' نے حکم دیا کہ اس فقرہ 'انزال من وسلویٰ' کو مٹا دیا جائے تاکہ عوام شبہ میں نہ پڑیں اور شیخ کے مذہب کی طرف مائل نہ ہوں کیونکہ عوام ائمہ کا علت غائی ہونا نہ سمجھ سکیں گے، اس فقرہ کو علت غائی کی بناء پر نہ سمجھیں گے اور یہ فقرہ ان کے لئے گمراہی وضلالت کا سبب بن جائے گا۔ بعد میں جب مذہب شیخیہ نے رواج پالیا اور ہر ایک نے چاہے وہ گمراہ ہو یا نہ ہو خوب تحقیق کرلی تو پھر شیخ محمد حسن نے حکم دیا اور وہ فقرہ منزل المن والسلوی دوبارہ اپنے مقام پر لکھ دیا گیا اور سید کاظم نے جبکہ میں ان کے درس میں موجود تھا یہ کہا کہ یہ احمق پاگل ہو گیا ہے کہ اپنے مولا کی فضیلت کا فقرہ ''من وسلویٰ کے نازل کرنے والے'' جو حدیث صحیح میں موجود ہے سے متواتر ہے وہ یقیناً پاگل ہے شیعہ نہیں ہے۔

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ میرزا محمد حسین ساروی رحمتہ اللہ جو استاد کے بہترین شاگردوں میں سے تھے اور انہوں نے شیخ محمد حسن سے بھی تعلیم پائی تھی ایک مدت تک انہوں نے دریائی سفر کیا کیونکہ نجف کی زیارت کا ارادہ تھا۔ مسجد کوفہ کے حدود کے قریب کشتی سے اترے دیکھا کہ حاجی سید کاظم اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرزا ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ جب تعارف ہو چکا تو میرزا نے پوچھا: آج کل آپ کے مشاغل کیا ہیں۔ کہا: ایک مسئلہ پوچھا گیا ہے اس کا جواب لکھ رہا ہوں میرزا نے پوچھا: سوال کیا ہے؟ کہا: تفسیر وغیرہ کے متعلق ہے۔ کہا: تفسیر میں کس آیت سے متعلق ہے؟ اور تم نے کیا جواب لکھا۔ کہا: تفسیر میں اس آیت سے متعلق ہے 'ان السمع و البصر و الفؤاد کل اولئک کان عنه مسئولا'' اور میں نے لکھا ہے کہ اس آیت کی تاویل خلفائے ثلثہ ہیں کیونکہ اول جو تھے جو حکم دیتے تھے تو یہ کہہ دیتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کو سنا کہ آپ نے یہ فرمایا تو سمع سے میں نے ان کو مراد لیا ہے۔ اور ثانی صاحب جو حکم دیتے تھے کہتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ نے فلاں کام کیا تو ان کو بصر سے تعبیر کیا ہے اور حضرت ثالث جو حکم کرتے تھے کہتے تھے میں یہ کہتا ہوں یا میرے نزدیک یہ یوں ہے پس اس کو دل سے تعبیر کیا ہے۔ میرزا نے کہا یہ تفسیر تو آپ کی ہے کہ ہر آیت کی ایسی تاویلات کے ساتھ گمان کی بناء پر توجیہ کی جاسکتی ہے۔ لیکن تاویل کے لئے صحیح نص ہونا ضروری ہے۔ سید نے کہا کہ اگر اس آیت کے بارے میں تمہارے مشائخ سے سوال کیا جائے تو ان کا جواب کیا ہوگا؟ میرزا نے کہا کہ میں تم سے مکالمہ کر رہا ہوں اس میں ہمارے مشائخ کا کیا دخل ہمارے مشائخ ایسے میدان میں جولانی کرتے ہیں کہ جہاں اونٹ اپنی ناف زمین پر رکھ دیتے ہیں۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ حدیث تاویل کی رو سے ہی بیان ہوئی ہے اور شیخ کے ماننے والوں میں سے ایک اور فرقہ بابیہ کے نام سے مشہور ہے اور ان کا پیشوا میر علی محمد شیرازی ہے اور بابیت کا دعویٰ کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کا نائب خاص ہوں اور حاجی سید کاظم سے علم حاصل کرتا تھا اور جس زمانے میں عتبات عالیات کی زیارت کو گیا ہوا تھا تو میں بھی سید کاظم کے چند درس میں حاضر ہوا تھا اور میر علی محمد بھی درس میں شریک ہوتا تھا اور قلم دوات ساتھ لاتا تھا۔ جو کچھ بھی سید کاظم کہتے وہ سب غلط سلط اسی وقت لکھ لیتا تھا۔ وہ داڑھی کو تراشتا تھا اور قینچی سے جڑ تک کاٹ دیتا تھا۔ میرا اس سے اس وقت تعارف ہوا کہ ایک دن ہم بالائے سر حسینؑ ایک صالح اور مقدس شخص کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ سید داخل ہوا اور حرم کے صدر دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور زیارت کر کے وہیں سے لوٹ گیا۔ میں نے اس مقدس شخص سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا؟ انہوں نے جواب دیا: یہ شخص میر علی محمد شیرازی ہے اور سید کاظم کے شاگردوں میں سے ہے۔ میں نے کہا: اس نے یہ کس طرح کی زیارت کی؟ انہوں نے کہا: اس لئے کہ وہ اس کو بڑی احترام کی بات سمجھتا ہے۔

میں نے کہا: یہ بالکل غلط ہے (کہ وہ ایسا سمجھتا ہے) کیونکہ زیارت بھی عبادات میں سے ہے اور جیسے ہمارے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اماموں نے تعلیم دی ہے ہمیں اسی طرح زیارت کرنی چاہیئے اور ان ائمہ کا ارشاد ہے کہ قبر مطہر کے پہلو میں جائیں اور قبر اطہر کو اپنی بغل میں رکھیں اور احترام کے خیال سے دور کھڑے رہنا تو بالکل ایسا ہے کہ جیسے ہم نماز نافلہ اس لئے نہ پڑھیں کہ ہم اس کے اہل نہیں ہیں کہ خدا کی بارگاہ میں کھڑے رہ سکیں۔ غرض یہ کہ میر علی محمد وہاں ہوتا تھا اور حاجی سیّد کاظم سے درس لیتا تھا اور ایک شخص نے ذکر کیا کہ کاظمین کے روضے میں ایک مرتاض شخص کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ میر علی حرم کے دروازے پر پہنچا تو اس شخص نے کہا: خدایا اس شخص کو غارت کر اور اس کو ہلاک کر دے۔ تو میں نے اس شخص سے کہا کہ تم کیوں اس پر لعنت بھیج رہے ہو؟ تو اس نے کہا: عنقریب اسکی وجہ سے باطل عقاید رونما ہونگے، مسلمانوں کی ہتک حرمت ہوگی، ان کی آبرو لوٹی جائے گی اور خون بہایا جائے گا۔ الحاصل میر علی محمد جب شیراز آیا تو اس نے بندرگاہ میں تسخیر شمس کے لئے ایک عمارت بنائی اور کھلے سر زیر آفتاب کھڑے ہو کر عزیمت پڑھا کرتا تھا یہاں تک کہ دھوپ کی شدت کی وجہ سے دماغ میں رطوبت کم ہوگئی اور وہ خبطی ہوگیا تو بابیت کا دعویٰ کرنے لگا۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ میں اس کے ساتھ تھا اور اس پر وثوق رکھتا تھا۔ طہران و اصفہان کے درمیان ہم ایک کاروان سرا میں پہنچے جو حمام سے کافی فاصلہ پر تھی۔ مجھ سے کہنے لگا کہ حمام چلے چلتے ہیں۔ میں نے کہا شاید بارش ہو جائے اچھا ہے ہم سب ایک ایک عبا لے لیں۔ باب نے آسمان پر نظر ڈالی اور کہنے لگا آج بارش نہیں ہوگی اس لئے ہم عبا نہیں لیں گے۔ پھر بھی میں نے احتیاطاً ایک عبا اپنے کندھے پر ڈال لی۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ چلے تھے کہ جھکڑ چلنے لگے اور تیز بارش شروع ہوگئی اور میں نے اپنی عبا باب کو دیدی۔

قصہ مختصر باب نے قران میں تبدیلی کی اور آیتوں کو تتر بتر کر دیا جہاں خود کسی عبارت میں اضافہ کیا تو نہ ان میں فصاحت ہوتی نہ سلاست و روانی بلکہ بالکل مہمل معلوم ہوتی جیسے اس نے کہا: الف لام کا ف نون اناجعلنا الباب للباب علی الباب دلیلاً اسی طرح اس نے مزخرفات جمع کیں اور اس کا نام قران صاحب الامر رکھا اور جو کچھ اس نے کہا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قران مہدی صاحب الامر نے بھیجا ہے اور یہ اس قران کی ایک آیت ہے۔ اور یقیناً جبرئیلؑ یہ آیت لیکر نہیں آئے اور اس سے جو گڑبڑ پھیلے گی وہ واضح ہے۔ اور اس فقیر نے بھی بابیت کے غلو کے زمانے میں قزوین میں ان کے قران کے مقابلہ میں ایک قران بنایا اور اس میں سے ایک جملہ یہ ہے یایھا الشیخون ان اللہ قد ارسل رسولا ونصب رسوله وصیاً فجعلتم وصیه الهاً قدیراً الخ۔

اور یہ گروہ محرم لوگوں کو ایک دوسرے پر حلال قرار دیتا ہے۔ اور نبی اور ولی کو کلی سمجھتا ہے اور نصاریٰ کی طرح دو حلول کے اتحاد کے قائل ہیں اور ان کے سرگروہ کہتے ہیں کہ ہم وہی حسن و حسین ہیں یا اور باقی ائمہ ہیں اور ہم قتل ہونے کے بعد ایک ہفتہ یا اس سے کچھ زیادہ مدت میں پھر زندہ ہو جاتے ہیں اور دنیا میں آجاتے ہیں اور اس مذہب میں کوئی تازگی نہیں ہے بلکہ سیّد نعمت اللہ جزائری نے انوار نعمانیہ میں لکھا کہ شیراز میں ایک شخص بابیت اور نائب خاص امام ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور کئی اور لوگ تھے جس میں سے ایک کا نام محمد رکھا ہوا تھا اور وہ کہتا تھا کہ وہی پیغمبر (محمدؐ) ہوں اور ایک کا نام علی اور اسی طرح جب اور وں کے ساتھ اس کو گرفتار کیا گیا اور مارنے پیٹنے لگے تا کہ اس کو جان سے مار ڈالیں تو اسکی بہن چھت پر کھڑی تھی اور ہنس رہی تھی۔ اس سے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی کہ یہ لوگ میرے بھائی کو قتل کر رہے ہیں حالانکہ وہ چالیس دن بعد جوانی کی حالت میں پھر زندہ ہو جائے گا۔ حاجی محمد کریم خان نے اپنی کتاب میں لکھا کہ لوتی بھی کیا فن ہے اور اس نے لوطی کو دو نقطے والی ت سے لکھا اور مجھے لکھا کہ تو یہ حکم جاری کر کہ کرمان میں میرا نام منارۂ مسجد سے اذان میں لیا جائے "اشهدان میر علی محمد باب الله" مجملاً مذہب امامیہ کا یہ لازم عقیدہ ہے کہ صاحب الامرؑ سے پہلے ان کا نائب خاص نہیں آئے گا یعنی غیبت کبریٰ کے بعد جب تک خود ظہور نہ فرمالیں وہ اپنا نائب خاص نہیں بھیجیں گے۔ اور صدوقؒ نے رسالہ اعتقادات میں فرمایا ہے کہ یہ بات ضرورت دین امامیہ سے ہے اور اتحاد و حلول باطل ہے اور یہ باب بڑے فسادات اور گمراہیوں کا سبب بنا، زنجان، مازندران اور دیگر شہروں میں ہزار ہا افراد کا قتل کرایا اور حاجی محمد کریم خان کے لئے ایک آیت گھڑی "ان الکریم فی الکرمان کان کریما o" علمی مقامات میں بالکل کورا اور جاہل تھا۔ وہ گمراہی و ضلالت کا دروازہ تھا جس نے عوام کالانعام کے لئے شورش اور ہنگامے کھڑے کر دیئے۔ سنی جوانب سے محمد شاہ نے اس کو قلعۂ چہریق میں قید کیا اور اس کی جو تحریریں، رسالے اور خطبے

عوام کے ہاتھ لگے بعض ان کو قرآن مجید کے بعد آنے والے اور بعض قرآن حمید کا ناسخ سمجھتے تھے۔ اور اس کے معتقدوں میں سے اس کو نائب امام اور بعض اسے امام غائب اور بعض تو رسول خاتم ہی سمجھتے تھے لہٰذا حسب الحکم ولی عہد اس کو ایک خاص مجلس میں طلب کیا گیا ہے اور اس میں علماء اور فقہائے اسلام بھی حاضر تھے جو ملا محمد سے جو شیخ احمد احسائی کے مذہب پر تھا بات چیت اور ملاقات کے لئے آئے تھے اور حاجی مرتضیٰ قلی مرندی ملقب بہ علم الہدیٰ اور حاجی میرزا علی اصغر شیخ الاسلام اور حاجی ملا محمود نظام العلماء سب سید کے ساتھ کمال احترام سے پیش آئے اور شاہزادہ اعظم کے دربار میں اس کو علماء نے اپنے سے بالاتر مقام پر بٹھایا اور ولی عہد خود بھی اس پر بہت مہربان تھے۔ تھوڑی دیر بعد حاجی ملا محمود نے باب سے سوال کیا: بادشاہ کا حکم یہ ہے کہ تم اپنا دعویٰ علمائے اسلام کے سامنے بیان کرو تا کہ اس کا سچ یا جھوٹ ہونا ثابت ہو جائے اگرچہ میں تو اہل علم نہیں ہوں۔ میں ایک ملازم ہوں میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ میری تصدیق سوائے حق ثابت کرنے کے اور کچھ نہ ہوگی۔ اور مجھے تم سے تین سوالات کرنے ہیں۔

اول یہ کہ وہ کتاب جو قرآن، صحیفہ و مناجات کے سیاق پر اطراف و اکناف عالم میں پھیلی ہوئی ہے کیا وہ تمہاری کتاب ہے تم نے اسے تالیف کیا ہے یا تمہارے نام سے منسوب کردی گئی ہے؟ سید باب نے جواب میں کہا کہ وہ خدا کی کتاب ہے۔ حاجی ملا محمود نے کہا میں تو کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوں اگر وہ تمہاری کتاب ہے تو بتاؤ ورنہ چھوڑو۔

سید باب نے کہا: میری ہی ہے۔ نظام العلماء نے کہا کہ تمہارے اس جملے کے معنی کہ خدا کی طرف سے ہے یہ ہے کہ تمہاری زبان سے اس طرح جیسے شجرۂ طور سے۔ بیت

روا باشد انا الحق از درختی	چرا نبود روا از نیکبختی
[درخت سے انا الحق کی آواز نکلے تو جائز ہے	پھر کسی نیک بخت (انسان کے منہ) سے کیوں جائز نہیں]
این همه آواز هاز شه بود	گرچه از حلقوم عبداللہ بود
(یہ تمام آوازیں شاہ کی تھیں	اگرچہ بندۂ خدا کے منہ سے نکل رہی تھیں)

سید باب نے کہا: تم پر رحمت ہو۔ نظام العلماء نے کہا کہ تمہیں باب کہتے ہیں تمہارا یہ نام کس نے رکھا اور کہاں رکھا۔ باب کے معنی کیا ہیں کیا تم اپنے نام سے خوش ہو یا نہیں۔

باب نے کہا: یہ نام خدا نے رکھا ہے۔

نظام العلماء نے کہا: کہاں رکھا خانہ کعبہ میں، بیت المقدس میں یا بیت المعمور میں۔

سید نے کہا: ہر جگہ ہے یہ اسم خدا ہے۔

نظام الملک نے کہا: پھر تو بے شک تم اسمِ خدا سے راضی بھی ہو گے لیکن اس باب کے معنی کیا ہیں۔

باب نے کہا: انا مدینة العلم و علی بابها.

نظام العلماء نے کہا: تو آپ باب مدینۂ علم ہیں؟

کہنے لگا: ہاں۔

نظام العلماء نے کہا: الحمد للہ میں چالیس سال سے کوشش کر رہا ہوں کہ کسی ایک دروازے تک تو پہنچ جاؤں لیکن نہ پہنچ سکا۔ الحمد للہ اب در ولایت خود ہی میرے سرہانے آ پہنچا اگر ایسا ہوا ہے تو مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ آیا تم مجھے یہ منصب دیدو گے کہ میں تمہارا کفش بردار بن جاؤں۔

سید باب نے کہا: آپ تو حاجی ملا محمود نظام العلماء ہیں۔

کہا: ہاں۔

(نہ کہ منصب کفش برادری)۔
سید باب نے کہا: آپ کی شان اس سے کہیں بالاتر ہے آپ کو کوئی بڑا منصب ملنا چاہیئے
انہوں نے کہا: میں تو یہی منصب چاہتا ہوں اور میرے لئے یہی کافی ہے۔
شاہزادہ ولی عہد نے کہا: ہم بھی اس مسند کو چونکہ تم باب ہو تمہارے لئے چھوڑ دیں گے اور تمہیں تسلیم کرلیں گے۔
نظام العلماء نے کہا: کہ پیغمبر کا یا کسی حکیم کا قول ہے کہ علم دو ہی ہوتے ہیں۔ علم بدنی یا علم دینی میں پہلے علم بدن کو ترجیح دیتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ معدہ کی کونسی تکلیف ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کو بدہضمی ہوجاتی ہے، بعض کی علاج سے دور ہوجاتی ہے، بعض کا ہاضمہ خراب ہوجاتا ہے اور الٹیاں ہوجاتی ہیں اور بعض دفعہ مراق (ایک بیماری کا نام) پیدا ہوجاتا ہے۔
باب نے کہا: میں نے علم طب نہیں پڑھا ہے۔ ولی عہد نے کہا: تم باب علوم ہو اور پھر یہ کہتے ہو کہ میں نے علم طب نہیں پڑھا ہے یہ دونوں متضاد باتیں ہیں۔
نظام العلماء نے عرض کیا: یہ کوئی بری بات نہیں ہے کیونکہ یہ علم بیطرہ (۱) ہے یہ علوم میں داخل نہیں ہے لہٰذا بابیت سے کوئی منافات نہیں رکھتا۔
پھر باب کی طرف رخ کر کے کہا: علم ادیان تو علم اصول ہے اور فروع اور اصول میں مبداء و معاد ہوتا ہے تو تم یہ بتاؤ کہ سمع و بصر اور علم قدرت عین ذات ہیں یا غیر ذات۔
باب نے کہا: عین ذات ہیں۔
نظام العلماء نے کہا: پھر تو خدا کئی ہوگئے اور مرکب ذات یا علم دو چیزیں ہوئیں جیسے سرکہ، یا ایک دوسرے سے ملکر ہیں جیسے کم نگاہی اور آنکھ۔ تو خدا مرکب ہے ذات و علم کا یا ذات و قدرت کا اور ایسی ہی اور چیزوں کا۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی ضد نہیں ہے۔ علم عین ذات ہے اس بات کی ضد یہ ہے کہ اس میں جہل ہو۔ ان دو خرابیوں کے علاوہ (ایک اور بات ہے) خدا عالم ہے۔ پیغمبرؐ عالم ہیں اور میں بھی عالم ہوں۔ ہم سب علم میں مشترک ہوگئے۔ ہم مابہ الامتیاز رکھتے ہیں۔ خدا کا علم خود اسی سے ہے اور ہمارا علم اسی سے ہے تو خدا دو چیزوں سے مرکب ہوگیا ایک جو سب میں مشترک ہے اور ایک جس میں دوسروں سے اسے امتیاز حاصل ہے جبکہ خدا مرکب نہیں ہے۔
سید باب نے کہا: کہ میں نے حکمت نہیں پڑھی ہے۔ شاہزادے نے یہ سن کر تبسم کیا۔
نظام العلماء نے باب سے کہا: کہ علم فروع کتاب و سنت سے حاصل کیا جاتا ہے اور کتاب و سنت کا سمجھنا بہت سارے علوم پر موقوف ہے جیسے صَرف و نحو و معانی بیان و منطق۔ تم تو بھلا باب ہو "قال" کی ذرا گردان کردو۔
باب نے کہا: کونسا قال۔
نظام العلماء نے جواب دیا: قال یقول قولا پھر خود مکتب کے نو آموز بچوں کی طرح گردان کی قال، قالوا، قالت، قالتا، قلن پھر باب کی طرف رخ کر کے کہا کہ باقی کی گردان تم کرو۔
کہنے لگا: بچپنے میں یہ پڑھا تھا اب تو بھول چکا ہوں۔
پھر کہا: قال کو اعلال (۲) کرو۔
باب نے کہا: یہ بھی یاد نہیں۔
نظام العلماء نے کہا: ھو الذی یریکم البرق خوفاً و طمعاً کی ترکیب کرو اور بتاؤ کہ خوفاً و طمعاً بحسبِ ترکیب کیا چیز ہے۔
باب نے کہا: کچھ ذہن میں نہیں آتا۔

(۱) چوپایوں کے امراض کا علم۔ (۲) علت والے فعل کے تغیر کا بیان (فیروز اللغات) مترجم)۔

نظام العلماء نے اس حدیث کے اس سے معنی پوچھے "لعن اللہ العیون فانها ظلمت العین الواحدہ"

سید نے کہا: میں نہیں جانتا۔

پھر کہا: خلیفہ مامون نے حضرت علی رضا علیہ السلام سے پوچھا ما الدلیل علی خلافة جدک علی ابن ابی طالبؑ قال الرضا علیہ السلام آیة انفسنا قال لولا نساءنا قال لولا ابناءنا۔ تمہارے دادا علی ابن ابی طالب کی خلافت پر کیا دلیل ہے۔ امام رضا نے فرمایا: آیت انفسنا۔ کہا: اگر عورتیں نہ ہوتیں۔ کہا: اگر لڑکے نہ ہوتے! اس میں امام رضا کی وجہ استدلال کیا ہے اور مامون نے کس وجہ سے اسے رد کیا اور حضرت علی رضا علیہ السلام نے اس کی بات کو کس طرح رد کیا۔

سید اس پر مبہوت رہ گیا پھر پوچھا: یہ حدیث ہے؟

نظام العلماء نے کہا: بے شک اور دو گواہ بھی پیش کیے اور کہا اگر زیادہ مضبوط کرنا ہو تو احتیاطاً قسم بھی کھالیتا۔

نظام العلماء نے کہا: انا اعطیناک الکوثر کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت رسول خدا کہیں سے گزر رہے تھے کہ عاص نے کہا کہ یہ شخص ابتر ہے عنقریب یہ مر جائے گا اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ حضرت رسول خدا غمگین ہوئے تو آپ کی تسلی کے لئے یہ سورۃ نازل ہوا اب تم بتاؤ کہ یہ کس قسم کی تسلی تھی۔

سید نے کہا: کیا واقعی اس سورہ کی شان نزولی یہی ہے۔

نظام العلماء نے کہا: یقیناً یہی ہے اور گواہ بھی پیش کیے۔ سید نے اس پر مہلت طلب کی۔

نظام العلماء نے اس بات کو نظر انداز کیا اور ایک اور داؤ کیا اور کہا: ایام شباب میں تقاضائے عمر کی بناء پر ہم مطالبہ کرتے تھے اور میں علامہ کی عبارت پڑھتا رہتا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے معنی بتاؤ کہ اذا دخل الرجل علی الخنثیٰ والخنثیٰ علی الانثیٰ وجب الغسل علی الخنثیٰ دون الرجل والانثیٰ اور یہ بھی بتاؤ کہ یہ کس طرح ممکن ہے۔

سید نے تھوڑا سوچا اور پھر کہا: کیا یہ علامہ کی عبارت ہے؟ تمام حاضرین نے کہا: بے شک۔

نظام العلماء نے کہا: چلو علامہ کی نہ سہی میری عبارت ہے تم اس کے معنی بیان کرو آخر تم باب علم ہو۔

باب نے کہا: مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

نظام العلماء نے کہا کہ ہمارے پیغمبرؐ کے معجزات میں سے ایک معجزہ قرآن ہے اور اس کا اعجاز فصاحت و بلاغت ہے۔ فصاحت و بلاغت کی تعریف کیا ہے اور ان میں آپس میں کیا نسبت ہے۔ اختلاف کی یا اتفاق کی، عموم کی یا خصوص کی، مطلق ہے یا کسی وجہ سے مربوط ہے۔

سید نے بہت غور کیا اور پھر کہا: مجھے نہیں معلوم۔ حاضرین کو بڑا غصہ آیا۔

نظام العلماء نے کہا: اچھا اگر نماز کی رکعتوں میں دو یا تین کے درمیان شک ہو جائے تو کیا کرو گے۔

کہا: میں دو کو بنیاد بناؤں گا۔

ملا محمد مامقانی نے کہا: یہ بے دین تو شکیات نماز کے بارے میں بھی نہیں جانتا اور دعوائے بابیت کر رہا ہے۔

باب کہنے لگا: میں تین کو بنیاد قرار دونگا۔

ملا محمد نے کہا: ہاں جب دو نہیں ہونگے تو تین ہی کہنا ہوگا۔

نظام العلماء نے کہا: تین بھی غلط ہے۔ تم نے یہ نہ پوچھا کہ کیوں۔ میں نے نماز صبح یا مغرب میں شک کیا آیا رکوع کے بعد کیا یا رکوع سے پہلے یا دونوں سجدوں کے بعد۔

ملا محمد مامقانی نے کہا: تم شکر کرو کہ اگر وہ یہ کہتا کہ دو کو بنیاد بناتا ہوں کیونکہ شغل ذمہ یقینی براءت ذمہ یقینی ہوتا ہے تو آپ کیا کر لیتے۔

پھر ملا محمد نے کہا: کہ تم نے لکھا۔ اوّل میں ہوں۔ مجھ پر ایمان لاؤ پھر محمدؐ و علیؑ پر۔ کیا یہ تمہاری ہی عبارت ہے یا نہیں۔

کہا: ہاں میری ہی ہے۔

ملا محمد نے کہا: تو پھر تو متبوع اور وہ دونوں تابع ہو جائیں گے اور تو ان سے افضل قرار پائے گا۔

پھر حاجی مرتضیٰ علی قلی نے باب سے پوچھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ وللرسول'' اور تم نے اپنے قران میں (پانچویں کے بجائے) تیسرا لکھا ہے وہ کیوں اور کس لئے؟

سیّد باب نے جواب دیا: کہ ثلث (تہائی) نصف خمس ہے اس میں کیا فرق ہوا۔ مجلس میں موجود سارے علماء اس پر ہنس پڑے۔

پھر ملا مرتضیٰ قلی نے پوچھا: کہ کسور تسعہ (نو کی کسریں) کتنی ہیں۔ سید حیران رہ گیا۔

نظام العلماء نے قائدۂ نظام کی رو سے چھلانگ مارنے کو جائز سمجھتے ہوئے (یعنی بات کا رخ بدلتے ہوئے) ایک مثنوی کا ایک شعر پڑھا اور خوش ذوقی کا مظاہرہ کیا اور کہا: میں ان الفاظ واضمار (ضمیروں) اور مجاز کے ساتھ سوز بنانا چاہتا ہوں تو وہ سوز بنادے۔ میں الفاظ کو موزوں نہیں کر سکتا تو اپنے دعویٰ کے مطابق مجھے یہ کرامت عطا فرماتا کہ میں تیرا مرید بن جاؤں اور میرا مریدی کے بعد بہت سے لوگ تیرے مرید بن جائیں گے کیونکہ علم میں میری شہرت ہے اور عالم کبھی جاہل کا اتباع نہیں کرتا۔

سید نے کہا: کیا کرامت چاہیئے۔

نظام العلماء نے جواب دیا: اعلیٰ حضرت سلطان اسلام محمد شاہ بیمار ہیں ان کو صحت عطا فرمادے۔

حضرت شاہزادہ نے کہا: آپ دور کیوں جاتے ہیں آپ موجود بیٹھے ہیں آپ کو یہ جوان بنادیں تا کہ آپ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں اور اس کرامت کے ظاہر ہونے کے بعد ہم اپنی مسند ان کے لئے خالی کر دیں گے۔

سید نے کہا: مجھے یہ صلاحیت حاصل نہیں ہے۔

ملا محمد مامقانی نے کہا: عزت بلاوجہ تو حاصل نہیں ہوتی نہ لفظ پر تمہاری دسترس ہے نہ معانی پر۔ تو تم میں کمال کونسا ہے؟

سید نے جواب دیا: میں فصیح البیان ہوں۔ اور کہا: الحمدللہ الذی خلق السموٰت زبر کے ساتھ کہا (سموٰتِ کے بجائے سموٰتَ کہا)۔

شاہزادہ نے تبسم کیا پھر ہنس کر فرمایا: "وما بتا والف قد جمعا بکسر فی الجر وفی النصب" ت اور الف ایک جگہ جمع ہو جائیں گے زبر بھی لگائے گا زیر بھی لگائے گا۔)

اچانک سید نے کہا: کہ میرا نام علی محمد ہے۔ تائید الٰہی کی توفیق شامل حال رکھتا ہے۔

نظام العلماء نے کہا: کہ ہر علی محمد و محمد علی اللہ کی توفیق کا حامل ہے تو پھر تو تمہیں رب ہونے کا دعویٰ کرنا چاہیئے بابیت کا نہیں۔

باب نے کہا: کہ میں وہ ہوں کہ جس کے ظہور کا تم ہزار سال سے انتظار کر رہے تھے۔

حاجی ملا محمد نے کہا: یعنی آپ مہدی صاحب الامرؑ ہیں۔

باب نے کہا: ہاں۔

نظام العلماء نے کہا: اُن کا نام مبارک تو محمد ابن الحسن ہے اور ان کی والدہ کا نام بھی نرجس یا صیقل یا سوسن اور تیرا نام ہے علی محمد اور تیرے ماں باپ کا نام بھی کچھ اور ہے۔ ان کی جائے پیدائش سامرہ اور تیری جائے پیدائش شیراز ہے۔ ان کی عمر مبارک ہزار سال سے زیادہ ہے اور تمہاری عمر چالیس کے قریب تو تم میں اور ان میں بڑا فرق ہے اور پھر میں نے تمہیں بھیجا بھی نہیں ہے۔

باب نے کہا: تم دعویٰ خدائی کر رہے ہو۔

نظام العلماء نے کہا: ایسے امام کو ایسے ہی خدا کی ضرورت ہے۔

باب نے کہا: میں ایک دن میں دو ہزار اشعار لکھ لیتا ہوں اور کون ایسا کر سکتا ہے؟

نظام العلماء نے کہا: جس زمانے میں میں عتبات عالیات میں مشرف تھا تو میرا ایک کاتب تھا جو روزانہ دو ہزار اشعار کی کتابت کرتا تھا اور آخر کار وہ اندھا ہو گیا۔ تم بھی یہ کام چھوڑ دو ورنہ اندھے ہو جاؤ گے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ سید بے جا دعویٰ کر رہا ہے وہ مجلس ختم ہوئی اور سید نظر بند کر دیا گیا۔ پھر شہزادے کے گھر لایا گیا اور اسکی پٹائی کرانی چاہی لیکن سرکاری کارندوں نے اس سے حسن عقیدت کی بناء پر ایسا کرنے سے انکار کر دیا پھر شیخ الاسلام اور حاجی ملا محمود کے حکم سے ان کے ملازموں نے خوب پٹائی کی تو اس وقت وہ یہ کہنے لگا کہ میں نے غلط کیا مجھ سے خطا ہوگئی میں نے توبہ کر لی ہے پھر اسے چھوڑ دیا گیا اور کچھ عرصے بعد قتل کر دیا گیا۔

شیخ کے ماننے والوں میں سے ایک حاجی محمد کریم خان ہے جو حاجی سید کاظم کے شاگردوں میں سے اور قاچار کے شریف خاندان سے ہے اس لئے بہت شہرت، قوت اور مقام پایا اور ان کا مذہب یہ ہے کہ رکن رابع کے قائل ہیں یعنی خدا، پیغمبر اور امام اور رکن رابع (چوتھا رکن) حاجی محمد کریم خان ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اس چوتھے رکن کا موجود ہونا ہر زمانہ میں لازمی ہے اور اس کا ماننا حتمی ہے۔ اس پر ایسی دلیل عقلی دیتے ہیں جو کسی کی عقل میں نہیں آتی۔ اور ایسی احادیث کا سہارا لیا ہے کہ جو اخبار احاد ہیں جن کو صحیح ماننا ہی مشکل ہے اور ان کی دلالت بہت سے خدشات کی حامل ہے۔ بھلا ظنی احادیث اصول عقاید کے اثبات میں حجیت کہاں ہو سکتی ہیں۔ اگر مانا بھی جائے تو ان کی انتہا یہ ہوگی کہ غیبت امام کے زمانے میں علمائے اعلام کی پیروی کرنی چاہیئے اور اس بات کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ وہ کس لحاظ سے خود کو رکن رابع قرار دیتا ہے جبکہ سوال و جواب کی محافل میں اسکی غلطیاں اور قطور عقلی کے متعلق طبر ان میں چھپ چکا ہے اور اگر مذکورہ حاجی کرمان میں نہ ہوتے تو ایک ہی سال میں علمائے اعلام کی فہرست سے ان کا نام بالکل نکال دیتے اور نواب حشمت الدولہ کے مکان پر حاجی محمد کریم خان سے جو معارضات (مقابلے) کیے گئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ ایک شخص نے مذکورہ حاجی سے سوال کیا کہ مسافر کو کس وقت اپنا روزہ افطار کر لینا چاہیئے اور نماز کو قصر کرنا چاہیئے تو اس نے جواب دیا کہ جب وہ اپنے گھر سے نکلے تو اس وقت اسکی ذمہ داری ہے کہ روزہ نہ رکھے اور نماز کو قصر کرے۔ دوسرے شخص نے کہا کہ آپ کا یہ حکم اللہ کا نازل کردہ قرآن کے خلاف ہے اور سیرت قوم و اجماع کے بھی مخالف ہے اس لئے کہ علماء نے حد ترخص کا بھی ذکر کیا ہے۔ حاجی نے کہا میرا اجتہاد یہ کہتا ہے کہ انما الاعمال بالنیات (۱) جو شخص بھی سفر کی نیت کر لے وہ مسافر ہو گیا۔ نیز امرائے وقت میں سے کسی نے حاجی محمد کریم خان سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ واجب و سنت کی نیت کے بغیر مطلق غسل کافی ہے اور وضو کی ضرورت نہیں۔ کہا: ہاں سوائے غسل استحاضہ کے کہ اس کے لئے وضو حدیث سے ثابت ہے رسول خدا نے اپنی شریعت کو نرم و سہل فرمایا ہے ہم کیوں اپنے لئے مشکلات پیدا کریں۔ مؤلف کہتا ہے کہ اس قسم کے فتاویٰ احادیث سے قلت معلومات کی بناء پر پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ کتاب تہذیب میں شیخ الطائفہ نے ایک حدیث روایت کی ہے قال الصادقؑ کل غسل معه الوضوء الا الجنابة (۲) اور حاجی سے سوال کیا گیا کہ قاموس (۳) میں تلمیذ کا مادہ (۴) کہاں ملے گا۔ کہا: تفاریخ کے لئے فرع میں تلاش کریں اور تلامیذ کو لمذ میں ڈھونڈیں۔ جب تلاش کیا تو نہیں ملا۔ اس پر حاجی نے کہا کہ قاموس میں بڑی فضول چیزیں ہیں۔ جب دوسری نشست ہوئی تو پھر یہی بات چیت شروع ہوئی۔ ان سے کہا گیا کہ تلام دراصل تلامذہ تھا اور ذال کو حذف کر دیا گیا۔ اس پر حاجی نے اعتراض کیا کہ ذال کو حذف کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ صرف میں یہ قاعدہ ہے کہ خماسی کو جمع بین الجموع کر دیتے ہیں اور لام کو حذف کر دیتے ہیں جیسے قالوا میں لام حذف کریں تو جمع الخماسی میں استقبال بنتا ہے۔ جیسے سفرجل کو سفارج کہتے ہیں۔ حاجی نے کہا: لام حذف ہوتا ہے تو ذال کا کیا دخل رہا تو اس پر لام الفعل حرف مخصوص کے ساتھ بدل دیا گیا۔

(۱) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ (۲) ہر غسل کے ساتھ وضو درکار ہے سوائے غسل جنابت کے۔ (۳) القاموس مشہور عربی لغت کی کتاب۔ (۴) عربی زبان میں ہر لفظ کا مادہ ہوتا ہے۔ (مترجم)

ایک مجلس میں حاجی صاحب نے صاحب قاموس پر اعتراض کیا کہ قاموس میں بہت کچھ مواد ترک کردیا گیا ہے۔ امراء میں سے کسی نے کہا کہ ترک معانی تو اس میں کئی جگہ ہے لیکن ترک مادّہ تو مجھے کہیں نہیں ملا۔ حاجی محمد کریم خان نے کہا کہ عزلج قاموس میں نہیں ہے جبکہ معصومؑ نے شب جمعہ کی دعا میں عزلج الموج کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ایک امیرزادے نے کہا کہ یہ کلمہ زاء سے ہے یا ذال سے؟ کہا: زاء سے ہے۔ پس مختلف لغات جیسے قاموس، نہایت، صحاح اور مجمع البحرین سے رجوع کیا نہ ملا۔ پھر سب نے سوچا اور کہا کہ شاید اس کا مادہ آپ پر مشتبہ ہوگیا ہے یہ ذال سے ہوگا اور دیکھا تو قاموس میں لکھا تھا عذلج السقاملاء۔ امیرزادے نے کہا کہ ذال سے ہے اور معنی بالکل ٹھیک ہیں۔ اور جو یہ کہے کہ زاء سے ہے اور صاحب قاموس پر اعتراض کرے اور قاموس کو مہمل سمجھے یہ محض جہالت ہے۔ حاجی نے کہا: کلام امامؑ ہے اس کو کیسے بدل سکتے ہیں۔ امیرزادہ نے کہا: کسی فاضل شخص سے ایسی بات بالکل غلط ہے۔ اب امامؑ کا زمانہ نہیں کہ معصومؑ فرمادیں کہ یہ لفظ زاء سے ہے اور ہم ان کی متابعت کرلیں اور لغات لکھنے والوں کی بات کو باطل قرار دیدیں اور نہ امام معصومؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے کہ کسی کو پھر مجالِ انکار نہ ہوگی۔ امامؑ کا کلام عربی میں ہے شاید ایسا لفظ استعمال کیا ہو جو شاذ و نادر نہ ہوتا ہو تو شاید کاتب نے غلطی کی ہوگی اور اگر اس کتاب کا نام بتادیں جس میں یہ دعا ہے تو ہم ثابت کردیں گے کہ ذال سے ہی ہے۔ حاجی کے پاس چونکہ کوئی جواب نہ تھا تو کہا: رات بہت گزرچکی ہے یہ کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔

اس امیرزادے نے مشہور دعاؤں کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جیسے مصباحِ کفعمی، وسیلۃ النجاۃ، سفینۃ النجات اور اقبال وغیرہ لیکن مذکورہ دعا نہ ملی۔ آخر آقا محمد تقی ابن آقا عبدالحسین ابن آقا باقر بہبہانی کو ''منتخب ذریعۃ الضراعۃ'' میں وہ دعا ملی اور اس میں ذال سے لکھا ہوا تھا اور یہ قاموس کے مطابق تھا جس میں ذال سے ہی تھا۔ نیز یہ کہ ایک نشست میں کسی نے ان سے سوال کیا کہ دعائے رجب کی اس عبارت میں کہ **اللھم انّی اسئلک بالمولودین فی رجب محمدبن علی الثانی و ابنہ علی بن محمد** آیا۔ لفظ ثانی صفتِ محمد ہے یا علی کی جو مضاف الیہ ہے حاجی نے کہا کہ کلام عرب میں مطلقاً مضاف الیہ کے لئے صفت استعمال نہیں ہوتی بلکہ لفظ ثانی مضاف کی صفت ہے۔ ایک عالم بھی اس وقت مجلس میں موجود تھے کہنے لگے: ایسا نہیں ہے جیسا تم کہتے ہو بلکہ کلام عرب میں مضاف الیہ کی صفت بہت آتی ہے جیسے **یابنت محمد المصطفیٰ وزوجۃ علی المرتضیٰ وام الحسن المجتبی** اور فقرات زیارتِ فاطمۃؑ میں ہے **یاا م الحسن والحسین سیدی شباب اھل الجنۃ** اور ایک جگہ اور وارد ہے **السلام علیک یافاطمۃ بنت محمد رسولؐ اللہ** اور دعائے عدیلہ میں ہے **بعد الرسول المختار علی قامع الکفار** اور ایسے ہی بہت سی مثالیں اور اسی طرح مضاف کی صفت بھی بہت ملتی ہیں جیسے **ذوالعرش المجید وجائنی غلام زید الشریف** بالرفع اور اسی طرح موصوف مضاف کے لئے بھی صفت آئی ہے جیسے اس دعا کے ٹکڑے میں ثانی صفت بعد صفت ہے محمدؐ کے لئے۔ اور اسی طرح موصوف مضاف کے لئے صفت اس شرط کے ساتھ کہ وہ موصوف اس صف اول سے جو مضاف ہو وارد ہوئی ہو۔ جیسے دعا کے اس فقرہ میں کہ جس کے معنی یہ ہونگے کہ محمدؐ بن علیؑ دوم نہ کہ محمد دوم اور نہ یہ کہ علی دوم۔ یہاں معنی یہ ہیں کہ ایک محمدؐ بن علیؑ پہلے آچکے اب یہ دوسرے محمدؐ بن علیؑ ہیں اور دعا کے اس فقرہ کے معنی یہ ہیں۔ حاجی محمد کریم خان نے جب ان عالم سے یہ بات سنی تو غصہ میں آگئے اور کہا کہ تم ہمیشہ لوگوں کی بربادی کے درپے رہتے ہو اور لڑنا شروع کردیا تو وہ عالم خاموش ہوگئے۔ مؤلف کتاب نے کتاب ارشاد العلوم میں اس کے رد میں بہت سے حاشیے لکھے ہیں اور اگر اعتراض کرنا چاہتا تو اس کتاب کا رد اصل کتاب سے بھی زیادہ ہوجاتا۔

آقا سیّد محمد باقر بن سیّد علی حسینی قزوینی

آپ شریف العلماء شیخ علی بن شیخ جعفر کے شاگردوں میں سے تھے بہت ذہین اور تیز فہم تھے اور ملا محمد اسمٰعیل یزدی جو شریف العلماء کے بہترین شاگردوں میں تھے کے پاس علم حاصل کیا تھا۔ شروع شروع میں اصول وفقہ میں بہت باکمال تھے لیکن آخر عمر میں کسی حد تک ان سے دور ہوگئے تھے اور وہ بھی اس وجہ سے کے آپ کے مقلدین بہت ہوگئے تھے۔ بہت خوش خط تھے اور خط شکستہ اور خط نسخ کی تحریر نہایت عمدہ تھی اور ان دونوں طرز تحریر میں اپنے

وقت کے خوش نویسوں میں ممتاز تھے بلکہ اس زمانہ میں علماء میں سے ایک بھی اتنا خوشخط نہ کسی نے دیکھا اور نہ سنا ہاں آخوند ملا علی نوری ؒ شکستہ میں اپنے دور میں بے مثل تھے اور انہوں نے یہ فن ایک درویش سے سیکھا تھا۔ آقا سید محمد باقر خوش بیان مقرر اور خوشخط محرر تھے اور جدل ومناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے یہاں تک کہ آخوند ملا عبدالکریم ایروانی جو علم واصول میں عرب وعجم میں لاثانی تھے مناظرہ کے موقع پر بار ہا دیکھا گیا کہ آقا سید محمد باقر کے آگے سپر انداختہ ہو جاتے تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آخوند ملا عبدالکریم آقا سید محمد باقر کے استاد تھے اور آخر میں دارالسلطنۃ قزوین میں عام وخاص کی سربراہی ان کو حاصل ہو گئی تھی۔

ان کے ایک بھائی حاجی میرزا رفیع بہت فاضل انسان تھے۔ مؤلف کتاب نے دو ماہ تک تفسیر قاضی ان کے پاس پڑھی۔ اور شروع شروع میں حقیر آقا سید محمد باقر کو درس اصولی دیتا تھا اور اپنی کتاب کی حجیت کے وقت بھی میں حاضر رہتا تھا اور اپنی کتاب کی حجیت ثابت کرنے کے لئے میں نے ایک رسالہ بھی لکھا اور ان تمام تحقیقات کو میں نے رد کر دیا اور جب میں نے اصفہان میں مرحوم حجۃ الاسلام سے اجازہ کی درخواست کی تو میری کتاب طہارت جو فقہ کے موضوع پر تھی انہوں نے منگوائی اور اس کا مطالعہ کیا اور جس دن اجازہ لکھ کر دینے کا وعدہ کیا تھا وفات پا گئے۔ میں نے چاہا کہ میں ان سے سند پانے سے محروم نہ جاؤں اس لئے میں نے ان کے شاگردوں سے اجازہ کی درخواست کی تا کہ تیمناً وتبرکاً ان کے سلسلۂ اسناد کو بھی حاصل کراوں اور ان کا اجازہ بھی بالواسطہ مل جائے اس لئے میں نے آقا سید محمد باقر سے اجازہ کی خواہش کی۔ مذکورہ آقا سید محمد باقر، مرحوم حاجی سید محمد باقر حجۃ اسلام سے اجازہ یافتہ تھے اور ان کی شاگردی کا شرف بھی رکھتے تھے اور ان سید محمد باقر نے جو اجازہ اس فقیر ناچیز کے لئے لکھا وہ یہ ہے۔ ھو المجیر والمجیز وبہ نستمد ونستعین۔

مولف کتاب کے لئے آقا سید محمد باقر کے اجازہ کی نقل۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں دین کی علامتوں کی طرف ہدایت کی اور ہم کو علم اور یقین کے راستے کے حصول کی عزت بخشی۔ درود وسلام ہو سب سے بہترین مخلوق محمد مصطفیٰؐ پر جو تمام انس وجان کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے جن کو تمام انبیاؑ اور اوصیاءؑ وملائکہ مقربین سے چنا گیا اور سلام ہو ان باشرف اوصیاء پر خاص کر ان کے چچازاد بھائی علی مرتضیٰؑ پر جن کو تمام اوصیاء کا سردار بنایا گیا۔

اس کے بعد یہ خطاکار بندہ جو عاجز ومجبور (لیکن آرزوئے نیک کا خوگر ہے) اس اللہ کی طرف رجوع کر رہا ہے جو گناہوں کا بخشنے والا اور چھپانے والا ہے، یعنی سید محمد باقر ابن علی الحسینی القزوینی۔ اللہ ان دونوں کو اپنی عفو ومغفرت سے ڈھانپ لے اور ان دونوں کو ان کے اجداد کے ساتھ، کہ جو انسانوں اور جنوں کی شفاعت کریں گے، جنتوں کے گھر میں ٹھہرائے۔ بیشک اللہ کی اپنے بندوں پر سب سے بڑی نعمتوں میں با اعتماد علماء کا دنیا میں وجود ہے اور ان سب کے لئے سب سے بڑی نشانی ان کے وقار کے ساتھ باوثوق اور با اعتماد علماء سے دین کے آثار کو حاصل کرنا ہے۔ پس وہ خدائے پاک کی تمام نعمتوں سے بالا بندوں کے لئے قطب ومحور ہیں جن میں جامع صفات وکمال وعلم، قسم قسم کی خوبیوں اور بردباری کے محور، عالم باعمل، کامل فضیلت والے، تحقیق وتدقیق کی بلندیاں رکھنے والے زیبا فہم اور مضبوط ذہن کے مالک، حقائق کی حفاظت کرنے والے اور مشکل راہوں کو آسانی سے سر کرنے والے جن کی اللہ کی طرف سے تائید کی گئی ہے وہ میرزا محمد بن سلیمان تنکابنی ہیں۔ اللہ ان کو ظاہری اور باطنی خرابیوں سے امان دے۔ انہوں نے اپنے وطن قزوین کے دارالسلطنت تک سفر کیا اور وہاں کافی عرصہ مقیم رہے اور وہاں خود کو علوم دینیہ کے حصول میں مشغول رکھا۔ اور جب کچھ حاصل کر لیا تو پھر سفر کر کے اصفہان کے دارالسلطنت میں قیام کیا اور وہاں اپنے وقت کو علوم شرعیہ اور بلند ترین کمالاتِ علم کو حاصل کرنے میں صرف کیا۔ پھر عازم سفر ہو کر مقاماتِ مبارکہ ومقدسہ اور عتباتِ عالیہ پہنچے کہ ان قبور پر ہزاروں درود وسلام ہوں۔ وہاں کافی عرصہ قیام کیا اور ان سب امور میں دسترس حاصل کی جو تکمیل علم اور اس کی درستگی کے لئے ضروری ہیں اور پھر وطن

پلٹنے اور وہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ انہیں وہیں ٹھہر کر معلومہ اسناد کے ذریعے احکام الٰہیہ سے استنباط کرنا چاہیے۔ اس طرح وہ اجتہاد کی حد پر پہنچے۔ ان کے لئے حکم شرعی تھا کہ لوگوں کے مسائل دینیہ کے لئے ان سے رجوع کریں اور یہ کہ وہ لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کریں۔ اور ان لوگوں کو ان کے فتوے پر بھروسہ اور اعتماد کرنا تھا اور جو حکم کریں ان پر راضی رہنا تھا۔ اور انہیں اپنی تعلیمات کے ذریعے ڈرانے والے اللہ کے احکامات کی متابعت میں لوگوں کو ڈرانا تھا۔

پس ہر فرقے کے لوگ مسائل دینیہ میں ان سے رجوع کرنے لگے تاکہ وہ اللہ کے فرائض اور اس کی محبوب چیزوں اور اس کی مرضیوں پر عمل پیرا ہو سکیں اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے، اس کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اور اس کو غیض میں لانے والی چیزوں سے ہر حال میں بچا سکیں۔ اور یقیناً انہی باتوں کو سمجھانے کے لیے غالب کرم کرنے والے خدا نے رسول بھیجے اور آسمانی کتابیں نازل فرمائیں جو ان کے رب کی اجازت سے انسانوں کو تاریکی اور جہالت سے نکال کر علم کی روشنی کی طرف لاتی ہیں یہاں تک وہ غالب اور قابل حمد خدا کی راہ تک آ جاتے ہیں۔ پس اہل فضل وکمال کے باطن میں جو علم تھا وہ باہر آیا اور جو علمائے اعلام کے دل میں تھا اسے انہوں نے تسلسل ظاہر کرنے والے اجازوں کے ساتھ سلف سے خلف تک کھول کر بیان کیا۔ جیسے نقل کیا استاد اعظم (اللہ ان کی آرام گاہ کو خشبودار رکھے) نے شیخ نجاشی سے انہوں نے احمد بن محمد عیسیٰ سے روایت بیان کی کہ جب وہ حدیث کا علم حاصل کرنے کوفہ پہنچے تو حسن بن علی وشاء سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ کتاب ابوالعلاء بن رزین العلاء اور ابان بن عثمان الاحمر نکالیں۔ انہوں نے دونوں نکالیں تو میں نے ان سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں کی روایت کی مجھے اجازت دیں۔ تو جواب دیا: خدا تم پر رحم کرے اور تمہیں جلدی کیا ہے جاؤ اور ان دونوں کو لکھ لو اور بعد میں دوسروں تک پہنچاؤ۔ میں نے کہا: مگر یہ کہ زمانے کی سختیوں سے نجات ملے۔ تو انہوں نے کہا: کہ اگر تم جانتے کہ حدیث کی طلب کس قدر ہونی چاہیے تو تم ان میں سے بہت سی جمع کر لیتے۔ یقیناً میں نے اس مسجد میں نوسو شیوخ سے احادیث حاصل کی ہیں جن سے نہیں چھوٹی ہو گی کوئی کتاب اور روایت جن میں سے ہر ایک نے مجھ سے کہا کہ بیان کیا جعفر بن محمدؑ نے اور انہوں نے مجھے اجازت عطا فرمائی اللہ ان کی توفیق، علم اور تقویٰ میں اضافہ کرے۔ اللہ نے ہر اس دن کو خوبی عطا کی کہ جس میں روایات کے اسناد (۱) کی مہابط وحی (۲) اور اسرار کے خزانوں تک تسلسل کی خواہش کی گئی جو ہیں نبیؐ اور ائمہ طاہرینؑ ان سب پر کریم العزیز الغفار کے ہزاروں درود وسلام ہوں۔

رب کریم نے ہمیں حدیث کی اسناد ٹوٹنے اور منقطع ہونے سے بچایا ہے پس میں انہیں (میرزا محمد تنکابنی کو) اجازت دیتا ہوں اللہ ان کی زینت و حفاظت میں اضافہ کرے جو اس کی شایان شان ہے کہ روایت کریں جو کچھ مجھ سے سنیں اور ان افکار کی باریکیوں کی جن کی اللہ نے مجھے توفیق دی ہے جن سے کتابیں اور احادیث خالی نہیں ہیں۔ اور جن باتوں کی اللہ نے مجھے توفیق دی تالیف وترکیب کی صورت میں۔ اور ان سب کی جن کی مجھے اجازت ملی بیان کرنے کی ان تمام احادیث کی جو روایت کی گئی ہیں ان سے جو علوم الٰہیہ کے خزانے اور رسالت کے خاتم ہیں اور ان کے اوصیاء سے جو اللہ کی حجت ہیں اور وہی دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ ہیں جیسے صحیفہ سجادیہ اور احادیث فقہ میں وہ تمام تصانیف جو ہمارے امامیہ اصحاب سے مروی ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر علوم دینیہ کی کتابیں جن میں تفاسیر، دعائیں، زیارات اور علم الرجال کی کتابیں وغیرہ ہیں خاص طور پر اصول اربعہ جو زمانوں اور آسمانوں میں اس طرح مشہور ہیں جیسے دن میں آفتاب۔ ان چاروں کتابوں پر اس دور کی فقہ کا انحصار ہے۔ اور وہ ہیں الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب اور استبصار۔ اللہ تعالیٰ ان کی تصنیف وتالیف کرنے والوں کو جنتوں میں اعلیٰ جگہ عطا فرمائے جن کے محلوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ان ائمہ اطہارؑ کے جوار میں جن پر اللہ مالک الجبار کے مسلسل درود ہیں۔ انہی کتابوں سے مرتب کی گئی ہیں وسائل، وافی اور بحار وغیرہ۔ اللہ ان کی تالیف کرنے والوں کو جنت میں نیک لوگوں کا ساتھی قرار دے۔

اللہ اس (میرزا محمد تنکابنی) کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور اس کے مخالفین اور دشمنوں کو تتر بتر کر دے۔ وہ روایت کرے مجھ سے کہ میں نے روایت لی ہے اپنے اساتذہ سے۔ اللہ ان سب اساتذہ کی ارواح کو دارالسلام میں ٹھہرائے کہ ان میں آسمان علم وتحقیق کے آفتاب، بزرگی اور باریک بینی کے

(۱) اسناد سے مراد حدیث کا ابتدائی حصہ جس میں راویوں کے نام ہوتے ہیں۔ (۲) جن پر وحی نازل ہوئی۔ (مترجم)

آسمان کے بدر کامل، مجتہدین کے سردار، عمل کرنے والے علماء کی جائے پناہ، سید المرسلین کی شریعت کو زندہ کرنے والے، فقہا کی آرزو کا مرکز، اسلام کے فریاد رس اور مسلمانوں کی فریاد کو پہنچنے والے ہمارے استادِ محترم جن کو زمانے میں علامہ کہا گیا، اس جہان میں اللہ کی نشانی حجۃ الاسلام حاجی سید محمد باقر جیلانی جو اصفہان میں پیدا ہوئے، وہیں رہے اور وہیں مدفون ہوئے۔ اللہ ان کی قبر کو ہمیشہ مہکتا رکھے، جن کو بزرگ اساتذہ کی جماعت نے اجازہ دیا کہ ہم نے پچھلے فقہائے عظام طاب ثراہم میں ان جیسا کوئی اور نہ سنا جیسے حقیقی سید جن کی مستحکم تائید کی گئی، دنیا کے علامہ اور زمانے کی منفرد شخصیت، عظیم تحریر لکھنے والے اساتذہ کے استاد، فقہ کے عظیم عالم، باریک بین، تحقیق کرنے والے، چمکتا ہوا چاند اور نور پھیلاتا ہوا دیا، اعلیٰ مرتبت مولانا میر سید علی طباطبائی جو حائر کے رہنے والے تھے اور وہیں دفن ہوئے، اللہ ان کی قبر کو رحمتوں اور برکتوں کا مرکز قرار دے۔ اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (ان کے علاوہ) تحقیق کرنے والے رہبر، علم کی جستجو رکھنے والے رہنما، باریک بین فضلاء کے لئے نمونہ، بزرگی اور باریک بینی کے حاملین کا انتخاب، اصول قانون اور شریعت کے ظاہر کرنے والے، مضبوط دلائل سے فروع کے راستوں کو مستحکم کرنے والے مولانا اعظم، اکرم، محترم میرزا ابوالقاسم جیلانی کہ اللہ نے ان کے نفس کو پاکیزہ بنایا اور ان پر اپنی رحمتوں کو ظاہر کیا۔

نیز عالم، عامل، کامل زاہد، صاحب ورع وسخاوت، معظم، مکرم شیخ سلیمان بن شیخ معتوق عاملی، اللہ ان کے مرقد کو خوشبوؤں کا مرکز بنائے۔ نیز سند کے سردار، زاہد، عابد، زکی، فاضل، کامل، اعلیٰ مرتبت مولانا اور ہمارے سہارا، سید جلیل جو سید محسن بغدادی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے علم کی خوشبو دور تک پھیلی اور علم کا بحر وسیع، آسمان کا چمکتا ہوا چاند، حسن سیرت کا مجموعہ، قابل فخر عالم، عامل، فاضل، کامل ہمارے استادِ معظم، عرب وعجم کے منتخب، فضائل کی کان، اعلیٰ مقاصد کو انتہا تک پہنچانے والے، فقہ جعفر کے طور طریقوں کو پھیلانے والے، ہمارے سہارا، شیخ جعفر نجفی اللہ ان کے مرقد کو خوشبوؤں کا مرکز بنائے۔ مشائخ کے اطوار کے مطابق ان کا (عوام کو) بیدار کرنے کا عمل برقرار رہا جس نے انہیں اول حجت الاسلام کے نام سے مشہور کیا کہ ان کی خوبیوں کی خوشبو علامہ مجلسی تک پہنچی۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ہمارے سردار، استادِ عالی مرتبت، جن کا تذکرہ کیا گیا، نے روایت کی سید جلیل سے جو بزرگی حسین شرافت کے مالک تھے جو اس جہان (فانی) سے عالم جاودانی کی طرف چلے گئے مگر ان کا علم باقی ہے اور وہ ہیں امیر عبدالباقی الاصبہانی جو اپنے والدِ مغفور میر محمد حسن سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا سے (ان کی والدہ کے ذریعے بھی روایت آئی ہے) وہ علم اور اسرار الہیہ کے کھولنے والے اور چھپے ہوئے خزانوں کے ظاہر کرنے والے تھے۔ انہوں نے حدیث کو سامنے لانے والے مولانا محمد باقر مجلسی سے اجازہ لیا اور اللہ نے ان کو اپنے خفی وجلی الطاف سے فیض پہنچایا۔ اور تحقیق کرنے والوں میں سب سے زیادہ باریک بین اور سب سے بہترین میرزا ابوالقاسم ہیں اللہ ان کے مزار کو اپنے نور سے منور رکھے۔ پس وہ اپنے دمکتے ہوئے آقا سے روایت کرتے ہیں جو کاٹنے والی دلیل، واضح بیان سے ریب وشک کو حق کے چہرے سے دور کرنے والے ہیں، نظیروں اور زمانوں کی جہالت کی تاریکیوں میں اللہ کا نور، قواعدِ علوم دینیہ کے زندہ کرنے والے جب کہ وہ احکام شریعہ کی بنیادوں سے دور کردیئے گئے تھے اور ناپید ہوگئے تھے۔ وہ علامہ زمان اور عجیب ترین عظمتوں کے حامل ہیں کہ جن کی فضیلت بعد میں آنے والوں پر عیاں ہوتی جارہی ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نعمت بنایا کہ جن سے ہم اصول میں استفادہ کرتے ہیں جن کا نام بہبہانی ہے۔ اللہ ان کے مزار کو خوشبوؤں کا مرکز بنائے۔ حائر ان کا مسکن ومدفن ہے۔ میں تم کو وصیت کررہا ہوں اے میرے پیارے اور دل کے سہارے اس کے بعد کہ تم نے عمر زہد وتقویٰ اور اہتمام تصنیف وتالیف میں صرف کی جیسا کہ ہم نے تمہیں دیکھا جس کی توفیق تمہیں توفیق دینے والے اللہ کی طرف سے عطا ہوئی کہ خلوتوں میں دعا کرتے ہوئے اور قبولیتِ دعا کے اوقات میں مجھے نہ بھولنا، نہ میری زندگی میں، نہ میری موت کے بعد اور جب میری موت قریب ہوجائے اور میری عمر تمام ہوجائے تو جب تک زندہ ہوں خلوتوں کے اوقات میں اللہ کی عبادت کرتا رہوں گا اور اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ تمہاری عمر میں اضافہ کرے اور تمہیں صحیح وسالم اور آفات سے محفوظ رکھے اور تم تبلیغ میں طویل عرصہ اور اوقاتِ موعودہ تک مصروف رہو۔

والسلام

محمد باقر بن علی قزوینی

یہ مرحوم سید محمد باقر کی نقل اجازہ تھی۔ آپ کی تالیفات بھی ہیں اور ان میں ایک نقل ملک نقالہ موتی رااور دوسری واجب وغیر واجب پر ایک مقدمہ ہے۔ عتبات عالیات کی زیارت سے واپسی کے بعد سید نے گوشۂ گمنامی اختیار کیا اور اپنے گھر میں بیٹھ رہے۔ اس کے بعد دو سال تک اصفہان میں حجتہ الاسلام کی خدمت میں کام کرتے رہے اور ان سے اجازہ حاصل کر کے پلٹے تو قزوین میں لوگوں نے ان کو مرجع قرار دیدیا۔ جب والیٔ قزوین مجد الدولہ نے رعایا پر بڑے مظالم ڈھائے اور لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو شہر سے نکال باہر کیا تو ہر جگہ یہ شہرت ہوگئی کہ یہ حرکت آقا سید باقر کی وجہ سے ہوئی ہے چنانچہ بادشاہ وقت نے آپ کو جلاوطن ہونے کا حکم دیا چنانچہ کچھ عرصے سید نجف میں رہے۔ اس زمانہ میں مرحوم شیخ مرتضی جو اس وقت کے عرب و عجم کے علماء میں سب سے اعلیٰ تھے اور جس زمانے میں شیخ و سید شریف العلماء کی خدمت میں تعلیم حاصل کرر ہے تھے اس وقت میل ملاقات اور دوستی ہوگئی تھی۔ چنانچہ شیخ نے سلطان کو رقعہ لکھا اور ان کے توسط سے سید واپس قزوین آئے۔ ایک دفعہ میں نے ان کو اس بات سے روکا کہ دربار کے کاموں میں دخل نہ دیں تو انہوں نے فرمایا کہ جب میں حجتہ الاسلام حاجی سید محمد باقر کی خدمت سے واپس آرہا تھا تو انہوں نے مجھے ہدایت کی تھی کہ مومنین و مسلمین کے اہم کاموں کی انجام دہی سے خود کو ہرگز دور نہ رکھنا۔ چنانچہ میں مسلمانوں کی مشکلات کو دور کرنے میں بڑی گرمجوشی دکھائی۔ شیخ کلینی نے اپنی کتاب اصول کافی میں ایک باب مختص کیا ہے مسلمانوں کے کاموں کی انجام دہی میں اہتمام اور ائمہ اطہار کی بہت سی احادیث اس باب میں نقل کی ہیں۔ لہٰذا میں بھی حمایت فقراء وضعفاء میں ایک لحظہ بھی خود کو معاف نہیں کرتا۔ جناب آقا سید محمد باقر کی عمر اسی کے قریب تھی۔ اتنی ہی عمر بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی شہید ثالث کی تھی مؤلف کتاب کہتا ہے کہ علمائے اعلام کی عمر ہر دور میں عوام الناس سے زیادہ ہوتی ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ فکری کاموں میں اور تصنیفات و تالیفات میں مشغول رہتے ہیں اور نہ کبھی بہترین غذائیں کھاتے ہیں نہ خوبصورت پوشاکوں اور لباسوں سے انہیں واسطہ ہوتا ہے۔ حالانکہ دنیادار لوگ ان کو ہمیشہ مصائب کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ ان کی طول عمر کی چند وجوہات ہیں ان میں سے اوّل تو یہ ہے کہ اپنے کاموں میں سوائے خداوند تعالیٰ کے کسی اور سے واسطہ نہیں رکھتے۔ ان کے بعض کاموں کو ہم اپنی ناقص عقلوں سے پہچان سکتے ہیں جیسے دین مبین کی ترویج اور باطل پرستوں کے شبہات کی رگوں کو کاٹنا اور لوگوں کی ہدایت واقتداء اور آسمانوں سے زمین پر برکتوں کا نازل کرانا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وامّا ماینفعُ الناس فیمکث فی الارض (سورۂ رعد آیت ۱۷) (رہا وہ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے وہ زمین میں رہ جاتا ہے) اور اس آیت کے عموم میں علماء کی عمریں بھی شامل ہیں کیونکہ ان سے عوام الناس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ تیسری چیز یہ ہے کہ علماء عالم شباب میں یا سن کہولت میں حدِ کمال کو نہیں پہنچتے اور خلوص نیت بھی اتنا نہیں حاصل کر پاتے لیکن جب بڑھاپے کی منزل کو پہنچتے ہیں تو لامحالہ ان کی نیت بالکل خالص ہو جاتی ہے اور اس وقت ہمہ تن دین کے خدمتگار ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ علماء ہمیشہ بارگاہِ آفریدگار میں حاضر رہتے ہیں اور اس کا قرب پاتے رہتے ہیں۔ لہٰذا پروردگار کی بارگاہ سے فیض رسانی کی شعاعیں ان کی پیشانی سے پھوٹتی ہیں اور دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور عام لوگوں کے مقابلہ میں ان کی کسب استعداد کی صلاحیت بھی زیادہ ہوتی ہے لہٰذا ہر لحاظ سے ان پر اللہ کی رحمتیں ہیں اور ان میں سے ایک رحمت طول عمر بھی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔

کثیر الافضال مؤلف کے حالات کے بیان میں

عزت مآب محمد بن سلیمان بن محمد رفیع بن عبد المطلب بن علی التنکابنی فرماتے ہیں کہ اگر چہ یہ ناچیز مؤلف کتاب خود کو پاکیزہ کردار والے علماء کی فہرست میں جو اس کتاب کا موضوع ہیں ہرگز شمار نہیں کرتا لیکن چونکہ بہت سی عجیب باتوں کا مجھے سامنا کرنا پڑا جن کے ذکر سے خدا پر توکل میں اضافہ ہوگا نیز اپنی تالیفات کا ذکر کرنے کے لئے جو طلبائے علم کے لئے باعث تشویق ہوگا اور اس غرض سے بھی کہ صاحبان منزلت احباب نماز تہجد کے وتر میں اس فقیر کے لئے بھی نام لیکر دعائے مغفرت کریں میں اپنا نام اور تفصیلی حالات ذکر کررہا ہوں۔

ملا علی، مجھ ناچیز کے جد اعلیٰ، علماء میں سے تھے بس اس سے زیادہ میں ان کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ البتہ اخوند ملا عبد المطلب دوسرے جد

بزرگوار اپنے علاقے کے مشہور علماء میں سے تھے اور قدیم قبالوں اور تحریروں میں آپ کا نام نامی نہایت تعظیم و تکریم سے لیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے ملا محمد رفیع جو میرے دادا ہیں کو علوم دینی کی تعلیم دی۔ میرے دادا محمد رفیع دارالسلطنۃ قزوین میں شرح لمعہ پڑھ رہے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ دادا چونکہ کثیر العیال تھے فوراً وطن واپس آئے اور اپنے شہر میں دعاؤں کی تحریر میں شہرت پائی۔ نہایت متقی انسان تھے انہیں مرحوم مہدی خان حاکم شہر اور دیگر امراء کی طرف سے ہر سال سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا لیکن وہ اسے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات پر صرف نہیں کرتے تھے بلکہ جیسے ہی مقررہ وظیفہ ملتا آپ اپنے علاقہ کے غرباء و نادار افراد میں تقسیم کر دیتے۔ انہوں نے اپنے دو بیٹوں کو ملا عبدالوہاب میرے عم ماجد اور میرزا سلیمان میرے والد صاحب کو عراق بھیجا۔ میرے چچا بحث و مباحثہ کو خوب طول دیتے تھے اور بڑے متقی تھے اور والد ماجد عربی میں کمال رکھتے تھے۔ انہوں نے اخوند ملا علی نوری کی بائیس (۲۲) سال شاگردی کی اور ملا صدری کی کتابیں ان سے پڑھیں اور اپنے دور کے علماء میں علم و حکمت میں بازی لے گئے۔ آخوند ملا محمد علی نوری سے شرح لمعہ پڑھی اور میں نے خود دیکھا تھا کہ شرح تجرید، شوارق، شرح لمعہ اور تفسیر قاضی کا درس اعلیٰ پایہ کے طلبہ کو دیا کرتے تھے۔ ان علوم کی تحصیل کے بعد علم طب (Medical Science) پڑھنا شروع کیا اور اس میں ان کے استاد میرزا اسمٰعیل اعرج اصفہانی تھے۔ ستر طلبا ان کے محکمۂ طب میں Laboratory میں ہوا کرتے تھے۔ میرزا اسمٰعیل والد صاحب سے شرح تجرید کا درس لیتے تھے اور والد صاحب ان سے طب سیکھا کرتے تھے۔ دو سال علم طب کی مشق کی اور اپنے وقت کے مشہور ڈاکٹر بن گئے۔ دارالسلطنت طہران میں قانون (Law) کی تدریس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس زمانے میں اصفہان میں ملا محراب مشہور عرفاء میں سے تھے اور غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب ملا محراب زیارت سید الشہدا؏ کے لئے تشریف لے گئے تو قبر مبارک کے سرہانے بیٹھ گئے اور ملا کاظم ہزار جریبی جو علمی لحاظ سے کوئی خاص مقام نہ رکھتے تھے بالائے سر پیش نماز بنائے ہوئے تھے یہ دونوں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو بیٹھے تھے۔ نمازِ صبح کے بعد ملا محمد کاظم نے حکمائے صوفیاء کے نام لینے شروع کیے اور ہر ایک پر ایک تسبیح (یعنی سو دفعہ) لعن پڑھتے تھے۔ ایک لعنت کی تسبیح ملا صدری کے لئے، ایک ملا محسن فیض کے لئے، پھر ایک تسبیح لعنت کی ملا محراب کے لئے پڑھی۔ ملا محراب نے پوچھا کہ یہ کس شخص پر لعنت بھیج رہا ہے۔ کہا: ملا محراب اصفہانی پر۔ ملا محراب نے کہا: اُس پر کیوں لعنت کر رہا ہے؟ کہا: اس لئے کہ وہ وحدت وجود کا قائل ہے۔ ملا محراب نے کہا: اب وہ وحدت واجب الوجود کا قائل ہے اس لئے تم اسے لعنت کرو تاکہ ایسا اعتقاد پیدا نہ کرے۔ ملا محمد کاظم نے بس یہ سن رکھا تھا کہ صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں بس وحدت وجود اور وحدت واجب الوجود (۱) میں فرق نہ کر سکا۔

مختصر یہ کہ والدِ مرحوم، ملا محراب کے ساتھ بہت انس و محبت رکھتے تھے اور مشہور تھا کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں اور دوسری کرامات بھی ان کو حاصل ہیں۔ ایک شب والدِ مرحوم نے خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں داخل ہوئے ہیں اور وہاں ایک نہر سے مٹھی بھر موتی اٹھا لیے ہیں۔ انہوں نے اپنا یہ خواب ملا محراب سے بیان کیا۔ ملا محراب نے کچھ دیر غور کیا پھر کہا کہ تمہاری قسمت میں یہ ہے کہ ایک سید خاتون سے نکاح کرو گے جس سے تمہارا ایک بیٹا پیدا ہوگا جو اپنے زمانے کے مشہور مسلمان علماء اور اولیاء میں سے ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ والد مرحوم مجھ ناچیز مؤلفِ کتاب سے بہت محبت رکھتے تھے کہ ملا محراب کی بات کے عین موافق تھا۔ میری والدہ سادات خاندان سے تھیں جو بالکل صحیح النسب تھا اور اصفہان کے امام جمعہ جو سادات سے تھے کا خاندان تھا، ان سادات میں سے کچھ یزد میں سکونت پذیر ہوئے اور میرزا سلیمان یزدی جو مشہور عالم ہیں انہی میں سے تھے۔ کچھ ہند میں جا کر آباد ہو گئے اور ساداتِ حسینی کہلائے۔ سلاطین صفوی میں سے کسی نے میرے نانا کو اس علاقے میں ترویج دین کے لئے بھیجا تھا میرے والد نے اصفہان میں سکونت اختیار کی حتیٰ کہ شہزادہ آزادہ نواب فلک نقاب محمد قلی میرزا نے جو والئی مازندران تھا ان کو اپنے پاس طلب کیا کیونکہ بحیثیت طبیب آپ کو بہت شہرت حاصل تھی۔ مرحوم والد نے قبول نہ کیا تو دوبارہ بلوایا اور یہ بھی لکھ بھیجا کہ اگر اب بھی نہ آئے تو سلطان سے کہوں گا کہ کوئی سپاہی بھیجے جو آپ کو پکڑ کر لائے اور جناب آخوند ملا علی نوری

(۱) وحدت وجود اور وحدتِ واجب الوجود میں نمایاں فرق ہے۔ وحدتِ وجود کے ماننے والے صوفیاء ہوتے ہیں کہ جو کچھ ہے خدا ہے۔ اسی لئے وہ منصور کی طرح انا الحق (کہ میں خدا ہوں) کا نعرہ لگاتے ہیں۔ لیکن وحدتِ واجب الوجود توحید خدا کا اقرار ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ (مترجم)

کو بھی رقعہ لکھا کہ ان کو بھجوائیں۔ پس آخوند نوری نے باصرار ان کو مازندران بھیجا۔ مرحوم ان کی کھانے پینے کی چیزوں سے اجتناب کرتے تھے اور کھانے، پینے، پہننے اور رہنے سہنے میں جن چیزوں کا بھی دربار سے تعلق تھا بہت احتیاط برتتے تھے چند سال مازندران میں رہنے کے بعد تنکابن منتقل ہو گئے اور وہاں سے پھر کہیں نہ گئے۔

والد مرحوم اول وقت میں نماز ادا کرتے اور نوافل تک پابندی سے پڑھتے تھے۔ روزانہ قرآن مجید کا ایک پارہ تلاوت کرتے اور ہر صبح سورہ یٰسین اور سو مرتبہ لاالہ الا اللہ الملک الحق المبین اور سارے وظائف بڑی پابندی سے پڑھتے اور قنوت نماز وتیرہ میں سورہ اذاوقعت الواقعہ پڑھتے اور نماز شب کبھی ترک نہ کرتے اور ہمیشہ کتب احادیث اور اخبار ائمہ اطہارؑ کا مطالعہ کرتے رہتے اور مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خدا سے استدعا کی ہے کہ مجھے دنیا میں اتنی مہلت دیدے کہ تو بالغ ہو جائے اور یہی اتفاق ہوا کہ جیسے ہی میں حد شباب کو پہنچا والد ماجد انتقال فرما گئے اور یہ مرحوم کی ایک کرامت تھی۔

والد صاحب نے بہت سی کتابوں پر حاشیے لکھے ہیں جیسے مطول، مفاتیح، شرح جامی، شرح اسباب در طب، شواھد ربوبیہ، زاد المعاد اور ایک رسالہ وباؤں کے پھوٹنے اور ان کے علاج کے بارے میں ہے۔ اپنی تحریر میں انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جیسے عصام اور سید نعمت اللہ کی تصریح د حاشیہ، حاشیہ چلپی اور مطول پر ملا میرزا جان کا حاشیہ، ملا محسن کی مفاتیح کی دونوں جلدیں، آقا ہادی کی مفاتیح پر شرح، شیخ احمد کی شرح زیارت جامعہ اور ان کے جوابات مسائل، اور شرح فوائد اور نصف شوارق، نصف محرق، نصف تحفہ، اور نصف زاد المعاد، حکمت العین پر حاشیہ، حیاۃ القلوب کی جلد سوم اور تذکرۃ الائمہ۔ ایک رات سحر کے قریب میں نیند سے اٹھا تو دیکھا کہ والد مرحوم بیٹھے ہیں اور بہت گریہ کر رہے ہیں اور ان کی بیویوں میں سے ایک وہاں بیٹھی ہیں۔ جب تھوڑی دیر بعد رونے سے سکون ہوا تو میں نے گریہ کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ وتر کی نماز کے قنوت میں پندرہ مناجاتوں میں سے پڑھ رہا تھا اور گریہ کر رہا تھا تو گھر کی چھت سے آواز آئی کہ "اے باعمل عالم" میرے والد نے اس سے آگے کچھ نہ بتایا بس یہ کہا کہ اس آواز کو سن کر مجھ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نماز کو تمام نہ کر سکا اور بے اختیار بیٹھ گیا اور روتا رہا۔ جب تک میں زندہ ہوں ہرگز اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔ مختصر یہ کہ مرحوم مناجات خمسہ عشر کو ہمیشہ قنوت نماز وتر میں پڑھا کرتے تھے اور نماز میں اس قدر خضوع و خشوع رکھتے کہ میں نے کسی اور میں اتنا نہیں دیکھا۔

میں جب جوان ہوا تو والد دنیا سے چل بسے۔ میں نے ان سے صمدیہ، شرح تصریف پڑھی تھی اور سیوطی، کبری اور حاشیۂ ملا عبد اللہ اپنے ماموں عالی قدر آقا سید جعفر و آقا سید حسین اعلیٰ اللہ مقامہما سے پڑھا۔ آقا سید ابو جعفر، آقا سید علی صاحب ریاض اور ان کے بیٹے آقا سید محمد کے شاگردوں میں سے تھے۔ آقا سید محمد نے ان کو اجازہ عطا کیا اور فقہ لکھنے کا حکم دیا۔ لیکن کثرت تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے انہوں نے احتیاط برتی اور بس تقلید کا سلسلہ جاری رکھا۔ انہیں اپنے مجتہد ہونے میں شک تھا اس کے بعد انہوں نے اصول و فقہ کو بالکل ترک کر دیا۔ عربی میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور سیوطی پر انہوں نے حواشی لکھے جو بڑے گہرے خیالات پر مبنی ہیں۔ میرے ماموں آقا سید ابو جعفر کی کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ حاکم کا ایک سپاہی ایک سید فقیر کو پکڑ کر تکلیف پہنچا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو۔ اس نے پرواہ نہ کی آپ نے کہا: خدا تجھے دیوانہ کر دے یہ کہنا تھا کہ وہ دیوانہ ہو گیا اور تین دن بعد مر کر جہنم رسید ہوا۔ آپ کی ایک اور کرامت یہ تھی کہ ہر شب صبح تک مسجد میں جا کر عبادت و تضرع و زاری میں مشغول رہا کرتے تھے۔ ایک رات مسجد میں تھے انہیں کچھ پتہ نہ تھا۔ اپنی عبادت میں مشغول رہے جب روشنی پھیلی تو ایک درویش ان کے پاس آیا اور ہاتھوں کا بوسہ لیا اور کہا کہ آپ کی عبادت مجھے بہت بھائی ہے آپ کے گھر کے قریب ایک خزانہ ہے آپ میرے ساتھ آئیں تو آپ کو دکھلا دوں آپ نے قبول نہ کیا اور کہا: مجھے خزانہ کی کوئی طلب نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے کتاب جامی اور شرح شمسیہ والد صاحب سے پڑھی پھر والد کی وفات ہو گئی۔ والد ماجد اور ماموں بزرگوار نے مجھے ہدایت کی کہ سیوطی اور جامی پر تعلیقہ (۱) لکھوں۔ اپنی حسب قابلیت میں نے کچھ لکھا۔ پھر عراق چلا گیا اور علم اصول، آخوند ملا صفر علی لاہجی سے جو قزوین میں تھے، پڑھا اور جن لوگوں کے درس میں حاضر ہوتا تھا وہ یہ ہیں۔ آخوند ملا صفر علی، حاجی ملا محمد صالح برغانی، آخوند ملا عبد الکریم ایروانی، حاجی ملا محمد جعفر استر آبادی،

(۱) حاشیہ

حجتہ الاسلام آقا سید محمد باقر، حاجی محمد ابراہیم کلباسی، شیخ محمد حسن صاحب جواہر الکلام، شیخ حسن بن شیخ جعفر نجفی، شیخ محسن خنفر، شیخ مرتضیٰ اور آخوند ملا آقائے دربندی۔ لیکن علم منقول میں میرے اصل استاد آقا سید ابراہیم صاحب ضوابط ہیں۔ میں نے فقہ، اصول اور رجال انہی دانشمند فضل وکمال سے حاصل کیا۔ اور میرے والد نے جو کتابیں جمع کی تھیں ان میں مصروف رہا۔ اس کے بعد میں کبھی دار المرز کے علاقے میں مال کے پیچھے نہ گیا بلکہ میل، ملاقات، شادی، غمی سب کو ترک کیا۔ آمد ورفت کا سلسلہ بالکل روک دیا اور اپنے آپ کو صرف تدریس وتالیف اور فکری اعمال وقواعد کے لئے وقف کر دیا۔

میری پیدائش کا سال ایک ہزار دو سو چونتیس ۱۲۳۴ یا پینتیس ۱۲۳۵ ہے لیکن زمانہ میرے ساتھ سازگار نہیں۔ باوجود اس کے کہ میں نے دنیا سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اہل دنیا نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مجھے اس مصیبت سے خلاصی عطا کر دے گا اور مجھے عراق میں سکونت اختیار کرنا نصیب ہو جائے گا اور تنگدستی اور پریشان حالی کو وسعت وسکون سے تبدیل فرمادے گا۔ حیرت انگیز باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ بچپنے میں دیکھا کہ حضرت صاحب الامر عجل اللہ فرجہ، ایک مدرسہ کے پہلو میں جس کی میں نے بنیاد ڈالی ہے کھڑے ہیں آپ نے تلوار سے وار کر کے میرا سر تن سے جدا کر دیا۔ میں جب علمی مراتب پر فائز ہوا تو یہ تعبیر نکالی کہ قتل کرنا طویل عمر یا امام عصرؑ سے فیضیاب ہونے کے معنی میں ہے اور نتیجہ یہی برآمد ہوا۔

ایک اور عجیب وغریب واقعہ یہ ہے کہ جب میں عتبات عالیات میں حاضر ہوا تو میں نے سوچا شادی کرنی چاہیئے۔ ایک عورت کے بارے میں استخارہ کیا کہ اس سے نکاح کروں استخارہ میں نے سید الشہداءؑ کے سرہانے کیا۔ یہ آیت نکلی "**یازکریا انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ**" میں سمجھ گیا کہ اس خاتون سے مجھے ایک بیٹا حاصل ہوگا اور وہ میری زندگی میں ہی وفات پا جائے گا۔ اور یہی ہوا کہ میرا بیٹا جو بڑا خوبصورت اور ذہین تھا سترہ سال کی عمر میں فوت ہو گیا اللہ اسے اور مجھے بخش دے۔

مجھ ناچیز نے جو کرامات اپنی آنکھوں سے حضرت ختمی مرتبتؐ کے اہل خاندان اور پوتوں کی دیکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس سال میں صدیقہ صغریٰ فاطمہ بنت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام جو معصومہ کا لقب رکھتی ہیں کی زیارت سے مشرف ہوا میں ہمیشہ معین مقدار میں سونے کے سکے اپنے ساتھ رکھتا تھا ایک رات جو شب جمعہ تھی میں نے خدام کو تنخواہ دینی چاہی غلطی سے دو اشرفیاں دیدیں۔ اندھیرا ابھی تھا جب واپس ہوا تو دیکھا کہ میں نے اشرفیاں دیدی ہیں اور وہ تھیلی جس میں اشرفیاں تھیں اب خالی تھی۔ صبح کو جب وہی تھیلی کہ جس میں اشرفی تھی نکالی تو اس میں اشرفی بھی تھی اور روزانہ کے اخراجات کی رقم موجود تھی اور دو اشرفیاں اس میں پڑی تھیں جبکہ رات کو وہ خالی تھی اور کوئی اس کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا اور یہ معاملہ دو دفعہ ہوا کہ پہلے تھیلی خالی ہوتی تھی اور بعد میں اس میں رقم ملتی تھی اور اسی طرح کا ایک اور واقعہ اس سفر میں پیش آیا جب میں حضرت عبد العظیم بن عبد اللہ حسنی کے جوار میں قیام پذیر ہوا۔ ان کا نسب چار پشتوں کے بعد حضرت امام حسنؑ سے مل جاتا ہے وہاں مجھے خالی تھیلی واپس ملی اور اس وقت تک میں اپنے تمام اخراجات مکمل کر چکا تھا۔

حضرت معصومہ قم کی دو اور کرامت میں نے مشاہدہ کیں۔ میرا بیٹا اور بیوی دونوں بیمار ہوئے اور بالکل موت کے منہ میں تھے پس میں نے ان صدیقہ صغریٰ سے فریاد کی کہ ہم دور دراز کا سفر طے کر کے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں اور ہرگز یہ توقع نہیں رکھتے کہ پریشان حال اور دل ملول ہو کر واپس جائیں۔ بس فوری طور پر دونوں مریضوں کو صحت حاصل ہوگئی۔ نیز کربلا معلی میں قیام کے دوران میں نے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کو عالم خواب میں دیکھا اور آپ سے کچھ سوالات کیے اور آپؑ نے جوابات ارشاد فرمائے پھر میں نے دریافت کیا: اس مشہور مسئلہ میں کہ ظن خاص وظن مطلق کی حقیقت کیا ہے اور کونسا قول سچا ہے۔

آنجنابؑ نے جواب دینے سے اعراض کیا اور اس سلسلہ میں کچھ بھی نہ فرمایا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ جواب دینا نہیں چاہتے کیونکہ اس وقت جبکہ امام زمانہؑ غائب ہیں اور باب علم بند ہے ہمیں انہی ظاہری احکام پر جو معلوم ہیں عمل کرنا چاہیے۔

مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ میری زندگی میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ایک دفعہ میں والی وفقہ اللہ کی ملاقات کو گیا اور اپنی مقررہ نشست گاہ پر بیٹھا۔ ایک غلاف سے نکلی ہوئی بندوق وہاں پڑی تھی میں نے اسے اٹھایا تاکہ جگہ کچھ کھلی ہو جائے۔ صاحب مجلس جو والی وفقہ اللہ تھے کہنے لگے: اے ملا دامت خدا

نے رحم کیا ورنہ یہ ممکن تھا کہ کوئی ہلاک ہوجاتا اور انتہائی شرمندگی اٹھانی پڑتی میں خاموش ہو رہا۔ اس نے کئی بار یہی بات کہی آخر مجھے غصّہ آ گیا اور میں نے کہا کہ تم نے مالک کو اپنے حدود حکومت سے معزول سمجھا ہوا ہے۔ وہ خدا جس نے مجھے عدم سے وجود تک اور پھر بڑھاپے کی منزل تک پہنچا دیا اور ہر قسم کی ہلاکت خیزیوں سے بچایا کیونکہ جسم میں ایسے اخلاط ہوتے ہیں جن کی کمی یا زیادتی سے پورا جسم بیکار، برباد یا زوال پذیر ہوسکتا ہے اور وحشی اور پالتو ہر قسم کے حیوانات کی دشمنی سے حفاظت کی اور گھر کے گرنے، غرق اور جل کر مرنے اور بجلی گرنے اور ہواؤں اور بارشوں، سیلاب وزلزلے اور زہریلے جانوروں اور ان جراثیم سے جو مسامات کے ذریعہ بدن میں داخل ہوجاتے ہیں اور اپنے ہم جنس انسانوں کی دشمنی سے محافظت فرمائی اور بہترین علمی مراتب تک پہنچایا۔ ان سب چیزوں کے باوجود ایک ذرا سی چیز سے ضائع اور برباد کردے گا۔ مثلاً اگر بادشاہ کا کوئی منصب دار بادشاہ کے دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوجائے اور سلطان اس کو ان سے نجات دلانے پر قدرت رکھتا ہو کیا اس کی غیرت یہ گوارہ کرے گی کہ اس کی طرف سے آنکھیں بند کرلے اور اسے اسی حال میں رہنے دے۔ بے شک امام عصرؑ کی غیرت بھی ہرگز یہ گوارہ نہیں کرے گی کہ اپنے ملازم اور عقیدتمند کو یوں برباد ہونے دیں سوائے اس کے کہ قدرت کی کوئی اور مصلحت ہو اور وہ بھی اس شخص کی تکمیل شخصیت کے لئے ہوگی۔

ایک مجلس میں کچھ ملنے والوں نے انگریز سفیروں کی بات بیان کی کہ سفیر یہ کہتا ہے کہ ہم انگریز شق قمر کے معجزہ کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہمارے روزناموں میں کبھی ایسی بات نہیں لکھی گئی اور انگلستان کے کسی علاقے میں ایسی عجیب وغریب چیز ظہور پذیر نہیں ہوئی ورنہ ہر ایک کو اس کا علم ہوتا۔ حکایت کنندہ نے کہا کہ علماء میں سے کوئی بھی دلائل و براہین کے ذریعہ ممالک خارجہ کے سفراء کے سامنے ثابت نہیں کرسکتا اور ان کی بات کا جواب نہیں دے سکتا۔

مجھ ناچیز مؤلف کتاب نے اس کے جواب میں کہا کہ بلند پایہ علماء کو تو جواب سے عاجز سمجھا جارہا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ علمائے باکمال تو ایسی محافل میں موجود ہی نہیں ہوتے اور جو کم فہم لوگ ایسی مجالس میں ہوتے ہیں وہ اس شبہ کا ازالہ نہیں کرسکتے۔ انہیں نہ مبداء کی خبر ہے نہ معاد کی اور آجکل علم منقول تو بہت کچھ سیکھا جاتا ہے اور معقولات کا کسی کو پتہ نہیں اور اس قسم کے مسائل علم معقول سے متعلق ہیں لہٰذا وہ جواب دینے سے عاجز رہ جاتے ہیں اور اس شبہ کا حل یہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ رات میں ظہور پذیر ہوا اور صرف لحہ بھر کے لئے یہ کیفیت ہوئی اسی لئے اس رات سب کو اس بات کی خبر نہیں پہنچی بلکہ ان چند افراد نے جو پیغمبرؐ کے حضور میں حاضر تھے اس کا مشاہدہ کیا اور دوسرے لوگ کچھ سو رہے تھے اور بعض گھروں میں اپنے مشاغل میں لگے ہوئے تھے۔ اس لئے صرف کچھ ہی لوگوں نے یہ منظر دیکھا۔ اس کے علاوہ روزنامے اس زمانے میں انگریزوں کے ہاں بھی نہیں چھپتے تھے یہ تو بعد کے زمانے کی چیز ہے لہٰذا وہ انگریزی طور طریقوں کے اپنانے والے جو منصف مزاج ہیں وہ اس کھلی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ زمین کروی ہے اور مشرق کی جانب ہر پانچ فرسخ کے فاصلے پر سورج ایک منٹ پہلے طلوع اور غروب کرتا ہے اس طرح ہر بیس فرسخ پر چار منٹ ہوئے۔ اور مغرب کی سمت آفتاب اسی لحاظ سے ہر بیس فرسخ پر چار منٹ تاخیر سے غروب ہوگا۔ لہٰذا زمین کی گولائی کی وجہ سے اصولی طور پر یہ پتہ چلا کہ ایک ہی دن مختلف جگہوں پر جمعرات، جمعہ، سنیچر ہوسکتا ہے۔ ایسا ان تین اشخاص کے لئے ہوگا کہ جن میں سے ایک کسی مقام پر ہے اور دوسرا اس کے مغرب میں اور تیسرا مشرق کی سمت اور تیس سال بعد ایک دوسرے کے قریب پہنچیں گے جیسا کہ شیخ بہائی نے تشریح افلاک میں لکھا ہے۔ اس لئے انگریزی علاقے کبھی بھی افق مکہ میں واقع نہیں ہوئے شاید انگریزی علاقوں میں شق القمر کا وقت ظہر یا عصر کا وقت ہوگا لہٰذا وہاں نہ دیکھا جاسکا اور بعض حکماء کے نزدیک نبی یا ولی کا اعجاز یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے خیالات و بصارت پر تصرّف کرسکتا ہے اور وہ یہ سمجھیں گے کہ کوئی چیز اسی طرح واقع ہوئی ہے۔ اس انداز نظر کے ماننے والوں کے نزدیک تصرف در تخیل ان لوگوں میں کیا جاسکتا ہے جو سامنے موجود ہوں نہ کہ دوسرے کسی پر۔ لیکن یہ انداز فکر بالکل غلط ہے کیونکہ اس طرح اعجاز نمائی ایک فسانہ سے زیادہ اہمیت نہ رکھے گی اور اس میں کوئی واقعیت نہ رہے گی اور یہ بالکل بکواس ہے۔ انبیاءؑ کے معجزات حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اور غیبی سوانح میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جب میں عین عالم شباب میں تھا تو ایام عاشورہ کے دس دنوں میں کتب مقاتل کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔

ایک رات مجھے یہ خیال ذہن میں آیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ اصحاب سید الشہداءؑ میں سے ہر ایک میدان میں جا کر قوم بدشعار کی کثیر تعداد کو جہنم رسید کرتا تھا جبکہ لشکر مخالف بھی دلیر اور شجاع تھا آخر وہ اپنی شجاعت کا مظاہرہ کیوں نہیں کر پاتے تھے۔ ایک رات سویا تو خواب میں دیکھا کہ کربلا برپا ہے اور میں لشکر امام حسینؑ میں ہوں۔ اچانک ایک شخص میرے پاس آیا کہ اب تمہاری جہاد کرنے کی باری ہے۔ میں نے کہا میرے پاس تو کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے۔ اس شخص نے ایک ٹوٹا ہوا چاقو جس کا ذرا سا پھل باقی تھا میرے ہاتھ میں دیا کہ یہ تیرا ہتھیار ہے میں نے کہا: لشکر مخالف کدھر ہے؟ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم ایک دیوار کے پاس پہنچے میں نے دیکھا بہت سی چونٹیاں ہیں جو اس دیوار پر چڑھ رہی ہیں۔ اس شخص نے کہا: یہی چونٹیاں لشکر مخالف ہیں۔ میں نے دیوار پر خط کھینچا اور ہر دفعہ خط کھینچتے وقت بہت سی چونٹیاں نیچے گریں۔ میری آنکھ کھلی اور میں سمجھ گیا کہ شجاعت کے یہ معنی ہوتے ہیں اور جو شک میرے دل کو پریشان کر رہا تھا رفع ہو گیا اور الحمد للہ یہ شک بالکل رفع دفع ہو گیا۔

ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ کسی علاقے میں نسل سادات کے افراد پر ایک ظالم، کمینہ، بدمعاش حاکم بے پناہ مظالم کرتا تھا۔ ان ستم رسیدہ افراد نے مجھ سے اس بات کی شکایت کی تو میں نے اس کے گماشتوں سے شکایت کی لیکن کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ چنانچہ میں ایک روز منبر پر گیا اور بارگاہ عادل و جبار و قہار میں عرض کیا کہ پروردگارا اولاد پیغمبرؐ کو اس ستم شعار کے ظلم سے بچا اور روز حساب کے عذاب کا اس کو مزہ چکھا۔ زیادہ مدت نہ گزری کہ وہ غدار، سیاہ کار اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم رسید ہوا۔

اللہ کی غیبی نوازشات کا ایک قصہ یوں ہے کہ گھریلو کاموں سے متعلق کسی ضروری کام کے لئے مجھے کہا گیا بلکہ بار بار یاد دہانی کرائی گئی اور میں نے اس میں قدرے سستی سے کام لیا بلکہ سستی کیا میں نے کوشش کی تھی کام ہو نہ سکا۔ حتیٰ کہ ایک روز بچوں نے بے حد اصرار کیا۔ میں سوچ میں پڑ گیا اور گویا مجھے الہام ہوا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ قضائے حوائج کے لئے میں نے وضو کیا اور عمامہ تحت الحنک لٹکایا اور اس کام کے لئے باہر نکلا ابھی سو قدم چلا ہوں گا کہ میری مراد بر آئی اور وہ کام انجام پذیر ہو گیا۔

ایک اور عجیب حکایت میرے حالات کی یہ ہے کہ جس سال میں زیارتِ صدیقہ حضرت فاطمہ بنت موسیٰ ابن جعفرؑ سے مشرف ہوا تو بعض علماء وہاں جمع ہوئے اور نبوت خاصہ کے بارے میں کہنے لگے کہ اس کا اثبات ناممکن ہے اور یہ بھی کہا کہ ملا ہادی سبزواری کے شاگردوں میں سے کچھ علماء قم آئے تھے اور ان سے ہم نے اس بارے میں سوال کیا کہ نبوت خاصہ کا اثبات کریں لیکن وہ جواب نہ دے سکے۔ میں نے کہا کہ میں یہ مرحلہ طے کردوں گا نہ قاعدۂ امکان اشرف سے، نہ قرآن کریم کے حوالے سے، نہ کسی معجزہ سے کہ جس کے لئے واقعات کا سہارا لینا پڑے بلکہ میں حقیقت خاتم الانبیاءؐ کو ان تمام امور کے بغیر ہی ثابت کردوں گا لیکن چند مقدمات بطور تمہید پیش کرنا پڑیں گے۔

مقدمہ اول یہ ہے کہ ہم نبوت خاصہ کو عقل سے ثابت کریں لیکن یہ بات کہ محمدؐ بن عبد اللہ نے فلاں سال دعویٰ نبوت کیا تو یہ بات عقل سے نہیں لامحالہ نقل سے ہی بتائی جائے گی۔ کیونکہ عقل سے یہ ثابت کرنا کہ فلاں سال پیغمبرؐ آئے محالاتِ عقل سے ہے۔

مقدمہ دوم یہ کہ دلیل کی اقسام ہوتی ہیں (۱) عقل قطعی (۲) عقل ظنی (۳) نقل ظنی جیسے خبر واحد (۴) نقل قطعی اور اس نقل قطعی کی بھی کئی قسمیں ہیں ایک یہ کہ خبر واحد تو ہو لیکن قرینہ سے ثابت ہو جیسے گھر میں کوئی آنا چاہے اور دروازہ پر دستک دے۔ اس وقت کوئی گھر سے نکل کر کہے کہ صاحب خانہ نے تمہیں اندر آنے کی اجازت دیدی ہے۔ یہ خبر واحد ہے لیکن قرآن کے ذریعہ اس سے افادۂ علم ہو رہا ہے۔ دوسرے خبر متواتر لفظی اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہر طبقہ سے خبر دینے والے اس قدر ہوں کہ ان کی کثیر تعداد سے اس بات کا علم ہو کہ فلاں لفظ فلاں سے مروی ہے جیسے حدیث غدیر خم کہ اتنی کثیر تعداد اس خبر کو بیان کرنے والوں کی ہے کہ پیغمبرؐ نے یہ حدیث بیان فرمائی لیکن لفظ کا جہاں تک تعلق ہے وہ نص اور قطعی بھی ہو سکتا ہے اور ظاہر و ظنی بھی۔

تیسرے خبر متواترِ معنوی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی احادیث وارد ہوئی ہوں جن کا مضمون یکساں ہو، الفاظ میں اختلاف ہو اور یقین ہو جائے کہ یہ کسی معصومؑ کی حدیث ہے۔ اسی لئے احادیث پر یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ بات واقعی ہے، حق ہے، درست ہے۔

چوتھے تظافر وتسامع ہے اور وہ یہ ہے کہ بہت سے خبر دینے والوں نے اس مرحلہ پر خبر دی ہے جس سے حقیقت مضمون کا علم تو ہو گیا لیکن طبقات کا پتہ نہیں بلکہ خبر واحد بھی جو سلسلۂ سند کو ثابت کر سکتی ہے درمیان میں موجود نہیں جیسے کہ ہمیں علم ہے کہ ہندوستان موجود ہے یا رستم بہادر تھا یا حاتم سخی تھا تو علم تو ان سب چیزوں کا حاصل ہو رہا ہے لیکن کوئی سند درمیان میں نہیں ہے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ میں نے زید سے سنا، زید نے عمر سے اور عمر نے کسی اور سے وغیرہ اس سلسلہ میں سند حتمی ہو سکتی ہے نہ سند آحادی۔ بہر حال ان چیزوں کا علم حاصل ہے۔

مقدمہ سوم محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن عبد مناف تیرہ سو ایک سال پہلے آئے، مکہ و مدینہ میں قیام کیا، مدعی نبوت تھے، کئی غزوے کیے اور یہ مقدمہ قطعیت کی منزل پر ہے اور تظافر اور تسامع سے پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے جیسے سخاوت حاتم، شجاعت رستم۔ اگر چہ یہ مقدمہ اپنی جگہ قطعی ہے لیکن نقل سے بھی ثابت ہے لیکن ایسی بات کو عقل سے ثابت کرنا محال ہے۔

مقدمہ چہارم معلوم ہونا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ پر لازم ہے کہ بندوں پر لطف کرنے کی بناء پر نفس کے فائدے اور نقصان کے بارے میں انسان کی ذمہ داریوں کو اپنے بندوں تک پہنچائے اور ان کا اعلان کرے جو پیغامات بھیجنے اور آسمانی کتب کے نزول کے ذریعہ ممکن ہے لہٰذا لازمی ہے کہ روئے زمین پر ہمیشہ ایک جماعت ایسی ہو کہ وہ مذہب حق کے ساتھ ہو تا کہ لوگ گمراہی کا شکار نہ ہوں اور لطف الٰہی کے خلاف نہ ہو اور پیغام رسانی اور نزول کتب بھی لطف پروردگار ہے اور علم کلام کی کتابوں میں یہ مقدمہ بہت کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اور ہم نے بھی منظومۂ نبوت اور اس کی شرح میں اس کو بالترتیب بیان کیا ہے اور عقل اسکی گواہی دیتی ہے۔

مقدمہ پنجم یہ کہ انسان تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) ناقص مستکمل (۲) کامل غیر مکمل (۳) کامل مکمل۔

پہلی قسم عامۃ الناس کی ہے کہ ایسے رسول کے محتاج ہوتے ہیں جو ان کی تکمیل کا باعث ہو۔ قسم دوم اولیاء ہوتے ہیں جیسے اولیاء بنی اسرائیل کے زمانے میں تھے کہ خود کامل تھے لیکن دوسرے کی تکمیل سے قاصر تھے جیسے ایک قول یا احتمال کی بناء پر لقمانؑ تھے۔ اور تیسری قسم کو انبیاءؑ کہتے ہیں کہ خود بھی کامل ہیں اور دوسرے کو بھی کامل بنا سکتے ہیں۔ اور غیر تکمیل کی تکمیل سے مراد افعال، اعمال، اعتقادات و آداب وغیرہ میں کامل بنانے سے ہے۔

مقدمہ ششم یہ کہ رسولؐ خدا کی بعثت سے پہلے کوئی دین حق موجود نہیں تھا۔ قریش بت پرستی کرتے تھے اور یہ بھی واضح ہے کہ بت پرستی عقلاً باطل ہے کیونکہ عقل یہ حکم لگاتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کا جسم نہیں ہے نہ اس کے لئے کوئی مکان ہے نہ وہ اجزاء میں بٹ سکتا ہے نہ وہ عاجز ہے نہ اس کا کوئی غیر ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ سے مراد وجودِ اتم تمام فوق التمام (ہر لحاظ سے مکمل اور ہر ایک سے برتر) اور ایسا وجود جو اتم تمام فوق التمام ہو مٹ جانے اور نیست ہونے کے عیب سے بھی بری ہے چنانچہ اس میں ترکیب، عجز، نقص، غیر سے احتیاج وانفعال متصور ہی نہیں ہے اور اصنام (بت) جو اجسام فانی اور اجزاء سے مرکب، مکان کے محتاج اور فعل وکلام وبیان سے عاجز ہوتے ہیں۔ اور جسم مختلف چیزوں جیسے وضع، وجہ (چہرہ)، کہاں، کب، کتنا، کیسا وغیرہ سے گھرا ہوتا ہے اور ان سے آزاد نہیں ہو سکتا اور یہ ساری تغیر وحدوث اور زوال پذیری اور اضمحلال کی علامات ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب سے بے نیاز اعلیٰ و اکبر ہے اس لئے بت پرستی کا بطلان بالکل واضح ہے۔ اور بت پرست ہمیشہ ان اعمال وافعال کو جو عقلی طور پر باطل، فاسد اور حرام ہیں انجام دیتے رہتے ہیں جیسا کہ شراب نوشی کو عقل حرام قرار دیتی ہے اور یہ ہر شریعت و مذہب میں حرام رہی ہے کیونکہ وہ عقل کو زائل کر دیتی ہے اور پروردگار کی یاد کو جو عبودیت کی شان ہے دل سے محو کر دیتی ہے اور یہ لوگ ہمیشہ خونریزی کرتے رہتے تھے اور لوگوں کو اسیر بنا لیتے تھے یا انہیں سولی دیدیتے تھے۔ اور یہ طے ہے کہ جان ومال وخون کی حفاظت از روئے عقل ضروری ہے اور اس کے ذریعہ نظام معاش باقی رہ سکتا ہے۔

اہل کتاب کا جہاں تک تعلق ہے تو ان میں مجوس تو بیٹی اور بہن تک سے نکاح کر لیتے ہیں، شراب پیتے اور اپنے پیشوا کی خدائی کے قائل ہیں اور یہ بھی عقلاً باطل ہے اور اس کی وجہ واضح ہے۔ رہے نصاریٰ تو وہ تثلیث کے قائل ہیں اور اقانیم ثلثہ یعنی باپ، ماں اور بیٹا جس کو وہ عیسیٰؑ، مریمؑ اور خدا کہتے ہیں کو مانتے ہیں اور اتحاد وحلول کے معتقد ہیں جو عقلاً کفر ہے۔ ان کی چاروں اناجیل ایک دوسرے کی کاٹ کرتی ہیں اور ترسائی الحقیقت مجسمہ ہیں اور انجیل

میں لکھا ہے کہ ایک دعوت میں چند ظروف (برتن) تھے عیسیٰ نے دعا کی تو سارے برتن شراب سے بھر گئے تو انھوں نے اپنے مہمانوں کو شراب دی اور اس طرح وہ سب مست اور دیوانے ہوگئے اور انجیل میں کہیں تو حضرت آدمؑ اور یوسفؑ کے درمیان چالیس پشت سے بھی زیادہ فاصلہ بتایا ہے اور کہیں چالیس سے بھی کم لکھا ہے مختصر یہ کہ ان کے مذہب کا باطل ہونا بھی نصف النہار کے سورج کی طرح واضح ہے اور یہودیوں کا مذہب بھی باطل ہے۔ اور ان کی توریت بھی تحریف شدہ اور بدلی ہوئی ہے اور وہ بھی شراب کو حلال سمجھتے ہیں اور توریت میں مذکور ہے کہ خدا نے تعالیٰ ایک دفعہ آسمان اول پر آیا اور زمین پر نگاہ ڈالی کہ اس کے بندوں نے وہاں خونریزی و معصیت و فساد برپا کیا ہوا ہے تو ان کی خلقت پر پشیمان ہوگیا۔ ایضاً توریت میں یہ بھی ہے کہ یعقوبؑ نے اپنی بہن کو سجدہ کیا بلکہ ایک جگہ تو توریت میں یہاں تک لکھ دیا گیا ہے کہ لوط پیغمبر اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد ان کی آبادی سے ایک دور جگہ پر اپنی دو لڑکیوں کے ساتھ اقامت گزین ہوئے۔ بڑی بیٹی پر شہوت کا غلبہ ہوا اس نے اپنے باپ لوط پیغمبر کو شراب دی اور جب وہ مست ہوگئے تو ان سے مباشرت کی اور اپنے باپ سے حاملہ ہوگئی۔ چھوٹی بہن نے اس کی کیفیت دریافت کی تو بڑی بہن نے حمل ہونے کے بارے میں جو کچھ ہوا تھا بتا دیا تو چھوٹی بہن نے بھی باپ کو شراب پلائی اور مستی کی حالت میں اس نے بھی وہی کچھ کیا اور حاملہ ہوگئی۔ پھر ایک بہن سے بیٹا پیدا ہوا دوسری سے بیٹی اور جب بڑے ہوئے تو شادی کر لی اور پھر ان کی نسل دنیا میں پھیلی۔ غرض یہ کہ توریت میں یہ نفرت انگیز اعمال کہ ہر کسی کی عقل ان کو جھوٹا قرار دیتی ہے پیغمبروں سے ان کو نسبت دی گئی ہے۔ القصہ مذہب یہود کا باطل ہونا اور توریت کی بہت سی بے بنیاد باتیں ناقابلِ ذکر ہیں ہم نے منظومہ نبوت اور اس کی شرح میں اس مذہب کے بطلان کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔

مقدمہ ہفتم یہ کہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو دین محمدؐ بن عبداللہ لے کر آئے وہ بالکل صحیح اور قطعی فیصلہ دینے والی عقل کے مطابق اور اس کے عقاید سب مطابق عقل ہیں۔ چنانچہ یہ دین خدا کو جسم و جسمانیات اور شریک سے منزہ، اتحاد و حلول سے مبرا اور تغیر و تبدل سے آزاد مانتا ہے اور اس کو عادل، قادر، عالم، غنی سمجھتا ہے۔ اور یہ سب عقاید حقہ ہیں کہ جن پر عقل دلالت کرتی ہے اور فروع دین میں دن رات کے اذکار ہیں کہ جن کے ذریعہ لوگ اپنے پروردگار کو یاد رکھتے ہیں اور اسے فراموش نہیں کرتے کہ کہیں وقت کے ساتھ ساتھ دین زائل نہ ہو جائے اور عقل یہ حکم دیتی ہے کہ ہر پیغمبر کو اذکار و اوراد لانے چاہئیں کہ جو خدا کی یاد آوری کا سبب ہوں اور اس دین کی تمام شرعی ذمہ داریاں نقص سے بری ہیں تاکہ جب کوئی انسان سیر و سلوک کی منزل پر آئے اور تکمیل نفس کرنا چاہے تو اپنی خودی سے دست کش ہو جائے اور اپنے سے بے پروا ہو کر اپنی انانیت کے پہاڑ کو ڈھا کر دل سے مال و اہل و عیال کی محبت دور کر کے گھر اور وطن کے خیال کو چھوڑ دے اس طرح جب یہ ساری محبتیں حتیٰ کہ کھانے پینے تک کا خیال دل سے نکال دے تو دل میں صرف ایک کی محبت رہ جائے گی اور وہ ذات خداوند تعالیٰ کی ہے۔ حقیقت عبادت و بندگی اس وقت ظاہر ہوگی۔ پس اسی لئے خاتم النبیینؐ نے شب و روز کی نمازیں قرار دی ہیں کہ ان اوراد و وظائف سے اور ان کاموں سے خصوصاً پیشانی کو جو جسم انسانی کا افضل ترین حصہ ہے خاک پہ رکھنے سے اپنے آپ سے محبت و کبر و افتخار ملیامیٹ ہو جائے گا اور اس کے بعد زکوٰۃ و خمس کی ادائیگی کا حکم دیا تاکہ راہِ خدا میں مال دینے سے قلب سے محبت مال بھی نکل جائے۔ پھر روزہ کا حکم دیا تاکہ کھانے اور پینے اور شکم پری جو حیوانات کا شیوہ ہے کی محبت بھی دل سے نکل جائے پھر مستطیع لوگوں پر حج لازم قرار دیا تاکہ مسافرت کی وجہ سے اہل و عیال، وطن، گھر، اموال سب کی محبت دل سے خارج ہو جائے۔

پس اس وقت قلب جو مقام رب ہے اس قول کے مطابق کہ **انا عند المنکسرۃ قلوبھم والمندرسۃ قبورھم** (میں ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں اور بے نشان ہو جانے والی قبروں کے نزدیک ہوں) اغیار سے خالی رنگ و غبار سے صاف اور ساری برائیوں کے خیال سے عاری ہو جائے گا پس دل کی محبت خدائے یگانہ کے لئے خالص ہو جائے گی۔ آپ عبادات کی حکمت دیکھئے بلکہ یہ کہ ہر عبادت میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اسی طرح امور معاش اور نظام حکومت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات لائے کہ تاکہ ظلم و ستم کا خاتمہ ہو اور شجر خبیثہ کی جڑوں کو بالکل کاٹ دیا جائے۔ حالانکہ نظام معاش ظالمانہ طریقے سے بھی چل سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ادیان باطلہ میں معاشرہ کا انتظام ظالمانہ انداز پر ہوتا ہے اور علاج فاسد فسد سے ہی کرتے ہیں (یعنی اینٹ کا

سیکھا لیکن اس میں تحریف وتغیر کر دیا اور یہ بھی جواب پتھر سے دیا جاتا ہے۔ مترجم) حالانکہ ان ادیانِ باطلہ ۔: معاشرتی نظام انبیاءؑ سے وراثتاً پایا اور انہی سے ملے ہے کہ ظلم قبیح ہوتا ہے چاہے زندگی کے امور کے لئے کیوں نہ ہو جبکہ جناب ختمی مآب کا نظامِ حیات کلی طور پر خواہ وہ معاہدات ہوں یا معاملات، احکام ہوں یا سیاسیات سب ہی ہمیں عدل وعقل پر مبنی نظر آتے ہیں۔ اور اگر ہم اس کی تفصیل میں جائیں تو موضوع کتاب سے دور ہو جائیں گے اور جب یہ مقدمات صحیح سوچ وفکر رکھنے والوں کی سمجھ میں آ گئے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب ان مذاہب کا باطل ہونا اچھی طرح معلوم ہو گیا اور اب بھی ان ادیان میں سے کچھ اگر باقی ہیں تو مشاہدہ یہ ہے کہ وہ باطل ہیں اور محمد بن عبداللہ نے بھی علی الاعلان پروردگار کی طرف بلانے کے لئے قیام فرمایا اور آپؐ ایسی ذات ہیں کہ خود کامل ہیں اور دوسروں کو بھی کامل بنانے والے ہیں اور آپ کا دین حکمت وعمل کے مطابق ہے سوائے آپؐ کے دین کے کوئی اور دین حق نہیں ہے پس آپؐ ہی حق پر ہیں چاہے معجزہ دکھائیں یا نہ دکھائیں نیز یہ کہ ہر پیغمبر کا دین اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے لیکن چونکہ آنجناب تمام پیغمبروں سے افضل ہیں اس لئے اس پیغمبر عرب کا دین بھی دوسرے ادیان کے مقابلے میں کامل ترین ہونا چاہئے۔ اس لئے آپؐ سب سے افضل اور خاتم الانبیاءؑ ہیں۔ جب میں نے یہ تمام دلائل پیش کیے تو علمائے مجلس نے ان دلائل کے بہترین ہونے کی تائید وتصدیق کی۔

مؤلف کتاب کی بہت سی تالیفات ہیں چنانچہ ان کی فہرست یہاں ذکر کی جا رہی ہے۔

علم تفسیر میں کئی کتابیں تالیف کی ہیں پہلی کتاب توشیح التفسیر ہے اور خاصہ وعامہ کی کوئی تفسیر اس سے بہتر نہیں ہے اور اس تفسیر سے میری غرض تالیف یہ ہے کہ ہر ایک اس بات کو مان لے کہ کلام سبحانی وفرقانِ ربانی حضرت ختمی مرتبت کا معجزہ ہے۔ ابھی میں نے اس تفسیر کی دو جلدیں لکھی ہیں۔ جلد اول قواعدِ تفسیر کے متعلق ہے اور جلد دوم تفسیر سورۂ حمد اور سورۂ بقرہ کی ۲۳ ویں آیت تک ہے جلد اول قواعد علم تفسیر پر مشتمل ہے جیسے کہ فقہاء قاعدہ بناتے ہیں اور پھر اس کے ذریعے مسائل کا حل نکالتے ہیں اسی طرح مجھ ناچیز نے بھی رفتہ رفتہ مشہور احادیث کے ذریعے قواعد نکالے اور ان میں سے ہر قاعدہ کے ذریعہ بہت سی آیات کی اصولی تشریح کی اور قرآن میں آیات کی تکرار کی وجہ بیان کی اور آیات کی فصاحت، بلاغت، سلاست، ملاحت اور یہ کہ وہ کیونکر معجزہ ہے اور آیات قرآنی ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرتیں اور ان کی تاویلات ونکات اور جامعیت قرآن کو اس طرح واضح کیا ہے کہ دوسری کتب تفسیر میں یہ چیزیں نہیں ملتیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ جلد اول ہی ایک مکمل تفسیر ہے اور یہ دونوں جلدیں از اول تا آخر مقفّی ومسجع عبارت میں ہیں۔ آیہ **شهد الله لا اله الا هو** کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ کس طرح یہ آیت میرے درس میں موجود ایک دشمن کے ذلیل کرنے کے لئے استدلال اور برھان بنی۔

تیسری تفسیر آیہ **ان اول بيت وضع للناس** کی ہے اس کی کربلا سے تاویل کی ہے اور یہ استدلال کیا ہے کہ یہ بالکل نت نئے افکار ہیں اور امام زمانہؑ کی فیض رسانی کی بدولت گہرے معانی ذہن میں پیدا ہوئے اور جتنا میں کر سکتا تھا میں نے ان کی وضاحت کی۔ تقریباً دو ہزار اشعار اس کتاب میں لکھے گئے ہیں۔ چوتھی تفسیر آیہ امانت کی ہے جو بڑی باریک بینی سے ہوئی ہے۔ پانچویں تفسیر آیہ **فكان قاب قوسين او ادنى** کی بطریقہ حکماء کی گئی ہے۔ چھٹی تفسیر سورۂ والضحیٰ کی ہے جو بالکل نئے معانی پر مشتمل ہے اور تقریباً ایک ہزار بیت پر مبنی ہے۔ ساتویں تفسیر سورۂ فیل کی جو حقیقتاً بہت سے قاعدوں کی حامل ہے اس میں بھی تقریباً ایک ہزار اشعار ہیں۔ آٹھویں تفسیر سورۂ نصر کی یہ بھی پہلی تفسیروں کی طرح ہے نویں تفسیر سورۂ قدر کی زبان فارسی میں ہے تقریباً ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ دسویں تفسیر سورۂ قدر کی عربی میں اور تقریباً دو ہزار اشعار میں ہے۔ گیارھویں تفسیر سورۂ قدر کی ہے تین ہزار اشعار ہین اور یہ سورۂ قدر کی تیسری تفسیر ہے جو شروع سے ہی مسجع اور مقفّی عبارت میں ہے اور اس کو میں نے معتمد الدولہ نائب السلطنۃ نواب عالی قدر فرہاد میرزا کے نام نامی پر تالیف کیا ہے۔

اور علم صَرف پر بھی کئی کتابیں ہیں۔ میری بارھویں کتاب 'شرح تصریف زنجانی' ہے۔ تیرھویں کتاب 'شرح بر شرح تفتازانی بر تصریف زنجانی' کہ میں نے تعریف معتدی ولازم پر پانچ سو اعتراضات ملا تفتازانی پر کیے ہیں۔ اور یہ شرح فارسی زبان میں ہے۔ چودھویں 'حاشیہ بر تصریف ملا سعد'۔ پندرھویں 'منظومہ علم صَرف'۔ سولھویں مذکورہ بالا منظومہ کی شرح۔ سترھویں 'شواہد شرح منظومہ'۔ اٹھارویں 'شرح امثلہ سیّد شریف'۔ میں نے اس رسالہ میں

ستر اعتراضات سید شریف پر وارد کیے ہیں۔

کتب نحو میں بھی چند کتابیں ہیں۔

انیسویں کتاب 'شرح عوامل جرجانیہ'۔ بیسویں 'شرح فارسی بر عوامل ملا محسن' یہ کتاب میں نے نو دن میں تالیف کی۔ اکیسویں 'شرح **ثمانا بعد ماجاوزت الاثنین** 'معنی اور ترکیب کے اعتبار سے۔ بائیسویں 'شواہد عوامل ملا محسن'۔ تئیسویں 'شرح صمدیہ' جو ذکر، اقوال اور مختصر دلیلوں پر مبنی ہے اور اس کو گیارہ دن میں تالیف کیا اور یہ وہ دن تھے کہ میں دوا استعمال کر رہا تھا اور رو بصحت ہو رہا تھا۔ چوبیسویں 'سیوطی پر حاشیہ' جو مبتدا، وخبر کے اواسط تک تین جلدوں میں لکھا اور ہر مسئلہ پر اقوال، دلائل اور تحقیق کی ہے فارسی زبان میں ہے۔ پچیسویں 'شرح جامی پر حاشیہ' کہ اس سے بہتر کتاب ابھی تک تالیف نہیں ہوئی ہے اور جن جن مقامات پر میں نے اعتراض کیا ہے تو تیس چالیس اعتراض تک کر ڈالے ہیں اور نحوی طریقوں پر عبارات کو حل کیا ہے جو بڑی حیرت انگیز چیز ہے۔ چھبیسویں 'شواہد بر شرح جامی' ہے جو فارسی میں ہے۔ ستائیسویں 'شرح حدیث ابی الاسود دئلی در اختراع نحو' ہے اور اس میں بعض اسماء نہ ظاہر لکھے ہیں نہ پوشیدہ اور یہ بات بڑی مشکل ہوتی ہے۔ اٹھائیسویں 'شرح لغزہ شیخ بہائی' اسم زبدہ میں کہ جس میں نحوی عنوانات قائم کیے ہیں۔ انتیسویں 'منظومہ علم نحو'۔ تیسویں رسالہ 'مؤنثات سماعیہ از واجب، تانیث و جایز الوجہین اور احکام مؤنثات'۔

علم منطق میں پانچ کتابیں ہیں۔

اکتسویں 'حاشیہ بر کبریٰ' اس میں پینسٹھ (۶۵) اعتراضات سید شریف پر کیے ہیں۔ بتیسویں 'منظومہ منطق'۔ تینتیسویں 'حاشیہ ملا عبد اللہ یزدی پر حاشیہ' منطق کے طریقہ پر۔ بڑے نئے خیالات پر مشتمل ہے اور ملا عبد اللہ کے حاشیہ پر تا حال اس طرح کا حاشیہ نہیں لکھا گیا۔ چونتیسویں 'شرح دیباچہ شرح شمسیہ'۔ اور علم خلاف جو علم آداب مناظرہ ہے اس میں دو کتابیں لکھی ہیں۔ پینتیسویں منظومہ مختصرہ در آداب مناظرہ۔ چھتیسویں 'منظومہ مطولہ در علم آداب مناظرہ'۔

علم معانی و بیان و بدائع میں بھی چند کتابیں ہیں۔

سینتیسویں 'علم معانی و بیان و بدیع'۔ اڑتیسویں 'شرح دیباچہ مطول' فارسی زبان میں لکھی ہے۔ انتالیسویں 'شواہد اشعار مطول'۔ فارسی زبان میں لکھی گئی۔ چالیسویں فارسی رسالہ علم بدیع میں جو لفظی و معنوی خوبیوں پر مشتمل ہے اور اشعار فردوسی، اشعار مؤلف اور کچھ عربی اشعار سے تمسک کیا گیا ہے۔ اکتالیسویں 'حاشیہ بر مطول' جو بڑی تحقیقات، باریک بینی اور شارح پر اعتراضات پر مبنی ہے اور عجیب و غریب باتوں اور تازگی سے خالی نہیں تقریباً مطول بر حاشیہ سید شریف کے برابر ہے۔

علم اعداد و اوفاق میں دو کتابیں ہیں۔

بیالیسویں 'منظومہ در علم اعداد'۔ تینتالیسویں 'علم اعداد و اوفاق' میں فارسی رسالہ۔

علم رمل میں ایک کتاب لکھی ہے اور یہ چوالیسویں کتاب ہے۔

اور علم جفر میں ایک رسالہ لکھا ہے اور یہ پینتالیسویں کتاب ہے۔

علم حساب میں چند رسالے ہیں۔

چھیالیسویں 'منظومہ علم حساب' ابھی نا تمام ہے۔ سینتالیسویں 'خلاصہ بر فارسی شرح' ابھی نامکمل ہے۔

'علم ھیئت بر تشریح افلاک' پر حاشیے لکھ رہا ہوں ابھی پوری نہیں ہوئی یہ اڑتالیسویں کتاب ہے۔ اور علم لغت میں 'لغت الاضداد' کتاب ہے جس میں، میں نے ان الفاظ کو اکٹھا کیا ہے جن کے دو معنی ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جیسے سفید کے لئے سیاہ اور سرخ اور قرء کے لئے طہر و حیض دو الفاظ ہیں اور یہ انچاسویں کتاب ہے۔

اور حضرت سیدالشہداؑ کے مصائب میں کچھ کتابیں ہیں۔

پچاسویں کتاب 'بحرالبکاءٗ ہے جو بحر تقارب (۱) میں ہے۔ فارسی زبان میں منظوم ہے اور اس میں جناب سیدالشہداؑ کا مدینہ سے کربلا اور پھر اہل حرم کی شام کے مصائب جھیلنے کے بعد واپسی تک اس میں پانچ ہزار پانچ سو پچاس (۵۵۵۰) اشعار ہیں۔

اکیاونویں 'کتاب مراثی' ہے عربی اور فارسی تقریباً سو مرثیے ہیں۔ باونویں کتاب مجمع المصائب ہے جس میں مختلف بحروں میں نظمیں ہیں۔

ترپنویں کتاب مرحلۂ حسینیہ ہے منظوم ہے اور بحر تقارب میں ہے اور اس کے اشعار لفظی اور معنوی خوبیوں کے حامل ہیں وہ میں نے شاہنامہ فردوسی کی طرز پر لکھی ہے اور حق یہ ہے کہ بعض اشعار شاہنامہ سے بھی اعلیٰ پایہ کے ہیں۔ چونویں 'مواعظ المتقین' ہے جس میں تیس مجالس ہیں اور ہر مجلس میں اعتقادی مسائل جیسے توحید، معاد وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ بعض آیات کی تفسیر، احادیث اور معتبرہ احادیث کے مطابق واقعات مصائب وغیرہ ہیں اس میں تقریباً بیس ہزار اشعار ہیں۔ پچپنویں کتاب 'مواعظ المتقین' کی فہرست ہے۔ چھپنویں کتاب 'اسرار المصائب' جو مصیبت کے متعلق احادیث کے احکام دو جوہات اور مشکل احادیث کی توجیہ اور مصیبت کے متعلق متشابہ فقروں کی تاویل پر مبنی ہے۔ بالکل عجیب وغریب طرز پر لکھی گئی ہے۔ ستاونویں کتاب فہرست ہے کتاب اسرار المصائب کی۔

اٹھاونویں کتاب 'اکلیل مصائب' حضرت سیدالشہداء علیہ السلام کے مصائب پر مشتمل ہے اس میں معتبر احادیث، ائمہؑ کے فضائل، مصائب کی احادیث کی تاویلات اور کچھ علمی مطالب، جلیل القدر خطبے اور ارباب مقاتل اور محققین حق کے متعلق احادیث ہیں اور حقیقتاً یہ کتاب قواعد فقیہ کی طرح ہے جو فقہاء قواعد مقرر فرماتے ہیں اور اس سے ہی فروعات حاصل کرتے ہیں۔ یہ تیرہ (۱۳) اکلیل پر مشتمل ہے اور ہر اکلیل میں بہت سی فصلیں ہیں اور پھر بھی یہ نیا پن اور تازگی رکھتی ہے۔ اور اس میں تقریباً پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) اشعار ہیں۔ انسٹھویں فہرست کتاب 'اکلیل مصائب' ہے۔ ساٹھویں کتاب 'انیس الذاکرین' جو نظم ونثر دونوں پر مشتمل ہے۔ بیدل، جوہری اور دوسری کتابوں کی طرح جن میں مصائب کا بیان ہو۔ کتب کلامیہ، معقول اور دعاؤں کی شرحیں ان پر بھی کئی کتابیں ہیں۔ اکسٹھویں کتاب 'منظومہ علم کلام'۔ باسٹھویں میں 'منظومہ کی شرح'۔ تریسٹھویں 'محقق طوسی کی تجرید کی شرح' جس میں تقریباً پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) اشعار ہیں۔ چونسٹھویں شرح فاضل قمی پر شرح اس حدیث پر سئل علیه السلام هل رأیت رجلا قال نعم والی الان اسئل عنه فقلت من انت الخ اور اس پر ملا علی نوری نے جو حاشیے لکھے ان کی شرح اور ان اعتراضات کا جواب جو آخوند نے ان حواشی میں میرزائی قمی پر کیے۔ پینسٹھویں کتاب حدیث سابق پر فارسی شرح۔ چھیاسٹھویں کتاب حدیث کمیل ما الحقیقة فقال مالک والحقیقه پر فارسی شرح۔ سڑسٹھویں کتاب مشہور دعائے کمیل کے بعض فقرات کی شرح۔ اڑسٹھویں معروف دعائے سحر جس کی ابتداء یوں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اللهم انی اسئلک من بهائک بابهاء وکل بهائک بهی کی شرح اور ائمہ علیہم السلام نے اس کے فقرات کی جو تاویل کی ان کے بارے میں۔ انہترویں کتاب شب جمعہ کے لئے جو مختصر دعا وارد ہوئی ہے اس کی شرح دعا کا آغاز یہ ہے بقوله علیه السلام الحمد لله من اول الدنیا الی فنائها الخ یہ میں نے سفر خراسان کے دوران لکھی۔ سترویں کتاب شرح زیارت رضویہ یہ بھی سفر خراسان میں لکھی۔ اکہترویں ماہ رجب کی معروف دعا یامن ارجوه لکل خیر الخ کی شرح۔ بہترویں کتاب 'الفیہ منظومہ در توحید وعدل'۔ تہترویں 'فہرست منظومہ توحید'۔ چوہترویں 'شرح منظومہ توحید' جس میں تقریباً سات ہزار (۷۰۰۰) اشعار ہیں۔ پچھترویں کتاب 'حضرت امام رضاؑ کی وصیتوں کی شرح اور اس کے اسرار کی وضاحت'۔ چھہترویں کتاب نبوت پیغمبر خاتم الانبیاءؐ کے اثبات میں اور یہود ونصاریٰ کے باطل دینوں کے رد کے بارے میں منظومہ الفیہ۔ ستترویں کتاب 'فہرست منظومہ نبوت'۔ اٹھترویں 'منظومہ نبوت پر حاشیہ' جو تین چار ہزار اشعار کا ہے۔ اناسویں کتاب تہتر (۷۳) فرقے جو والد مرحوم نے تالیف کی اور بیان حدیث ستفرق امتی ثلثا وسبعین فرقة الخ اور یہ کتاب نا تمام رہ گئی تھی میں نے ان کی اس کتاب کو مکمل کیا۔ اسیویں کتاب خلافت بلافصل امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں منظومہ الفیہ

(۱) علم عروض کی ایک بحر کا نام ہے۔ (مترجم)

اس کا نام لئالی الولایہ' ہے۔ اکیاسویں فہرست منظومۂ امامت۔ بیاسویں منظومۂ امامت کی عربی شرح تقریباً آٹھ ہزار اشعار ہیں۔ تراسیویں کتاب 'منظومۂ امامت پر فارسی شرح' اس میں تقریباً بیس ہزار (۲۰۰۰۰) اشعار ہیں اور اس میں عامہ کے شبہات کو رد کیا گیا ہے اور یہ مشتمل ہے اثبات امامت میں مخالفین پر امامیہ کے احتجاج پر۔ چوراسویں منظومۂ درایہ علم درایہ پر چند کتابیں۔

پچیاسویں 'هداية الدراية' اس عبارت کی وضاحت کے متعلق 'من اجمعت العصابة علی تصحیح مایصح عنه'' چھیاسیویں علم درایہ میں 'شیخ بہائی کی وجیزہ کی شرح' اس میں تقریباً پانچ ہزار (۵۰۰۰) اشعار ہیں۔ ستاسیویں 'حواشی بر شرح درایہ شہید ثانی'۔ اگرچہ یہ کتاب فی الحال غیر مدون ہے اور اسی کتاب کے حواشی پر جگہ جگہ لکھا گیا ہے لیکن اگر اکھٹی کر لی جائے تو مکمل جلد بن جائے گی۔

علم رجال میں بھی کچھ کتابیں ہیں۔

اٹھاسیویں کتاب 'تذکرۃ العلماء' ہے علماء اور مشائخ اجازہ کے حالات پر مبنی ہے ہمارے زمانے سے لیکر ارباب کتب اربعہ محمدین ثلث کے زمانے تک کے۔ اناسیویں کتاب قصص العلماء جو یہی کتاب ہے۔ نوویں کتاب 'کرامات العلماء' ان کرامات کے بارے میں ہے جو علمائے امامیہ سے ظہور پذیر ہوئے۔

اور علم اصول میں چند کتابیں ہیں۔

اکانویں عدم صحت سلب قوانین مشتمل بر حل مطالب کی فارسی شرح پر بحث اور بہت سے اعتراضات اور دور کے معنی اور اسکی اقسام۔ بیانویں 'تقریرات اصول' جو میں نے قزوین میں اساتذہ کے سامنے پڑھے مع تصرفات تقریباً آٹھ ہزار (۸۰۰۰) اشعار ہیں۔ تیرانویں 'تقریرات اصول' جو میں نے استاد مرحوم آقا سید ابراہیم کے سامنے لکھیں، تصرفات، اعتراضات، سوال و جواب کے ساتھ تقریباً ستر ہزار (۷۰۰۰۰) اشعار ہیں۔ چورانویں 'منظومۂ اصول' دو سو اشعار پر مبنی ہے۔ پچانویں رسالہ 'اصول بی نقطہ' اس کے تمام الفاظ ان حروف نورانیہ پر مشتمل ہیں جو نقطہ نہیں رکھتے۔ چھیانویں 'الفیہ در اصول'۔ ستانویں 'شرح الفیہ اصول' تقریباً چھ ہزار (۶۰۰۰) اشعار پر مشتمل ہے۔ اٹھانویں کتاب 'لسان الصدق در اصول' احادیث و دلائل اور نجی تحقیق پر مبنی ہے اصول سے لیکر اجماع کی بحث تک تقریباً دس ہزار (۱۰۰۰۰) اشعار ہیں۔ ننانویں 'قوانین پر حاشیہ' متعدد جلدوں میں ہے اور اصل برائت اور استصحاب جیسے مباحث پر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور ان فضلاء سے محاکمہ کیا ہے جنہوں نے میرزا پر اعتراض کیا ہے جیسے ضوابط استاد، اشارات حاجی کلباسی، شیخ محمد تقی کا معالم اور فصول پر حاشیہ، رسائل شیخ مرتضی اور مناہج حاجی نراقی۔ سویں کتاب 'سات قاریوں کی قرأت کی حجیت'۔ ایک سو ایکویں 'حجیت کتاب'۔ ایک سو دویں کتاب 'تقلید اعلم کے لازمی نہ ہونے کے بارے میں رسالہ'۔ ایک سو تینویں 'رسالہ در تراجیح'۔

ایک سو چارویں کتاب 'معالم پر حاشیہ' جو حاشیہ سلطان کے برابر ہے اور اس میں صرف صاحب معالم پر اعتراضات ہیں۔ ایک سو پانچویں 'معالم بر دوسرا حاشیہ' جو ابتداء سے لیکر مبحث فور و تراخی تک ہے۔ ایک سو چھٹی 'معالم بر حاشیہ سلطان کے اوپر حاشیہ' لکھا ہے جو حاشیہ سلطان کے ہی برابر ہے اور معالم پر سلطان کے اعتراضات کے جوابات کی رد میں لکھا گیا ہے اور اسکا نام بردور ہے۔ ایک سو ساتویں رسالہ در تحقیق وضع الفاظ برائے اعم از صحیح و فاسد اور اس کا موضوع لفظ صلوٰۃ ہے۔

اور علم فقہ میں بھی چند کتابیں ہیں۔

ایک سو آٹھویں کتاب 'بدایع الاسلام' ہے شرایع الاسلام کی شرح ہے اور یہ اقوال و بیان و استدلال اور قول حق کے ذکر پر مشتمل ہے اور ابھی تک سترہ جلدیں لکھی گئی ہیں اور خدا مجھے اسے پورا کرنے کی توفیق دے اسکی تفصیل یہ ہے کہ پہلی جلد میں طہارت سے لیکر حیض کی بحث تک پھر طہارت کے اہم مسائل چند اجزاء میں کر کے لکھے گئے ہیں اور بہت سے اجزاء میں نماز کے اہم مسائل لکھے ہیں جو ایک جلد میں ہیں اور ایک جلد میں نماز میں خلل کے مباحث اور قصر یا پورا ہونا اور نماز جماعت ایک جلد میں اور زکوٰۃ کے متعلق مکمل طور پر دو جلدوں میں اور خمس کے تمام مسائل ایک جلد میں روزہ کے سارے مسائل ایک جلد میں

اوراجرت کے مسائل پانچ جلدوں میں لیکن میری یہ کتاب متاجر مکمل نہیں ہوئی ہے اور قضاء (فیصلوں) کے تمام مسائل دو جلدوں میں اور غصب کے مسائل ایک جلد میں اور شکار، ذبیحہ کے مسائل کئی اجزاء میں اللہ مجھے اس کتاب مستطاب کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اسکی ہر جلد میں تقریباً سات ہزار (۷۰۰۰) اشعار ہیں۔ ایک سونویں یہ میرے حواشی ہیں شرح کبیر نامی کتاب پر اور اسکی بھی چند جلدیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) 'کتاب اجارۂ' ایک جلد (۲) 'کتاب صلح وھبات' ایک جلد (۳) 'کتاب وصایا' ایک جلد (۴) 'کتاب قضاءٗ' ایک جلد (۵) 'کتاب نکاح' دو جلد ایک سو دسویں 'روضۃ البھیہ' جو شرح لمعہ کے نام سے مشہور ہے پر میرا حاشیہ ہے اور کئی جلدوں میں ہے۔ ایک سو گیارھویں منظومہ الفیہ ہے فقہ کے کل قواعد کے بارے میں۔ ایک سو بارھویں نظم 'رسالۂ الفیہ' شہید۔ ایک سو تیرھویں 'الفیہ' شہید اول پر فارسی میں حاشیہ۔ ایک سو چودھویں ائمہ علیہم السلام کے مصائب میں شبیہ وتعبیہ کے حرام ہونے کے بارے میں رسالہ۔ ایک سو پندرھویں وضو ایسے پانی سے جو غصبی برتن میں ہو اور دوسرا پانی جو مباح برتن میں ہو۔ ایک سو سولھویں بچے کی عبادات کے مشقی ہونے کے بارے میں رسالہ جس میں میری شہید ثالث سے مناظرہ کی کیفیت درج کی ہے اور اس میں مشقی طور طریقوں کو پیش کیا ہے لیکن بدائع الاحکام کی کتاب صوم میں بچے کی عبادات کے شرعی ہونے کے نظریہ کو اختیار کیا ہے۔ کتاب تذکرہ میں علامہ نے جو اجماعی اقوال لکھے ہیں ان کی رو سے۔ ایک سو سترھویں رسالہ ہے ایسی مچھلی کے بارے میں جو کسی ایسے شخص کے دامن میں آ گری ہے جو کسی اور کی کشتی میں بیٹھا ہے تو وہ کشتی والے کا مال قرار پائے گی یا جس کے دامن میں گری ہے اس کا۔ ایک سو اٹھارویں رسالہ ہے اس بیان میں کہ ایک شخص کسی ایسے شخص کا وصی ہے جس پر مرحوم کی قضا نمازیں ہیں اور وہ اب نہیں جانتا کہ اس کی ذمہ داری کیا ہے اور کتنی نمازیں پڑھنی ہیں۔ ایک سو انیسویں رسالہ ہے دودھ پلانے کی مسائل میں۔ ایک سو بیسویں رسالہ ہے ذخیرہ اندوزی کے مسائل میں ایک سو اکیسویں اس بارے میں رسالہ کہ غصبی قلم ایک مملوک درخت میں لگائی گئی ہے یا اس کے برعکس ہوا ہے اب وہ درخت کا حصہ بن چکی ہے اب درخت کس کا مال ہے اور اس کا پھل کس شخص کا سمجھا جائے گا۔ ایک سو بائیسویں طلاق کے بارے میں رسالہ جو ملا محمد حسین عشق آبادی نے سفر خراسان کے دوران نیشاپور میں مجھ سے سوال کیا تھا۔ ایک سو تیئسویں عراق کے چند نامور علماء کے درمیان ایک مسئلہ پر اختلاف ہو گیا تھا اس کے فیصلہ کے متعلق رسالہ۔ ایک سو چوبیسویں کتاب 'قواعد شہید اول پر حاشیہ' اس میں فقہ کے کل قواعد پر اثبات کیا گیا ہے۔ ایک سو پچیسویں رسالہ مجنب کے مساجد کے حوضوں میں غسل کرنے کے متعلق۔ ایک سو چھبیسویں قواعد فقہیہ کے منظومۂ الفیہ جس کا نام 'موائد' ہے کی فہرست اس موائد کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ایک سو ستائیسویں پسر معاویہ یزید پر لعنت کے جائز ہونے کے بارے میں رسالہ، غزالی اس کو حرام سمجھتا ہے بلکہ وہ یہ جائز قرار دیتا ہے کہ قنوت وتر میں یزید کے لئے دُعائے مغفرت کریں جیسا کہ ابن خلکان میں اپنی تاریخ میں اس سے حکایت کی ہے اور میں نے عامہ کے طریقوں اور قواعد کے مطابق جو دونوں فرقوں میں مسلمہ ہیں اس بات کو رد کیا ہے۔ ایک سو اٹھائیسویں محمدیہ کے نام سے فارسی رسالہ جو اصول دین، طہارت، روزہ، نماز، زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔ ایک سو انتیسویں رسالہ غسل جنابت کے دوران رطوبت کے خارج ہونے یا حدث کے صادر ہونے کے متعلق۔ ایک سو تیسویں تین خونوں حیض، نفاس اور استحاضہ کے متعلق رسالہ۔ ایک سو اکتیسویں نماز میں واقع ہونے والے خلل کے متعلق شک، سہو، ظن، علم وجہل۔ ایک سو بتیسویں رسالہ 'جُنۃ النار'۔ ایک سو تینتیسویں وقف اور اس کے احکام کے بارے میں رسالہ۔ ایک سو چونتیسویں عقود کے باطل ہونے کے متعلق رسالہ (عقود، بیع، معاہدہ یا قسم)۔ ایک سو پینتیسویں ذباحہ (قربانی) کے شرائط واحکام کے بارے میں رسالہ۔ ایک سو چھتیسویں 'رسالہ مواریث'۔ ایک سو سینتیسویں 'رسالہ دیات'۔ ایک سو اڑتیسویں 'رسالہ اثنیٰ عشریہ در صلوٰۃ'۔ ایک سو انتالیسویں ربا (سود) کے احکام اور اس کی اقسام کے بارے میں رسالہ۔ ایک سو چالیسویں وضو، نماز، نکاح کے دوران تصدیق شدہ دعاؤں کے متعلق رسالہ۔ ایک سو اکتالیسویں اذکار اور سنت دعاؤں کے ترجمہ کے متعلق رسالہ اس میں بعض مشکل فقرات پر اجمالی اشارے ہیں اور ان کا حل ہے۔ ایک سو بیالیسویں رفع حوائج، اور رنج ومصائب کے دفع کرنے کے متعلق معتبر دعاؤں پر مشتمل کتاب۔ ایک سو تینتالیسویں ائمہ سے منقول دعاؤں کا منظوم ترجمہ۔ ایک سو چوالیسویں متاجر (اجرت پر رکھنا) کے متعلق رسالہ جو ابھی پورا نہیں ہوا۔ ایک سو پینتالیسویں نماز شب کی فضیلت اور اس کے احکام جو معتبر روایات سے اخذ کیے گئے ہیں اور اس میں باریک نکتے ہیں۔

تالیفات متفرقہ۔ یہ کئی ایک ہیں۔

ایک سو چھیالیسویں حاجی میرزا ہادی سبزواری سے میں نے جو سوالات کیے تفسیر، کلام، حکمت اور ملا صدری کے مذہب کے بارے میں۔ ایک سو سینتالیسویں 'کنز الغاز در صیغ مشکلہ اور مشکل احادیث'۔ ایک سو اڑتالیسویں 'زاد المسافرین' جس میں مختلف احادیث ہیں۔ ایک سو انچاسویں رسالہ صیغ قرآن کی مشکلات کو دور کرنے کے بارے میں الغاز کا نحوی حل اور منطقی مغالطوں کا حل۔ ایک سو پچاسویں شرح قصیدہ فرزدق شاعر جو اس نے حضرت سید الساجدینؑ کی مدح میں گمراہ ھشام بن عبدالملک کے سامنے کہا اور اسکی ابتدا یہ ہے **هذا الذی تعرف البطحاء وطاته** الخ اور اس قصیدہ کی فصاحت وبلاغت اور الفاظ و معانی کے بیان میں ہے۔

ایک سو اکیاونویں مولوی رومی کی مثنوی کے مشکل الفاظ کی وضاحت کے بارے میں رسالہ اور یہ کہ اس نے اپنے گمراہ کن اشعار کے ذریعہ کس طرح اپنے تصوف وتسنن کو بیان کیا ہے۔ ایک سو باونویں عارف کجوری جو امیر کہلاتا ہے کے اشعار کی شرح۔ اس کے اشعار کجوری زبان میں ہیں۔ ایک سو ترپنویں مجھ بندۂ ناتواں پر جو اللہ تعالیٰ کی خفیہ رحمتیں ہیں ان کے بارے میں رسالہ اور اس کی تحریر کی غرض یہ ہے کہ ہر شخص اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کی رحمتوں پر غور وفکر کرے۔ ایک سو چونویں دلچسپ حکایات کے مزاحیہ پہلوؤں پر رسالہ۔ ایک سو پچپنویں خطوط ومراسلوں پر رسالہ۔ ایک سو چھپنویں بعض جلیل القدر علماء کے نام جو نماز وتر کی قنوت میں لیے جانے چاہئیں کے بارے میں رسالہ۔ ایک سو ستاونویں تعلیم حاصل کرنے، تعلیم دینے، مطالعہ، مذاکرہ، مفید کتابوں کا جمع کرنا اور اساتذہ کا اختیار کرنا وغیرہ کے بارے میں رسالہ۔ ایک سو اٹھاونویں امیر المومنینؑ کے خط کی شرح کے بارے میں رسالہ جو آپ نے مالک اشتر کو اس وقت لکھا جب ان کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا۔ ایک سو انسٹھویں 'رسالہ الف باتا کی شرح' اور اس کے بعض نکات اور مشکلات کی وضاحت اور مؤلف نے یہ رسالہ اس ترتیب سے کیوں لکھا اسکی وجہ کے بارے میں۔ ایک سو ساٹھویں 'شرح ابجد ھوز حطی'۔ ایک سو اکسٹھویں اس بیان میں رسالہ کہ لفظ کبریٰ اور اسی طرح دوسری ساری کتابوں کے نام کی حقیقت کیا ہوتی ہے کیا وہ علم شخص ہے یا علم جنس۔ ایک سو باسٹھویں علم قرأت میں بے نظیر رسالہ جو بہت پر لطف ہے۔ ایک سو تریسٹھویں حاجی محمد کریم خان اور ملا محمد حسین عشق آبادی کے درمیان دو احادیث جو آپس میں اختلاف رکھتی تھیں ان کے مفہوم کو اکٹھا کرنے کے بارے میں جو مقدمہ ہوا اس کے بارے میں رسالہ اس میں، میں نے ملا محمد حسین کی حمایت کی اور یہ سفر خراسان کے دوران لکھا گیا۔ ایک سو چونسٹھویں 'نہج البلاغہ پر شرح ابن ابی الحدید پر حواشی اس میں بعض مقامات پر قطب راوندی کی حمایت کی گئی ہے اور دشمن امامت ابی الحدید کے بعض شبہات کو دور کیا گیا ہے یہ حواشی مدون نہ ہو سکے اگر ہو جاتے تو ایک مکمل جلد بن جاتی۔ ایک سو پینسٹھویں واقعاتِ مصائب کے اسرار پر مرحوم آخوند ملا آقای دربندی کی کتاب اکسیر العبادات پر حواشی یہ بھی جمع ہو جاتے تو ایک کتاب ہوتی۔ ایک سو چھیاسٹھویں اس کتاب میں اللہ کے کلام کی دشوار آیات اور ائمہ اطہار کی سمجھ میں نہ آنے والی احادیث کے بارے علمی مشکلات اور نحو و منطق، صرف ومعانی کے اشکلات اور ارباب عرفان کے اشعار کے اصول ومعقول و معنی اور توجیہہ بیان ہوئی ہے اور شعری مشکلات اور الجھنیں اور بہت سی مشہور اغلاط اور علمائے اعلام کے بہت سے خطبات لکھے گئے ہیں۔ فی الحال چار جلدیں لکھی گئی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر کی بہت سی کتابوں میں یہ کتاب ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ ایک سو سرسٹھویں 'علم حروف' میں رسالہ۔ ایک سو اڑسٹھویں کتاب مذکر الاخوان مؤلف کتاب کے حالات کے بارے میں ابتدائی تعلیم، اساتذہ، بعض تالیفات کی تعداد اور اس کے حضر وسفر کے بارے میں۔ ایک سو انہترویں میرے رسالہ تعبیہ کی شرح جو میں نے لکھا لیکن مکمل نہ ہو سکا۔ ایک سو سترویں شیخ محمد حسین کی فصول پر حاشیہ مگر نا تمام ہے۔ ایک سو اکہترویں 'تجرید کی شرح سر الہیات پر حاشیہ' جو نا مکمل ہے اور اس آیت کی تفسیر **واذقال ربک للملئکة انی جاعل فی الارض** کہ یہ تین ہزار (۳۰۰۰) اشعار پر مشتمل ہے اور تفسیر **سبح اسم ربک الاعلیٰ** پانچ ہزار (۵۰۰۰) اشعار کی اور کتاب 'معین البکاء در حکایات مبکیہ' جو پانچ ہزار (۵۰۰۰) اشعار کی ہے۔ اور 'حدیقۂ جعفریہ' جو مسئلہ جبر وتفویض پر ہے چار ہزار (۴۰۰۰) اشعار کی۔ اور کتاب 'مواد الاصول' فارسی تین ہزار (۳۰۰۰) اشعار کی اور کتاب 'تاسیسات در قواعد فقہیہ' چھ ہزار (۶۰۰۰) اشعار کی اور مالک اور ادھار لیے ہوئے یا کرایہ کے جانور پر سواری کرنے والے کے درمیان تنازعہ پر رسالہ جو سو اشعار کا ہے، اور 'شرح نتائج استاذ' کی تین

جلدیں ہو چکی ہیں اور ابھی ناتمام ہے اور 'احکام عقود واستدلال' پر رسالہ تین ہزار (۳۰۰۰) اشعار کا اور کتاب 'کشکول محمدی' چار جلدوں میں ابھی ناتمام ہے اور 'رسالہ دراحکام صید بلسان عرفان' دوسو (۲۰۰) اشعار پر، 'ربیع ریاض پر حواشی' پانچ ہزار (۵۰۰۰) اشعار پر، اور ایسے حاشیے بھی بہت سے ہیں جو غیر مدون ہیں جیسے شرح شمسیہ پر، نتائج استاد پر، ضوابط پر حواشی اور رسالہ اس کے صیغہ کے بارے میں جو عربی نہیں جانتا، رسالہ شرح اقوال میں، شرح لمعہ لو اختلاف فی قلو، کتاب صراط المستقیم اصول دین میں توحید سے معاد تک دلائل ہیں فارسی زبان میں ہے۔ چھ ہزار (۶۰۰۰) اشعار پر مشتمل ہے اور اس بارے میں رسالہ کہ ائمہؑ نے اپنی اولاد کے نام خلفائے جور کے ناموں پر کیوں رکھے۔ کتاب سلالیم اللغۃ اس قول کے بارے میں کہ **الفقه لغته كذا** اور رسالہ زوجہ سے نفرت کے اظہار میں اور رسالہ کیا بچہ تحریرِ قرآن کو مَس کر سکتا ہے۔ اور 'رسالہ زوال اذن دراثناء صلوٰۃ'، 'رسالہ در توحید'، 'حواشی دلائل'، 'حواشی مسالک'، 'حواشی مفاتیح'، 'حواشی جواہر الکلام'، 'حواشی سفر کے عام امور'، 'حواشی شوارق' 'بر کشف الغطاء پر حواشی'، 'شیخ احمد کی شرح عرشیہ پر حواشی'، 'ارشادِ شہید اوّل کی شرح پر حواشی'، 'اشارات الاصول پر حواشی'، 'ملا احمد نراقی کی عوائد پر حواشی'، 'شرائع پر حواشی'، 'عناوین در قواعد کلیہ فقہ پر حواشی'، 'قرآن پر حواشی'، 'زاد المعاد پر حواشی'، 'شیخ محمد تقی کے معالم پر حاشیے پر حواشی'، 'رجال ابن داؤد پر حواشی'، 'لؤلؤ البحرین پر حواشی'، 'تمہید القواعد وغیرہ پر حواشی'۔

عقلی علوم کی تعلیم میں نے آخوند ملا علی نوری کے شاگردوں سے حاصل کی جیسے آخوند ملا آقائے قزوینی، حاجی محمد جعفر لنگرودی جو اصفہان میں مقیم تھے، آقا سیّد رضی مازندرانی یہ بھی اصفہان میں تھے، اور آقا سیّد علی بن سیّد محمد حسین تنکابنی جو دار الخلافہ طہران میں مقیم تھے، میرے ماموں تھے اور علم حکمت میں اس دور کے مانے ہوئے استاد تھے بلکہ اس زمانہ میں حکومت ایران میں ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا علم وحکمت میں تھا ہی نہیں۔ مرو کے مدرسہ کے استاد تھے اور مجھ ناچیز نے ایک مدت تک کتاب شوارق کی تعلیم ان سے حاصل کی اور ایک ماہ تک حاجی سیّد کاظم کی مجلس میں بھی جاتا رہا۔ ابتداء میں وہ کربلائے معلّٰی میں تھے اور ان کی بہت سی باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ میں نے اپنے استاد شیخ احمد سے سوال کیا کہ آپ حضرت صاحب الامرؑ کے وجود پر کیا دلیل رکھتے ہیں تو شیخ نے جواب میں کہا کہ اس وقت دن ہے یا رات، اس شخص نے جواب دیا: دن ہے۔ تو شیخ نے کہا: پھر صاحب الامرؑ ضرور موجود ہیں، پھر شیخ نے کہا: ٹوپی سر پر پہنتے ہو یا پاؤں میں، اس نے کہا: سر پر، تو شیخ نے کہا: پھر صاحب الامرؑ کو ہونا چاہیئے۔ پھر شیخ نے کہا کہ جوتا پاؤں میں پہنتے ہو یا سر پر۔ اس نے جواب دیا: پاؤں میں۔ تو شیخ نے کہا: پھر صاحب الامرؑ کو ہونا چاہیئے۔ مؤلف کہتا ہے کہ شیخ کا اس طرح استدلال بہت واضح ہے کیونکہ شیخ ائمہؑ کو سبب جانتے ہیں اور یہ کھلا عقلی فارمولا ہے کہ اگر علّت موجود ہے تو معلول کا ہونا بھی لازمی ہے اگر علّت نہ رہے تو معلول بھی نہ رہے گا۔ پس اگر معلول ہے تو لازماً علّت بھی موجود ہوگی اب جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہیں شب و روز میں امتیاز کی صلاحیت ہے تو معلوم ہوا کہ اس ادراک کا سبب یہ ہے کہ امامؑ موجود ہیں چنانچہ امامِ عصرؑ کو موجود ہونا چاہیئے۔ لیکن ہم اہل شرع کے طریقے سے جو امامؑ کو اشیاء کی خلقت کی علّت غائی سمجھتے ہیں پس اسی انداز پر ہم کہتے کہ جب ہم نے مغنی کو دیکھا کہ اس کا وجود ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں قوت مدرکہ ہے تو پھر لازمی ہے کہ ان کی علّت غائی بھی ہونی چاہیئے۔ لیکن علماء میں اثباتِ وجودِ امام عصرؑ (ہماری جانیں آپؑ پر فدا، خدا آپؑ کے ظہور میں تعجیل فرمائے) کیلئے متکلمین والی دلیل ہے جس کے معنی اللہ کا قاعدۂ لطف ہے کیونکہ عقلاً اللہ پر لازم ہے کہ بندوں پر لطف فرمائے یعنی ان کو اپنی اطاعت سے قریب کرے اور مصیبت سے دور فرمائے اور اس طرح کہ جبر لازم نہ آنے پائے۔ مثال کے طور پر اگر تم چاہو کہ کسی کی دعوت کرو اور یہ بھی جانتے ہو کہ اگر خالی پیغام بھیجو گے تو وہ قبول نہ کرے گا لیکن اگر خط بھیجو گے تو مان جائے گا تو اگر تم اسے خط نہ لکھو گے تو تم نے اپنی خواہش پورا کرنے میں کوتاہی کی اور یہ بے وقوفی اور حماقت ہے اور بلاشک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ذمہ داری ڈالی ہے تو امامِ معصومؑ کا وجود اس کا لطف ہے جو اطاعتِ پروردگار سے نزدیک کرتا ہے اور مصیبت سے بچاتا ہے اور خدا پر لطف کرنا لازم ہے اور امامؑ کے لئے امامت کو انجام دینا لازم ہے اور ہر مکلف پر اطاعت لازم ہے۔ ان میں سے پہلی دو شرائط تو تحقیقی طور پر معلوم ہیں لیکن تیسری شرط جو اطاعت ہے وہ واضح نہیں ہے لہٰذا محقق طوسی نے تجرید میں فرمایا: ان کا وجود لطف ہے اور ان کا تصرّف فرمانا دوسرا لطف۔ ہم سے غائب ہیں لیکن محض وجود سے قطع نظر امامؑ کا غائب ہونا سورج کی طرح ہے جو بادل میں چھپ جاتا ہے لیکن اپنے فوائد پہنچاتا رہتا ہے اور یہی تشبیہ اور مثال حضرت صاحب الامرؑ کی جانب سے توقیع میں وارد ہوئی ہے پس

قاعدۂ لطف حضرت صاحب الامرؑ کے وجود پر حکم لگاتا ہے چاہے ہم پیغمبر مختارؐ اور ائمہ اطہارؑ کی متواتر احادیث سے قطع نظر بھی کر لیں۔ اور میں نے ان مفاہیم پر تحقیق منظومہ امامت اور اس کی شرح میں بیان کی ہے۔

اور مجھ ناچیز کے کچھ شاگرد بھی ہیں جو اب ارباب کمال بن چکے ہیں اور ان میں سے بعض کو میں نے اجازہ بھی دیا ہے ان میں سے پہلے تو آقا سید علی قزوینی ہیں جو اپنے شہر کے مانے ہوئے عالم ہیں اور استاد آقا سید ابراہیم کے عزیزوں میں سے ہیں۔ دوسرے آقا سید احمد تیسی جو لاہیجان میں رہتے ہیں اور وہاں کے مسلمانوں کے علماء میں سے ہیں۔ تیسرے جناب حاجی شیخ محمد جو طہران میں رہتے ہیں اور وہاں مسجد جمعہ میں نماز جماعت پڑھاتے ہیں۔ چوتھے میرزا محمد حسن مرحوم جو میرے چچا زاد تھے اور اصول میں ماہر وقت تھے۔ پانچویں آقا محمد رحیم بن قاسم بیگ تنکابن میں رہتے ہیں چھٹے آخوند ملا عبدالعلی مرجانی طالقانی جن کی کئی تالیفات ہیں ساتویں آخوند ملا علی مرجانی طالقانی وغیرہ اللہ ان جیسوں کی تعداد میں اضافہ فرمائے۔

مؤلف کتاب کی حاضر جوابی کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ نوازش کنندۂ ارباب بسالت وسماحت حاکم شہر نے مجھ فقیر کو اپنے پاس طلب کیا۔ چار فرسخ کا فاصلہ تھا۔ اور موسم سرما کا آغاز تھا چنانچہ میں بغیر کسی سامانِ سفر کی تیاری کے جیسا کہ میری عادت میں داخل تھا چل پڑا بہر حال مسافت طے ہوگئی ناگاہ شدید بارش ہوگئی اور منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے میں پانی میں شرابور اور لباس مکمل طور پر تر ہو چکا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو حاکم نے کہ خدا اس کی توفیقات نیک میں اضافہ کرے گرمائی کیلئے آگ جلوائی اور لباس بدلوانے کا حکم دیا۔ خود چائے بنائی۔ کچھ افیون دیا اور کئی ایک حقے تازہ کر کے لائے گئے پھر کچھ دیر بعد فرمایا کہ اگر طبیعت بحال ہوگئی ہے اور ذہن کام کر رہا ہے تو میرا ایک سوال ہے میں نے عرض کیا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں تو اس نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ اللہ والے لوگ خدا کے مقرب بندے ہوتے ہیں اور ہم گنہگار بندے رحمت خدا سے دور ہوتے جبکہ خدا کی نعمتوں کی ہم پر بارش ہوتی ہے یہاں تک کہ ہماری غذا میں طرح طرح کی کھانے پینے کی چیزیں ہوتی ہیں اور آپ کو کبھی اچھی غذا نہیں ملتی اور ہمارا لباس ریشمی اور اس قدر قیمتی ہوتا ہے کہ ایک ایک پوشاک پچاس یا سو تومان کی ہوتی ہے اور آپ کا پورا لباس دو تومان کا بھی نہیں ہوتا۔ اور خوش لباسی کی لذت آپ جانتے ہی نہیں۔ اگر آج ہم سفر کریں تو ایسے اسباب اور لباس مہیا ہوتے ہیں جو بارش سے محفوظ رکھتے ہیں اور آپ کو وہ نصیب نہیں۔ پھر ہم بہترین گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں جس میں سے ہر ایک سو تومان یا اس سے بھی زیادہ کا ہوتا ہے اگر ایک ٹٹو آپ کے پاس ہو بھی تو آٹھ تومان کا ہوگا تو آپ کو اچھی سواری کا مزہ بھی نہیں معلوم۔ پھر ہمارے گھر خوبصورت، سونے چاندی سے مزین منقش بہترین فروش مہیا ہیں اور آپ کے گھر سیدھے سادے اور چھوٹے موٹے ہوتے ہیں۔ آپ کو بہترین مکانات کا لطف بھی میسّر نہیں جس سے روح خوش ہو جاتی ہے اور ہمارے لئے حسین ترین عورتیں موجود ہوتی ہیں۔ ہمیں شکار سواری، کھیل تماشے سب میسّر ہیں اور آپ کو کچھ حاصل نہیں۔ ہمارے لئے منصب، حکمرانی اور سلطنت ہے حتی کہ آپ لوگوں کو جو بھی پریشانی ہوتی ہے تو ہم سے شکایت کی جاتی ہے اور ہم اس کو دور کرتے ہیں۔ اور آپ کو ایسی سلطنت بھی نصیب نہیں جبکہ آپ درگاہِ خداوندی کے مقربان میں سے ہیں اور ہم اس کی سرکار میں مجرم پھر بھی ہمیں تمام لذائذ حاصل ہیں اور آپ ان سب سے محروم ہیں۔ اسکی وجہ بیان کیجیے۔

میں نے کہا کہ اب آپ نے سوال کیا ہے تو جواب بھی بغور سن لیجیے۔ لذائذ دو قسم کے ہوتے ہیں باطنی اور ظاہری اور جو ظاہری ادراک کرنے والی چیزیں ہیں اس میں سے لذائذ چشم ہیں جیسے حسین چہروں کا دیکھنا۔ نفیس لباس اور خوبصورت مکانات ومحلّات اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ لذت چشم اسی لمحہ تک ہے جب تک آنکھ کھلی ہے اور اس سے دیکھ رہے ہیں جیسے ہی آنکھ بند کریں گے یہ لذت بالکل غائب ہو جائے گی۔ لذت سماعت اس وقت تک ہے کہ جب تک آوازیں سنی جا سکیں ورنہ وہ بھی فوراً ختم ہو جائیں گی۔ اور عقلاء ان چیزوں کو لذت شمار نہیں کرتے۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں کہا ہے کہ میں نے اپنے استاد سے پوچھا کہ شیعہ جو یہ بات کہتے ہیں کہ عمرؓ طالب دنیا تھے یہ تو کھلا جھوٹ ہے ورنہ وہ کیوں اچھا لباس نہ پہنتے اور بہترین غذا نہ کھاتے۔ میرے استاد نے کہا: شیعہ تو جھوٹ بولتے ہیں لیکن غذا اور لباس عورتوں کا معاملہ ہے مردوں کی شان تو سلطنت اور سطوت شاہی میں ہے۔ مختصر یہ کہ کھانے کی لذت اس وقت تک ہے کہ گلے سے نیچے نہ اترا ہو۔ اس کے بعد اس کا کوئی مزہ نہیں۔ اور اس کی ہضم ہونے میں بہت سی تلخیاں برداشت کرنی

پڑتی ہیں اور دواؤں اور حکیموں کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور بڑے پیچیدہ امراض کا سبب بن سکتا ہے۔
رہا جماع تو اس کی لذت قبل انزال تک ہے اس کے بعد انسان پشیمانی محسوس کرتا ہے اور عقلاء کے نزدیک اس کا ذکر بھی ناپسندیدہ اور قبیح ہے۔
اور علامہ محمد صالح برغانی فرمایا کرتے تھے کہ عضو تناسل کو عورت کے مقام پیشاب میں داخل کرنا بھی انتہائی قبیح امر ہے اور حکمرانی و منزلت بس اسی وقت تک ہے جب تک آپ سلطان کے منصب دار ہیں اور ادھر معزول ہوئے اُدھر اس کے سارے مزے غائب ہوئے۔
لیکن علماء جو ہیں وہ ہمیشہ مقربان بارگاہ الٰہی سے ہیں اور ان کو عقلی اور دائمی لذتیں حاصل ہوتی ہیں جو مرتبۂ کمال پر ہوتی ہیں اور لازوال ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر آپ کسی جگہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوں اور آپ سے خواجہ حافظ کا کوئی شعر پوچھیں اور آپ اسے پڑھ دیں اور اسکی تشریح بھی کریں جبکہ دوسروں کو وہ معلوم نہ تھا تو اسوقت جو لطف آپ کو آئے گا وہ اس سے کہیں زیادہ ہوگا کہ آپ کو ہزار تومان دیدیئے جاتے۔ جب کہ شعر کوئی علم نہیں ہے بلکہ فضولیات اور بکواس میں شمار ہوتا ہے اور جب ہم خدمت سلطان میں پہنچے تو دو افراد کے متعلق بتایا گیا کہ یہ دونوں ہمیشہ بارگاہ سلطانی میں حاضر رہتے ہیں اور یقیناً جو ہمیشہ حاضر باش ہو وہ کھانے پینے اور لذت خواب سے بیگانہ ہوتا ہے اس کے باوجود لذت تقرب سلطانی تمام مناسب اور لذائذ سے بالاتر ہوتی ہے۔
کیا آپ کو نہیں معلوم کہ سوتے ہوئے جو احتلام واقع ہوتا ہے چونکہ وہ حواس باطنی سے متعلق ہے لہٰذا ظاہری لذت جماع سے اس کی لذت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔
اور رہا شان و شوکت و سطوت کا معاملہ تو تمہیں جو لوازمین ساز و سامان، تجمل و آرائش اور شاہی اعزاز حاصل ہیں اس کے باوجود جب ہم جیسے فقیر و پریشان حال اور درماندہ لوگوں سے جب تم جیسے عالی شان والے ملاقات کرتے ہو تو ہمارے سامنے خاضع و خاشع ہوتے ہو اور اظہار احترام کرتے ہو اور ہر ممکن تعظیم و توقیر و تکریم بجالاتے ہو اور ہماری ہر بات کو بڑی توجہ سے سنتے ہو تو یہ خدا کی عطا کی ہوئی سطوت ہے اور تمام لذائذ سے بالاتر ہے۔

حاجی ملاّ محمد صالح برغانی

حاجی ملاّ محمد صالح برغانی شہید ثالث کے بھائی تھے۔ نہایت عابد، زاہد اور احادیث کا اتباع کرنے والے بلکہ اپنے وقت کے سلمان تھے۔ اصول میں باکمال اور فقہ میں اجتہاد کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتے اور مطالعہ، تالیف، تصنیف و تدریس میں منہمک رہتے تھے۔ ان کی تعمیرات میں مدرسۂ عالی اور مسجد متعالی ہیں۔ اچھی باتوں پر عمل کرنے اور کرانے، اور بری باتوں سے خود باز رہنے اور باز رکھنے میں بیحد سخت گیر تھے۔ شہر قزوین پرانے زمانہ میں شراب خانہ تھا لیکن ان کے اور ان کے بھائی شہید ثالث کے امر بالمعروف کرنے کی وجہ سے اس شہر کے لوگ دوسرے شہروں کے لوگوں کی نسبت زیادہ دیندار بن گئے۔ جناب سید الشہداء علیہ السلام پر گریہ کرنے میں بڑا اہتمام کرتے تھے اور بہت رویا کرتے تھے اور کسی کو بھی اس کی اجازت نہ دیتے تھے کہ غیر معتبر احادیث کے ذریعہ ذکر مصائب کرے۔ مرحوم آقا سیّد محمد کے شاگردوں میں سے تھے اور اپنے والد بزرگوار آقا سیّد علی سے بھی تعلیم حاصل کی تھی اور آقا سیّد محمد اور سید عبداللہ سے اجازہ حاصل کیا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مکّہ کے سفر کے دوران جب ہم شہر حلب پہنچے تو بادشاہ حلب نے امیر حج آفندی سے کہا کہ ایک رات دعوت طعام دی جائے تو امیر حج نے مجھ سے کہا۔ میں نے کہا: میں ان کی محفلوں کے آداب سے واقف نہیں اس لئے میں نہیں جاؤں گا۔ امیر حاج نے کہا یہ دعوت تو آپ کو قبول کرنا ہی ہوگی۔ چنانچہ اس نے کچھ حاجیوں کو جو ان کی محفلوں کے آداب سے واقف تھے میرے ساتھ روانہ کیا۔ جب بادشاہ کے پاس پہنچے تو اس نے بہت احترام کیا پھر مجھ سے سوال کیا کہ خلافت علیؑ کے بارے میں تمہاری کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا میں مذہب سنت والجماعت رکھتا ہوں اور شافعی مذہب کا پیرو ہوں۔ بادشاہ نے کہا: مجھے معلوم ہے کہ تم شیعہ ہو اور میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے کہ تمہارے دلائل معلوم کروں۔ پھر میں نے دلائل دینے شروع کیے اور میں جو دلیل دیتا بادشاہ اسے رد کر دیتا تھا۔ وہ بہت سمجھدار تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر ظاہری طور پر میں اس کی بات مان لوں تو ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لئے اور عام شیعوں کے لئے اعتقاد کی کمزوری کا سبب ہو جائے گا پس میں دل ہی دل میں ائمہ

اطہار علیہم السلام سے متوسّل ہوا فوراً گویا مجھے الہام ہو گیا اور اللہ کی رحمتیں مجھ پر نازل ہو گئیں اور میں نے ایک دلیل پیش کر دی کہ بادشاہ چھو نہ سکا اور سکوت اختیار کر لیا اگلے دن صبح کو اس نے ایک مصری گدھا بمعہ حاشیہ دار شال ماھوت اور مٹھائی مجھے بھیجا اور جو بھی میرے ساتھ گئے تھے ان کو بھی ماھوت اور شیرینی بھیجی میں نے اس دراز گوش کو حلب میں ہی چالیس تومان میں فروخت کر دیا۔

اور آپ کی تالیفات بہت ہیں شرح ارشاد میں ان کی کتاب غنیمۃ المعاد ہے جو چودہ جلدوں میں ہے۔ اور ارشاد کی شرح میں ایک اور کتاب 'کتاب مسلک' دو جلدوں میں ہے کتاب تفسیر گویا سات جلدوں میں ہے۔ کتاب معدن البکاء مصائب میں فارسی زبان میں ہے اور مختصر ہے کتاب مخزن البکاء بھی مصائب میں فارسی میں ہے مگر بسیط کتاب ہے۔ کتاب 'منبع البکا' مصائب میں ہے لیکن عربی میں ہے لیکن اس میں مصائب کے متعلق احادیث کی بہت چھان پھٹک کی گئی ہے اور اس میں صرف معتبر روایات کو بیان کیا گیا ہے اور آخر کتاب میں بہت سے واقعات مصائب اور عربی قصیدے مرثیوں کے انداز میں لکھے ہیں یہ کتاب اور کتاب غنیمۃ المعاد کی آخری جلد میرے پاس ہے اور کتاب 'مخزن البکاء' روایات کے اعتبار سے کتاب 'معدن البکاء' سے پست درجہ کی ہے بلکہ 'معدن البکاء' مصائب کے اعتبار سے تمام کتابوں سے بہتر ہے جیسے کہ آخوند ملاّ حسن یزدی کی 'مہیج الاحزان' مصائب کی کتابوں میں بہترین اور بہت معتبر ہے اور ایسے ہی 'بحار' جو سب سے اعلیٰ ہے اور اسی طرح شیخ طریحی کی 'منتخب'، سید ابن طاؤس کی 'لہوف' اور ابن نما کی 'مثیر الاحزان' جو نہایت قابل اعتبار ہیں۔ اسی طرح 'ارشاد شیخ مفید' اور 'امالی صدوق'۔ چونکہ متاخرین کی اصطلاح میں مصائب میں صحیح احادیث نادر ہی مل سکتی ہیں لہٰذا غیر صحیح احادیث میں بڑی احتیاط برتنی چاہئے۔ آخوند ملاّ مہدی نراقی کی 'کتاب محرق القلوب' اچھی نہیں ہے اور بڑی حیرت ہوتی ہے کہ ان جیسا عالم و فاضل انسان اور ایسی روایات بیان کرے۔ اور ملاّ آقائی دربندی کی کتاب ردّی اور بھرتی کے مواد سے پر ہے انہوں نے ایسی بہت سی روایات ذکر کی ہیں جو بالکل جھوٹی معلوم ہوتی ہیں چنانچہ معدن البکاء مصائب کے حالات کی تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے ایسی کتاب ہے کہ جس پر کسی اور کتاب کو سبقت حاصل نہیں۔

مرحوم حاجی ملاّ محمد صالح بہت شوخ تھے اور کچھ عرصے میں بھی ان کے درس میں شریک ہوا لیکن کوئی تحقیقی بات نہیں سنی گئی۔ آپ کی مزاحیہ باتوں میں سے ایک یہ ہے۔ آپ کا ایک لطیفہ یہ ہے کہ کہتے تھے کہ میرے دیہاتوں میں سے ایک دیہات میں ایک ناظر تھا تو جب ہم سب چیزوں کا حساب کیا کرتے تھے تو کہتا تھا دس پر ایک، میں کہتا تھا دس دس ہے اور ایک ایک ہے یہ دس ایک کیسے ہو جاتا ہے۔ کہتا تھا قاعدۂ حساب یہی ہے آخر کار اس نے ایک بھی نہ دیا۔ اور جیسا کہ مشہور تھا کہ ختم ادعیہ اجازہ کی محتاج ہوتی ہے اور مجھے بارہ امامؑ کے ختم کی دعوت دینے والے خواجہ نصیر تھے لہٰذا میں نے ان ہی سے اجازہ لے لیا ہے بشرطیکہ صرف شرعی کاموں کے لئے پڑھوں۔ ملاّ محمد صالح نے بیان کیا کہ جب میں اصفہان گیا تو میں مطول پڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ آقا سید محمد باقر رشتی یہاں نئے آئے ہیں اور مطول کا درس دیتے ہیں میں بھی ان کے درس میں پہنچ گیا لیکن مجھے ان کا طریقۂ درس پسند نہ آیا۔

اور ان کے لطائف میں سے ایک یہ ہے کہ ایک سال ہم نے مشہد مقدس کی زیارت کی۔ ہمارے ساتھ میرزا شکور شاعر بھی تھا۔ راہ میں لوگوں نے کہا کہ اس نے زنا کیا ہے۔ میں نے اسے بلایا اور اس پر اعتراض کیا کہ زیارت کو جا رہا ہے اور زنا کرتا ہے تو جواب میں کہنے لگا کہ یہ بھلا کونسے اعتراض کی بات ہے زیارت کو نامۂ عمل میں داہنی طرف لکھیں گے اور زنا کو بائیں جانب تو ان میں آپس میں کیا ربط ہے؟

حاجی مذکور نے کربلائے معلیٰ میں گھر خریدا ہوا تھا آخر عمر میں کربلا میں اقامت گزیں تھے اور کربلا میں ہی وفات ہوئی ایک دن زیارت حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے مشرّف ہوئے۔ زیارت و نماز کے بعد مرقدِ مطہر کے سرہانے کھڑے دعا مانگ رہے تھے کہ اچانک گر پڑے۔ ان کو لوگ کندھوں پر ڈال کر گھر لے کر آئے لیکن فوراً ہی وفات پا گئے۔ اللہ ان پر اپنی رحمت نازل کرے اور معصومینؑ کے ساتھ ان کو محشور کرے۔

مرحوم حاجی ملاّ عبدالوہاب قزوینی کی وفات بھی عجیب انداز کی تھی۔ وہ نجف کی زیارت کو گئے وہاں بیمار ہو گئے وقت احتضار کہنے لگے کہ مجھے تابوت میں رکھ کر مزارِ مبارک امیر المومنینؑ میں چھوڑ دو۔ چنانچہ تابوت میں رکھ کر ان کو حرم امیر المومنینؑ میں چھوڑ دیا اور وہیں انہوں نے وفات پائی۔ علماء کو ترویج دینے میں بڑی جدوجہد کرتے تھے اور نیکیاں پھیلاتے تھے۔ بے حد عبادت گزار تھے اور چالیس مجتہدین نے اجازہ حاصل کیا ہوا تھا لیکن مجھ ناچیز کی

نگاہ میں ان کا اجتہاد محل تامل رکھتا ہے۔ بلکہ واضح طور پر نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن فقہ کے بڑے بڑے مسائل خوب یاد رکھتے تھے۔ ایک دن عید کے موقع پر ان کی ملاقات کو گیا بہت سے علماء وہاں موجود تھے میں نے سوال کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ہونے اور زمین پر نازل ہونے اور حضرت امام زمانہؑ کی اقتداء کرنے میں حکمت کیا ہے؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر میں نے ہی کہا کہ شاید یہ مصلحت ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنا لطف فرمائے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ زمین کے زیادہ تر بسنے والے حضرت عیسیٰؑ کے امتی ہونگے۔ انگریزوں کے بڑے بڑے علاقے جیسے آسٹریلیا، فرانس، انگلستان وروس یہ دین وملت عیسیٰؑ پر ہونگے اگرچہ ان کے دین کو بھی انہوں نے بدل ڈالا ہے چنانچہ صاحب الامرؑ کے ظہور کے بعد عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے وان من اهل الكتاب الاليؤمنن به قبل موته (سورۂ نساء آیت ۱۵۹) اور آپ کو پہچان جائیں گے اور آپ کے ذریعے حضرت صاحب الامرؑ پر ایمان لے آئیں گے اگر ایسا نہ ہوتا تو انکار کردیتے اور امامؑ کی تلوار سے مارے جاتے۔ اس پر حاجی مذکور نے تصدیق کی اور کہا کہ شیخ احمد بھی یہی کہتے تھے۔

آخوند ملاّ صفر علی لاهیجانی

آپ قزوین میں مقیم تھے اور مرحوم آقا سیّد محمد کے شاگردوں میں سے تھے، حجۃ الاسلام آقا سیّد محمد باقر سے اجازہ حاصل کیا تھا اور معالم پر شرح اور علم درایت میں ایک رسالہ اور کچھ فقہ کے متعلق بھی لکھا لیکن آپ کی عقل اوّل درجہ کے اجتہاد کی تھی۔ میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے وقت آپ کے چند درسوں میں شریک ہوا تھا۔ نوآموز طالبعلموں کے لئے آپ مفید استاد تھے۔ عتبات سے واپسی پر میری کتاب لسان الصدق منگوائی کچھ عرصے وہ ان کے پاس رہی۔ انہوں نے تین مقامات پر اس میں حاشیہ لکھا اور ان حواشی میں سے ایک کے آخر میں لکھا کہ اگر اجازہ چاہتے ہو تو مجھے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن حقیر نے ان سے اجازہ طلب نہیں کیا۔ ایک عید غدیر پہ ان کی ملاقات کو گیا اور میں نے ان سے سوال کیا کہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ علی علیہ السلام کو روز عید غدیر خلافت پر فائز کیا گیا یا نوروز کے دن یا خلافت معضوبہ عید غدیر یا روز نوروز آنجنابؑ کی طرف واپس لوٹی کیونکہ پہلی عید غدیر تو رحلت پیغمبرؐ میں چھ ماہ باقی تھے اس وقت ہوئی اور عید غدیر دوم جب رحلت کو پچیس ۲۵ سال گزر چکے تھے تب ہوئی ہو لیکن اگر ایسا ہوا تو ان دو عیدوں کے درمیان تیس ۳۰ سال سے زیادہ کا وقفہ ہونا چاہئے تا کہ دورہ مکمل ہو سکے۔ پس مرحوم آخوند نے کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے مرحوم حاجی شہید ثالث سے بھی یہی سوال کیا تھا لیکن ان سے بھی کوئی جواب نہ پایا۔ میں نے اپنی کتاب مشکلاتِ علوم میں اس شبہ کو دور کیا ہے۔ آخوند مذکور شروع شروع میں علم حکمت میں مصروف رہا کرتے تھے اور ملاّ صدری کی کتاب شواہد ربوبیہ کا درس دیا کرتے تھے اور اصفہان میں تھے تو شیخ نے ایک خواب دیکھا اور اس روز صبح کو آپ کا منہ بدبودار ہو گیا اور آپ کے منہ سے اتنی خراب بو پھیلی کہ اہل مجلس کو بڑی تکلیف ہوئی تو آخوند نے درس و تدریس علم وحکمت سے توبہ کی اور علم وفقہ اصول میں مشغول ہو گئے تو آپ کے منہ کی وہ خراب بو بھی دور ہو گئی۔

آخوند ملاّ عبدالکریم

آخوند ملاّ عبدالکریم ایروانی جو قزوین میں مقیم تھے معروف علمائے عالی مقدار میں سے تھے اور وقت کے نامور فضلاء میں شمار ہوتے تھے۔ دائرہ فہم وکمال کا محور اور آسمان فضل کے خورشید تاباں اور زمانے کے مانے ہوئے عالم اور سیّد مختار کی حقیقی حجت تھے۔ آقا سیّد علی صاحب شرح کبیر کے شاگردوں میں سے تھے۔ لیکن گفتگو بہت کم کرتے تھے ان عالم علیم کی کوئی تالیف منظر عام پر نہ آئی صرف اصل براءت پر ایک رسالہ ہے لیکن وہ بھی ناقص ہے۔ اور عراق عرب وعجم میں علم اصول میں ان سے بہتر مجھے کوئی نہیں ملتا۔ بہت کم تدریس کرتے تھے اور ان میں تدریس کی صلاحیت نہیں تھی۔ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ آقا سیّد علی کے شاگردوں میں تین اپنے زمانے میں سب سے زیادہ مشہور تھے اور ان کا ان تین سے زیادہ بہتر کوئی شاگرد نہ تھا، ایک میں دوسرے شریف العلماء اور

تیسرے میرزا احمد ترک لیکن میں ان دونوں پر بھی فوقیت لے گیا تھا۔

مؤلف کہتا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان بزرگوار نے مبالغہ فرمایا ہے یا معاذ اللہ جھوٹ کہا ہے بلکہ وہ علم اصول کے بانی ہیں اور اس حقیر نے بھی ان سے شرف تلمذ پایا اور حقیقتاً وہ ایک عالم خبیر تھے اور اکثر لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ان کو تجربزہ ہے لیکن وہ خود فرماتے تھے کہ مجھے تجربزہ نہیں ہے بلکہ میں طلباء کے ذہن کو تیز کرنے کے لئے دلیلوں پر اس قدر جرح و تعدیل کرتا ہوں۔

قصہ مختصر آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب آقا سید علی کا وقت وفات قریب آیا تو انہوں نے مجھے اور شریف العلماء کو طلب کیا اور فرمایا کہ میں تم لوگوں سے ایک وصیت کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرے بیٹے سید محمد کی مجلس درس کو ختم نہ کرو بلکہ اس میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد ہم دونوں آقا سید محمد کی مجلس درس میں جایا کرتے اور آقا سید علی مرحوم کے شاگرد بھی سب وہاں جمع ہو جاتے تھے۔ ایک روز میں نے دیکھا کہ شریف العلماء اس مجلس درس میں نہیں آئے چنانچہ میں اختتام درس پر شریف العلماء کے پاس گیا اور ان پر بہت ناراض ہوا کہ تم درس میں کیوں نہ آئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کب تک دوسروں کی مجلس کی زینت بنتے رہیں میں تو خود آغاز درس کرنا چاہتا ہوں۔ پھر میں تو آقا سید محمد کی ہی مجلس میں گیا لیکن شریف العلماء نے اپنی مجلس درس کا آغاز کر دیا اور سارے ہی طلباء ان کے ہاں پہنچ گئے اور آقا سید محمد کے درس کا خاتمہ ہو گیا۔ جب یہ کیفیت ہوئی تو میں نے بھی ایک درس کا آغاز کر دیا۔ شروع میں تو کثیر طلباء آئے پھر کم ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ صرف دو تین رہ گئے اور رات سے صبح تک شریف العلماء کا چراغ روشن رہتا۔ ایک شب ان کے حجرے کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ چراغ طاقچہ میں رکھے ہوئے کتاب قوانین کی دو تین سطریں پڑھ کر غور کر رہے ہیں اور کمرے میں ٹہل ٹہل کر سوچ اور فکر میں غلطاں ہیں۔ اور پھر ہر رات وہ یہی عمل کرتے۔ اب میں نے بھی کتاب قوانین کی تدریس شروع کر دی پھر بہت سے لوگ جمع ہو گئے لیکن دو تین ہی دن میں تعداد گھٹنی شروع ہو گئی اور شریف العلماء کے درس میں زیادہ رونق پیدا ہو گئی اور مجھ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ شریف العلماء کے ہوتے ہوئے اور لوگوں کی ان کے درس سے رغبت کی بناء پر کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ اپنے درس کو قائم رکھ سکے۔ چنانچہ میں وہاں سے قزوین آ گیا۔

مؤلف کہتا ہے کہ مرحوم آخوند ملا عبدالکریم کسی لحاظ سے شریف العلماء سے کمتر نہیں تھے لیکن بات یہ ہے کہ شریف العلماء ایک محقق تھے جبکہ آخوند ملا عبدالکریم مدقق۔ پھر آخوند ملا عبدالکریم ترک تھے اور گفتگو بخوبی نہ کر سکتے تھے اور شریف العلماء بے نظیر مقرر تھے۔ پھر شریف العلماء کا انداز تدریس یہ تھا کہ اگر کوئی بیس تیس مسائل ان کے انداز پر سیکھ لیتا تھا تو ان کے تمام مسائل کو سمجھنے کی اہلیت پیدا کر لیتا تھا اور آخوند ملا عبدالکریم اس صلاحیت سے محروم تھے۔ نیز تدریس قانون کو شریف العلماء نے بڑا شائستہ بنا دیا تھا جبکہ آخوند ملا عبدالکریم ایسا نہ کر سکے۔ چنانچہ شریف العلماء کے شاگرد مختصر مدت میں بڑی ترقی کر لیتے تھے جبکہ آخوند ملا عبدالکریم کے پاس رہ کر کوئی ترقی نہ کر سکا۔ نیز شریف العلماء بے نظیر مناظر تھے اور مناظرہ میں کوئی ان کو شکست نہ دے سکتا تھا۔ ملا عبدالکریم اس صلاحیت سے بھی بے بہرہ تھے اس لئے ایک کامیاب مدرس نہ ہو سکے۔

لیکن آخوند ملا عبدالکریم تنقید و نکتہ سنجی میں عرب و عجم میں بے مثل تھے اور نہ صرف اپنے دور میں بلکہ ان سے پہلے کے زمانوں میں بھی علم اصول میں ان کے جیسا کوئی نکتہ سنج نظر نہیں آتا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس زمانہ میں میں دارالسلطنت قزوین میں تحصیل علوم کر رہا تھا ملا عبدالکریم اصول کی تدریس نہیں فرماتے تھے اور اپنے استاد کی فقہ کا درس دیا کرتے تھے اور وہ بھی بالکل مختصر سا۔ کچھ طلباء نے آپس میں میٹنگ کی کہ آخوند عبدالکریم جیسے یکتائے روزگار ہمارے ہاں موجود ہیں اور ہم ان سے فیضیاب نہیں ہو رہے اور ان کے درس اصول کا مشاہدہ تک نہ کیا یہ بالکل خلاف مروت بات ہے چنانچہ کچھ لوگ اس ارادہ کے ساتھ آخوند کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سلسلے میں عرض گزار ہوئے تو انہوں نے کہا کہ میں چند شرائط کے ساتھ درس دے سکتا ہوں۔

۱) پہلی شرط تو یہ ہے کہ کم از کم سو طالبعلم ہوں ان سے کم کے لئے میں درس نہ دوں گا۔

۲) دوم یہ کہ درس کے دوران کوئی اعتراض وارد نہ کیا جائے اور اگر کوئی شبہ ہو تو درس کے بعد پیش کرے تا کہ اس کی وضاحت کی جائے۔

۳) تیسرے یہ کہ درس عربی زبان میں ہوگا۔

۴) چوتھے یہ کہ کوئی یہ نہ کہے کہ بس کافی ہو گیا، جہاں میں سمجھوں گا کہ کافی ہو گیا ہے خود ہی رک جاؤں گا۔
۵) پانچویں یہ کہ اگر کوئی کچھ بھی نہ سمجھے تو بھی چھ ماہ تک حاضر ہوتے رہیں اگر پھر بھی نہ سمجھیں تو آنا چھوڑ دیں۔

سب نے ان شرائط کو قبول کر لیا اور ہم ان کے درس میں جانے لگے ہر روز ایک گھنٹہ تک درس دیتے جس میں پچھلے درس کی کوئی تکرار نہ ہوتی اور ظہر سے دو گھنٹے قبل فارغ ہو جاتے۔ بغیر کسی تکرار کے عربی زبان میں اگر سارا کا سارا نوٹ کر لیا جاتا تو تقریباً ہزار سطریں بنتی تھیں۔ طلاب ان کے لکھنے سے عاجز تھے ہر روز کسی نہ کسی موضوع پر اپنے دلائل پیش کرتے دوسرے دن ان سب دلائل کو رد کر دیتے تھے اور اگلے دن ان کو مان لیتے تھے اور اسی طرح اکثر ہوتا تھا۔ خود فرماتے تھے کہ یہ کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ میں اپنی دلیل پر قائم رہتا ہوں اور اعتراضات کی کثرت اور جواباً ان کو رد کر دینا محض طلباء کی ذہنی جلاء کے لئے کرتا ہوں۔

ملا عبدالکریم ایک عجیب واقعہ بیان کرتے تھے کہ جس زمانے میں میں اردبیل میں تعلیم حاصل کر رہا تھا وہاں ایک بڑا خسیس، بخیل، کنجوس سوداگر ہوا کرتا تھا کہ کبھی کسی فقیر کو اس کے دستر خوان سے روٹی کا ٹکڑا نصیب نہ ہوا۔ کھانے کے اوقات میں وہ کسی ایسے شخص کا مہمان بن جاتا تھا جو اس کا مقروض ہوتا تھا اور کبھی اپنی جیب سے کچھ نہ کھاتا یہاں تک کہ بعض اوقات جب لوگ کھانا پکواتے اور اس کھانے میں اس کا مال بھی خرچ کرتے تو اس کو کھانے کی دعوت دیتے تو وہ کھانا کھانے بیٹھتا تو لقمہ اس کے گلو گیر ہو جاتا اور وہ اس کو نگل نہیں سکتا تھا اور وہ کہتا تھا کہ اس کھانے میں میرا مال شامل کیا گیا ہے جو میرے گلے سے نہیں اتر رہا۔ کچھ طلباء ایک مرتبہ اس کے بارے میں بات چیت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بھی اس کنجوس تاجر سے کسی غریب کے لئے ذرا سا بھی مال حاصل کر سکے۔ اس پر میں نے کہا کہ کل میں اس کے پاس جاؤں گا اور طلاب کے لئے چندہ وصول کروں گا۔ انہوں نے کہا: یہ ناممکن ہے۔ آخر ہم میں شرط لگ گئی کہ اگر میں کامیاب ہو گیا تو طلاب اتنا اتنا مجھے دیں گے۔ یہ تاجر بڑا مالدار تھا اور ہمیشہ دس ہزار تومان تو اپنے حجرہ کے فرش کے نیچے محفوظ رکھتا تھا کہ اگر کچھ مال خریداری کے لئے آ جائے اور فوری طور پر رقم مال خانہ سے نہ آ سکے تو خرید و فروخت میں دشواری نہ پیش آئے اور ویسے بھی ہر کوئی اس کا مقروض تو تھا ہی۔

خیر جب ہم میں شرط لگ گئی تو میں اس تاجر کی خدمت میں پہنچا سلام کیا۔ اس نے جواب دیا میں ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ اس نے بڑی بے دلی سے میری تواضع کی تو میں نے: کہا مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے لیکن آپ کامل توجہ سے اس کو ساعت فرمائیں۔ اس نے کہا: کہو کیا کہنا ہے۔ پس میں نے بات کا آغاز بے اعتباریٔ دنیا اور عمر فانی اور دنیا والوں کی ہلاکت و دگرگونی، عذاب روز محشر اور قہر و غضب پروردگار کا تذکرہ آیات قرآنی اور احادیث ائمہ کے ساتھ ساتھ بہت سے دلسوز واقعات کے ساتھ کیا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں اور جب میں نے دیکھا کہ اس وقت اس کا دل نرم ہو چکا ہے تو دل میں کہا کہ تیر نشانہ پر بیٹھ سکتا ہے تو میں نے اس سے کہا کہ آخرت کی سخت گھاٹیوں سے گزرنے کے لئے اور وہاں کے عذابوں سے نجات پانے کے لئے کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ کچھ رقم فلاں مدرسہ کے طلباء کی تنخواہ کے طور پر مجھے دیدیں کہ میں ان میں تقسیم کر دوں اور اللہ تعالیٰ اس دن جب نہ دوستی کام آئے گی نہ شفاعت نہ دولت اس وقت آپ پر رحم فرمائے اور ان زحمتوں سے نجات عطا فرمائے۔ پس اس شخص نے بلا فاصلہ بغیر چوں چرا فوری طور پر چالیس اشرفی تومان مجھے دیدیئے کہ یہ لو اور ان طلباء میں تقسیم کر دو۔ میں نے جی میں کہا کہ فوراً یہاں سے اٹھ جاؤ ایسا نہ ہو کہ پھر نفس اس کو ورغلائے اور یہ نادم ہو کہ اتنی رقم ہاتھ سے جا رہی ہے۔ میں اٹھا اور مدرسہ کی طرف چل پڑا۔ میں ابھی دروازہ تک ہی پہنچا تھا کہ وہ چلانے لگا کہ ٹھہرو ٹھہرو میں سمجھ گیا کہ وہ رقم جانے پر ہاتھ مل رہا ہے میں تیزی سے بھاگا اس نے میرا پیچھا کیا اور بیچ بازار میں مجھے آ پکڑا میں نے بھی پلٹ کر اس کو پکڑ لیا اور ہم میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ بہت سے لوگ بیچ بچاؤ کرانے کے لئے جمع ہو گئے اور اس سے کہنے لگے کہ کیوں بیچارے آخوند سے لڑ رہے ہو تو اس نے کہا کہ یہ آخوند آج میرے گھر آیا اور مجھے فریب دیکر تنخواہ کے نام پر ایک کثیر رقم مجھ سے اینٹھ کر لے گیا ہے۔ جب لوگوں کی سمجھ میں معاملہ آیا تو کہنے لگے کہ ایک زمانے کے بعد اگر تم نے تھوڑی سی تنخواہ اس شخص کو دیدی ہے جو غریب بھی اور عالم بھی تو اس پر بھی تم ہائے ویلا مچا رہے ہو اور پشیمان ہو رہے ہو۔ پس وہ اس کو گھیرے رہے اور سمجھاتے رہے۔ میں اس کے

جنگل سے نکل کر مدرسہ پہنچا سارے طلباء کو جمع کیا اور ان کے درمیان تنخواہ تقسیم کر دی اور جو رقم ان سے شرط کے طور پر طے کی تھی وہ ان سے وصول کی۔

مؤلف کہتا ہے کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب وہ شخص راضی نہیں تھا تو آخوند نے پھر اس کے مال کو اس کی رضامندی کے بغیر کیسے فقراء میں تقسیم کر دیا چاہے شروع میں وہ اس کی طرف سے وکیل بنا تھا لیکن بعد میں تو اس وکالت سے معزول کر دیا تھا تو ہمارا جواب یہ ہے کہ مسلمان کا کام درست مانا جاسکتا ہے شاید لوگوں کے سمجھانے سے وہ شخص پھر رضامند ہو گیا ہو یا مرحوم آخوند اس وقت شرعی حکومت کے اہل ہوں یا حاکم شرعی نے انہیں اجازت دی ہوئی ہو کیونکہ حاکم شرعی جامع شرائط کو یہ بات معلوم ہو کہ کسی پر ردّ مظالم یا حقوق الناس یا زکوٰۃ وغیرہ کی رقم ہے تو وہ کسی سے بھی وہ رقم حاصل کر سکتا ہے تو شاید یہی صورتحال اس واقعہ میں ہو۔

المختصر شروع میں تو آخوند ملا عبدالکریم کا بڑا شہرہ تھا۔ حتیٰ کہ اہل قزوین میں سے دو اشخاص کا آپس میں جھگڑا ہوا اور انہوں نے اصفہان میں آقا سید محمد باقر حجۃ الاسلام سے اس کا فیصلہ کرایا اور جب وہ قزوین آئے تو آخوند نے اس فیصلہ پر اعتراض کیا لیکن کسی نے پرواہ نہ کی اور علماء نے قزوین نے حجۃ الاسلام کی ہی حمایت کی اس کے بعد سے آپ کی شہرت ماند پڑ گئی۔ بہر حال شہرت صرف ظاہری ہی نہیں ہوتی بہت سوں کی صحیح کیفیت حق تعالیٰ جانتا ہے دنیا والے نہیں جانتے صرف عقل والے ہی ان کو جان سکتے ہیں ۔

ملا عبدالکریم نماز جماعت نہیں پڑھاتے تھے اور کہتے تھے کہ ابتداً مجھے مسجد میں نماز جماعت پڑھانے کو لوگ لیکر گئے جب وقت نماز ہوا تو نماز پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم نظر آئی۔ ماموین کی قلیل تعداد کو دیکھ کر میرے دل میں عجب کیفیت پیدا ہوئی اور مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ جماعت قـربةً اِلَی اللہ نہیں ہو رہی اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے پس میں نے جماعت کی نماز کو ترک کر دیا اور آپ کو جاننا چاہئے کہ آخوند نے سید کے حکم پر اعتراض اپنی ہوائے نفس کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ ان کو سیّد کے اجتہاد کا بھی یقین نہیں تھا اور اس واقعہ میں جناب آخوند کو سید کے حکم کے غلط ہونے کا علم تھا اور شبہ کامل تھا۔ اور جب حجۃ الاسلام کا رسالہ آخوند نے ملاحظہ کیا تو کہا کہ پہلے تو مجھے سید کے اجتہاد پر شک ہی تھا لیکن ان کا رسالہ دیکھ کر میرے شک میں مزید اضافہ ہو گیا۔

اور جب شیخ محمد حسن نجفی مرحوم کو شہرت حاصل ہوئی تو آخوند نے کہا مجھے تو حیرت ہے کہ شیخ سرحد اجتہاد تک کیسے پہنچ گئے اور جب ان سے کہا گیا کہ حاجی ملا محمد صالح نے دو دورہ فقہ لکھا ہے تو آخوند نے ہنس کر کہا کہ کاتب نے تو دس دورہ فقہ لکھے ہیں کیونکہ انہوں نے دس دفعہ شرح کبیر کو منسوخ کیا تھا اور کہتے تھے کہ اگر میں حاجی ملا محمد صالح کی کتاب کا فقہاء کی کتب سے مقابلہ کروں تو ایک ہزار اشعار کو دو ہزار اشعار شمار کروں کیونکہ انہوں نے سارے لوگوں کی باتیں لکھ ڈالی ہیں اور بالکل تصرّف نہیں کیا ہے۔ اور اگر حاجی ملا محمد تقی شہید ثالث کی کتاب کا مقابلہ کروں تو ایک ہزار اشعار پر ایک تومان اجرت پر مقابلہ کروں کیونکہ انہوں نے بہت تصرّف کیا ہے اور وہ کہتے تھے کہ میں کسی ضروری کام سے طہران گیا اس سال آقا محمد مہدی ابن حاجی کلباسی اور آقا سید میر محمد صادق جو اصفہان کے مشہور افراد میں سے تھے وہ حاجی کلباسی کے شاگردوں میں سے تھے اور تقریباً سال بھر تک شریف العلماء سے بھی کسب علم کیا تھا اور یہ دونوں طہران آئے ہوئے تھے وہ مجھ سے ملاقات کو آئے تو میں بھی ان کی ملاقات کو گیا اور میں نے کہا کہ حاجی کلباسی کی تالیفات میں سے کوئی چیز موجود ہو تو میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ پس ایک ورق لیکر آئے میں نے آقا میر سید حسن سے کہا کہ اسکی عبارت پڑھیے۔ انہوں نے ایک سطر پڑھی میں نے ایک اعتراض عائد کیا۔ آقا محمد مہدی اور آقا میر سید حسن نے جواب دینا چاہا اور گفتگو شروع ہوئی اور آخر دونوں نے اعتراض کو درست مان لیا پھر دوسری سطر پڑھی میں نے دو اعتراضات کیے پھر باہم بات چیت ہوئی۔ اور انہوں نے تسلیم کر لیا جب تیسری سطر پڑھی تو میں نے تین اعتراضات کیے اسی طرح وہ صفحہ مکمل ہوا۔

آخوند سے کسی نے فتویٰ دریافت کیا کہ آج کل اعلم کون ہے اور قزوین میں کس کی تقلید کرنی چاہئے؟ جواب میں لکھا کہ اعلم میں ہی ہوں اور میرے بعد آخوند ملا علی قریوز آبادی اعلم ہیں اور ان کے بعد حاجی ملا محمد تقی قابل تقلید ہیں۔ ان کے علاوہ قزوین کے سارے علماء مشکوک الاجتہاد ہیں یا کھلے

ہوئے بیوقوف۔ ملا علی فاضل آخوند کی خدمت میں درس لیا کرتے تھے اور ان سے اجازہ حاصل کیا تھا اور زنجان میں اقامت رکھتے تھے اور مسلّم تھے اور اس سال جو ۱۲۹۰ھ ہے حاجی ملا ہادی سبزواری نے وفات پائی اور تہران میں ایک دن کے لئے دونوں کا سوگ ہوا۔

مرحوم آخوند ملا عبدالکریم کیمیا گری کرتے تھے۔ اپنے آپ کو اسی کام میں محدود کر دیا تھا، امورِ علم سے دست کش ہو گئے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جو کیمیا گری نہیں کرتا وہ بدذوق ہے اور اس کام میں ایک تومان لاگت لگا کر بارہ ہزار کا فائدہ اٹھاتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ صنعت مجھے کربلا میں ایک درویش نے تعلیم کی۔ لیکن بعد میں کہنے لگے تھے کہ ایک تومان لگاتا ہوں تو دو تومان کا فائدہ رہتا ہے۔

نیز انہوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ جب میں مرحوم آقا سیّد محمد حجۃ الاسلام کی مجلس میں پہنچا تو انہوں نے دو جزو مجھے پڑھنے کو دیئے میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ حاجی سید محمد باقر حجۃ الاسلام اور حاجی ملا احمد نراقی میں مباحثہ ہوا تھا دونوں نے اپنے اپنے مسئلہ کو لکھا ہے اور مجھ سے تصدیق چاہتے ہیں۔ میں نے دونوں تحریروں کا مطالعہ کیا تو حاجی ملا احمد کی باتیں مجھے بہتر معلوم ہوئیں۔ سیّد سے عرض کیا کہ مجھے تو یہی بہتر لگتا ہے انہوں نے میری تصدیق کی اور حاجی ملا احمد نراقی پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

ایک اور عجیب قصہ آخوند ملا عبدالکریم بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مرحوم حاجی سیّد تقی قزوینی نے کوئی معاملہ طے کیا۔ اس جھگڑے کو جب میرے پاس لائے تو میں نے سیّد کے معاملہ کو باطل کر دیا اور اسی وجہ سے میرے اور سیّد کے درمیان ناراضگی ہوگئی۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ چلو تمہیں بلایا ہے اور اس شخص کو دیکھ کر میرے دل پر عجب ہیبت چھا گئی اور مجھ سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا، میں گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا وہ شخص میرے آگے آگے تھا اور میں اس کے پیچھے پیچھے۔ وہ ایک گھر کے دروازہ پر رکا اور کہا: تجھے یہاں طلب کیا گیا ہے۔ میں نے اس گھر میں دیکھا کہ محترم سادات ترتیب وار تشریف فرما ہیں اور ان کے درمیان حاجی محمد تقی بھی بیٹھے ہیں میں نے سلام عرض کیا جواب سلام ملا۔ اور وہ سیّد جو سب سے بلند مقام پر متمکن تھے انہوں نے بڑے عتاب آمیز انداز میں فرمایا کہ تم نے میرے فرزند سیّد محمد تقی کو دل شکستہ کیا ہے اسکے بعد ہرگز ایسا نہ کرنا اور ان کو اپنے سے راضی کرو۔ میری آنکھ کھلی سیّد کے گھر پہنچا ملاقات کی اور معذرت خواہ ہوا اور خواب کا قصہ ان کو نہ سنایا سیّد مجھ سے خوش ہو گئے کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ پھر کوئی قضیہ پیش آ گیا اور اس کا تعلق بھی حاجی سیّد محمد تقی سے تھا پھر میں نے فیصلہ کیا اور سیّد کے کام کو باطل قرار دیا اور پھر ہم دونوں میں رنجش ہوگئی تو رات کو عالم خواب میں دیکھا کہ پھر وہی شخص جس کو پہلے دیکھا تھا آیا اور مجھے بلایا اور پھر میں پہلی سی ہیبت کے ساتھ اسی مکان میں پہنچا وہی سب لوگ بیٹھے تھے اور پھر انہی سیّد نے جو صدر مجلس میں تشریف فرما تھے حاجی سیّد محمد تقی کے بارے میں مجھ پر عتاب کیا اور حکم دیا کہ ان کو راضی کروں۔ اسی روز صبح کو باوجود اسکے کہ برف باری ہو رہی تھی میں سیّد کے در دولت پر پہنچا۔ سیّد دروازے پر آئے اور ہم دونوں ساتھ اندر پہنچے اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے تو ادھر ادھر کی باتوں کے بعد میں نے معذرت طلب کی کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں اور مجھے معاف فرمائیں اور اب میں نے خواب کا سارا واقعہ ان کے سامنے دہرایا تو سیّد نے جواب میں کہا کہ میں تجھ سے راضی ہوں اور کل رات عالم خواب میں کہ جہاں تمہیں لے جایا گیا میں بھی اسی مکان میں تھا اور اسی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا مجھے تعجب ہوا کہ سیّد کو خواب کا سارا حال کیسے معلوم ہوا کہ میں نے اُس خواب کا حال تو کسی پر ظاہر کیا ہی نہ تھا۔

حاجی ملا محمد جعفر استرآبادی

حاجی ملا محمد جعفر استرآبادی طہران کے رہنے والے تھے۔ فضلائے زمانہ میں سے تھے اور بہت سے علوم کے ماہر تھے۔ آقا سیّد علی جو کتاب ریاض کے مصنف تھے کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے بہت سی تالیفات چھوڑی ہیں جیسے علم کلام میں 'شرح تجرید'، علم عربی میں 'مداین العلوم' اور اسی طرح اصول اور فقہ میں کئی تالیفات ہیں۔ انہوں نے آقا سیّد مہدی کے حضور میں شریف العلماء کے آقا سیّد کاظم رشتی جو شیخ احمد کے شاگرد تھے سے استدلالی بحث میں ان کو ملزم قرار دیا اور شیخ احمد کی رد میں ایک کتاب بھی تحریر کی۔ بڑے محتاط آدمی تھے۔ وہ درس دیتے تھے، اصول کا اور فقہ کا جو ان کی ذاتی تالیفات سے

متعلق ہوتے تھے اور درس سے پہلے خطبہ دیا کرتے تھے اور بعد میں دعا کیا کرتے تھے۔ مؤلف کتاب بھی ان کی مجلس درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ بہت سے علوم سے آپ مربوط تھے۔ شعری طبیعت کے مالک تھے اور شعر گوئی کی صفت فضل خدا سے حاصل ہوتی ہے جو وہ اپنے بعض بندوں کو ان کی حسب صلاحیت عطا فرمادیتا ہے جیسا کہ مرحوم حاجی ملا محمد صالح برغانی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مصائب اہلبیت میں تین دورہ جلدیں لکھیں اور بڑی کوشش کی کہ کسی ایک کتاب میں شعر کا کوئی مصرع ہی لکھ دوں نہ کر سکا اور مجھے یہ سعادت نصیب نہ ہوسکی کہ میں شعرائے اہلبیت میں شمار کیا جاسکوں۔ مرحوم حاجی ملا محمد جعفر کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی ناخن تراشتے انہیں جمع کرتے اور کسی کو بھیجتے کہ ان کو کربلا میں دفن کرے۔ آپ نے اپنی بعض کتب کلامیہ میں امامت کے بارے میں بہت سی دلائل دی ہیں اور آخر میں لکھا کہ فاذن هو خليفة الله الرابع اور اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ میں سے تین کو اپنا خلیفہ کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ اول آدمؑ جن کے بارے میں کہا کہ میں زمین میں ان کو اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں دوم داؤدؑ کہ فرمایا کہ اے داؤدؑ ہم نے تمہیں خلیفہ بنایا، سوم حضرت ہارونؑ کہ ارشاد ہے (موسیٰ نے کہا) اے ہارونؑ میری قوم میں خلیفہ بن جاؤ۔ اور ان کے بعد چوتھے حضرت امیر المومنین علیہ السلام خلیفہ ہیں اور آپ نے کتاب 'مداین العلوم' میں لکھا کہ مصدر سے پندرہ وجوہات نکلتی ہیں جبکہ مجھ فقیر نے شرح امثلہ نہایہ میں اس سے کہیں زیادہ لکھی ہیں اور اسی طرح کتاب مداین العلوم میں باب قضایا میں مرکبات کو تیرہ سے زیادہ شمار کیا ہے، مؤلف کتاب کہتا ہے کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حاجی صاحب نے اس سلسلہ میں میر غیاث الدین کا اتباع کیا ہے کیونکہ انہوں نے بھی مرکبات کو ۱۳ سے زیادہ مانا ہے۔ آپ سے ایک لطیفہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مرید کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک آشی جو دنیاداری کی خاطر کسی کا ارادتمند ہو جاتا ہے اور دوسرا مرید شاشی۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس کا مطلب کیا ہے تو کہنے لگے ایک شخص میرا بڑا عقیدتمند تھا اور ہمیشہ پنج وقتہ نماز جماعت میں ٹھیک میرے پیچھے کھڑے ہو کر ادا کرتا تھا اور ہمیشہ مسجد میں مجھ سے پہلے پہنچ جاتا اور میرا انتظار کرتا۔ ایک دفعہ ہم دونوں چلے جارہے تھے راستے میں مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی نہ تو میں گھر جاسکتا تھا اور نہ ساتھ پانی تھا کہ بعد میں طہارت کرسکوں آخر ایک گوشہ میں جا کر میں نے فراغت حاصل کی اور رومال لپیٹ لیا اور گھر آ کر طہارت کرلی۔ پھر کئی دفعہ ایسا ہوا کہ اس شخص کو مسجد میں نہ دیکھا مجھے بڑا تعجب ہوا کہ وہ تو کبھی نماز جماعت نہیں چھوڑتا تھا کیا وجہ ہے کہ نہیں آرہا ہے۔ میں گھر گیا تاکہ عیادت کروں معلوم ہوا کہ وہ بیمار نہیں ہے تو میں نے پوچھا کہ آخر تم اب میرے پاس آتے کیوں نہیں۔ بڑی مشکل سے اس نے کہا کہ میں آپ کا بڑا عقیدت مند تھا لیکن اس دن میں نے دیکھا کہ تم نے پیشاب کے بعد طہارت نہیں کی تو اب تم سے میری کوئی عقیدت نہیں رہی حاجی کہتے ہیں کہ میں نے اس کا نام مرید شاشی رکھ دیا۔

آخوند ملا حسن یزدی

آخوند ملا حسن یزدی خطۂ ایران کے عارفین ومشاہیر میں سے تھے۔ بڑے متقی، پرہیزگار، عبادت گزار اور حضرت سید الشہداءؑ کے عزاداروں میں سے تھے اور بڑے اہتمام سے ائمہ ھدیٰ کی تعزیہ داری کیا کرتے تھے۔ پہلے دار الخلافہ میں قیام تھا پھر کربلائے معلیٰ منتقل ہوگئے اور اسی ارض مقدس میں سپرد خاک ہوئے۔

آپ کی تالیفات میں کتاب 'مہیج الاحزان' ہے جس میں مصائب حسینؑ پر بڑی معتبر روایات کو جمع کیا گیا ہے اور احادیث کی بڑی چھان پھٹک کی گئی ہے۔ آپ مرحوم آقا سید محمد کے شاگردوں میں سے تھے اور ممکن ہے کہ آقا سید علی کا زمانہ بھی دیکھا ہو۔ خراسان میں آپ رعشہ کے مرض کا شکار تھے اور اطباء آپ کو روزانہ ایک مثقال سنکھیا بطور دوا کھلایا کرتے تھے۔ سلطان اعظم فتح علی شاہ کی خواہش تھی کہ اس کی بیٹی ضیا السلطنت کی ترویج آپ سے ہوجائے لیکن آخوند نے قبول نہ کیا۔

ملا حسن یزدی کی ایک کرامت یہ تھی کہ ابتدأ آپ یزد شہر میں رہا کرتے تھے اور سلطان اعظم فتح علی شاہ کی جانب سے یزد کا ایک حاکم تھا جو رعایا پر بڑا ظلم کیا کرتا تھا اور اہل شہر اس کے ظلم وتعدی سے نالاں تھے۔ مذکورہ آخوند نے حکم دیدیا اور ساری رعایا نے ہجوم کر کے بڑی ذلت کے ساتھ حاکم کو شہر سے

نکال باہر کیا۔ جب سلطان تک معاملہ پہنچا تو لوگوں نے اشتباہ پیدا کر دیا جیسا کہ اب بھی ایران میں بڑا ظلم وستم ہوتا ہے کہ ساری دنیا میں کہیں ایسا نہ ہوتا ہوگا اور اگر رعایا کی جانب سے کوئی آواز اٹھائی جاتی ہے تو امراء واعیان سلطنت معاملہ کو بادشاہ کے سامنے مشتبہ بنا دیتے ہیں۔ بہر حال موجودہ سلطان اعلیٰ ظل الٰہی ناصر الدین شاہ اس قدر انصاف پسند ہیں کہ گویا عالم وجود میں اس سے قبل ایسا انصاف پسند بادشاہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ لیکن جو لوگ مفید راستوں سے خدا سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہمیشہ غیروں کی طرف سے بے عزتی اور صدمہ سے محفوظ رہتے ہیں اور وہ لوگ کہ جو خدا سے اپنے وعدہ کا پاس رکھتے ہیں غیروں کی نقصان پہنچانے والی زبان اور جانتے بوجھتے نمائشی طور پر ظالموں کی حمایت کرنے والوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ مؤلف کتاب کی جب حضرت ظلِ الٰہی سے ملاقات ہوئی تو میں نے چاہا کہ دار الخلافہ میں ہی قیام کروں تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارا وجود مسلمانوں کے علاقوں میں ایک سرحد کی طرح ہے اگر رعایا پر ذرا بھی زیادتی ہو تو میں ظالموں کا پیٹ پھاڑ دوں گا اور اس ذمہ داری کا بوجھ میں اپنے آپ سے ہٹا کر تمہاری گردن میں ڈال رہا ہوں اور یہ بات انہوں نے بالکل سچ فرمائی، اس میں کوئی مبالغہ نہ تھا۔ القصہ یزد کے معاملہ میں سلطان جنت مکان فتح علی شاہ نے آخوند ملاّ حسن کو دار الخلافہ طلب کیا۔ دربار لگایا گیا، دوران ملاقات کافی غصہ ور باتیں ہوئیں اور سلطان نے واقعہ کی پوچھ گچھ آخوند سے کرنا چاہی اور خیال یہ تھا کہ آخوند اس امر سے خود کو بَری ثابت کریں گے لیکن آخوند نے کہا کہ یہ حاکم ظالم ہے اور غریب رعایا اس کے ظلم سے عاجز آ چکی تھی لہٰذا میں نے اسے نکال باہر کیا۔ سلطان یہ سن کر غضب آلود ہو گیا اور حکم دیا کہ تازیانہ لایا جائے تا کہ سزا کے طور پر آخوند کو کوڑے مارے جائیں چنانچہ آپ کے پاؤں میں بیڑی ڈالدی گئی پھر سلطان نے دوبارہ امین الدولہ اصفہانی کی طرف رخ کیا کہ اے امین الدولہ آخوند کی کوئی غلطی تو نہیں ہے اور یہ حرکت خود رعایا کی معلوم ہوتی ہے اور اس بہانے وہ آخوند کو متوجہ کرنا چاہتے تھے کہ اپنے کو اس کام سے بری الذمہ قرار دیدیں۔ امین الدولہ چونکہ طبقۂ علماء کے بڑے مخلص تھے چنانچہ انہوں نے بھی معذرت کے طور پر سلطان کی تصدیق کی۔ ناگاہ آخوند کے جن کے پاؤں بیڑی میں جکڑے ہوئے تھے غصہ سے بولے: سلطان جھوٹ کیوں بولا جائے میں نے حاکم کو نکالا ہے کیونکہ وہ فقراء اور رعایا پر ظلم کر رہا تھا۔ فقراء اور رعایا نے تو کوئی غلطی نہیں کی۔ سلطان نے امین الدولہ کو اشارہ کیا کہ آپ ثالثی کریں چنانچہ انہوں نے ثالث بن کر آخوند کے پاؤں سے بیڑی کھلوادی اور آخوند اپنے گھر چلے گئے۔

رات ہوئی تو عالم خواب میں بادشاہ نے جناب رسولؐ خدا کو دیکھا کہ آپ کے قدم مبارک کی دو انگلیاں بندھی ہوئی ہیں جن کی وجہ سے وہ گر پڑے ہیں سلطان تیزی سے پیغمبرؐ کی خدمت میں پہنچے اور سلام عرض کیا لیکن آپؐ نے سلطان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ سلطان نے عرض کی کہ آپ کے پائے مبارک کو کس نے باندھا کہ میں اس کو سزا دونگا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاؤں تو نے باندھے ہیں۔ سلطان نے عرض کی کہ ایسی بے ادبی میں نہیں کر سکتا تو آپؐ نے فرمایا کہ کل تو نے حکم نہیں دیا تھا جس کی بناء پر ملاّ حسن کے پاؤں بیڑی میں جکڑے گئے؟ بادشاہ خوف وہیبت کی وجہ سے بیدار ہو گیا اور صبح ہوتے ہی اخوند کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آیا اور بیش قیمت خلعت عطا فرمائی اور وطن واپس ہونے کی درخواست کی۔ آخوند نے قبول نہ کیا اور دار الخلافہ میں ہی رہے اور آخر عمر میں کربلا میں سکونت اختیار کی اور ہمیشہ اپنے گھر پر مجلس عزائے سید الشہداءؑ برپا رکھتے اور ذاکرین ذکر مصائب کرتے آخر میں خود مصائب کربلا کو بیان کرتے۔ مسجد میں بھی وعظ ونصیحت کیا کرتے اور ذکر مصائب بھی کیا کرتے۔ میں بھی اکثر ان کی مجالس عزا میں شرکت کرتا اور جب وہ کربلا میں تھے تو ایام عزا میں ان کے گھر چلا جاتا۔ کیونکہ رعشہ کے مریض تھے اس لئے ان کی بات بخوبی سمجھ میں نہ آتی اس کے باوجود بے اندازہ گریہ ہوتا تھا۔ جو باتیں ان کی میں نے منبر سے سنیں ان میں سے ایک یہ کہ پیغمبرؐ خدا کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کی کہ میں نے مقاتل میں یہ پڑھا ہے کہ حضرت سیّد الشہداءؑ اپنے زمانۂ شہادت میں دو دفعہ غش کر گئے کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں۔ تو پیغمبرؐ نے فرمایا: ہاں اے آخوند میرا لال حسینؑ وقت شہادت چار دفعہ غش کر گیا تھا۔ مؤلف کتاب نے یہ حکایت کتاب 'اسرار المصائب' اور کتاب 'اکلیل المصائب' میں تفصیل سے لکھی ہے۔

نیز محرم کے دنوں میں آقا سیّد ابراہیم علیہ الرحمہ کے گھر میں مجلس عزا برپا تھی مؤلف کتاب ان میں شریک ہوتا تھا۔ اچانک آخوند ملاّ حسن تشریف لائے اور استاد کے پہلو میں بیٹھ گئے اور استاد بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ذاکر نے شہداءؑ کی لاشوں پر شیر کے آنے کا واقعہ بیان کیا اور پھر کہا کہ وہ شیر

امیر المومنینؑ تھے جو صورت اسد قتل گاہ میں تشریف لائے۔ جیسے ہی ذاکر منبر سے اترا آخوند ملا حسن نے ذاکر کو اپنے پاس بلایا وہ ذاکر خدمت آخوند میں حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا تو آخوند ملا حسن نے اس سے کہا کہ تم نے جو منبر سے یہ پڑھ دیا کہ وہ شیر امیر المومنینؑ تھے یہ بالکل جھوٹ ہے امیر المومنین کبھی شیر کی صورت میں نہیں آیا کرتے آئندہ کبھی ایسی بات منبر سے نہ بیان کرنا اور جو آج بیان کیا اس سے توبہ کرو۔ ذاکر نے صیغہ توبہ پڑھا اور ان کے استاد یہ سب سنتے رہے اور انہوں نے اس بارے میں کوئی کلام نہ کیا (۱)۔ مولف کتاب کہتا ہے کہ بہت سے ارباب مقاتل شیر کا قصہ اکثر بیان کرتے ہیں لیکن یہ کہ وہ شیر امیر المومنینؑ تھے یہ حدیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ جنہوں نے بھی یہ روایت بیان کی وہ زارع علقمی سے کی اور علقمی نے از جنی سے لیکن اس کے قول کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ مؤلف نے اس قصہ کو بھی اکلیل المصائب میں بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں بڑی تحقیق سے کام لیا ہے۔

شیخ محمد حسن نجفی

فقیہ نبیہ، عالم جلیل القدر شیخ محمد حسن بن شیخ باقر نجفی کا مقام و منزلت بیان سے باہر ہے۔ اپنے وقت کے علماء کے سرتاج تھے اور دقیق مسائل کو بڑی تحقیق سے حل فرمایا کرتے تھے۔ حجتہ الاسلام سید استاد کے بعد آپ جیسے فقیہ کو ریاست امامیہ کا شرف حاصل ہوا۔ اور سید کے بعد عتبات عالیہ کے طلباء آپ کے درس میں حاضر ہوتے تھے اور میں فقیر بھی چند دروس میں شامل ہوا۔

آپ کی آواز گھٹی ہوئی تھی اس لئے دور سے صاف سنائی نہ دیتی تھی۔ سلاسل بول کے مریض تھے۔ ان کی تالیف جواھر الکلام ہے جو شرائع اسلام کی شرح ہے۔ طہارت سے لیکر دیات تک ۲۵ جلدوں میں اور اب اس کی چھاپہ خانہ سے اشاعت ہو چکی ہے۔ چھ جلدوں میں سے تین جلدیں عبادات کے موضوع پر اور تین جلدیں معاملات پر بہت تفصیل سے ہیں۔ فقہا کی عبارات کو مکمل تشریح کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ شیخ جعفر نجفی جیسے متقدمین و متاخرین میں بہترین فقیہ کے شاگرد تھے۔ ابتداً سید جواد آملی کی شاگردی بھی اختیار کی۔ سید جواد صاحب 'منہاج الکرامۃ' ہیں۔ علامہ کی شرح قواعد میں اور کتاب کی شروع کی جلدوں میں نقل اقوال کر کے اپنی کوئی تحقیق نہیں لکھی گویا اس وقت استنباطی قوت نہ رکھتے تھے۔ شیخ محمد حسن بہت سے طلباء کو اجازہ دیدیا کرتے تھے اور ان کے اجازوں کی تصدیق بھی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعد میں ایک مکار طالبعلم نے دھوکہ دیا۔ شیخ جعفر نجفی کا ایک شاگرد جس کو کوئی شہرت حاصل نہ تھی لکھتا خوب تھا اس کا موضوع شرح لمعہ تھا اس نے اس شرح لمعہ کا دیباچہ اپنے نام سے لکھا اور دو اشخاص سے تصدیق بھی کرالی انہوں نے شیخ کی خدمت میں گواہی دی کہ یہ کتاب اسی نے لکھی ہے اور اس کو استنباطی صلاحیت حاصل ہے۔ شیخ دھوکے میں آگئے اور اس کے لئے اجازہ لکھ دیا۔ شیخ کے اجازہ کو دیکھ کر کربلا و نجف کے دو تین فقہا نے بھی اجازہ لکھ دیا۔ جب اس مرحلہ کو چند روز گزرے اور بات پھیلی تو شیخ کے شاگردوں نے کہا کہ یہ شخص تو تصرف کا عادی ہے اور ان مطالب کو سمجھنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ شیخ نے فوراً کسی کو دوڑایا کہ اگر کربلا پہنچ گیا ہے تو اس سے اجازہ واپس لے لیا جائے۔ لیکن وہ کربلا میں نہ ملا تو شیخ بہت رنجیدہ ہوئے اور ایک دن منبر پر تشریف لائے اور طلباء کو وعظ و نصیحت کی اور ڈرایا دھمکایا کہ دنیاوی زیب و زینت کے لئے آخرت کو داؤ پر نہ لگاؤ اور مجھے دھوکہ نہ دو پھر گریہ فرمایا اور منبر سے اتر آئے اور اس کے بعد کسی کو اجازہ نہ دیا اور چھ سات مہینے گزرے کہ شیخ نے دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ کیا۔ یہ واقعہ میری عتبات سے واپسی پر وقوع پذیر ہوا اور مجھے مرحوم آقا سید حسین امام جمعہ لاھیجان نے سنایا۔

غرض یہ کہ وہ بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میری عمر پچاس سال نہیں ہوئی تھی شہرت پانے کا بڑا شوق تھا لیکن میرے پاس پیسہ نہ تھا۔ جب پچاس سال کا ہوا تو یہ دنیاوی لگاؤ ختم ہو گیا پھر مجھے بڑی دولت بھی ملی اور شہرت بھی حالانکہ اس وقت مجھے اس کی قطعی تمنا نہ تھی۔ ایک رات شیخ نے خواب میں دیکھا کہ خدمت پیغمبرؐ میں حاضر ہونا چاہتے ہیں جب در دولت پر حاضر ہوئے اجازت طلب کی لیکن اجازت نہ ملی اور کہا گیا کہ صبر کرو۔ شیخ وہیں

(۱) یعنی اخوند نے درست اصلاح کی اگر غلط بات ہوتی تو استاد ہرگز خاموش نہ رہتے۔ (مترجم)

دروازے پر کھڑے رہے۔ کچھ مدت بعد پھر اجازت چاہی پھر نہ ملی اور صبر کرنے کا حکم ملا۔ اسی وقت کرمانشاہ کے خوانین میں سے کوئی جن کو شیخ پہچانتے تھے وارد ہوئے اور بے اجازت داخلِ خانہ ہوگئے۔ شیخ کو بڑی حیرت ہوئی کہ میں اتنی دیر سے کھڑا ہوں اجازت نہ ملی اور یہ شخص کرد ہے لیکن بے اجازت داخل ہوگیا۔ ایک شخص جو وہاں موجود تھا اس نے کہا کہ حضرت فاطمہؑ خدمت پیغمبرؐ میں تشریف فرما ہیں اسلئے تمہیں اجازت نہ ملی اور یہ خان حضرت فاطمہؑ سے نسبت رکھتا ہے ان کا محرم ہے لہٰذا بے اذن چلا گیا۔ شیخ نے اسی دن صبح کو آقا سیّد رضا کی بیٹی سے ترویج کی جو بحر العلوم کے خاندان سے تھے تاکہ صدیقۂ کبریٰ جناب فاطمہ زہراؑ کے محرم ہو جائیں۔

شیخ کی ایک لائبریری تھی جس کو انہوں نے گھڑیوں، نفیس کپڑوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں سے سجایا ہوا تھا اور ان کی مزیدار باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ ایک دن اپنے مجلسِ درس میں شیخ نے کسی قول کی نسبت صاحبِ 'حدائق' سے دیدی۔ اس مجلس میں حاجی ملاّ محمد جعفر استر آبادی کا داماد عباس تقی ایک شاگرد موجود تھا اس نے کہا 'حدائق' میں تو اس کے برخلاف لکھا ہے۔ شیخ نے کہا کل کتاب حدائق لے آنا اور اس سلسلہ میں وعدہ ہوگیا۔ ملاّ عباس گھر گیا اور اپنی کتاب کو وہاں سے خراب کردیا اور حاشیہ میں عبارت لکھ دی اور دوسرے طالبعلموں سے حدائق لے کر اس عبارت کو حاشیہ میں لکھ دیا۔ صبح اپنی کتاب لے کر آگیا۔ شیخ نے دیکھا تو دوسری کتاب منگوائی تو وہی چیز تھی اور منگوائی تو بھی وہی تھا۔ پھر شیخ متوجہ ہوئے کہ یہ بات ساری کتابوں میں حاشیہ میں کیوں لکھی گئی ہے تو انہوں نے اس کتاب کے پرانے نسخے منگوائے تو پتہ چلا ملاّ عباس نے جعل سازی کی ہے۔ اور کہتے تھے کہ جس زمانے میں فقہی مسائل لکھتا تھا تو یہ طے کیا تھا کہ روزانہ ایک کراس لکھا کروں گا اور کراس عبارت کے ایک حصّہ کو کہتے ہیں اور ایک زمانہ تک کاموں سے فارغ ہونے اور قلّت مشاغل اور دشواریوں کو دور کرنے کی وجہ سے بغداد میں رہ جاتے اور گھر کا دروازہ بند کرکے فقہ لکھنے میں مشغول ہو جاتے۔ حکماء کی بڑی مذمّت کرتے تھے یہاں تک کہ ان سے منقول ہے کہ واللّٰہ بعث محمد بن عبد اللّٰہ الا لابطال الحکمہ (خدا کی قسم محمدؐ ابن عبداللہ صرف اس لئے مبعوث ہوئے تھے کہ حکماء کو جھٹلائیں) اور اصول میں جیسا کہ متاخرین میں یہ بات مشہور ہے بہت کند ذہن تھے اور کہتے تھے کہ مقام گیارہ اور بارہ کیا فرق ہے کہ مسائلِ اصولیہ کو اس قدر پھیلا دیا ہے بلکہ ان کا تو پڑھنا بھی جائز نہیں۔ اور مرحوم شیخ مرتضیٰ ششتری کے لئے کہتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ شیخ محمد حسن میرے اصول بیان نہیں کرتے بلکہ اوروں کے کرتے ہیں۔ اور شیخ احمد احسائی سے گذشتہ عناوین پر ان کا مناظرہ ہوا اور مؤلف کتاب نے نجف اشرف سے مشرف ہونے کے وقت رات کو مسجد شیخ طوسی میں جہاں شیخ محمد حسن نماز پڑھاتے تھے حاضری دی اور شیخ کے پہلو میں کھڑا ہوگیا اور نماز مغرب ان کی اقتداء میں پڑھی اور بیچ میں ایک مسئلہ بھی پیش آگیا کہ حائضہ پاک ہونے کے بعد لیکن قبل غسل کیا مسجد کوفہ میں داخل ہو کر وہاں قیام کرسکتی ہے یا نہیں۔ میں نے چاہا کہ شیخ سے سوال کروں۔ میں نے شیخ کی نماز کو دیکھا تو شیطان نے میرے دل میں وسوسہ پیدا کیا کہ شیخ اتنی جلدی جلدی نماز کیوں پڑھ رہے ہیں۔ اور پھر سجدۂ آخر کے بعد سر سجدہ سے اٹھاتے ہی تسبیح اٹھائی اور تسبیح سے کھیلتے کھیلتے تشہد وسلام پڑھ لیا میں مسلسل اپنے نفس سے جنگ کرتا رہا اور آخر نفس پر غالب آگیا اور نماز عشاء ان ہی کی اقتداء میں پڑھی۔ مؤلف کتاب کہتا ہے کہ میں نے اس زمانہ کے علماء میں تین قسم کی نماز دیکھی ایک نماز تو شیخ محمد حسن کی نماز تھی جو نمازوں میں پست تر تھی اور درمیانی نماز میرے استاد آقا سیّد ابراہیم اعلی اللہ مقامہ کی تھی اور تیسری قسم کی نماز آقا سیّد محمد باقر حجۃ الاسلام کی تھی جو اعلیٰ درجہ کی تھی اور میں ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے ہر صبح اپنے گھر سے جو ان کی مسجد سے خاصے فاصلے پر تھا نکلتا تھا اور ان کے بالکل پیچھے کھڑا ہوتا تھا اور صبح کی نماز ان کے پیچھے پڑھا کرتا تھا اسی طرح اکثر نمازیں ان کی اقتداء میں پڑھتا اور ان کی قراءت اور آواز کو سنا کرتا تھا۔ وہ تکبیرۃ الاحرام کہتے تو کھینچ کر کہتے تو میں نے ان کے شاگردوں سے پوچھا کہ اللہ میں تو کہیں مد نہیں ہے لیکن سیّد اسے مد سے کیوں پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ سوال ان سے کیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ جب میں یہ مبارک کلمہ کہتا ہوں تو بے اختیار ہو جاتا ہوں اور میں جان بوجھ کر دنہیں دیتا اور پوری نماز میں خضوع کے ساتھ بلکہ حزن بلکہ گریہ کے ساتھ قراءت کیا کرتے تھے اور ہر سننے والا سمجھتا تھا کہ ان کی نماز بہت زیادہ حضور قلب سے ہوتی ہے۔ نوافل تک میں ذکر رکوع وسجود کو تین تین بار ادا کرتے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کے نیچے بھی مہر (سجدہ گاہ) رکھ لیا کرتے تھے۔ المختصر ان کی نماز حضور قلب اور خضوع کے اعتبار سے بے مثل وبے نظیر تھی۔ بلکہ سننے والے پر بھی گریہ غالب آجاتا تھا اور میں نے سنا ہے کہ ملاّ

علی نوری کی نماز خوف وہیبت الٰہی اور حضور قلب کے لحاظ سے حجتہ الاسلام کی نماز سے زیادہ بہتر ہوتی تھی۔ اور اس زمانے کے زیادہ تر علماء اس زمانہ کے علماء سے کہیں زیادہ بہتر طریقے سے ادا کرتے تھے۔ میرے والد مرحوم کی نماز بھی بڑی حضور قلب سے ہوتی تھی۔ مرحوم حاجی محمد ابراہیم کلباسی کی نماز بھی کامل اور طویل ہوتی تھی۔ مؤلف کتاب کا خیال ہے کہ شیخ محمد حسن کی نماز بعینہ ان کے استاد شیخ جعفر کی سی نماز تھی اور مجھے یقین ہے کہ وہ صحیح نماز تھی اور شیخ محمد حسن کی نماز کم وبیش رسول خدا کی سی تھی لیکن حجتہ الاسلام کی نماز حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سی نماز تھی کہ تیر پاؤں سے کھینچ لیا جائے اور انہیں خبر نہ ہو اور ویسی ہی نماز حضرت سیّد سجاد کی تھی کہ اگر ردا کاندھے سے گر جائے تو پتہ نہ چلتا تھا اور آخر نماز تک اسے برابر نہیں کرتے تھے اور ویسی ہی نماز حضرت امام جعفر صادق اور دیگر تمام ائمہؑ کی تھی اور اگر اس بناء پر کہا جائے کہ نماز امیر المومنینؑ نماز پیغمبرؐ سے کامل تر ہوتی تھی تو یہ درست نہیں ہے۔ اور جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ جیسا کہ عرفا بیان کرتے ہیں اور شیخ بہائی زید بہاؤہ نے بھی کشکول کے آخر میں لکھا ہے کہ سالک کے تین مراتب ہیں ایک مقام تفرقہ وفرق ہے کہ جس میں اپنی بھی سنتا ہے اور خدا کی بھی یعنی دونوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے دوسرا مقام جمع جسے مقام محو بھی کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مقام وصل تک پہنچ جاتا ہے اور سوائے خدا کے اسے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتا ہے اور کسی چیز کی طرف ملتفت نہیں ہوتا جیسے شاعر کہتا ہے کہ جہاں بھی میں دیکھتا ہوں پہاڑ، میدان ہر جگہ تیری قدرت کے نشان دیکھتا ہوں۔

تیسرا مقام جمع الجمع کا ہے جسے مقام صحو کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مقام جمع کے بعد وہ ایسا محیط ہو جاتا ہے کہ ایک آنکھ سے حق کو دیکھتا ہے اور دوسری سے خلق کو اور اسی لئے شیخ محمود شبستری کہتے ہیں کہ

در انبوہ انبیا چون ساربانند | دلیل و رهنما و کاردانند
از ایشان سیّد ما گشته سالار | هم او اول هم او آخر درین کار
مقام دلکشایش جمع جمع است | جمال جانفزایش شمع جمع است

ترجمہ: گروہ انبیاء ساربان کی مانند ہیں جو راستے کی نشاندہی کرنے والے اور اپنے کام سے اچھی طرح باخبر ہوتے ہیں۔

ان میں ہمارے سید وسردارؐ سب کے سالار ہیں اور اس رہنمائی کے کام میں سب سے پہلے اور سب سے آخر آپؐ ہی ہیں

(آپؐ کا نور سب سے پہلے پیدا ہوا اور دنیا میں خاتم المرسلینؐ بن کر آئے)

آپؐ کا مقام دلکشا جمع جمع کا ہے اور آپؐ کا جمال جانفزا جمع کرنے والی شمع کی مانند ہے۔

چنانچہ رسول مقبولؐ کا مقام جمع الجمع کا ہے اور آپؐ اس طرح سب پر محیط ہیں کہ حق کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ غیر کو بھی دیکھ سکتے ہیں اور حق کو دیکھنے کی وجہ سے آپؐ مخلوق کو دیکھنے سے عاجز نہیں ہیں۔ الحاصل پیغمبرؐ کا مقام ائمہؑ سے برتر وافضل ہے۔

اور ان کے لطائف میں سے ایک لطیفہ یہ ہے کہ نجیب پاشا والئی بغداد فتح کربلا کے بعد نجف گیا تو شیخ محمد حسن کو اپنے ساتھ لے گیا اور جب حرم امیر المومنینؑ میں زیارت کے لئے داخل ہوا تو اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور کہا: خداوندا میری اس سفید داڑھی کا واسطہ تو امام علیؑ کے گناہوں کو معاف فرما دے کہ انہوں نے بہت سے مسلمانوں کا خون بہایا تھا۔

اعلم العلماء شیخ مرتضیٰ شوشتری الانصاری

شیخ مرتضیٰ شوشتری نجف کے رہنے والے تھے اور وہیں مدفون ہوئے۔ آغاز تعلیم حاجی ملا احمد نراقی سے کیا اور پھر شریف العلماء کی شاگردی اختیار کی۔ بہت متقی، پرہیزگار، عابد وزاہد اور نکتہ سنج تھے۔ میں بھی چند دن ان کی مجلس میں حاضر رہا۔ نماز، نوافل اور مراقبہ کبھی ترک نہ کیا بلکہ زیارت عاشورہ اور

نماز جعفر طیار تک کبھی نہ چھوٹی۔ شیخ محمد حسن کے بعد فرقۂ امامیہ کے آپ رئیس قرار پائے کسی کو اجازہ اجتہاد نہ دیا ان کی تالیفات رسالہ حجیت مظنۃ، رسالہٗ برأت، رسالۂ استصحاب، رسالۂ تراجیح، رسالہ قرعہ اور رسالہ مزملک شیئاً ملک الا قرار به، رسالہ تقیہ، رسالہ نفی ضرر اور شرح طہارت کتاب ارشاد علامہ، تجارت کے مسائل ایک جلد لیکن اس میں تمام مسائل خرید وفروخت نہیں لکھے گئے اور حاجی ملاّ احمد نراقی کی کتاب 'برھامش' پر متفرق حاشیے اور حقیقت یہ ہے کہ علم اصول میں یعنی حجیت ظن واصل برائت اور استصحاب کے تو وہ بانی تھے تقریباً ۸۰ سال عمر پائی جتنی شیخ محمد حسنؒ نے پائی تھی اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے۔

آخوند ملاّ آقای دربندیؒ

آخوند ملاّ آقا ابن عابد بن رمضان دربندی فقہ اور اجتہاد کے دریکتا، عالم باعمل اپنے زمانے کے علامہ، اپنے وقت کے یکتائے روزگار شریف العلماء کے شاگردوں میں سے تھے۔ کج خلق اور غصہ ور طبیعت کے مالک تھے۔ بعض اوقات بات شروع کرتے تو کہتے کہ فلاں چیز پر مجھے چالیس پچاس اعتراضات ہیں۔ مرحوم شریف العلماء فرماتے تھے تم ایک ہی اعتراض کرو تو بہتر ہے وہی کافی ہوگا اور مثال یوں دیتے تھے کہ آقا محمد خان کو خبر دیں کہ فتح علی شاہ کے ایک ہی رات میں کئی بیٹے پیدا ہوئے ہیں تو آقا محمد خان جواب دیتے کہ ایک ہی ہوتا تو اچھا تھا جیسے کہ لطف علی خاں جو جعفر خان زند کا اکلوتا بیٹا تھا لیکن بڑا شجاع تھا تم بھی ایک اعتراض کرو تو وہی لطف علی خاں ثابت ہوگا۔

آخوند اپنے استاد شریف العلماء سے جھگڑا شروع کر دیتے تھے تو شریف العلماء ناراض ہو جاتے۔ آخوند بھی بے جا غصہ کرتے اور شریف العلماء کو کہنا پڑتا کہ اس کو میری مجلس سے نکال دو تو بازو پکڑ کر لوگ ان کو باہر نکال دیتے تو دروازے پر پہنچ کر کہتے اے میرے ہم جماعتوں میں تو جا رہا ہوں لیکن تم اس بات کو تسلیم نہ کرنا کیونکہ یہ بالکل غلط بات ہے۔ تو شریف العلماء کہتے تھے کہ اس کے سر پر مارو۔ غرض دو تین دن مجلس میں نہ آتے تھے تو ان کے دوست شریف العلماء سے عرض کرتے کہ آخوند ملاّ آقا فاضل شخص ہے آپ اجازت دے دیجئے کہ مجلس درس میں حاضر ہو سکیں شریف العلماء فرماتے تھے کہ شرط یہ ہے کہ وہ بالکل نہ بولیں تو وہ واپس آجاتے چند دن بالکل نہ بولتے پھر کسی بات پر جھگڑا شروع کر دیتے اور پھر سارا کچھ اسی طرح ہوتا۔

ایک دفعہ شریف العلماء کے شاگردوں میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ کس بات پر بحث کی جائے آخر ایک موضوع پر اتفاق ہو گیا ملاّ آقا نے کہا کہ حجیت مظنۃ پر بحث کا آغاز ہو ورنہ مجھ سے تمہیں اذیت پہنچے گی اس پر شریف العلماء کو بہت غصہ آیا اور ایک اتفاقی جھگڑا یوں ہوا کہ شریف العلماء ایک مرتبہ اپنے شاگردوں کے ساتھ سامرہ کی زیارت کو تشریف لے گئے رات کو کسی جگہ قیام کیا پس آخوند ملاّ آقا اور کسی ایک شاگرد میں آخر الامرؑ کے دیدار کے متعلق نزاع شروع ہو گئی اور قریب کوئی ہتھیار پڑا تھا وہ اٹھا لیا اور اس شاگرد کا پیچھا کرنے لگے جب اس بیچارے نے یہ کیفیت دیکھی تو شریف العلماء کی چادر پر جا گرا ملاّ آقا اس کے پیچھے پہنچے شریف العلماء کو بڑا جلال آیا اور وہاں سے ان کو باہر نکال دیا۔

المختصر ملاّ آقا علوم معقولہ کے حامل بھی تھے اور علوم منقولہ کے تو بانی تھے اور سید ابراہیم فرمایا کرتے تھے کہ ملاّ آقا فن اصول کے ماہرین میں سے ہیں اور اس کے بارے میں ان سے رجوع کیا کرو۔ اور علم کلام وحکمت میں ان کے مطالب عقلی قوانین شرعیہ کے مطابق ہوتے اور علم رجال میں با کمال اور فصاحت وبلاغت میں عرب وعجم میں مسلم تھے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آج کے زمانے میں فصاحت وبلاغت میں ان کا ثانی نہیں ملتا اور اسی طرح عربی دانی میں۔

ان کی تالیفات میں کتاب 'خزائن' ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل بحر العلوم کے منظومہ کی شرح ہے فقہ میں طہارت پھر کچھ نماز اور دوسرے فروعات پر بہت کچھ لکھا ہے احکام واتقان کی وجوہات کے بارے میں استدلال کیا ہے۔ اور خیر خلق وغیرہ کے بارے میں اور اس سے بہت سے ابواب کھولے ہیں۔ آخوند نے شرح میں بتایا ہے کہ اس حدیث سے میں نے ۷۰ قاعدے استنباط کیے۔

دوسری جلد عقلی دلائل میں ہے اس کے بعد استصحاب اور اس کے بعد استصحاب سے تعارض کو فقہی قاعدوں کی بناء پر لکھا ہے اور فقہی قواعد کو توڑ دیا

ہے اور بڑی تحقیقی گفتگو کی ہے جیسے صحیح ضمانت ،فاسد ضمانت اور قاعدہ الامین لایخون اور قاعدۂ احسان ،قاعدہ تسبیب وغیرہ کلی قواعد کے ساتھ بیان ہے۔ اور ان کا طریقہ یہ تھا کہ ہر مسئلہ میں فروع یا اصول کے ساتھ داخل ہوتے اور اس کی اتنی شقیں اور شاخیں نکالتے کہ کروڑوں ہو جاتیں۔

تیسری جلد اعتقادات ،اصول عقاید ،درایت ،قواعد رجال ،اجتہاد و تقلید وغیرہ کے بارے میں۔

ایک دفعہ شیخ محمد حسن کربلا کی مخصوصی میں زیارت کو آئے آخوند ملا آقا کی ملاقات کو گئے۔ شیخ نے آخوند سے کہا کہ جواہر الکلام میں نے بہت عمدہ لکھی ہے کیا تم نے بھی اسے دیکھا اور پسند کیا؟ آخوند نے کہا: ایسے جواہر ہمارے خزائن میں بہت ہیں۔

آخوند بڑی مدت تک کربلا میں رہے اور کبھی کبھی تدریس بھی کیا کرتے تھے۔ مؤلف کتاب بھی کبھی ان کے درس میں حاضر ہوا کرتا تھا لیکن ان کی بدخلقی اور غصہ کی وجہ سے اکثر مجلس درس درہم برہم ہو جایا کرتی تھی۔

ان کی ایک اور کتاب 'اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات' ہے بڑی بہترین ،حسن تحریر کی حامل ،فصاحت و بلاغت وسلامت و جزالت میں ان کے قلم سے نکل کر عرصۂ وجود میں آئی۔ مصائب اہلبیتؑ میں احادیث جمع کیں اور اکثر احادیث میں نت نئے افکار ،بے شمار تحقیقات ،چھان بین اور آپس میں ایک دوسرے کو رد کرنے والی احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ آج تک کسی نے اس انداز پر کتاب مصائب نہیں لکھی۔ لیکن خامی یہ ہے کہ بہت سی غیر معتبر احادیث اور ضعیف حتیٰ کہ جھوٹی روایات تک اس میں آگئی ہیں بلکہ کہنا چاہیئے کہ کھلم کھلا غلط روایات بھی ہیں جس نے اس کتاب کی قدرو قیمت کو کم کر دیا ہے۔ اور میں نے اس کتاب پر بہت حاشیے لکھے ہیں اور تحقیق کی ہے۔ اور میں نے کتاب 'اسرار المصائب' ،احادیث مصائب کے علمی ،حکمی دقایق اور عرفانی نکتوں پر لکھی ہے اور کتاب 'اکلیل المصائب' میں بھی یہی تحقیقات ہے جو جدید ترین افکار پر مشتمل ہے۔

آخوند کی ایک کتاب 'سعادت ناصریہ' ہے جو انہوں نے سلطان کی فرمائش پر لکھی وہ مختصر فارسی کتاب ہے لیکن علمی نکات سے خالی نہیں ہے۔

وہ حضرت سید الشھداءؑ کے مصائب کے بارے میں بہت محتاط ،پختہ اور ہوشیار تھے یہاں تک کہ شدت گریہ کی وجہ سے منبر پر ہی غش کھا جایا کرتے تھے۔ روز عاشورا عام لباس جسم سے اتار کر صرف لنگی پہن لیتے تھے اور سر پر خاک ڈالتے اور جسم پر مٹی مل لیتے اور اسی ھیئت سے منبر پر جاتے مختصر یہ کہ ائمہ اطہارؑ سے آپ اتنے پرخلوص تھے کہ اہل زمانہ میں ایسے نہیں ملتے۔ آپ کو علم اکسیر بھی حاصل تھا اس سلسلہ میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا اور اس حاملین علم کے بارے میں کتاب خزائن میں بھی کچھ رکھا ہے اور بلاشک صادق القول تھے اور ایک دفعہ سلطان کے درباریوں میں سے کسی نے سوال کیا کہ صاحب مثنوی کا مذہب کیا تھا؟ کیا وہ کافر تھا یا نہیں جواب میں کہا کہ مجھے اس کا مذہب تو نہیں معلوم لیکن اس کا ایک شعر بہت عمدہ ہے جو یہ ہے۔

اھل دنیا از کھین واز مھین   لعنۃ اللہ علیھم اجمعین۔

ترجمہ: دنیا دار لوگ چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں   ان سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

جب سلطان ناصر الدین شاہ ان کی ملاقات کو آئے تو سلطان سے کہا کہ تو مسلمانوں کا بادشاہ ہے مونچھوں کی اصلاح نہ کرنا اور شارب نہ کٹوانا ،قوانین اسلام کے خلاف ہے پس سلطان نے آخوند کے حکم کی پیروی میں حجام کو بلوایا اور اسی مجلس میں مونچھوں کی اصلاح کرائی۔

آخوند علمی کتابوں کا بہت احترام کرتے تھے جیسے شیخ طوسی کی تہذیب الاحکام کی۔ اور ایسی ہی دوسری کتابیں جب ان کو اٹھاتے تو چومتے تھے جیسے کہ قران مجید کو چوما جاتا ہے اور انہیں سر پر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ احادیث بھی قران مجید کی طرح محترم ہیں اور امر بالمعروف نہی عن المنکر میں اپنے زمانہ کے بہترین شخص تھے۔ تقریباً ۸۰،۹۰ سال کی عمر پا کر دار الخلافہ طہران میں وفات پائی۔ آخوند ملا آقا کے مخالفین کے ساتھ کئی مناظرے ہوئے اور میں اس مقام پر چند کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

اپنی کتاب 'سعادت ناصریہ' میں انہوں نے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ والی بغداد عمر پاشا کے دور میں بڑے مظالم ہوتے تھے اور اس زمانہ میں ہند کا حاکم یعقوب آفندی تھا جو باطنی طور پر اثنا عشری تھا اس نے آخوند ملا آقا سے درخواست کی کہ عمر پاشا یہ چاہتا ہے کہ ہندوستان آ کے زیارت پر

نماز جعفر طیار تک کبھی نہ چھوٹی۔ شیخ محمد حسن کے بعد فرقہ امامیہ کے آپ رئیس قرار پائے کسی کو اجازہ اجتہاد نہ دیا ان کی تالیفات رسالہ حجیت مظنہ، رسالہ برأت، رسالہ استصحاب، رسالہ تراجیح، رسالہ قرعہ اور رسالہ مز، **ملک شیئاً ملک الا قرار بہ**، رسالہ تقیہ، رسالہ نفی ضرر اور شرح طہارت کتاب ارشاد علامہ، تجارت کے مسائل ایک جلد لیکن اس میں تمام مسائل خرید و فروخت نہیں لکھے گئے اور حاجی ملا احمد نراقی کی کتاب 'برھامش' پر متفرق حاشیے اور حقیقت یہ ہے کہ علم اصول میں یعنی حجیت ظن واصل برائت اور استصحاب کے تو وہ بانی تھے تقریباً ۸۰ سال عمر پائی جتنی شیخ محمد حسنؒ نے پائی تھی اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے۔

آخوند ملا آقای دربندیؒ

آخوند ملا آقا ابن عابد بن رمضان دربندی فقہ اور اجتہاد کے دریکتا، عالم باعمل اپنے زمانے کے علامہ، اپنے وقت کے یکتائے روزگار شریف العلماء کے شاگردوں میں سے تھے۔ کج خلق اور غصہ در طبیعت کے مالک تھے۔ بعض اوقات بات شروع کرتے تو کہتے کہ فلاں چیز پر مجھے چالیس پچاس اعتراضات ہیں۔ مرحوم شریف العلماء فرماتے تھے تم ایک ہی اعتراض کرو تو بہتر ہے وہی کافی ہوگا اور مثال یوں دیتے تھے کہ آقا محمد خان کو خبر دیں کہ فتح علی شاہ کے ایک ہی رات میں کئی بیٹے پیدا ہوئے ہیں تو آقا محمد خان جواب دیتے کہ ایک ہی ہوتا تو اچھا تھا جیسے کہ لطف علی خاں جو جعفر خان زند کا اکلوتا بیٹا تھا لیکن بڑا شجاع تھا تم بھی ایک اعتراض کردو تو وہی لطف علی خاں ثابت ہوگا۔

آخوند اپنے استاد شریف العلماء سے جھگڑا شروع کر دیتے تھے تو شریف العلماء ناراض ہو جاتے۔ آخوند بھی بے جا غصہ کرتے اور شریف العلماء کو کہنا پڑتا کہ اس کو میری مجلس سے نکال دو تو بازو پکڑ کر لوگ ان کو باہر نکال دیتے تو دروازے پر پہنچ کر کہتے اے میرے ہم جماعتوں میں تو جا رہا ہوں لیکن تم اس بات کو تسلیم نہ کرنا کیونکہ یہ بالکل غلط بات ہے۔ تو شریف العلماء کہتے تھے کہ اس کے سر پر مارو۔ غرض دو تین دن مجلس میں نہ آتے تھے تو ان کے دوست شریف العلماء سے عرض کرتے کہ آخوند ملا آقا فاضل شخص ہے آپ اجازت دے دیجئے کہ مجلس درس میں حاضر ہوسکیں شریف العلماء فرماتے تھے کہ شرط یہ ہے کہ وہ بالکل نہ بولیں تو وہ واپس آجاتے چند دن بالکل نہ بولتے پھر کسی بات پر جھگڑنا شروع کر دیتے اور پھر سارا کچھ اسی طرح ہوتا۔

ایک دفعہ شریف العلماء کے شاگردوں میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ کس بات پر بحث کی جائے آخر ایک موضوع پر اتفاق ہو گیا ملا آقا نے کہا کہ حجیت مظنہ پر بحث کا آغاز ہو ورنہ مجھ سے تمہیں اذیت پہنچے گی اس پر شریف العلماء کو بہت غصہ آیا اور ایک اتفاقی جھگڑا یوں ہوا کہ شریف العلماء ایک مرتبہ اپنے شاگردوں کے ساتھ سامرہ کی زیارت کو تشریف لے گئے رات کو کسی جگہ قیام کیا پس آخوند ملا آقا اور کسی ایک شاگرد میں آخر الامرؑ کے دیدار کے متعلق نزاع شروع ہو گئی اور قریب کوئی ہتھیار پڑا تھا وہ اٹھا لیا اور اس شاگرد کا پیچھا کرنے لگے جب اس بیچارے نے یہ کیفیت دیکھی تو شریف العلماء کی چادر پر جا گرا ملا آقا اس کے پیچھے پہنچے شریف العلماء کو بڑا جلال آیا اور وہاں سے ان کو باہر نکال دیا۔

المختصر ملا آقا علوم معقولہ کے حامل بھی تھے اور علوم منقولہ کے تو بانی تھے اور سید ابراہیم فرمایا کرتے تھے کہ ملا آقا فن اصول کے ماہرین میں سے ہیں اور اس کے بارے میں ان سے رجوع کیا کرو۔ اور علم کلام وحکمت میں ان کے مطالب عقلی قوانین شرعیہ کے مطابق ہوتے اور علم رجال میں باکمال اور فصاحت و بلاغت میں عرب وعجم میں مسلم تھے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آج کے زمانے میں فصاحت و بلاغت میں ان کا ثانی نہیں ملتا اور اسی طرح عربی دانی میں۔

ان کی تالیفات میں کتاب 'خزائن' ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل بحر العلوم کے منظومہ کی شرح ہے فقہ میں طہارت پھر کچھ نماز اور دوسرے فروعات پر بہت کچھ لکھا ہے احکام واتقان کی وجوہات کے بارے میں استدلال کیا ہے۔ اور خیر خلق وغیرہ کے بارے میں اور اس سے بہت سے ابواب کھولے ہیں۔ آخوند نے شرح میں بتایا ہے کہ اس حدیث سے میں نے ۷۰ قاعدے استنباط کیے۔

دوسری جلد عقلی دلائل میں ہے اس کے بعد استصحاب اور اس کے بعد استصحاب سے تعارض کو فقہی قاعدوں کی بناء پر لکھا ہے اور فقہی قواعد کو توڑ دیا

ہےاور بڑی تحقیقی گفتگو کی ہے جیسے صحیح ضمانت، فاسد ضمانت اور قاعدہ الامین لایخون اور قاعدۂ احسان، قاعدہ نسیب وغیرہ علمی قواعد سے متعلق ہے۔ اوران کا طریقہ یہ تھا کہ ہر مسئلہ میں فروع یا اصول کے ساتھ داخل ہوتے اور اس کی اتنی شقیں اور شاخیں نکالتے کہ کروڑوں ہو جائیں۔

تیسری جلد اعتقادات، اصول عقاید، درایت، قواعد رجال، اجتہاد و تقلید وغیرہ کے بارے میں۔

ایک دفعہ شیخ محمد حسن کربلا کی مخصوص میں زیارت کو آئے آخوند ملا آقا انکی ملاقات کو گئے۔ شیخ نے آخوند سے کہا کہ جواہر الکلام میں نے بہت عمدہ لکھی ہے کیا تم نے بھی اسے دیکھا اور پسند کیا؟ آخوند نے کہا ایسے جواہر ہمارے خزائن میں بہت ہیں۔

آخوند بڑی مدت تک کربلا میں رہے اور کبھی کبھی تدریس بھی کیا کرتے تھے۔ مؤلف کتاب بھی کبھی ان کے درس میں حاضر ہوا کرتا تھا لیکن ان کی بد خلقی اور غصہ کی وجہ سے اکثر مجلس درس درہم برہم ہو جایا کرتی تھی۔

ان کی ایک اور کتاب 'اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات' ہے بڑی بہترین، حسن تحریر کی حامل، فصاحت و بلاغت وسلامت وجزالت میں ان کے قلم سے نکل کر عرصۂ وجود میں آئی۔ مصائب اہلبیتؑ میں احادیث جمع کیں اور اکثر احادیث میں نت نئے افکار، بے شمار تحقیقات، تھمان بین اور آپس میں ایک دوسرے کو رد کرنے والی احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ آج تک کسی نے اس انداز پر کتاب مصائب نہیں لکھی۔ لیکن خامی یہ ہے کہ بہت سی غیر معتبر احادیث اور ضعیف حتیٰ کہ جھوٹی روایات تک اس میں آگئی ہیں بلکہ کہنا چاہیئے کہ کھلم کھلا غلط روایات بھی ہیں جس نے اس کتاب کی قدر و قیمت کو کم کر دیا ہے۔ اور میں نے اس کتاب پر بہت حاشیے لکھے ہیں اور تحقیق کی ہے۔ اور میں نے کتاب 'اسرار المصائب'، احادیث مصائب کے علمی، حکمی، دقایق اور عرفانی نکتوں پر لکھی ہے اور کتاب 'اکلیل المصائب' میں بھی بہتر تحقیقات ہے جو جدید ترین افکار پر مشتمل ہے۔

آخوند کی ایک کتاب 'سعادت ناصریہ' ہے جو انہوں نے سلطان کی فرمائش پر لکھی وہ مختصر فارسی کتاب ہے لیکن علمی نکات سے خالی نہیں ہے۔

وہ حضرت سید الشہداءؑ کے مصائب کے بارے میں بہت محتاط، پختہ اور ہوشیار تھے یہاں تک کہ شدت گریہ کی وجہ سے منبر پر ہی غش کھا جایا کرتے تھے۔ روز عاشورا عام لباس جسم سے اتار کر صرف لنگی پہن لیتے تھے اور سر پر خاک ڈالتے اور جسم پر مٹی مل لیتے اور اسی ھیئت سے منبر پر جاتے مختصر یہ کہ ائمہ اطہارؑ سے آپ اتنے پر خلوص تھے کہ اہل زمانہ میں ایسے نہیں ملتے۔ آپ کو علم اکسیر بھی حاصل تھا اس سلسلہ میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا اور اس حاملین علم کے بارے میں کتاب خزائن میں بھی کچھ رکھا ہے اور بلا شک صادق القول تھے اور ایک دفعہ سلطان کے درباریوں میں سے کسی نے سوال کیا کہ صاحب مثنوی کا مذہب کیا تھا؟ کیا وہ کافر تھا یا نہیں جواب میں کہا کہ مجھے اس کا مذہب تو نہیں معلوم لیکن اس کا ایک شعر بہت عمدہ ہے جو یہ ہے۔

اهل دنیا از کهین واز مهین	لعنة الله علیهم اجمعین.
ترجمہ: دنیادار لوگ چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں	ان سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

جب سلطان ناصر الدین شاہ ان کی ملاقات کو آئے تو سلطان سے کہا کہ تو مسلمانوں کا بادشاہ ہے مونچھوں کی اصلاح نہ کرنا اور شارب نہ کٹوانا، قوانین اسلام کے خلاف ہے پس سلطان نے آخوند کے حکم کی پیروی میں حجام کو بلوایا اور اسی مجلس میں مونچھوں کی اصلاح کرائی۔

آخوند علمی کتابوں کا بہت احترام کرتے تھے جیسے شیخ طوسی کی تہذیب الاحکام کی۔ اور ایسی ہی دوسری کتابیں جب ان کو اٹھاتے تو چومتے تھے جیسے کہ قران مجید کو چوما جاتا ہے اور انہیں سر پر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ احادیث بھی قران مجید کی طرح محترم ہیں اور امر بالمعروف نہی عن المنکر میں اپنے زمانہ کے بہترین شخص تھے۔ تقریباً ۸۰، ۹۰ سال کی عمر پا کر دار الخلافہ طہران میں وفات پائی۔ آخوند ملا آقا کے مخالفین کے ساتھ کئی مناظرے ہوئے اور میں اس مقام پر چند کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

اپنی کتاب 'سعادت ناصریہ' میں انہوں نے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ والی بغداد عمر پاشا کے دور میں بڑے مظالم ہوتے تھے اور اس زمانہ میں ہند کا حاکم یعقوب آفندی تھا جو باطنی طور پر اثنا عشری تھا اس نے آخوند ملا آقا سے درخواست کی کہ عمر پاشا یہ چاہتا ہے کہ ہندوستان آ کے زیارت پر

پابندی لگادے آپ اُس کی ملاقات کو آئے ہیں آپ اس کو نصیحت فرمائیں شاید اس خیال سے باز آجائے اور اس طرح زوار اور مسلمانوں پر ظلم وستم سے رک جائے۔ اخوند ملا آقا کہتے ہیں کہ مجھے کچھ کام نکل آیا دیر ہوگئی جب میں ہند پہنچا عمر پاشا بغداد چلا گیا اور آفندی اس کے کام کا نائب بن گیا میں اس کے پاس گیا۔ اور ملاقات کے بعد کہا کہ میں چاہتا تھا کہ تمھارے پاس ایسے تحفے لاؤں جو ہر چیز سے زیادہ گرانبہا ہوں۔ اس نے کہا وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا: فضائل آل محمدؐ اور خصوصاً سید الموحدین امیر المومنینؑ کے فضائل ہیں۔ پھر میں نے اس سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک حدیث کی بہترین کتاب کونسی ہے؟ اس نے کہا: صحیح بخاری۔ چنانچہ میں نے بخاری کے احوال اور بعض علوم کو حاصل کرنے کی کیفیت جو صرف دس سال کے سن میں حاصل کیے تھے اور مکہ، مدینہ، حجاز، یمن، مغربی شہروں اور شامات کے علاقوں وغیرہ میں ان کے سفر جو احادیث حاصل کرنے کے لئے انہوں نے کیے اور یہ کہ ستر ہزار احادیث اکٹھی کیں اور ان کی کیفیت تدریس جو بغداد میں درس دیتے تھے اسکی اور مناقب علیؑ میں جو چند احادیث انہوں نے لکھیں ان سب کا میں نے تذکرہ کیا۔ دفتر دار باادب سمٹ کر بیٹھ گیا اور گہری سوچ میں غلطاں ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ کچھ فضائل امام حسین علیہ السلام بھی سنو اس نے کہا: بیان کیجیے۔ میں نے کہا اس کے لئے چند مقدمات ہیں۔

اوّل تو یہ کہ جنگ خندق جس میں امیر المومنین علیہ السلام نے عمر بن عبدود کو قتل کیا پیغمبرؐ نے فرمایا کہ علیؑ کی ضربت یوم خندق ثقلین کی عبادت سے افضل ہے تو میں نے کہا: کیا اہل سنت میں کوئی اس حدیث سے انکار کرتا ہے۔ کہا: نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ حدیث کسی وقت کے ساتھ محدود تھی۔ کہا: نہیں۔ میں نے کہا: پھر تو تمام انبیاءؑ و مرسلین کی عبادات ثقلین میں شامل ہیں اور ضربت علیؑ کو ہر ایک کی عبادت سے افضل ہونا چاہیے سوائے پیغمبرؐ کی عبادت کے کہ یہ ضربت اس درجہ کو اس لئے پہنچی کہ وہ خدمت پیغمبرؐ میں تھے اور شریعت غرّا کے پابند تھے لیکن بعض نے اس حدیث کو بدل دیا کہ افضل من عبادة امتی الیٰ یوم القیمة تاکہ یہ اقرار نہ کرنا پڑے کہ جمیع خلائق حتیٰ کہ انبیاءؑ کی عبادتوں سے بھی یہ ضربت افضل تھی۔ دفتر دار نے کہا کہ یہ غلط ہے صحیح حدیث پہلی والی ہی ہے۔ پھر میں نے کہا: کیا پیغمبرؐ مبالغہ کرتے ہیں یا جھوٹ بولتے ہیں؟ کہا: نہیں کیونکہ "آپؐ تو بولتے ہی نہیں مگر جو کچھ آپؐ پر وحی ہوتی ہے"۔ میں نے کہا: اب تیسرا مقدمہ یہ ہے کیا پیغمبرؐ کا ایک حج بالاتر ہے یا علیؑ کی وہ ضربت جو یوم خندق صادر ہوئی؟ دفتر دار خاموش ہوگیا۔ میں نے کہا: یہ خاموشی کا محل نہیں۔ حج پیغمبرؐ ہی افضل ہے جیسے کہ شروع میں دلیل دی گئی ہے۔ کہا: اب جب یہ مقدمات طے ہوگئے تو صحیح بخاری میں منقول ہے کہ ایک دن حسینؑ پیغمبرؐ کے قریب آئے اور یہ عائشہؓ کی باری کا دن تھا وہ آہستہ چلتے ہوئے آئے پیغمبرؐ نے انہیں گود میں اٹھالیا اور بوسہ لینے لگے اور سونگھنے لگے۔ عائشہؓ نے کہا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان اس بچہ سے آپ کس قدر خوش ہو رہے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا: شاید تمہیں معلوم نہیں کہ یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، میرا لخت جگر، میرا پھول ہے۔ پھر پیغمبرؐ رونے لگے اور بہت روئے۔ عائشہؓ نے پوچھا: کیوں روتے ہیں۔ کہا کہ میں شمشیروں نیزوں کے وار جہاں ہونگے ان کو چوم رہا ہوں اور بنی امیہ جہاں اس کو تیر ماریں گے۔ عائشہؓ نے کہا: کیا ان کو قتل کردیں گے کہا: ہاں تشنہ لب، بھوکے پیٹ اس کو مار ڈالیں گے اور میری شفاعت ان لوگوں کو نہ پہنچے گی اور کتنا خوش نصیب ہے وہ کہ جو اس کی شہادت کے بعد اس کی زیارت کرے۔ عائشہؓ نے کہا: ان کے زائر کو کیا اجر ملے گا؟ پیغمبرؐ نے کہا: میرے ایک حج کا ثواب۔ اور پیغمبرؐ کا ایک حج عبادات جن وانس سے افضل ہوتا ہے جب سے آدمؑ پیدا ہوئے اس وقت سے اور جب اس دنیا کا اختتام ہو۔ عائشہؓ کو تعجب ہوا کہ آپؐ کے ایک حج کا ثواب زائر حسینؑ کو ملے گا۔ آنجناب فرمایا: بلکہ میرے دو حج کا۔ عائشہؓ کو مزید تعجب ہوا، آنجناب فرمایا: میرے چار حج کا۔ عائشہؓ کا تعجب اور بڑھا اور پیغمبرؐ ہر تعجب پر دوگنا کرتے رہے یہاں تک کہ ۴۵ حج کا ثواب بن گیا اب جو انہوں نے اظہار تعجب کیا تو حضرتؐ نے فرمایا میرے نوے (۹۰) حج اور (۹۰) عمروں کا ثواب اسے ملے گا۔ عائشہؓ خاموش رہ گئیں۔ دفتر دار نے کہا: میں آفندی اس جگہ اشکال محسوس کر رہا ہوں کہ پیغمبرؐ نہ غلو کرتے ہیں نہ جھوٹ بولتے ہیں تو عائشہؓ کے انکار پر یہ بار بار تبدیلی کیوں۔ میں نے کہا: کوئی اشکال نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حسینؑ کے زائرین کے مراتب ان کی معرفت کی مقدار کے مطابق ہونگے۔ بعض بہت دور دراز سے آئیں گے اور جتنی زحمات اٹھائیں گے اسی لحاظ سے ثواب زیارت کا فرق ہوگا۔ دفتر دار بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: آپ کو اللہ جزائے خیر دے۔ تو میں نے کہا کہ اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے زیارت حسینؑ کا قلیل ترین ثواب ایک حج پیغمبرؐ ہے اور اس سے زیادہ

ضربت خندق سے صد گنا بھی ہو سکتا ہے۔ دفتر دار نے کہا: ہاں جو مقدمات پیش نظر ہیں ان کی رو سے یہی ہونا چاہئے۔ تو میں نے کہا: جب اس بات پر اجماع ہے کہ زائرین کی زیارت عبادت ثقلین میں شامل ہے تو پھر زائرین کی زیارت خندق میں امیر المومنین کی ضربت سے ایک درجہ بلند ہونی چاہئے اس دفتر دار شدت سے رویا اور خود کو میرے اوپر گرا دیا اور میرے ہاتھ پاؤں کو بار بار چومنے لگا اور ان پر آنکھیں ملنے لگا۔ پھر میں نے کہا: خدا کی [illegible] مواخذہ ہوگا۔ تو اس کا رنگ متغیر ہو گیا اور پوچھا کہ کیوں؟ میں نے کہا کیونکہ زوار کو اذیت دی جاتی ہے اور ان کا مال چھینا جاتا ہے اور ان سے ساتھ عدالت نہیں برتی جاتی۔ دفتر دار نے کہا اب میں حکم دیتا ہوں کہ انہیں کوئی تکلیف نہ دی جائے۔

مؤلف کہتا ہے کہ اس بات کا دعویٰ کرنا کہ ضربت امیر المومنین یوم خندق زیارت زائرین سے بڑھ کر ہے قابل غور بات ہے اور حدیث زائرین اور ضربت میں عموم وخصوص مطلق وخاص عام سے مقدم ہے۔ اگر حدیث کی سند صحیح ہو اور معتبر ہو تو اور پیغمبرؐ نے قبروں میں عدم منافات کی رو سے مثال نہیں دی کیونکہ ایک حج اور اس سے زیادہ حج کہنے میں کوئی منافات نہیں کیونکہ کسی شے کا کسی دوسری شے پر اثبات اس کی تعداد کی نفی نہیں کرتا بلکہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ کثرت اس کثرت کی طرح ہے جیسے کہا گیا ہے کہ ان تستغفر لهم سبعين مرة کہ آپ ان کے لئے اگر ستر بار بھی استغفار کریں تو حج سے نئے بھی نوے (۹۰) کہنا اس کو محدود کرنا نہیں ہے بلکہ اگر عائشہ حجب میں زیادتی کرتی رہتیں تو یقیناً پیغمبرؐ ہزاروں کی تعداد تک پہنچا دیتے۔

ایضاً آخوند ملا آقا نے 'کتاب اکسیر العبادات' میں لکھا ہے کہ جب بغداد میں ایک دفعہ علمائے عامہ کے عالم شہاب الدین سید محمود داروی یا علوی کے گھر گیا میری بڑی مہمان داری اور احترام بجالائے وہ بغداد کے مفتی تھے۔ بغداد میں عبدالرحمن کردی تھا کہ اس کو سب پرہیزگار اور عبادت گزار سمجھتے تھے اور مفتی کو دنیا دار تصور کرتے تھے۔ ایک دن مفتی علوی گھر پر نہیں تھے تو میں عبدالرحمن کے گھر چلا گیا تو میں نے کہا کہ اگر کچھ علمی مشکلات ہوں تو بتاؤ میں ان کو حل کردوں تو مفتی نے کہا: تمہارا یہ مقام تو نہیں ہے کہ میں تم سے سوال کروں بلکہ اگر تمہیں کچھ اشکال ہیں تو مجھ سے کہو میں حل کردوں گا۔ پھر ذرا ٹھہرا اور کہا: تم شیعہ لوگ یزید پر لعنت کیوں کرتے ہو؟ مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے کہا کہ مسلمان کسی دوسرے مسلمان سے ایسا سوال نہیں کرتا، یزید اور اس کے باپ دونوں پر لعنت ہو۔ مفتی یہ بات سنتے ہی غضبناک ہو گیا اور اس نے گھر کی ایک کھڑکی کے پاس جو بغداد کی گلی میں کھلتی تھی زور کی چیخ ماری، بہت سارے لوگ جمع ہو گئے اور کہنے لگا: تو خال المؤمنین (مومنوں کے ماموں) کو دارالسلام بغداد میں لعنت بھیج رہا ہے جہاں اہل سنت کا ہجوم ہے۔ پس اگر تو نے جواز لعنت پیش کر دیا تو بہتر ہے ورنہ تیرے اوپر حد جاری کروں گا۔ تو میں نے کہا: تو کیا حد جاری کرے گا وہ تو تیرے لئے لازمی ہے اور جو چیز لازمی ہو اس کی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیا تو نے شرح مقاصد میں علامہ تفتازانی کے اس قول کو فراموش کر دیا جو مسئلہ امامت کے ذیل میں باوجود اپنی ناصبیت کے انہوں نے کہا۔ مفتی کہنے لگا: تفتازانی نے کیا کہا ہے؟ میں نے کہا: ان کا قول ہے کہ اس بات میں تو شک ہی نہیں کہ اصحاب رسولؐ نے آپ کی عترت کو اذیت دی۔ کوئی صحابی معصوم نہیں ہوتا اور جو بھی پیغمبرؐ سے ملاقات کرلے تو ضروری نہیں کہ وہ نیک ہی ہو۔ جب تک ایمان پر رہتے ہوئے ہی بڑھاپے کی منزل تک نہ پہنچ گئے ہوں تاکہ عصائے اسلام شگافتہ نہ ہو اور بعض ظالمین جو ان کے بعد آئے ان کے ظلم سے تو آسمان وزمین وحیوانات وجمادات گواہی دیتے ہیں تو ایسوں پر خدا کی بھی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی بھی لعنت۔ میں نے اس سے کہا کہ آیا یہ مضمون کلام تفتازانی ہے کہ نہیں۔؟ اس نے کہا: ہاں یہ تفتازانی کا قول تو ہے لیکن اس کا کیا اعتبار ہے اور اس کے کلام کی حجیت ہی کیا ہے میں اس سے زیادہ عالم ہوں اس لئے آیات الٰہی یا احادیث نبویؐ بیان کرو۔ میں نے کہا کہ اگر میں صریح آیات اور احادیث پیغمبرؐ بیان کروں تو تیرے اوپر لازم ہوگا کہ یزید ومعاویہ پر لعنت کرے؟ اس نے کہا: ضرور۔ پس میں نے اس سے وعدہ لے لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ سورہ احزاب میں کہتا ہے "بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان کے اوپر دنیا وآخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور اس نے ان کے لئے عذاب مہین تیار کر رکھا ہے"۔ اس نے کہا: اس سے تم کیا دلیل دیتے ہو؟ میں نے کہا: کیا احادیث میں تمہارے ہی طریقے پر یہ نہیں ملتا کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: اے علیؑ تیرے ساتھ جنگ میرے ساتھ جنگ ہے اور تجھ سے صلح مجھ سے صلح ہے اور تیرا گوشت میرا گوشت اور تیرا خون میرا خون ہے اور جو تجھ سے لڑے پس اس نے مجھ سے جنگ کی اور جس نے مجھ سے جنگ کی اس نے اللہ سے جنگ کی۔ اس نے کہا: ہاں یہ تو ہے۔ پھر میں نے کہا: آیا یہ تمہاری

احادیث میں نہیں ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اس کا گوشت میرا گوشت اور اس کا خون میرا خون ہے۔ کہا: ہاں یہ بھی ہے۔ میں نے کہا: نیز تمہارے ہاں تواتر کے ساتھ یہ حدیث نہیں ہے کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے غضب ناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا اور جس نے اسے تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔ اس نے کہا: ضرور ہے۔ میں نے کہا: اب تو دلیلیں مکمل ہوگئیں۔ اس نے سر جھکا لیا اور سکوت اختیار کیا۔ میں نے اٹھنا چاہا تو خدا کی قسم دی کہ آدھ گھنٹے اور بیٹھ جاؤ۔ اس نے نیا قہوہ منگوایا اور حقّہ تازہ کیا میں نے کہا: آجکل اصول میں کس موضوع پر درس دے رہے ہو اس نے کہا حکم وحاکم کی بحث پر شرح عضدی سے۔ میں نے اس پر دلیل اور مدلول کے اتحاد میں شبہ کو پیش کیا اور اس کو بڑا مستحکم بنادیا۔ اور وہ ایسا ہوگیا کہ جیسے گدھا مٹی میں لوٹ جاتا ہے۔ میں مفتی کے گھر چلا گیا۔ مفتی جب ہی آیا تھا اور میری آمد کا منتظر تھا اس نے میرے گردن میں بانہیں ڈال دیں اور کہا: معاویہ اور یزید پر تھوتھو۔ کون ہے جو ان پر لعنت کرنے سے روکے گا۔ میں نے کہا: تمہیں کیسے پتہ؟ اس نے کہا: میرے کچھ ملازمین وہاں موجود تھے، آپ نے تقیہ کیوں نہ فرمایا، اس لعنتی نے تو میرا خون مباح کر دیا تھا کیونکہ میں نے ایک مجلس میں یزید ملعون پر لعنت کر دی تھی۔ میں نے کہا: اے آفندی میرے طرح تو کوئی بھی تقیہ نہیں کرتا اور ولایت امیر المؤمنینؑ میرے لئے قلعہ ہے۔ ملاّ آقا بیس سال کی عمر میں ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ کا درس دیتے تھے اور عالم خواب میں شیخین اور ابن ابی الحدید سے مباحثہ ہوا اور ان کو ملزم ثابت کیا جیسا کہ کتاب 'اسرار الشہادتین' میں لکھا ہے۔

قدوۃ الفقہاء شریف العلماء

محمد شریف ملاّ حسن علی مازندرانی آملی جن کا لقب شریف العلماء، فقہا کے لئے قابل اتباع، فضلاء کے لئے نمونہ، علم اصول کے بانی، لاثانی استاد، نادر دہر، یکتائے زمانہ، علم منقول کا آفتاب عالمتاب، آسمان اصول کے بدر کامل تھے۔ مولد ومدفن کربلا تھا۔ لوگ آپ کے گرد حلقہ کیے رہتے تھے۔ گلستان علماء میں ایسا باثمر شجر کسی نے نہ دیکھا اور قواعد اصول آپ سے بہتر کسی نے وضع نہ کیے۔ آپ کی مجلس درس میں ہزار سے زیادہ افراد شرکت کرتے اور ان کے شاگردوں میں آقا سید ابراہیم، اخوند ملاّ اسماعیل یزدی، آخوند ملاّ آقا دربندی، سعید العلماء بارفروشی، آقا سید محمد شفیع بروجردی، شیخ مرتضی شوشتری جیسے افاضل عظام وعلمائے کرام تھے۔

مؤلف کتاب کی ایک مرتبہ مازندران کے ایک معمر شخص سے ملاقات ہوئی جو عتبات کا مجاور تھا اور یہ کہتا تھا کہ شریف العلماء نے کتاب عوامل گرگانیہ مجھ سے پڑھی جب اس منزلت پر پہنچے ہیں اور عوامل کے سوچتے ہیں۔ شریف العلماء نے مجھ سے کہا کہ عوامل کا شمار کرو کہ سو ہی ہیں یا نہیں، میں نے کہا: ہاں اتنے ہی ہیں گننے کی ضرورت نہیں۔ شریف العلماء نے کہا: میں نہیں مانتا ہوسکتا ہے مصنف نے غلط کہا ہو، ہوسکتا ہے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہو۔

مقدمات اوّل کی تحصیل آقا سید محمد سے کی۔ پھر استاد الاساتذہ آقا سید علی کی شاگردی اختیار کی اور آخر حال یہ کہا کرتے تھے کہ نو سال تک آقا سید علی سے تعلیم حاصل کی کہ پھر مجھے کسی سے سیکھنے کی ضرورت نہ رہی اور خود فتویٰ دینے کے لائق ہوگیا اور بعد میں یہ بھی کہنے لگے تھے کہ اب استاد سے میں کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا کیونکہ وہ میرے اعتراضات کا جواب نہیں دے سکتے اور جواب سے عاجز ہونے کی بناء پر مجھ پر بگڑ جاتے تھے۔ چنانچہ اپنے والد کے ساتھ عجم کے شہروں کا سفر شروع کیا اور ہر شہر میں ایک یا دو ماہ رہتے اور کتابوں اور تحصیل علم کے اسباب کے حصول کے طلبگار تھے۔ وہ نہ میسر آسکے اور کسی نے کوئی مدد بھی نہ کی تو آٹھویں امامؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور پھر کربلا واپس آگئے۔ شروع شروع میں ایک سال یا اس سے کچھ عرصہ کم میرزا تقی سے تحصیل علم کی۔ کربلا واپس آنے کے بعد پھر آقا سید علی کی مجلس میں جانے لگے کہ شاید کچھ حاصل ہو لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ ان کے استاد بھی ضعیف العمر ہوگئے تھے تو خود ہی مطالعہ، مباحثہ اور اپنی کوششوں کو جاری رکھا یہاں تک کہ تھوڑی ہی مدّت میں خود استاد ہوگئے اور بہترین ارباب منقول میں شمار ہونے لگے۔ اصول کو بہترین طریقے سے تبدیل کیا اور عمدہ ترتیب قائم کی اور ان میں تحقیق وتدقیق کی بنیاد ڈالی کہ ان سے پہلے اور ان کے بعد علم منقول میں

ویسا شخص دکھائی نہیں دیتا۔ اور ہر مسئلہ کے متعلق ایسے مقدمات ترتیب دیتے کہ ان کی وجہ سے تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں اور مخالف کے لئے جائے سخن نہیں رہتی۔ نہ صرف یہ کہ تمام دلائل، اقوال اور شبہات اس کے خلاف ختم ہو جاتے تھے بلکہ متوجہ ہو کر سننے والا خود تمام شبہات دور کرنے پر قادر ہو جاتا تھا۔

نیز ہر مسئلہ پر اس طرح سیر حاصل بحث کی ہے کہ اگر سامع ۲۰،۳۰ مسئلے سن لے تو غالباً خود ہی سارے یا اکثر مسائل اصول سے فہم ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ان کی مجلس درس میں ہزار سے زیادہ علمائے ابرار، طلاب اخیار اور فضلائے عالی قدر شریک ہوتے تھے اور مختصر مدت میں ہی تقلید کے بجائے خود مجتہد بن جاتے تھے۔

میرے استاد آقا سید ابراہیم سترہ ماہ تک نجف میں محقق ثالث شیخ علی بن شیخ جعفر سے فقہ سیکھتے رہے یہ بات شریف العلماء پر واضح ہوئی اور انہوں نے واضح کیا کہ سید ابراہیم نے سب کچھ تو مجھ سے سیکھا اور میں نے ان کی تربیت کی اور وہ اختتام پر دوسروں کے پاس جا کر رہے ہیں اور اس بات پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ تلازمہ (شاگردوں) نے عرض کیا کہ اصول کی تعلیم تو آپ ہی دیتے ہیں اور اصول فقہ کے لئے مقدمہ کا کام کرتے ہیں تو جس کا مقدمہ سیکھ چکے اب اس کا کیا سیکھنا تو آقا سید ابراہیم پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟ شریف العلماء نے کہا کہ صبح کو میں ایک فقہ کا درس شروع کروں گا اور مسئلہ بیع فضولی کو موضوع بناؤں گا پس آٹھ ماہ تک بیع فضولی سمجھاتے رہے حتیٰ کہ کسی فقیہ نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہ کیا اور شیخ مرتضی شوشتری نے جو ان کے شاگردوں میں سے تھے کتاب متاجر میں اپنے استاد شریف العلماء کی تحقیقات کو نقل کیا ہے۔

الحاصل مرحوم آقا سید ابراہیم نے نجف سے آ کر کربلا میں اپنے درس کا آغاز کیا اور باوجود اس کے کہ ان کے استاد بھی بقید حیات تھے سوا فراد ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ اور آپ کی درس کی دو مجلسیں (Sittings) ہوتی تھیں۔ ایک نوآموز طلباء کے لئے اور ایک پرانے طلباء کے لئے۔ اور ایام تعطیل میں بھی دوسرے طلباء کے لئے درس کا انتظام کیا تھا۔ ماہ مبارک رمضان میں نصف شب تک زیارت اور عبادت میں مشغول رہتے۔ اسی لئے آپ کی تصنیفات بہت کم ہیں۔ اور یہ تصنیفات بھی صرف مسودہ کی صورت میں ہی رہیں۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ مقدس لوگوں میں سے ایک نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ میں نے محقق اول اور علامہ کو خواب میں دیکھا اور محقق کو جس حلیہ میں دیکھا وہ بعینہ مؤلف کتاب کا حلیہ تھا حالانکہ خواب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ بہر حال شریف العلماء کے ایک شاگرد نے ان سے عرض کی کہ آپ تالیفات کیوں نہیں لکھتے اور یہ ساری تحقیقات جو آپ کو اجداد سے ورثہ میں نہیں ملی اور آپ کی ذاتی کاوش ہے اس کو اگلوں تک پہنچنے سے محروم کیوں کر رہا ہے تو آپ کچھ تالیف کریں تا کہ زمانہ میں باقی رہے۔ جواب میں فرمایا کہ میرا کام طلاب کی تربیت اور شاگردوں کو تعلیم دینا ہے اور جو کچھ بھی تم میرے شاگرد تالیف کرو گے وہ حقیقتاً میرا ہی ہوگا۔

اور مشہور ہے کہ شیخ علی مجلس درس میں جب قول نقل کرتے تھے تو کہتے تھے: **قال شریف العلماء فی الضوابط** . اور مناظروں میں حفظ وضبط اور دقتِ نظر اور بات کو سرعت سے سمجھنے کے اعتبار سے ارباب کمال میں حسن گفتگو کے لحاظ سے منفرد تھے کہ زبان قلم سے اس کو واضح کرنا بہت مشکل ہے۔ جس سے بھی مباحثہ کرتے غالب آتے۔ علم جدل میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ کربلائے معلی میں مرض طاعون میں گرفتار ہو کر شہید ہوئے اور اپنے ہی گھر کے تہہ خانہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کا سن وفات ۱۲۴۵ یا ۱۲۴۶ھ ہے اور ایک بیٹا تھا وہ بھی اسی سال فوت ہو گیا اور آپ کی نسل منقطع ہوگئی لیکن روحانی اولاد بکثرت ہے۔ مازندران دربار فروش کے ایک مالدار شخص نے شریف العلماء کے لئے ایک مدرسہ تعمیر کیا، اس کا نام مدرسہ شریفیہ رکھا، اپنی بیٹی کا نکاح شریف العلماء سے کیا اور ان سے درخواست کی کہ آپ بار فروش ہی تشریف لے آئیں شریف العلماء اس پر تیار نہ ہوئے تو وہ اپنی بیٹی کو عتبات لے آیا اور وہاں اس کی شادی شریف العلماء سے کردی۔ آپ کی عمر مبارک ۳۰ یا ۴۰ کے درمیان تھی اور اس وقت مؤلف کتاب کی عمر نو یا دس سال تھی۔ جب تک وہ زندہ تھے ان سے زیادہ شہرت کسی کو حاصل نہ تھی۔ ان کے بعد مرحوم حجۃ الاسلام کو شہرت و کمال حاصل ہوا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس لئے کم عمر پائی کہ علماء کا زیادہ احترام نہ کرتے تھے بلکہ شیخ علی اور دوسرے نجف کے مشائخ جو ان کے پاس تشریف لاتے ان کی تواضع نہ کرتے بلکہ ان کے سامنے خود کو بڑا سمجھتے تھے اور خود کہا

کرتے تھے کہ طبقہ ارض پر میرا کوئی ہم مثل نہیں ہے لیکن اس جوان کا والد اور یہ جوان آ قا سید مہدی بن آ قا سید علی ہے جب یہ شریف العلماء کے درس میں آتے تو شریف العلماء ہمیشہ ان کی تعریف وتوصیف کرتے اوران کو اپنے سے بہتر مانتے تھے۔

شریف العلماء کے شاگردوں کا طریق کار یہ تھا جب درس لے چکتے تھے تو اپنے میں سے جو افضل ہوتا تھا اس کو بٹھاتے اور وہ سارے درس کو دہراتا اور اگر کسی مقام پر تردید کرنی ہوتی یا بحث وارد ہوتی تو وہ بھی بیان کرتا اوراسکے بعد گروہ گروہ بن جاتے کہیں سو، کہیں پچاس، کہیں صرف دو اور اسی طرح ہر گروہ اپنے میں سے ایک کو پھر بٹھاتا اور وہی سبق دہراتا اس طرح رات دن میں ایک ہی درس کئی بار پڑھا جاتا اور سنا جاتا پھر اس کو تحریر کیا جاتا لہٰذا وہ تیزی سے ترقی کے مدارج طے کر لیتے لیکن طریق درس وہی رہتا کہ بات ایک اور تکرار ہزار بار۔ ایسا استاد اور ایسا انداز کیا خوب ہے۔

وہ نماز جماعت نہیں پڑھاتے تھے ایک دفعہ لوگوں نے باصرار نماز پڑھانے کھڑا کر دیا تو نماز کے دوران کسی مسئلہ کی تحقیق میں ذہین الجھ گیا لہٰذا جماعت کی نماز ترک کردی۔ اگر ان سے ایک فرعی مسئلہ پوچھا جاتا تو اس مسئلہ میں اس قدر شقیں اور احتمالات نکالا کرتے کہ سائل اپنا مسئلہ ہی بھول جاتا، عربوں پر اجرائے حدود فرماتے۔ نہ کسی کی ملاقات کو جاتے نہ مزاج پرسی کو۔ جب شیخ محمد حسین صاحب فصول کربلا تشریف لائے تو انہوں نے نماز جماعت مرقد اطہر کے کفش کن کے پیچھے ادا کی۔ شروع میں جو بھی یہ چاہتا تھا کہ شریف العلماء اس کی ملاقات کو آئیں ناممکن ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ کسی سے ملتے ملاتے ہی نہ تھے تو صاحب فصول خود ان کی ملاقات کو گئے تو شریف العلماء کے ماننے والوں نے ان سے سوال کیا کہ آپ جماعت نہیں پڑھاتے اور ہم نماز جماعت پڑھنا چاہتے ہیں اور آ جکل شیخ محمد حسین اصفہانی آئے ہوئے ہیں اور نماز جماعت پڑھاتے ہیں تو ہم ان کی اقتداء میں جماعت ادا کر لیں یا نہیں۔ تو شریف العلماء نے کہا کہ ان کے گھر جا کر گھر والوں سے پوچھو کہ آیا وہ مجتہد ہیں یا نہیں؟ چنانچہ وہ لوگ شیخ کے گھر آئے اور ان کے اہل خانہ سے اس بات کا تذکرہ کیا، ان لوگوں نے شیخ سے دریافت کیا تو شیخ نے جواب میں کہا کہ میں مجتہد بلکہ اعلم ہوں۔ اب یہ لوگ واپس آئے اور شریف العلماء سے سارا معاملہ بیان کیا۔ شریف العلماء نے کہا ان کی اقتدا نہ کرو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریف العلماء شیخ محمد حسین کے اجتہاد کو تسلیم نہ کرتے تھے تاہم شیخ محمد حسین صاحبان فن اصول اور ان کے جامع میں سے تھے اور فصول کا درس بھی دیتے تھے انہوں نے قوانین میں فاضل قمی پر بڑے اعتراضات کیے ہیں اور میں نے ان کے بہت سے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔

مؤلف کتاب نے بھی شریف العلماء کے ایک شاگرد سے سنا کہ حاجی ملا آ قا اسد اللہ بروجردی جو آ قا سید محمد کے شاگرد تھے ایک دفعہ رات کے وقت عتبات عالیات میں مہمان تھے اور شریف العلماء بھی وہیں موجود تھے۔ یہ آ قا سید علی کی حیات کی بات ہے۔ میرے استاد آ قا سید ابراہیم اس زمانہ میں شریف العلماء کے شاگرد تھے اور اس رات استاد کے ہمراہ وہاں حاضر تھے۔ حاجی اسد اللہ نے ایک سوال کیا ان کو ایک مسئلہ اصولی میں اشکال پیدا ہو گیا تھا۔ شریف العلماء نے سید ابراہیم کی طرف رخ کیا کہ میں نے یہ اشکال تم پر واضح کیا تھا اب ان کے سامنے اس کو دہرا دو۔ استاد دہرانا ہی چاہتے تھے کہ حاجی ملا اسد اللہ کو غصہ آ گیا کہ آپ اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ شاگرد سے کہہ رہے ہیں دونوں میں خاصی گرما گرمی رہی اور حاجی ملا اسد اللہ نے شریف العلماء کو چھڑی ماردی۔ شریف العلماء نے سکوت اختیار کیا۔ کچھ مدت بعد جب عتبات عالیات کی ریاست عامہ اور تدریس کا شرف شریف العلماء کو حاصل ہوا حاجی ملا اسد اللہ پھر ارض مقدس کی زیارت کو تشریف لائے۔

شریف العلماء کے شاگردوں میں ہی سے آخوند ملا اسماعیل یزدی نے اتفاق سے بعد میں اپنے استاد شریف العلماء پر فوقیت حاصل کر لی بجز اس کے کہ ان کے استاد کی کارگزاریاں زیادہ تھیں اور وہ بہر حال استاد تھے۔ ملا اسماعیل مرض صرع میں گرفتار تھے تو شریف العلماء نے بغداد سے طبیب کو لا کر اور کثیر مصارف برداشت کر کے ان کا علاج کرایا۔ شریف العلماء کے بعد آخوند ملا اسماعیل ان کے جانشین ہوئے۔ آٹھ نو ماہ تدریس کی تھی کہ وفات پا گئے اور اسی زمانے میں دو ملا یگانہ روزگار تھے۔ ایک ملا اسماعیل واحد العین اصفہانی جو آخوند ملا علی نوری کے شاگرد تھے۔ حکمت میں مانے ہوئے ماہر تھے اور شوارق پر انہوں نے حواشی لکھے ہیں اور دوسرے ملا اسماعیل یزدی وہ شدید فقر وفاقہ کا شکار تھے اور ان کے حجرے میں سوائے قلمدان اور کاغذ کے کچھ نہ تھا

نہ سامان نہ کتابیں۔تو شریف العلماء نے ایران والوں کو ایک خط لکھا اور اس میں ملا اسماعیل یزدی کے احترام اور ان کی اعانت کے بارے میں تاکید کی۔
آخوند ملا اسماعیل یزد جا کر واپس آرہے تھے کرمانشاہ سے گزر ہوا تو ایک کاروانسرا کے ایک کمرے میں ٹھہرے۔اتفاقاً حاجی ملا اسداللہ بھی عتبات آرہے تھے انہوں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کاروانسرا میں قیام کیا تو دیکھا کہ آخوند اپنے کمرے میں تنہا بیٹھے ہوئے ہیں حاجی چلتے چلتے آخوند کے پاس پہنچ گئے اور بیٹھ گئے اور ان کا حال چال پوچھا تو بتایا کہ تحصیل علم کر رہا ہوں ایک طالبعلم ہوں تو حاجی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا تو آخوند نے کہا کہ اپنے استاد کے لحاظ سے بتاؤں یا اپنے انداز پر؟ حاجی نے پوچھا کہ آپ کے استاد کون ہیں۔تو کہا: شریف العلماء۔حاجی نے کہا: آپ دونوں کا مسلک بیان کریں۔آخوند نے پہلے شریف العلماء کا نظریہ بیان کیا دلیلوں کے ساتھ کھلے انداز میں اس کے بعد اپنے طرز فکر کو احکام و یقین کی دلیلوں کے ساتھ پیش کیا۔حاجی ملا اسداللہ کر بڑا بھایا۔اور ان کے تبحر علمی پر حیران و ششدر رہ گئے اور اپنے ساتھ لے آئے اور اکٹھے کربلا پہنچے۔حاجی مذکور نے شریف العلماء سے ملاقات کرنا چاہی لیکن کامیابی حاصل نہ ہوئی تو حاجی اسداللہ خود ان کے پاس ملنے چلے گئے۔اس قصہ کا بیان کنندہ شریف العلماء کا ایک شاگرد ہی تھا اور اس نے براہ راست یہ سب کچھ مجھ سے بیان کیا کہ میں وہاں موجود تھا کہ حاجی صاحب تشریف لائے اور شریف العلماء نے حسب عادت جو علماء سے روا رکھتے تھے تواضع و تعارف ہوا۔یہ نہیں کہ حاجی کے سامنے بڑائی و برتری کا اظہار مقصود تھا اور پرانے دقتوں میں حاجی نے ان پر جو چھڑی ماری تھی اس کا نتیجہ ہو۔ ان کا انداز تمام علماء و مشائخ سے یہی تھا۔اسی دوران دو آدمی اپنا قضیہ لیکر شریف العلماء کے پاس حاضر ہوئے۔شریف العلماء نے انہیں قسم کھانے کو کہا اور جھگڑا صرف دس شاہی (۱) پر تھا۔اس عرب نے قسم اٹھالی۔اس کے بعد حاجی ملا اسداللہ کے کسی ساتھی نے ان کا اشارہ پاکر شریف العلماء سے سوال کیا۔ شریف العلماء نے جواب تو دیدیا لیکن مزید کوئی بات نہ کی۔تھوڑی دیر بعد حاجی مذکور کھڑے ہو گئے اور چلے گئے۔راوی کہتا ہے کہ میں بھی ان کے پیچھے چلا جب وہ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو حاجی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جو شخص راہ میں ملا تھا وہ استاد ہے اور شریف العلماء محض شاگرد ہیں۔راوی کہتا ہے کہ میں واپس آیا اور حاجی کا قول شریف العلماء سے عرض کیا۔شریف العلماء نے کہا ملا اسماعیل میرا شاگرد ہے اور جو کچھ سیکھا مجھ سے سیکھا لیکن جب انہوں نے مجھ سے سوال کیا تو جو تقاضائے وقت تھا میں نے جواب دیدیا۔اگر کچھ اور کہنا تھا تو وہ کہتے تو میں تحقیق و تدقیق سے بات کرتا۔والسلام

شیخ محمد تقی اصفہانی

شیخ محمد تقی بن محمد رحیم اصفہانی علم اصول کے حامل اور شیخ جعفر بحر العلوم کے شاگردوں میں سے تھے۔انہوں نے 'معالم' پر حاشیہ لکھا جس میں بڑی تحقیقات اور دقتوں سے کام لیا۔اس سے دلائل و اقوال حاصل کیے جاسکتے ہیں اور مباحث الفاظ میں کوئی ان سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔انہوں نے سارے اصول تحریر کیے ہیں۔اور مؤلف کتاب نے اس کتاب پر حواشی لکھے ہیں اور صاحب قوانین پر انہوں نے جو اعتراضات کیے ہیں وہ میں نے مؤلف 'قوانین' پر جو تعلیقہ لکھا اس میں رد کیے ہیں۔بڑے محتاط انسان تھے۔شیخ جعفر کی بیٹی ان کی زوجہ تھیں۔شیخ جعفر کی بیٹیاں حجتہ الاسلام حاجی محمد باقر کی خدمت گزار تھیں۔ شیخ محمد تقی شیخ احمد کی مجلس درس میں جو اصفہان میں ہوتی تھی شرکت کرتے تھے اور حجتہ الاسلام ان پر التفات نہ فرماتے اور ان کے احکام کو تسلیم نہ کرتے۔شیخ محمد حسین صاحب 'فصول' ان کے بھائی تھے اور شیخ محمد تقی کہتے تھے کہ میں نے اپنی جو تقاریر کر کے طاقوں میں ڈالدی تھیں، شیخ محمد حسین نے انہیں جمع کیا اور ان کا نام فصول رکھ دیا۔جب فتح علی شاہ ان سے ملاقات کو آیا تو کہا کہ اے شیخ اگر جناب شیخ کی بیٹی تمہیں تکلیف دیتی ہے اور تمہارے اوپر حاوی ہو گئی ہے تو رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ بادشاہ کو بھی خواتین کی طرف سے ایسی ہی تکالیف برداشت کرنا پڑ رہی ہیں۔

(۱) شاہی۔ایران کا ایک سکہ جو پچاس دینار کے برابر ہوتا ہے۔(مترجم)

حاجی محمد ابراہیم کلباسی

حاجی محمد ابراہیم بن محمد حسن کلباسی عظیم فقہا، صنادید علماء اور رئیس جماعتِ فضلا تھے۔ ۹۵ سال عمر پائی اور ۱۲۶۲ھ میں عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ میں بھی کبھی کبھی ان کی مجلسِ درس میں شرکت کرتا تھا موصوف مؤسس بہبہانی، بحرالعلوم، آقا سید علی، شیخ جعفر، اور میرزا ابوالقاسم قمی کے شاگردوں میں سے تھے اور میں نے اکثر ان کے منہ سے یہ سنا کہ میں نے آقا محمد باقر بہبہانی کے درس سے بھی فیض پایا اور فائدہ اٹھایا ہے۔ اور 'ارشادات الاصول' کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ میں نے کافی مدت تک آقا محمد باقر بہبہانی اور آقا سید مہدی، بحرالعلوم کی شاگردی کی لیکن ان دونوں بزرگواروں سے اجازہ کا مطالبہ نہیں کیا اگر میں طلب کرتا تو وہ ضرور عنایت فرماتے۔ البتہ انہوں نے آقا سید علی، شیخ جعفر، میرزا قمی اور شیخ احمد احسائی سے اجازہ حاصل کیا۔ ان کی تالیفات میں 'اشارات الاصول' ہے۔ جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسکی عبارت نہایت فصیح و بلیغ اور سلیس ہے اور چونکہ عام لوگ مشکل عبارات کو جو فاضلانہ انداز میں لکھی جاتی ہیں سمجھنے میں دقت محسوس کرتے ہیں لہٰذا یہ کتاب بھی طلباء کے فہم سے بالاتر رہی حالانکہ یہ بہت زیادہ دقیق بھی نہیں ہے۔ جب پہلی جلد چھپ گئی تو اس کی کچھ کاپیاں استاد کے حضور میں پیش کی گئیں کہ جب درس تمام ہو جائے تو طلباء میں یہ کتابیں فروخت کردی جائیں۔ جب مرحوم آقا سید ابراہیم تشریف لائے اور زیب منبر ہوئے اور ادھر ادھر نظر ڈالی تو پوچھا کہ یہ کونسی کتاب ہے تو کسی نے کہا: حاجی کی ''اشارات'' ہے۔ کہا: یہ ابھی تک میری نظر سے نہیں گذری ذرا ایک جلد مجھے دو کہ میں اس کو دیکھوں تو ایک جلد استاد کے حوالے کی گئی انہوں نے آدھا صفحہ پڑھا اور پھر پوچھا کہ اسکی قیمت کیا ہے بتایا گیا کہ پانچ ہزار دینار فی جلد اسکی قیمت ہے۔ تو استاد نے کہا کہ حاجی کی کتاب کی تو کوئی قیمت نہیں۔ اور اس بات کے دو معنی بنتے ہیں ایک یہ کہ یہ کسی قابل ہی نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اتنی گرانقدر ہے کہ انمول ہے اور اس کو ہدیہ کے طور پر کچھ دینا چاہیئے اور استاد کا مفہوم یقیناً دوسرے معنی ہی پر تھا، نہ کہ پہلے معنی ہیں، لیکن چونکہ مبہم کلام تھا۔ لہٰذا کچھ طلبا ہنس پڑے لیکن استاد اس ورع وتقویٰ کے ساتھ جس اخلاق کے مالک تھے وہ یقیناً حاجی کی تعظیم ہی کر رہے تھے اور مقصود معنی دوم ہی تھے۔ جناب حاجی یوں تو بڑے پرہیز گار انسان تھے لیکن طبیعتاً ذرا درشت مزاج تھے۔

انہوں نے شب قدر ہمیشہ عبادت میں گزاری۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ شب قدر سال بھر کی راتوں میں سے ہی ایک رات ہوتی ہے اور وہ ہر رات پروردگار کی عبادت میں قیام کرتے ہوئے گزارتے تھے اور اسی دوران ہرگز مقدمات کے فیصلے بھی نہ کرتے تھے۔ میں نے منبر سے بھی ان سے یہی سنا کہ میں اس دوران مقدمات کے فیصلے نہیں کرتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ رسالہ بھی نہ لکھوں لیکن میرزائی قمی نے حکم دیا کہ فتوؤں پر مبنی رسالہ لکھو۔ میں نے جواب میں کہا کہ میرے بدن میں جہنم کی آگ برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے لیکن انہوں نے اصرار کیا تو میں نے ایک رسالہ لکھ دیا۔ اگر کوئی ویسے ہی ان سے کوئی فتویٰ دریافت کرتا تو کہتے کہ مجھے نہیں معلوم رسالہ میں دیکھو۔ عبادت بڑے خضوع وخشوع اور حضور قلب سے انجام دیتے اور اگر کوئی فقیر کچھ طلب کرتا تو گواہ طلب کرتے پھر اس شاہد سے بھی قسم لیتے اور فقیر سے بھی کہ جو کچھ تمہیں دے رہا ہوں اس کو اسراف میں ضائع نہ کرو گے اور اعتدال سے خرچ کرو گے۔ پھر ایک سال کے اخراجات کے برابر رقم اس کو دیدیتے تھے۔ کہتے ہیں کسی شخص نے ان کے سامنے کسی اہم بات پر گواہی دی تو اس سے پوچھا کہ تیرا پیشہ کیا ہے۔ اس نے کہا: میں غسال ہوں۔ تو شرائط غسل کے متعلق اس سے سوالات کیے۔ اس شخص نے کہا کہ دفن کے وقت میں مردہ کے کان کے پاس کچھ کہا کرتا ہوں۔ حاجی نے پوچھا: کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا: میں یہ کہتا ہوں کہ خوشا نصیب تیرا کہ تو وفات پا گیا اور تجھے شہادت (گواہی) کے لئے حاجی کلباسی کے حضور میں نہ جانا پڑا۔

ان کے فیصلوں میں سے ایک فیصلہ اس طرح ہوا کہ آقا سید رضی مازندرانی جو آخوند ملا علی نوری کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد اور صاحب حکمت شخص تھے اور مؤلف کتاب کے عقلی علوم کے اساتذہ میں سے تھے۔ آقا سید رضی کی زبانی حاجی تک یہ بات پہنچائی گئی کہ یہ شخص کہتا ہے کہ ملاؤں کا کوئی

دین نہیں ہوتا۔ حاجی نے سید کو طلب کیا کہ میں نے عادلوں سے سنا ہے کہ تو کہتا ہے کہ ملاؤں کا دین نہیں ہوتا اور میں بھی ملا ہوں اور اب پتہ چلا کہ تیرا دین میرے دین سے الگ ہے اور میرا دین تیرے دین سے علیحدہ اور میں اس بات پر مامور ہوں گا جس کا بھی دین میرے دین کے خلاف ہو اس کو قتل کر دوں تو سید نے فی الفور کہا کہ مجھے جنون کے دورے پڑتے ہیں اور یہ بات بھی میں نے عالم جنون میں کہی ہے۔ فلاں طبیب (جو سید کا مخلص تھا) وہ میرے جنون پر مطلع ہے اور اس کا تعلق اہل خبرہ سے ہے اور وہ آج کل میرا بھی علاج کر رہا ہے اور وہ طبیب اصفہان کے مشہور طبیبوں میں سے تھا۔ حاجی نے اسے بلوایا تو طبیب نے یہی شہادت دی تو حاجی نے اس سید کے قتل سے درگزر کی لیکن شہر سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ مذکورہ سید ایک سال تک یا اس سے کچھ زیادہ مدت تک نجف آباد جو اصفہان کا ایک گاؤں تھا میں رہا۔ حتیٰ کہ حاجی سید محمد باقر حجۃ الاسلام نے حاجی سے سید کی سفارش کی تو حاجی نے پھر اس کو اصفہان آنے کے اجازت دے دی۔

ایک دفعہ اصفہان کے حاکم نے حاجی سے بددلی کا اظہار کیا۔ حاجی نے دعا کی اور کچھ ہی مدت بعد وہ ذلیل وخوار کر کے معزول کر دیا گیا تو حاجی نے اس کو ایک رقعہ لکھا اور اس رقعہ میں یہ شعر لکھا۔

دیدیکه خون ناحق پروانه شمع را — چندان امان نداد که شب راسحر کند

ترجمہ: تو نے دیکھ لیا کہ شمع نے پروانوں کا ناحق خون کیا — تو اس کو اس کی سزا میں اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ اس رات کی سحر نمودار ہو جاتی۔

ان کی تالیفات میں کتاب منہاج فقہ کے موضوع پر تین جلدوں میں ہے، اس میں مسائل کی بڑی فروعات نکالی گئی ہیں اور بڑی مدلل کتاب ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ منبر سے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کتاب 'اشارات' تیس سال کے عرصہ میں تالیف کی۔ آپ کی مجلس درس میں ۱۸۰ افراد شریک ہوتے تھے اور وہ کرسی پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔

ان کے پڑوسیوں میں سے ایک اکثر لہو ولعب اور ساز ودف کا شغل کیا کرتا تھا۔ حاجی نے اپنے ایک ملازم کو ایک دفعہ اس کے ہاں بھیجا کہ ایسے کام نہ کیا کرو۔ اس شقی نے جواب دیا کہ اپنے آقا سے کہو کہ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دے۔ اس ملازم نے یہ بات آ کر حاجی سے کہہ دی۔ حاجی ظہر کے وقت مسجد تشریف لے گئے اور نماز کے بعد وعظ ونصیحت فرمائی اور اس کے بعد دعا کی کہ پروردگار مجھے تو بڑھئی کا کام نہیں آتا کہ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال سکوں (۱)۔ اسی وقت اس شخص کا خصیہ ورم کرنے لگا اور خوب بڑا ہو گیا اور اسی رات جہنم رسید ہوا۔

ایک دفعہ فتح علی شاہ حاجی سے ملاقات کو آیا تو دسترخوان پر اہل مجلس کی خاطر کے لئے نُقل رکھے گئے اچانک ایک پرندے نے اس پر بیٹ کر دی بادشاہ نے کہا کہ پرندے کی بیٹ اہل مجلس کا نُقل بن گئی حاجی نے کہا: چونکہ فضا سے گری ہے لہٰذا یہ سرکاری مال ہے۔

میں نے حاجی سے منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ اگر رسول خداؐ مدینہ میں موجود ہوتے اور اہل اصفہان ان سے قاضی مقرر کرنے کی گذارش کرتے تو یقیناً وہ آقا سید محمد باقر کو عہدہ قضاوت عنایت کرتے۔ حاجی نے "اشارات" میں اپنے اجازات حجیت اخبار کے ذکر کے بعد یوں نقل کیے ہیں۔

"قد اجازنی جماعةمن الفضلاء المتبحرین والمشائخ المتودعین الذین بخل الزمان"

(۱) امکان یہ ہے کہ یہاں لوہار مراد ہے لیکن فارسی متن میں "نجار" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس لئے ترجمہ بڑھئی کیا گیا۔

حاجی ملا علی کنی

حاجی ملا علی کنی زیرک عالم، فقیہِ بے نظیر، طہران کے فقہا میں مانے ہوئے فقیہ اور اس زمانہ کے خوشحال علماء میں ہیں۔ امر بالمعروف میں بے مثل اور مال و دولت میں حاکموں اور سرداروں سے کہیں زیادہ باثروت۔ علم درایت میں ایک رسالہ تحریر کیا اور فقہ میں بھی کتابیں لکھیں۔ مؤلف کتاب سے بڑی محبت و پیار رکھتے ہیں۔ آقا سید ابراہیم شیخ محمد حسن صاحب 'جواہر' کے شاگرد ہیں۔ دار الخلافہ طہران میں اقامت گزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو آفات و بلیات سے حفظ و امان میں رکھے۔ بحق محمد و آلہ الطاہرین۔

آقا سید صادق

آقا سید محمد صادق طباطبائی، طباطبا کے سادات میں سے ہیں قبیلہ بحر العلوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آداب و رسوم کو زندگی بخشنے والے اور عوام کے لئے فیض رسانی کا باعث ہیں۔ گویا وقت کے سلمان اور ممتازِ دوران ہیں۔ صاحبِ فصول کے شاگرد، فقہ و اصول کے حامل اور امر بالمعروف میں نہایت سخت، بڑی باریک بینی سے کام کرنے والے، اور ساکن طہران ہیں۔ مؤلف کتاب سے بے اندازہ محبت فرماتے ہیں بلکہ سارے ہی علماء ان سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ صاحبان نفوس قدسیہ میں ہیں، اللہ ان کو سلامت رکھے۔

آقا سید اسد اللہ

آقا سید اسد اللہ ابن آقا سید محمد باقر حجۃ الاسلام اخلاق وثقاوت، پاکیزگی و زہد و عبادت اور مسائل کے سمجھنے کے لحاظ سے اہل زمانہ میں یکتا ہیں اور آقا سید ابراہیم و شیخ محمد حسن اور شیخ مرتضی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ مؤلف کتاب سے رشتہ محبت رکھتے ہیں کچھ عرصہ پہلے عقیق کی ایک انگوٹھی میرے لئے بھیجی اور خط میں لکھا کہ اس انگوٹھی کو انگلی میں پہن لینا۔ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاؤ گے تو مجھے بھی یاد کر لینا اور اپنے اجداد و اسلاف سے یہ موروثی صفت حاصل کی تھی کہ روزانہ رات کو نصف شب سے صبح دم تک خالی گوشہ میں بیٹھ کر دعا و مناجات و گریہ و عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور خوف خدا میں ان سے زیادہ رونے والا دکھائی نہیں دیتا۔ اصفہان میں سکونت پذیر ہیں۔ اللہ انہیں سلامت رکھے۔

حاجی ملا محمد اشرفی

حاجی ملا محمد بن محمد مہدی اشرفی بارفروش میں ساکن ہیں۔ بے نظیر عالم، بے بدل فقیہ ہیں۔ مشہور علمائے ابرار اور نیک دل متقی لوگوں میں سے ایک ہیں۔ مجھ سے بے پناہ پیار و محبت رکھتے ہیں اور صاحب کرامت شخص ہیں۔ دستور زندگی یہ ہے کہ نصف شب سے صبح تک عبادت و تضرع و زاری و بے قراری اور حضرت باری سے مناجات اور اس کی قہاریت سے خوفزدہ ہو کر گریہ کرتے رہتے ہیں اور اتنا سر و سینہ پیٹتے ہیں کہ اگر کوئی ان کو دیکھے تو یہ سمجھے کہ ابھی ابھی کسی بیماری سے اٹھے ہیں۔

ان کی کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک سال جب میں امام رضاؑ کی زیارت کے لئے جا رہا تھا تو ان کے گھر ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ جناب حاجی اشرفی نے ایک قصہ بیان کیا کہ ایک زمانہ میں بارفروش کا ایک حاکم بڑا ظالم و ستمگار تھا۔ آخر ایک روز میں نے نماز ظہر کے بعد درگاہ خداوندی میں ہاتھ بلند کیے کہ پروردگار اگر میں نے شریعت کی کوئی خدمت انجام دی ہے اور تیرے نزدیک مجھے کوئی مقام حاصل ہے تو اس حاکم کو میں معزول کر رہا ہوں۔

چند دن ہی گزرے تھے کہ حاکم کی معزولی کی خبر آ گئی۔

دوسری کرامت یہ ہے کہ سفر خراسان میں حاجی اشرفی مؤلف کتاب سے ملاقات کے لئے بارفروش آئے اور رسمی سلام ودعا کے بعد مجھ سے پوچھا کہ اس پہلے بھی کیا تم خراسان یا بارفروش آئے ہو؟ میں نے کہا نہیں، میں پہلی بار ہی آیا ہوں۔ انہوں نے کہا یہ سوال میں نے خاص مقصد سے کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوا۔ نجف اشرف میں ایک ریاضت کرنے والا شخص تھا کہ جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ باطنی کیفیات کا حامل ہے۔ میں اس کا ارادتمند ہو گیا اور اس سے محبت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ہم باہم سفر سامرہ سے مشرف ہوئے اور ہم ایک ہی سواری پر سوار ہوئے اور راستے بھر باتیں کرتے رہے۔ دوران گفتگو میں نے اس سے سوال کیا کہ آیا اوتار واقطاب کے پاس جو رجال الغیب آیا کرتے ہیں ان کا کوئی وجود ہے یا نہیں۔ کہا: بے شک ہے۔ میں نے کہا: ان کو ہم دیکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ کہا: ہاں کبھی دیکھ بھی سکتے ہیں۔ میں نے کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ اس مدت میں، میں نے ان میں سے کسی کو دیکھا ہے یا نہیں۔ اس نے کہا: ہاں تم نے ایک دفعہ دیکھا ہے۔ میں نے پوچھا کس وقت اور کس جگہ؟ کہا: ایک دفعہ بارفروش میں تم اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک دروازہ پر دستک ہوئی اور تم باہر نکلے۔ تم نے اس، اس شکل کا ایک آدمی دیکھا جس کے پاس ایک گھوڑا تھا مگر وہ اس وقت نیچے اتر چکا تھا اور اس طرح کی صورت اور قد وقامت اور ایسی مونچھوں کا انسان تھا۔ رسمی سلام وکلام کے بعد اس شخص نے تم سے سوال کیا کہ ائمہ اطہار علیہم السلام کی احادیث کے بارے میں تمہارا انداز عمل کیا ہے تو تم نے جواب میں جیسا کہ خاصہ کا طریقہ ہے مختصراً بیان کیا تو اس نے کہا کہ ہاں یہی طریقہ ہے۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ وہ ابدال میں سے ایک شخص تھا۔ حاجی اشرفی کہتے ہیں کہ اس صاحب ریاضت کے واقعہ بیان کرنے کے بعد وہ ساری باتیں جو اس کی شکل وصورت، مقام وزمانہ کیفیت کی اس نے بتائی تھیں سب مجھے یاد آ گئیں اس کے بعد حاجی نے مؤلف کتاب سے کہا کہ میری تم سے پہلے کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی اب جو تمہیں دیکھا تو تمام شکل وصورت، قامت وشمائل وہی تھا جو اس شخص (جو رجال غیب سے تھا) کا تھا۔ لہٰذا میں نے تم سے سوال کیا کہ اس سے پہلے بھی اس شہر میں آئے ہو یا نہیں۔ کیونکہ میں اپنے شبہ کو دور کرنا چاہتا تھا۔ الحاصل حاجی اشرفی سعید العلماء کے شاگردوں میں تھے لیکن انہوں نے زیادہ درس حاصل نہ کیا۔ محض اپنی کثرت عبادت، زہد اور تضرع وزاری کی بناء پر اس مقام بلند پر فائز ہوئے تھے۔

شیخ زین العابدین

شیخ زین العابدین پہلے بارفروش میں رہتے تھے اب کربلا میں سکونت رکھتے ہیں۔ مسلمان علماء میں سے ہیں۔ آقا سید ابراہیم کے شاگرد، بہت متقی پرہیزگار بزرگ ہیں اور مؤلف کتاب سے بڑی دوستی ومحبت ورفاقت رکھتے ہیں۔

آقا سید حسین ترک

آپ آقا سید ابراہیم اور شیخ مرتضی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ صاحبان علم اصول سے ہیں اسلامی علاقوں میں مشہور ہیں۔ لوگوں کے رہبر اور مؤلف کتاب سے محبت وموانست رکھتے ہیں۔

آقا سید محمد مہدی

آقا سید محمد مہدی بن آقا سید علی علم اصول میں بڑا مقام رکھتے ہیں علم جدل میں کمال اور زہد میں سلمان دوراں ہیں۔ کسی سے تحفہ وہدیہ قبول نہیں کرتے۔ علم اصول میں سب سے زیادہ ذہین وہوشیار ہیں اور ان کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ مؤسس ثانی اوّل وآخر میں مستند فاضل شریف العلماء ان

کو تسلیم کرتے تھے اور ہمیشہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔ اور پہلے بھی ذکر ہوا ہے کہ شاہزادہ ضیا السلطنہ ان سے ازدواجی رشتہ کرنا چاہتے تھے آپ نے قبول نہ کیا اور شاگردی انہوں نے اپنے والد آقا سید علی صاحب 'ریاض' کی اختیار کی اور والد کے زمانے سے ہی تدریس کا آغاز کر دیا اور ان کے والد کے شاگروان کی مجلس درس میں حاضر ہوتے تھے۔ تقریباً دو سو طلباء ہوتے تھے اور طریقہ استدلال، نقض وابرام وجدل میں مُسلَّم تھے۔ مجتہد کامل بابصیرت تھے اور ہلکنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ فیصلے اور فتاویٰ نہ دیتے تھے کیونکہ مقبول عام تھے اور ہندوستان سے کربلا کے رہنے والوں کے لئے جو رقوم آتی تھیں ہر چند کوشش کی جاتی تھی کہ ان کے زیر سرپرستی یہ کام انجام پائے ہرگز نہ کرتے تھے۔ امر بالمعروف میں بہت سخت تھے۔ شریف العلماء اور حاجی ملا جعفر استر آبادی کی شہادت کے مطابق ان کے سامنے حاجی سید کاظم سے مناظرہ کیا اور شیخ احمد احسائی پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ آخر میں کیونکہ یہودیوں نے شرائط کی پابندی نہ کی عتبات سے اصفہان کی طرف آگئے۔ مرحوم حجتہ الاسلام ان کا بڑا اعزاز واکرام کرتے تھے۔ حجتہ الاسلام سے خواہش کی گئی کہ ان کے ساتھ طہران جا کر اس کام کو مکمل کریں۔ آقا سید محمد باقر نے نہ مانا بلکہ ان کو بھی ایسا کرنے سے منع کیا لیکن ان کو یہ بات پسند نہ آئی تو رات میں لوگوں کو اطلاع دیئے بغیر طہران کی جانب روانہ ہو گئے اور آنے کے بعد حکم دیا کہ یہودیوں پر پانی بند کر دیں۔ محمد شاہ نے خلاف حکم کیا۔ بادشاہ جناب سید کی ملاقات کو آیا۔ سید اپنے گھر سے نہ نکلے اور عذر کیا کہ میں بیمار ہوں اور طہران سے بھی ناراضگی کے عالم میں شاہزادہ عبدالعظیم پہنچ گئے اور وہاں بیمار پڑ گئے۔ سلطان پھر عیادت کو آیا تو بھی باہر نہیں آئے اور عذر خواہی کر لی۔ وہیں وفات پائی اور آخوند ملا جعفر شیرازی نے جو شریف العلماء کے شاگرد تھے اور وقت کے زاہدین میں سے تھے ان کا غسل و کفن انجام دیا۔ مؤلف بھی کچھ عرصہ دارالخلافہ طہران میں آخوند ملا جعفر کے درس میں حاضر ہوتا تھا۔ بہت زاہد اور غریب تھے اور جب تک آقا سید مہدی طہران میں تھے شہر کے علماء رات کو کھانے کے وقت ان کی مجلس میں حاضر ہوتے اور ہر گھر سے کھانے کا ایک خوان آیا کرتا چاہے کوئی تاجر ہو یا عام شہری ہر گھر سے آتا۔ اسی طرح ملا جعفر کے گھر سے بھی ایک فقیرانہ خوان آتا۔ مرحوم آقا سید مہدی ملا جعفر کے خوان سے ہی غذا نوش کرتے اور کسی کے ہاں کا نہ کھاتے۔ ملا جعفر کی ایک کرامت یہ ہے کہ جب ان کا وقت احتضار تھا اور کچھ علماء تشریف فرما تھے اچانک ملا جعفر بستر بیماری سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک رخ ہو کر سلام و تعظیم بجالائے اور پھر بستر پر گر پڑے۔ تو لوگوں نے اس طرح کھڑے ہونے اور اکرام کرنے کا سبب پوچھا۔ جواب میں فرمایا: امام زمانہ، ہماری ارواح آپ پر نثار، خدا آپ کے ظہور میں تعجیل فرمائے، تشریف لائے تھے اور اس کے فوراً بعد بجوار رحمت حق پہنچ گئے۔

آقا سید محمد بن آقا سید علی

آقا سید محمد بن آقا سید علی خالص سید، بزرگ عالم اور سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور انتہائی پرہیزگار تھے۔ اپنے والد کے بعد فرقہ ناجیہ امامیہ کے رہبر و پیشوا قرار پائے۔ ان کے مقبول عام ہونے کا یہ حال تھا کہ انہوں نے مسجد شاہ قزوین کے حوض میں وضو کیا تو اہل شہر پلک جھپکتے ہی اس حوض کا پانی برکت و تبرک و شفایابی کی خاطر لے گئے اور حوض بالکل خالی ہو گیا۔ اپنے بھائی آقا سید مہدی سے بڑے تھے اور اپنے والد آقا سید علی سے علم حاصل کیا۔ تھوڑے عرصہ بحر العلوم کی خدمت میں بھی شاگردی اختیار کی اور آپ نے بحر العلوم کی ہی دختر سے شادی کی۔ حاجی مرزا علی نقی جوان دنوں عتبات میں مقبولیت عام پائے ہوئے تھے وہ آپ کے نواسہ اور آقا سید محمد کے بھتیجے تھے۔

کہتے ہیں کہ آقا سید محمد قم تشریف لائے۔ فاضل قمی صاحب 'قوانین' بہت سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ ایک شب انہوں نے آقا سید محمد اور دوسرے علماء کی ضیافت کی، صحبت علمی برپا کی اور کہنے لگے کہ آج میں نے آپ کو ایک مقصد سے دعوت دی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ ضعیفی کی وجہ سے میرے اعضاء کمزور ہو چکے ہیں اور مجھے نہیں معلوم کہ اب میں اجتہاد اور فتویٰ دینے کے قابل رہا ہوں یا نہیں تو میں یہ چاہتا تھا کہ آپ لوگوں سے گفتگو کروں کہ آپ ملاحظہ کریں کہ آیا استنباطی صلاحیت میرے اندر باقی رہی ہے یا نہیں۔ اس وقت آقا سید محمد نے عرض کی کہ جتنا ملکہ استنباط آپ میں موجود ہے اس لحاظ سے مجھ

میں اور میرے جیسے اوروں میں تو پھر یہ صلاحیت گویا ہے ہی نہیں۔

موصوف کا وجود حجۃ الاسلام میرزائی قمی اور آقا سید محمد کی ترقی کا باعث ہوا۔ آقا سید محمد سے پوچھا گیا کہ آقا سید محمد باقر مجتہد ہیں یا نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ان کی شان اس سے کہیں بالاتر ہے کہ میں ان کے مجتہد ہونے کی تصدیق کروں بلکہ یہ سوال تو ان سے کرنا چاہئے کہ آقا سید مجتہد ہیں یا نہیں۔ اور مرحوم ولدِ مؤلف اور آقا سید محمد میں بڑی دوستی اور محبت تھی۔ میرے مرحوم والد کہا کرتے تھے کہ بعض اوقات میں خدمت سید میں پہنچتا اور فقراء آجاتے اور ہم سے کچھ مانگتے تو میں چونکہ ذرا زیادہ طاقتور تھا تو میں ایک ہاتھ سے ان کے (سید کے) ہاتھ پکڑ لیتا اور دوسرے ہاتھ سے ان کی جیب سے رقم نکال کر فقراء کے حوالے کر دیتا۔

ایک دفعہ اصفہان میں مجھے ایک کتاب ہاتھ لگی جو فروخت کی جارہی تھی اور اس کی پشت پر وقف لکھا ہوا تھا میں نے آقا سید محمد سے سوال کیا تو انہوں نے کہا تمہارے لئے اس کا خریدنا جائز ہے کیونکہ اس تحریر کا اعتبار نہیں ہے اور یہ کتاب 'تفسیر منہج الصادقین' کی پانچویں جلد تھی اور یہ اس تفسیر کی آخری جلد ہے اور جہاں اس پر وقف لکھا ہوا تھا اسی کے پہلو میں والد نے یہ قصہ تحریر کیا۔

اور ان بزرگوار کی بہت سے تالیفات ہیں جو جامع العبائر (تمام عبارتوں کی جامع) ہیں کہ ہر بحث کے متعلق جتنے فقہا کی کتابوں کی عبارتیں ہیں سب بعینہ نقل کی ہیں تاکہ اگر کوئی حالت سفر میں ہو تو بھی مکمل معلومات اس کو بہم پہنچ جائیں اور دوسری کتابوں کی احتیاج نہ رہے۔ اس کی ایک جلد جس میں غسل جنابت کی بحث ہے میرے پاس ہے اور غسل کی بحث کو ستر سے زیادہ کتابوں سے اکھٹا کر کے لکھا ہے۔ کتاب 'مفاتیح الاصول' علم اصول کے موضوع پر ہے جو چالیس ہزار یا اس سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اور فقہ میں کتاب 'مناہل' جو بہت ہی بہترین کتاب ہے بیس ہزار یا اس سے زیادہ اشعار پر مبنی ہے۔ اور یہ دلائل واقوال سے بھر پور کتاب ہے اور فقہ میں کتاب 'مصابیح' اور فقہ میں ہی کتاب اصلاح العمل جس میں فتاویٰ اور اس کے خلاف کا ذکر ہے اور اس میں مشہور غلطیوں کی جو زبان زد عام ہیں نشاندہی کی ہے جیسے کہتے ہیں کہ حسنینؑ کے گیسو تھے اور ایک دفعہ پیغمبرؐ نے آپ کے گیسو دھلوائے تھے یہ بات غلط ہے۔ حسنینؑ گیسو نہیں رکھتے تھے کیونکہ گیسو رکھنا مکروہ ہے اور امامؑ فعل مکروہ سے بری ہوتا ہے چاہے صغیر سن ہو یا کبیر اور قنازع پر تو اتفاق ہے کہ وہ مکروہ ہے اور قنازع یہ ہے کہ سر کے کچھ بال نہ تراشے جائیں اور کچھ گچھا چھوڑ دیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ پیغمبرؐ کے پاس ایک بچے کو لائے کہ اس کے لئے دعا فرمادیں اس بچے کے گیسو یا قنازع موجود تھے۔ پیغمبرؐ نے دعا نہیں کی اور فرمایا کہ جب تک یہ تراشے نہ جائیں گے میں دعا نہیں کروں گا۔ غرض یہ کہ بہت سی دلیلیں اس بارے میں لکھی گئی ہیں اور مشہور اغلاط میں سے ایک بات یہ ہے کہ علامہ حلی کے بیٹے فخر المحققین نے بعد وفات علامہ ان کو خواب میں دیکھا اور ان سے سوال کیا کہ بعد انتقال آپ کے ساتھ کیا ہوا تو علامہ نے جواب میں کہا: لولا' الا فین' وزیارة الحسین لاهلكتني' الفتاوی الفین' یہ ان کی ایک کتاب کا نام ہے جو امیر المؤمنینؑ کی خلافت بلافصل کے اثبات میں لکھی ہے اور اس کتاب میں دو ہزار دلائل پیش کیے ہیں۔ علامہ ہر شب جمعہ کربلا جایا کرتے اور زیارت امام حسینؑ کیا کرتے اور جواب میں جو عبارت لکھی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کتاب الفین کی تالیف اور زیارت امام حسینؑ نہ کی ہوتی تو یقیناً میرے فتاویٰ مجھے ہلاک کر دیتے۔ مرحوم آقا سید محمد لکھتے ہیں کہ یہ حکایت مجعول (گڑھی ہوئی) ہے کیونکہ اس زمانہ کی سخت پابندیوں کی وجہ سے مجبوراً استنباط احکام ظن سے کیا جاتا تھا اور اس کے سوا چارہ نہ تھا اور سب جانتے ہیں کہ ظن کبھی خطا اور کبھی درست ہوتا ہے تو آخر علامہ کے فتاویٰ ان کو کیوں ہلاک کر دیتے؟ لہٰذا اس داستان پر اتفاق نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام حسینؑ کربلا میں روز عاشورہ جب مشغول جہاد تھے تو ہاتف کی آواز آئی کہ اے حسینؑ اگر اسی قوت وشوکت کے ساتھ جنگ کرو گے تو تم کسی کو نہ چھوڑو گے اور ہماری ملاقات کا شرف نہ پاسکو گے تو آنجنابؑ نے اپنی تلوار میان میں رکھ لی اور گھوڑے کی پشت سے زمین پر آگئے اور یہ بات غلط ہے کیونکہ وہ اپنی قوت بشری سے جنگ کر رہے تھے اور آیہ جاهد والكفار کے مضمون کو نگاہ میں رکھتے ہوئے نص آیت کی بنیاد پر مقدور بھر جنگ کرنا ہی چاہیے تھی۔ مؤلف کہتا ہے کہ میں نے کتاب 'مشکلات العلوم' کی چوتھی جلد میں مشہور اغلاط کے بارے میں ایک بحث کی ہے اور بے شک امامؑ کی جنگ روز عاشورہ باعتبار قوت بشریہ ہی تھی نہ کہ بقوت امامیہ اور کفار کے مارنے کے ارادہ پر ہی ان بدکاروں کی ارواح بے اختیار بدنوں سے نکل

کر جہنم رسید ہو جاتی تھیں اور اگر کوئی یہ سوچے کہ یہ سارے مقتول اتنی تعداد میں قوت بشری سے کیوں کر ہو گئے جبکہ کہتے ہیں کہ دس ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے اور ایک ہزار نو سو پچاس کو پچھاڑ کر زمین پر گرایا اور ایک ہی حملہ میں نہر فرات سے لیکر خیمہ گاہ تک پانچ سو افراد کو حوالۂ دوزخ کیا جبکہ پیاس کا غلبہ تھا اور دوستوں اور اصحاب کے صدمے اٹھائے ہوئے تھے اور یہ کہ اتنی قلیل مدت میں ایسی جنگ قوت بشری سے باہر ہے تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ ہر ایک کی شجاعت اسکی اپنی ذات کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ انبیاءؑ واوصیاء کی ذریت کی صفات وشان ہر لحاظ سے دیگر انسانوں سے ممتاز ہوتی ہے اور یہ خصوصیت ہر ایک میں ہوتی ہے نہ کہ صرف امامؑ میں، اس لئے امامؑ کی قوت بشری بھی باقی لوگوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ اور یہ بات صرف شجاعت کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ دوسری تمام صفات میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ تو تہور (بیجا اظہار شجاعت) ہے نہ کہ شجاعت تو ہم یہ جواب دیں گے کہ سب ہی کے ساتھ یہ بات ہوتی ہے صرف امامؑ کے ساتھ ہی نہیں۔ اور ہم نے اس موضوع کو تفصیل سے اپنی کتاب 'اکلیل المصائب' میں مکمل وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور ایسا ہی کچھ دوسری تالیفات میں کیا ہے۔

اور چونکہ آپ گہرے مطالعہ کے عادی تھے لہٰذا آپ کی تالیفات فقہاء کے اقوال وعبارات سے پر ہوتی ہیں حالانکہ آپ نے خود بھی بہت تحقیقات کی ہیں۔ اور آقا سید محمد شفیع بروجردی نے لکھا ہے کہ انہوں نے ان کو یہ کہتے سنا کہ میری مؤلفات تقریباً تین لاکھ یا ان سے بھی زیادہ اشعار پر مشتمل ہیں۔ مؤلف کتاب کہتا ہے کہ مجھ فقیر کی تالیفات کے اشعار اس سے کہیں زیادہ ہیں بلکہ دو کروڑ تک ہیں۔ مرحوم حاجی ملاّ محمد صالح برغانی جو آقا سید محمد کے شاگرد تھے کہتے تھے متاخرین میں سے کسی نے میرے استاد آقا سید محمد سے زیادہ تالیف نہیں کیا اور ایک شبانہ روز میں چھ تالیف کر لیتے تھے۔ اور جیسا کہ کہتے ہیں کہ مرحوم آقا سید محمد کی والدہ جو آقا باقر بہبہانی کی دختر تھیں اور عالمہ اور فقیہ تھیں اور کہتے ہیں کہ مرحوم آقا سید علی ریاض کے آخری مباحثِ حیض میں جب وہ دشواری محسوس کر رہے تھے تو آقا سید محمد کی والدہ نے اس مبحث ریاض کی تالیف میں ان کی اعانت کی اور یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کیونکہ شہید اول کی دو بیٹیاں عالمہ تھیں اور قدرتِ استنباط رکھتی تھیں اور شہید نے یہ حکم دیا تھا کہ خواتین ان کی تقلید کریں اور ان کو اجازہ دیا ہوا تھا جیسے کہ والدہ ابن ادریس اور والدہ سید رضی الدین بن طاؤس جو شیخ مسعود بن ورام ابن ابی فراس مالکی اشتری کی دختران تھیں جو عالمہ تھیں اور اجازہ یافتہ تھیں۔ اور شیخ طوسی کی بیٹی کی نواسیوں، پوتیوں میں تھیں اور عام خواتین میں سے بھی بہت سی اجازہ یافتہ ہوئی ہیں جیسا کہ شہید ثانی نے شرح درایہ میں ان کے نام تحریر کیے ہیں۔

اور جب وہابیوں کے جہنمی باغی گروہ نے کربلا میں بے اندازہ لوٹ مار مچائی، تابوت مطہر کے ٹکڑے کر دیئے، قبر مطہر کے اوپر قہوہ پکایا اور آپکی قبر کو شگافتہ کیا تو دیکھا کہ آپ کا پارہ پارہ جسد مبارک ایک بوریئے پر رکھا ہوا ہے اچانک طوفانی ہوائیں چلنے لگیں اور وہابی بھاگ نکلے۔ تو خدام مرقد نے اس تابوت کے ٹکڑوں کو جو صندل سفید کے تھے تسبیح کی شکل میں ڈھال دیا اور ایرانیوں کے پاس لیکر آئے۔ اس کے چند دانے والد صاحب کو بھی ملے اور وہ چند دانے میرے پاس ہیں امید ہے کہ وہ میرے کفن میں رکھے جائیں گے کہ ان کی وجہ سے جہنم سے نجات پا جاؤں کیونکہ اس تابوت سے انبیاءؑ نے مسح کیا، ائمہؑ نے اس کو چوما اور ملائکہؑ نے اس پر اپنے پروں کا سایہ کیا۔

غرض یہ کہ وہابیوں کا کام تمام ہونے کے بعد آقا سید محمد اصفہان آ گئے اور تیرہ (۱۳) سال تک اس شہر میں رہ کر تدریس کرتے رہے۔ بہت خوش بیان انسان تھے اور گھمبیر مطالب کو بھی اس طرح سے واضح کرتے تھے کہ نو آموز او آزمودہ کار ہر دو با آسانی سمجھ جاتے تھے۔

آپ کے درس میں علماء شریک ہوتے ان میں سے ایک اخوند ملاّ علی نوری تھے جو حکمت مشاء جانتے تھے اور خود حکمتِ مشاء کا درس دیتے تھے وہ بھی آقا سید محمد کے درس میں آتے اور انہوں نے ان کے حکم سے ایک کتاب اصول میں 'نخبہ' نامی لکھی، اسکی پہلی جلد میرے والد ماجد کے ہاتھ کی تحریر میں میرے پاس ہے لیکن میں نے اس میں کوئی تصرف نہیں کیا ہے۔ آخوند ملاّ محمد علی نے کتاب شوارق پر بڑے کار آمد حاشیئے لکھے اور 'شرح لمعہ' اور 'مطول' پر بھی بڑے مفید حاشیے رقم کیے ہیں۔ ہر دس سال میں ایک مرتبہ شرح لمعہ کا درس مکمل کرتے ان کے حواشی بڑے فاضلانہ انداز میں لکھے گئے ہیں اور اس میں فقہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ میرے والد ماجد شرح لمعہ ان کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ حافظہ بہت کمزور تھا۔ اگر کسی بھی کتاب کی عبارت ان کو دیدیتے تو

اس کا بڑا مطالعہ کرتے پھر بڑی تحقیق کے ساتھ اس کو بیان کرتے۔ مرحوم آقا سید محمد والد کی وفات کے بعد کربلا چلے گئے اور مسلمانوں اور اسلامی شہروں کی رہبری ان کو حاصل ہوئی۔ اس وقت کے بادشاہ مرحوم فتح علی شاہ ان سے بڑا اخلاص رکھتے تھے اور ہر بات میں ان کی اطاعت بجالاتے تھے ان ہی کے حکم سے سلطان نے لشکر جمع کیا اور سلطان رُوس کے ساتھ جہاد پر آمادہ ہوئے کیونکہ حکومت رُوس نے مسلمان شہروں جیسے دربند، قفقاز، گنجہ، شیروان وغیرہ پر قبضہ کرلیا تھا تو مسلمانوں نے آقا سید محمد سے فریاد کی کفار ہمارے شہروں پر قابض ہو کر ہمیں یہ حکم دے رہے ہیں کہ اپنے بچوں کو ان کے معلمین کے پاس بھیجیں تاکہ وہ ان کو اپنا دین اور اپنے طور طریقے سکھائیں اور وہ قران و مساجد اور تمام شعائر اسلام کی بے توقیری کر رہے ہیں تو آپ نے حکم جہاد نافذ کر دیا اور خود بنفس نفیس علمائے دین اور طلاب کے ساتھ اس سمت روانہ ہوئے لیکن مسلمانوں نے کوتاہی کی اور روس سے مغلوب ہو گئے تو آپ قزوین چلے گئے۔ اس واقعہ کے بعد منافقین کی زبانیں کھل گئیں، ضعیف مسلمانوں کے اعتقادات ہل کر رہ گئے اور سلطان کا احترام ختم ہو گیا چنانچہ آنجناب کو وہی حزن واندوہ ہوا جیسا ان کے آباؤ اجداد کو ہوتا تھا اور اس میں بیمار پڑ گئے اور اسی سفر میں وفات پا گئے۔ آپ کا جسد مطہر کربلا لایا گیا اور وہاں ان کو مشہور قبہ میں مدفون کیا گیا۔ خدا ان سے راضی ہو اور آبائے معصومینؑ کے ساتھ محشور فرمائے۔

وہ اپنے والد اور بحر العلوم اور شیخ جعفر سے اجازہ پائے ہوئے تھے۔ ان کے فتووں میں سے ایک فتویٰ یہ تھا کہ بیابان وصحرا میں جس کسی کو کوئی چیز ملے وہ پانے والے کا مال ہے چاہے اس کا مالک معلوم ہو۔ جب مرحوم آقا سید محمد سفر جہاد میں تھے تو ان کا پاس ایک چاندی کا حقہ تھا وہ کسی منزل پر بھول گئے۔ ان کے جانے کے بعد کسی کو وہ نظر آیا اور پہچان لیا کہ یہ آقا سید محمد کی چیز ہے تو اسے اٹھالیا اور راستہ میں کسی منزل پر ان بزرگوار کی خدمت میں پیش کیا آپ نے قبول نہ فرمایا کہ جب تمہیں ملا ہے تو اب سے تمہارا مال ہے میرا نہیں ہے۔

حاجی ملا احمد نراقی

حاجی ملا احمد بن محمد مہدی نراقی کاشانی سرزمین ایران کے مشہور علماء اور اسلامی علاقوں کے معروف عالموں میں سے تھے۔ تحقیق وتدقیق وذکاوت میں وقت کے بے مثل افراد میں سے تھے۔ نہایت ذہین وفطین اور شعری ذوق کے مالک تھے۔ جب ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تو ان کے شاگردوں نے موصوف کو ان کا جانشین قرار دیا لیکن اس وقت وہ علمی لحاظ سے اتنے مضبوط نہیں تھے 'مطول' اور 'معالم' کا درس دیتے تھے پھر عتبات چلے گئے اور بحر العلوم آقا سید علی اور آقا باقر کے شاگردوں سے تحصیل علم کی۔ حاجی سید محمد شفیع بروجردی بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ میں اپنے والد آخوند ملا مہدی کے ساتھ آقا باقر کی مجلس درس میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ اصلاً نراقی تھے لیکن سکونت کاشان میں اختیار کی تھی۔ ان کی تالیف شدہ کتابیں بہت ہیں۔ کتاب 'مناھج الاصول' دو جلدوں میں۔ اور علم اصول میں بڑی چھان بین سے لکھی ہوئی ایک کتاب اور ان کے والد کی کتاب 'تجرید الاصول' کی شرح چھ جلدوں میں، اور کتاب 'عین الاصول' اور کتاب 'مفتاح الاصول' اور علم اخلاق میں کتاب 'معراج السعادۃ'۔ اس کتاب کی اصل ان کے والد نے لکھی لیکن سلطان عصر کی خواہش پر حاجی نے اس کو فارسی میں ترجمہ کیا۔ حقیقتاً علم اخلاق میں جامع وکامل کتاب ہے۔ اور ایک نصرانی پادری کے شبہات کو رد کرنے کے لئے کتاب 'سیف الامہ' لکھی۔ اس پادری نے دین اسلام میں شبہات ظاہر کیے اور ان کو ایران لیکر آیا۔ پادری اپنا لباس تبدیل کر کے چند سال تک آخوند ملا علی نوری کے درس میں شریک ہوتا رہا اور پھر اپنے شبہات کا اظہار کیا۔ کئی علماء نے اس کے شبہات کے جوابات لکھے ان جوابات میں سے تین جواب بڑے عمدہ اور باریک بینی پر مشتمل ہیں۔ ایک حاجی ملا رضا ہمدانی کی کتاب موسوم بہ 'مفتاح النبوۃ'۔ جس میں ایمان عقل کے ثبوت کے لئے گذشتہ انبیاءؑ کی کتب کو اکھٹا کیا ہے۔

دوسری کتاب آخوند ملا علی نوری کی جس کا نام 'حجۃ الاسلام' ہے اس کتاب میں عقلی قواعد کی رو سے رفع شبہات کیا ہے اور حضرت خاتم الانبیاء کی

حقیقت کا اثبات کیا ہے۔ آپ نے چھ ماہ تک درس کو معطل رکھا اور پادری کے شبہات کی وضاحت میں لگے رہے۔ یہ کتاب فصیح و بلیغ، مقفّیٰ و مسجّع عبارت میں ماہرانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ اور بلاشبہ بلاغت کے لحاظ سے فارسی میں ایسی ہے جیسے قرآن عربی میں، اس تشبیہ پر میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔

اور تیسری کتاب حاجی ملا احمد نراقی کی جو 'سیف الامہ' کے نام سے موسوم ہے۔ حاجی نے دس افراد علمائے یہود کے بلوائے اور ملا کے کتاب خانہ سے انہوں نے بہت سی کتابیں توریت اور ایسی ہی دوسری چیزیں جمع کیں۔ پھر ایک زمانہ تک یہودیوں سے گفتگو ہوتی رہی اور اسی بحث پر مبنی یہ کتاب لکھی۔ اس میں پرانے انبیاءؑ کی کتابوں کے فقرے بھی مفصل لکھے ہیں اور باطل ادیان کی سرکوبی کے لئے یہ تینوں کتابیں بے نظیر ہیں۔ فقہ کے تمام قواعد پر کتاب 'عوائد الایام' لکھی میں نے اس کتاب پر بہت سے حاشیے لکھے ہیں اور بے شمار نکات کی وضاحت کی ہے۔ ایک کتاب مثنوی پر جس کا نام 'طاقدیس' ہے اور ملا رومی کی مثنوی کی طرز پر ہے، حکایت اور تمثیلات کے اعتبار سے بہت خوب ہے۔ ایک کتاب 'مستند الشیعہ' ہے فقہ کے چند موضوعات کو استدلالی انداز میں بہت خوبی سے لکھا ہے اور بڑی تحقیقات کی ہے خالص اصولی کتاب ہے لیکن غالباً اصحاب میں خلاف مشہور چیزوں کو تقویت دیدی ہے۔ جیسے انگور کے رس کو دو تہائی ہونے سے پہلے، جوش آنے کے بعد پاک مانتے ہیں اور مغرب کا وقت وہ قرار دیتے ہیں کہ سورج ڈھل گیا ہو اور مشرق کی سمت سرخی ختم ہوگئی ہو جیسا کہ ابو حنیفہ کے مذہب میں ہے۔

کہتے ہیں کہ جب حاجی مذکورہ نے ظالم حاکم کو کاشان سے نکال باہر کیا اور کئی بار یونہی ہوا تو سلطان نے حاجی کو کاشان سے طلب کیا اور دربار میں بلا کر غصہ کا اظہار کیا کہ تم ہمارے نظام حکومت میں خلل انداز ہوتے ہو اور خود ہی حاکم کو معزول کر دیتے ہو اور سلطان اس قدر جلال میں آیا کہ حاجی ملا احمد نے آستین چڑھالیں اور دونوں ہاتھ آسمان کی جانب بلند کر دیئے۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور عرض کی کہ بارالٰہا اس ظالم بادشاہ نے ایک ظالم حاکم لوگوں پر مسلط کر دیا اور میں نے اس کے ستم کو دور کر دیا تو یہ ظالم اب مجھ پر بگڑ رہا ہے۔ اب چاہتے ہی تھے کہ اس پر نفرین کریں فتح علی شاہ یکدم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور حاجی کے ہاتھ پکڑ لیے اور نیچے کر دیئے پھر بڑا عذر و معذرت کیا اور حاجی کو اپنے سے راضی کیا اور پھر ان کی مرضی کا حاکم کاشان میں مقرر کیا۔

کہتے ہیں کہ حاجی ملا احمد کا ایک فرزند تھا جسے بہت چاہتے تھے وہ ایسا بیمار پڑا کہ حاجی اسکی طرف سے مایوس ہوگئے اور بے اختیار دیوانہ وار گھر سے نکل پڑے۔ کاشان کی گلیوں میں چلے جا رہے تھے کہ اچانک ایک درویش رونما ہوا اور حاجی کو سلام کیا اور پوچھنے لگا کہ کیوں پریشان ہو۔ حاجی نے فرمایا کہ میرا بیٹا بیمار ہے اور اس کی زندگی سے مایوس ہو چکا ہوں۔ درویش نے کہا: یہ تو بڑی آسان بات ہے۔ اس نے اپنا نوکدار عصا زمین پر گاڑا اور بغیر قراءت اور شرائط کا لحاظ کیے سورہ حمد پڑھی اور ایک پھونک ماری اور کہا: حاجی تم جاؤ تمہارے بیٹے کو شفا مل گئی ہے۔ حاجی کو تعجب ہوا لیکن یہ سمجھ کر کہ شاید حقیقت ہو گھر کی طرف لوٹے۔ دیکھا کہ بچے کو پسینہ آیا ہوا ہے اور وہ صحت پا چکا ہے۔ حاجی حیرت زدہ رہ گئے اور درویش کو دیکھنے کے لئے کسی کو بھیجا۔ کاشان کا چپہ چپہ چھان ڈالا لیکن درویش کا پتہ نہ لگا سات، آٹھ مہینے بعد حاجی نے پھر ایک دن کسی گلی میں درویش کو دیکھا تو اس سے کہا کہ اے درویش تم نے راہ طریقت تو اختیار کر لی اور صاحب نفس بھی ہو گئے لیکن اس دن تم نے سورہ حمد کی اچھی تلاوت نہ کی اور تمہاری قراءت صحیح نہ تھی۔ تمہیں چاہیئے کہ احکام شرعی کی تعلیم حاصل کرو۔ درویش نے کہا تمہیں ہمارا حمد کا پڑھنا پسند نہیں آیا تو میں اب پھر پڑھتا ہوں پھر اسی طرح عصا کو زمین پر نصب کیا اور پھر سورہ حمد پڑھی پھونک ماری اور حاجی سے کہا: اب تم جاؤ۔ حاجی گھر آئے تو وہی بچہ بیمار ہو چکا تھا اور آخر اسی مرض میں اس نے وفات پائی۔

حاجی ملا احمد کا ایک بیٹا حاجی ملا محمد تھا اور وہ فقہا سے تھا ایک دفعہ شاہ محمد شاہ کو کوئی مرض لاحق ہوا۔ حاجی ملا محمد نے کاشان سے شاہ کی مزاج پرسی کے لئے خط لکھا۔ اس کے جواب میں بادشاہ نے لکھا کہ اب وہ عارضہ دور ہو گیا ہے اور صحت حاصل ہو گئی ہے۔ اس خط کے جواب میں حاجی ملا محمد نے تحریر کیا کہ اب جب سلطان صحت مند ہو گئے ہیں اور صحت و تندرستی بہترین نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے تو آپ کو چاہیئے کہ اس آیت کے حکم کے مطابق کہ **واما بنعمة ربک فحدث** آپ ممالک اسلامی میں خیر و خیرات کریں۔ تو سلطان نے اس کا جواب یہ لکھا کہ یہ آیت اس حدیث سے معارض ہے کہ **استر ذھبک وذھابک ومذھبک** "اپنا مال و دولت چھپاؤ اپنی سرگرمیاں پوشیدہ رکھو اور اپنا مذہب آشکار نہ کرو" تو اس تعارض (ٹکراؤ) کو کس طرح دور کیا

جائے گا۔ تو حاجی محمد نے تیسری بار ان کو خط لکھا کہ آیۂ شریفہ میں نعمت مفرد مضاف ہے اس سے عمومیت ظاہر ہوتی ہے اور حدیث شریف استر نعمک خاص ہے اور جب عام و خاص آپس میں ٹکرار ہے ہوں تو عام کو خاص سمجھنا چاہیئے کہ نعمت سے مراد ذھاب و مذھب کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ جب محمد شاہ نے یہ جواب پڑھا تو اسے بڑا اچھا لگا اور پسند آیا اور اس نے حاجی محمد کے لئے عبا و عصا بطور خلعت بھیجا اور اظہار محبت کیا۔

ایک دفعہ جب سلطان کا معین شدہ حاکم کاشان آیا تو وہ حاکم حاجی کو شکلاً نہیں پہچانتا تھا۔ اس کے آنے کے بعد ملاقات سے پہلے ہی شور برپا ہو گیا اور حاجی اور حاکم میں ناراضگی ہو گئی۔ حاجی پر پہلے ہی اس بات کا اتہام تھا کہ حکومتی کاموں میں دخل اندازی کرتے ہیں کچھ عرصہ یونہی چلتا رہا۔ ایک دن حاجی عبا زیب تن کر کے عصا ہاتھ میں لیکر حاکم کے دفتر میں پہنچ گئے اور اس کی مجلس میں آ گئے۔ حاکم اس وقت اپنے مقابل کے ساتھ شطرنج بازی اور جوئے میں مصروف تھا۔ اور اہل کاشان میں سے کوئی اس کی محفل میں موجود نہ تھا۔ حاجی تشریف لائے اور سلام کیا۔ حاکم کے تیوری پر ایسی محفل میں کسی عام آدمی کے یوں آ جانے پر بل پڑ گئے۔ حاجی دروازے کے چوکھٹ پر ہی بیٹھ گئے۔ حاکم کی طرف سے یہی سلام و تعظیم تھا۔ پھر قمار بازی میں لگ گیا اس دوران مد مقابل سے حاکم کا نزاع ہو گیا کیونکہ ہر ایک یہ کہہ رہا ہے کہ میں غالب ہوں۔ حاجی مذکور نے علم شطرنج کے قانون کے مطابق قاعدہ بتاتے ہوئے فیصلہ کر دیا۔ حاکم بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا آخوند اب مجھے پتہ چلا کہ تم خشک انسان نہیں ہو اور اس علم سے بخوبی واقف ہو اس طرح بات چیت شروع ہوئی۔ اچانک ایک کاشانی شخص دروازے سے داخل ہوا اور دیکھا کہ حاجی جوتیوں کی جگہ پر بیٹھے ہیں۔ سمجھ گیا کہ حاکم نے ان کو پہچانا نہیں۔ اس نے اشارہ کنایہ سے کسی نہ کسی طرح حاکم کو آگاہ کیا کہ یہ حاجی ملا احمد ہیں۔ حاکم اپنے کام اور کردار پر بے حد شرمندہ ہوا فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر حاجی کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور ہاتھ پکڑ کر درمیان مجلس میں بٹھا دیا اور معذرت طلب کی اور یہی بات ان کی آپس کی ناراضگی کے دور ہونے کا سبب بنی۔

یہ مشہور ہے کہ حاجی ملا احمد نے زیادہ استادوں سے تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ درس کم پڑھا لیکن اپنی ذہانت و ذکاوت کی بناء پر ایسی تحقیقات کیں۔ خیر اللہ بہتر جانتا ہے اور علم شریعت کی آپکی مہارت عام مشہور ماہرین کی مانند نہیں ہے۔ انہوں نے اکثر ضعیف اقوال کو تقویت دیدی ہے جو احتیاط کے خلاف ہے جبکہ احکام کے سمجھنے میں فقہاء کی چھان بین سے فائدہ اٹھانا اچھا ہوتا ہے بلکہ احادیث ائمہؑ میں بھی امر متابعت دیا گیا ہے۔

آخوند ملا محمد مہدی نراقی

آخوند ملا محمد مہدی بن ابی ذر نراقی کاشانی، حاجی ملا احمد کے والد ماجد تھے اور اپنے ہم عصر علماء پر فضیلت و جامعیت رکھتے تھے۔ مشکل احکام اور الجھے ہوئے مسائل کو بخوبی سلجھاتے نیز انہوں نے علوم عقلیہ و نقلیہ و ریاضیہ میں بڑی تحقیقات کی ہیں۔ ملا محمد اسماعیل خاجوئی جو اصفہان کے محلوں میں سے ایک محلہ ہے سے تیس ۳۰ سال درس پایا اور دوسرے سارے علماء سے معقول و منقول علوم حاصل کیے۔ مؤسس بہبہانی آقا محمد باقرؒ سے بھی شرف شاگردی پایا۔ ریاضی، حساب، ہندسہ، ہیئت، علوم ادبی و معانی و بیان و تفسیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے وقت مالی لحاظ سے بالکل فقیر تھے۔ یہاں تک کہ اپنے لئے ایک چراغ بھی نہیں جلا سکتے تھے۔ اور بیت الخلاء میں جو دیا جلتا تھا اس سے فائدہ اٹھاتے اور اسکی روشنی میں مطالعہ کرتے اور اگر کوئی بیت الخلاء جانا چاہتا تو حاجی اس طرح کھنکھارتے کہ گویا ابھی بیت الخلاء میرے استعمال میں ہے تا کہ کوئی بے خبری میں آ نہ جائے کہ انہیں شرمساری کا سامنا ہو۔

اور جتنے بھی خطوط ان کے پیارے وطن سے آتے انہیں نہ کھولتے تھے نہ پڑھتے تھے کہ کہیں حواس پراگندہ نہ ہو جائیں اور سب کو اپنے بستر کے نیچے رکھ لیتے تھے۔ ان کے والد حکام کے ہاں نوکری کرتے تھے اور حکومت کا پست ترین عہدہ ان کو ملا تھا وہ نراق کے چپراسی تھے۔ جب ان کے والد مارے گئے اور لوگوں نے سارا حال ان کو تحریر کیا کہ آپ کے والد قتل کر دیئے گئے ہیں اور آپ کو آنا چاہیئے تو انہوں نے حسب عادت یہ خطوط بھی نہیں پڑھے۔ جب ادھر سے نا امیدی ہوئی تو لوگوں نے ان کے استاد آخوند ملا اسماعیل کو لکھا کہ ملا مہدی کے والد نے وفات پائی اور ان کو اس موقع پر آنا چاہیئے تو آپ ان کو

اپنے شہر روانہ کردیں۔ اخوند ملا مہدی درس کے وقت اپنے استاد آخوند ملا اسماعیل خاجوئی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ استاد کچھ متفکر، غمزدہ اور محزون ہیں اور بڑی پریشانی کا اظہار کررہے ہیں۔ ملا مہدی نے اپنے استاد سے پڑھانے کا تقاضا کیا تو استاد نے کہا کہ تم فوراً نراق جاؤ تمہارے والد مریض ہیں یا زخمی ہیں۔ اخوند ملاً نے کہا خدا ان کی حفاظت فرمائے آپ درس شروع کیجیے۔ اس پر استاد نے مزید وضاحت کی کہ تمہارے والد کا انتقال ہوگیا انہیں قتل کیا گیا ہے لیکن آخوند ملاً پھر درس کا اصرار کرنے لگے۔ آخر کو ان کے استاد نے حکم دیا کہ تم وطن کی طرف جاؤ تو وہ نراق آئے اور صرف تین روز ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ علوم نقلی اور عقلی کی تحصیل کا بے پناہ شوق تھا۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد کاشان میں سکونت اختیار کی۔ کاشان میں علماء کا نام نہ تھا آپ کے وجود کی برکت سے سارا کاشان علماء وفضلاء سے بھر گیا اور ہر طرح کے عالم، فاضل، باکمال لوگ ہر طرف سے آنے لگے اور ان کے بہت سے شاگرد پیدا ہوئے۔ معقول ومنقول میں ان کی جید تالیفات ہیں جیسے فارسی اصول دین پر ایک رسالہ جو بڑے دلائل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ فقہ میں کتاب 'کوامع'، 'انیس' اور 'معتمد'، اور اصول میں 'تجرید' اور 'مشکلات علوم' تین جلدوں میں اور کتاب 'محرق القلوب در مصائب اہلبیت' اور بلیغ خطبے اور فصیح قصیدے اور مراثی ہیں لیکن ان کتابوں کی احادیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں جھوٹی اور خیالی احادیث ہیں اور میں نے اس کتاب پر حواشی لکھے ہیں جیسے انہوں نے لکھا کہ حضرت امام حسنؑ کو پانی میں زہر دے کر شہید کیا گیا۔ اور یہ بات غلط مشہور ہے کیونکہ احادیث میں یہ کہیں نہیں ملتا اور احادیث میں جو ملتا ہے وہ یہ ہے کہ دودھ میں زہر ملایا گیا تھا اور وہ انہوں نے نوش کر لیا تھا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ کھانے میں زہر ڈالا گیا تھا اور وہ انہوں نے استعمال کر لیا تھا۔ افسوس اس بات پر ہے کہ ایسا فاضل انسان اور ایسی احادیث اپنی کتاب میں لکھ ڈالے۔ اور ملا آقا دربندی کی کتاب بعض مقامات پر 'محرق القلوب' کی تابع ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اس قسم کی چشم پوشی سنت کی دلیلوں میں برتی جاسکتی ہے کیونکہ دلیل میں چشم پوشی مستحب ہے مثلاً یہ حدیث ملے کہ امام حسین علیہ السلام پر رونا باعث ثواب ہے اور یہ حدیث ضعیف بھی ہو تو بھی اس حدیث سے تسامح (چشم پوشی) جائز ہے نہ کہ ان واقعات، احادیث اور روایات میں صرف نظر کیا جائے جو کہ کربلا میں رونما ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ضعیف احادیث کے بیان سے ہی سیرت چلتی ہے جو منبروں سے بیان کی جاتی ہیں تو ہمارا جواب یہ ہے کہ سیرت تو وہ ہے جو معصومؑ کی رضا سے ہو اور اس طرح کی ہو کہ معصومؑ کے زمانے میں ویسا ہی ہوگا، تو یہ ممنوع ہے اور سیرت کا ظاہری طور پر کوئی فائدہ نہیں ہے۔ معصومؑ نے اس طریقہ سے روکا ہے اور یہ معین کردیا ہے کہ کس قسم کی روایات پر عمل درآمد کرنا چاہیے چنانچہ یہ مشہور ہے کہ ضعیف اور مرسل روایات پر عمل نہیں کرتے تھے اور جو بھی ضعیف یا مرسل روایت پیش کرتا تھا اس کو قم سے باہر نکال دیتے تھے لہٰذا قم کے لوگوں کا اعتماد ثقہ لوگوں پر ہے اور صدوق علیہ الرحمہ کی رضامندی بھی علامات توثیق سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم ابراہیم بن ہاشم کی روایات کو جو متقدمین میں سے ہیں صحیح مانتے ہیں اور ان کو حسن کی قسم شمار کرتے ہیں کیونکہ اہل قم کو ان پر اعتماد ہے اور ان کے بیٹے علی کو ان پر اعتماد اور یہ علی استاد اور شیخ ہیں کلینی کے اور وہ مشائخ اجازہ میں سے ہیں۔

آقا محمد علی مازندرانی

آقا محمد علی ابن آقا محمد باقر الہزار جریبی جن کے والد نجف میں سکونت پذیر تھے اور مشہور فقہا میں سے تھے۔ 'اشارات' کی جلد دوم میں حاجی نے آقا محمد باقر کو مشائخ اجازہ میں سے مانا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے ان سے ملاقات کی لیکن وہ اس قدر سن رسیدہ ہو چکے تھے کہ اس قابل نہ تھے کہ کوئی ان سے مستفیض ہو سکے۔ آقا محمد علی اصفہان میں رہتے تھے اور وہاں کے مشہور فقہا میں شمار ہوتے تھے۔

شیخ جعفر نجفی کے عالم فاضل شاگردوں میں سے تھے اور شیخ کی بیٹی ان کے عقد میں تھیں۔ بڑی باریک بینی اور متانت سے فقہی مسائل حل کرتے اور فروعی تشریحات میں تو انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ انہوں نے شرح لمعہ پر تعلیقہ لکھا جس کی تین جلدیں میرے پاس ہیں کہ پہلی شرح لمعہ کی جلد اول ہے اور آخر تک اس پر حاشیہ ہے اور دوسری جلد پر بھی کچھ حاشیہ ہے ان کی فقاہت اور فقہ پر تسلط شک سے بالاتر ہے۔ دنیا سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ جب شیخ جعفر نجفی

اصفہان میں آئے ایک دن آقا محمد علی اور حاجی محمد ابراہیم ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ مرحوم حاجی سید محمد باقر کی ملاقات ہوگئی تو شیخ سید پر ناراض ہوئے کہ آقا محمد علی فاضل وفقیہ انسان ہیں تو آپ اور حاجی ابراہیم ان کی کیوں پروانہیں کرتے اور ان کی شہرت نہیں کرتے یہ آپ لوگوں کی کوتاہی ہے تو حاجی نے ان سے معذرت کی لیکن حاجی دل سے ان کی طرف مائل نہیں تھے اور انہیں مجتہد تسلیم نہیں کرتے تھے۔

ان کی زوجہ جو شیخ کی صاحبزادی تھیں انتقال کر گئیں تو انہوں نے میرزا محمد باقر نواب کی بیٹی سے عقد کیا۔ میرزا محمد باقر نواب اصفہان کے رہنے والے تھے حکمت اور نجوم کے ماہر تھے اور تفسیر میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ انہوں نے جعفر خان زند کی قسمت کا زائچہ بنایا تو دیکھا کہ فلاں وقت کریم خان وفات پائے گا اور جعفر خان بادشاہ بن جائے گا تو انہوں نے جعفر خان کو یہ اطلاع دی اور جب واقعات اسی طرح رونما ہوئے تو جعفر خان نے میرزا کو اپنا وزیر بنالیا اس کے بعد میرزا نے اصفہان کو اپنا وطن بنالیا۔ جعفر خان کے دور حکومت میں میرزا مذکور نے ملا علی نوری کو بڑی شہرت عطا کی کہ ان کے توسط سے سلطان کی جانب سے مُلا علی کو توجہات حاصل رہیں۔

مختصر یہ کہ میرزا محمد باقر اصفہان میں علم معقول کی تدریس کرتے اور صاحب تعظیم وتکریم تھے، مجالس میں آخوند ملا علی نوری کو اپنے سے مقدم رکھتے اور بہت احترام سے پیش آتے۔ فتح علی شاہ کی خواہش پر میرزا نے تفسیر بھی لکھی۔ ان کو سلسل البول کا مرض لاحق تھا۔

آقا محمد علی کی یہ طبیعی بد خلقی تھی کہ میرزا مذکور کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد رذیل حاکم کے کہنے پر بال بچوں کے ساتھ اس کے ہاں چلے گئے لیکن پھر اس سے بھی حالات سازگار نہ رہے تو اصفہان واپس آ گئے۔ میرزا محمد باقر آقا محمد علی سے ناراض ہوئے اور اعتراض کیا کہ کیا تم نے حدیث میں یہ نہیں پڑھا کہ جب تک دنیا میں ہو دنیا والوں پر اعتماد نہ کرو۔ آقا محمد علی کا فقہ پر عبور شرح لمعہ کے حاشیہ سے واضح ہے۔ بڑے عابد وزاہد وپرہیز گار انسان تھے اور فقر وفاقہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔

اس زمانہ میں ان کو حسب مصلحت حاجی سید محمد باقر کی وجہ سے شہرت حاصل ہوگئی ورنہ اس زمانہ میں اصفہان بلکہ دوسرے شہروں میں بھی فضلاء کی کمی نہ تھی۔ جیسے حاجی شیخ محمد رفیع جیلانی فاضل شخص تھے، بحر العلوم کے شاگرد تھے، 'معالم' پر شرح لکھی تھی لیکن خود شہرت یافتہ نہ ہوئے۔ سید بھی ان کی طرف مائل نہ تھے اور حاجی شیخ محمد رفیع حجۃ الاسلام پر طنز کیا کرتے تھے۔ جیسے سید نے کہا کہ جس زمانے میں ہم بحر العلوم کی خدمت میں تعلیم حاصل کرتے تھے آقا سید محمد باقر نے بازار سے ایک خوشہ انگور خریدا اور جب میں ایک ہفتہ یا اس سے کچھ زیادہ وقت کے بعد ان کے گھر پہنچا تو انگور کا گچھا جوں کا توں رکھا ہوا تھا اور انہوں نے اس میں سے ایک دانہ بھی تناول نہ کیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ انگور آپ نے کھائے کیوں نہیں؟ تو کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے نفس کے خلاف کام کروں لیکن اب ڈھیروں مال دنیا ان کے قبضہ میں ہے اور روز افزوں اس میں زیادتی ہو رہی لیکن اب وہ خلاف نفس کام کیوں نہیں کرتے۔ ایک اور فاضل حاجی ملا محمد جعفر جو عالم اور پرہیز گار تھے اور آقا سید محمد وحاجی محمد ابراہیم کلباسی اور حجۃ الاسلام کے شاگرد تھے بڑے شوخ تھے اور انہوں نے ہر علم کی ایک ایک کتاب حفظ کی ہوئی تھی جیسے نحو میں 'الفیہ'، اصول میں 'زبدہ'، طب میں قانون کی ایک چھوٹی کتاب، فصاحت میں مختصر تلخیص، منطق میں 'تہذیب'، علم کلام میں 'تجرید'، فقہ میں 'مختصر نافع'۔

ایک اور عالم آقا صدر الدین اصفہانی تھے جو جبل عامل کے رہنے والے تھے اور شیخ جعفر کے شاگرد تھے اور انہی کی بیٹی آپ کی زوجہ تھیں فقہ واصول میں ماہر اور علم رجال میں باکمال تھے محمد بن ابی عمیر کے حالات میں انہوں نے ایک رسالہ لکھا تھا جو میرے پاس بھی ہے۔

نیز ملا علی اکبر خوانساری جو اصفہان کے رہنے والے تھے ایک عالم وفقیہ تھے اور میرے اور ان کے درمیان سات قراءتوں کے حجت ہونے کے بارے میں مباحثہ ہوا اور انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ اس مسئلہ پر ان کے نام سے ایک رسالہ لکھوں۔ مؤلف سے بڑی محبت رکھتے تھے۔

دیگر حاجی سید محمد شفیع بروجردی جو شریف العلماء کے شاگرد تھے بہت سے علماء سے اجازہ یافتہ تھے اور کتاب قواعد شریفیہ انہوں نے اصول میں تالیف کی اور اپنے بیٹے کے لئے 'روضۃ البہیہ' کے نام سے اجازہ لکھا اور اس میں اجمالاً اپنے مشائخ اجازہ کا بھی ذکر کیا۔

حجۃ الاسلام حاجی سیّد محمد باقر

حاجی سید محمد باقر ابن سید محمد تقی موسوی، شفتی، دشتی اصفہان میں سکونت پذیر تھے۔ حجۃ الاسلام لقب تھا۔ یکتائے زمانہ اور پیشوائے وقت تھے۔ علوم عربی، ہیئت، فقہ، رجال ودرایت میں باکمال، علمائے کرام کی صف میں باعمل عالم، کامل ترین وفاضل ترین لوگوں کے استاد اور زہد وورع اور تقویٰ میں لاثانی تھے۔ ان کا علم احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ علم وترقی کے تمام زینے آپ نے طے کیے۔ استنباط مسائل میں باکمال، استدلال میں دقیق اور ان کا حافظہ زمانہ میں ضرب المثل تھا۔ بہت سی کتابیں کے مؤلف ہیں، 'صلوٰۃ شرایع' کی شرح سات جلدوں میں ہے لیکن ابھی یہ شرح مکمل نہیں ہے۔ ہر جلد تقریباً ۲۰ ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور مسئلہ کے بیچ میں جس جس علم کی ضرورت پڑی اس مسئلہ کو استدلال کے ساتھ لکھا ہے چاہے وہ مسئلہ اصول سے متعلق ہو یا نحو سے یا لغت سے یا رجال سے۔

رسالہ 'زھرۃ البارقہ' علم اصول میں استعمال ہونے والے الفاظ کے مسائل میں سے چند مسائل اس میں ہیں، رسالہ 'تحفہ الابرار' نماز کے بارے میں سارے اقوال اس میں اکھٹے کیے گئے ہیں اور استدلالی طرز میں ہے اور اس عبارت کی تحقیق میں ایک رسالہ ''من اجتمعت العصابة علی تصحیح ماتصح عنھم'' بڑی چھان بین اور تحقیق کے ساتھ کہ جب بھی رجال پر گفتگو ہو تو ولادت سے وفات تک ہر راوی کا حال معلوم ہو جائے۔ اسحٰق بن عمار کے حالات میں ایک رسالہ، ابراہیم بن ہاشم قمی کے حالات میں رسالہ، ابان بن عثمان کے حالات میں رسالہ، محمد بن عیسیٰ الیقطینی کی تحقیق حال میں رسالہ، اس حکم کی وضاحت میں رسالہ کہ اگر ایک بہن کو طلاق ہو جائے تو دوسری سے نکاح ہو سکتا ہے؟ اور ایک رسالہ موانع نکاح کے علاوہ عورتوں کے قول کو قبول کرنے کے بارے میں نیز یہ کہ کیا ولی نکاح متعہ کی مدت پر اعتراض کر سکتا ہے۔ جیسا کہ شہید ثالث حاجی ملّا محمد تقی برغانی کے ترجمہ میں مذکور ہوا اور ایسی ہی بہت سی کتابیں، رسالے اور فتوے جو ان سے لکھے گئے۔ ان کی جتنی بھی تحریریں ہیں جن میں سوالات بھی شامل ہیں اسّی ہزار اشعار بنتے ہیں۔ ان میں سیوطی پر ایک حاشیہ ہے جو اوّل کتاب سے مبحث تمیز تک ہے۔ سب کو اقوال اور حقیقی چھان بین کے ساتھ تحریر کیا ہے اور مؤلف کتاب کے پاس ان میں سے بعض تحریریں ہیں جو بعض جگہوں پر میرے والد ماجد کی تحریر میں اور بعض جگہ حجۃ الاسلام کے ہاتھ کی تحریر ہیں۔ کیونکہ دونوں اکھٹے بیٹھ کر لکھتے تھے اور دونوں میں بڑا پیار ومحبت تھا اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ ان کے خلف رشید حاجی سید اسد اللہ نے ان کے حکم پر اس حاشیہ کو سو تومان کے عوض تمام کیا جو ان کے والد نے ان کو عطا کیے اور کہتے ہیں کہ اس حاشیہ کی تالیف کے ایام میں حجۃ الاسلام حرقۃ البول (پیشاب کی جلن) کے علاج کے لئے بغداد گئے ہوئے تھے اور یہ علاج بزرگوں کے ٹوٹکوں سے ہوتا تھا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ بھی آپ کی ایک کرامت ہے۔

حجۃ الاسلام کا طریقہ تدریس بڑا دقیق ومتین تھا۔ فقہا کے اقوال کی بڑی تفصیل بیان کرتے تھے اور ان کی عبارتوں کو سمجھانے کے لیے تمام وجوہات اور احتمالات کا ذکر کرتے تھے۔ لوگ کثیر تعداد میں ان کے درس میں شریک ہوتے لیکن درس کم ہی دیتے تھے۔ ہر ہفتہ میں دو روز یا تین روز اور کبھی کبھار ہفتہ بھر درس نہیں ہوتا تھا۔ بعض اوقات درس کے دوران کوئی جھگڑا کھڑا ہو جاتا تھا تو درس درہم برہم ہو جاتا تھا۔

ملّا جعفر نظر آبادی قزوین کے رہنے والے جنہوں نے شہید ثالث اور حاجی ملّا صالح سے اجازہ لیا ہوا تھا اور فاضل وجامع شخص تھے۔ انہوں نے شرح لُمعہ کا کچھ حصہ ان کے سامنے پڑھا اور اس پر مختصر سی شرح بھی لکھی۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے شرح کبیر میں صلوٰۃ وطہارۃ کے حصے حجۃ الاسلام کے درس کے وقت لکھے یعنی جب درس میں جھگڑا شروع ہو جاتا تھا اور ہم بیکار ہو جاتے تھے تو میں اس کتاب کو ساتھ رکھتا تھا اور اس وقت اس کے صلوٰۃ وطہارت کے ابواب لکھتا تھا۔ مؤلف بھی قریباً ایک سال ان کے درس میں جاتا رہا۔ مجھ سے بڑی محبت رکھتے تھے اور میرے والد سے بھی ان کی بڑی دوستی تھی۔ یہاں تک کہ یہ نوبت آئی کہ مجھے اجازہ عطا کر دیں۔ میری کتاب طہارت بدائع مجھ سے لی اور وہ ایک ہفتہ ان کے پاس رہی اور جمعرات کو میرے لئے اجازہ

لکھنے کا ارادہ کیا کہ داعی حق کو لبیک کہا اور دنیا سے کوچ کر گئے۔ لہٰذا میں نے ان کے شاگردوں سے اجازہ حاصل کیا تاکہ حجۃ الاسلام کی سند مجھے حاصل رہے۔

اور حاجی سید محمد باقر کی عبادت کا حال لکھنے کی تو میرے قلم میں سکت ہی نہیں۔ ان کی نماز کی کیفیت شیخ محمد حسن صاحب جواہر الکلام کے ترجمہ میں عرفانی تحقیق کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ مناجات خمسہ عشر کو حفظ کیے ہوئے تھے اور ورد کر ان کو ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کے باشرف فرزند حاجی سید اسد اللہ ان مناجات کی قراءت سے منع کرتے ہیں اور یہ بہت مشہور شبہ ہے کہ کہتے ہیں کہ ان پندرہ مناجات کی کوئی سند نہیں ہے اور پندرہ کی پندرہ مناجات میں آل محمدؑ پر صلوٰۃ نہیں ملتی۔ جبکہ آل محمدؑ سے منقول تمام دعائیں صلوٰۃ سے خالی نہیں ہوتیں چاہے مختصر ہی کیوں نہ ہوں جیسے جناب سید الساجدین سے صحیفہ کاملہ میں منقول دعائیں۔ مؤلف کتاب کو پرانے وقتوں میں ان کی ایک سند ملی تھی لیکن جب بعد میں مجھے اس کی ضرورت ہوئی تو مجھے مل نہ سکی۔ اور یہ ساری تفصیل میں نے اپنی کتاب 'مشکلات العلوم' کی جلد اوّل میں لکھی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس قسم کی قدح (بدگوئی) نامناسب ہے کیونکہ اگر ان مناجات کو محض دعا یا ذکر خدا کے لئے یا صرف استغفار کے طور پر ہی پڑھیں نہ یہ سمجھ کر کہ یہ امامؑ سے منقول ہے تو بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ عام اذکار ادعیہ میں شمار ہوگی اور اگر اسے امامؑ سے منقول سمجھ کر بھی پڑھیں تو بھی کوئی بات نہیں کیونکہ پھر یہ زیادہ سے زیادہ مرسل دعاؤں میں ہوگی اور اس وقت بھی ان کا پڑھنا جائز اور بے عیب ہے اگر اس میں صلوٰۃ نہیں ہے تو کیا نقصان ہے یہ کوئی اچھوتی بات تو نہیں ہے کیونکہ علماء اس قسم کی دعاؤں کو پڑھا کرتے تھے بلکہ اس پر مداومت کرتے تھے۔ اور میرے والد ماجد تو قنوت میں ان کو زبانی پڑھتے تھے اور حجۃ الاسلام کی قنوت تمام نمازوں میں اکثر بلکہ ہمیشہ ہی یہ دعا ہوتی تھی اللھم اھد نافی من ھدیت وعافنا فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت وقنا شر ماقضیت وبارک لنا فیما اعطیت اور اس دعا کو تفصیل سے میں نے رسالہ ترجمہ نماز میں لکھا ہے اور میں ایک سال تک حجۃ الاسلام کی خدمت میں رہا اس دعا کے سوا قنوت میں، میں نے ان سے کچھ اور نہ سنا۔ جیسے شیخ بہائی قنوت میں اکثر یہ دعا پڑھتے تھے اللھم اغفر لنا وارحمنا وعافنا واعف عنا فی الدنیا والاخرۃ انک علی کل شیء قدیر۔

قصہ مختصر ان بزرگوار کی عبادت کی کیفیت یہ تھی کہ نصف شب سے لیکر صبح تک گریہ وزاری اور تضرع میں مشغول رہتے اور اپنی لائبریری کے صحن میں دیوانوں کی طرح چکر لگاتے اور دعا و مناجات پڑھتے رہتے اور سر و سینہ پیٹتے رہتے۔ اور صبح تک اتنی آہ وزاری اور چیخ و پکار کرتے کہ اگر ہمسائے بیدار ہوتے تو سنا کرتے تھے۔ اور زندگی کے آخری ادوار میں تو اس قدر روتے اور ہائے ہائے اور نالہ و بیقراری و گریہ زاری کیا کرتے کہ ان کو ہرنیا کا مرض لاحق ہو گیا چنانچہ ان کے پیٹ کو کس کر باندھا جاتا، اطباء جتنا علاج کرتے فائدہ نہ ہوتا، آخر ان کو گریہ سے ممانعت کی گئی کہ آپ پر رونا حرام ہے کیونکہ اس سے مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔

جب وہ مسجد جاتے تو جب تک وہ بیٹھے ہوتے ذاکرین منبر پر نہ جاتے یہاں تک کہ وہ مسجد سے چلے نہ جائیں۔ اور اگر ان کی موجودگی میں کوئی ذاکر منبر پر چلا جاتا تو وہ وہاں بیٹھے رہتے تھے اور پھر رونا شروع کر دیتے تھے اور اس انداز پر کوئی گریہ نہ کرتا تھا سوائے ان کے بیٹے سید اسد اللہ اور حاجی ملا محمد اشرفی یا شہید ثالث کے۔ مناجات خمسہ کو زبانی سجود کی حالت میں پڑھتے تھے اور وہ سجدہ کی ہی حالت میں چھٹی مناجات پڑھ رہے تھے اور نالہ وزاری کر رہے تھے ابھی صبح بھی نہ ہوئی تھی کہ ان کو ضربت لگائی گئی اور امیر المومنینؑ کی طرح محراب مسجد میں جام شہادت پلایا گیا تاہم ان دو تین افراد کے گریہ وعبادت کا مقابلہ حجۃ الاسلام کی عبادت وتضرع سے نہیں کیا جا سکتا خدا ہمیں ان کی جیسی عبادت کی توفیق دے۔

جس سال مؤلف کتاب آٹھویں امامؑ کی زیارت سے مشرف ہوا تو دوران سفر حاجی سلیمان خان قاچار سبزوار کا حاکم ہمارا مصاحب بن گیا تھا اور وہ ابھی حکومت کے عہدہ پر فائز ہوا تھا اور سبزوار جا رہا تھا۔ جب رات کو ہم سفر طے کرتے تو ایک دوسرے سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ مرحوم حاجی سید محمد باقر کا ذکر ہونے لگا۔ حاجی سلیمان خان نے کہا کہ ہاں ایک شہزادہ اصفہان میں رہا کرتا تھا اس نے یہ قصہ مجھ سے بیان کیا کہ شہزادے کی ایک کنیز تھی وہ اس کے پاس سے فرار کر کے حجۃ الاسلام کے گھر چلی گئی۔ کچھ دن بعد ان بزرگوار نے کنیز کو میرے پاس بھیج دیا اور ہدایت کی کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا

جائے تو ہم نے اس کنیز سے ان بزرگوار کے گھر کے حالات پوچھے تو کہنے لگی کہ وہ تو رات کو دیوانے ہوجاتے تھے اور دن میں ایک باہوش انسان رہتے تھے۔ ہم نے پوچھا یہ کیوں کر ہوتا تھا۔ تو کہنے لگی کہ جب رات کا کچھ حصہ گزر جاتا تھا تو وہ اپنی لائبریری کے صحن میں دیوانوں کی طرح اپنا سر پیٹتے۔ ہائے ہائے کرتے، روتے اور مناجات اور دعائیں پڑھتے رہتے حتیٰ کہ صبح نمودار ہوجاتی۔ اور وہ عمامہ سر پر رکھ لیتے اور عبا پہن لیتے اور بالکل ہوشیار لوگوں کی طرح سے بیٹھ جاتے اور ہر رات وہ یونہی کیا کرتے۔

القصہ ہر شب کتاب خانہ میں تنہا ہوتے اور ایک کنیز دروازے کے قریب سویا کرتی۔ ان کے چراغ میں دو بتیاں ہوتی تھیں ایک موٹی اور ایک پتلی جب وہ سوئے ہوتے تو باریک بتی روشن کرتے اور جب جاگتے تو موٹی بتی اور سورج چھپتے ہی مغرب سے پہلے چراغ روشن کردیتے اور جیسے ہی سورج نکلتا چراغ گل کردیتے۔ کہتے ہیں یہ طریق کارکاموں میں کشادگی اور اقبال مندی اور خوشحالی کا سبب ہے۔ اور حدیث **لااسراف فی السراج** (چراغ جلانے میں اسراف نہ کرو) اس مدعا پر گواہ ہے۔

اور نہانے کے لئے حمام جانے کا انداز یہ تھا کہ ہمیشہ بدھ کے روز ضرور غسل کرتے اور حدیث میں بھی یہ کہا گیا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ بدھ کے دن سر کے بال ترشوانا رزق میں زیادتی کا موجب ہے۔

کہتے ہیں کہ حجۃ الاسلام جب تک مسجد میں نماز جماعت پڑھتے رہے کبھی نماز میں سہو نہیں کیا لیکن جس دن ان کا بیٹا سید ہاشم فوت ہوا اس دن ظہر کی نماز میں ان سے سہو ہوگیا۔ بالکل ایسے ہی جیسے میں نے کبھی آقا سید ابراہیم جو میرے استاد بزرگوار تھے کی نماز میں کبھی سہو نہ دیکھا سوائے ایک یا دو مرتبہ کے۔

مقدمات کے معاملات میں حجۃ الاسلام بڑی مہارت اور ہوشیاری سے احکام جاری کرتے تھے اور بہت طول دیا کرتے تھے یہاں تک کہ بعض مقدمات سال یا اس سے کم یا زیادہ عرصہ تک طویل ہوجاتے۔ اور فیصلہ اور مقدمہ کے وقت فراست کا مظاہرہ کرتے۔ جیسا کہ فقہاء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ قاضی کو مقدمات میں فراست سے کام لینا چاہیئے اور اس سلسلہ میں انہوں نے امیر المؤمنینؑ کے فیصلوں کی مثال دی ہے۔ حجۃ الاسلام کے عجیب وغریب مقدمات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک عورت آپکی خدمت میں آئی کہ فلاں گاؤں کے پٹواری نے میری زمین غصب کرلی ہے۔ پٹواری کو بلایا گیا اس نے انکار کیا اور اس نے اصفہان کے چودہ قاضیوں سے چودہ (۱۴) حکم نامہ حاصل کیے ہوئے تھے اور ہر جگہ سے اس عورت کو کورا جواب مل گیا تھا۔ سید نے وہ سارے حکم نامے دیکھے اور ان تحریروں کو اپنے سامنے سب سے اوپر رکھ لیا اور اس عورت سے کہا کہ پٹواری ٹھیک کہہ رہا ہے اور قاعدہ کی رو سے بات کررہا ہے۔ وہ عورت رونے دھونے لگی اور سید دوسرے مقدموں میں مشغول ہوگئے اور دوسرے مقدمات کے دوران اسی پٹواری سے پوچھا کہ کیا تو نے یہ زمین خریدی تھی۔ اس نے کہا: نہیں، کیا کسی مالک کے لئے کسی چیز کا خریدنا ضروری ہے؟ سید نے کہا: ضروری نہیں ہے۔ پھر مقدمات میں لگ گئے اور پھر بیچ میں سوال کیا کہ یہ زمین تمہیں وراثتاً پہنچی ہے؟ پٹواری نے کہا: نہیں کیا مالک بننے کے لئے میراث سے مال منتقل ہونا ضروری ہے؟ کہا: نہیں میرے پاس بھی ایسی املاک ہیں جو میراث میں نہیں ملی ہیں۔ پھر مقدمات دیکھنے لگے پھر درمیان میں پوچھا کہ یہ جائیداد کیا تمہیں کسی معاہدہ یا وصیت کے ذریعہ حاصل ہوئی؟ کہا: نہیں کیا مالک بننے کے لئے اس طرح منتقل ہونا شرط ہے؟ سید نے کہا: بالکل نہیں۔ اسی طرح مقدمات کے بیچ میں تمام شرائط شرعی دریافت کرلیں اور اس نے ہر ایک کا انکار کردیا کہ ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہوئی۔ تو سید نے پوچھا تو پھر تم تک یہ جائیداد پہنچی کیسے؟ اس نے کہا: سبب ہونا کیا ضروری ہے آسمان میں ایک سوراخ بنا اور مجھے یہ چیز دیدی گئی۔ سید نے کہا کہ میرے لئے آسمان سے کوئی جائیداد کیوں نہیں آئی؟ جا اور اس عورت کو اس کا حق ادا کر۔ تو نے اسے غصب کیا ہے اور ان چودہ حکم ناموں کو پھاڑ دیا اور اس عورت کی خواہش پر اپنے علاقے کے پٹواری کو ایک حکم لکھ دیا کہ اس شخص سے زمین لیکر اس عورت کو دیدی جائے۔

ایک اور مقدمہ یہ تھا کہ اصفہان کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات کے بارے میں ایک شخص نے ایک سند تیار کی اور اس پر اصفہان کے بزرگ

علماء جیسے آقا جمال خوانساری، آقا حسین اور مجلسی وغیرہ کی مہریں لگالیں۔ اس نے بڑی چالاکی سے یہ مہریں ان کے جانشینوں سے حاصل کی تھیں۔ غرض اس نے پکے کاغذ تیار کر لیے اور پھر اس گاؤں کے کچھ صاحبان اقتدار سے دعویٰ کیا کہ یہ گاؤں میرا ہے اور ان کے خلاف مقدمہ کھڑا کر دیا۔ چند ماہ تک مقدمہ پر جرح و تعدیل ہوتی رہی۔ آخر کار ان بزرگوار نے قریۂ جلفا کے زمینداروں اور بعض ذمہ دار افراد کو طلب کیا۔ چونکہ مدعی نے کاغذ کا حلیہ ایسا بنا دیا تھا کہ وہ بہت پرانا معلوم ہوتا تھا تو ان بزرگوار نے ان لوگوں سے کہا کہ تم غور کرو اور اس کاغذ کی مہر کو دیکھو کہ یہ کس کارخانہ سے کب تیار ہوا اور اس کاغذ کی تیاری کی مہر یہ ہے کیونکہ کاغذوں پر ایک سفید مہر لگائی جاتی ہے کہ یہ فلاں کارخانہ سے بنا ہے اور پھر اس کے بننے کی تاریخ اس پر ثبت کر دی جاتی ہے تو انہوں نے دھوپ میں غور سے اس کاغذ کو دیکھا اور اس کے بننے کی مہر کو پڑھ لیا اور اس کی تاریخ کا حساب لگا لیا مثلاً بیس سال پہلے وہ کاغذ بنا تھا جبکہ جو کچھ کاغذ پر لکھا گیا وہ پچاس سال پہلے کی تحریر بتائی گئی اس طرح انہوں نے کھوج لگا لیا کہ یہ تحریر جھوٹی ہے فوراً اس کو پھاڑ دیا اور اس مدعی کے خلاف اپنا فیصلہ صادر فرما دیا۔

تیسرا مقدمہ تو بہت ہی حیرت انگیز ہے آپکی عدالت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ میں اس شخص سے جس کا نام آقا حسن ہے چار سو تومان کا طالب ہوں۔ سید نے مدعا علیہ سے جواب مانگا۔ تو اس نے کہا: مدعی نے مطالبہ آقا حسن سے کیا ہے اور میں آقا حسن تو نہیں ہوں۔ سید نے اب اس سے کچھ نہ کہا دوسرے مقدمات دیکھنے لگے۔ اور جب بہت سے دعویدار شور و غل مچا رہے تھے اور گواہیاں گزر رہی تھیں، خوب ہنگامہ برپا تھا اس انکاری شخص کی طرف رخ کر کے کہا: آقا حسن! اس شخص نے عرض کیا: جی جناب! سید نے کہا: اٹھ اور اس شخص کے چار سو تومان فوراً ادا کر۔ چنانچہ طرفین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ دراصل سید نے اس شخص کو بے خبری میں آواز دی دی اگر ذرا بھی ہوشیار ہو جاتا تو پھر کہہ دیتا کہ میں آقا حسن نہیں ہوں۔ غرض یہ کہ آپ کے مقدمات کے فیصلے اتنے عجیب و غریب طریقے سے ہوتے تھے کہ سب کا بیان اس کتاب میں نہیں ہو سکتا۔

ابتدائی ادوار میں حجۃ الاسلام انتہائی فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے کہ اس کا تصور بھی ناممکن ہے۔ جب نجف اشرف میں بحر العلوم کی خدمت میں علم حاصل کرتے تھے تو ان میں اور حاجی محمد ابراہیم کلباسی میں بڑی دوستی اور محبت تھی ایک دن حاجی کلباسی سید سے ملنے گئے دیکھا کہ وہ زمین پر گرے پڑے ہیں اور بھوک سے غش کھا گئے ہیں۔ حاجی فوراً بازار گئے، مناسب غذا لیکر آئے اور آکر انہیں کھلائی تب ان کے اوسان درست ہوئے۔

ابتدائی زندگی میں نجاست و طہارت میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ بحر العلوم کے گھر کے باہر پانی کا حوض بنا ہوا تھا سید اکثر ان کے گھر آکر اس حوض سے طہارت کیا کرتے۔ آخر کار ان کے استاد کو ان کی تنگدستی کا علم ہو گیا تو ان سے فرمایا کہ کھانے کے وقت میرے ہاں آ جایا کرو اور اس بات پر بڑے مصر ہوئے۔ سید مسلسل انکار کرتے رہے آخر سید نے کہا کہ اب اگر اس بارے میں آپ اصرار فرماتے رہے تو میں نجف سے چلا جاؤں گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں نجف میں رہوں اور آپ کی خدمت میں تحصیل علم کرتا رہوں تو پھر آئندہ ایسی زحمت نہ فرمائیں۔ مجبوراً بحر العلوم خاموش ہو گئے۔

جب سید کربلائے معلّٰی میں آقا سید علی صاحب ریاض سے درس لیا کرتے تھے تو آپ کی جوتیوں کی ایڑیاں کثرت استعمال سے گھس چکی تھیں اور وہ پہننے کے قابل نہ رہی تھیں۔ آقا سید علی نے ایک شخص سے طے کر رکھا تھا کہ روزانہ دو روٹیاں ایک صبح اور ایک شام حجۃ الاسلام کے لئے لایا کرے۔

جب آپ اصفہان آئے تو سوائے ایک رومال کے جس میں ناشتہ اور حوالہ کی کتاب کے اور کچھ ساتھ نہ تھا۔ میرے والد ماجد اور ان میں بڑی دوستی اور بھائی چارگی تھی میرے والد بھی ان دنوں بالکل تنگدست تھے۔ والد صاحب کہتے تھے کہ ایک رات حجۃ الاسلام نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں ان کے گھر آؤں۔ میں پہنچا تو رات گئے انہوں نے اپنا کھانا پیش کیا اور اس میں روٹی کے خشک ٹکڑے تھے۔ جو کئی دن کے بچے ہوئے تھے تو میں نے اور انہوں نے وہی خشک ٹکڑے کھا کر گزارا کیا۔

اور ان کی تنگدستی کے آخری دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک دن تھوڑے سے پیسے لیکر بازار پہنچے کہ اپنے اور بچوں کیلئے کچھ کھانے پینے کا سامان خریدیں تاکہ فاقہ شکنی کا انتظام ہو سکے۔ قصاب سے بکری کا پھیپھڑا خریدا اور گھر کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں ایک ٹوٹے پھوٹے مکان پر نظر پڑی دیکھا کہ ایک بہت نحیف و لاغر کتیا سو رہی ہے اور اس کے بچے اس سے چمٹے ہوئے ہیں اور سب بالکل لاغر و کمزور ہیں ان کی ماں کے پاس دودھ نہیں اور اس سے دودھ کا

تقاضا کر رہے ہیں اور چیخ چلا رہے ہیں۔ حجۃ الاسلام کو اس کتیا اور بچوں پر رحم آیا اور انہوں نے اپنی اور اپنے بچوں کی بھوک پر ان کی بھوک کو ترجیح دی اور وہ پھیپھڑا ان کے آگے ڈالدیا۔ وہ سارے کے سارے اس پر جھپٹ پڑے اور اس کو کھانے لگے۔ سید کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے جب وہ پھیپھڑا ختم ہو گیا تو کتیا نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا گویا دعا دے رہی تھی۔ کیوں نہ ہو آخر آپ ان ہی کی اولاد تو تھے جو اپنے اور اپنے بچوں کے اوپر اسیر و مسکین و یتیم کو ترجیح دیا کرتے تھے اور رات بھر بھوکے پیاسے سوتے تھے اور آخر کار ان کی شان میں سورہ ھل اتی پیغمبر آخرالزماںؐ پر نازل ہوئی کہ وہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ خود اس کے ضرورتمند ہوتے ہیں۔ القصہ حجۃ الاسلام فرماتے ہیں کہ اس بھوکی کتیا کے واقعہ کے بعد دنیا کی دولت میرے اوپر ٹوٹ پڑی۔ اس شدید فقر و فاقہ کے بعد آپ کی دولت و ثروت بے حد و حساب ہوتی چلی گئی اور اللہ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا تا کہ آنکھوں والے اور صاحبان یقین اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔

ایک دفعہ خواتینِ شفت میں سے کسی نے بڑی کثیر رقم آپ کے پاس بھیجی کہ یہ معین رقم تاحیات آپکی ملکیت ہے اس میں جتنا بھی منافع ہو وہ سب آپ کا ہوگا اور یہ اصل زر میری وفات کے بعد فلاں فلاں مصارف میں صرف کیا جائے۔ سید نے اس مال کو اسی طرح تجارت میں لگایا کہ تھوڑی مدت میں کثیر منافع ہاتھ آیا اور اگر کسی کو مال دیتے تو فروخت کی شرائط طے کر لیتے اور جب مدت معینہ پوری ہو جاتی تو اس چیز میں تصرف کرتے۔ چاہتے تو اپنے پاس رکھ لیتے یا فروخت کر دیتے۔ چنانچہ آپ نے شترخانہ اور اصطبل بنایا ہوا تھا۔ مرحوم آقا محمد بیدآبادی جو عرفاء اور صاحبان باطن سے کیمیادان تھے کا گھر آپکے احاطہ میں تھا۔ گھر میں بہت سے صحن اور کمرے تھے۔ سات بیٹے تھے اور سب کے لئے اندرونی و بیرونی حصے تھے اور سب کے راستے الگ الگ تھے۔ اور بڑے بیٹے آقا میرزین العابدین کے اصطبل میں سترہ عربی النسل گھوڑے تھے۔ حجۃ الاسلام کی اولاد ان بچوں کی اولاد کے علاوہ سو افراد پر مشتمل تھی۔ ازواج کے علاوہ خادم، کنیزیں، زمینیں، قصبے، محلات بے اندازہ تھے۔ اصفہان میں چار سو کارواں سرائیں ان کی ذاتی تھیں۔ دو ہزار سے زائد دکانیں تھیں اصفہان کا ایک گاؤں کروند تھا جہاں نو سو خروار(۱) چاول ہوا کرتا تھا گندم جو اور دوسرے اناج اسکے علاوہ تھے۔ اور بروجرد میں جو املاک تھی ان کی آمدنی سالانہ تقریباً چھ ہزار تومان تھی۔ اور یزد کی املاک کی آمدنی سالانہ دو ہزار تومان اور شیراز میں جو دیہات تھے ان کی آمدنی بھی چند ہزار تومان ہوا کرتی تھی۔ مجملاً سترہ ہزار تومان سرکاری ٹیکس اصفہان کے دیہاتوں کا ہوتا تھا جو سرکار کو پہنچتا تھا۔ مرحوم فتح علی شاہ نے کہا کہ میں آپ کا ٹیکس معاف کرتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم سارے اصفہان کی مالیات سے یہ ٹیکس کم کر رہے ہو یا وہ پہلے کی طرح ہی رہے گا۔ سلطان نے کہا: وہ تو کم نہیں ہو سکتا ورنہ کہیں اور سے کٹوتی کرنی پڑے گی۔ تو سید نے فرمایا کہ میں اس بات پر ہرگز راضی نہیں ہوں کہ میرے دیہاتوں سے تو ٹیکس ہٹادو اور دوسروں پر لاگو رکھو۔ میں اپنے دیہاتوں کا ٹیکس بعینہٖ ادا کرتا رہوں گا۔ ایران اور ایران کے علاوہ دوسرے علاقوں اور شہروں سے خیراتی رقوم لوگ لاتے تھے اور اصفہان میں سید کے پاس پہنچا دیتے تھے اور وہ فوراً فقراء میں تقسیم کر دیتے تھے۔

ایک دفعہ فتح علی شاہ اصفہان میں ہفتہ دست میں جو بیرون شہر ہے اقامت گزین تھا اور دوربین کے ذریعہ صحرا کا تماشا کر رہا تھا دیکھا کہ ایک ہاتھی مال سے لدا ہوا چلا آ رہا ہے۔ سلطان نے ملازمین سے کہا کہ ہمارے پاس ایک ہاتھی آ رہا ہے۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ ہاتھی کو صحرا سے شہر کی جانب لیجا رہے ہیں سلطان نے پوچھا کہ یہ ہاتھی اور اس کا سامان کس کی ملکیت ہے۔ تو اسے بتایا گیا کہ یہ ہندوستان کے مالدار لوگوں نے اور تاجروں نے حجۃ الاسلام کے لئے بھیجا ہے اور اس پر جو سامان ہے وہ کار خیر کے لئے اور مال امامؑ کی حیثیت سے ہے۔ سلطان کو یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ جب ہاتھی سیّد کے پاس پہنچا اور سلطان کا قصہ بھی انہوں نے سنا تو سید نے ہاتھی پر جو مال تھا تو اتروالیا اور ہاتھی سلطان کو بھیج دیا۔

قصہ مختصر متقدمین و متاخرین کے علمائے امامیہ میں سے اتنی بے اندازہ دولت و ثروت کسی کو نصیب نہ ہوئی سوائے علم الھدیٰ سید مرتضی کے وہ بھی بڑے ثروتمند شخص تھے۔ لیکن مؤلف کتاب کا خیال ہے کہ ان کی دولت بھی حجۃ الاسلام کی دولت کے برابر نہ تھی۔ اور یہ واقعات سید مرتضی اور ان کے بھائی

(۱) ایک خروار ساڑھے نو من کا ہوتا ہے۔ (مترجم)

سید رضی کے حالات جب آگے بیان ہونگے تو پیش کیے جائیں گے۔ان شاءاللہ تعالیٰ۔

جس سال حجۃ الاسلام مکہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو ان کے کتابخانہ کی قیمت کا اندازہ لگایا گیا تو پچاس ہزار تومان کی کتابیں تھیں۔ مثلاً شرح لمعہ کئی طرح کی تھیں مجور کے کاغذ پر۔ جدول طلائی سے ساتھ کوئی نقرئی، کوئی حمائل کی شکل کی وغیرہ۔ آخری عمر تک کتابیں خریدتے رہے۔ جس سال ان کا انتقال ہوا میں ماہ رمضان میں ان کی مسجد میں پہنچا تو ہر طرح کی چیزیں فروخت کرنے والوں نے اپنی اپنی دکانیں لگائی ہوئی تھیں۔ ان میں کتابوں کی دکان بھی تھی۔ میں بھی اس دکان پر پہنچا اور کچھ کتابیں اٹھائیں ان میں ایک کتاب شیخ طوسی کی کتاب تہذیب پر شیخ محمد صاحب معالم کا حاشیہ تھا اور چند یاضی کی کتابیں تھیں۔ جب قیمت پوچھی تو بہت قیمت بتائی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ لوگوں کو ان کتابوں کی کیا پہچان۔ نہ وہ ان کے مؤلفین کے اتنے قدردان ہیں۔ بہتر ہے کہ آخر ماہ تک میں انتظار کروں اس وقت تک یہ کتابیں فروخت تو ہونگی نہیں تو یقیناً کتاب فروش انہیں سستی قیمت میں دیدے گا۔ میں ہمیشہ ان کو دیکھتا رہتا تھا (کہ ابھی تک نہیں بکی ہیں) یہاں تک کہ ماہ رمضان کا آخری دن آن پہنچا۔ نماز ظہر و عصر کے بعد میں جناب سید کے ٹھیک پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ وہ کتابیں وہاں لائی گئیں۔ ابھی ہم بات چیت ہی کر رہے تھے کہ حجۃ الاسلام بھی آ گئے اور بیٹھ گئے کتابوں کی فہرست پر نظر ڈالی اور وہ کتابیں جو مجھے مطلوب تھیں اٹھالیں اور قیمت پوچھی اس وقت کتاب فروش نے پانچ تومان قیمت بتائی۔ سید نے پانچ تومان دیئے اور کتابیں ملازموں کو دیں کہ ان کے گھر پہنچادیں میں ان کی کتابوں کی اس بے پناہ قدردانی پر حیران رہ گیا۔

کہتے ہیں کہ سید کہتے تھے کہ ساری کتابیں میرے پاس ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ لکھنے والا شاید صحیح یا غلط کردے یا ہوسکتا ہے کہ مخصوص فنون کی کتابیں مخصوص [illegible] لکھی جاتی ہیں اور اس دور میں اسلامی کتابوں کو معرضِ تحریر میں لانا ایک امر محال لگتا ہے۔

جب [illegible] نے وفات پائی تو ان کے قرض ادا کرنے کے بعد ورثاء نے ترکہ کو تقسیم کرنا چاہا تو ان کے لائق بیٹے حاجی سید اسد اللہ نے کتاب خانہ اپنے حصہ کے طور پر لے لیا اور دوسری تمام جائیداد باقی تمام ورثاء میں تقسیم ہوئی

سید کی شہرت کے کئی اسباب تھے اور اس میں سے ایک آقا سید محمد کی تعریف تھی کہ جب ان سے اصفہان میں پوچھا گیا کہ کیا آقا سید محمد باقر مجتہد ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان کے اجتہاد کے متعلق مجھ سے سوال نہ کرو بلکہ ان سے پوچھو کہ کیا سید محمد مجتہد ہیں یا نہیں۔

دوسرے میرزا قمی نے ان کی جو تعریف سلطان فتح علی شاہ سے کی جب سلطان نے میرزا قمی سے گزارش کی ایک ایسا عالم جو ہر لحاظ سے بے عیب ہو مسجد شاہ طہران کے لئے معین کرو جو وہاں نماز پڑھائے اور ہم سب اس کی اقتداء کریں تو میرزا نے جواب میں لکھا کہ آقا سید محمد باقر شفتی رشتی جو اصفہان میں رہتے ہیں وہی اس منزلت پر فائز ہیں اور ان سے بہتر مجھے کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ سلطان نے حاکم اصفہان کو لکھا کہ سید مذکور کو تلاش کر کے طہران روانہ کردو۔ حاکم نے پوچھ گچھ کی کہ سید محمد باقر کون ہیں اور جب پتہ چل گیا تو کسی کو ان کے پاس بھیجا کہ آپ کو بادشاہ نے طلب کیا ہے میں انتظام کیے دیتا ہوں آپ سفر کی تیاری فرمالیں۔ سید نے انکار کیا تو حاکم ان کی دنیا سے اس کنارہ کشی پر حیرت زدہ رہ گیا اور خود اس آستانہ قدس پر پہنچا اور مسافرت کی درخواست کی۔ سید منع ہی کرتے رہے تو حاکم نے کہا کہ بادشاہ کے حکم کو ہم ٹال نہیں سکتے اور اسکی مخالفت کا یارا نہیں رکھتے سید نے کہا کہ میری مرضی جانے کی نہیں ہے۔ تو حاکم مایوس ہوگیا اور یہ سب کچھ سلطان سے عرض کردیا۔ اب سلطان کو ان کے اوپر اور اعتماد پیدا ہوگیا۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ جب سلطان اصفہان پہنچا تو سید کو اس سے ملاقات کے لئے لے گئے۔ سلطان نے سید سے کہا کہ آپ اپنی کوئی خواہش مجھ سے بیان کریں۔ سید نے کہا: کوئی خواہش نہیں ہے۔ لیکن سلطان نے اصرار کیا تو آخر کو سید نے کہا کہ چونکہ آپ کا اصرار ہے اس لئے میں گذارش کرتا ہوں کہ آپ سرکاری بینڈ باجے موقوف کرادیں۔ سلطان خاموش رہ گیا۔ جب سید تشریف لے گئے تو سلطان نے امین الدولہ سے کہا کہ یہ سید تو عجیب ہیں کہ ہمارے بینڈ باجوں کو جو ہماری بادشاہت کی علامت ہے موقوف کرانا چاہتے ہیں۔ امین الدولہ نے اس امر پر بادشاہ سے اپنی طرف سے معذرت کی۔ جب اگلے سال سلطان پھر اصفہان آیا اور سید سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس مجلس کے اختتام پر سلطان نے امین الدولہ سے کہا کہ اب یہ سید گذشتہ سال والے سید نہیں اب یہ بہت ہوشیار نظر آرہے ہیں۔

اخلاق کے اعتبار سے آپ یکتائے زمانہ تھے۔ جب آپ اصفہان تشریف لائے تو چہار باغ کے مدرسہ میں قیام کیا اور درس کا آغاز کیا۔ جب وہاں کے مدرس کو پتہ چلا کہ یہ تو عالم شخص ہیں تو ہرگز اس بات پر تیار نہ ہوا کہ آپ مدرسہ میں قیام جاری رکھیں۔ اسے خوف تھا کہ آپ کبھی اس کے امور میں دخل اندازی نہ کریں لہٰذا بلاوجہ حکم دیا کہ آپ یہاں سے نکل جائیں۔ سیّد نے فوراً اُس کی بات مان لی اور مدرسہ سے باہر نکل آئے۔ آپ حاجی کلباسی کو مجالس ومحافل میں اپنے اوپر فوقیت دیتے تھے۔ حاجی عمر میں آپ سے دس سال بڑے تھے۔ اخوند ملا علی نوری بھی آپ کی شہرت کا باعث ہوئے۔ اور مجالس میں سیدکو اپنے سے برتر قرار دیتے تھے۔ حتیٰ کہ حاجی پر بھی مقدم کردیتے تھے۔ جب سید نے مکہ معظمہ سے مراجعت کی تو کربلا میں ان کے معاصرین میں سے ایک شخص تھا جوان کے دور طالب علمی کا رفیق تھا اور ابھی تک مدرسہ میں ہی رہتا تھا۔ سیّد حضرت سید الشہداءؑ کے ایوان میں نماز جماعت پڑھا رہے تھے۔ نماز عشاء کے بعد وہ شخص حاضر خدمت ہوا سید کے ہاتھوں کے بوسہ دیا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ مدرسہ میں مجھے سرفراز فرمادیں۔ میں نے سالن روٹی کا انتظام کیا ہے۔ سید نے قبول کرلیا اور فرمایا کہ اگر اس سے قبل تم مجھ سے یہ بات کہتے تو میں گھر نہ آتا اور جواب دے دیتا، لیکن اسی وقت میں نے بے ساختگی اور درویشی کے پیش نظر قبول کرلیا ہے۔ پھر اسی کے ساتھ اس کے گھر گئے اور رات کا کھانا کھایا اور واپس آگئے۔

شیخ محسن جعفر جونجف کے مشہور مشائخ اور فقہا میں سے تھے فاضل اور فقہ کے ماہر تھے اور شیخ علی بن شیخ جعفر کے شاگرد تھے۔ مؤلف کتاب نے بھی کچھ عرصہ ان سے درس حاصل کیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ شیخ محمد حسن لایفھم شیئاً (وہ تو کچھ جانتے ہی نہیں) اور حاجی سید محمد باقر کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان کی فضیلت ان کی شہرت سے کہیں زیادہ ہے اور لوگ ان کی فضیلت کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تو ان کا وہ مقام ہے کہ قلم اس کو کاغذ پر رقم ہی نہیں کرسکتے جیسا کہ ان کے اسلاف کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی لو کان البحر مداداً لکلمات ربی (سورہ کہف آیت ۱۰۹) کہ اگر تمام سمندر سیاہی بن جاتے تو بھی تیرے رب کے کلمات کو لکھ نہ سکتے۔ ابتدائے کار میں جب اصفہان میں آپ کو شہرت حاصل نہ تھی ایک دن آپ کسی کوچہ سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ کچھ بدکردار لوگ لہو ولعب، ڈھول تاشہ میں مصروف ہیں آپ آگے بڑھے اور ناراضگی کا اظہار کیا تو انہوں نے ان کو مارنا چاہا پھر ان لوگوں نے آپ کو پکڑ کر قید کردیا۔ جب طلاب کو خبر ہوئی انہوں نے امام جمعہ تک خبر پہنچائی تو امام نے کسی کو بھیج کر اس قید سے خلاصی دلائی۔ بالکل نحیف ونزار، پستہ قد اور کمزور جسم کے مالک تھے اور اکثر صبح کو بغیر ناشتہ رہتے جبکہ روزہ سے بھی نہ ہوتے۔ نماز صبح مسجد میں ادا کرتے اس کے بعد ظہر تک مقدمات میں مشغول رہتے پھر اسی صبح کے وضو سے ظہر کی نماز ادا کرلیتے بلکہ شام تک وہی وضو باقی رہتا اور کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔ ہاں کبھی کبھی لیموں کا شربت دن میں پی لیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھار دن میں کھانا بھی کھالیتے تھے اور یہ سب تعجب خیز باتیں ہیں۔

جب محمد علی شاہ غصہ کے عالم میں اصفہان میں وارد ہوا تو سید نے ایک اونٹ پر سوار ہو کر اس سے ملنے کا ارادہ فرمایا۔ سید علی نقی حسب عادت ان کے سامنے خوش الحانی کے ساتھ قراءت قران کررہے تھے۔ محمد شاہ نے عمارت ہفت دست میں رک کر اس منظر کو دیکھا۔ جب وہ اپنے لشکر کے قریب آیا سید علی نقی نے یہ آیت تلاوت کی قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک اور جب پڑھتے پڑھتے تعزّ من تشاء تک پہنچے تو محمد شاہ پکار اٹھا: یقیناً عزت خدا کے ہاتھ میں کہ اس شخص (سیّد) کو اتنا عزیز کردیا ہے اور عزت عطا کی ہے۔ سید علی نقی عرب تھے اور کاظمین کے رہنے والے تھے اور لحن حجازی میں قران کی بڑی خوبصورت قراءت کرتے تھے۔ صبح کے وقت مسجد بیدآباد میں سیّد کے پیچھے نماز کی تکبیر اس طرح کہتے کہ ان کی آواز نصف فرسخ تک بیرون شہر ٹھہرنے والے قافلے بھی سن لیتے تھے۔ غرض جب سید لشکر سے اور قریب ہوئے تو سید علی نقی نے اس آیت کی تلاوت کی یاایھا النمل ادخلوا مساکنکم لایحطمنکم سلیمان وجنودہ الایہ اچانک تمام اہل لشکر سپاہی اور منصب دار حکومت سب سواریوں سے اتر پڑے اور اکثر کو تو سیّد کے ہاتھ کو بوسہ دینا بھی نصیب نہ ہوسکا اور اکثر نے ان کے اونٹ کا یا اس کے پاؤں کا ہی بوسہ لے لیا۔ محمد شاہ تو حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ اور جب شاہی مہمان خانہ کے دروازے پر پہنچے تو اس آیت کی تلاوت کی انا ارسلنا فرعون رسولاً فعصی فرعون الرسول۔

اور آپ کے امر بالمعروف کا یہ حال تھا کہ ستر افراد کو آپ نے شرعی حد جاری کرکے قتل کیا اور کتنے ہی ایسے تھے جن پر حد قتل جاری نہیں ہوئی تھی۔

جب پہلی مرتبہ لواطہ کی وجہ سے کسی کو قتل کرنے کا حکم دیا تو جس کو بھی کہا جاتا کہ تم قتل کرو وہ انکار کر دیتا تھا آخر خود کھڑے ہوئے اور ایک دو بار ایسا لیکن وہ قتل نہ ہوا۔ آخر ایک شخص اٹھا اور اس نے اس مجرم کی گردن ماری۔ پھر خود اس پر نماز پڑھی اور نماز پڑھتے پڑھتے غش کر گئے۔

عرب و عجم میں ان کی تعریف میں اتنے قصائد ہیں کہ جب ان سب کو جمع کیا گیا تو ایک ضخیم دیوان مرتب ہو گیا اور عربی اشعار میں سے ایک مصرع جو آپ کی مدح میں کہا گیا وہ یہ تھا۔

انا الذی احتاج یحتاجه

یعنی میں لفظ الذی پر ہی رکا ہوا ہوں کیونکہ وہ صلہ چاہنے والا ہے اور میں بھی صلہ چاہنے والوں میں ہوں۔

وہ جناب کبھی کسی سے ملنے جلنے یا کسی کے مہمان بن کر نہ جاتے تھے اور شہر کے حاکم کی ملاقات کو بھی نہ جاتے تھے صرف اگر سلطان اصفہان آتا تو اس ملاقات کرتے تھے اور حاکم اصفہان جب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو دروازہ سے ہی سلام عرض کرتا اور کھڑا رہتا تھا اور اکثر آپ ادھر متوجہ نہ ہوتے اور کافی دیر بعد نظر پڑتی کہ وہ کھڑا ہے تو اس کو بیٹھنے کی اجازت دیتے لیکن کسی قسم کی انکساری کا اظہار نہ کرتے۔ اور ان کی لائبریری کے راستے میں تین مال خانے (Lockers) تھے۔ جہاں دربان ہوتے تھے ملازمین بکثرت تھے اور دس ان کے امیر (heads) تھے۔

جب زیارت مکہ سے مشرف ہوئے اس وقت محمد علی پاشا مصری کا دور حکومت تھا جو آپ کا ارادتمند تھا تو اس نے باغ فدک آپ کو دیا آپ نے سادات مدینہ کو وہ واگزار کر دیا اور اپنے وقت کے تین علماء کو آپ نے فاسق قرار دیا ایک حاجی ملا اسد اللہ بروجردی جو آقا سید محمد مرحوم کے شاگرد تھے اور اجازہ یافتہ تھے۔ اور میرزا قمی کی بیٹی ان کی بیوی تھیں۔ بروجرد کے کچھ علماء جیسے اخوند ملا علی وغیرہ نے سید کو ان کے فسق کا یقین دلایا تو سید نے ان کو فاسق قرار دیدیا۔

دوسرے میرزا محمد تقی نوری جو حاجی کلباسی کے شاگرد تھے، بڑے زود فہم تھے اور آقا سید علی سے بھی تعلیم پائی تھی۔ اصول میں بڑے ست تھے اور ضعیف اقوال کو تقویت دیدیا کرتے تھے جیسے مضاف میں اس بات کے قائل تھے کہ نجاست کم سے زیادہ کی طرف سرایت کرتی ہے حالانکہ یہ قول مشہور فتوے کے خلاف ہے اور اس کے خلاف دو اجماع موجود ہیں۔ نیز تسبیحات اربعہ کو ظہر و عصر و عشاء کی آخری دو رکعت اور مغرب کی آخری رکعت میں تین دفعہ پڑھنے کو واجب عینی قرار دیتے تھے۔ ماہ رمضان میں منبر پر بیٹھ کر حقہ پی لیتے تھے اور دھوئیں کو روزہ باطل کرنے کا سبب نہ مانتے تھے حالانکہ شیخ حسن بن شیخ جعفر نجفی اور صاحب 'مدارک' اور کچھ اور کا بھی یہ فتویٰ ہے کہ دھواں روزے کو باطل نہیں کرتا۔ اور قاعدہ بھی یہی کہتا ہے کہ روزہ باطل نہیں ہوتا اور پہلی بات کو ماننے میں تکلیف زیادہ ہے لیکن اس پر فتویٰ دینا اور اعلانیہ حقہ پینا فقہا کے طریقے کے خلاف ہے۔

مختصر یہ کہ میرزا مذکور کے بہت سے عجیب فتوی ہیں جو فقہ کے قانون سے بالکل الگ ہیں لیکن امر بالمعروف بہت کرتے تھے تو نور کے رہنے والوں نے خدمت حجۃ الاسلام میں ان کے فسق کی شہادت دی تو سید نے ان کو فاسق قرار دے دیا۔ اور فتح علی شاہ ان کے حقہ کے فتوے کی وجہ سے طہران آیا تا کہ تنبیہ کرے تو اس کے سامنے انہوں نے خوب جھگڑا کیا اور میرزا کو بہت ناسزا کہا۔ میرزا نے کہا کہ سب سے بڑے عالم تو آقا سید محمد باقر ہیں۔ کسی کو بھیج کر انہیں بلواؤ کہ طہران آ کر حقہ کے بارے میں مجھ سے گفتگو کریں۔ سلطان نے کہا: اخوند تمہارے حواس چلے گئے ہیں یا پاگل ہوئے ہو آقا سید محمد باقر کیوں اصفہان سے طہران آئیں اور تیرے میرے جھگڑے کو نمٹائیں پھر کچھ اہل حکومت نے بیچ میں پڑ کر بات کو رفع دفع کیا اور سلطان باز آ گیا۔

تیسرے حاجی ملا صادق رشتی تھے۔ وہ ایک جامع العلوم شخصیت تھے بہت اچھا بولتے تھے تقریر میں کمال رکھتے تھے۔ اور وہاں کے علماء کے مقابلہ میں سب سے ممتاز تھے۔ مرحوم آقا سید علی کے شاگرد تھے۔ ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ سال کی عمر پائی اور اس وقت تک ان کے حواس بجا تھے۔ مؤلف کتاب ان کے وعظ میں حاضر ہوا تھا۔ آغاز بہت زور شور سے کرتے لیکن اختتام کچھ اچھا نہ کرتے۔ مؤلف کتاب اور ان کے درمیان ایک مباحثہ بھی ہوا تھا۔ اور ہمارے درمیان مسئلہ متنازع یہ تھا کہ محقق طوسی نے اپنی کتاب 'تجرید' میں یہ کہا کہ وتحدیدهما بالثابت العین والمنفی العین الخ تو حاجی نے مجھ سے

سوال کیا کہ انہوں نے تحمید یہ کیوں کہا تعریف کا لفظ کیوں نہ کہا۔ اور وہ میرے والد اور ماموں سے بھی بے پناہ انسیت و پیار رکھتے تھے۔ حاجی کی بیوی ایک دیہات سے متعلق تھیں اور حاجی کے سسر کا نام کریم تھا اس بیوی سے ان کا ایک بیٹا تھا۔ کافی مدت بعد ایک دن جب حاجی گھر آئے تو دیکھا کہ ان کے سارے بیٹے سرائے خانہ کے ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس بچے کے بھائی اس کے مقابلہ میں بہتر لباس میں ملبوس ہیں اور حاجی کی بہن کے بچوں کے ساتھ وہاں بیٹھے ہیں حاجی نے فی البدیہہ ایک رباعی کہی

بنو کریم جلسوا بالتخت وهكذا بفعل اهل البخت

قد بدلوا الفاكون بالسرير واستبدلوا الكرباس بالحرير

"فاکون" رشتی زبان کا لفظ ہے اور یہاں معرب ہوگیا ہے اس کے معنی معمولی گھر کے ہوتے ہیں جو دیہاتی اپنے گھروں کے آس پاس بنا لیتے ہیں۔ یہاں ان اشعار میں حاجی کا مقصد یہ تھا کہ اس کے بیٹے کے ننھیالی بھائی بند نجیب نہیں ہیں بلکہ میرے بچے کی وجہ سے ان کو نعمت وعزت حاصل ہوئی ہے۔ مختصر یہ کہ اہل رشت میں سے بعض افراد جمع ہوئے اور حاجی کے فسق پر حجۃ الاسلام کے سامنے گواہی دی چنانچہ سید نے ان کے فسق کا فتویٰ اہل رشت کے لئے لکھ دیا۔ جب حاجی کو یہ سب پتہ چلا تو منبر پر گئے اور کافی سخت سست کہا حقیقت یہ ہے کہ سید کے اوپر معاملہ کو مشتبہ کردیا گیا تھا اور نہ دونوں گروہ ہی ناجی اور حق پر تھے۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

مجھے یہاں ایک مزید بات یاد آ گئی حاجی میرزا مسیح فاضل قمی کے شاگرد تھے اور طہران میں رہا کرتے تھے۔ انہوں نے سفیر روس کو بعض امور میں کھلم کھلا کفر وفسق سے کام لینے کی وجہ سے طہران سے نکل جانے کا حکم دیدیا تھا۔ آقا محمود بن آقا محمد علی بن محمد باقر بہبہانی ایک جامع العلوم شخص تھے اور اخباریین کے مسلک کے پیرو تھے۔ میں ان کی وعظ ونصیحت کی مجالس میں شریک ہوا ہوں۔ حاجی میرزا مسیح نے آقا محمود پر کفر کا فتویٰ لگایا ہوا تھا۔ ایک زمانہ کے بعد حاجی میرزا مسیح قم کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور مسجد امام حسن عسکریؑ میں نماز پڑھانے لگے۔ اسی زمانہ میں آقا محمود بھی قم کی زیارت کے لئے آئے ایک دن آقا محمود امام حسن عسکریؑ کی مسجد میں آئے دیکھا کہ نماز جماعت ہو رہی ہے تو معلوم کیا کہ امام جماعت کون ہے بتایا گیا کہ حاجی میرزا مسیح ہیں۔ آقا محمود نے ان کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ اور پھر اپنے گھر آ گئے تو آقا محمود کے اصحاب نے ان سے پوچھا کہ حاجی میرزا مسیح نے تو آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہوا ہے اور آپ نے ان کی اقتداء میں نماز ادا کردی۔ آقا محمود نے جواب دیا کہ کیا فرق پڑتا ہے وہ میرے کفر کا اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ ان پر معاملہ مشکوک کردیا گیا اور مجھے ان کی عدالت کا یقین ہے۔ تو ہم دونوں کو ہی ثواب واجر ملے گا۔ جب یہ اطلاع حاجی میرزا مسیح کو پہنچی تو انہیں آقا محمود کے اعلیٰ اخلاق پر تعجب ہوا اور ان سے ملاقات کی اور شکر رنجی دوستی ومحبت میں بدل گئی۔

غرض ماہ صیام کے دنوں میں حجۃ الاسلام کی مسجد میں بائیس ہزار نمازی ہوتے تھے ان میں شیعہ علاقوں کے لوگ اور بعض بیرونی ممالک کے لوگ بھی ہوتے تھے سب جگہ آپ کا حکم نافذ ہوتا تھا اور ہر جگہ آپ کے مقلدین پائے جاتے تھے۔ لیکن علمائے امامیہ میں اتنا دولتمند شخص نہ میں نے اسلاف میں دیکھا نہ اخلاف کے ہاں۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ بھی صاحب ثروت تھے لیکن حجۃ الاسلام کی دولت بہت زیادہ تھی۔ سید مرتضیٰ کو بھی بہت سطوت واقتدار حاصل ہوا لیکن حجۃ الاسلام کی سخاوت تو بیان ہی نہیں کی جاسکتی۔ کہ آپ کے نام کے آگے برمکیوں اور حاتم کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اخوند ملا علی خوانساری کہتے ہیں کہ ایک دن میں حجۃ الاسلام کے کتب خانہ میں پہنچا تو دیکھا کہ مال امامؑ کی بابت بہت سا سونا چاندی ان کے سامنے ڈھیر کیا ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے دوسری طرف سے بیٹھے ہوئے نظر بھی نہ آتے تھے اور یہ ڈھیر ہمارے درمیان حائل تھا۔ انہوں نے میرے لئے حقہ منگوایا میں نے حقہ پینا شروع کیا۔ فقراء اور سادات کو اطلاع کردی گئی تھی وہ سارے کے سارے حاضر ہوگئے وہ ہر ایک کو اس ڈھیر میں مٹھی مٹھی بھر بانٹتے رہے ابھی میرا حقہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ وہ سارا مال ختم ہوگیا میں نے بڑی خوشی اور حیرت کے عالم میں کہا: آپ مال امامؑ کی تقسیم میں بہت تیز رفتار ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں باپ کے مال میں سے بیٹا زیادہ تصرف کرتا ہے۔

میں ایک دن اپنے گھر سے میرزا حسن کے مدرسہ جارہا تھا۔ راستہ میں سے ایک گلی سے گزرا جو سید کے گھر کے پہلو میں تھی تو میں نے دیکھا۔ لاتعداد فقراء اور سادات تیزی سے سید کے گھر کی طرف جارہے ہیں کہ گلی سے گزرنا مشکل ہوگیا۔ میں نے پوچھا کہ آخر قصہ کیا ہے جو یہ اتنے لوگ یہاں اکھٹے ہورہے ہیں تو مجھے جواب ملا کہ امامؑ کے مال سے ۸۰۰ تومان بروجرد سے حجۃ الاسلام کے پاس آئے ہیں اور انہیں نے حکم دیا ہے کہ فقراء وسادات کو بلایا جائے تا کہ مال امامؑ انہیں تقسیم کردیا جائے۔ جب سب پہنچ گئے تو سب میں تقسیم کردیا گیا اور اسی وقت وہ ختم ہوگیا۔ اس زمانے کے شعرائے اہلبیتؑ میں ملاقربان علی بھی تھے جن کا تخلص بیدلؔ تھا، رودبار کے رہنے والے تھے لیکن قزوین میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے۔ مجھ سے ان کی دوستی تھی۔ ایک دن میرے کمرے میں آگئے اور کہنے لگے آج میں صرف کدو کا حقہ پینے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ ایک ترکی طالبعلم نے حقہ ان کے لئے تیار کردیا لیکن وہ اچھی طرح اسکو بنانا نہ جانتا تھا اس لئے ٹھیک نہ بنا سکا۔ بیدل نے چند کش لگائے کوئی مزہ نہ آیا تو یہ بیت کہی۔

درکش میکشیم ازین دو حالت	قلیان بکشیم یا خجالت
(ہم ان دو حالتوں کی کشمکش میں ہیں کہ	حقہ کا کش لیں یا خجالت کا)

تو میں اٹھا اور حقہ کی اصلاح کر کے ان کو دیا۔ ابتدائی زندگی میں بیدلؔ زیادہ پارسا اور متقی نہیں تھے۔ لیکن بعد میں تائب ہوگئے تھے اور بہت عابد وزاہد بلکہ اپنے ہم عصروں میں ازھد واعبد بن گئے تھے۔ انہوں نے مصائب کربلا پر کتاب لکھی جو دیگر تمام کتب مصائب پر فوقیت رکھتی ہے۔ سوائے اہلبیتؑ کے اور کسی کی مدح میں شعر گوئی نہ کرتے تھے، نہ کبھی انہوں نے کسی کی ہجو لکھی بلکہ ان کے تمام اشعار مرثیہ، نوحے، یا مصائب پر مشتمل ہوتے۔ لیکن ایک رباعی حاجی میرزا آقاسی کے لئے جو سلطان محمد شاہ کے وزیر تھے، کہی اور وہ یوں تھی:

نگذاشت برای شاه حاجی درمی	شد صرف قنوات وتوپ هر بیش وکمی
نه مزرع دوست رااز آن آب نمی	نه خایهٔ خصم را از آن توپ غمی
(حاجی نے شاہ کے خزانہ میں درہم بھی نہ چھوڑا	جو کچھ تھا وہ جنگی سامان میں صرف کردیا

نہ ان ہتھیاروں کے چمک کے پانی سے کسی دوست کا کھیت سیراب ہوسکتا ہے نہ جنگ میں ان توپوں سے دشمن کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔)

جب اس رباعی کے بارے میں میرزا آقاسی کو پتہ چلا تو پھر انہوں نے شاہ کے مال کو صحیح طور پر استعمال کرنا شروع کردیا۔

نیز اپنے والد کے کام کاج کے لئے ایک شخص بڑی لمبی داڑھی والا ملا بیدلؔ نے اس کی داڑھی کے بارے میں ایک شعر کہا

معنن ریش او چندان طویل است	که از سیچقان الی تنگوزئیل است
(بلاتر دید اس کی داڑھی اتنی لمبی ہے	کہ سیچقان سے لیکر تنگوزئیل تک پھیلی ہوئی ہے)

اور بیدلؔ کہتے تھے کہ محتشم نے اپنے بارہ بند سات سال میں لکھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے جو اشعار کہے سات سال تک ان کی اصلاح کرتے رہے اور سات سال بعد جب لوگوں کے ہاتھ لگے تو انہوں نے ان کو کتابی شکل میں لکھا۔

اور بیدلؔ کی کئی کرامات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ میں نے مصائب کی کتاب کا کچھ حصہ لکھا تھا کہ مقروض ہوگیا۔ دماغ بے حد پریشان ہوا۔ میرے پاس کچھ باقی نہ تھا۔ میں نے کتاب لکھنا بھی بند کردیا۔ مغرب کے وقت دروازہ پر دستک ہوئی میں باہر نکلا ایک شخص نے روپیوں کی سربمہر تھیلی مجھے دی اور کہا کہ اس سے اپنا قرض ادا کرد اور کتاب مصائب کو مکمل کرو۔

دیگر انہوں نے بتایا کہ میں پیدل کربلا جارہا تھا اور کافی عرصہ تک کھانے کو کچھ نہ ملا۔ بالکل اکیلا تھا بھوک سے یہ حال تھا کہ چلا نہ جاتا تھا ایک ٹوٹا پھوٹا گاؤں نظر آیا کہ بس اسکی تھوڑی بہت گری پڑی دیواریں ہیں باقی رہ گئی تھیں بھوک کی شدت سے دیوار کو ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور چلنے کا دم بالکل نہ تھا اچانک اس ٹوٹی ہوئی دیوار کے ایک سوراخ پر نظر جا پڑی کہ سوکھی روٹیاں اس میں پڑی ہوئی ہیں میں نے ان روٹیوں میں سے ذرا سی کھائی کہ جان بچ جائے اور پھر

سوراخ کو بند کر دیا کہ وہ کھانے کے قابل نہ تھیں۔

بیدلؔ نے ایک قصہ اور سنایا کہ دوران سیاحت ایک دفعہ ایک بیابان میں پہنچا جو آبادی سے بہت دور تھا۔ اور رات سر پر آ پہنچی تھی اور کئی وقت سے میں نے کچھ کھایا پیا نہ تھا۔ مغرب کا وقت ہوا تو میں اس بیابان میں نماز پڑھنے لگا۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد انتہائی کمزوری کی وجہ سے اپنی جگہ بیٹھا رہا اور ذکر خدا کرتا رہا۔ اچانک ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنا دسترخوان کھولا تو اس میں تازہ روٹی رکھی ہوئی تھی۔ اور مجھ سے کہنے لگا کھاؤ۔ میں نے بقدر ضرورت کھالیا۔ اس نے باقی روٹی دسترخوان میں رکھی اور چلا گیا۔

ایک دفعہ بیدلؔ بہت پریشان حال اور مقروض ہو گئے تو اصفہان آئے حجۃ الاسلام کی خدمت میں اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا۔ ان بزرگوار نے سو تومان نقد دیئے اور سو تومان کی ایک دستاویز دی کہ بروجرد کے فلاں تاجر کو یہ دینا اور جو رقم وہ دے لے لینا۔ بیدلؔ بروجرد گئے وہ دستاویز اس تاجر کو دی تو اس نے تسلیم نہ کی۔ بیدلؔ نے یہ معاملہ سیّد کو بتایا تو انہوں نے ایک اور دستاویز ایک اور تاجر کے لئے لکھ دی۔ اس دوسرے تاجر نے فوراً رقم حوالے کر دی۔ پھر اس پہلے تاجر نے بھی درخواست کی کہ مجھ سے بھی رقم لے لو۔ بیدلؔ نے پھر سید سے عرض کیا کہ دوسرے تاجر نے رقم دیدی ہے اب پہلا تاجر بھی دینا چاہتا ہے۔ تو اب آپ کا کیا حکم ہے۔ ان بزرگوار نے جواب لکھا تم وہ رقم بھی اس سے لے لو۔ اور یہ بھی میں تمہیں عطا کر رہا ہوں۔ اس طرح کل تین سو تومان انہیں مل گئے۔

عید غدیر کے موقع پر اصفہان کے تاجر سب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سو، دو سو یا اس سے کم یا اور زیادہ سیّد کو پیش کیا کرتے تھے کہ آپ فقراء کو بخش دیجئے۔ ایک دفعہ اتفاق سے عید غدیر کے دن وہ مسجد میں پہنچے اور منبر پر آئے ان کے اردگرد روپیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں پڑی ہوئی تھیں چاندی سونا بھی تھا اور پول سیاہ وہ شاہی اور ہزار دینار وغیرہ سب تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ تمام فقراء ایک دروازہ پر جمع ہوں ایک ایک کر کے داخل ہوں اور دوسرے سے نکل جائیں۔ بہت سے فقیر تھے ہر ایک کو مٹھی بھر رقم دیتے جتنی بھی اس میں آ جائے۔ اور ایک گھنٹہ بھر میں سارا مال فقراء کو بخش دیا گیا اور جب حساب لگایا تو اٹھارہ ہزار تومان بنے جو ایک گھنٹہ میں فقراء میں تقسیم ہو گئے اور دو دکانیں ایک روٹی کی اور ایک قصائی کی فقراء کے لئے تھیں کہ روٹی کی دکان کا، گندم بھی ان کا دکان بھی ان کی اور نانبائی کی تنخواہ بھی انہیں کو دینی ہوتی۔ اور اس طرح قصائی کی دکان کا حساب تھا یہ دو دکانیں صرف فقراء کو روٹی اور گوشت فراہم کرنے کے لئے مخصوص تھیں گویا ایک ہزار افراد بلکہ دو ہزار خاندان ان بزرگوار سے روٹی گوشت کا وظیفہ پاتے تھے۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں بہت بدحال ہو گیا اور کئی وقت تک کھانے کو کچھ میسر نہ آیا ایک رات ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ دیکھا کہ حجۃ الاسلام بھی اس گلی سے گزر رہے ہیں۔ جب میرے قریب سے گزرے تو مٹھی بھر زرِ سرخ مجھے دیدیئے اور خاموشی سے گزر گئے۔

جس سال رشت میں طاعون کی وبا پھیلی بہت سا مال جس کا وارث و مالک کوئی نہ تھا جمع ہوا۔ فتح علی شاہ سیّد کی ملاقات کو آیا اور ان سے کہنے لگا کہ بادشاہ صاحب عیال ہے اور بیچارہ فقیر ہو کر رہ گیا ہے جو مال رشت سے جمع ہوا ہے وہ ہمیں بخش دو۔ سیّد نے مبلغ بیس ہزار تومان بادشاہ کو عنایت کر دیئے کہ رشت میں یہ مال صرف کیا جائے اور فقرائے مدینہ کو سالانہ وظیفہ دیا کرتے اور طلباء کی بڑی اعانت کرتے بلکہ روساء درباریوں، تجار شاہزادوں سے سب کو رقم بطور قرض دلایا کرتے اور محلہ بید آباد میں مسجد تعمیر کی تھی کہ ویسی مسجد دنیا بھر میں کہیں نہ بنی۔ اس مسجد کی بنیاد اتنی گہری بنائی گئی کہ زمین کی سطح تک آنے میں مبلغ ساٹھ ہزار تومان اس پر خرچ آیا اور آپ کی وفات تک ستر ہزار تومان کے اخراجات باقی تھے۔ مرحوم فتح علی شاہ کے ساتھ کہ وہ علماء کو دوست رکھتا تھا اور ان پر احسان و تکلف کرتا تھا سیّد مسجد کو دیکھنے گئے۔ سلطان نے درخواست کی کہ اس مسجد کی تعمیر میں مجھے بھی شریک کر لیجیے۔ سیّد نے منظور نہ کیا۔ سلطان نے کہا آپ اس تعمیر کو مکمل کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ سید نے جواب دیا کہ میرا ہاتھ پروردگار عالم کے خزانہ میں ہے۔ جس سال آپ نے وفات پائی مؤلف کتاب اصفہان میں ہی تھا۔ اس وقت امین الدولہ نے آپ پر بیس ہزار تومان کا دعویٰ کیا۔ آپ نے کہا تم نے یہ رقم مجھے اس غرض سے دی تھی کہ تم اسے ردمظالم کے طور پر فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔ امین الدولہ نے کہا کہ میں نے تو امانت کے طور پر آپ کو دی تھی سید نے کہا کہ میرے ذمہ تمہاری کوئی امانت نہیں ہے لیکن

اب جبکہ تم نہیں مانتے تو میں یہ تسلیم کر لیتا ہوں کہ جو کچھ فقراء کو دیا گیا وہ میرا مال ہے اور وصیت لکھ دی کہ میرے مال سے بیس ہزار تومان امین الدولہ کو ادا کر دیئے جائیں اور یہ اس کا قرضہ ادا ہوگا۔

نیز اسی زمانہ میں حاجی غفور کے گروپ کے ایک تاجر نے سید پر دعویٰ کیا سید نے کہا کہ تم نے وہ مال فقراء کے لئے مجھے دیا تھا اور میں نے فقراء کو دیدیا اس لئے اب مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اس شخص نے کہا: میں نے تو امانتاً آپ کو دیا تھا۔ سید نے کہا: کیا اب تم اس بات پہ پشیمان ہو کہ اتنا مال فقراء کو چلا گیا تو ٹھیک ہے سمجھ لو وہ میرا مال تھا اور اس کو بھی قرض شمار کرتے ہوئے وصیت کر دی کی میرے مال سے اتنا اتنا مال اس تاجر کو ادا کر دیا جائے۔ آپ کے اساتذہ کرام ملا مہدی نراقی، بحر العلوم، آقا سید علی اور میرزائی قمی اور ان کے جیسے اور لوگ تھے جیسا کہ ہم نے پہلے آقا سید محمد باقر قزوینی کے اجازہ میں تذکرہ کیا گیا ہے یہ بات مخفی نہ رہ جائے کہ ہم نے مسجد حجۃ الاسلام کا حقیقتاً کوئی خاص تذکرہ نہیں کیا ہے کیونکہ اس کا تعلق بیان میں نہیں دیکھنے سے ہے۔ تقریباً مدرسہ کے پچاس دروازوں کے برابر ہے۔ اس مسجد کے مکمل ہونے کے بعد اخوند ملا علی نوری نے چند اشعار اس مسجد کی توصیف میں لکھے اور وہ حجۃ الاسلام کے پاس بھیجے۔ سید نے فرمایا کہ ان اشعار کے صلے میں انعام دینے کے لئے کوئی چیز اس قابل مجھے نہیں ملتی اگر جو کچھ میرے پاس ہے سب بھی اس کے لئے دیدوں تو کم ہے۔ اخوند بوڑھے ہو چکے تھے اور بڑی طویل عمر پائی تھی۔ سید اور حاجی کلباسی نے سابق ادوار میں اخوند سے درس پڑھا تھا۔ ایک دن آخوند مسجد میں آئے کہ سید کی اقتداء میں نماز پڑھیں ضعیف اس قدر تھے کہ مسجد کے راستے میں غش کر گئے۔ جب ہوش میں آئے تو مسجد پہنچے تو دیکھا کہ اس دن سید مسجد نہیں پہنچے۔ اخوند کو بڑا غصہ آیا کہ میں تو اس سن میں مسجد آیا کہ جماعت کی نماز پڑھوں گا اور تم مسجد ہی نہ آئے۔ آخوند ملا علی تمام حکماء کے مقابلہ میں زیادہ شریعت کے پابند تھے۔ ابتدا میں میرزا قمی کی تقلید کرتے تھے اور ان کے بعد حجۃ الاسلام کی تقلید کی۔ آخوند ملا علی نے شرح حکمت العین نو سال میں آدھی پڑھی اور جس سال سے وہ اور میرزا قمی باہم عتبات جا رہے تھے تو اثنائے راہ میں میرزا ملا رومی کے اشعار صفحہ صفحہ ورق ورق زبانی پڑھتے چلے جاتے تھے اور اخوند سے ان کے متعلق سوالات کرتے جاتے تھے۔ آخوند نے پریشان ہو کر کہا کہ مجھے ان اشعار سے زیادہ لگاؤ نہیں ہے اور جیسے آپکو یہ فرفر یاد ہیں مجھے اس طرح یاد نہیں ہیں۔

ایک دن آخوند آقا سید علی صاحب 'ریاض' سے ملاقات کو گئے۔ سید کو حقہ نوشی کی عادت نہ تھی لیکن آخوند اس کے عادی تھے، تو ایک حقہ ان کے لئے لایا گیا جس میں بہت سے سوراخ تھے اور کش کی آواز نہ نکلتی تھی جتنے کش لگائے دھواں نہ نکلا۔ سید سے کہا کہ یہی حقہ ہے جسے اخباری حرام سمجھتے ہیں دوسرے حقوں کو نہیں۔ سید ہنس پڑے اور حکم دیا کہ دوسرا حقہ تیار کر کے لاؤ۔ معلوم ہونا چاہیے کہ حقہ نوشی آخوند محمد باقر مجلسی کے زمانہ کے وسط میں رائج ہوئی اور سلطان نے اس سے روکا لیکن لوگ نہ مانے اور تنہائی میں اور زیر زمین تہہ خانوں میں جا کر پیتے۔ جب سلطان کو یہ بات پتہ چلی تو سلطان نے تمباکو پر کثیر ٹیکس لگا دیا کہ شاید اب لوگ باز آ جائیں۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا یہی وجہ ہے کہ شیرازی تمباکو پر بہت محصول لگتا ہے۔ لیکن انوار النعمانیہ میں سید جزائری نے لکھا ہے کہ ایک خزانہ ملا تھا جس میں بہت سی چیزیں تھیں اور بڑا پرانا تھا اور اس میں حقہ کا ساز و سامان بھی تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد قدیم میں بھی حقہ کا رواج تھا۔

آخوند ملا علی نے سید کی شہرت کا بڑا اہتمام کیا کیونکہ وہ خود مانے ہوئے اور مقبول القول انسان تھے لہٰذا انہوں نے جو کہا سب نے مان لیا اور صوفیہ کو گمراہ اور کافر قرار دینے کا فقہاء ہی نے زیادہ اہتمام کیا تھا۔ اور وہ کہا کرتے تھے کہ میں اہل خبرہ سے ہوں اور اس (یعنی صوفیہ) قسم کے لوگ کافر ہوتے ہیں۔ علم الٰہی میں ملا صدری کو آخوند پر ترجیح حاصل تھی۔ جب آخوند شیراز گئے تو میرزا ابو القاسم نامی ایک صوفی سکوتی کے نام سے مشہور تھا اور شیراز میں رہتا تھا۔ لوگ آخوند سے ملاقات کو چلے آ رہے تھے اور ایک تعارف کرانے والا شخص سب کا تعارف کرا تا جا رہا تھا۔ اتنے میں ابو القاسم سکوتی داخل ہوا اور چاہا کہ آخوند ملا علی سے ملاقات کرے۔ تعارف کرانے والے نے کہا آپ میرزا ابو القاسم سکوتی ہیں۔ آخوند نے یہ سنتے ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا: یہ شخص نجس ہے اور کافر ہے یہ فوراً میرے پاس سے چلا جائے۔ میرزا ابو القاسم شرمسار ہو کر مجلس سے چلا گیا۔ جب اس نے چاہا کہ اپنے جوتے پہنے تو آخوند نے ملازموں

سے کہا کہ گدھوں کا حکیم تازہ پھل کی طرح ہے۔ جب لوگ کسی معروف صوفی کو کافر کہتے تو وہ آخوند سے فتویٰ لیتے۔ آخوند نے ان کے کفر کے متعلق بہ تفصیل لکھا اور کہا کہ قتل کا فتویٰ مجتہدین کو دینا چاہیے تو خدمت سید میں آتے کہ قتل کا حکم فرمائیں لیکن سیدان امور میں شرعی ذمہ داریوں کے مطابق چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ تو پھر آخوند کی خدمت میں آتے تو آخوند سید پر ناراض ہوتے اور کہتے کہ میں ان (صوفیوں) کے بارے میں اہل خبرہ میں سے ہوں یہ لوگ کافر ہیں لیکن قتل کا حکم دینا حاکم شرع کی ذمہ داری ہے وہ اس سلسلہ میں کیوں ٹال مٹول اور چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ آخوند ملا علی نوری سے سوال کیا گیا کہ اگر کنویں میں (مردہ) مچھلی گر جائے تو کتنے ڈول پانی کھینچ کر پھینکنا چاہیے۔ انہوں نے پہلے سوچا پھر کہا کہ میں یہ مسئلہ نہیں جانتا۔ ملا علی کے بہت سے فاضل طالبعلم تھے۔ ان میں میرے والد ماجد بھی تھے اور آخوند ملا عبداللہ اور نوری کہ جو خان مروی کے مدرسہ کے مدرس تھے اور میں نے بھی ان سے درس لیا ہے۔ آخوند ملا آقائی قزوینی اور میں ان کے شاگرد تھے۔ اور حاجی ملا ہادی سبزواری جن کے بارے میں ایک قصہ بھی میں لکھ چکا ہوں اور حاجی محمد جعفر لنگرودی اور میں نے شواہد الربوبیہ آقا محمد مہدی ولد حاجی کلباسی کے ساتھ وہیں ان کے پاس پڑھی۔ اور آقا سید رضی مازندرانی جن سے میں نے علوم عقلیہ سیکھے۔ تالیفات ملا علی کتاب 'حجۃ الاسلام' جو انہوں نے ایک پادری کے پیدا کردہ شبہات کی رد میں لکھی اور شرح حدیث امیر المؤمنینؑ اور حواشی شرح اصول ملا صدری ہیں۔ ان کے شاگرد ملا اسماعیل واحد العین جو اصفہانی تھے اور شیخ احمد احسائی سے علمی مباحثہ کیا تھا اور ان کو ملزم قرار دیا تھا اور جب آخوند نے وفات پائی حاجی کلباسی نے ان کے جنازہ پر بہت گریہ کیا اور یہ کہتے تھے کہ اب آپ کے بعد دشمنان اسلام کے شبہات کو کون دور کرے گا۔ اور شیخ علی بن شیخ جعفر نے نجف میں انکے جنازہ کا استقبال کیا اور خود کاندھا دیا اور حسب وصیت امیر المؤمنینؑ کے کفش کن میں مدفون ہوئے۔ جو خط آخوند ملا علی نوری نے جناب میرزا قمی کو لکھا چونکہ بڑا لطیف ہے اور بہت سے مسائل اور تحقیقات پر مبنی ہے لہٰذا اس کا ذکر کیا جارہا ہے۔

صورت مراسلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں مخلص، ہجر کا مارا فیض خدمت سے دور آپکی خدمت باسعادت میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں اعوان وانصار کی کثیر تعداد رکھی ہے اور اللہ سبحانہ نے اپنی زمین میں اپنے قدر اور اعتماد کو عظمت دی ہے اور ریا کاری سے مبرا دعا کے بعد کہتا ہوں کہ آپ کا ضمیر جام جہاں نما ہے چنانچہ حاجت بیان کیا ہے۔ اور خدا میرے صدق مقال پر گواہ ہے کہ اس طلب کرنے والے کی عقیدت اس عدیم المثال ہستی کی نظر میں گویا سلامان کی آبسال سے ہے(۱)

غافل مشو از حالِ منِ بیسر وسامان — من باتو چنا نم که بابسال سلامان

(مجھ بے سروسامان کے حال سے بے خبر نہ رہو — میری نسبت تم سے ایسی ہے جیسی سلامان کی آبسال سے)

مشتاقم و دورم غم جانگا هم ازاین است — مشتاق ترا دور زندا هم ازاینست

(مشتاق ہوں، دور ہوں میرا جاں گزار غم یہی ہے — تمہارے مشتاق کا دور ہونا اُسے بہت مشکل میں ڈالنے والا ہے۔)

والطور والکتاب مسطور عمران کے بیٹے کو ایک مدت تک شعیبؑ کی خدمت کرنا پڑی تب بھی کوہ طور پر پہنچے تو پس پردہ سے لن ترانی کے سوا جواب نہ پایا مجھ بیچارے کی جانب سے بے حاصل سی کوشش ہے مگر اگر آپ کا لطف کرم ہو جائے تو

تاکه از جانب معشوق نباشد کششی — کوششِ عاشق بیچاره بجائے نرسد

(گر نہ معشوق میں کشش ہوگی — سعی عاشق کی بے اثر ہوگی)

گزشتہ سال کی طرح دو ماہ سے کوشش کر رہا تھا کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے مسافرت اختیار کروں لیکن میری بے سعادتی ہے کہ محبت مادری سے رضامندی حاصل نہ ہوئی اور منع فرمادیا۔ گویا ابوالبصیر با سعادت نے بادشاہ مصر تک سفر کی ٹھانی لیکن بدقسمتی سے درمیان ہی میں رہ گیا تو

(۱) سلامان آبسال عاشق و معشوق کا نام ہے اور جس کتاب میں یہ واقعہ درج ہے وہ بھی اسی نام سے مشہور ہے (از مصحح)

جب یتیم کے سر پر خاک ہو وہ کیا عرض کر سکتا ہے۔

مشتاقی و مهجوری دور از تو چنانم کرد کز دست بخواهد شد پایان شکیبائی

(اشتیاق ومہجوری نے مجھے تم سے ایسا دور کر دیا ہے کہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھٹا چاہتا ہے)

پس اے سب کے دوست مجھ جیسے چہرے کو بھی اپنی بارگاہ میں طلب کریں یا آپ جیسا پاک دامن خدا سے میرے لئے صبر طلب کرے حالانکہ صبر کرنے سے مشتاق کو تاب مقاومت تو حاصل نہیں ہو سکتی۔ کہ پروانے تو شمع کے اوپر جان نثار کرتے ہیں۔ بہر حال محبت کا تقاضا وفا ہے۔

بنشینیم و صبر پیش گیرم دنباله کار خویش گیرم

(بیٹھو اور صبر اختیار کرو اور اپنے کام سے کام رکھو)

کہ ہر کام اپنے وقت پر ہی انجام پاتا ہے۔

چند مسائل کو علیحدہ کاغذ پر لکھا اور عالی جناب، قدسی القاب، خوشبوؤں کے جوہر، احباب کے پیشوا، صاحبانِ عقل کی آنکھوں کی ٹھنڈک، علمائے عظام کے معتمد، فضلائے کرام کا نمونہ، بہت بڑے عالم، بہت صاحب فہم، مولانا، سچ بولنے والوں کی جائے پناہ آخوند ملّا محمد کی خدمت میں ارسال کیا۔ اور ان مرشدِ کامل نے ان پر عمل کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اگر چہ میں نے پہلے ہی ان کی کتابوں کے مطالعہ سے بہت سے مسائل کا حل حاصل کر لیا تھا۔ لیکن جو بجدید جواب آیا اس کا فائدہ ہی اور ہے۔

اس دردِ سری اور استاد کو زحمت دینے کا سبب یہ ہے کہ آسمان الٰہی کا چاند اس عمل کے لئے ہم پر مہربانی کرے ہمہ گوش ہیں کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔

روا بود همه خوبان آفرینش را که پیش صاحب مادست در کمر گیرند

(تمام اچھی خلقت والوں کیلئے روا ہے کہ ہمارے صاحب کے سامنے خود سقائی کریں)

پر ایک مقام میں بدنما اور بدسرشت بندہ کہ نہ دین کا نہ دنیا کا اور نہ بہشت کی کوئی امید، کافر مفلسی کی طرح ہوں جس طرح ایک بدکار بری عورت لیکن حضرت کی مصاحبت کے بعد اور دوستانِ خدا کی مددگاری سے خصوصاً آپ دونوں کی استجابت دعا کی بدولت سعادت مندی کے حصول کا امیدوار ہوں مگر یہ کہ بزرگوں کے خرمن اقبال سے ایک خوشہ بخشا جائے کیونکہ ہم نے کوئی بیج نہیں بویا (اور تہی دست ہیں) تمنا ہے کہ آپ بھی جلد ہر مسئلہ کا اپنے قلم سے جواب لکھ کر کسی معتبر شخص کے ہاتھ سے ارسال فرما دیں اور میں امیدوار ہوں کہ مرشد العوام کا صحیح نسخہ اگر سرکار کے پاس ہو اور آپ کو اب اس سے چنداں کام نہ ہو تو اپنے اس مخلص کے لئے بھیج دیں کہ یہ عین مخلص نوازی ہوگی۔

دایم گل ایں بستان شاداب نمی ماند دریاب ضعیفاں رادر وقت توانائی

(اس باغ کا پھول ہمیشہ تازہ نہیں رہتا ضعیفوں سے اسی وقت حاصل کرنا چاہتا ہے جب وہ توانا ہوں)

اگر چہ جیسا کہ سنا گیا ہے کہ آپ کے بوستان دماغ پر ان دنوں خزاں آئی ہوئی ہے لیکن امید ہے کہ گلستان غیبی کی نسیم عنبر شمیم سے دوستوں کے دماغ جاں معطر ہوں گے اور روحانی فیوض اور سعاداتِ اخرویہ کے ابواب آپ کی ذاتِ قدسی صفات اور فرشتوں جیسی عادات رکھنے والے پر آناً فاناً کھل جائیں گے کہ آپکی توجہات ہماری دلجمعی کا سبب ہوں گی۔ چونکہ ایسا ہے کہ پریشان حال غمگین ہوتا ہے تو اسے دل جوئی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے بہر حال پچھلے سال آپ کی جانب سے تعلقات کا قائم کرنا اور اتحاد کے لئے کام کرنا فخر و مباہات کا موجب ثابت ہوا۔ حقیر عرض کرتا ہے کہ اب سے بیس سال پہلے قزوین میں غفران مآب، عالم، عامل، میرے استاد آقا سید حسن برادر عالم، عامل آقا سید حسین، اللہ ان دونوں کی قبور کو خوشبوؤں کا مرکز بنائے، کی خدمت میں درس فقہ واصول فقہ حاصل کیا۔ سید مرحوم نے ایک دن میرے اور میرے ساتھیوں کے سامنے نماز احتیاط کے مباحثہ میں فرمایا کہ نماز احتیاط میں تسبیح کیونکہ آخری دو

رکعت کے بدلے میں ہوتی ہے، احوط واولیٰ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ان کے جد، والد، بھائی اور خودان کا بھی نماز احتیاط کا طریقہ ہے۔ اور ہمیں بھی ہدایت کی کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہ کریں۔ اور حقیر چونکہ ان سے حسن نظر رکھتا تھا اس لئے اسی طریقہ پر کار بند رہا۔ حتیٰ کہ اصفہان میں اپنے استاد میرزا ابوالقاسم کی خدمت میں اس طریقہ علمی سے جو میں نے ان سے سیکھا کتب فقہ کو دیکھا نیز بخشش کا فیض فخر المحققین طالبان یقین کی پناہ گاہ، دانشور حکمائے الٰہی، عرفائے اہل شریعت وھوحدین کے مراسم کو زندگی دینے والے، میری سند وار میرے اور سب کے سردار میرے آقا آقا محمد بن آقا محمد رفیع کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات ائمہ طاہرینؑ کے ساتھ بلند فرمائے سے شرف اندوز ہوا اور انہوں نے مجھے بار بار تاکید کی کہ غیبتِ امام زمانہؑ میں سوائے احتیاط کے کوئی راہ نجات نہیں ہے اس لئے ملا محمد تقی مجلسی کے حدیقہ کے مطابق عمل کرو۔ میں نے حسب الحکم فقہا کی پناہ گاہ المویٰ الجلیل، المؤیہ المنصور کے حدیقہ کی طرف رجوع کیا اور حتی الامکان اس کے مطابق عمل کیا اور شاید ہی کبھی اس سے تجاوز کیا ہو۔ اس کے ساتھ نماز احتیاط میں، میں تسبیحات اربعہ پڑھا کرتا تھا۔ پھر حسن اتفاق سے میں اس کی چھان بین پر متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ احتیاط اس کے خلاف ہے میں نے سرکار کی 'مرشد العوام' کے نسخہ کی طرف رجوع کیا تو اس کے عدم جواز کی تصریح فرمائی ہے اب لازماً میں اس کا تدارک کرنا چاہتا ہوں اس سلسلہ میں کچھ سوالات ہیں کہ ہر ایک کا جواب ارشاد فرمادیں۔ اگر چہ میں اپنی سمجھ کے مطابق الحمد اللہ نماز احتیاط کے اعادہ میں مشغول ہوں جب تک کہ آپ کی طرف سے جواب موصول ہو۔ استدعا کرتا ہوں کہ جتنی بھی ضروری باتیں ہیں آپ فرمادیں اور ہر جواب کو تفصیل میں لکھیں اگر چہ اس سے پہلے سوال کے جواب میں وہ بات آچکی ہو لیکن پھر بھی ضروری ہو تو تکرار فرمادیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں روسیاہ دنیاداری اور شادی وغمی سے دور ہو کر گزشتہ کا تدارک کرنا چاہتا ہوں اور یہ اس قبیل سے ہے کہ غم نہ ہونا کوئی اچھی بات نہیں اور غم نہ ہونے میں کوئی نقصان بھی نہیں۔ اور اگر ایسا ہو تو لمبی بحث چھڑ جائے گی اور آدمی ہلاک ہو جائے گا۔۔۔۔ نہیں ہرگز نہیں۔ آدمی سے حاجت پوری نہیں ہوئی تو کیا کروں؟ ۔۔۔۔ کدھر جاؤں؟ کہ پریشان حال کنبے کے ساتھ بندھا ہوا ہوں بس اس صورت میں افسوس ہے اور پھر افسوس ہے ڈرتا ہوں کہ کعبہ نہیں پہنچ سکتا۔ اے اعرابی تو جس راہ پر جاتا ہے وہ ترکستان جاتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ کیا چارہ ہے؟

دست بیچارہ چوں بجاں نہ رسد — چارہ جز پیرھن دریدن است

(بے چارہ، ہاتھ جان تک رسائی نہیں رکھتا — اس لئے سوائے لباس پھاڑنے کے اور کیا کر سکتا ہوں؟)

چاہتا ہوں کہ۔۔۔۔ جو بہتر سے بہتر ہوا سے انجام دیدوں۔ تمنا رکھتا ہوں اور خدا کی قسم دیتا ہوں کہ گاہ بگاہِ اس روسیاہ کو دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔ اللہ مجھے آپ کا فدیہ قرار دے، یا اللہ میری مدد فرما اور محمدؐ وآل محمدؐ کے صدقے میں مجھے ہلاک نہ کر باتیں تو بہت ہیں اگر مقدر میں ہوا تو ملاقات بھی ہوگی۔

جواب مراسلۂ میرزا ابوالقاسم قمیؒ

اللہ اس پر رحم کرے اور اس کی بخشش کرے۔ (حال یہ ہے کہ) ٹوٹے پروں والا مولا باز کے پنجے سے مانوس، بلا سے مایوس، بندھے ہوئے پروں کے ساتھ مشقت کا قیدی، ایسے پرندے کی مثل جس کی آواز گھٹ جائے اور وہ بول نہ سکے اسی لئے تحریر میں غصہ کی گرمی ہے اور قلم کی زبان عزت کم کر دینے والی ہے۔ حیاتِ بے ثبات کے متعلق کیا عرض کروں۔۔۔۔ لیکن آپ جیسے برگزیدہ مددگار کی خوشنما دلجوئی اور التفات نے اس وھب العطایا کا شکر ادا کرنے کا موقع فراہم کیا۔ لوح ضمیر پر روشنی کی تنویر نقش ہوئی کہ صاحب اعزاز فاختہ عالم قدسی کی بلندی سے بے مصرف پستی میں اتری۔ نادر تنبیہات کی گونج سے اندازہ ہوا کہ بے خبروں کے مجروح ترین کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا مقصود ہے۔ اسی لئے منافع کوش ہدہد نے بادِ صبا کی طرح سلیمان کا خط مصر وفا سے شہر سبا تک پہنچایا۔ جس سے وحشت زدوں کے وحشی ترین کی رگ رگ میں نوید محبت سرائیت کر گئی۔ خوش قسمتی کے دریچے سے سرفرازی کی شان وشوکت سوئے ہوؤں میں سب سے زیادہ خوابیدہ کے بخت پر نچھاور کی گئی۔ میری مراد ہاتف غیبی اور مؤلف لاریبی سے ہے جن کا مکتوب بلاغت اسلوب حقانیت کا مکمل نمونہ ہے۔ کہ اس کی ہر سطر منبع آب حیات سے لی گئی ہے اور ہر پیرا اس سمندر سے ہے جو معدن حکمت اور مخزن سعادت ہے جو اس کرۂ خاک کے

پژمردگان کے لئے موسم بہار کی طرح تازگی کا باعث بنا اور اس نے غمناک پتیوں کے بے صرف ظلمت نشینوں کے اوپر نصف النہار کے سورج کی طرح نور پھیلایا۔ صاحبان بصیرت کی نادر شخصیتیں کہ جن کا شمار یگانوں میں ہوتا ہے، کئی قسم کے فوائد برطرف ہو گئے، باغ آفاق شگوفوں سے کھلا ہوا گیا۔ صحیح نوعیت کے معاملات میں ان گنت مہربانیوں کے جواہر نثار کیے جانے لگے۔ صفحات التفات کے نورانی مطالعہ سے ظلمت کدۂ غم روشن ہوا۔ خنک ہواؤں نے خوشبوئیں چرائیں اور اس (خط) کے اشاروں نے دل کے مشقت زدہ آتشدان کو گلشن کی مثل بنا دیا۔ ان اشارات کی باریکیاں بشارتوں کے متعلقات ہوتے ہیں اور نادر بشارتوں نے میرے لئے اشارات کی مشکلات کی شرح کر دی یہاں تک کہ لطف وبخشش کے اظہار کے عالم میں اُس اہل کمال و مشفق بے مثال کی جانب سے اس قاصر بے کمال، زیاں کار، بے دل و حیثیت کو سلامان و آبسال کی مثال سے یاد کیا گیا۔

اگر چہ یہاں ایہام (۱) کا مقصد پہلی بات کو آگے بڑھانا تھا کہ جو فی الحقیقت مبالغہ کی مانند تھا۔ لیکن گرمئی الفاظ سے جھلس جانے کی کیفیت سے بچنے کے لئے دوسری بات کی طرف آتا ہوں۔ کیونکہ ملامتوں کے مستحق کی عمر طویل ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ ناشئے بے قدر خود کو اہل اعتبار اور سابقین کامل الاعتبار میں شمار نہیں کرتا تو نسبت مرتبہء استکمال میں خود کو کمال کے اعلیٰ مراتب حاصل کرنے میں اس طرح سمجھتا ہوں جیسے بغیر دھوئیں کی آگ کے اثر سے فطرت کا پھل یا کھنکتی مٹی کا پیالہ (۲) یکتا ہے۔ ترقی حاصل کرنے کے لئے خود کو خُو کی عادت کی پستی سے اوج کمال تک لے جانا فطرت کا تقاضا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں کہ کبریت کا منبع ضرور کھنکتی ہوئی مٹی میں ہے اس واسطے کہ پرانے دشمن (۳) کو دوست گمان کیا اور قدیمی دوست (۴) کو ایک طرف کر دیا، زمین شور میں بیج کاشت کیا، نقش کو پانی کے اوپر لکھا اور اس توشہ اور رفیق علم کے ساتھ الفت اور آرام کے نتیجے کی امید میں لمبا سفر اختیار کیا بلکہ شہد جیسی شیرینی کے دھوکے میں زہر کے پیالے پئے چھپے ہوئے جال میں دانہء امید کے خیال سے مسلسل اپنی خرابی کی کوشش کی میرے باپ نے جنت کا باغ گندم کے دو دانوں کے عوض فروخت کر دیا تھا میں ناخلف ہونگا اگر چہ جو کے بدلے اسے فروخت نہ کروں۔ بلکہ کبھی شیر خوار بچہ اس بوڑھی غدار دنیا کے دو پستان حرص سے چوستا ہے اور ہنس ہنس کے خوش ہوتا ہے اور کبھی انتہائی کراہت سے ابوالخیرات بابا توکل کی بغل میں ڈاڑھی سے کھیلنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور ہر روز دل پر ملال کے ساتھ یہاں اور وہاں تماچہ مارتا رہتا ہے۔ اور کمینگی کی پستی سے نکلنے کے باوجود مکتب خانہء مودب سے گریز کرتا ہے اور کبھی مادر مہربان تقویٰ و پرہیز سے اخروٹ و بادام اور کشمش کی طلب میں جھگڑا کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شرح حال اس شکستہ پر اور بیان حسرت و شکستگی یہ ہے کہ گمراہی کے بیابان اور سختیوں میں تیرتا ہوں۔ مایوسی، ملال، کاروانِ سفر سے دوری، اور نقصانات اور وبال کے رہزن کے پھندے میں اس طرح سے اسیر ہوں کہ تقریر و بیان میں اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ منافق کے قلم سے گونگے کی زبان کہاں ظاہر ہوتی ہے؟ مگر احوال مطلب بیان کرنے سے جاہل ہوں سوائے یہ کہ تھوڑا بہت اس تحریر سے واضح ہوا ہو گا ورنہ اصل حال کچھ اور ہے۔ خاص طور پر اس دور میں حالات میں مخالفت کے باعث مسلسل قیمتی عمر نقصان اور شریر نفوس کی پیروی کرنے والے اہل دنیا کی حکمرانی میں گزر رہی ہے۔ سچ بولنے کی خوبیوں اور خرابیوں کی شہرت آگ کی طرح پھیل رہی ہے، فراغت کا کوئی لمحہ میسر نہیں۔ بزورِ طاقت کام کرنے سے روکا جا رہا ہے اور چونکہ حالِ پریشان کے اظہار بیان کی جسارت کی مزید فرصت نہیں ہے اسی لئے بھلا چاہنے والے سے امید ہے کہ وہ اپنی خیر خواہی سے طالب دعا کو تقویت پہنچائیں گے۔ یہ بھی التجا ہے کہ اجابتِ دعا کے اوقات میں مجھے فراموش نہ کریں گے۔

اور اب جس کام پر آپ نے مجھ معذور کو مامور کیا ہے تو مطلوبہ خدمت کی انجام دہی حتی المقدور کرتا ہوں خواہ مرحلہ آسان ہو یا دشوار۔ اور جیسا کہ ان تمام کلمات صدق آیات سے استنباط کیا گیا، حقیر کے حسن ظن کے پیش نظر اور عالی جناب کے خلوص اور راست خصلت کی بدولت سمجھا ہوں کہ آپ کا حقیقی مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی امر تدارک مافات کے بارے میں حقیر پر ظاہر ہو جائے اور قابل اظہار ہو تو عرض کر دوں۔ عموماً اور خصوصاً ہر چند سوءِ ادب ہو گا لیکن سائل اور مسئول دونوں کے لئے چونکہ طولانی گفتگو سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو گا اس لئے اجمال کے طور پر بعض مراحل عرض کیے جاتے ہیں۔ آپ نے زیادہ تر

(۱) بعید معنوں والا لفظ.....(۲) مراد انسان ہے.....(۳) شیطان.....(۴) اللہ

اشکالات نماز احتیار کے تدارک کے بارے میں قرار دیئے ہیں اور باقی ذمہ داریوں کو بطور احتیاط عمل میں لانا چاہتے ہیں جیسا کہ عالی جناب رحمت وغفراں مآب آقا محمدؒ نے فرمایا اور آج کے دور میں اس کے سوا چارہ بھی نہیں ہے کہ کتاب حدیقۃ المتقین کی طرف رجوع کریں اور آپ نے بھی بنائے عمل اس پر قرار دی ہے اور اپنے نفس کو مقام ملامت پر رکھا ہوا ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ تدارکات میں چشم پوشی کا شائبہ کوئی ضرر نہیں رکھتا اور آپ کی بات سے یوں لگتا ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے تمام اعمال احتیاط کے ساتھ تمام ہوں۔ اس حقیر نے کافی اس مرحلہ پر محنت کی لیکن اب تک یہ بات نہ سمجھ سکا کہ کیا کسی کے لئے یہ ممکن ہے کہ اپنی تمام یا اکثر تکالیف شرعی کو احتیاط سے انجام دے سکے۔ کوئی پروا نہیں ہے۔ یہاں ہماری معرفت کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں اگر آپ ایک دروازے سے داخل ہوں گے تو ایک ہی جگہ پہنچیں گے چہ جائیکہ آپ یہ چاہتے ہوں کہ زحمت وتکلیف وجرح بھی نہ ہو۔ آپ ان چیزوں پر بھروسہ نہ کریں۔ جبکہ یہ یقینی ہے کہ جو راستہ بھی آپ اختیار کریں گے بہت سے اختلافات سامنے آ کھڑے ہوں گے۔ بہر حال یہ اجتہاد وتقلید کا حصہ نہیں ہے اور میں تین فقروں میں احتیاط پر عدم امکان اعتماد کے بارے میں عرض کرتا ہوں اور ان مطالب کی تشریح کتاب 'قوانین' میں کی گئی ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ بعض مقامات پر تو قطعی محال ہے اور اجتہاد وتقلید میں سوائے ظن کے اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ جیسے اخفاتی نماز میں (اخفاتی نماز ظہر وعصر کی نماز ہوتی ہے) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر سے یا اخفاف سے پڑھنے کا مسئلہ۔ بعض بسم اللہ کے لئے جہر کو واجب جانتے ہیں اور بعض اس کو حرام مانتے ہیں اور بعض مستحب سمجھتے ہیں۔ اب میں نہیں جانتا کہ جہر ہو یا اخفاف کیونکہ انجام دینے میں یا ترک کرنے میں ہر دو صورت میں خوف عذاب ہے اور آخر میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ دو دفعہ نماز پڑھنی چاہیئے ایک نماز میں بسم اللہ جہر کے ساتھ اور دوسری نماز میں اخفاف کے ساتھ پڑھے۔ اور آپ جبکہ نفی عسر وجرح پر بھی اعتماد نہیں کرتے اور اپنی عمر بھر کی نمازوں کی قضا کرنا چاہتے تو ہر روز نماز اخفاف کا مسئلہ سامنے آئے گا تو کیوں کر اسے انجام دے سکیں گے اور فرض کریں کہ کر بھی لیں گے تو ایک اور مسئلہ بیچ میں آ جاتا ہے۔ نیت عبادت میں شرط ہے یا نہیں اور یہ اجتہادی مسئلہ ہے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ احتیاط میں نیت کا یقین ہونا چاہیئے نہ کہ اس کے خلاف۔ اور اس میں کئی احتمالات ہیں کہ یہ نماز کی تکرار آپ واجب کی نیت، سے کر رہے ہیں یا مستحب کی یا تردید نیت کر رہے ہیں یا کچھ بھی نہیں کر رہے یہ سارے اجتہادی مسائل ہیں۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ احتیاط کس چیز میں کرنی ہے کیا اس چیز میں احتیاط کہ جو خدا نے واجب نہیں کیا اسے واجب کر لیں یا ایک کو وجوب کی نیت سے اور دوسرے کو مستحب سمجھیں پھر کونسی کو مستحب سمجھیں۔ دیگر یہ کہ تردید وتردد کے وقت نیت کس طرح کی جائے جبکہ نیت کا تعلق تصدیق سے ہے نہ محض تصور سے اور اگر یوں کہیں کہ احتمالی طور پر واجب کے طور پر انجام دیں تو یہ بھی باب مقدمہ میں واجب ہے کہ نفس ذی المقدمہ کو نفس مقدمات میں عمل میں لائیں۔ اور پھر بہت سے اشکالات رونما ہو جاتے ہیں بلکہ وجوب مقدمہ تو تابع ہے اور تکلیف شرعی واجب اصلی ہے۔ اور وجوب تبعی کے ضمن میں وجوب اصلی کو بجالانا دو مخالف چیزوں کو ملانا ہے اور یہ اشاعرہ کا مذہب ہے اور مسائل اجتہادی سے ہے اور یہ بڑا امر کہ ہے۔ احتیاط مذہب اشاعرہ کے اختیار میں ہے یا مذہب شیعہ یا معتزلہ میں کسی بھی حال میں واجب اصلی نہیں ہے اور ان میں سے کس کے بارے میں بھی شرعی ذمہ داری ہمارے مطابق نہیں بلکہ خدا کے مطابق یہ مان لیا جائے کہ وہ جائز ہے تو وہ علم باشتغال ذمہ کی تحصیل پر منحصر ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ممکن نہیں تو تمام افعال مکلف کی قدرت پر منحصر ہوتے ہیں۔ اصل برائت بذمہ مکلف ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور اس قدر حصول علم کہ کم از کم ظن اجتہادی حاصل ہو جائے کہ فلاں چیز واجب ہے پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شغل ذمہ یقینی مستدعی برائت ذمہ ہے۔ کیونکہ سارے کام ظن کی بنیاد پر نہیں کیے جا سکتے تو ان تمام دعوؤں کے باوجود تمام احتمالات کے وجوب کا قصد کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر یہ بھی خوف سامنے کھڑا نظر آتا ہے کہ بدعت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ترک کرنے کا اختیار نہیں اور یقین احتیاط سے مربوط ہے ظن اجتہادی کے ساتھ اور اگر ان سب کو نہ مانیں تو رجماً بالغیب (خیالی باتیں کرنے والے) ہو جائیں گے۔

اس سب کے باوجود مسئلہ احتیاط مسائل اجتہادی سے ہے کہ واجب ہے یا مستحب ہے اور جیسا کہ بیان کیا اس مسئلہ میں ترجیح ظن اجتہاد کو ہے یا احتیاط کو اور یہ خلاف مفروض ہے یا مستلزم۔ دیگر یہ کہ احتیاط سے مراد کیا چیز ہے اگر یقین کا حاصل کرنا ہے جو ممکن نہیں ہے اور فرض کریں ایک جگہ تحصیل یقین ممکن نہیں ہے اور فرض کریں دوسری جگہ تحصیل یقین ممکن ہے تو بھی اس ورد کا علاج نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اکثر عبادتی ذمہ داریاں مرکب ہوتی ہیں جیسے وضو،

غسل، نماز، روزہ، حج، جہاد، بلکہ یہ سارے کے سارے مرکب ہو جاتے ہیں ہو سکتا ہے کہ سارے اجزا یقینی ہوں اور صرف ایک جزو ظنی ہو تو ایک جزو بھی ظنی ہو تو کُل کا کُل نفی ہو جاتا ہے تو جو جزو ظنی ہے احتمال یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں ان کا غیر ہو تو سارا مرکب منہدم ہو جائے گا اس احتمال کی وجہ سے اور جب پہلوں میں سے کوئی ظنی ہو جائے تو کوئی قطعی نتیجہ نہ نکل سکے گا اور عبادت کے کسی جزو کا بھی یقین نہ رہے گا یعنی ان کی صحت کا یقین نہ رہے گا اور یا فرض محال سب کی نماز یقینی ہو۔ اور اس میں تو شک ہی نہیں ہے کہ نماز طہارت، حدث و خبث، ستر پوشی، مکان، وقت وغیرہ کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اور ان سب کے تمام مسائل میں یقین حاصل کرنا محال ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جب ہم کہتے ہیں کہ احتیاط کی دلیلیں پوری ہیں اور احتیاط لازم ہے اور احتیاط کا معلوم ہونا بھی ممکن ہے لیکن محل احتیاط کو معلوم کرنا پھر مسئلہ اجتہادی بن جاتا ہے۔ مثلاً چار موقعوں پر قصر اور پوری نماز کے اختیار کرنے کا مسئلہ۔ بعض نے قصر کو واجب مانا ہے اور تمام میں اختیار ہے اور احتیاط میں دلیل کے قوی و ضعیف ہونے کی صورت میں اختلاف ہے اور اختیار کی صورت میں زیادہ بہتر کیا ہے اور دیگر یہ کہ جیسے آخوند ملا تقی فرماتے ہیں کہ یہ احوط ہے اور انہی کی طرح دیگر فقہاء جیسے ان کے والد امجد یا آخوند ملا احمد اردبیلی اور ان کے علاوہ بھی فرماتے ہیں کہ احوط اس کے خلاف ہے اور دو احتیاطوں کے درمیان میں ظن پر رجوع کرو یا دو احتیاطوں کے بیچ میں احتیاط کرو اور اسی طرح سے سبق کی اشکال شروع ہو جاتی ہیں اور اگر آقا مرحوم کی بات پر اعتماد کریں کتاب حدیقۃ المتقین میں انہوں نے بڑی شقیں نکالی ہیں تو بات اور خراب ہو جاتی ہے۔ جو دیکھنے والے سے چھپی نہیں رہ سکتی اور دوسرے اس آیہ شریفہ کے حکم کے مطابق کہ اپنے کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ اپنی عیال کو کہ جس کا دارومدار آپ کی اتباع پر ہے کس بات کا حکم دیں گے اور ان سے کس طرح عمل کرائیں گے کیونکہ وہ تو آپ کی تقلید و پیروی کر رہے ہیں کہ احتیاط پر جو آپ کرتے ہیں یا جس احتیاط کو آپ نے اپنے اجتہاد سے احتیاط سمجھا ہے اور اگر اپنی جیسی احتیاط ان سے کرائیں گے کہ ہر نماز کئی کئی بار پڑھنی پڑے گی اور پھر اور پہلی سی باتیں یا ایک کمزور خاتون جو گھر کے تمام امور انجام دے رہی ہے بچوں کی دیکھ بھال، حقوق زوجیت اور دیگر امور خانہ داری یا چھوٹی سی بچی سے اتنی سخت محنت کرائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: **ماجعل علیکم فی الدین من حرج و یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر** (سورۃ البقراء آیت نمبر ۱۸۵) اور پیغمبرؐ نے فرمایا کہ شریعت سہلہ ہے۔ پس اگر خدا کہے کہ تم نے کیوں میرے بندوں کو تکلیف میں مبتلا کیا جبکہ میں ان کے لئے آسانی چاہتا ہوں اور پیغمبر فرمائیں کہ میرا دین تو آسان و سہل تھا اس کو میری امت خصوصاً کمزور لوگوں کے لئے کیوں مشکل کر دیا تو اس وقت ہم کیا جواب دیں گے اور اگر ادلہ حسن کی بناء پر احتیاط کرائیں تو اس میں بھی ہزاروں باتیں ہیں اور ان میں سب سے مانا ہوا استحباب ہے۔ احتیاط کے لازم کرنے سے جتنی زحمتیں ہیں ان میں سے چند کی طرف اشارہ کیا گیا۔ عبادات سے بڑھ کر معاملات میں تو تکلیف بہت زیادہ اور علاج قطعی نہیں ملتا۔ کبھی دو آدمیوں کے درمیان جھگڑے میں صلح کی کوئی صورت بھی نہ نکل رہی ہو اور ترک حکم میں اور بڑے مقاصد پیدا ہو رہے ہوں جیسے لوگوں کا قتل، یا خون کا بہایا جانا اور ہتک اعراض یا اور چیزیں یا کوئی مال دو بچوں کا ہو اور کسی طرح بھی احتیاط ممکن نہ ہو یا مال کو بچانے میں احتیاط کریں تا کہ تلف ہو جائے یا ترجیح بلا مرجح دیں اور ہر ایک نت نئے مسائل میں اور روزمرہ کے معاملات میں گرفتار رہتا ہے اور جانتا ہے کہ احتیاط سے کوئی کام انجام کو نہیں پہنچ سکتا۔ دوسرے یہ کہ خدمت گزار جو بڑے قابل و لائق ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو نہ کر سکے اس کی تلافی کر دیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ آپ جیسوں پر واجب ہے کہ ادلہ قویہ کی بنا پر جو دی گئی ہیں کوشش اور فراغت واسعہ سے مسائل دینی سیکھ سکتے ہیں اور عمر کا زیادہ حصہ اس پر لگا سکتے ہیں اور روز و شب یہ فکر کرنا چاہیئے کہ اپنی احتیاج اور جو اپنی حوائج خود پوری نہیں کر سکتے ان کی بھی ضروریات روزمرہ کے مسائل جیسے عبادات و معاملات ہیں کہ واجب کفائی کے طور پر پوری کریں بلکہ آپ جیسے کے لئے تو وہ واجب عینی بھی ہو سکتا ہے۔ اسکے باوجود بھی اگر آپ تدارک مافات بعنوان احتیاط کرنا چاہتے ہوں تو یہ ایسا واجب نہیں ہے کہ آپ کے تمام اوقات اس پر صرف ہو جائیں۔ کیا احتیاط یہی ہوتی ہے کہ ترک تحصیل کر دی جائے، لوگوں کی حوائج پوری نہ کی جائیں بلکہ خود بھی بیکار ہو کر رہ جائیں جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ احتیاط کی رو سے کوئی کام اختتام کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کے باوجود نماز و عبادات کی اس طرح قضا کرنا کہ ہر ایک کو کم از کم دو مرتبہ ادا کیا جائے اور اپنی یومیہ نمازیں اور قضائے عمری کی نمازیں اس انداز پر پڑھیں تو وہ کب پوری ہونگی اور آپ کے اوپر کم سے کم واجب پر اکتفا کرنا واجب عینی

ہے اور تحصیل مسائل میں جدوجہد کم از کم میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ بس یہی سب سے بڑی احتیاط ہے اس کے علاوہ ہر احتیاط ترک کریں اور اگر یہ کہتے ہوں کہ اپنی تکمیل دوسرے کی تکمیل پر مقدم ہے جیسا کہ آجکل کے اکثر علماء نے مسائل فقہی کی تحصیل کو دوسروں کیلئے چھوڑ دیا ہے اور اپنے اوقات کو علوم عقلی کے سیکھنے میں لگا دیا ہے کہ یہ اصول ہیں اور فروع پر مقدم ہیں اور میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ شارع مقدس ایسے اصول ہم سے چاہیں گے جو فروع سے قناعت کر گئے ہوں اور گویا ہم سے اخروٹ یا بادام کی گری کا ان کا چھلکا توڑے بغیر مطالبہ کریں گے۔ قطع نظر اسکے اصول اصلی ہیں بھی یا نہیں۔ اس لئے کہ ضرورتاً اور ظاہراً شارع مقدس کی جانب سے مسائل فروع کو پیش کرنے کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے اور ضرورت سے زیادہ کسی چیز کا سیکھنا ہماری شرع مقدس میں اور طریقہ انبیاءؑ میں بھی مسائل اصول کے سلسلہ میں اگر حرام وممنوع نہ بھی کہیں تو بھی کم از کم ضروری وواجب نہیں ہے اور جو چیز یقیناً مطلوب ہے اس کو ترک کر دینا اور اس چیز کو اختیار کرنا کہ اگر حرام نہیں ہے تو بہر حال واجب بھی نہیں ہے عقل وبرھان کے تقاضوں کی مخالفت پر مبنی ہے۔ جبکہ تکمیل نفس بھی انہیں کے مطابق عمل کرنے پر ہوتی ہو وہ تکمیل غیر نہیں ہے۔ اس تمام بیان سے ثابت ہوا کہ فقہ صرف ہر ممکن احتیاط پر مبنی نہیں ہے۔ پھر صاف صاف ہی کہہ دیں کہ شریعت کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ ہمیں اپنے اوپر اس بات کو لازم قرار دینا چاہیے کہ یقینی شرعی تکالیف کو کما حقہ حتی الوسع اپنی مقدور بھر بجالائیں تو وہ جو احتیاط پر عمل کرتا ہے وہ کیسے ایک دفعہ اسے ترک کرے گا اور ایک دفعہ اسے بجالائے گا اور ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مسائل فقہ کی تحصیل کو ترک کر کے احتیاط سے کام لیا جائے اور صرف تحصیل اصول نہیں کرنی چاہیے جبکہ اسکے لازمی ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی اور نہ ان کی حرمت پر قائم ہوئی اور تکمیل نفوس مختلف طریقوں سے ہوتی ہے۔ (نفس گویا بادشاہ کی طرح ہے اور) بادشاہ کے مقرب بعض تو وہ ہوتے ہیں جو اس کے دوست اور ہم نشیں ہوتے ہیں اور ہر لحظہ بادشاہ کا فیض صحبت حاصل کرتے رہتے ہیں اور شہد التفاتِ شاہ کی مٹھاس انہیں حاصل رہتی ہے اور اس طرح سے بادشاہ سے قرب کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض نگہبان اور سپاہی ہوتے ہیں جو ہر طرح کی دیکھ بھال اور نگرانی پر مامور ہوتے ہیں اور رات بھر جاگنے اور بے خواب رہنے کی تکلیف برداشت کرتے ہیں اور دشمنوں سے دفاع کی خاطر بھاری بھرکم ہتھیاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور بعض اوقات اپنی جان تک کی بازی لگا دیتے ہیں اور جہادوں اور دشمن سے مقابلوں میں جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور جیسے شہنشاہ اپنی حفاظت میں محافظین کے محتاج نہیں ہیں اور بقائے جان کا محافظ کوئی اور ہے لیکن نفسانی وسوسے، شیطانی خیالات روح انسانی کو تباہ کرنے کے درپے ہوتے ہیں تو توفیقات الٰہی کے مبارک لشکر، پاکیزہ افکار، صبر کے ہتھیار، تخلیہ کی سپر کے ساتھ ان دشمنوں کو پسپا کر دیتے ہیں تو بھلا عابدوں کا علماء سے کیا مقابلہ اور جمال محبوب کا دیدار کرنے والوں کی مجاہدین وفقہاء سے کیا نسبت کہ انہیں نے اپنے کمال کو بادشاہ سے ملاقات ومناجات کو قرار دیا ہے اور یہ گروہ علماء عابد وغیر عابد اور شہنشاہ کی محافظت کی خاطر جسم وجان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تابکجا

بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ پہرہ دار مرحلہ عرفان میں بھی سب پر بازی لے گئے ہیں اور محبوب کی رضا جوئی کی خاطر مخصوص لذتیں جو نفسانی لذتیں ہیں ان کو بھی ترک کر دیا ہے۔ اس مقام پر کہہ سکتے ہیں کہ صرف تکمیل نفس ہی ضروری نہیں ہے "جس نے ایک کو زندگی دی گویا ساری انسانیت کو زندگی بخشی" اور اگر محبوب نازوانداز کی وجہ سے بے رخی بھی برتے تو اس کے چہرے پر خوشی کی لہر اور محبت کی دمک ہی عاشق کی تمناؤں کا عوض ہوتی ہے۔

فکر بلبل همه انست که گل شد یارش
گل در اندیشه که چون عشوه کند در کاوش

(بلبل کی آرزو تو یہ ہے کہ پھول اس کا دوست بن جائے
اور پھول یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے نازوانداز دکھاتا رہے)

آپکے سوالات میں مرحلہ تکلیف شرعی کے بارے میں فقہ کے کلی قواعد کے متعلق پوچھا گیا ہے تو عرض یہ ہے کہ ان سب کا منبع ایک ہی ہے تو اس سلسلہ میں حقیر کی کتاب 'قوانین' کا مطالعہ کرنا چاہیے خصوصاً مباحث ادلہ شرعیہ ومباحث اجتہاد وتقلید کا اور تدارک مافات کے قاعدہ کے بارے میں بھی اسی کتاب میں لکھا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ کھلی بات ہے کہ اطاعت مقصد اطاعت کے بغیر کوئی اطاعت نہیں ہے اور مولاؑ کی مرضی کے مطابق کسی فعل کو اتفاقی طور پر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ جب یہ معلوم ہی نہ ہو کہ امر مولا کیا ہے تو اس کی اطاعت کیسے کی جاسکتی ہے۔ اور ائمہ ھدیٰ کے بعد اللہ کی حجت وہ شخص ہوتا ہے جو تمام

ماخذ سے صحیح طریقہ سے استنباط واحکام کرسکتا ہو جسے اصطلاح میں مجتہد کہتے ہیں پس جب وہ سمجھ گیا کہ اس کی ذمہ داری مجتہد کی طرف رجوع کرنا ہے اور اس نے اسکی طرف رجوع کرلیا اور اس کے حکم کے مطابق عمل انجام دیئے تو اب وہ بری الذمہ ہوگیا۔ اور اگر یہ سمجھ لے کہ مجتہد کی طرف رجوع کرنا چاہیے لیکن لاپروائی برتی اور کسی اور کی طرف رجوع کرلیا تو یہ شخص کتنا بھی صحیح اور موقع کی مناسبت سے عمل کرے نہ اسے معذور قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اس کا عمل اسکی تکلیف کو ساقط کرسکتا ہے اور اگر یہ سمجھ لے کہ اس کے لئے تکالیف شرعی ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ مجتہد سے ان پر عمل سیکھنا چاہیے بلکہ یہ سمجھا کہ جو بھی باپ یا معلم نے تعلیم دیدی وہی حکم خدا بھی ہے اور اس کے خلاف کی چھان بین نہ کی تو اگر وہ صحیح ہوگیا تو اسکی ذمہ داری پوری ہوگئی۔ نہ کوئی گناہ ہے نہ قضا کرنی ہے اور اگر خلاف واقعہ بھی ہوگیا تو گناہ تو کوئی نہ ہوگا لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ اس پر قضا بھی نہ ہوگی حالانکہ حقیر پر اس کا وجوب واضح نہیں کیونکہ میں قضا کو فرض جدید سمجھتا ہوں اور امر کو مقتضی اجزاء اور قانون یہ ہے کہ قواعد امامیہ کی رو سے تکلیف (۱) کے بحال ہونے سے بے خبر شخص کیلئے تکلیف مالا یطاق (۲) پر باقی رہنا مامور (۳) کے لئے ویسا ہی رہے گا جیسا اس نے سمجھا ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ غیبت امامؑ کے بعد تعین مرجع مسائل کلامیہ سے متعلق ہے جیسے امام کا یقین ہونا مسائل فقہ سے ہے نہ اصول فقہ سے اور نقلی اور عقلی دلائل سے واضح ہے کہ مرجع وہ عالم ہوتا جو مختلف ماخذ احکام کا استنباط کرسکتا ہے۔ پس اگر کسی نے یہ بات سمجھ لی تو وہ متفطن (آگاہ) ہوگیا اور پھر بھی پیروی نہ کی اور ماں باپ یا مکتب کے ملا کے اقوال پر ہی اکتفا کرتا رہا جو رتبہ اجتہاد نہیں رکھتے تو وہ بلاشبہ مقصر ہے اور گناہ اس پر باقی رہے گا چاہے عمل صحیح ہی کیا ہو اور اظہر یہ ہے کہ آگاہ ہی ہوا اور یہی سمجھا کہ اس کو عبادت اسی طرح کرنی ہے اور اتفاقاً صحیح عمل کرلیا تو اسکی ذمہ داری وہی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور اس کو قضا بھی نہیں کرنی کیونکہ نہ تو یہ قول اس پر صادق آتا ہے کہ جو نماز فوت ہو اس کی قضا کرے کیونکہ قضا فرض جدید کی ہوتی ہے جیسا کہ اقوی واظہر ہے۔ اور اس نے ترک نماز نہیں کی کہ اس پر قضا واجب ہوتی کیونکہ قضا تابعِ ادا ہوتی اور یہی بات اگر فرض کی مخالفت کی جائے تو واقع ہوگی جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں پس جو سوالات نماز احتیاط کے بارے میں کیے ہیں اس میں جتنے بھی اشکال ہوسکتے تھے کہ کیونکہ مرحوم میر سید حسین قزوینی سے تعلیم حاصل کی تو ان سے جو حسن ظن رکھتے تھے اس کی بنیاد پر ان کے فتووں پر عمل کیا اور حمد کے بجائے تسبیح کا پڑھنا اصل نماز میں تو ایک ہی بار ہوتی ہے اور کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ مرحوم سے تلمذ سے قبل ان سے افضل کی تقلید نہ کی تھی بلکہ پہلے میں زیادہ اشکال ہے خصوصاً نماز احتیاط میں تسبیح پڑھنا اقوال امامیہ میں سے ایک قول ہے اور یہ خلاف اجماع نہیں ہے پس جب اصل نمازوں میں اور تمام نماز احتیاط کے احکام میں جن کے آپ مکلف تھے بجالائے ہیں اور آپ کو نماز احتیاط میں تسبیح پڑھنے میں اشکال ہو رہا ہے پس جب آپ اپنے استاد سے حسن ظن رکھتے تھے اور مطمئن تھے کہ آپ کے لئے یہ حکم خدا ہے جو انہوں نے فرمایا ہے اور دوسرے احتمال کے طرف متوجہ نہ تھے کہ شاید سید نے غلط کہا یا شاید وہ مفتی نہ تھے اور آپ نے اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی تو میری نظر میں آپ معذور ہیں اور آپ پر کوئی قضا لازم نہیں ہے۔ چاہے سید واقعی مجتہد نہ ہوں یا انہوں نے خلاف اقویٰ فرمایا ہو۔ بلکہ خلاف واقع علی الاظہر اگر یہ ہے کہ آپ نے اس مسئلہ میں بلکہ نماز کے سارے مسائل میں مرجع کے تعین میں غفلت سے کام لیا ہو تو آپ کی تشویش اور اشکال صرف نماز احتیاط پر کیوں منحصر ہے بلکہ ساری ہی کی فکر کریں۔ بہرحال نماز احتیاط کے بارے میں آپ کی تشویش اور خصوصیت سے اس کے بارے میں سوال اس وقت بہت غنیمت ہے کہ باقی مکلف بہ مسائل میں اب آپ واقعی مجتہد کی تقلید میں آجائیں گے۔ ایک دفعہ حالت غفلت ہونا اور مجتہد یا اعلم سے بے خبر ہونا تو اس وقت آپ پر کوئی ذمہ داری نہ تھی سوائے اسکے کہ نماز احتیاط میں تقصیر ہوئی۔

پس ہم ہر سوال کو اب لکھتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

---

(۱) تکلیف: شرعی ذمہ داری (۲) تکلیف مالا یطاق: جس کام کی قوت نہ ہو اسکی ذمہ داری ڈالنا (۳) مامور: جس کے ذمہ کام ہے

پہلا سوال۔ کیا صرف نماز احتیاط کا اعادہ کافی ہے بنابر اظہر واقویٰ بمرتبہ از ظہور وقوت تاکہ اطمینان حاصل ہو جائے یا نہیں بلکہ اصل نماز کا بھی اعادہ کریں اور ان میں سے زیادہ اہم کیا ہے؟

جواب۔ چونکہ احقر کی نظر میں فوریت نماز احتیاط واجب نہیں ہے اور اسی طرح نماز باطل بھی نہیں ہے تو نماز احتیاط واصل نماز میں خلل کے بھی منافی ہے بلکہ اظہر یہی ہے نماز باطل نہیں ہے چاہے نماز احتیاط عمداً ہی ترک کی ہو ہر چند کہ معصیت ہے پس اعادہ کی احتیاج نہیں بہتر یہ ہے اظہر ہونا اور اقویٰ ہونا۔ اور دو وقتوں میں نماز احتیاط کی قضا واجب نہیں اگر نماز احتیاط کو ترک کیا ہے تو اس میں اشکال ہے اور احوط بلکہ اظہر یہ ہے کہ قضاء لازم ہے اور جہاں تک اہم ہونے کا تعلق ہے تو وہ بھی اغلاط واشکال سے خالی نہیں ہے۔ جو کچھ آپکی ظاہر عبارت سے فقیر کی سمجھ میں آرہا ہے وہ یہ ہے کہ کیا بنابر اظہر نماز باطل نہیں ہے اور اظہر یہ ہے کہ نماز احتیاط کی قضاء لازم ہے تو اگر وہ وقت پر نہ پڑھی گئی تو بھی موجب اطمینان ہے یا نہیں بلکہ احتیاط کرنی چاہیے اور اصل نماز کی بھی قضاء کرنی چاہیے تو جو اصل نماز کے بھی باطل ہونے کے قائل ہیں وہ اس کے اعادہ کو واجب سمجھتے ہیں۔ لیکن اس احتیاط کی رعایت کرنی چاہئے کہ دونوں کی قضا کی جائے۔ یا یہ احتیاط اہم ہے کہ فقط نماز احتیاط میں اوقات صرف کرے کیونکہ یہ اظہر دلیل ہے نماز اصل مفوت اس مقدار کے مساوی ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ وقت فریضہ میں جواز تطوع (۱) کی طرف راجع ہوتا ہے کیونکہ اصل نماز کے باطل ہونے کے قول کی بناء پر نماز احتیاط میں اخلال واقع ہونے کی وجہ سے اصل نماز کی قضاء واجب ہے نیز نماز احتیاط اس پر واجب نہیں لیکن احتیاط کی رو سے مستحب ہے۔ اور اختیاری صورت میں کہ نماز درست ہو تو مسئلہ بالکل برعکس ہے اور مشہور ہے تطوع ہر وقت فریضہ میں باطل ہے مطلق طور پر اور حقیر کے نزدیک اقویٰ ہے کہ باطل ہے جب بھی مانع فریضہ ہو مطلق ومفروض۔ سوال یہ ہے کہ احتیاط کے تقاضے کے طور پر اصل نماز کی قضا جو فریضہ سے مانع ہو تو صرف احتیاطاً قضاء واجب ہے تو دونوں قول کی رو سے جائز نہ ہوگی اسکو بھی احوط کا نام دینا بلاوجہ ہے۔ لہٰذا سوال جواز یا عدم جائز کا ہونا چاہئے اور کچھ نہیں۔

دوسرا سوال۔ اگر اصل نماز کا اعادہ کرنا ہو تو وہی کافی ہے یا نماز احتیاط کا بھی اعادہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب۔ اصل نماز کا اعادہ اس قول پر مبنی ہے کہ نماز باطل ہے تو اس صورت میں نماز احتیاط کا اعادہ ضروری نہیں کہ وہ نقص کو دور کرنے کے لئے پڑھی جاتی ہے اور فرض نقص صلوٰۃ کا دور کرنا ہے نہ کہ اس کے نقص کو۔ ہاں بنظر احتیاط بہتر ہے بشرطیکہ فرض میں مزاحم نہ ہو جیسے کہ پہلے بھی بیان ہوا اور بعد میں بھی ہوگا۔

تیسرا سوال۔ ترتیب نماز فریضۂ اصلیہ غائیہ میں چاہیے یا نماز احتیاط میں بھی؟

جواب۔ ظاہر احادیث اور فتویٰ میں قضائے نماز فریضہ میں ہے نہ کہ نماز احتیاط میں اور احتیاط کی رو سے احتیاط کی قضا احادیث میں محل اشکال ہے۔ جب وجوب میں اختلاف ہے تو پھر ترتیب کہاں مستفاد ہوگی۔ اور جو احادیث سے مستفاد ہوتا ہے دو نمازوں میں ترتیب جو ذاتی طور پر لامحالہ ایک دوسرے کے پیچھے ہوتی ہیں نظر شارع میں مطلوب ہے۔ جیسے ایک دن کی ظہر وعصر، ایک رات میں مغرب وعشاء نہ مطلق نماز و مطلق ظہر۔ نہ عشائین کی ظہرین پر تقدیم یا فجر پر تقدیم۔ یہ اتباع کے لوازم سے ہے کیونکہ شارع سے جو پہنچا ہے وہ ظہرین کا وجوب وقت خاص میں اور فجر وقت خاص میں اور ان نمازوں میں تقدم وتاخر اوقات کی نسبت سے اس پر سب کا اتفاق ہے پس اس حدیث کا عموم **من فات فریضه فلیقضها کما فاته** (جس کی نماز فریضہ فوت ہوئی اور اس نے قضا کر لی تو ایسا ہے جیسے فوت نہیں ہوئی) اسکی دلالت کل کیفیات پر مسلّم ہے۔ کم از کم فائتہ کیفیات تبعیہ غیر مقصود میں مسلم نہ ہوگا۔ جبکہ حدیث کی عبارت میں فریضہ مذکور ہے لفظ مفرد کے ساتھ نہ کہ فرائض لفظ جمع کے ساتھ اور جہاں بھی وجوب ترتیب مسلم ہو جب ایک دوسرے کے پیچھے ہوں اور وہ بھی اصل نمازوں میں مسلم ہے۔ علم کی صورت میں ترتیب ہے نہ کہ صورت جہل میں اور بصورت جہل اقویٰ عدم وجوب ترتیب ہے وہ بھی اصل نمازوں میں نہ کہ نماز احتیاط میں خصوصاً جبکہ نمازیں بہت سی ہوں تو تحصیل ترتیب یا عذر پر منجر ہوگی یا ملتزم حرج منفی۔

(۱) تطوع: اپنی خوشی سے نیک کام کرنا، مستحب کام انجام دینا۔

حقیر کا ایک سوال۔ گھریلو ضروریات کے تحت اپنے ایک چھوٹے نابالغ بچے کا ایک آزاد لڑکی نو سال سے میں نے صیغہ پڑھا۔ اب تک حالات کو ناسازگار بنایا ہوا ہے جگہ جگہ چلی جاتی ہے بیٹھ جاتی ہے۔ ہمارے لئے کسی مصرف کی نہیں ہے اور چاہتی یہ ہے کہ اس مدت نکاح معاف ہو جائے اور وہ کہیں شادی کر لے۔ آیا میں جو بچے کا ولی ہوں اسکی مدت کو معاف کر سکتا ہوں یا بچے کے لئے کوئی اور انتظام کروں جیسے مالی مصلحت وغیرہ نہیں۔ علامۃ العلماء مجتہد وقت آقا شیخ محمد جعفر نجفی سلمہ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے فرمایا کہ تم مدت کو بخش سکتے ہو اور اس کو طلاق قیاس کیا اور جیسا کہ عامہ کے فقہا قیاس کرتے ہیں وہ صورت نہیں ہے ہاں نقل فروج میں احتیاط کرنی چاہیے میں نے عالی جناب قدسی القاب میرزا مہدی مشہدی سلمہ اللہ تعالیٰ سے اس سلسلے میں گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ اس کا طلاق سے کوئی تعلق نہیں اور طلاق سمجھنا غلط ہے۔ اور کوئی بھی فقیہ یہ قیاس نہیں کرتا لیکن ولی مدت منقطعہ بخش سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ میرا دل بہت چاہتا ہے کہ اگر ایسا ہو جائے اور اس میں کوئی قباحت وخامی نہ ہو تو اس بیچاری کو اس کے حسب خواہش آزاد کر دوں جو بھی میرے دوست کی رائے ہو ارشاد فرمائیں جو بھی موجب اطمینان ہو اور آپ کا ذہن فیصلہ کرتا ہو تحریر فرمادیں۔ عالیجناب قدسی القاب میرے رشتے کے بھائی حاجی محمد ابراہیم کلباسی بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے۔ ہر فقیہ یہی کہہ رہا ہے۔ جتنا ضروری تھا میں نے سب عرض کر دیا۔ پیشوائے فقہا، خیر الحق انعام فرمائی ہم ہمہ تن گوش ہیں کہ آپ جواب میں کیا فرماتے ہیں۔

جواب: جو کچھ شرعی دلائل اور فقہی قواعد سے اخذ ہوتا ہے یہ ہے کہ چونکہ بچہ ناقص العقل وتدبیر امور سے قاصر ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات عقل وتدبیر اس میں مفقود ہوتی ہے اس لئے بارگاہ الٰہی سے اس کے لئے ولی کا ہونا ضروری قرار دیا ہے تا کہ اس کے امور کی تدبیر کر سکے تا کہ اس کی کمی کا ازالہ ہو سکے اور اس کے لئے معیار مقرر کیا ہے کہ بالغ وسمجھدار ہو اور جن امور میں بچہ اس کا محتاج ہوتا ہے زندگی میں ایسے بہت سے امور ہوتے ہیں جیسے مالی تصرفات۔ خرید وفروخت۔ انفاق۔ کپڑا۔ مکان۔ زراعت وغیرہ۔ بہت سے کام جیسے اجارہ مزارعہ، مضاربہ، اخذ شفعہ، رہن وغیرہ اسی طرح جسمانی تصرفات مثلاً صنعتوں کا سیکھنا، حصول علم وادب، نکاح، طلاق، اسی طرح ادائیگی حقوق جیسے دیت، معافی، قصاص، حدود کا مطالبہ اور مقدموں کا ہونا اس لئے ولی کو اپنے مولیٰ علیہ پر مکمل اختیار ہونا چاہئے، باقاعدہ ہو اور اگر اس کو ان امور سے بے دخل کیا جائے تو کوئی دلیل ہوتی کہ ان کی عبارتوں میں ایک بات یہ ہے کہ اولیاء تمام مصالح انجام دیں سوائے طلاق کے جیسا کہ فخر محققین نے 'ایضاح' میں ذکر کیا ہے اور ان کے کلام میں اس سے قریب قریب عبارتیں بہت ہیں۔ جیسے گرے ہوئے بچے کے جوارح کے قصاص کے بارے میں اگر کوئی اسے قذف کرے تو اس پر حد جاری کرنے کے بارے میں اور جو دلیل سے ظاہر ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی ذات سے تصرف کرنے کی قابلیت نہ رکھتا ہو جیسے نذر، زوجات کے درمیان قسم وغیرہ میں۔ اور دوسری قسم وہ ہے کہ جو ایک الگ دلیل سے خارج کر دیا جائے جیسے طلاق کہ جس کو نص کے ذریعہ خارج کر دیا گیا۔ ہر چند علامہ نے یہاں یہ وجہ بیان کی کہ **لیس للمولی یطلق زوجة الصبی لامجاناً و لا بعوض لان المصلحة بقاء الزوجیة لانه لانفقة لها علیه قبل الدخول** بہت سی احادیث پر اعتماد ہوتا ہے اس لئے کہ کبھی مصلحت طلاق میں ہوتی ہے تو جو معنی علامہ نے ذکر کیے ہیں وہ اس میں کمزور پڑ جاتے ہیں اور طلاق یافتہ افراد میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا پس جو چیز قابل نیابت ہے اس پر ولی کے تصرف ولی کے عدم جواز پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کے جواز پر قائم ہوگی جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو سمجھ لینا چاہئے کہ دلیلوں کا مقصد یہ ہے کہ جو تصرف بھی ولی اپنے مولیٰ علیہ کے کاموں میں کرے ان میں کوئی فساد کا پہلو نہ ہو اور شرط مصلحت اس لئے لگائی گئی کہ تلف وفساد سے مال محفوظ رہے اس لئے اب تک حقیر پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی کہ جو ضروری ہو بس اتنا ہی ثابت ہے کہ مولیٰ علیہ کے مال کی حفاظت کی جائے اور جس قدر بھی خرچ کیا جائے وہ اس کے اوپر صرف کیا جائے کہ اس کا کوئی نقصان نہ ہو اور جو مصلحت کو واجب کیا گیا ہے وہ ایسے ہے جیسے مثلاً یتیم کے روپیہ سے گندم خریدے اور گھر میں روٹی پکوائے جو اس سے زیادہ فائدہ مند ہے کہ بازار سے روٹی خریدے یہ بات حقیر کو معلوم نہیں ہے۔ بہر حال مال کو ترقی دینا ولی پر واجب نہیں اور آیہ شریفہ **ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی هی احسن** بھی اس پر کوئی دلیل نہیں رکھتی جیسا کہ میں نے اس کے بعض قواعد پر خود تحقیق کی ہے لیکن ہاں علامہ رحمۃ اللہ نے اس کے قواعد میں ادھر رجحان ظاہر کیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے **ویجب حفظ مال الیتیم و استمائه قدراً لا تاکله النفقه**

علمی اشکال اور ایسے ہی دوسروں نے اشکال ظاہر کیا ہے پس جو کچھ مطلب حاصل ہوتا ہے وہ ایک تو یہ ہے کہ ولی کے لئے تصرف کا جواز ہے مایقبل النیابہ بالذات جب بھی مولیٰ علیہ کے لئے خرچ کی ضرورت ہو جیسے کھانے، پینے، کپڑے وغیرہ تو اس میں کوئی مصلحت زایدہ نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ جواز اس وقت ہوگا جب مصلحت زایدہ ہو اور اس کے لئے کوئی نفع ہو ہر چند کہ مولیٰ علیہ کو اس کے ضرورت نہ ہو اور ان دو صورتوں کے علاوہ تصرف جائز نہیں۔ سوائے اس کے کہ ایسی صورتیں پیدا ہو جائیں مثلاً ولی ملی کا قرض لینا خصوصاً باپ کا اس سلسلہ میں دائرہ رخصت وسیع تر ہو جاتا ہے اور فقہاء کی باتوں میں خاص مواد پر اختلافات ہیں جیسے نکاح بغیر مہر المثل کے اور ایسی ہی دوسرے چیزیں فساد پر مبنی ہوتی ہیں مصلحت زائدہ کی شرط کے ساتھ۔ اور اس عقد سے مصلحت کا حصول نہ ہو چاہے فساد بھی نہ ہو۔ بہر حال مدت کا ہبہ کرنا اور ولی کے لئے اس کا جائز ہونا یہ مسئلہ فقہ کی کتابوں میں صریحاً ثابت نہیں ہے اور شیخ جعفر نجفی سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ جمہور فقہاء اس کو طلاق قیاس کرتے ہیں اور تجویز نہیں کرتے لیکن ان کی رائے جائز کی ہے حقیر کو اب تک یہ قیاس سمجھ میں نہیں آیا۔ میں ان کی تکذیب نہیں کر رہا ہوں مجھے خود اپنے ذکر و فکر کا پتہ ہے کیونکہ میں ہر لحاظ سے قلیل البضاعت ہوں حافظہ کے لحاظ سے بھی، اسباب اور کتابوں کے قلت کے اعتبار سے بھی تاہم احقر کے نظر میں اظہر جواز ہی ہے۔ مصلحت کے ساتھ یا بغیر مصلحت اسکی کوئی دلیل میرے پاس نہیں ہے تو اگر مدت متعہ کا بخش جانا زیادہ بہتر ہو تو بچہ کے لئے وہی ہونا چاہئے کہ کچھ مال ضعیفہ کو دینا چاہئے کہ وہ اس مال پر صلح کر لے اس مدت کے عوض میں اور بچہ کے بھلائی بھی اس میں ہوگی اور آپ اس کی جانب سے ولی بنکر صلح کر لیں۔ اور جو بھی مخدوم کا خیال ہو جو عقد میں صلاح تھی وہ اس صلاح سے زیادہ ہوگی جو ہبہ کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے اور طلاق کا قیاس بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر طلاق کے لئے قرانی آیات اور احادیث نہ بھی ہوتیں تو بھی میں کہتا ہوں کہ جہاں بھی مصلحت ہو جائز ہے اور اس بات سے اس کو تقویت ملتی ہے کہ مجنون کی جانب سے ولی طلاق دے سکتا ہے اسی طرح خلع کا جواز اگر ہم اسے طلاق نہ مانیں یا اس کے بعد صیغہ طلاق کے پڑھنے کی ضرورت نہ سمجھیں جیسے کہ اس کے قواعد کی تصریح ہو چکی ہے اور اس بات سے بھی یہی نتیجہ نکل رہا ہے۔ حصر عدم جواز در طلاق اور اس مطلب پر وہ احادیث بھی تائید کرتی ہیں کہ جس میں بیٹے سے خطاب کیا گیا ہے کہ انت ومالک لابیک (تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے)۔

کلینیؒ نے سند قوی سے حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں زیاد بن عبداللہ الحارثی کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اپنے باپ پر دعویٰ کرتے ہوئے کہ میرے باپ نے میری بیٹی کا نکاح میری اجازت کے بغیر کر دیا۔ تو زیاد نے جو اس کے پاس بیٹھے تھے ان سے کہا کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا: یہ نکاح باطل ہے۔ پھر میری طرف رخ کیا اور کہا: یا ابا عبداللہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ جب مجھ سے سوال کیا گیا تو جن لوگوں نے جواب دیا تھا میں نے ان کی طرف رخ کیا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہؐ کے پاس ایک شخص اپنے باپ کی شکایت لیکر آیا جیسے یہ آیا ہے تو رسول اللہؐ نے اس سے فرمایا: تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ انہوں نے کہا: ہاں یہ ہوا تھا۔ تو میں نے کہا: تو اب بھی یہی معاملہ ہے کہ یہ اور اس کا مال اس کے باپ کا ہے اور اس کا نکاح جائز ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں ان کا قول قبول کرتا ہوں۔ اور نیز جواز کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ولی عقد نکاح کو فسخ کر سکتا ہے کسی خامی یا مصلحت کی بنا پر۔

القصہ اخوند ملا علی کے سوالات بہت تھے اور ہم نے تیسرے سے تیرھویں تک ساقط کر دیئے ہیں کہ طول بہت ہو جائے گا اور کتاب اپنے موضوع سے خارج ہو جائے گی اور ہم نے ان سوالات و جوابات کو مجموعہ سوال و جواب میرزائے قمی میں لکھ دیا ہے جو خواہش مند ہو اس کتاب کی طرف رجوع کرے اور سوالات کے آخر میں میرزا نے لکھا۔ بروز اتوار، ۱۱ جمادی الثانی ۱۲۲۷ھ اور یہ بات بھی مخفی نہ رہ جائے کہ میرزائے قمی جب سوالات کے جوابات دے رہے تھے تو علوم عقلی کی تدریس کی مذمت کر رہے تھے۔ مولف کتاب کہتا ہے کہ علوم عقلی بہت عمدہ اور پسندیدہ ہوتے ہیں اور ان کو سیکھے بغیر عقل وفہم کی گتھیاں نہیں سلجھ سکتیں بلکہ اصول کافی کی کتاب توحید وحدوث عالم کی احادیث کو سمجھنے کے لئے عقلی علوم ضروری ہیں اگر چہ یہ ہوتا ہے کہ جب شروع میں طالبعلم علم حکمت (سائنس) پڑھتا ہے تو اس کا ذہن سائنس دانوں کا ہم خیال ہو جاتا ہے اور شریعت سے دور ہو جاتا ہے اور وہ سائنس دانوں کی باتوں کی تائید کرتا ہے باوجود اس کے کہ ان کے بہت سے مقاصد فاسد اور ان کی بہت سے دلیلیں بے بنیاد اور ان کی معلومات ارباب کشف سے متناقض ہوتی ہے کیا

ہم نہیں دیکھتے کہ سنی بھی اہل کشف ہو جاتا ہے، شیعہ بھی اور صوفی بھی تو ان سب کا کیا فرق ہے۔ پہلا علوم نقلی پر حاوی ہوتا ہے جو سالک علوم نقلی سے ناآشنا ہو وہ شریعت کی راہ سے بھٹک نہ جائے اور فاضل قمی نے 'قوانین' کے آخر میں اسی قسم کی وضاحت کی ہے۔

جنت مقام، عالم علیم، حجۃ الاسلام چونکہ امر بالمعروف میں اور احکام کے جاری کرنے اور لوگوں پر اجرائے حدود کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے لہٰذا لوگ آپ کے نور کو بجھانے کی بے شمار کوششیں کرتے تھے۔ جب ایک دفعہ سلطان آپ جیسے عظیم الشان عالم سے ملاقات کے لئے نقارے بجاتا ہوا آپ کی دولت سرا کے دروازے پر پہنچا تو سید نے سلطان کے استقبال کے لئے گھر سے نکل کر دروازے تک آنا چاہا۔ ابھی راستہ میں تھے کہ نقارہ کی آواز سنی۔ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر دیئے اور عرض کی کہ پروردگار اولاد زہرا کے لئے اس سے زیادہ ذلت نہ ہو۔ اور پھر گھر کی طرف لوٹ گئے۔ آپ کی کرامت کا اثر یہ ہوا کہ چند ہی دن بعد سلطان دنیا سے کوچ کر گیا اور پروردگار عالم کے محاسبہ کے لئے جا پہنچا۔

محمد شاہ جب اصفہان آیا تو آپ کو تیس (۳۰) ہزار تومان سے زیادہ کا نقصان پہنچایا، آپ کے لواحقین سے بڑا تشدد آمیز سلوک روا رکھا اور سید کے گھر میں اخوند ملا محمد تقی اردکانی کو اتہام اور پناہ لینے کا الزام لگا کر طہران بھجوایا۔ ابھی دن بھی نہ گزرا تھا کہ سلطان مر گیا اور اس کے وزیر میرزا آقاسی کو ذلیل وخوار کیا گیا۔

ایک دفعہ شیطان صفت لوگوں اور سید المرسلین کی شریعت کو تباہ کرنے والوں نے زہر قاتل آپ کے تیار کھانے میں شامل کر دیا۔ باورچی نے ایک نوالا بلی کو کھلایا۔ بلی فوراً مر گئی۔ فوراً باورچی خانے میں تالا ڈال دیا گیا۔ اور ایک دفعہ حاکم نے چار شرپسندوں کو ایک ایک سو تومان دینے کا وعدہ کیا کہ وہ رات کو سید کے گھر جائیں اور انہیں شہید کر دیں۔ وہ شرپسند رات کو نقب لگا کر گھر میں داخل ہوئے، ان کے کتب خانہ کے صحن میں جا پہنچے اور گھر میں ایک درخت کے نیچے چھپ گئے دیکھا کہ سید گھر میں بیٹھے ہیں، چادر اوڑھے ہوئے ہیں اور چراغ روشن ہے۔ سامنے دعاوں کی کتاب کھلی ہوئی ہے اور دعا پڑھ رہے ہیں اور ابر بہار کی طرح زار و قطار رو رہے ہیں۔ ایک نے بندوق تان کر سینہ کا نشانہ لینا چاہا اچانک اس پر عجب ہیبت طاری ہوگئی اور بدن کپکپانے لگا ہاتھ کانپے اور قریب تھا کہ بندوق اس کے ہاتھ سے گر جائے اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اس نے بندوق تانی لیکن اس پر بھی یہی کیفیت گزری۔ انہوں نے فوراً وہیں توبہ کی اور واپس چلے گئے جبکہ وہ بزرگوار ان کی طرف متوجہ بھی نہ ہوئے۔

آخر عمر میں سوء القنیۃ (۱) کے مرض میں گرفتار ہو گئے۔ طبیبوں نے بہت علاج کیا لیکن کارگر نہ ہوا۔ بروز جمعرات حبس البول (۲) کے مرض میں گرفتار ہوئے۔ زوال کے قریب حاجی کلباسی آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے تھوڑی دیر بیٹھے رہے جب اوّل زوال شروع ہوا تو آپ سے رخصت ہو کر واپس چلے گئے۔ سید نے وضو کیا نوافل ظہر اور نماز ظہر کھڑے ہو کر ادا کی پھر نڈھال ہو گئے جانماز پر بیٹھے بیٹھے ہی ایک دانہ تربت امام حسینؑ کا تناول کیا اور فوراً آپ کی روح آشیان قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ حاجی کلباسی ابھی اپنے گھر بھی نہ پہنچے تھے راستہ میں ان کو خبر ملی کہ سید اپنے اجداد طاہرینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حاجی یہ وحشت ناک خبر سنتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو سید کے گھر پہنچے اور آپ کے اوپر ماتم کیا۔ اخوند ملا علی اکبر خوانساری نے غسل دیا۔ پھر آپ کے مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ہاتھ کفن کے اندر کر دیئے۔ ان کی مسجد کے پہلو میں ایک جگہ بنی ہوئی تھی حسب وصیت وہاں دفن کر دیا۔ اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو ان کے آبائے طاہرینؑ سے ملحق فرمائے۔

---

(۱) ایک مرض کا نام جو ضعف جگر سے پیدا ہوتا ہے۔ (۲) پیشاب کا رک جانا۔

آقا سید مہدی بحرالعلوم

آقا سید محمد مہدی بن سید مرتضی بن سید محمد حسینی طباطبائی بروجردی، غروی المسکن، بحرالعلوم، خالص علماء کے آداب و رسوم کو زندگی عطا کرنے والے، زمانہ کی نادرالوجود شخصیت، فلک کج مدار کا عجوبہ، مسائل کی تحقیق کرنے والے، مشکلات کو حل کرنے والے، بہت سے فنون کے مالک، آسمان سیادت وسعادت، زہد و پاکیزگی کے سورج، معقولات میں شیخ الرئیس اور منقولات میں محقق اول کی مانند بلکہ بلاشبہ ان سے بھی افضل اور تفسیر میں ایسے کہ گویا وہی اشراف اسلاف ہیں جن پر قران نازل ہوا۔ آپ کی ولادت باسعادت شب جمعہ شوال المکرم ۱۱۵۵ میں ہوئی۔ آپکے والد نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ حضرت امام رضاؑ (آپ پر اور آپ کے آبائے طاہرین اور اولاد پاکیزہ پر ہزاروں تحیة وثناء)، نے ایک شمع محمد بن اسماعیل کو دی جو والد ماجدِ بحرالعلوم کے گھر کے اوپر روشن کردی اور اس سے عجیب وغریب روشنی نکل رہی تھی۔ اسی رات اسی گھر میں بحرالعلوم پیدا ہوئے۔

آپ نے اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد بھی عالم، پرہیزگار، متقی اور صالح شخص تھے۔ پھر شیخ یوسف صاحب 'حدائق' کے شاگرد ہوئے۔ پھر نجف اشرف تشریف لے گئے اور وہاں کے فضلاء سے درس حاصل کیا جیسے شیخ محمد مہدی فتونی، شیخ محمد تقی دورقی وغیرہ سے۔ پھر کربلا واپس آئے اور استاد المجتہدین مؤسس بہبہانی آقا محمد باقر کی خدمت میں رہے۔ اور پھر نجف آئے اور بہت سے فضلاء نے آپ کو گھیر لیا۔ مؤسس بہبہانی کے بعد عراق، عرب وعجم میں آپ کی شہرت کا علم لہرانے لگا۔

ایک عالم نے حکایت بیان کی کہ میرے والد بعض اوقات نجف اشرف میں ان کے درس میں حاضر ہوتے رہتے تھے ایک دن دوران درس دیکھا کہ عامہ میں سے ایک ترک شخص جو نجف میں رہتا تھا آپ کی ملاقات کو آیا۔ سید نے کہا کہ تفسیر قاضی اٹھاؤ اس کا درس شروع کریں۔ پس تفسیر قاضی شروع کی اور وہ سنی عالم بھی بیٹھا رہا اور فیض یاب ہوتا رہا۔ سید نے کلمات قاضی کو ہباءً منثورا کی طرح بکھیر کر رکھ دیا جبکہ انہوں نے پہلے سے مطالعہ بھی نہیں کیا تھا۔ سارے حاضرین اس پر حیرت زدہ رہ گئے۔

آپکی تالیف کردہ کتابیں کم ہیں غالبا اس وجہ سے کہ وہ مطالعہ اور دقیق مسائل کے حل میں زیادہ مصروف رہتے تھے۔ ان کی تالیفات میں ایک 'شرح بروافیة الاصول' کہ اسکی وجہ سے اس کتاب کے الفاظ کچھ واضح ہوئے ہیں اور 'شرح مفاتیح' کے بارے میں ایک کتاب 'مصابیح' بڑی اچھی کتاب ہے لیکن نامکمل ہے اور 'کتاب رجال' جو کتب رجال کی طرز سے بالکل ہٹ کر ہے لیکن بڑے فواید پر مشتمل ہے اور کتاب 'اجازات' جس میں اپنے لئے علماء کے دیئے ہوئے اجازوں کو نقل کیا ہے اور جو لوگوں کے لئے آپ نے اجازے لکھے ان کو بھی اس میں درج کیا ہے اور منظومہ در طہارت وصلوٰۃ ناتمام ہے اور اصول میں منظومہ کہ جس میں تقریباً ستر (۷۰) اشعار ہیں اور لوگوں میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ کتاب آپ کی ہے بھی یا نہیں۔ اور چند اشعار من اجمعت العصابة علی تصحیح مایصح عنه اور ان کی تعداد کے بارے میں۔

امام مظلومؑ کی مصیبت پر بہت سے مرثیے کہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بحرالعلوم اور ان کے استاد باقر بہبہانی ایک مجلس عزا میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ذاکر نے گانے کی آواز میں پڑھنا شروع کردیا۔ بحرالعلوم کو بہت غصہ آیا اور اس کو اس حرکت سے روکا۔ تو مؤسس بہبہانی بحرالعلوم پر ناراض ہوئے اور کہا: سید مہدی تم خاموش ہوجاؤ۔ یہ قصہ مرحوم اخوند ملا آقائے دربندی نے اپنی کتاب اکسیر العبادات میں نقل کیا ہے۔ ان کی بیٹی مرحوم آقا سید محمد زمانی کی زوجہ نجف سے کربلا آئیں اور سید محمد کے گھر پر قیام کیا۔ آقا سید علی کے شاگردوں نے ان سے درخواست کی کہ آقا سید علی بحرالعلوم سے درخواست کریں کہ چند روز جب تک کربلا میں قیام ہے درس دیا کریں۔ آقا سید علی نے بحرالعلوم سے درخواست کی اور انہوں نے قبول کرلی اور چند روز تک درس دیتے رہے۔ آقا سید علی بھی درس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن آقا سیّد علی نے کوئی اعتراض کیا، بحرالعلوم کو غصہ آ گیا اور کہا: سید علی آپ خاموش رہیں۔ وہ

چپ ہو گئے اور پھر کوئی اعتراض نہ کیا۔

آپ اعتکاف بہت کیا کرتے تھے۔ آپ نے بہت سے اہل کتاب اور علماء عامہ سے بحث و مباحثہ کیا، ان پر الزامات عائد کیے اور ان کو دین امامیہ پر منتقل کر دیا۔ دو سال تک مکہ معظمہ میں مجاوری کی۔ وہاں تقیہ کی حالت میں رہتے تھے اور عامہ کو نماز پڑھاتے۔ وہاں مدرسین مسجد الحرام میں رات [illegible] جا کر چار بجے تک تدریس کرتے تھے وہ بزرگوار بھی جب تک وہاں رہے لوگوں کو کتب عامہ سے درس دیا کرتے تھے۔ سات گھنٹے تک درس ہوتا تھا۔ اور چونکہ مذہب عامہ میں سلام کے جواب میں سلام کے صیغہ کو ہی لوٹانا اور سلام کے جواب کو شرط لازم مانتے ہیں اگر کوئی کہے سلام علیک تو جواب میں لازمی ہے۔ کہیں علیک السلام اور سلام "علیک نہیں کہہ سکتے۔ لیکن مذہب امامیہ میں دونوں طرح سے جائز ہے۔ ایک دن علماء میں سے کوئی سید کے پاس آیا اور کہا سلام علیک۔ سید نے مذہب عامہ کا خیال کیے بغیر کہہ دیا کہ سلام "علیک پھر اچانک خیال آیا کیونکہ وہ تقیہ فرماتے تھے تو کہا تسالمنا یعنی ہم نے ایک دوسرے کو سلام کیا یعنی تم نے مجھ پر سلام کیا تو میں تجھ پر سلام کر رہا ہوں پھر اس شخص نے کہا علیک السلام اور سید نے بھی کہا علیک السلام اور چونکہ علیؑ کا نام اہل عامہ کے نزدیک بعض مقامات پر قابل اتہام ہوتا ہے تو ایک دن آپ کی مجلس میں عامہ میں سے کوئی آیا تو آپ تواضع برتتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور بے خیالی میں کہا: یا علیؑ۔ پھر متوجہ ہوئے کہ غلطی ہو گئی تو فوراً ہی بولے یا عظیم یعنی میں نام خدا لے رہا تھا نہ کہ نام امیر المومنینؑ۔

ایک اور حیرت انگیز قصہ یہ ہے کہ ایک شخص امام جمعہ واشہر کے لوگوں میں سے بے حد پرہیز گار تھا وہ صرف جمعہ کے دن ہی آیا کرتا نماز جماعت پڑھاتا اور واپس چلا جاتا، راستہ بھر کسی سے بات چیت نہیں کرتا تھا، نہ کسی اور جگہ جاتا۔ وہ اپنے شہر کے مشاہیر میں سے تھا۔ ایک دن بحر العلوم مسجد تشریف لے گئے اور امام جمعہ کے پیچھے نماز جمعہ ادا کی اور پھر اس کے ساتھ اس کے گھر چلے گئے تو دیکھا کہ اس کے کتب خانہ میں بہت سے علمی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بحر العلوم نے اس شخص سے پوچھا کہ آپ کے کتب خانہ میں کس قسم کی کتابیں ہیں تو اس شخص نے جواب دیا **فیها ماتشتهيه الا نفس و تلذ الاعين** یعنی یہاں ہر وہ چیز ہے کہ جس کی نفس خواہش کرے اور آنکھ اس سے لذت اٹھائے وہ کہنا چاہتا تھا کہ ہر طرح کی کتابیں میرے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ تو بحر العلوم نے اس کو اپنی غلطی پر متنبہ کرنا چاہا اور عوام الناس کی چند کتابوں کے نام لیے اور کہا کہ کیا یہ کتابیں تمہارے کتب خانہ میں ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ تو نہیں ہیں۔ بحر العلوم نے کہا کہ ابو حنیفہ نے ایک کتاب رجال پر لکھی تھی کیا وہ کتاب ہے؟ اس نے کہا وہ بھی نہیں ہے لیکن وہ کتاب میری نظر سے گزر چکی ہے اور میں نے اسے پڑھا ہوا ہے۔ بحر العلوم نے فرمایا کہ اس کتاب میں انہوں نے جعفرؑ بن صادق علیہ السلام کا وصف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں ان کی شاگردی کرتا تھا اور ہر روز ستر مسئلے ان سے سیکھتا تھا۔ پھر بحر العلوم نے تعجب کا اظہار کیا کہ جعفرؑ بن محمدؑ کے علم کی کیا منزلت تھی کہ ابو حنیفہ جیسا معتبر عالم، یگانہ روزگاران سے روزانہ ستر مسئلہ سیکھ لیتا تھا۔ اور جعفرؑ بن محمدؑ کے شاگرد بہت تھے اور ان میں اکثر فضلاء و علماء تھے لیکن ان کی خدمت میں جاتے، مستفید ہوتے اور سیکھتے تھے۔ تو پھر جعفرؑ بن محمدؑ سے لوگ کس قدر فیضیاب ہوتے تھے اور جتنا وہ خود جانتے تھے جس کی انہوں نے کسی کو تعلیم بھی نہ دی وہ کتنا ہوگا تو جعفرؑ بن محمدؑ کی عظمت کا کیا کہنا کہ ابو حنیفہ جیسا عالم ان کی اس قدر تعریف و تعظیم کر رہا ہے۔ امام جمعہ نے یہ سب کچھ سنا اور خاموش رہا۔ بحر العلوم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ گھر واپس جائیں۔ ساتھ ہی امام جمعہ بھی کھڑے ہو گئے اور بحر العلوم کے ساتھ ساتھ ان کے گھر کے دروازے تک آئے تو بحر العلوم نے کہا آئیے تشریف لائیے تھوڑی دیر آرام کیجیے۔ امام جمعہ نے کہا مجھے بیٹھنا نہیں ہے میں صرف آپ کا گھر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس دن کے بعد سے تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر گیا تو ایک دن امام جمعہ نے سید کو بلوایا۔ سید امام جمعہ کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ امام جمعہ زمین پر پڑے ہیں اور جان کنی کی کیفیت ہے پھر امام جمعہ نے سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا اور سید سے تنہائی میں کہا کہ جس دن سے آپ نے جعفرؑ بن محمدؑ کی منزلت واضح فرمائی میں اسی دن شیعہ ہو گیا تھا لیکن تقیہ کیے ہوئے تھا کسی کو بھی میرے متعلق یہ بات معلوم نہیں اب جب وقتِ آخر آ گیا ہے تو میں آپ کو اپنا وصی بنا رہا ہوں آپ مذہب شیعہ کے مطابق غسل و کفن دیں اور نماز جنازہ و تدفین کا انتظام کریں۔ بس اتنا کہا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ سید بحر العلوم نے اس کو غسل دیا اور کفن، نماز، تدفین سب مذہب شیعہ کے مطابق انجام دیا گیا۔

یہ بھی سنا گیا ہے کہ ایک شب، بحر العلوم نے کہا کہ رات کا کھانا کھانے کی مجھے بالکل خواہش نہیں ہے۔ پھر بہت سا کھانا ایک برتن میں لیا اور اسے اٹھایا اور نجف کی گلیوں میں نکل گئے۔ ایک گھر کے پاس پہنچے کہ صاحب خانہ نے نئی شادی کی تھی لیکن اسے اور دلہن دونوں کو کچھ کھانے کے لیے میسّر نہ تھا۔ بحر العلوم نے دروازہ پر دستک دی۔ دولہا باہر نکلا۔ بحر العلوم کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے بھی زور کی بھوک لگ رہی تھی تو اس کھانے کو تین حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّہ دلہن کے لئے بھجوایا اور دوسرے دو حصّے سید اور دولہا نے استعمال کیے۔

بحر العلوم کی کرامات بہت ہیں اور ان کا ذکر محتاج بیان نہیں۔ لیکن اس طرح زبان زد خاص وعام نہیں کہ ان پر شک وشبہ کیا جائے اور اب تک جو حالات بیان ہوئے ہیں ان میں چند ہی کرامات کا تذکرہ ہو سکا ہے۔ ایک قصہ یہ ہے کہ ملا زین العابدین کبر السنی میں، بحر العلوم کے شاگرد تھے۔ بڑے متقی پرہیز گار بزرگ تھے، نجف میں رہا کرتے تھے۔ جس سال مؤلف کتاب عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوا تو کاظمین سے سامرہ تک آخوند ملا زین العابدین ہم سفر رہے اور سامرہ میں ایک ہی عمارت اور ایک ہی کمرے میں ٹھہرے۔ اخوند ملا زین العابدین، بحر العلوم کے حالات بیان کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں ان کا شاگرد تھا اور وہ جہاں بھی تشریف لیجاتے میں ہم رکاب رہتا تھا۔ ایک دفعہ ان کی خدمت میں سامرہ پہنچے اور چند دن وہاں قیام کیا اور بالکل اتفاقی امر تھا کہ میرزا قمی زیارت سامرہ کے لئے تشریف لے آئے اور ایک دن، بحر العلوم سے ملاقات کو تشریف لائے۔ میرزا چونکہ بحر العلوم سے زیادہ سن رسیدہ تھے۔ چنانچہ سب ان کے پاس بیٹھ گئے میرزا نے، بحر العلوم سے کہا کہ میں ذرا آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پس سب لوگ اٹھ گئے۔ آخوند ملا زین العابدین نے کہا کہ میں نے بھی اٹھنا چاہا لیکن، بحر العلوم مجھے، بہت چاہتے تھے کہنے لگے یہ تو میرے خاص دوست ہیں اور محرم اسرار ہیں۔ بہر حال جب مجلس میں خلوت ہوگئی تو میرزا نے، بحر العلوم سے کہا کہ اپنا کوئی بھید مجھے بتائیے میں اس سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن، بحر العلوم نے بتانے سے انکار کیا کہ میرا کوئی بھید نہیں۔ میرزا نے، بہت اصرار کیا۔ آخر، بحر العلوم نے کہا کہ پرانے وقتوں کی بات ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ صدیقۃ الکبریٰ جناب فاطمہ زہراؑ کی خدمت میں مشرف ہوا ہوں تو میری جدّہ ماجدہؑ نے مجھے ایک پیالہ دال کھلائی میں نے کبھی ویسی دال پہلے نہ کھائی تھی۔ بڑی مزیدار تھی۔ اور بعد میں بھی مجھے ویسی کہیں نہیں ملی۔ حتیٰ کہ بڑی مدّت بعد خراسان کی زیارت کا شرف پایا اور نیشاپور میں میزبان دال لیکر آیا تو وہ ویسی ہی دال تھی جو خواب میں کھائی تھی اور ظاہراً بھی ویسی ہی لگ رہی تھی۔ میں نے میزبان سے پوچھا کہ اس دال کا نام کیا ہے۔ کہنے لگے کہ ہمارے شہر میں اس کو آش فاطمہ کہتے ہیں۔ قصہ مختصر جب میں خواب میں دال کھا چکا تو جدّہ ماجدہ فاطمہؑ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا اپنے جد بزرگوارؐ کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ بے شک میری انتہائی آرزو بھی ہے تو صدیقہؑ کبریٰ مجھے ایک کمرے میں لیکر آئیں، میں کمرے کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ دیکھا کہ جناب پیغمبر کمرے کے درمیان میں بیٹھے ہوئے ہیں اور امیر المومنینؑ دروازے کی چوکھٹ پر تشریف فرما ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ اب میں سوچنے لگا کہ جہاں بھی بیٹھتا ہوں تو میری نشست امیر المومنینؑ کے مقام سے اونچی ہوگی کیونکہ وہ تو چوکھٹ پر بیٹھے ہیں پھر میرے ذہن میں آیا کہ کمرے کے ایک گوشے میں بیٹھنا چاہیے کیونکہ اگر ایک سیدھی لائن صدر مجلس سے چوکھٹ تک کھینچی جائے اور ایک دوسری لائن صدر مجلس سے گوشۂ خانہ تک کھینچی جائے تو جو خط چوکھٹ تک کھینچا جائے گا اور وہاں امیر المومنینؑ تشریف فرما ہیں وہ میرے مقام کے مقابلہ میں صدر مجلس سے بالاتر اور قریب تر ہوگا۔ اور وہ خط جو گوشہ تک ہوگا وہ پیغمبرؐ سے زیادہ فاصلہ پر اور پست تر ہوگا۔ پس اس خیال سے میں گوشہ میں بیٹھ گیا جب رسول مقبولؐ نے یہ دیکھا تو تبسّم فرمایا کہ بیٹا تم صحیح سوچ رہے تھے۔ پھر میں نے رسول مقبولؐ سے ایک سوال کیا اور آپؐ نے جواب عنایت فرمایا۔ میرزا قمی نے پوچھا کہ وہ سوال وجواب کیا تھا۔ بحر العلوم نے کہا وہ میں بتانا نہیں چاہتا۔ جتنا بھی میرزا قمی نے اصرار کیا انہوں نے انکار کیا۔

نیز ملا زین العابدین کہتے تھے کہ، بحر العلوم کا قاعدہ یہ تھا کہ اگر کوئی رات کو ان کے کھانے کے وقت پہنچتا اور کھانا نہ کھاتا تو وہ بہت برا مناتے تھے۔ ایک رات یہ ہوا کہ مغرب کے وقت، بحر العلوم مرقد مطہر عسکریینؑ کے پشت پر نماز پڑھ رہے تھے اور ہم کچھ اصحاب بھی ان کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ نماز میں تشہد کو تمام کیا اور السلام علینا والا جملہ بھی پڑھ لیا اور ابھی السلام علیکم نہ کہا تھا کہ خاموش ہو گئے اور بالکل نہ بولے ہم نے سوچا کہ شاید کوئی

سہو یا بھول چوک عارض ہوگئی ہے۔ پھر کچھ وقت گزرا اور پھر انہیں نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہم سب کو بڑی حیرت ہوئی لیکن ان بزرگوار کی ہیبت اس قدر تھی کہ کسی کو ان سے یہ پوچھنے کی ہمت نہ تھی کہ وجہ سکوت دریافت کرے۔ آخوند ملا زین العابدین کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ آج رات کو ہم کھانا نہ کھائیں گے اور یہ عرض کریں گے کہ آپ اپنی خاموشی کا سبب نہیں بتائیں گے تو ہم کھانا نہیں کھائیں گے اور چونکہ وہ کسی بات پر بھی راضی نہیں ہوتے کہ کوئی ان کی مجلس میں ہو اور رات کا کھانا نہ کھائے تو لازماً وجہ بتا دیں گے۔ پس شام کے وقت بیٹھے رہے۔ بحرالعلوم نے کہا: کھانا کھاؤ تو ہم نے عرض کی کہ اگر آپ نماز میں خاموشی کا سبب ارشاد فرما دیں تو ہم کھانا کھائیں گے ورنہ نہیں۔ ان بزرگوار نے کہا: تم کھانا کھاؤ پھر میں وجہ سکوت بیان کر دونگا۔ پس ہم نے کھانا کھالیا اور پھر سر سکوت کا سوال کیا ان بزرگوار نے فرمایا کہ جب میں نے سلام کا پہلا صیغہ پڑھا تو میں دیکھا کہ جناب امام عصر عجل اللہ فرجہ اپنے جدؑ اور والد ماجدؑ کی زیارت کے لئے حرم کے اندر تشریف لائے ہیں میری زبان میں لکنت پیدا ہوگئی اور امامؑ کی دہشت اور ہیبت سے بولنے کی طاقت نہ رہی اور چونکہ حالتِ نماز میں تھا کھڑا بھی نہیں ہوسکتا تھا اور نہ نماز کو توڑ سکتا تھا کہ امام علیہ السلام کا احترام وتعظیم بجالاؤں اور میری زبان میں اتنی لکنت تھی بلکہ بند ہوگئی تھی کہ امامؑ نے اتنے میں اپنے جدؑ اور والد ماجدؑ کی زیارت سے فراغت پالی اور واپس تشریف لے گئے تب میرے حواس بجا ہوئے اور زبان میں حرکت پیدا ہوئی اور میں نے دوسرا صیغہ پڑھا۔

مجھ سے میرزا قمی نے آپ کی ایک اور کرامت بیان فرمائی کہ ایک رات مسجد سہلہ میں عبادت میں مصروف تھے کہ وہ کہتے ہیں کہ ناگاہ میں نے مناجات کی ایسی آواز سنی کہ دل تڑپ اٹھا۔ میں اس آواز کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہاں سے نور بلند ہو رہا ہے اور بالکل روز روشن کا سماں ہے اور کوئی شخص بیٹھا ہے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور فرمایا: سید مہدی بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا۔ بحرالعلوم نے اپنے ہاتھ سید مہدی کی گردن میں حمائل کر دیئے اور کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے حضرت قائمؑ کی زیارت کی تو تم مجھے جھٹلاؤ گے کیونکہ یہ تمہاری شرعی ذمہ داری ہے اور اس کے بعد بحرالعلوم نے کوئی بات نہ کی۔

سید جواد عاملی، صاحب کتاب مفتاح الکرامہ در شرح قواعد، بحرالعلوم کے شاگردوں میں سے تھے اور شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر الکلام نے ابتداء میں سید جواد کی شاگردی اختیار کی تھی۔ تو سید جواد نے تذکرہ کیا کہ ایک رات میں دیکھا کہ میرے استاد بحرالعلوم نے امیر المومنینؑ کے صحن کا پھاٹک کھولا اور آنحضرتؑ کے حرم کی جانب روانہ ہوگئے۔ اور انہوں نے مجھے نہ دیکھا تھا میں چپکے چپکے ان کے پیچھے گیا پس میں نے دیکھا کہ رواق کا پھاٹک جو مقفل تھا اس کا تالا خود بخود کھل گیا اور وہ وہاں سے گزر کر جانب حرم چل پڑے اسی طرح حرم کا دروازہ بھی کھل گیا آپ نے اپنے جد کو سلام عرض کیا اور مرقد منور سے جواب سلام آیا۔ مجھے بڑا خوف محسوس ہوا اور میں واپس لوٹ گیا۔

نیز سید جواد کہتے ہیں کہ ایک دن میرے استاد بحرالعلوم دروازہ شہر سے نکل کر نجف سے باہر چلے گئے میں ان کے پیچھے ہولیا یہاں تک کہ ہم مسجد کوفہ میں داخل ہوگئے میں نے دیکھا کہ آپ مقام صاحب الامرؑ پر حاضر ہوئے ہیں اور امام زمانؑ سے گفتگو فرما رہے ہیں اس دوران ایک مسئلہ بھی دریافت کیا تو جواب ملا کہ احکام شرعی میں ظاہری دلائل دیکھنے کی ذمہ داری ہوتی ہے تمہاری ذمہ داری یہی ہے کہ ان دلائل سے استفادہ کرو اور حقیقی احکام کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

اس کے علاوہ آخوند ملا زین العابدین سلماسی نے کہا کہ بحرالعلوم ہر شب نجف کی گلیوں میں چکر لگاتے اور فقراء کے لئے روٹی اور ایسی ہی چیزیں لیجاتے اور کچھ دن کے لئے درس بھی موقوف کر دیا پس طلباء نے مجھ سے سفارش کرانا چاہی تو میں نے آنجناب کی خدمت میں عرض کی۔ انہوں نے کہا: اب میں درس نہیں دونگا۔ چندروز بعد پھر طلباء نے میرے ذریعہ معلوم کرنا چاہا کہ آخر درس نہ دینے کی وجہ کیا ہے؟ میں نے پھر آنجناب سے عرض کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ان سارے طلباء سے میں نے نصف شب میں کبھی بھی تضرع وزاری اور مناجات کی آوازیں بلند ہوتی ہوئی نہیں سنیں کیونکہ میں اکثر راتوں میں نجف کی گلیوں میں پھرتا ہوں اور ایسے طالبعلموں کا کوئی حق نہیں ہے کہ انہیں درس دیا جائے۔ جب طلباء کو اس بات کا علم ہوا تو بہت روئے پیٹے اور راتوں کو ان کی گریہ وزاری اور مناجات کی آوازیں ہر جانب سے بلند ہونے لگیں۔ بعد میں ان جناب نے دوبارہ اپنے درس کا آغاز کر دیا۔

ایک دفعہ جب آپ مسجد کوفہ میں تھے تو ایک دن اپنے ملازمین اور دوستوں سے فرمائش کی کہ اتنے اتنے کھانے کی تیاری کرو کہ فلاں تعداد میں سوار آنے والے ہیں اور سب بھوکے ہیں۔ چنانچہ مطابق حکم کھانا تیار کیا گیا کہ اچانک دیکھا کہ اتنی ہی تعداد میں لوگ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ وارد ہو گئے، ان بزرگوار کے دسترخوان پر کھانا کھایا اور پھر چلے گئے۔

آپ کا اخلاق ایسا تھا کہ ایک دفعہ نماز کے لئے اقامت کہہ چکے تھے اور ابھی تکبیرۃ الحرام نہ کہی تھی کہ ایک شخص حقہ لے آیا آپ بیٹھ گئے اور حقہ پینے لگے اور پھر نماز پڑھی۔ اس کی وجہ آپ نے یہ بتائی کہ اگر میں اس وقت حقہ نہ لیتا اور نہ پیتا تو اس مومن کا دل ٹوٹ جاتا۔

اور آپ کے پوتے آقا سید حسین نجف کے فقہا سے ہیں اور آپ کے بھائی کے پوتے حاجی میرزا محمود بروجرد میں ہیں اور صاحب کرامت ہیں جب بھی کسی مجلس میں تشریف رکھتے ہیں، قران ساتھ ہوتا ہے اسکی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور سید صادق بھی ان کے ہم قبیلہ ہیں اور طہران میں رہتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی کسی محفل میں جاتا ہے تو قران اپنے ساتھ لیکر آتا ہے اور پڑھتا رہتا ہے یہ بڑی خوبی کی اور قابل تعریف بات ہے کیونکہ عالم ہو یا غیرِ عالم چاہے صحبت علمی میں ہی کیوں نہ ہوں ہمیشہ اس کا اختتام کسی جھگڑے، بدنیتی یا فضول قسم کے مباحثے پر ہوتا ہے اور اگر دینادی باتیں ہوں تو غیبت کے بغیر انجام پذیر نہیں ہوتیں۔ سید صدرالدین نہاوندی ششستری کی عادت تھی کہ ان کی جائے نماز بچھی رہتی اور نماز پڑھتے رہتے اور بس اس کام میں مشغول رہتے ان کا تعلق ششستر سے تھا لیکن نہاوند میں بھی رہا کرتے تھے۔ ایک فاضل انسان تھے لیکن ہمیشہ نماز کے لئے کھڑے رہتے اور مشہور یہ تھا کہ وہ اہل باطن اور با کرامت شخصیت ہیں اور مؤلف کتاب کے ماموں مرحوم آقا سید صادق تنکابنی کے پیش نماز اور اصلاً لنگرود کے رہنے والے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ عتبات سے اصفہان لوٹتے ہوئے میں نے نہاوند سے عبور کیا۔ کیونکہ میں نے سید کی کرامات کے متعلق سنا ہوا تھا اور کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا بلکہ چاہتا تھا کہ کسی کرامت کا میں بھی مشاہدہ کروں اس لئے میں سید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے بڑے با اخلاق اور باصفا لگے اور وہاں لوگ بھی ان سے بڑا اخلوص رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ شہزادے بھی ان کی رعایت وحمایت کیا کرتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ شاید فتح علی شاہ کے بعد ان کے لطف وکرم سے وہ سلطنت کے مالک بن جائیں۔ میرے ماموں کہتے ہیں کہ سید نے حال احوال پوچھنے کے بعد یہ سوال کیا کہ آپ کا یہاں کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ ہر جگہ آپکی کرامات کا شہرہ سن کر میں نے چاہا کہ میں بھی آپکے فیض عام سے بہرہ یاب ہوں اور کوئی کرامت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کروں۔ سید نے کہا کہ مجھے تو کوئی کرامت حاصل نہیں اور میری کرامتوں کا شہرہ یوں ہو رہا ہے کہ ہر آدم زاد اپنی ماں سے پیدا ہوتا ہے اور اسی وقت جنوں کا کوئی بچہ اپنی ماں سے متولد ہوتا ہے اور اس جن بچے کو اسی انسانی بچہ کا ہمزاد قرار دیتے ہیں اور میرا بھی ایک ہمزاد ہے لیکن اتفاق یہ ہوا کہ میرا ہمزاد جنوں کے بادشاہ کے طبقہ کا ہے اور میرے اس ہمزاد نے پانچ چھ جن میرے لئے بھیج دیئے ہیں جو میرے گھر میں رہتے ہیں اور میری خدمت کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی گھر کے برتن پانی سے خالی ہوتے ہیں تو اچانک تم دیکھوگے کہ وہ پرآب ہو گئے ہیں اور کبھی کوئی بچہ جھولے میں رونے لگتا ہے تو تم دیکھوگے کہ وہ بغیر کسی کے جھلائے جھولا جھولنے لگتا ہے۔ کبھی گھر میں لکڑی نہیں ہوتی اچانک لکڑی کا ڈھیر لگ جاتا ہے کبھی آگ بجھی ہوئی ہوتی ہے اچانک بغیر کسی کے سلگائے ہوئے سلگ اٹھتی ہے۔ تو لوگ جب یہ کام یوں ہوتے دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ یہ کرامت ہے حالانکہ یہ کوئی کرامت نہیں بلکہ یہ جن خدمات انجام دیتے ہیں۔

مؤلف کہتا ہے کہ ہمزاد کے قصے بہت مشہور ہیں اور شیخ احمد احسائی سے سوال کیا گیا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ کبھی انسان بغیر اسباب ظاہری کے ملول ومکدر ہو جاتا ہے۔ شیخ احمد نے اسکی کئی وجوہات بتائیں۔ ایک ان میں سے یہ تھی کہ ہر انسان کا ایک ہمزاد ہوتا ہے جو جنوں میں سے ہوتا ہے تو وہ جب ملول ہوتا ہے تو انسان بلاوجہ ہی کیونکہ اس ہمزاد سے تعلق خاص رکھتا ہے خود بھی ملول ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ نہیں سمجھ پاتا۔ دوسرے یہ کہ جب امام شیعوں کے اعمال نامہ دیکھتے ہیں تو ان کے گناہوں کو دیکھ کر ملول خاطر ہوتے ہیں اور چونکہ امام قلب عالم امکان ہیں اور جب قلب رنج وغم محسوس کرتا ہے تو اس کا اثر تمام اعضاء پر ہوتا ہے اس طرح امام کا ملال سارے عالم امکان کے باسیوں کے دلوں پر اثر ڈالتا ہے اور ممکن یہ ہے کہ جس شخص کے اعمال کی بناء پر امام کی طبیعت مکدر ہوتی ہے تو جو امام سے اس شخص کا باطنی ربط ہے اس کی بناء پر وہی ملول ومکدر رہتا ہے دوسرے اشخاص نہیں ہوتے۔

آقا سید علی صاحب شرح کبیر وصغیر

آقا سید علی بن سید محمد علی طباطبائی اصفہانی کربلا میں سکونت پذیر تھے۔ سید محمد علی جو ان کے والد ہیں وہ سید ابوالمعالی صغیر کے فرزند اور وہ سید ابوالمعالی کبیر کے بیٹے ہیں اور سید ابوالمعالی کبیر ملا صالح ابن احمد مازندرانی کے داماد ہیں۔ سید ابوالمعالی کبیر کے تین بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ ان سے بیٹے سید ابوطالب، سید علی اور سید ابوالمعالی ہیں اور یہ سید ابوالمعالی چھوٹے بیٹے تھے اور ان کے ایک ہی بیٹے سید محمد علی تھے۔ یہ سید محمد علی آقا سید علی کے والد ہیں۔ اور سید ابوالمعالی کی بیٹیاں تو ان میں سے ایک ملا محمد رفیع جیلانی جو مشہد مقدس میں رہتے تھے کی زوجہ تھیں اور مذکورہ سید علی آقا باقر بہبہانی کے بھانجے اور داماد ہیں یعنی آقا محمد باقر کی بیٹی ان کی زوجہ تھیں۔ جو آقا سید محمد کی والدہ ہوئیں انہوں نے سن کہولت (یعنی ۳۲، ۳۶ سال کی عمر میں) اپنے ماموں آقا محمد باقر بہبہانی کے اصرار پر تحصیل علم دین شروع کیا اور یہ آقا سید محمد کی ولادت کے بعد کیا۔ آقا سید علی کی ولادت باسعادت کاظمین کے پاکیزہ شہر میں ہوئی اور ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ تھی جو ثقۃ الاسلام کافی کی روایت کے مطابق ولادت رسالت مآبؐ ہے اور آپکی ولادت کا سن ۱۱۶۱ ہے۔ آپ نے بہت سے لوگوں سے اسناد حاصل کیں اور بڑے بڑے راویوں کے مرجع اور نقلی علوم، بہترین مقرر، اور تحریر میں نہایت فصیح و بلیغ علم منطق میں لاثانی اور ہمارے زمانے کے بڑے بڑے مشائخ اور اساتذہ سب براہ راست یا بالواسطہ آپ کے شاگرد رہے ہیں۔ آپکے شاگردوں کی فضیلت آپ کے کمال علم کی گواہ ہے اور ان کے اصول کو ان کی فقہ پر فوقیت حاصل تھی۔ عرب و عجم بلکہ تمام اسلامی شہروں میں مانے ہوئے تھے۔ فاضل قمی فقہ میں زیادہ ماہر تھے لیکن اس کے برعکس ان کی کتاب کو زیادہ شہرت ملی۔ ان کی فقہ کی کتاب 'شرح کبیر' اور میرزا کی کتاب 'اصول قوانین' شہرت کے اعتبار سے نصف النہار کے سورج کی مثل ہیں۔ ابتدائی عمر میں آقا محمد علی بن آقا محمد باقر سے تعلیم حاصل کی اور مختصری مدت میں بڑی ترقی کی۔ اس کے بعد اپنے ماموں آقا محمد باقر بہبہانی سے تحصیل علم کی اور تیزی سے ترقی کر کے تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ کافی خوش مزاج تھے۔ کسی شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن وہ شرح کبیر کا درس دے رہے تھے کہ پڑھتے پڑھتے اس مقام پر پہنچے ذکراً کان او انثی' تو ایک شاگرد نے عرض کی کہ میں ذکر نہیں رکھتا۔ وہ ہنسے اور بولے: میں رکھتا ہوں صرف ایک ذراع (ایک ہاتھ = ناپنے کا پیمانہ) کے برابر۔ آقا محمد باقر نے انہیں اجازہ دیا تھا اور کچھ اور لوگوں نے بھی جن کا ذکر ہم نے آقا محمد باقر کے اجازہ میں کیا ہے۔ ایک دفعہ میرزا قمی زیارت عتبات عالیات سے مشرف ہوئے اور میرزا کا عقیدہ یہ تھا کہ جس کھانے میں کشمش ہو وہ حرام ہے اور آقا سید علی اس کو حلال سمجھتے تھے۔ ایک رات میرزا آقا سید علی کے مہمان ہوئے یعنی سید نے ان کی ضیافت کی اور حکم دیا کہ کچھ غذا کشمش والی پکائی جائیں۔ جب یہ غذا لائی گئی تو میرزا نے اسے کھانے سے انکار کر دیا۔ آقا سید علی نے میرزا کی کلائی پکڑلی کہ چلو اس پر مباحثہ کرتے ہیں اور تم مجھے قائل کرو۔ یا پھر یہ کھانا کھاؤ تو میرزا نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں مناظرہ میں آپ سے جیت نہیں سکتا اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ حرام ہے تو آپ مجھے تنگ کیوں کر رہے ہیں؟ آقا سید علی مسکرائے اور حکم دیا کہ میرزا کے لئے بغیر کشمش کا کھانا لایا جائے۔ تو وہ کھانا انہوں نے کھایا۔

یہ سنا گیا ہے کہ جناب سید حکمت نہیں جانتے تھے جب چاہتے تھے کہ ملک کی تعریف کیجائے تو طلباء سے کہتے تھے کہ ملک کی تعریف کیا ہے؟ طلباء جواب دیتے تھے جو ہر مجر داخ نیز علم ہیئت سے بھی واقف نہیں تھے جب شرح کبیر تالیف کر رہے تھے اور قبلہ کے موضوع پر پہنچے تو بڑی مشکل ہوئی کیونکہ ہیئت سے کوئی رابطہ نہ رکھتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں سے ایک علم ہیئت جانتا تھا۔ سید نے اس سے کہا کہ کسی وقت میرے گھر آ کر علم ہیئت کی رو سے ضروریات قبلہ مجھے سمجھا دینا۔ تو اس نے جواب دیا کہ جیسے ہم کتابیں بغل میں دبا کر آپکی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور پھر کچھ علم حاصل کرتے ہیں تو جناب بھی اپنی کتابیں بغل میں لیکر آئیں اور میرے گھر تشریف لا کر مسائل ہیئت مجھ سے سیکھیں۔ سید نے کہا مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں جب بھی گھر سے نکلتا ہوں تو لوگ میرے پاس جمع ہو جاتے ہیں میرا وقت ضائع ہوتا اور میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔ القصہ آقا سید علی اسکی بات پر رنجیدہ ہوئے

اور اس رات حرم سید الشہداءؑ میں صبح تک عبادت وتضرع وزاری میں مشغول رہے اور نہایت عاجزی سے پروردگار کو جناب سید الشہداءؑ کا واسطہ دیا کہ علم ہیئت کے ضروری مسائل ان پر منکشف ہو گئے۔ اور انہوں نے مباحث قبلہ اپنی کتاب میں بیان کر دیئے۔

سید علی کی تالیفات بکثرت ہیں اور ان میں سے اکثر رسائل ہیں ان میں سے ایک کتاب 'مفاتیح' پر شرح ہے کہ پوری تشریح کے ساتھ بڑے بڑے علمائے کرام کے اقوال اور فقہائے کرام کے استدلالات کو پیش کیا ہے پھر ایک کی دوسرے پر ترجیح، یا ایک کا دوسرے پر تعارض اور پھر فروعی احکامات سب لکھے ہیں۔ 'ریاض المسائل' جو شرح کبیر کی مختصر، مفید اور معروف شرح ہے یہ کتاب اصول مسائل فقہ پر مشتمل ہے اور تحقیق اقوال ودلائل پر مختصر اشارے کیے گئے ہیں۔ عبارتیں فصیح وبلیغ اور مقفع ومسجع ہیں۔ ان کی یہ کتاب اسی بناء کرامات میں شمار کی جاتی ہے اور آفتاب عالم تاب کی طرح جس پر کوئی بادل وغیرہ نہ ہو یہ کتاب علماء وطلباء میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، پاکیزہ لوگوں کی آنکھ کی طراوٹ، اور ایسی درسی کتاب ہے کہ فرقہ جعفریہ کے لئے اس کا سیکھنا اور سکھانا بہترین ہے۔ مؤلف کتاب ہذا نے اس پر بہت سے مدوّن حاشیے لکھے ہیں جو مباحثہ ومذاکرہ کے دوران تحریر ہوتے چلے گئے ہیں۔ ان میں سے اس کتاب کے اجازہ پر حاشیہ ایک جلد میں ہے اور کتاب 'صلح' پر حاشیہ ایک جلد میں، کتاب 'ہبہ' پر حاشیہ، کتاب 'قضا' (فیصلے) پر حاشیہ ایک جلد میں اور کتاب 'وصایا' پر حاشیہ ایک جلد میں، کتاب 'متاجر' (اجرت) پر حاشیے اور آقا سید علی کی ایک کتاب آخری دو رکعتوں میں تین بار تسبیحات اربعہ کے پڑھنے کے بارے میں ہے۔ اور کتاب 'شرح صغیر' جو 'شرح کبیر' سے مختصر ہے اور مختصر پر شرح مفید ہے، اجماع واستصحاب پر رسالہ مفہوم موافقت کی حجیت پر رسالہ اور تیمم میں صرف ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنے پر اکتفاء کرنے کا جواز اور حاضرین سے روبرو خطاب سے مخصوص رسالہ۔ منجزات مریض پر رسالہ، اور حائض کے لئے احتیاطی حکم جب خون دس دن سے زیادہ ہو جائے کے بارے میں رسالہ۔ اور شوہر کا مہر سے بری الذمہ ہونے اور یہ کہ زوجہ پر شوہر کے حقوق باقی رہنے کے متعلق رسالہ، گواہی کے حجت ہونے پر رسالہ، اجنبی عورت پر نظر ڈالنا مباح ہے اس بارے میں رسالہ، کتاب معالم پر غیر مدون حواشی، کتاب حدائق پر متفرق حواشی، مبادی اصول علامہ کے شرح پر کچھ نامکمل اجزاء، کتاب مدارک پر متفرق حواشی اور فروع دین کے بارے میں کفار کی ذمہ داری کے بارے میں رسالہ۔

آپ ہمیشہ ہر شب جمعہ اوّل شب سے صبح تک عبادت پروردگار میں مشغول رہا کرتے اور جیسے کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے آقا سید علی بحث ومباحثہ اور مناظرہ میں جو مسائل علمی کے متعلق ہوں یکتائے زمانہ تھے۔ ان کا ایک دفعہ میرزا محمد اخباری سے مناظرہ ہوا۔ ضروری ہے کہ یہاں پر کچھ حالات میرزا محمد اخباری کے بیان کیے جائیں۔ میرزا محمد اخباری بحرین کے رہنے والے تھے، زیادہ تر طہران میں رہے اور کبھی اصفہان بھی چلے جاتے لیکن آخر میں کاظمین ان کا ٹھکانہ ہوا اور وہیں مدفون بھی ہوئے۔ اور ان کی صلبی اولاد آجکل بھی بحرین میں موجود ہے۔ منطق میں میرزا محمد کو کمال حاصل تھا اور سوائے آقا سید علی کے کوئی اس چیز میں ان پر بازی نہ لیجا سکتا تھا۔ مرحوم آخوند ملا صفر علی لاہجی جو میرے مشائخ میں سے ایک تھے، نے مجھے یہ قصہ سنایا کہ میرزا مباحثوں میں اسی لئے کامیاب ہو جاتے تھے کہ ان کو مختلف علوم میں کمال حاصل تھا۔ جس موضوع پر بھی مناظرہ شروع ہوتا تھا اگر دیکھتے تھے کہ یہ اس سے عاجز ہیں تو مخالف کو بڑی ہوشیاری سے اس مسئلہ سے ہٹا کر کسی دوسرے علمی مسئلہ میں پھنسا دیتے تھے اگر دیکھا کہ اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکیں گے تو کسی اور مسئلہ کی طرف منتقل کر دیتے تھے اور یونہی ہوتا رہتا تھا یہاں تک کہ مخالف عاجز آجاتا اور ہتھیار ڈال دیتا، یعنی وہ ایک مسئلہ پر کبھی نہ ٹکتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ اصفہان آئے اور کسی مجلس میں میرزا محمد، آقا سید محمد باقر حجۃ الاسلام اور حاجی کلباسی اکٹھے ہوئے۔ میرزا محمد نے حاجی کلباسی سے گلہ کیا کہ میں اور آپ تحصیل علم کے زمانے میں ایک دوسرے کے رفیق تھے اور میرا آپ کے اوپر حق رفاقت تھا آپ مجھ سے ملاقات کو کیوں نہیں آئے۔ حاجی کلباسی تو خاموش ہو گئے لیکن حجۃ الاسلام نے جواب دیا کہ چونکہ حاجی کلباسی ایک ایسے شخص کے شاگردوں میں سے ہیں کہ جس نے اپنے شاگردوں سے کہا ہوا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بھی اخباریین کے ساتھ معاشرت رکھے گا تو اس کو میں عاق کر دونگا۔ چنانچہ حاجی تم سے ملاقات کو بھی نہیں گئے۔ میرزا نے کہا کہ اب مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حقوق کا عقوق سے تعارض ہو جائے تو مقدم کیا قرار پائے گا۔ سید نے کہا عقوق مقدم ہے اور اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے ایک حدیث کا ذکر کیا میرزا محمد نے اس حدیث کی سند کو کمزور قرار دیا اور اس کی عربی اور الفاظ پر چند اعتراض کیے اور پھر اپنے طور پر یہ فیصلہ کیا کہ حقوق مقدم ہوتے

ہیں اور اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی غرض سے کافی کی احادیث مع اسناد بیان کیں اور اب حاضرین دم بخود رہ گئے۔

جس زمانے میں شیخ جعفر نجفی اعلیٰ اللہ مقامہ طہران تشریف لائے تو اس وقت میرزا محمد بھی طہران میں موجود تھے اور جب معززین شہر شیخ کی ضیافت کرتے تو میرزا محمد کو بھی دعوت دیا کرتے تھے اور میرزا محمد شیخ سے بات چیت کیا کرتے تھے۔ شیخ کو علوم نقلی میں مہارت حاصل تھی لیکن میرزا محمد کو مناظرہ و مباحثہ میں کمال حاصل تھا لہٰذا لوگوں کے سامنے میرزا محمد شیخ پر غالب آجاتے تھے اور انہوں نے شیخ کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔ آخر ایک شب شیخ نے میرزا محمد پر بڑا ناراضگی کا اظہار کیا کہ تم فضول باتوں کے ذریعہ لوگوں پر اصل حقیقت مشتبہ کر دیتے ہو اور کم مایہ چیزوں کو ظاہری طور پر گرانقدر بنا دیتے ہو (اس طرح) مسلمانوں کے دین کو بگاڑ رہے ہو۔ اب بھی اگر میرے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا ہے تو کل ظہر کے وقت میدان میں نکلیں اور مباہلہ کریں تاکہ جو حق ہے وہ باطل سے جدا ہو جائے۔ پس دوسرے دن صبح کو میرزا محمد آگئے اور میدان میں پہنچ گئے بے شمار خلقت جمع ہو گئی۔ میرزا محمد نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور بہت سے لوگوں نے ان کی اقتداء کی۔ اتنے میں شیخ بھی تشریف لے آئے اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے سارا مجمع شیخ کے پیچھے آگیا اور سب نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ میرزا محمد نے جلدی جلدی نماز کو تمام کیا اور فوراً شہر واپس چلے گئے اور مباہلہ کے لئے نہ رکے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ حق و باطل کے فیصلے کے لئے مباہلہ بڑی باا ثر چیز ہے لیکن جبکہ شرائط موجود ہوں۔ اصول کافی میں مباہلہ اس کی کیفیت و شرائط کے بارے میں بیشتر احادیث مذکور ہیں۔

ایک اور عجیب واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مرحوم فتح علی شاہ اور شاہ روس کی آپس میں ٹھن گئی۔ اشپختر روسی لشکروں کا سردار تھا اس نے قبہ اور بادکوبہ پر قبضہ کر لیا اور پھر ایران کے شہروں کا رخ کیا۔ وہ جس شہر میں جاتا فتح علی شاہ بڑا مضطرب ہوتا۔ اس زمانے میں میرزا محمد اخباری دارالخلافہ طہران میں اقامت گزین تھا تو میرزا محمد فتح علی شاہ کے پاس گیا اور کہا کہ میں اشپختر کے سر کو چالیس دن کے اندر طہران میں حاضر کردوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ مجتہدین کے مذہب کو آپ بالکل متروک و منسوخ کر دیں اور مجتہدین کی بنیادیں اکھاڑ کر رکھ دیں اور تمام ایرانی شہروں میں اخباری مذہب کو رواج دیں۔ فتح علی شاہ نے یہ شرط قبول کر لی۔ میرزا محمد علی نے چالیس روزہ چلہ کھینچا ختم آیۃ الکرسی کا دس وقف کے ساتھ اور بعض شرائط کے ساتھ جو وہ لوگ اختیار کرتے تھے۔ اور ہر قسم کے گوشت کھانے سے اجتناب برتا۔ اور موم سے ایک مورت بنا کر تلوار اس کی گردن میں لٹکا دی۔ جب چوتھا دن ہوا تو فتح علی شاہ نے دربار عام کیا لیکن سر اشپختر کی جھلکی بھی نظر نہ آئی وہ میرزا محمد پر غضبناک ہو گیا اور ایک قاصد میرزا کو بلانے کے لئے بھیجا۔ میرزا محمد نے چلہ تمام کیا۔ گوشت کھایا اور سلطان کے سامنے آنے سے پہلوتہی برتنے لگا۔ اتنے میں سلطان کی طرف سے دو تین قاصد اس کی طلب میں لگاتار پہنچتے رہے۔ میرزا محمد سست روی سے چلے اور جب پہنچے تو کیفیت یہ تھی کہ سر اشپختر اور میرزا محمد بیک وقت وارد مجلس سلطان ہوئے اور بیان کیا کہ لنکران کے حاکم نے محاصرہ کے وقت اشپختر کو میدان کے ایک گوشہ میں بلایا کہ ایک دوسرے سے صلح کی بات چیت کریں چنانچہ ایک آدمی کو اشپختر اپنے ساتھ لایا اور ایک آدمی کے ساتھ حاکم آیا۔ حاکم نے فوراً بندوق اٹھائی اور اسے گولی کا نشانہ بنا دیا اور اس کا سر جدا کر دیا جب لشکر نے اپنے سردار کو مقتول پایا تو بھاگ کھڑا ہوا اور سردار روس کے سر کو سلطان کے پاس لیکر آئے۔ سلطان حیرت زدہ رہ گیا۔ اب میرزا محمد نے کہا کہ ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اب آپ بھی وعدہ وفا کریں۔ سلطان نے اس سلسلہ میں ارا کین حکومت سے صلاح و مشورہ کیا۔ اعیان حکومت نے عرض کی کہ مجتہدوں کا مذہب ائمہ ہدیٰ کے زمانہ سے اب تک جاری و ساری ہے اور وہی حق پر ہیں اور مذہب اخباری تو ایک جدید اور کمزور مذہب ہے جو سلطنت قاچاری کی ابتداء سے عروج ہوا ہے تو لوگوں کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے نتیجہ میں سلطان کے خلاف شورش ہو جائے گی اور سلطنت کو دھچکہ پہنچے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ میرزا محمد کبھی آپ کا مخالف ہو جائے اور دشمنی پر آمادہ ہو جائے اور جو کچھ اس نے روس کے اشپختر کے لئے کیا ہے وہی معاملہ آپکے ساتھ کر گزرے۔ مصلحت یہ ہے کہ آپ اس کو اخراجات ادا کریں اور معذرت طلب کریں اور حکم دیدیں کہ وہ عتبات عالیات جا کر وہاں سکونت اختیار کرے۔ ایسے خطرناک شخص کا پایۂ تخت میں رہنا قرین مصلحت نہیں ہے چنانچہ سلطان نے میرزا محمد سے معذرت چاہی اور اخراجات دیکر اس کو عتبات عالیات روانہ کر دیا۔ عتبات عالیات کی زیارت کے بعد میرزا محمد آقا سید علی کی خدمت میں آیا اور دونوں میں اخباری و مجتہد کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ آقا سید علی نے کہا کہ میں تم سے بحث و مباحثہ کو تیار ہوں شرط یہ ہے کہ زبانی بحث و مباحثہ پر بات مکمل کی جائے اور کسی قسم کی تحریر

یں اور رسائل بیچ میں نہ لائے جائیں۔ میرزا محمد نے یہ بات مان لی پس مناظرہ ہوا اور آقا سید علی میرزا محمد پر غالب آ گئے۔ پھر میرزا محمد کاظمین چلے گئے اور وہاں سے ایک خط اس مسئلہ کی رد میں لکھا اور آقا سید علی کو بھیج دیا۔ سید نے جب یہ خط دیکھا تو قبول نہ کیا کہ میرے اور اس کے درمیان صرف بات چیت اور مباحثہ کا معاملہ ٹھہرا تھا۔ مکاتبہ اور مراسلہ کا نہیں اگر ابھی اسے کوئی کلام ہے تو آئے اور مجھ سے گفتگو کرے تاکہ میں اسے غلط ثابت کروں۔

میرزا محمد عجیب علوم سے وابستہ تھا اور انساب عرب میں بھی ماہر تھا اور کہا کرتا تھا کہ معاذ اللہ شیخ جعفر نجفی بنی امیہ کی نسل سے ہیں جب شیخ جعفر نے وفات پائی تو اس ملعون شخص نے ان کے بارے میں یہ کہا کہ خنزیر مرض خنازیر میں مرگیا کیونکہ شیخ کو خنازیر کا مرض لاحق ہوا تھا اور ان کا حلق، گلا اور گردن سب پر ورم آ گیا تھا۔ پس میرزا محمد سے بہت سے قبیح امور صادر ہوئے تو علمائے عتبات نے اس پر کفر کا فتویٰ جاری کیا اور ان رسوا کن کاموں اور سحر کرنے کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم دیا گیا جب اس کے گھر میں داخل ہونا چاہا تو دیکھا کہ اس میں کوئی دروازہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس نے جادو کیا ہوا تھا چنانچہ دیوار توڑ کر لوگ اندر گئے اور اس کو پکڑ کر قتل کیا، مؤلف کہتا ہے کہ اخباری اگر قاصر ہے تو کوئی بات نہیں لیکن اگر مقصر ہے تو فاسق ہوتا ہے۔ خدا کی پناہ وہ جو مجتہدین پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے خود کافر ہوتا ہے اور ہم نے اخباریوں کی رد میں کتب اصول میں بیان کیا ہے جیسے قوانین کے حاشیہ میں اور اصول اور اس کی شرح کے منظومہ میں۔

میرزائی قمی

میرزا ابوالقاسم بن حسن جیلانی باریک بین عالم، محقق، قانونی گتھیوں کے سلجھانے والے، صدق و یقین کے راستوں پر گامزن، دین و دنیا کی دولت کے مالک، باعمل عالم، آزمودہ کار فقیہ، رئیس دنیا و دین، زاہد بے مثل، اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ علم و فقہ رکھنے والے اور شیعوں کے رئیس و حاکم تھے۔ آپ کے والد ماجد ملا تھے جو رشت کے علاقے شفت کے رہنے والے تھے۔ ملا حسن نے حصول علم کے لئے اصفہان کا سفر اختیار کیا اور وہاں میرزا حبیب اللہ اور میرزا ہدایۃ اللہ جو ان کے نانا تھے کی شاگردی اختیار کی۔ بعد میں یہ دونوں عالم بادشاہ کے حکم پر امور شرعیہ کی ترویج اور مسلمانوں کے درمیان عدالتی فیصلوں کا اجراء کرنے چاپلاق آ گئے اور وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ ملا حسن بھی ان ہمراہ وہیں چلے گئے۔ وہاں میرزا ہدایۃ اللہ کے ہاں بیٹی کی ولادت ہوئی۔

ملا حسن عالم و فاضل شخص تھے۔ ایک کتاب تالیف کی جو شیخ بہائی کی کشکول کے اوزان پر تھی۔ ان کی زہد و عبادت کا چرچا تھا۔ شروع شروع میرزا نے اپنے والد ماجد سے ادبی علوم سیکھے اس کے اصول و فقہ آقا سید حسین خوانساری، جن کا تذکرہ بعد میں ہوگا اور سید حسین سے جو اس دور کے عظیم ترین فقہا اور مشائخ میں سے تھے اجازہ حاصل کیا۔ اور علم رجال پر ایک رسالہ لکھا۔ اس کے بعد مرزا عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آقا محمد باقر بہبہانی جیسے جید عالم کے شاگرد ہوئے اور آخرکار ان سے اجازہ حاصل کر لیا۔

میرزا ابتدائی زندگی میں بہت مفلس و قلاش تھے اور ان کے استاد دوسروں کی نیابتی نماز ادا کرتے اور اس کا معاوضہ میرزا کو دیدیا کرتے کہ وہ اپنے اخراجات پر صرف کریں اور سکون سے تحصیل علم کریں۔

مشہور ہے کہ آقا محمد باقر کی وفات کے بعد کربلا گئے اور آقا محمد باقر کے گھر کے دروازے پر جا کر چوکھٹ کو چوما اس کے بعد امام حسینؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مختصر یہ کہ میرزا تحصیل علم کے بعد اپنے آبائی وطن جو چاپلاق کا ایک دیہات تھا اور درہ باغ کہلاتا تھا واپس آئے لیکن یہ چھوٹا سا گاؤں تھا اور میرزا کو تنگی معاش کا مرحلہ سامنے آ گیا۔ پھر چاپلاق کے دیہاتوں میں سے ایک اور دیہات قلعۂ بابو میں رہنے لگے اور ان کی اس ہجرت کا سبب حاجی محمد سلطان تھے جو چاپلاق کے باوجاہت لوگوں میں سے تھے۔ بڑے دولتمند تھے، بڑی دیندار شخصیت تھے اور میرزا کے بڑے مددگار اور چاہنے والے تھے۔

میرزا کے شاگرد بھی دو سے زیادہ نہیں تھے۔ایک حاجی محمد سلطان کا بھائی جو میرزا ہدایت اللہ تھا دوسرا حاجی طاہر خان کا بیٹا علی دوست خان۔اور یہ دونوں میرزا سے نحو و منطق سیکھتے اور شرح جامی اور حاشیہ ملا عبداللہ بھی میرزا سے پڑھا۔

اس گاؤں کے لوگ میرزا کے قدردان نہیں تھے اور کہتے ہیں کہ گاؤں کا مُلا میرزا کو ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ایک دن اس نے گاؤں والوں کو اکٹھا کیا اور میرزا کو بلایا اور اس دیہاتی ملا نے گاؤں والوں سے کہا کہ میرزا سے کہو کہ لفظ مار (سانپ) لکھیں وہ اس طرح مرزا کو تنگ کرنا چاہ رہے تھے۔میرزا نے لفظ "مار" لکھ دیا کہ جس کے ہجے م، الف اور ر ہوتے ہیں۔پھر گاؤں کے ملا نے سانپ کی شکل بنائی کہ سر موٹا اور پچھلا حصہ باریک اور لمبا پھر گاؤں والوں سے کہا کہ تم خود ہی دیکھ لو کہ مار (سانپ) یہ ہے جو میں نے لکھا ہے یا وہ ہے جو میرزا نے لکھا ہے کیونکہ وہ سب جاہل تھے اس لئے انہوں نے ملا کے لکھے ہوئے کو ترجیح دی۔میرزا نے اس بات کا بڑا اثر لیا۔حتیٰ کہ ایک روز یہ ہوا کہ دو آدمی میرزا کے پاس آئے کہ ہمارا آپس میں جھگڑا ہو گیا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں کہ حدث تم سے صادر ہوا ہے لیکن اصل شخص مان نہیں رہا ہے۔میرزا نے جب یہ کیفیت ملاحظہ کی تو رونے لگے اور آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیے کہ پروردگار مجھے اتنا ذلیل نہ کر۔دیہات کے لوگ ایسی ہی خاصیت رکھتے ہیں اسی لئے کہتے ہیں۔

مرغ دم سوی شهر و سر سوی ده   دم آنمرغ از سر آن به

ترجمہ: جس پرندے کی دم شہر کی جانب ہو اور سر گاؤں کی طرف تو اس پرندے کی دم اس کے سر سے زیادہ افضل ہے۔

ملا رومی مثنوی میں کہتے ہیں۔

دو مرو، ده مرد راا حمق کند   مرد را بی عقل وبی رونق کند

ترجمہ: کبھی گاؤں کا رخ نہ کرنا، گاؤں انسان کو احمق بنا دیتا ہے   اس کی ذات کو بے عقل اور ہیئت کو بے رونق کر دیتا ہے۔

الغرض میرزا گاؤں چھوڑ کر دار السلطنت اصفہان میں آ بسے اور کچھ عرصہ مدرسہ کاسہ گراں میں رہے۔وہاں کچھ دنیا دار علماء نے ان میں بزرگی کے آثار دیکھے تو ان کی توہین پر اتر آئے۔وہاں سے آپ شیراز چلے گئے۔یہ کریم خان زند کا دور حکومت تھا دو تین سال وہاں رہے۔وہاں شیخ عبدالحسین اور ان کے بیٹے شیخ مفید نے ان کی مدد کی اور ایک روایت کی رو سے ستر تومان اور دوسری روایت کے مطابق ۲۰۰ تومان میرزا کو دیئے۔میرزا یہ رقم لیکر اصفہان آ گئے اور چونکہ اجتہاد کرنے کے وسائل نہیں تھے چنانچہ بعض استدلالی کتابیں، لغت کی کتابیں اور کتب احادیث خریدیں۔کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں کتابیں من کے حساب سے فروخت ہوتی تھیں اور شاہی من کا وزن تبریزی دو من کے برابر ہوتا تھا اور دس تومان فی یک منِ شاہی کے حساب سے لین دین ہوتا تھا اور خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ خریدار اپنی چیز کا وزن باٹ سے زیادہ ثابت کرے چنانچہ میرزا نے کتاب خریدی اور وزن کیلئے کتاب 'روضہ البہیہ' جو شرح لمعہ مشقیہ' ہے کو پلڑے میں رکھا اور اس طرح خریداری کر کے بابونامی گاؤں واپس چلے گئے۔بعض طالبعلموں نے آپ سے فقہ و اصول کے علوم لکھے لیکن چونکہ وہاں علماء و فضلاء اور تحصیل علم کرنے والوں کا کال تھا اور میرزا معاشی بدحالی کا بھی شکار تھے اور گاؤں والوں کو جہالت کی وجہ سے اچھے برے کی کوئی تمیز نہ تھی اس لئے کسی نے آپ کی طرف توجہ نہ کی۔اور آپ وہاں سے قم کے مبارک و پاکیزہ شہر منتقل ہو گئے اور وہاں معصومۂ قم کی برکت سے اور اس آیت کے مطابق کہ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا" ہر مشکل کے بعد آسانی ہے، بے شک ہر مشکل کے بعد آسانی ہے" ویابی اللّٰه الا ان یتم نوره" اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا اور "ان اللّٰه لا یضیع اجر المحسنین" اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا" اللہ نے روزی و علم میں بھی برکت دی اور لوگوں کی نگاہوں میں عظمت و سربلندی کرامت فرمائی اور وہاں آپ نے اپنا وقت تالیف و تصنیف، بحث و مباحثہ، تدریس، مسائل کے جوابات، نماز جمعہ و جماعت اور ہدایتِ مخلوق خدا میں لگایا۔ان کا ایک فتویٰ کھانے میں پکائی ہوئی کشمش کے حرام ہونے کا ہے اور وہ یہ بھی جائز سمجھتے تھے کہ مقلد اپنے مجتہد سے مرافعہ کرے۔ان کی اولاد میں کچھ لڑکیاں تھیں ان کی ایک بیٹی ملا اسد اللہ بروجردی کی زوجہ تھیں اور دوسری ملا علی بروجردی کی زوجہ تھیں اور آپ کا مدفن قم کے بڑے قبرستان میں ہے اور علیحدہ مقبرہ بنا ہوا ہے۔فقیر مؤلف کتاب پچھلے چند سالوں میں قم میں رہا تو دن کے وقت میں میرزا کے مقبرہ میں بیٹھ کر کتاب'

قوانین' لکھا کرتا تھا اور کتاب کو ان کی قبر مبارک پر رکھا کرتا تھا۔
آپ کے مشائخ اجازہ میں آ قا محمد باقر بہبہانی ہیں' اور کچھ اور بھی ہیں جن کے نام آ قا سید محمد باقر کے اجازہ میں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے' لیے گئے ہیں۔ آپ کی تالیفات بہت سی ہیں اور مقبول عام ہیں۔ ایک کتاب قوانین الاصول دو جلدوں میں تقریباً ۲۵ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ہر دور اور ہر علاقے میں مشہور ہوئی اور فضلائے وقت اس کو بہت پسند فرماتے رہے ہیں۔ اس میں نت نئے خیالات اور اصول پیش کیے گئے ہیں جو اس سے پہلے اتنی باریک بینی اور متانت سے کبھی نہیں پیش کیے گئے اور آج بھی علمائے امامیہ اس کو بنیادِ تدریس قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ علماء نے اس کتاب قوانین میں ۱۲ ہزار لفظی اغلاط پکڑی ہیں۔ کیونکہ وہ کتاب کی تالیف کے وقت دریائے فکر میں ایسے غوطہ زن رہتے کہ الفاظ کے چناؤ کی بالکل پروانہ کرتے۔ مرحوم حاجی ملا محمد صالح برغانی کو میں نے یہ کہتے سنا کہ میرزا نے کتاب قوانین کی تالیف میں اس قدر غور وفکر کیا کہ انہوں نے نقل سامعہ بہم پہنچائی تھی۔ کہتے ہیں کہ ملا احمد نراقی نے چونکہ 'مناہج' میں میرزا کی رد میں بہت کچھ لکھا تو میرزا نے اس پر قوانین میں حواشی لکھے اور ان کی تنقید کو دفع کیا اور ان کے وہ حواشی بھی ایک جلد پر مشتمل ہیں۔ بعد میں آنے والے علماء نے بھی قوانین پر بڑے اعتراضات کیے ہیں جیسے شیخ محمد تقی نے 'معالم' کے حاشیہ پر اور ان کے بھائی شیخ محمد حسین نے 'فصول' میں اور حاجی کلباسی نے 'اشارات' میں اور مؤلف کے استاد نے 'ضوابط' میں اور حاجی ملا احمد نراقی نے 'منہج' میں اور شیخ مرتضی نے اپنے رسائل میں لہٰذا اس فقیر مؤلف کتاب نے بھی قوانین پر حاشیہ لکھا اور اس کا نام 'محاکمات من فضلاء السبعہ' رکھا ہے یہ کئی جلدوں میں ہے اور میں نے ان فضلاء کے اعتراضات پر واقعی تحقیق پیش کی ہے۔ میرزا کی ایک اور تالیف تہذیب الاصول علامہ پر شرح ہے۔ میں نے اس کتاب کو دیکھا تو نہیں ہے لیکن سنا ہے کہ یہ قوانین سے زیادہ بہتر ہے۔ مؤلف کہتا ہے کہ کتاب کی شہرت کا سبب اللہ کی کامل مصلحتوں پر مبنی ہے کیونکہ اس کے اکثر حکم اور مصالح ہم سے پوشیدہ ہیں۔ نیز یہ کہ صفائے نفس اور خلوص نیت شامل ہے جس کا اس میں بہت دخل ہے۔ کتاب مدارک اتنی تحقیق کی حامل نہیں ہے لیکن اس کے مؤلف کی نفس کی پاکیزگی کی بناء پر شہرت پا گئی کیونکہ وہ بزرگوار بہت زیادہ خلوص نیت رکھتے تھے اس طرح کتاب 'مرشد العوام' جو فارسی میں فتاویٰ پر مبنی ہے اور کتاب 'غنائم الایام' فقہ میں اور ویسی ہی عبارتیں اس کتاب میں لکھی ہیں، تمام اقوال، استدلال، تحقیق حق اور فروعات کے ساتھ۔ کتاب 'مناھج الاحکام' فقہ میں ہے اور کتاب 'معین الخواص' صرف فتاویٰ پر مبنی ہے اور عبادات پر ہے اور کتاب 'اجوبۃ المسائل' تین جلدوں میں ہے جس میں سے ہر جلد تمام کتب فقہ حتیٰ کہ دیات تک پر مشتمل ہے اور اس میں اکثر مواقع پر استدلال سے کام لیا گیا ہے اور جلد سوم مختلف علوم میں متفرق سوالات پر ہے ایک رسالہ وقف کے بارے میں اور ایک رسالہ ان لوگوں کے بارے میں جو اپنے مِلک کو آگ لگاتے ہیں اور رسالہ 'درعموم لاضرر' اور اسی طرح بہت سے رسالے ہیں۔ آپ کی کرامات تو بہت ہیں لیکن فی الحال کوئی ذہن میں نہیں ہے۔ میرزا کی ایک بیٹی کی حاجی کلباسی نے اپنے بیٹے سے منگنی کی لیکن جب میرزا کی وفات ہو گئی تو حاجی نے اس کو توڑ دیا اور حجۃ الاسلام کی بیٹی سے اپنے بیٹے آ قا محمد مہدی کی منگنی کر دی اور پھر اس سے عقد کر دیا۔ واللہ اعلم حاجی نے ایسا کیوں کیا بہر حال مسلمانوں کے کاموں کو درست ہی ماننا چاہیے اور خصوصاً ان کے کاموں کو جو دین کے رؤسا اور شریعت سید المرسلینؐ کے بزرگ ہیں۔ کہتے ہیں کہ آخوند ملا علی نوری نے سنا کہ میرزا قمی نے ان کی تکفیر کی ہے۔ ملا سنتے ہی سوار ہوئے اور میرزا کے گھر پہنچے اور سیدھے صحن میں جا کھڑے ہوئے۔ انہیں نے کہا: بیٹھیے انہوں نے کہا جب تک اپنے عقیدہ کی درستگی ثابت نہ کر دوں نہیں بیٹھوں گا پھر میرزا باہر نکلے تو آخوند بیٹھ گئے اور کہا کہ میرے عقاید یہ یہ ہیں۔ کیا یہ ٹھیک ہیں۔ میرزا نے کہا: بالکل ٹھیک ہیں میں نے تو تم پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔

شیخ جعفر نجفی کاشف الغطاء

شیخ جعفر بن شیخ خضر نجفی عظیم عالم، بڑے استاد، فقاہت وجلالت کے آسمان کا آفتاب، زاہد ومتقی، بہترین عبادت گزار، صاحب کرامت اور دنیا

داری سے پہلوتہی کرنے والے شخص تھے۔ اور انصاف کی بات یہ ہے کہ طہارت سے لیکر دیات تک کے فروعی فقہی احکام کا احاطہ کرنے میں اور فروعات کی کثرت کو سمجھنے میں غیبت امام معصومؑ سے لیکر اب تک شیخ جعفر کی مانند کوئی شخص عرصہ وجود پر آیا ہی نہیں ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر احکام کو سمجھنے اور ان کی فروعات کو نکالنے میں آپ شہید اوّل (کی مانند) ہیں جیسا کہ ارشاد ہے الفقه باق علی بکارة لم یمسه احد الا انا والشهید وولدی موسی۔ یعنی فقہ تاحال اپنی بکارت پر باقی ہے سوائے اس کے کہ میں، شہید اوّل اور میرے بیٹے شیخ موسیٰ نے اس کو اس منزل سے آگے بڑھایا ہے۔ اور جو اس بات کا خواہش مند ہے کہ اس بات کو سمجھ سکے تو اس کو شیخ کی کتاب 'کشف الغطاء' اور آپکی دوسری تالیفات کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور جو شہید اوّل کے بارے میں اس بات کی تصدیق چاہے تو وہ کتاب قواعد شہید کو دیکھے جو فقہ کے قواعد کلیہ پر مبنی ہے۔ شیخ نے اپنا کتب خانہ اپنی اولاد میں جو سب سے زیادہ فقیہ ہو اس کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ماتنا سلوا وتعاقبوا۔ شیخ کے بعد ان کے سب سے بڑے بیٹے شیخ موسیٰ ان کے جانشین ہوئے اور تدریس کی اور وہ حقیقتاً ایسے فقیہ تھے جو یکتائے روزگار اور ثانیٔ پدر بزرگوار کہے جا سکتے ہیں اور جو تحقیقات انہوں نے پیش کی ہیں وہ بڑی گہری اور متین ہیں۔ جب شیخ موسیٰ نے دنیا سے کوچ کیا تو ان کے دوسرے بیٹے شیخ علی والد کے جانشین ہوئے۔ ان کے حوزہ علمیہ میں بہت سے طلباء تھے اور ان کو محقق ثالث کا نام دیتے تھے۔ وہ جناب قواعد کلیہ کے بنانے اور ان کے استحکام میں بے نظیر تھے اور فروعات کی باریکیوں کے اعتبار سے اپنے والد کی طرح وحید عصر تھے۔ اس بات کا ثبوت ہمیں کتاب 'عناوین' سے ملتا ہے جو سید فتاح بن علی مراغی کی تالیف ہے وہ شیخ موسیٰ اور شیخ علی کے شاگرد تھے اور ان کی یہ کتاب فقہ کے کلی قواعد کی تاسیس (بنیادی طور پر کس طرح بنے) پر مبنی ہے اور ان پر دلیلیں دی ہیں اور وہ کہاں لاگو ہوتے ہیں اور ان سے کس قدر شاخیں نکلتی ہیں سب اس میں واضح کیا گیا ہے اور یہ شہید کی 'قواعد' سے بہتر کتاب ہے کیونکہ شہید کی کتاب میں قواعد کلی اور اس کی شاخیں تو بتائی گئی ہیں لیکن ان کو دلائل سے ثابت نہیں کیا گیا بلکہ حکمی اور مصلحت کے طور پر انجام دی گئی ہیں۔ حاجی ملا احمد نراقی کی کتاب 'عوائد' میں قواعد کلیہ تو ہیں لیکن وہ اتنی مفید نہیں ہے اوّل تو یہ کہ اس میں فروع کی کم شاخیں ہیں بلکہ فروع بھی کم ہی ہیں۔ دوسرے یہ کہ سارے قواعد بھی نہیں لکھے گئے بلکہ یوں سمجھیں کہ کتاب 'عناوین' سے نصف قواعد اس میں ہیں۔

تیسرے یہ کہ فلسفیانہ پیچیدگیاں بہت ہیں اور اکثر مشہور قواعد جو اسلاف اشراف سے موروثی طور پر چلے آ رہے ہیں ان کو فلسفہ کی گتھیوں میں الجھا دیا ہے اور فقہی دستور اور عام فہمی سے دور کر دیا ہے جیسے بعض اصولیین اصل برائت واستصحاب وحجیت ظن میں فلسفیانہ الجھنیں پیش کر دیتے ہیں اور عوام کے ذہن سے بالاتر کر دیتے ہیں۔ قواعد فقیہ میں بھی یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ کتاب عناوین دوسری کتابوں پر یہ امتیاز رکھتی ہے کہ اس میں قاعدے بکثرت بیان ہوئے ہیں پھر بے شمار دلائل کے ساتھ ان قواعد کو استحکام بخشا گیا ہے پھر شاخوں میں سے شاخیں نکالی ہیں اور ذوق فقاہت اور عام فہمی سے بھی دور نہیں ہے۔ اس کتاب میں پیش کی گئی اکثر تحقیقات مرحوم شیخ علی کی ہیں اور کچھ حد تک شیخ موسیٰ کی بھی جیسا کہ صاحب عناوین نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے۔

شیخ کے افتخار کے لئے یہی بات کافی ہے کہ آقا سید ابراہیم جیسے صاحب فخر اور فقیہ کامل جو تحقیق و تدقیق میں یکتائے زمانہ تھے سترہ ماہ تک درس شیخ علی میں شرکت فرماتے رہے اور آپ کی پاکیزگی نفس سے استفادہ کرتے رہے۔ غرض یہ کہ جب شیخ علی والد کے حسب وصیت ان کی جگہ بیٹھ کر درس دینے لگے تو چھوٹے بھائی شیخ حسن نے ان سے کہا کہ والد ماجد کی وصیت یہ تھی کہ جو ان کی اولاد میں زیادہ فقیہ ہو وہ ان کا جانشین ہو اور وہ تدریس کرے اور میں آپ سے زیادہ فقیہ ہوں شیخ علی نے کہا اس سلسلہ میں جھگڑا کرنا اچھی بات نہیں۔ اور میں اس مسئلہ کو بخوبی حل کر دونگا میں نجف سے کربلا چلا جاتا ہوں اور تم والد ماجد کی جگہ بیٹھو اگر طلباء نجف میں رہیں اور تمہارے درس میں آتے رہیں تو تم ہی افقہ (بڑے فقیہ) ہو اور ان کی وصیت پر عمل پیرا ہو لیکن اگر طلباء تمہارے درس سے بھاگ کر کربلا میں جمع ہو جائیں تو میں افقہ قرار پاؤں گا۔ شیخ حسن اس بات پر راضی ہو گئے اور شیخ علی کربلا چلے گئے لیکن طلباء شیخ حسن کے درس میں شامل نہ ہوئے اور سب کربلا پہنچ کر شیخ علی کے درس میں حاضر ہو گئے جب شیخ حسن نے یہ کیفیت دیکھی تو خود کربلا آئے اور بھائی شیخ علی کو نجف لاکر والد کی جگہ پر بٹھایا اور خود حلہ چلے گئے اور وہیں اقامت گزیں ہو گئے۔ حلہ میں ایک مسجد تھی جہاں شیعہ نماز پڑھا کرتے تھے اور شیخ حسن امامت

کرتے تھے لیکن زیادہ لوگ جمع نہ ہوتے تھے بلکہ زیادہ تر مومنین میں خواتین ہی ہوتی تھیں ایک دن ظہر کے وقت شیخ حسن مسجد میں پہنچے اس دن جماعت کی ساری صفیں خواتین پر مشتمل تھیں اور سوائے امام جماعت کے دوسرا کوئی مرد تھا ہی نہیں۔ شیخ نے نماز ظہر ادا کی پھر صفوں میں سے آواز حدث بلند ہوئی۔ شیخ نے اپنے ہاتھ جانب آسمان بلند کیے کہ پروردگار تو نے میرے ماننے والے بھی دیئے تو وہ بھی ایسی عورت کہ نماز میں اس سے حدث صادر ہوتا ہے۔ اس کے بعد کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ شیخ کی وفات ہوگئی۔

مؤلف کتاب کربلا کی زیارت سے مشرف ہوا تو جناب استاد کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا لیکن شیخ علی سے ملاقات نہ ہوسکی۔ پس شیخ حسن نجف آئے اور حسب وصیت والد مرحوم ان کی جگہ بیٹھ کر تدریس شروع کردی اور شیخ جعفر نے وصیت کی تھی کہ ہر شب کچھ معین مقدار میں کھانا تیار کیا جائے اور ان کے سب بیٹے پوتے جمع ہوں اور فقہ اور اسکے مقدمات کے متعلق دو گھنٹے ایک دوسرے سے گفتگو کریں اور اب تک یہ طریقہ جاری ہے اور مذاکرات ہوا کرتے ہیں اور یہ بڑی پیاری وصیت ہے جس کی وجہ سے سب فقیہ ہوجاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شیخ جعفر کے خاندان والے خواہ مرد ہوں یا خواتین سارے فقیہ ہوتے ہیں اسی طرح کتاب خانہ کو سب سے زیادہ فقیہ فرزند کیلئے وقف کرنا بھی نیز بہت خوب ہے خدا ہمیں بھی ایسی وصیتیں کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بلکہ مجھ ناچیز نے اپنی کتابیں لڑکوں کے لئے وقف کردی ہیں میں چاہتا ہوں کہ کچھ جائیداد بھی کتب خانہ کے لئے وقف کردوں اور اس کی سرپرستی اولاد میں جو سب سے زیادہ فقیہ ہو اس کو حاصل ہوگی۔ خدا مجھے اس امر کی توفیق دے۔

شیخ حسن فقیہ کامل تھے اور یہ حقیر مؤلف کتاب کبھی کبھی شیخ حسن کی مجلس درس میں شریک ہوتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ شیخ محمد حسن سے زیادہ فقیہ تھے۔ اور شیخ اصول میں بھی جامع تھے اور منطق میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے اور شیخ حسن نے بیان کیا کہ شیخ جعفر کی یہ عادت تھی کہ ہر رات بوقت سحر بیدار ہوجاتے اور گھر کے دروازے پر آکر بیوی بچوں کو بیدار کردیتے اور کہتے کہ اٹھو اور نماز شب ادا کرو۔ پس سب ہی اٹھ جاتے تھے اور میں بچہ تھا نیند مجھ پر غالب ہوتی تھی جب ہمارے گھر کے دروازے پر وہ آواز لگاتے کہ اٹھو تو میں بستر پر پڑے پڑے ہی کہتا ولا الضالین یا اللہ اکبر یعنی میں تو پہلے ہی نماز میں مشغول ہوں بس وہ مطمئن ہوجاتے اور چلے جاتے اور میں پھر سو جاتا۔

جس سال میر علی محمد باب کا چکر شروع ہوا اس نے اپنا جعلی قرآن دو آدمیوں کے ساتھ عربستان میں اپنے دوستوں کے پاس بھجوایا۔ وہ دونوں بغداد آئے۔ بغداد کے بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے وہ قرآن ان سے چھین لیا اور دونوں کو قید کردیا اور قاضیوں، مفتیوں اور پولیس والوں کو جمع کیا اور سب کے سامنے اس قضیہ کو پیش کیا اور انہیں نے ان دونوں افراد کے قتل کا حکم دیدیا لیکن چونکہ وہ غیر عرب تھے اس لئے اس نے چاہا کہ ان کے قتل پر علمائے امامیہ کا بھی فیصلہ لیا جائے اور علمائے عامہ علمائے امامیہ سے مناظرہ کریں اور چونکہ مرحوم شیخ جعفر اور ان کی اولاد کو عربی علاقوں میں مقام اتباع و رہبری حاصل ہے جیسا کہ آج تک بھی وہی صورتحال ہے اور تمام علماء پر ان کو فوقیت حاصل ہے اور شیخ حسن اس زمانے میں سب سے بڑے فقیہ تھے اس لئے بادشاہ نے ایک تخت رواں شیخ حسن کے لئے اور ایک میرے استاد آقا سید ابراہیم کے لئے کربلا بھجوایا اور ان بزرگواروں کو بلوایا۔ پس جس دن اجلاس ہونا تھا اور علمائے خاص و عام، مفتی اور آفندی آئے پھر شیخ حسن تشریف لائے اور ان کے پہلو میں آقا سید ابراہیم بیٹھ گئے پس مسئلہ پیش کیا گیا۔ تو علمائے عامہ نے کہا: یہ قرآن بدعت ہے اور اس کے لانے والے دین میں بدعتی ہیں اور زمین پر فساد پھیلانے والوں میں سے ہیں۔ اور ان کو لازماً قتل کرنا چاہیے۔ شیخ حسن نے کہا کہ یہ کتاب ایک کاغذ ہے اور اس پر کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا جب تک کہ اس پر عمل نہ ہو اور صاحب کتاب کے اعتقاد کے مطابق نہ ہو اور لکھنے کا حکم اس آیت میں کہ تمہارے درمیان ایک کاتب تحریر کرے اور لکھوائے اور آیہ فلیملل ولیہ اس بات پر محمول ہے کہ جو کچھ وہ لکھے وہ لکھوانے والے کی مرضی کے مطابق ہو اور لکھنے کو اس کا علم ہو اور وہ اپنی گواہی بھی دے سکتا ہو نہ یہ کہ کتب اپنی ذات سے حجت قرار پا جائیں اور یہ دونوں جو کتاب لیکر آئے ہیں اس کے عالم نہیں ہیں کہ اس میں کیا ہے، نہ اس کے مطالب پر ان کا اعتقاد ہے۔ اب تم ان دونوں کو بلواؤ اور ان کے اعتقادات کے متعلق سوال کرو۔ وہ دونوں اشخاص حاضر کیے گئے اور ان کے اعتقادات کی پوچھ گچھ ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے ہمیں اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم اور ہمارا عقیدہ عام مسلمانوں کا

ساعقیدہ ہے۔اب شیخ نے کہا کہ پھران کو قتل کرنا کیونکر جائز ہے کیونکہ وہ تو صرف قاصد ہیں۔آ قا سید ابراہیم نے بھی انہی احکام کی تصدیق کی کیونکہ آقا سید ابراہیم ذرا ڈرپوک آدمی تھے اور تقیہ سے بہت کام لیتے تھے چنانچہ بادشاہ نے کتاب قبضہ میں کرلی اوران دونوں آدمیوں کو رہا کردیا اور شیخ اور سید کو بہت سے ہدیے دیئے ان میں آقا سید ابراہیم کے لئے ایک گھڑی بھی تھی جس کی قیمت مبلغ ساٹھ تومان تھی اور بڑے اعزاز کے ساتھ سید و شیخ کو تخت رواں پر بٹھا کر کربلا و نجف روانہ کیا۔

مشاہیر وفضلائے عامہ میں سے ایک شخص ابن علوی بغداد میں ہوا کرتا تھا اور آخوند ملا آقائے دربندی سے بڑی دلبستگی رکھتا تھا۔آخوند اکثر اس سے ملاقات کو جاتے تھے اور اس کے ہاں ٹھہرا بھی کرتے تھے۔ایک دن بادشاہ صحن مطہر کاظمین کے حجروں میں سے ایک حجرہ میں بیٹھا ہوا تھا اور میرزا محیط نامی جو ملا حسن گوہر کا بھائی تھا اور حاجی سید کاظم کا شاگرد تھا بادشاہ کے لئے موسیقی پیش کررہا تھا۔اتفاق سے شیخ حسن کاظمین کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔جب حرم شریف سے نکلے تو سنا کہ بادشاہ ایک حجرہ میں بیٹھا ہوا ہے۔اس کی ملاقات کو جانا چاہتے تھے تو کان میں آواز آئی کہ گانا ہورہا ہے۔شیخ وہاں سے آگے نہ بڑھے بلکہ واپس چلے گئے۔ابن علوی نے شیخ کو دیکھ لیا تھا اس نے میرزا سے سوال کیا کہ شیخ کیوں واپس ہوگئے۔میرزا محیط نے کہا کہ ان کے مذہب میں گانا بجانا جائز نہیں ہے۔ابن علوی نے کہا شیخ تم نے قرآن نہیں پڑھا کہ سورۂ جمعہ میں خداوند عالم فرماتا ہے **قل ماعند الله خير من اللهو ومن التجارة** کیا اس کلام سے یہ مستفاد نہیں ہوتا کہ لہو میں بھی کچھ نہ کچھ خیر اور حسنہ ہے اگرچہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ زیادہ بہتر اور احسن ہے کیونکہ **خیر افعل التفضیل** ہے اور **افعل التفضیل** سے اصل فعل میں مفضل و مفضل علیہ کی مشارکت ہوتی ہے۔میرزا محیط اس کا جواب دینے سے عاجز رہ گیا۔ مؤلف کتاب نے اس جواب کی تحقیق چند وجوہات کے ساتھ کتاب مشکلات علوم میں تحریر کی ہے اور تفسیر کی جلد اول میں بھی اس کا اشارہ کیا ہے اور ان وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ خبر تفضیلیت کے معنی سے خالی ہوتی ہے اور یہ وجہ تکلیف وصعوبت سے خالی نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ حسن مخاطبین کے اعتقاد کی نسبت سے اور سلسلۂ کلام کی رو سے ہے کہ چونکہ مخاطبین کو یہ اعتقاد ہے کہ لہو ایک حسن ہے (لہٰذا یہاں یہ کہا گیا کہ اگر تم اسے حسن سمجھتے ہو تو اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے کہیں زیادہ حسن ہے۔مترجم) اور ایسی ہی دوسری وجوہات اس مقام پر ایک سوال اور ہے کہ پہلے خدا نے تجارت کو مقدم کیا اور دوسرے میں لہو کو مقدم کیا۔اس کے بھی کئی جوابات ہیں۔جن میں سے ایک یہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی گئی ہے اور اسی طرح دوسرے جوابات ہیں۔لیکن ابن علوی نے وفات کے زمانے میں جان کنی کے عالم میں یہ کہا کہ میری وفات کے بعد فوراً میرا وصیت نامہ جو میرے سرہانے ہے نکال لینا اور اس پر عمل درآمد کرنا۔چنانچہ وفات کے بعد وصیت نامہ کو نکالا گیا تو لکھا تھا کہ میں اللہ کی وحدانیت اور رسالت خاتم النبیینؐ کی گواہی دیتا ہوں اور امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی خلافت بلافصل کی گواہی دیتا ہوں اور ان کے گیارہ فرزندوں کی اور یہ کہ نبیؐ جس چیز کے ساتھ تشریف لائے حق،صدق،اور مطابق واقعہ تھی۔اور مجھے شیعہ طریقہ پر غسل دیا جائے اور کفن اور نماز و دفن اسی طریقے پر دی جائے۔کچھ لوگ کہتے ہیں آخوند ملا آقائی دربندی نے انہیں شیعہ کیا تھا،خدا بہتر جانتا ہے۔

اور شیخ حسن نے ایک مستقل کتاب فقہ میں تالیف کی اور یہ بڑی عمدہ اور فروعات پر مشتمل کتاب ہے۔میں نے جب روزہ کے متعلق کتاب تالیف کی تو میری یہ کتاب شیخ حسن کی کتاب صوم پر مبنی رہی اور ان کے فتوؤں میں سے ایک فتویٰ یہ ہے کہ حقہ پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور ان کا جملہ یہ ہے **لاباس بدخان التنباک**. اور ان بزرگوار نے میرے استاد آقا سید ابراہیم کی وفات کے سال ہی وبائی مرض سے وفات پائی۔خدا ان سے راضی ہو ان کے بعد ان کے ایک بھتیجے جو ان کے داماد بھی تھے شیخ محمد بن شیخ علی،شیخ جعفر کے جانشین ہوئے۔ان کو بھی فقہ میں مہارت حاصل تھی۔ان کے بعد ان کے بھائی شیخ مہدی بن شیخ علی ان کے جانشین ہوئے۔اور ان کے بعد جو ابھی تک موجود ہیں شیخ جعفر بن شیخ علی جن کا نام شیخ کا ہی نام ہے ان کے قائم مقام ہوئے وہ تدریس میں مشغول ہیں،فقہ اور مسائل میں مہارت رکھتے ہیں اور اس گروہ کے تمام لوگ مرد و خواتین سب ہی فقیہ ہوتے ہیں۔ان کے عام افراد بھی جنہوں نے نہ کبھی درس پڑھا نہ عربی سے واقفیت رکھتے ہیں لیکن سب کے سب فقیہ اور مسائل فقہ میں مہارت رکھنے والے ہیں خدا ان کی اور ہماری توفیقات میں

اضافہ کرے۔

جب ملا علی نوری نے انتقال کیا تو ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت نجف اشرف لائی گئی اور جو مشہور و معروف شخصیات ہوتی ہیں تو ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے جنازہ کو متبرک مقامات میں طواف کرایا جائے اور ان سے خدام اور ان اعمال کو بجالانے والے زیادہ معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ لیکن آخوند کی میت کو کوئی پہچانتا نہ تھا لہٰذا دوسری میتوں کے ساتھ اس کو بھی ایک خچر پر رکھ دیا گیا۔ یہ خبر نجف میں شیخ علی بن شیخ جعفر کو پہنچی اور وہ بزرگوار علماء عظام اور خاص و عام بہت سے افراد کے ساتھ سیاہ علم لیکر ملا علی نوری کے جنازہ کے استقبال کو دوڑ پڑے اور حکم دیا کہ شہر نجف کے بازار بند کر دیئے جائیں اور جب جنازہ کے سرہانے پہنچے تو پوچھا کہ آخوند کا جنازہ کونسا ہے۔ کہا گیا: یہی میت جو دوسری میتوں کے ساتھ خچر کے اوپر ہے۔ شیخ علی کو بڑا جلال آیا اور کہا کہ کیا جناب آقا سید محمد باقر اتنے دولتمند ہونے کے باوجود یہ نہیں کر سکتے تھے کہ ۵۰۰ تومان خرچ کر کے آخوند کے جنازہ کو عزت و حرمت کے ساتھ عتبات پہنچاتے۔ غرض حکم دیا کہ میت کو زمین پر رکھ دیا جائے اور کسی کو بھیجا کہ نجف سے وہ تابوت لائے جو صرف شیخ جعفر کے خاندان و قبیلہ والوں کے لئے مخصوص تھا پھر آخوند کی میت کو اس میں رکھا اور شیخ علی نے خود تابوت اٹھایا اور پیادہ پا چلے اور حکم دیا کہ اہل شہر گروہ در گروہ استقبال جنازہ کے لئے آئیں اور تابوت کو ہاتھوں ہاتھ حضرت امیر المومنینؑ کے حرم مطہر تک لیکر گئے اور طواف کرانے کے بعد حسب وصیت امیر المومنینؑ کے کفش کن میں آپ کو دفن کیا گیا۔ مؤلف نے آپ کی قبر کی زیارت کی ہے۔

آخوند ملا علی میرے والد ماجد مرحوم کے استاد تھے۔ میں اس وقت بچہ تھا ایک دن گھر آیا تو دیکھا کہ میرے والد مرحوم گریہ کر رہے ہیں اور کسی کی عزا میں مصروف ہیں۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہا کہ میرے استاد ملا علی نوری کی وفات کی اطلاع پہنچی ہے اور والد نے مجھ سے کہا کہ میری خواہش یہ تھی کہ آخوند نوری کو اتنی حیات مل جائے کہ تو بڑا ہو جائے اور ان سے علم حاصل کرے اور افسوس ہے کہ میری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ میرے والد مجھے یہ وصیت کیا کرتے تھے کہ علم طب نہ پڑھنا کیونکہ میں نے پڑھا اور پشیمانی اٹھائی بلکہ عقلی علوم حاصل کرنا۔ ایک دفعہ لوگوں کے اصرار پر میں نے طب کی ایک کتاب میرزا احمد تنکابنی سے جو طہران میں رہتے تھے پڑھی۔ دو تین ماہ ان کے شعبہ میں گیا لیکن پھر والد کی وصیت کا خیال کر کے ترک کر دیا۔ ابتدائی عمر میں بعض طب کی کتابیں پڑھیں پھر ان کو چھوڑ کر معقول کی تعلیم شروع کر دی۔ پھر حکمت کی طرف آیا اور پھر والد کی وصیت کو اختیار کیا۔

غرض یہ کہ شیخ جعفر نجفی فقہ اور اس کی فروعات اور کتاب و سنت کی الفاظ فہمی میں بڑی اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ بلکہ ائمہؑ کے بعد ہمارے فقہاء میں سے جیسا کہ ان کی کتابوں سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے شیخ جعفر اور شہید اوّل جیسا کوئی نہ ہوا۔ فقہ میں مہارت تین قسم کی ہوتی ہے اوّل قواعد فقہیہ کو معین کرنا، اس پر استدلال کرنا اور ان قواعد کو مستحکم بنانا اور اس باب میں شیخ علی و استاد مؤلف کتاب اور حاجی ملا احمد نراقی بالکل کامل افراد تھے۔ دوسرے فروعات نکالنا اور مسائل فقہ پر حاوی ہونا اور فروعات کو قواعد کے مطابق قرار دینا اور اس کی منزلت پر سوائے شیخ جعفر اور شہید اوّل کے کوئی اور نہ پہنچ سکا۔ تیسرے مسائل فقہیہ کی تحقیق کہ استدلال کے وقت اپنے فتوے کو ہر مسئلہ میں کثیر دلائل کے ساتھ واضح کرے اور یہ مقام صرف مؤسس بہبہانی آقا محمد باقر کا تھا۔ شیخ جعفر کے مشائخ اجازہ آقا محمد باقر و آقا سید مہدی بحر العلوم وغیرہ ہیں۔

آپ غذا خوب کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہمیشہ تبریزی من کے لحاظ سے ایک من کھانا، سو درم پیاز، دس دانہ کالی مرچ اور ایک راس بکری کا بچہ ان کی غذا تھی۔ ہر رات زوجہ سے مقاربت کرتے۔ اور ہر رات دو تہائی شب بیدار رہتے اور عبادت پروردگار میں مصروف رہتے۔ رئی سال تک گھر کو رہن رکھ دیتے اور اس سے جو مال ملتا فقراء کو بخش دیتے۔ ایران آتے، وظیفہ لیتے، واپس جاتے اور گھر کو رہن سے نکالتے اور ہمیشہ ایک کنیز اپنے ہمراہ رکھتے اور سفر میں جہاں بھی شہوت کا غلبہ ہوتا چادر کھنچواتے اور حاجت پوری کر لیتے۔

آپ بہت خوش باش تھے ایک دفعہ اپنے دوستوں کے ساتھ وادیٔ سلام کی زیارت کی خواہش ہوئی تو کچھ لوگوں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے۔ ان لوگوں میں ایک شخص میرزا ابوالحسن نام ورخوش مزہ لقب والا تھا۔ وہ گدھے پر سوار تھا۔ سب تو دروازے سے نکل کر ان بزرگوار کے ساتھ ساتھ وادیٔ سلام کی

طرف چلے لیکن میرزا ابوالحسن ایک دوسرے راستہ کی طرف چل پڑا۔ شیخ جعفر نے آواز دی کہ اس راستہ سے کہاں جارہے ہو۔ میرزا ابوالحسن نے کہا کہ آپ مجھے معاف فرمائیں کیونکہ میرا گدھا مجتہد ہے اور اپنی مرضی کا مالک ہے جہاں وہ چاہے گا وہیں لے جائے گا۔ شیخ کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔

یہ بات بھی مشہور ہے کہ شیخ جعفر کہا کرتے تھے کہ میں نے تین سو دفعہ کتاب 'شرائع' کا درس دیا ہے لگتا ہے کہ ابھی وہ کافی ہے اور وہی فقاہت اور سمجھنے کا ملکہ اور کیفیت احاطہ درکار ہے۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر ساری کتب فقہ کو دھو دیا جائے تو بھی میں اپنے حفظ وضبط سے طہارت سے لیکر دیات تک ساری دوبارہ لکھ دونگا۔ اور حقیقتاً ان کا یہی حال تھا جیسا کہ ان کی تالیفات خصوصاً کشف الغطاء سے پتہ چلتا ہے وہ جناب فقہ پر اتنا احاطہ رکھتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تمام مسائل فقہ دیات تک ان کی انگلی میں انگوٹھی کے نگینہ کے طرح تھے کہ جس طرف چاہے اسے گھما سکتے تھے۔ کیونکہ ہر قاعدہ میں اور اکثر مسائل میں طہارت سے لیکر دیات تک ان ہی نے فروعات کی ہوئی تھیں۔ یہ واضح ہے کہ وہ تمام ابواب فقہ پر محیط تھے اور ان کے حافظہ میں ہر چیز اس طرح محفوظ تھی کہ طہارت سے دیات تک آسانی سے فروعات نکال لیا کرتے تھے۔

ایک سال شیخ کو زنجان جانا پڑا لیکن ترکی زبان سے واقفیت نہ رکھتے تھے۔ کسی مذاقیے نے شیخ سے عرض کیا کہ آج تو بڑے لوگ آپ کے استقبال کو آ رہے ہیں اور تسلیم بجالا رہے ہیں میں آپ کو ایک ترکی لفظ سکھا دیتا ہوں کہ آپ اسے یاد رکھیں جو بھی آپ سے ملنے آئے اس ایک لفظ میں اس کو جواب دیدیں۔ شیخ نے پوچھا کہ وہ کونسا لفظ ہے؟ کہنے لگا یخ یمہ۔ چنانچہ سب استقبال کرنے والوں کے جواب میں شیخ یہی لفظ کہتے رہے۔ یہاں تک کہ حاکم زنجان آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ شیخ نے جواب میں وہی لفظ کہا۔ حاکم زنجان نے اپنی فراست سے معاملہ کو سمجھ لیا اور شیخ سے عرض کیا کہ کیا آپ کو اس لفظ کے معنی معلوم ہیں؟ شیخ نے کہا نہیں مجھے کسی نے یہ لفظ سکھایا ہے۔ حاکم نے عرض کیا کہ آپ یہ لفظ ارشاد نہ فرمائیں یہ برا لفظ ہے تو شیخ نے اسے ترک کر دیا۔

اور آپ کی ایک کرامت یہ ہے کہ آپ نے پروردگار سے درخواست کی کہ فقاہت آپکی اولاد اور بیٹوں پوتوں میں نسلاً بعد نسل ہمیشہ عطا ہوتی رہے اور ابھی تک جبکہ ان کی وفات کو ساٹھ سال کے قریب ہو رہے ہیں ان کی اولاد اور پوتے فقیہ ہوتے چلے آ رہے ہیں اور فقہ کی تعلیم دیتے چلے آ رہے ہیں جبکہ یہ کہیں سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ اس بارے میں بڑی محنت وکاوش کرتے ہوں یا باقاعدہ درس حاصل کرتے ہوں۔ اس کے باوجود فقہ میں مہارت رکھتے ہیں اور لگتا ہے کہ فقہ ان کو ورثہ میں ملی ہے۔ بے شک بچہ کو اگر شب و روز بات چیت کے دوران ہی مسائل فقہ اور قواعد واصول فقہ سمجھا دیئے جائیں تو وہ اس کو فقہی مسائل کو سمجھنے اور ذہین و ماہر بنانے میں کارگر ثابت ہوتا ہے۔

ایک سال شیخ کا شہر رشت سے گزر ہوا تو لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ نماز جماعت پڑھائی جائے۔ شہر کی مساجد میں وسعت کم تھی اور سارے لوگ اس میں نہ آ سکتے تھے چنانچہ سب ایک میدان میں اکھٹے ہوئے اور نماز کے بعد گزارش کی کہ کچھ وعظ و نصیحت فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا کہ میں فارسی نجوبی نہیں جانتا۔ جب اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو شیخ منبر پر آئے اور فرمایا۔ کہ ایھا الناس تم بھی مرو گے اور شیخ بھی مرے گا تو آنے والے دن کی فکر کرو اے لوگو! تمہارا رشت مثل بہشت ہے۔ بہشت میں محل ہوں گے اور شہر رشت میں بھی محل اور ایسے باغات ہیں جن میں نہریں بہتی ہیں اور بہشت میں حور العین ہوتی ہیں جو نہایت حسین وجمیل ہوتی ہیں، رشت کی خواتین بھی کمال وجاہت میں حور العین سے کم نہیں۔ بہشت میں غلمان ہونگے اور رشت میں بھی یہی حال ہے۔ اور بہشت میں نماز، روزہ، اور دوسری شرعی ذمہ داریاں نہیں ہیں اور رشت میں بھی یہی ہو رہا ہے کہ نماز، روزہ، اور عبادات کو کلی طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔ پھر منبر کے قریب دیکھا تو ایک ذاکر بیٹھا نظر آیا۔ شیخ نے ذاکر سے کہا کہ اٹھو اور مصائب حسین بیان کرو یہ کہہ کر منبر سے نیچے اتر آئے۔

اس شہر کے زیادہ تر علماء تن پرور اور عیاش تھے اور رشت کے امام جماعت نماز نوافل ادا نہیں کرتے تھے۔ لوگوں نے یہ سب باتیں شیخ کو بتائیں تو شیخ نے فرمایا کہ جو بھی نماز نوافل ادا نہیں کرتا اس کی اقتداء نہ کرو۔ جب جماعت کے اماموں نے شیخ کا یہ قول سنا تو سب نے باجماعت نماز نافلہ شروع کر دی۔

جس سال شیخ قزوین تشریف لے گئے تو مسجد میں گئے لوگوں نے موعظہ کی خواہش کی تو شیخ مسجد میں منبر پر گئے اور فرمایا: لوگو کیا تم لوگ شیعہ نہیں ہو؟ تم لوگوں کے یہاں عقد متعہ کا رواج کیوں نہیں ہے۔ پھر کہا کہ یہ کوتاہی علمائے شہر کی وجہ سے ہے اور چونکہ اس زمانے میں حاجی عبدالوہاب قزوین کے علماء کے رئیس تھے شیخ نے ان سے کہا تم اپنی بیٹی کا عقد متعہ کیوں نہیں کر دیتے تا کہ لوگوں کو متعہ سے رغبت پیدا ہو اور وہ تمہاری اتباع کریں۔ شیخ نے کہا کہ میری ایک بیٹی تھی جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچی تو میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ خداوند عالم نے یہ قرار دیا ہے کہ عورتوں کو شادی کرنی چاہیے اور اب تم بھی شادی کے قابل ہو جس سے بھی تم چاہتی ہو تمہارا نکاح کر دوں۔ پھر میں نے ایک ایک کر کے رشتہ داروں کا، خاندان والوں کا، علماء کا نام لینا شروع کیا اس نے کسی کو قبول نہ کیا آخر میں میرے پڑوس میں ایک سبزی فروش رہتا تھا میں نے اس کا نام لیا تو وہ خاموش ہوگئی میں سمجھ گیا کہ رضا مند ہے اس سبزی فروش کو بلایا اور بیٹی کا نکاح اس سے کر دیا۔ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور وہ اپنے گھر لے گیا۔ ابھی چند دن گزرے تھے کہ میری بیٹی آئی اور شوہر کی شکایت کرنے لگی تو میں اس پر ناراض ہوا اور کہا کہ تم نے اپنی مرضی سے اس شخص کو قبول کیا ہے اب سوائے صبر و شکر اور حوصلہ کرنے کے کوئی اور علاج نہیں ہے اور فوراً اس کو اس کے شوہر کے گھر واپس بھیج دیا۔

شیخ نے اپنی کتاب کاشف الغطاء میں لکھا ہے کہ میرے والد شیخ خضر نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا کہ ان کو حکم دے رہے ہیں کہ تشہد میں **وقرب وسیلتہ وارفع درجتہ** کے بعد پڑھا کرو۔ چونکہ خواب شرعی طور پر حجت نہیں ہوتا لہٰذا میرے والد **وقرب وسیلتہ وارفع درجتہ** کے بعد آہستہ سے پڑھتے تھے۔ شیخ کی کرامات میں سے ایک یہ واقعہ ہے جو میرے ایک صالح اور قابل اعتبار دوست نے سنایا اور کہا کہ میرے ایک چچا کئی سال سے درد چشم میں مبتلا تھے اور کتنا ہی جراحوں اور ڈاکٹروں سے علاج کرایا شفایاب نہ ہو سکے پھر انہوں نے سنا کہ شیخ جعفر لاهیجان آئے ہوئے ہیں۔ وہ گئے اور شیخ کے ہاتھ کا بوسہ دیا اور عرض کیا کہ کئی سال سے درد چشم میں مبتلا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف اس لئے حاصل کیا ہے کہ آپ دعا فرمادیں کہ خدا مجھے شفا کرامت فرمائے۔ پس شیخ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھ پر مل دیا اور دعا کی۔ وہ شخص شفایاب ہوگئے اور پھر درد چشم کا عارضہ نہ ہوا۔

آپ نے فتح علی شاہ کو حکومت کرنے کی اجازت دی تھی اور اس کو اپنا نائب قرار دیا تھا لیکن کچھ شرائط کے ساتھ کہ لشکر کے ہر گروپ میں ایک مؤذن ہو اور امام جماعت بھی لشکر میں ہو اور ہفتہ میں ایک دن وعظ کریں اور تعلیم مسائل ہو اور اس کی پوری کیفیت کتاب 'کشف الغطاء' میں جہاد کے سلسلے میں لکھی ہے۔ فتح علی شاہ کے دور حکومت میں اس کی والدہ عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوئیں اور نجف گئیں اور شیخ کے گھر جا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شیخ سے عرض کی کہ چونکہ میرا بیٹا بادشاہ ہے لہٰذا اس کی طرف سے اور ہمارے عزیز و اقارب کی طرف سے رعایا اور عوام الناس پر کچھ نہ کچھ ظلم ہو جاتا ہے تو میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ کوئی عہد اس قسم کا فرمادیں کہ خداوند تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف کر کے ہمیں حضرت صدیقہ کبریٰ کے ساتھ محشور فرمائے۔

ایک دفعہ فتح علی شاہ کسی بات پر جناب شیخ سے دل تنگ ہوا اور بڑا غصہ میں رہا یہاں تک کہ شیخ طہران تشریف لے آئے۔ بادشاہ نے امین الدولہ سے کہا کہ میں شیخ سے ملاقات نہیں کروں گا اور حکم دیدیا کہ شیخ کو محل سرا میں آنے ہی نہ دینا۔ شیخ ایک دن بادشاہ کی ملاقات کے لئے آ پہنچے حاجب، دربان، پہرہ دار اور ملازمین سب ہی نے شیخ کا استقبال کیا اور ہاتھ کا بوسہ دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ شیخ محل سرا میں داخل ہو چکے ہیں تو حیران ہوا کہ دربانوں نے انہیں اندر کیسے آنے دیا تو امین الدولہ سے کہا کہ جب وہ اندر آجائیں تو کوئی ان کی تعظیم و تکریم نہ کرے جب شیخ نے محل کی سیڑھیوں سے اوپر جانا چاہا تو زور سے یا اللہ کا نعرہ لگایا سلطان بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، شیخ کا استقبال کرنے کے لئے دوڑا اور شیخ کا ہاتھ پکڑ کر زینہ سے اوپر لے گیا پھر سب بیٹھ گئے۔ جب یہ مجلس تمام ہوئی تو امین الدولہ نے سلطان سے کہا کہ آپ تو یہ فرما رہے تھے کہ شیخ سے بالکل تواضع نہ برتی جائے لیکن واقعات بالکل مختلف رونما ہوئے۔ سلطان نے کہا کہ جب شیخ نے زور سے یا اللہ کہا تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ میرے منہ کے سامنے موجود ہے اور میرے سینے پر لپٹنا چاہتا ہے تا کہ مجھے کاٹے۔ چنانچہ میں بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور شیخ کا ہاتھ تھام لیا اس کے بعد سانپ غائب ہو گیا۔

شیخ جب اصفہان آئے تو ایک دن سورج طلوع ہوتے ہی آخوند ملا علی نوری کے گھر پہنچ گئے۔ آخوند کے شاگرد تو درس کے لئے جمع ہو چکے تھے لیکن ابھی آخوند باہر نہ آئے تھے۔ جیسے ہی آخوند کو شیخ کی آمد کا علم ہوا فوراً گھر سے باہر نکلے۔ رسمی سلام ودعا کے بعد شیخ نے کہا آج میں صبح سویرے ہی آ گیا کیونکہ علی الصبح علم کے لئے جانا مستحب ہے اور میں صبح دم علم کی جانب آ گیا اور آپکے درس میں پہنچ گیا۔ آخوند نے شرمندگی کا اظہار اور شیخ نے اصرار کیا کہ آپ درس شروع کریں۔ آخوند نے انکار کیا کہ ناممکن ہے کہ آپ موجود ہوں اور میں درس دوں تو شیخ وہاں سے اٹھ گئے۔

کہتے ہیں کہ اصفہان میں کسی شیخ نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبرؐ خدا ایک جگہ تشریف فرما ہیں اور آخوند ملا نوری آپؐ کے پہلو میں ہیں اور بہت سے دوسرے لوگ بھی آپ کے بعد وہاں بیٹھے ہیں اور شیخ جعفر دروازے کی چوکھٹ کے پاس کھڑے ہیں اور پیغمبرؐ امت پر ناراض ہو رہے ہیں کہ گناہ کر رہے ہیں اور ہمارے حکم کے خلاف کر رہے ہیں اور ملا علی نوری معذرت کے طور پر عرض کر رہے ہیں کہ یا رسولؐ ہم گناہ گار ہیں، قصور وار ہیں اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور خدا سے بخشش کی امید اور آپؐ سے شفاعت کی تمنا کرتے ہیں۔ اور جو دوسرے اہل محفل تھے وہ سب خاموش تھے۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ خواب شیخ کے مرتبہ کی آخوند ملا علی نوری اور دوسرے تمام لوگوں کے مقام پر فوقیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی اجنبی کسی بزرگ کی خدمت میں آتا ہے تو اس کو اپنے تمام رشتہ داروں، اقارب اور دوستوں کے اوپر مقدم کرتا ہے اور اس کی زیادہ تعظیم وتکریم کرتا ہے تو چونکہ شیخ تو آپؐ کے (پیغمبرؐ کے) رشتہ داروں میں تھے لہٰذا دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے تھے اور اخوند کو پہلو میں جگہ دی اور یہ ایک عام رواج ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آخوند ملا علی کی افضیلت اور مقام دکھانا مقصود ہو۔

شیخ کسی وقت بھی کسی مقام پر ہوتے اور خصوصاً اصفہان میں تو ان کا طریق کار یہ تھا کہ جس مسجد کے قریب بھی وقت نماز ہو جاتا تو ایک نماز تو خود باجماعت پڑھاتے تھے اور دوسری نماز میں جو مسجد کے پیش نماز ہوتے تھے انہیں مقدم کر دیتے تھے اور ان کی اقتدا کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب اصفہان میں تھے تو ایک دفعہ محلہ بید آباد میں آئے اور مغرب کے وقت مسجد میرزا باقر کے نزدیک پہنچے۔ آپ مسجد میں اندر تشریف لے گئے اور اس مسجد میں مرحوم حجۃ الاسلام آقا سید محمد باقر نماز جماعت پڑھایا کرتے تھے اور سیدؒ مسجد میں آ چکے تھے کہ شیخ آ گئے محراب میں کھڑے ہو گئے اور نماز مغرب باجماعت پڑھائی اور سب نے ان کی اقتدا کی۔ نماز مغرب کے بعد صفوں پر نگاہ ڈالی دیکھا کہ آخوند ملا علی نوری تشریف فرما ہیں۔ آخوند کی طرف رخ کیا اور کہا: آپ محراب میں تشریف لائیے نماز عشاء ہم آپ کی اقتدا میں پڑھیں گے۔ آخوند ملا علی نوری نے انکار کیا تو شیخ ان کے قریب گئے اور آخوند کا ہاتھ پکڑا کہ انھیں اور سامنے جائیں اور نماز پڑھائیں۔ تو آخوند نے کہا: آپ کو مرتضیٰ علیؑ کا واسطہ مجھ سے اصرار نہ کریں۔ شیخ نے پوچھا کہ آخر آپ اس قدر انکاری کیوں ہیں۔ آخوند ملا علی نے کہا کہ شرائط امامت میرے اندر موجود نہیں ہیں۔ شیخ نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ان پر خفا ہوئے کہ آپ جیسا عالم کہ ستر اسی سال کی عمر ہو چکی اور ابھی تک نماز جماعت کی شرائط آپ کے اندر نہیں ہیں بڑی حیرت کی بات ہے۔ پھر آقا سید محمد باقر سے فرمایا کہ آپ آگے آئیے۔ پھر سیدؒ نے نماز عشاء پڑھائی اور شیخ نے ان کی اقتدا کی۔

ایک دفعہ شیخ طہران گئے اور کچھ مدت وہاں قیام کیا پھر وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا تو قیامگاہ سے نکلے اور سواری پر سوار ہو گئے اتنے میں ایک سید آ گیا اور شیخ سے کہا کہ میں تنگدست ہوں اور سو تومان کے اخراجات میرے ذمہ ہیں۔ شیخ نے کہا تو پہلے نہ آئے اب تو میں جا رہا ہوں۔ لیکن سید بے حد اصرار کرتا رہا۔ اس زمانہ میں امین الدولہ اصفہان کا حاکم تھا شیخ نے اس سید سے کہا کہ جاؤ اور امین الدولہ سے کہو کہ شیخ کہہ رہے ہیں کہ تمہیں سو تومان دیدیں۔ سید نے کہا کہ اگر انہوں نے نہ دیئے تو آپ بھی ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ شیخ نے کہا میں اسی جگہ اپنی سواری پر ٹھہرا ہوں گا جب تک تم واپس نہ آ جاؤ۔ چنانچہ شیخ اپنی سواری پر کھڑے رہے اور سید امین الدولہ کے پاس چلا گیا اور شیخ کا پیغام پہنچایا۔ امین الدولہ نے پوچھا: اس وقت شیخ کہاں ہیں۔ اس نے کہا: اپنی سواری پر کھڑے ہیں جب تک کہ میں ان کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں۔ امین الدولہ نے اپنے ملازمین سے کہا: جلدی سے سو تومان لیکر آؤ۔ ملازمین ایک روپیوں سے بھری ہوئی تھیلی لائے اور اس کی رقم کو گننا چاہا کیونکہ اس میں رقم زیادہ تھی۔ امین الدولہ نے کہا کہ گننا ونا چھوڑو مجھے یہ ڈر ہے کہ زیادہ دیر ہو گی تو شیخ خود یہاں

پہنچ جائیں گے اور پھر ہمیں زیادہ زحمت اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ وہ تھیلی یونہی سید کو دیدی۔ سید اسے لیکر شیخ کے پاس آیا۔ شیخ اسی جگہ کھڑے تھے۔ شیخ نے حکم دیا کہ اس کی رقم کو گنا جائے۔ جب گنے تو دوسو تومان نکلے۔ تو سو تومان سید کو دیدیئے تو سید سو تومان اور مانگنے لگا۔ شیخ نے کہا تم نے پہلے صرف سو تومان ہی مانگے تھے۔ اس لئے اب اس سے زیادہ نہیں ملیں گے۔ پھر کہا کہ شہر کے فقراء میں اعلان کیا جائے اور شیخ وہیں اتنی دیر تک رکے رہے کہ فقراء میں اعلان ہوا اور وہ جمع ہوئے اور وہ باقی سو تومان ان میں تقسیم کیے گئے۔ پھر سواری کو ایڑ دی اور چلے گئے۔

ایک دفعہ شیخ طہران آئے یہ غروب آفتاب کا وقت تھا۔ امین الدولہ کے گھر پہنچے اور اسے گھر سے باہر بلایا اور کہا کہ شیخ کیلئے کسی عورت کا انتظام کرو۔ امین الدولہ کو اس وقت اور تو کچھ نہ سوجھا سوائے اسکے کہ ایک گرجی کنیز موجود تھی وہی شیخ کی خدمت میں پیش کردی۔ اور شیخ اپنے گھر واپس آ گئے۔

شیخ کا ایک طریقہ یہ تھا کہ جماعت کی صفوں کے درمیان اپنا دامن پھیلاتے، فقراء کے لئے درہم و دینار اکھٹے کرتے اور بعد میں ان کو تقسیم کردیتے۔ اور جب ظالمین کی محافل میں جانا ہوتا اور وہاں مہمان ہوتے اور دسترخوان چن دیا جاتا اور اس پر کھانا رکھ دیا جاتا تو کہتے کہ اس کھانے کی قیمت لگاؤ اور صاحب خانہ کو اس کا معاوضہ دے دیا جاتا اور پھر حکم فرماتے کہ اب سب کھانا کھائیں۔ ایک رات کسی کے گھر مہمان ہوئے اور کھانے کی قیمت ۳۰ تومان یا اس سے کچھ زیادہ بنی۔ جب یہ رقم مل گئی تو ایک تومان کی اس میں کمی تھی۔ صاحب خانہ نے کہا: کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے آپ لوگ کھانا کھالیں ایک تومان بھی آ ہی جائے گا۔ لیکن شیخ نہ مانے حتی کہ وہ ایک تومان بھی فراہم کیا گیا پھر لوگوں کو اجازت ملی کہ کھانا کھائیں اور یہ ساری رقم جو ملا کرتی تھی سب فقراء کو تقسیم ہوتی تھی۔

اکثر یوں ہوتا تھا کہ کسی کے گھر جاتے اور اس گھر کے متعلق معلومات فراہم کرتے اور صاحب خانہ کہتا کہ میں یہ آپ کو بخش رہا ہوں شیخ کہتے کہ مجھے قبول ہے پھر کہتے کہ قیمت لگانے والے اس کی قیمت لگائیں اور وہ گھر صاحب خانہ کو فروخت کردیتے اور قیمت لے لیتے اور سب فقراء میں تقسیم کردیتے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ اگر آپ میں سے کسی کو شیخ کے اس طرح رقوم حاصل کرنے پر شک پیدا ہو تو معلوم ہونا چاہیے کہ اصلاً شیخ کو یقین ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے ذمہ خمس، زکوٰۃ اور ردمظالم وغیرہ ہیں لہٰذا کسی نہ کسی بہانے سے حق اللہ ان سے وصول کرلیتے۔ کیونکہ آپ ولایت عامہ کے عہدہ پر فائز تھے اور مراعات حق فقراء کرنا آپ کے لئے ضروری تھا۔

بعض بڑے بڑے فضلاء بیان کرتے ہیں کہ مرحوم شہید ثالث فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ مرحوم شیخ جعفر قزوین تشریف لائے اور شہید ثالث کے بھائی حاجی ملا محمد صالح کے گھر ٹھہرے۔ وہ گھر ایک باغ پر مشتمل تھا۔ سب باغ میں ادھر ادھر لیٹ کر سو گئے۔ میں بھی باغ کے ایک کونے میں جا سویا جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو میں نے سنا کہ شیخ مجھے آواز دے رہے ہیں کہ اٹھو نماز شب پڑھو۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں بس ابھی اٹھا۔ شیخ مطمئن ہو گئے اور میں پھر سو گیا۔ اچانک میری طبیعت خراب ہوگئی اور مجھے لگا کہ میرے دل میں درد ہو رہا ہے اور درد کی شدت سے میں بیدار ہو گیا تو مجھے پتہ چلا کہ کسی دردناک آواز کی وجہ سے میری یہ کیفیت ہوئی ہے میں اس آواز کی سمت چلا۔ جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ شیخ نہایت تضرع وزاری اور گریہ و بےقراری کے ساتھ مناجات وفریاد میں مشغول ہیں اور اس آواز نے میرے اوپر ایسا اثر کیا کہ اس رات سے لیکر آج پچیس (۲۵) سال ہو رہے ہیں میں ہر رات باقاعدگی سے اٹھتا ہوں اور مناجات قاضی الحاجات میں مشغول ہو جاتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن اصفہان میں کچھ مال فقراء میں تقسیم کیا اور جب تقسیم ہو چکا تو نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ دو نمازوں کے بیچ میں ایک سید آ گیا کہ میرے جد کا مال مجھے دیدیں۔ شیخ نے کہا تم دیر سے آئے ہو اب تو کچھ بھی باقی نہیں۔ اس پر سید نے آپ کی ڈاڑھی پہ تھوک دیا۔ شیخ اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنا دامن پھیلایا اور تمام صفوں میں گردش کی اور کہا کہ جس کو میری داڑھی کا پاس ہے اس سید کی مدد کرے۔ لوگوں نے شیخ کا دامن چاندی سونے سے بھر دیا۔ شیخ نے وہ سب سید کو دیدیا اس کے بعد نماز عصر با جماعت ادا کی۔

ایک دفعہ شیخ قزوین گئے اور حاجی ملا عبدالوہاب کے گھر قیام کیا تو بادشاہ کی کاروان سرا کے ۳ حجروں نے استدعا کی کہ شیخ ان سے ملاقات

فرمائیں۔ حاجی ملا عبدالوہاب نے شیخ کو آمادہ کیا تو شیخ اپنے اصحاب اور پاکباز علماء کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ جب بازار میں پہنچے تو شاہی بازار والے تاجروں نے آپ کا استقبال کیا اور جب کاروانسرا کے پھاٹک پر پہنچنے والے تھے کہ اس سے قبل کہ وہ کسی حجرے میں جائیں تاجروں میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ شیخ پہلے اس کے گھر آئیں۔ حاجی ملا عبدالوہاب نے تاجروں کے اس جھگڑے کا تذکرہ شیخ سے کیا۔ شیخ وہیں بیٹھ گئے اور کہا کہ جو زیادہ رقم دے گا شیخ پہلے اس کے گھر جائے گا۔ پس بعض تاجروں نے تو درہم و دینار کے کٹورے بھر بھر کے شیخ کی خدمت میں پیش کیے۔ شیخ نے پہلے فقراء کو طلب کیا اور ساری رقم ان میں تقسیم کر دی اور پھر ان تاجروں کے گھر تشریف لئے گئے اور ان سے ملاقات کی۔

ایک دفعہ شیخ اصفہان آئے تو آخوند ملا علی نوری کے ایک فاضل شاگرد نے حکمت کا ایک مشکل مسئلہ جو اس نے آخوند سے سیکھا تھا شیخ کے سامنے رکھا کہ اس کو حل فرمائیں۔ شیخ نے کہا کل صبح میں تمہیں اس کا جواب دونگا۔ آخوند ملا علی نوری ساری بات سمجھ گئے اور اس پر شاگرد ناراض ہوئے کہ شیخ فقیہ ہیں (یعنی مسائل فقہ کا بخوبی جواب دے سکتے ہیں نہ کہ مسائل حکمت کا۔ مترجم) تم ان کو کیوں تکلیف دے رہے ہو تم ان سے اس کا جواب نہ طلب کرو۔ دوسرے دن شیخ نے دو نمازوں کے مابین آواز دی کہ فلاں مسئلہ کا پوچھنے والا آ جائے اور اپنا جواب لے جائے۔ پوچھنے والے نے ان سے جواب لیکر آخوند ملا علی نوری کو دکھایا۔ آخوند حیرت زدہ ہو گئے کیونکہ بالکل قاعدہ کے مطابق جواب لکھا گیا تھا۔ جب آخوند نے شیخ سے ملاقات کی تو پوچھا کہ آپ نے تو علوم عقلی کو کبھی سیکھا ہی نہیں تو اس قدر دقیق مسئلہ کو آپ نے کیسے حل فرما دیا۔ شیخ نے کہا کہ یہ احادیث ائمہ اطہار کے واقعات میں سے ہے (یعنی ائمہ اطہار نے اپنی احادیث میں اس کی توضیح کی ہے۔)

سنا گیا ہے کہ ایک دفعہ ایک شیخ کوئی مسئلہ دریافت کرنے شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ بہت سا کھانا لایا گیا ہے اور وہاں سوائے شیخ کے کوئی اور موجود بھی نہ تھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ بڑے لوگوں کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ کھانا آتا تو بہت سارا ہے لیکن کھایا سارا نہیں جاتا جتنا ضرورت ہوتی ہے اتنا استعمال ہو جاتا ہے اور باقی ملازمین کھا لیتے ہیں۔ شیخ نے کھانا شروع کیا اور ساری غذا ختم ہو گئی۔ اس شخص کو بڑا تعجب ہوا اور سوچنے لگا کہ اس شخص نے اتنا کھانا کھایا ہے کہ اب اس کے پیٹ میں ایسا اپھارہ پیدا ہوگا جو اس کے دماغ کو درہم برہم کر کے رکھ دے گا۔ اس وقت اس سے کوئی مسئلہ پوچھنا فضول ہے چنانچہ وہ شیخ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ شیخ نے کہا بیٹھو اور بتاؤ کہ تمہیں کیا کام ہے۔ کہنے لگا کچھ نہیں، کوئی کام نہیں تھا۔ جب بہت اصرار کیا تو اس شخص نے اپنی حاجت کو پیش کیا اور عرض کی کہ آپ کھانے کی کثرت کی وجہ سے میں اس سے سوال کرنے سے گریز کر رہا ہوں۔ شیخ نے کہا تم اپنے مسئلہ بتاؤ اس نے اپنا مسئلہ بتایا اور شیخ نے تمام مسائل کے حل کو فتوے کی رو سے مع فروعات کے بیان کیا اس کے بعد فرمایا کہ پروردگار عالم نے مجھے علم کے لحاظ سے یکتائے زمانہ بنا دیا اور ہمیشہ روحانی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہوں اور کھانے کے لئے مجھے بہت اشتہا عطا فرمائی ہے تا کہ اس نعمت سے سدا لذت اٹھاتا رہوں اور شہوت بھی مجھے اتنی کرامت فرمائی ہے کہ ہر شب مجامعت کروں اور قوت اطاعت و فرمانبرداری سے اس قدر نوازا ہے کہ ہمیشہ نصف شب سے تا صبح حضرت بے نیاز میں راز و نیاز کیا کرتا ہوں اور تمہیں نہ فہم و ادراک میسر ہے جو قوت روحانی ہے نہ غذاؤں کے استعمال کے لئے وہ بھوک ہے جو جسمانی غذا ہے نہ ایسی قوت شہویہ ہے کہ مباشرت کی لذت اٹھا سکو اور نہ رات کو جاگنے کی وہ توفیق ہے کہ عبادت میں خدا کے حضور کھڑے رہ سکو۔ تمہیں نہ لذت دنیا ملی اور نہ لطف آخرت، وہ شخص انتہائی شرمساری اور خجالت کی حالت میں آپ سے رخصت ہوا۔

آپ کے ارشادات میں سے ایک ارشاد یہ ہے کہ اگر شہید اور علامہ مجتہد ہیں تو پھر میں مجتہد نہیں ہوں اور اگر آقا سید علی صاحب شرح کبیر مجتہد ہیں تو پھر میں بھی مجتہد ہوں۔ اور اکثر بازار میں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے تو ان سے عرض کیا گیا کہ بازار میں کھانا پینا خلاف مروت اور عدالت کو سلب کرنے والی شے ہے تو جواب میں فرمایا کہ اگر آقا سید علی بازار میں کھائیں پئیں تو یہ بات ان کی عدالت کے سلب ہونے کا سبب ہے لیکن اگر میں بازار میں کھاؤں پیوں تو میری عدالت سلب نہیں ہو سکتی کیونکہ میرے لئے کوئی جلالت نہیں ہے میں تو درویش صفت انسان ہوں۔

کسی طالبعلم نے شیخ کے ایک شاگرد کے وسیلہ سے یہ کہا کہ شیخ کی خدمت میں یہ عرض کرے کہ شیخ اپنی بیٹی کی اس سے شادی کر دیں پس وہ

واسطہ بننے والا شخص صبح کو ان کی مجلس درس میں گیا۔ چونکہ شیخ کا رعب وداب بہت تھا۔ جب بھی اس بات کو شیخ سے عرض کرنا چاہتا اس کی پیشانی عرق آلود ہوجاتی۔ اسی خیال میں غلطاں تھا کہ درس تمام ہوگیا اور فیصلہ کیا کہ شیخ سے کچھ نہ کہا جائے اور شرمندہ سا ہو کر اٹھنا چاہا۔ شیخ نے کہا: بیٹھو۔ جب سب چلے گئے اور وہ اکیلا رہ گیا تو شیخ نے کہا کہ تمہیں کچھ کام ہے بتاؤ کیا ہے۔ تو وہ شخص شرم سے پانی پانی ہوگیا اور کہنے لگا کہ کچھ بھی نہیں۔ شیخ نے کہا نہیں تمہیں کام ہے تم بتاؤ کیا ہے تمہاری حاجت پوری ہوگی۔ اس شخص نے سوچا کہ شیخ مطلب برآری کے لئے تیار ہیں اور سوال کرنے کی شرمندگی بھی مجھے اٹھانی پڑ رہی تو بہتر یہ ہے کہ میں اپنے ہی بارے میں کیوں نہ طلب کروں۔ تو عرض کی کہ آپ اپنی صاحبزادی کا نکاح مجھ سے کردیں۔ شیخ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر میں لے گئے اور بیٹی کا نکاح اس شخص سے پڑھ دیا اور اسی رات گھر کا ایک کمرہ اس کے لئے خالی کیا اور اسی شب ان کا زفاف واقع ہوا اور جب رات آدھی گزر چکی تو شیخ بنفس نفیس ان کے دروازے پر تشریف لائے اور آواز دے کر کہا کہ تم دونوں اٹھو میں نے پانی گرم کردیا ہے غسل کرو اور نماز تہجد پڑھو۔

مؤلف کہتا ہے شیخ جعفر کے ایک داماد شیخ محمد تقی عالم، زاہد، متقی، پرہیزگار شخص ہیں جنہوں نے اصول میں معالم پر حاشیہ لکھا ہے اور ان کا نام نامی پہلے ذکر ہوچکا ہے اور دوسرے داماد آقا سید صدرالدین آملی اصفہان کے رہنے والے تھے ان کی وفات عتبات عالیات میں ہوئی، علم رجال میں باکمال انسان تھے اور اس علم کے بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ ان کے رسائل میں سے ایک رسالہ احوال ابن ابی عمیر پر بھی ہے اور یہ مؤلف کے پاس موجود ہے اور ایک داماد آقا محمد باقر بن محمد باقر ہزار جریبی ہیں جو نجف میں ساکن تھے۔ اور اصفہان کے رہنے والے آقا محمد علی بھی شیخ کے داماد تھے۔ شیخ ان کے بڑے معتقد تھے وہ کامل فقیہ تھے اور ان کے حاشیوں کی تین جلدیں مؤلف کے پاس ہیں اور ان کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے۔ اور ایک شیخ اسد اللہ بن حاجی اسماعیل کاظمینی ہیں اور ان کو آقا سید علی، شیخ جعفر، آقا محمد باقر، میرزائی قمی، آقا سید مہدی بحرالعلوم، میرزا محمد مہدی شہرستانی اصفہانی کے اجازے حاصل ہیں۔ یہ بڑے عجیب مفسر تھے اور شیخ جعفر نجفی کے داماد ہیں، تحقیق وتدقیق میں ماہر بلکہ اعجوبۂ روزگار ہیں۔ بالغ ہونے سے پہلے ہی مرتبۂ اجتہاد کو پہنچ گئے تھے اور بلوغ سے پہلے ہی تالیفات شروع کردی تھیں اور علماء سے مباحثہ ومناظرہ کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ان کے حالات ترجمۂ فاضل ہندی محمد بن حسن اصفہانی میں ذکر ہونگے وہ فقہ میں کتاب 'مقابیس' کے لکھنے والے ہیں اور اس کتاب کا مقدمہ مشائخ اجازہ کی اصطلاحات کی کتاب میں لکھا ہے اور ان کے مشائخ اجازہ میں سے ایک سید عبداللہ بن سید محمد رضائی شبر ہیں اور شبر ان کے قبیلہ کا لقب ہے۔ سید عبداللہ کی کئی تالیفات ہیں، جیسے 'شرح مفاتیح'، رسالہ 'درایہ' اور یہ رسالہ ۱۲۴۳ھ میں مکمل ہوا۔ اور ایک کتاب 'مشکلات الاخبار' ہے اور ان کو شیخ احمد احسائی سے اجازہ حاصل ہے اور سید عبداللہ خود حاجی ملا صالح برغانی کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں۔ اور ان کا مسلک اخباری مسلک تھا مختصر یہ کہ شیخ اسد اللہ اس وقت کے افاضل ومشاہیر میں سے تھے اور ان کا طرز تحریر فصاحت وبلاغت میں سے سب پر فوقیت لے گیا ہے۔

شیخ جعفر کہا کرتے تھے کہ میں نے کبھی مال حرام نہیں کھایا۔ ایک دفعہ جب اصفہان آئے تو اس وقت اصفہان کا حاکم امین الدولہ عبداللہ خان تھا اس نے شیخ کو کھانے پر مدعو کیا اور ضیافت کے تمام اخراجات چنگی اور ٹیکس سے محکمہ کے مال سے حاصل کیے۔ جب کھانا کھا چکے تو امین الدولہ نے شیخ سے عرض کیا کہ آپ تو فرماتے ہیں کہ میں کبھی مال حرام نہیں کھاتا اور نہ کبھی کھایا ہے۔ اور جو کھانا ابھی ابھی آپ نے تناول فرمایا سب چنگی کے محکمہ اور ٹیکس کا مال تھا۔ شیخ نے جواب دیا کہ میرے لئے مجہول المالک مال کا کھانا حلال ہے اور تجھ پر حرام ہے۔

آپ کی ایک کرامت کا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا کہ مجھے آپ سے خلوت میں بات کرنی ہے۔ شیخ نے خلوت کا انتظام کیا۔ اس شخص نے عرض کی میری دو بیویاں ہیں۔ ایک دن صحرا میں چلا جا رہا تھا۔ وہاں ایک لڑکی نہایت حسین وجمیل دیکھی۔ اسے دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ اور میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہاں تیرا کیا کام ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں جنوں میں سے ہوں اور مجھے تجھ سے عشق ہوگیا ہے۔ اب جب تو گھر جائے تو گھر کا ایک کمرہ خاص میرے لئے تیار رکھ اور اپنی بیویوں سے لاتعلق ہوجا اور ان سے مجامعت بھی ترک کردے۔ میں ہر رات تیرے پاس آؤنگی لیکن یاد رکھ کہ یہ راز میرے اور تیرے درمیان رہے اور کسی کو ہرگز کچھ پتہ نہ چلے ورنہ تجھے ہلاک کردونگی۔ پس میں گھر آیا اور اس جنی کے کہنے کے مطابق عمل

کیااور اس وقت سے اب تک وہ ہر رات میرے پاس آتی ہے اور مجھے اسے مجامعت کی وجہ سے ضعف وسستی پیدا ہوتی جارہی ہے۔ اور یوں لگتا ہے میں ہلاک ہونے والا ہوں۔ اس نے مجھے بہت سارا مال ومتاع بھی دیا ہے اور وہ ایک علیحدہ کمرے میں رکھا ہوا ہے۔ اب آپ چونکہ نائب امام زمانہ ہیں آپ میرا علاج کریں اور اس مصیبت سے نجات دلائیں۔ شیخ نے دو پرچیاں لکھ کر اس شخص کو دیں اور کہا کہ ایک تو اس مال کے اوپر رکھ دے جو جنی نے تجھے دیا ہے اور دوسری پرچی کو ہاتھ میں پکڑے رہنا۔ چنانچہ اس شخص نے آپ کے ارشاد پر عمل کیا ایک پرچی تو مال کے اوپر رکھ دی اور دوسری پرچی ہاتھ میں لئے رہا۔ جنی حسب سابق آئی تو اس شخص نے وہ رقعہ اسے دکھایا اور کہا کہ یہ شیخ جعفر نے لکھا ہے۔ وہ جنی قریب نہ آئی اور وہیں کھڑی رہی۔ پھر جنی اس مال کی طرف گئی تا کہ اسے اٹھا کر لیجائے تو دیکھا کہ جناب شیخ کا ایک رقعہ اس کے اوپر بھی رکھا ہوا ہے تو کہنے لگی کہ اگر شیخ بزرگوار کا لکھا ہوا نہ ہوتا تو یقیناً میں تجھے ہلاک کرکے دم لیتی۔ پھر وہ غائب ہوگئی اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آئی۔

شیخ کی مرّوت اور نفس کی مخالفت حد کمال تک پہنچی ہوئی تھی چنانچہ ایک دفعہ شیخ زنجان گئے ہوئے تھے۔ ایک رات اس علاقہ کے بزرگ سے کہا کہ عقد متعہ کے لئے کوئی لڑکی لاؤ۔ لیکن اس علاقہ کی تمام عورتوں نے اس طرح کے نکاح سے انکار کردیا۔ اس شخص کی اپنی ایک حسین بیٹی تھی اس نے اپنی بیٹی کو سنوارا سجایا اور سولہ سنگھار کرا کے شیخ کے گھر بھیج دیا جب شیخ گھر میں آئے تو ایسی حسین لڑکی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ ایک گوشہ میں جا بیٹھے اور اس لڑکی سے پوچھا کہ تم کس کی بیٹی ہو۔ اس نے کہا: فلاں شخص کی۔ کہا: کیا اس وقت تم اپنی مرضی اور خوشی سے شیخ سے عقد متعہ پر تیار ہو؟ کہا: ہاں۔ شیخ نے کہا: اتنے حسن وجمال کے باوجود تم اب تک بغیر شوہر کے کیسے رہ گئیں۔ اس نے کہا: میں فلاں شیخ کو پسند کرتی تھی لیکن میرے والد اس سے میری شادی کرنے پر تیار نہیں تھے اور جس کو میرے والد چاہتے تھے اس سے تزویج پر میں تیار نہیں تھی۔ شیخ نے کہا: جسے تم پسند کرتی ہو وہ کہاں ہے۔ کہا: فلاں جگہ ہے۔ کہا: کیا تم چاہتی ہو کہ اس کے عقد میں آؤ۔ کہا: اب جب میں شیخ کی زوجیت میں آرہی ہوں تو یہی میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ لیکن شیخ نے دیکھا کہ لڑکی فلاں شخص میں دلچسپی رکھتی ہے۔ چنانچہ اس کے باپ کو بلایا اور پھر اس شخص کو جس سے اس لڑکی کو عشق تھا بلوایا اور اسی رات اس کا نکاح اس شخص سے کردیا اور حکم دیا کہ حجلۂ عروسی تیار کیا جائے اور لڑکی کو اس شخص کے حوالے کردیا۔ اور یہ ان بزرگوار کی ایک کرامت ہے کہ اگرچہ خود شہوت رکھتے تھے لیکن امیر شہوت تھے اسیر شہوت نہ تھے۔

ملا رومی نے اپنی کتاب میں حضرت سلیمان پیغمبر (ان پر اور ہمارے نبیؐ اور آپ کی آلؑ پر درود وسلام) نے بلقیس کو لکھا

هین بیا بلقیس ورنه بد شود
بلقیس تو آجا ورنہ اچھا نہ ہوگا
لشگرت خصمت شود مرتد شد
تیرا لشکر تیرا دشمن اور تیرا مخالف ہوجائے گا

هین بیا که من رسولم دعوتی
یہاں آ کہ میں رسول ہوں اور میری دعوت
چون اجل شهوت کشم نی شهوتی
شہوت کی مانند ہے میں غلبہ پاتا ہوں نہ کہ مجھ پر شہوت

وربود شهوت امیر شهوتم
اگر مجھے شہوت ہو بھی تو میں امیر شہوت ہوتا ہوں
نی اسیر شهوت وروی بتم
کسی معشوق کے سامنے میں اسیر شہوت نہیں ہوتا ہوں

ان کا ایک عجیب فتویٰ یہ تھا کہ مصیبت حسینؑ میں شبیہ بنانا اور تعبیہ کرنا حرام ہے اور مؤلف کی نگاہ میں یہ قول بنابر اقویٰ ہے۔ نیز شیخ فرماتے ہیں اگر کہیں تسبیح نہ ہو کہ استخارہ کرسکیں تو داڑھی کے چند بال پکڑ کر استخارہ کیا جاسکتا ہے یعنی جفت وطاق کیا جاسکتا ہے۔ اور ایک اور عجیب فتویٰ یہ تھا کہ اگر انسان کے مردہ جسم کو عتبات عالیات نہ لے جاسکیں تو جائز ہے کہ اس کے اعضاء کا کوئی حصہ علیحدہ کرلیں اور مقامات مقدس لے جائیں چاہے وہ انگلی کا ایک پوری کیوں نہ ہو۔ گویا ان کا خیال یہ ہے کہ اس مقام پر دنیا وآخرت کے ضرر دور کرنے کا معاملہ ہے دنیاوی ضرر ہے کہ جسم کا حصہ الگ کرنے میں مومن کی لاش کی ہتک حرمت ہوتی ہے لیکن آخرت کی تکالیف سے نجات زیادہ قوی اور زیادہ ضروری ہے اور دنیاوی نقصان سے کہیں بالاتر ہے چنانچہ دنیاوی نقصان پہنچا

کرآخرت کے نقصان سے بچالیا جائے۔لیکن مؤلف نے اپنی اصول کی کتاب میں دوضرروں میں تعارض کے موقع پر دینوی ضرر کو مقدم قرار دیا ہے اور 'قوانین' پر جوحاشیہ لکھا ہے اس میں بھی تفصیل کے ساتھ کہ جس سے اعتراض کرنے والوں کا منہ بند ہو جائے اس بات کو مفصل پیش کیا ہے۔

شیخ جعفر کی تالیفات میں کتاب 'کشف الغطاء' ہے کہ جس میں احکام شریعہ کے چہرے پر سے پردے اور حجاب ہٹائے ہیں اور اس میں بے شمار فروعات ہیں اور اس کے مقدمہ میں اصول عقاید، اصول فقہ اور قواعد فقہی کے بہت سے قواعد کلی تحریر کیے ہیں اور یہ عبادات کے موضوع پر ہے اور بعض مقامات پر مختصر دلائل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور فروع دین پر مشتمل ایسی کتاب ابھی تک تو کوئی تالیف نہیں ہوئی ہے۔اور 'متاجر' قواعد علامہ کے ابتدائی حصہ کی شرح، 'رسالہ صومیہ' (روزے کے متعلق) 'رسالہ دماء ثلاث' (تین خونوں کے متعلق) 'رسالہ جنائز'، 'رسالہ عقاید جعفریہ' اور دوسرے رسالے۔خدا ان سے راضی ہوا اور ان پر اپنے احسانات فرمائے۔

آقا سیّد محسن کاظمینی

آغا سیّد محسن کاظمینی، آقا سید علی کے ہم عصر اور آقا محمد باقر بہبہانی کے شاگرد تھے۔ان کے مشائخ اجازہ میں سے ایک آقا سید محمد باقر حجۃ الاسلام بھی تھے۔ان کو فقہ اور اصول میں مہارت حاصل تھی۔ان کی تالیفات میں ایک کتاب 'شرح وافیۃ الاصول' تھی جس کو محصول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس کتاب میں پچاس ہزار اشعار ہیں۔اصلاً محصول فخر رازی نے جو علم اصول میں کتاب لکھی ہے اس کتاب کا نام ہے۔اور فقہ میں ایک ہزار اشعار لکھے ہیں جس میں فقہ کے متین اور اہم نکات کو نظم کی صورت میں پیش کیا ہے۔اور اس سے فقہ میں ان کی مہارت کا پتہ چلتا ہے آپ نے جب تحصیل علم شروع کی تو ادھیڑ عمر کو پہنچ چکے تھے اور آپکی داڑھی کے بال سفید ہونے شروع ہو گئے تھے لیکن بہت تھوڑی سی مدت میں آپ اپنے دوستوں اور ہم عمروں سے کہیں آگے بڑھ گئے۔آپ کاظمین میں نماز جماعت پڑھایا کرتے تھے۔ایک دفعہ شیخ احمد ان کی مسجد میں تشریف لے آئے لیکن انہیں نے سید کے پیچھے نماز نہیں پڑھی بلکہ فرادیٰ نماز ادا کی۔اس مجلس کے خاتمہ کے بعد شیخ احمد احسائی سے سوال کیا گیا کہ آپ آقا سید محسن کو عادل اور فقیہ مانتے ہیں کہ نہیں۔کہنے لگے: ہاں وہ عادل اور فقیہ ہیں۔تو لوگوں نے کہا: پھر آپ نے ان کی اقتداء میں نماز کیوں نہیں پڑھی۔فرمانے لگے: کیونکہ میں ان کے مقابلہ میں اعلم ہوں اور یہ بات مکروہ ہے کہ اعلم عالم کی اقتدا کرے۔

آقا محمد باقر بہبہانی

آقا محمد باقر بن ملا محمد اکمل بہبہانی وقت کے بہت بڑے عالم۔زمانہ کی نادر الوجود شخصیت فاضل بلا ثانی، اصول وفروع کی مضبوط عمارت، پروردگار کی طرف سے حاملِ علوم، لوگوں کے مقتدا، نمایاں کرامات کے حامل، اصول وفروع رجال کی بنیادیں ڈالنے والے، تحقیق وتدقیق میں بے مثال تھے آپ کی ولادت اصفہان میں ۱۱۱۸ھ میں ہوئی۔کچھ عرصہ بہبہان میں رہے پھر کربلائے معلیٰ چلے گئے۔اپنے والد ماجد کے شاگردوں میں سے ایک تھے۔ملا محمد اکمل علم وورع، تقویٰ میں اپنے زمانہ میں بے مثل تھے۔ملا محمد اکمل کی والدہ شیخ نورالدین بن ملا صالح کی بیٹی تھیں۔ملا صالح بن احمد مازندرانی وہ ہستی ہیں کہ ان کی زوجہ ملا محمد تقی مجلسی کی صاحبزادی ہیں۔ان کے دس بیٹے تھے اور نورالدین سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ملا محمد اکمل کو آقا جمال خوانساری، ملا میرزائی شیروانی، شیخ جعفر قاضی، آخوند ملا محمد باقر مجلسی اور آقا محمد باقر بہبہانی کو اپنے والد محمد اکمل سے اجازہ ملا ہوا ہے۔

آقا محمد باقر کچھ عرصہ کربلا میں رہے لیکن گزر بسر بڑی مشکل سے ہوتی تھی تو ارادہ کیا کہ کربلا سے نکل کر کسی اور شہر میں چلے جائیں۔ایک شب خواب میں جناب امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ نے آقا محمد باقر سے فرمایا کہ میں اس بات سے راضی نہیں ہوں کہ تم میرے جوار اور میرے شہر سے

نکل کرکہیں اور جاؤ۔ چنانچہ آقا نے اپنا ارادہ ترک کردیا اور اسی ارضِ مقدس میں مستقل رہائش اختیار کرلی۔ ان کے دو بیٹے علماء میں سے ہوئے۔ ان میں سے ایک آقا محمد علی جو بڑے تھے۔ اور دوسرے آقا عبدالحسین جو ان سے چھوٹے تھے۔ آقا محمد علی کی ولادت ۱۱۴۴ھ میں کربلا میں ہوئی اور اسی زمانہ میں سے جب والد سے تحصیل علم کررہے تھے ان کے فہم وادراک کا ہر طرف شہرہ ہوچکا تھا۔ علامہ بغداد صبغۃ اللہ آفندی اس بات کے خواہش مند تھے کہ آقا محمد علی سے مباحثہ ومذاکرہ کریں اور آقا محمد علی بھی یہ چاہتے تھے کہ وہ کچھ عرصہ صبغۃ اللہ سے درس حاصل کریں۔ والد سے اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت نہ دی۔ جب ان کا اصرار بڑھا تو معاملہ استخارہ پر چھوڑ دیا گیا تو استخارہ میں یہ آیت نکلی واذ قال لقمان لابنہ وھو یعظہ، یا بنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم (سورۂ لقمان آیت ۱۳) (لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا جب وہ ان کو نصیحت فرمارہے تھے کہ اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے) پس آقا محمد علی نے باپ کی بات سنی اور ان کی نصیحت کو قبول کیا۔ آقا محمد علی فاضل وجامع علوم تھے اصول وفقہ وکلام وتاریخ میں اپنے وقت کے یکتا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں یگانۂ روزگار، ان کو لوگ صوفی کُش (صوفیوں کو قتل کرنے والے) کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سے درویشوں اور صوفیوں کو قتل کرایا تھا۔ ایک دفعہ جب شیخ جعفر نجفی کرمانشاہ میں آقا محمد علی کے پاس آئے تو دیکھا کہ دس بیس آدمی ماھوتی قبائیں پہنے اور تیری شالیں کاندھے پر ڈالے کھڑے ہیں۔ شیخ نے ان سے کہا بیٹھ جاؤ لیکن انہوں نے بیٹھنے سے انکار کردیا۔ تو شیخ نے آقا محمد علی سے کہا کہ ان کو بیٹھنے کی اجازت دیدیں۔ آقا محمد علی نے کہا کہ یہ میرے ملازم ہیں اور ان کو یہاں کھڑے ہی رہنا چاہیے۔ کیونکہ مجھے کتنوں کو ہی قتل کرانا ہوتا ہے اور حد جاری کرنی ہوتی ہے اگر یہ بیٹھ جائیں تو میں یہ کام کیسے انجام دے سکوں گا۔

اس زمانہ میں ایک درویش نور علی شاہ پیدا ہوگیا تھا جو خود کو مرشد سمجھتا تھا اور اس کے تقریباً چار، پانچ سو درویش مرید تھے وہ اپنی چادر تانتا تھا اس پر سنہری گنبد لگایا کرتا تھا۔ وہ اصفہان پہنچ گیا تھا اور لوگوں کو دھوکا دیئے جارہا تھا۔ جو بھی اس کے پاس جاتا تو وہ اپنے اس تخت کے نیچے جس پر وہ بیٹھا ہوتا تھا ہاتھ ڈالتا اور تازہ روٹی اور گرم گرم کباب نکالتا تھا اور کہتا کہ یہ میری کرامت ہے اور اصل بات یہ تھی کہ اس نے تخت کے نیچے ایک راستہ بنایا ہوا تھا اور اس کے قریب ایک نان بائی اور کباب بنانے والے بٹھایا ہوا تھا تو وہ اپنا ہاتھ اس سوراخ میں لیجاتا تھا اور تازہ کباب اور نان باہر نکال لایا کرتا اس طرح لوگوں کو شک وشبہ میں مبتلا کررہا تھا۔ آخوند ملا علی نوری نے اس کو کافر قرار دیا۔ نور علی شاہ اپنے سارے مریدوں کے ساتھ کرمانشاہ آیا تو ایک مراسلہ بزبان اشعار آقا کو لکھ کر بھیجا۔ کرمانشاہ پہاڑی چوٹیوں پر واقع ہے چنانچہ اس کے اشعار میں ایک یہ تھا۔

ماشاہ جواھر ناسوتیم ھی ھی جبلی قم قم

جب آقا محمد علی کے پاس یہ مراسلہ پہنچا تو آپ نے بھی اسی وزن پر نظم میں اس مراسلہ کا جواب لکھا جس کا ایک شعر یہ تھا۔

تو خر سک دم داری ھی ھی دغلی قم قم۔

پھر آقا محمد علی نے نور علی شاہ کے قتل کا حکم دیا اور اسے قتل کردیا گیا۔

مؤلف کتاب نے شہید ثالث سے سنا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ آقا محمد علی منبر پر وعظ ونصیحت کرتے اور اشعار پڑھا کرتے تھے اور تاویلات پیش کرتے تھے۔ اور ان اشعار میں یہ بھی پڑھا کرتے تھے۔

شد فصل بہار وگشتم از غصہ ہلاک
دارم جگری کباب وچشمی نمناک
گلہا ہمہ سر زخاک بیرون کردند
الا گل من کہ سر فروبردہ بخاک

(ترجمہ: فصل بہار آئی تو میں غصہ سے ہلاک ہوگیا کیونکہ میرا جگر سوختہ ہے اور آنکھ رو رہی ہے۔

موسم بہار میں سارے پھول زمین سے باہر نکل آئے ہیں۔ سوائے میرے پھول کے جو مرجھا کر زمین پر گر پڑا ہے)
اور پھر ان کی توجیہہ وتاویل پیش کیا کرتے تھے۔

ایک عالم نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا کہ میرے والد نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ کربلا جا کر تحصیل علم کروں تو وہ کرمانشاہ گئے۔ لوگوں نے کہا: آقا محمد باقر یہاں تشریف رکھتے ہیں چنانچہ میں ان کے گھر پہنچا اور استخارہ کی گذارش کی۔ انہوں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ تو میں نے کہا: تحصیل علم کے لئے کربلا جا رہا ہوں۔ کہنے لگے کہ دنیادار علماء کی شاگردی اختیار نہ کرا ور میرا بیٹا محمد علی بھی دنیادار علماء میں سے ہے۔

کہتے ہیں کہ آقا محمد علی ایک دن کریم خان کی مجلس میں پہنچے جو سلطان وقت تھا اور آقا محمد خان قاجار کریم خان کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ کریم خان نے آقا محمد خان کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھا اور آقا محمد علی نے جواب دیا جو آقا محمد خان کو بڑا برا لگا۔ پھر جب سلطنت آقا محمد خان کے قبضہ میں آئی تو آقا محمد علی زیارت مشہد کے ارادہ سے شاہزادہ عبدالعظیم پہنچے۔ آقا محمد خان نے فتح علی شاہ کو بھیجا کہ آقا محمد علی سے کہو کہ تمہیں طہران آنے کی اجازت نہیں ہے اور ہمارا حکم ہے کہ صبح ہی تم شاہزادہ عبدالعظیم سے بھی نکل جاؤ۔ جب صبح ہوئی آقا محمد علی نے حکم دیا کہ ہمارا خیمہ طہران کے دروازے پر نصب کرو اور وہ اسی میں آ کر ٹھہرے۔ جب یہ خبر آقا محمد خان کو ملی تو وہ فتح علی شاہ پر بگڑا اور اپنے وزیر سے کہا کہ اب میں ان کی ملاقات کو جاتا ہوں اور وہی مسئلہ ان سے دریافت کروں گا اگر انہوں نے اس جواب کے علاوہ کوئی جواب دیا جو کریم خان کے سامنے دیا تھا تو میں وہیں ان کی گردن اڑا دونگا اور اگر وہی جواب دیا تو ان سے پیار ومحبت سے پیش آؤنگا۔ چنانچہ فوراً ہی آقا محمد خان آقا محمد علی کے پاس پہنچ گیا اور وہی مسئلہ دریافت کیا۔ آقا محمد علی نے بعینہ وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ آقا محمد خان نے کہا یہ شخص حقیقتاً عالم ہے اور ان کے ساتھ محبت اور احسان سے پیش آیا۔ آقا محمد علی جب رشت گئے اور اپنے محفل جمائی تو ہدایت اللہ خان رشتی نے ان کی بڑی خدمت انجام دی اور بہت نوازشات کیں۔ چنانچہ آقا محمد علی نے کتاب 'مقامع الفضل' تالیف کی تو اس کے نام معنون کی۔

آقا محمد علی کی بڑی اچھی اچھی تالیفات ہیں۔ ان میں ایک رسالہ ہے جو دو فاطمی نسب لڑکیوں کو بیک وقت ایک شخص کے نکاح میں ہونے کے جائز ہونے اور صاحب حدائق کے خیال کے رد کرنے کے بارے میں ہے، پانچ رسالے مناسک حج کے بارے میں، کتاب 'مقامع مدارک' پر حاشیہ جو نا تمام ہے۔ 'مفاتیح' پر شرح، ایک رسالہ علم رجال کے بارے، ان کی ساری ہی تالیفات بڑی پیاری ہیں۔ کتاب 'مقامع الفضل' مطالعہ کے شوقین حضرات کی پسندیدہ ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو بڑی فضیلت وجامعیت حاصل ہے۔ آقا محمد باقر کے دوسرے بیٹے آقا عبدالحسین بھی مرد فاضل تھے۔ آقا محمد باقر زبانِ عام میں آقا کے نام سے مشہور ہیں اور جس وقت صرف لفظ آقا کہا جائے تو صرف وہی مراد لیے جاتے ہیں لیکن فقہ کی زبان میں ان کو مؤسس بہبہانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور آپ جناب سے پہلے کربلا ونجف میں اگر اخباری موقف والے مجتہدین کے ساتھ اجتماع کرتے بھی تھے تو یہ حال تھا کہ اگر مجتہدین میں سے کسی کی کتاب کی ضرورت ہوتی کہ اسے اٹھائیں تو رومال سے اسے اٹھاتے تھے۔ اسے نجس سمجھتے تھے اس لئے ہاتھ سے نہیں پکڑتے تھے۔ جب آقا کربلا آئے تو شروع میں تو انہوں نے تقیہ اختیار کیا اور علم اصول کا درس تہہ خانے میں دیتے تھے کیونکہ اخباری مسلک کے لوگ اصول کی تعلیم کو حرام سمجھتے تھے۔ پھر آپ ان پر غالب آ گئے اور ان کی دشمنی کی آگ سرد پڑ گئی۔ صاحب 'حدائق' شیخ یوسف بحرینی جو میں کربلا میں رہتے تھے اور آقا محمد باقر کے ہم عصر تھے ایک دن آقا شیخ یوسف کے گھر گئے اور کہا کہ آج رات میں نے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ اپنے ناخن تراشو۔ میری آنکھ کھلی تو میں نے اس خواب کی یہ تعبیر نکالی کہ آپؑ کی اس سے مراد اخباری لوگوں کے جھگڑے کو دفع کرنا اور ان سے مقابلہ اور مباحثہ کرنا ہے تو میں اسی لئے آیا ہوں کہ آپ سے اس سلسلہ میں مباحثہ کروں۔ صاحب حدائق کی وفات کربلا میں ہوئی اور آقا محمد باقر نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

آقا محمد باقر بہبہانی کی ایک کرامت ایک ثقہ عالم عبدالکریم بن آقا سید زین العابدین لاہجی نے یہ بتائی کہ ان کے والد نے بتایا کہ ہم عتبات عالیات میں تحصیل علم کرتے تھے اور یہ مرحوم آقائے بہبہانی کی عمر کے آخر زمانے کی بات ہے، آقا ضعف وبڑھاپے کی وجہ سے چونکہ ان کے قویٰ بہت کمزور

اور ناقص ہو گئے تھے درس دینا ترک کر چکے تھے اور ان کے شاگرد تدریس کا کام کرتے تھے لیکن آقا ایک درسی مجلس قائم کیے ہوئے تھے جس میں شرح ... سطحی طور پر پڑھایا کرتے تھے۔ ہم چند افراد صرف برکت اور تبرک کے طور پر ان کی مجلس درس میں جایا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز مجھے احتلام ہو گیا اور میری نماز قضا ہو گئی اور آقا کے درس کا وقت آ پہنچا تھا۔ تو میں نے دل میں سوچا کہ میں درس میں چلا جاتا ہوں تا کہ درس رہ نہ جائے پھر حمام جاؤں گا۔ ... کر مجلس میں پہنچ گیا ابھی آقا تشریف نہیں لائے تھے۔ کہ اتنے میں وہ آ گئے بڑے ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے پھر انہوں نے تمام لوگوں پر نگاہ ڈالی اور اچانک ان کے چہرہ پر ہم و غم کے آثار ظاہر ہو گئے اور کہا کہ آج درس نہیں ہوگا اس لئے سب اپنے اپنے گھر جائیں۔ شاگردوں نے ایک ایک کر کے اٹھنا اور نکلنا شروع کیا۔ جب میں نے اٹھنا چاہا تو آقا نے کہا: تم بیٹھے رہو۔ چنانچہ میں بیٹھا رہا جب سب لوگ چلے گئے تو آقا نے مجھ سے کہا کہ جہاں تم بیٹھے ہو فرش کے نیچے کچھ پیسے رکھے ہیں۔ انہیں اٹھاؤ اور جاؤ غسل کرو اور اس کے بعد کبھی بھی حالت جنابت میں ایسی مجالس میں شرکت نہ کرنا۔ میں انتہائی متحیر ہوا اور وہ پیسے لے کر حمام گیا اور غسل کیا۔

مؤلف کتاب ایک دفعہ شہید ثالث حاجی ملا محمد تقی کے کتب خانہ گیا تو انہوں نے مجھے ایک قصہ سنایا کہ جب آقا کی کتاب "فوائد" اصفہان لائی گئی اور اصفہان کے علماء نے اسے دیکھا تو کہا کہ یوں لگتا ہے کہ اس کتاب کے مؤلف نے کسی خاتون سے درس پڑھا ہے۔ جب آقا کے سامنے یہ بات کہی گئی تو آقا کہنے لگے کہ وہ لوگ ٹھیک کہہ رہے ہیں کیونکہ میں نے آغاز سے سیوطی تک اور اس کا حاشیہ اپنی پھوپی سے پڑھا ہے۔

آپ کے شاگرد بہت ہیں اور سب ہی اپنے وقت کے فضلاء اور اپنے زمانے کے یکتا لوگوں میں سے تھے۔ ان میں ان کے داماد آقا سید علی اور ان کے بیٹے آقا محمد علی اور دوسرے بیٹے آقا عبدالحسین اور آقا سید مہدی بحر العلوم، شیخ جعفر نجفی، شیخ اسد اللہ کاظمینی، آقا سید محسن کاظمینی، میرزا ابوالقاسم قمی، میرزا محمد مہدی شہرستانی، میرزا یوسف تبریزی، آخوند ملا مہدی نراقی، حاجی محمد ابراہیم کلباسی، اور شیخ ابو علی صاحب کتاب 'منتہی المقال' وغیرہ بہترین علماء فضلاء ہیں۔ مؤلف کتاب کہتا ہے کہ ان کا ہر شاگرد کسی ایک فن میں بے اندازہ مہارت رکھتا تھا۔ آقا سید محسن فنِ اصول میں اور منطق میں لا ثانی تھے۔ اور میرزا قمی فقیہ تھے۔ آخوند ملا مہدی جامع العلوم تھے۔ اور آقا بحر العلوم اور آقا محمد علی فاضل، جامع علوم اور مختلف فنون میں باکمال تھے۔ میرزا محمد مہدی شہرستانی تفسیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ شیخ ابو علی اور ان کے صاحبزادے آقا محمد علی علم رجال میں یگانہ تھے۔ قصہ مختصر ان سب کا اتنے علوم کا حاصل کرنا اور ان میں کمال پانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آقا خود ان سب فنون سے وابستہ تھے کہ جس کی وجہ سے ہر شاگرد کسی ایک فن یا سارے فنون کا ماہر ہو گیا۔ اور آقا قواعد کلیہ معین کرنے میں بے مثل تھے اور ہر مسئلہ کی وضاحت کے لئے اس قدر دلیلیں دیتے تھے کہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا تھا۔ اسی طرح فروعات نکالنے اور فقہ پر محیط ہونے کے اعتبار سے ان کا جواب نہیں۔ معاصرین علماء پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آقا کا فن بس عبادت تھا اور عبادات کے موضوع پر ہی ان کے فقہ کی مہارت محدود تھی۔ یہ بالکل بے جا اور بے تکی بات ہے کیونکہ آقا بے شک عبادات کا بڑا اہتمام کرتے تھے اور بڑا وقت اس میں صرف کرتے تھے اور ان کی تالیفات زیادہ تر عبادات پر ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ باقی ابواب فقہ میں وہ کمزور رہے ہیں، جیسا کہ آپ کی تالیفات دیکھنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے اور یہ مسئلہ بالکل امام حسینؑ کی شجاعت والا مسئلہ ہے کہ تمام ائمہ یہی شجاعت رکھتے تھے لیکن انہیں اس قسم کے جہاد کی ضرورت نہ پیش آئی (ورنہ وہ بھی امام حسینؑ کی طرح شجاعت کا مظاہرہ کرتے) اور آقا کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اگر ان کی تالیفات دیکھی جائیں تو انہوں نے معاملات کے موضوع پر بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ اور سب ہی میں بڑی تحقیق اور چھان بین سے کام لیا ہے۔ خصوصیت سے 'شرحِ ارشاد' اردبیلی پر ان کا حاشیہ جو انہوں نے ابتدائے 'متاجر' سے آخر کتاب تک لکھا نہایت تحقیق پر مبنی ہے۔

مشہور ہے کہ آقا جب بھی سید الشہداءؑ کی زیارت سے مشرف ہوتے تو پہلے اس چوکھٹ کا بوسہ لیتے جہاں جوتیاں اتاری جاتی ہیں اور اپنا چہرہ اور داڑھی اس آستان پر ملتے تھے۔ پھر نہایت خضوع اور خشوع اور روتے ہوئے حرم مبارک میں داخل ہوتے تھے اور زیارت کرتے تھے اور امام حسینؑ کے مصائب میں اظہارِ غم کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

ایک دفعہ سردی کے موسم میں آپکی زوجہ نے ایک سویٹر آپ کے لئے بُنا۔ آپ نے وہ پہنا اور چونکہ مغرب کا وقت ہو گیا تھا مسجد چلے گئے اتنے میں ایک اوباش آدمی سر سے ٹوپی اتار کر ننگے پاؤں آقا کی خدمت میں دوڑتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ میرا سر ننگا ہے ٹوپی نہیں ہے اور سردی سخت پڑ رہی ہے میرے لئے کچھ انتظام کریں۔ آپ نے فرمایا: تمہارے پاس چاقو ہے۔ کہا: ہاں، چنانچہ اس سے چاقو لیا اور سویٹر کی ایک آستین کاٹ کر اسے دی اور کہا کہ یہ آستین سر پر لپیٹ لو اور رات گزار لو تو صبح تمہارے لئے کچھ اور انتظام کیا جائے گا۔ گھر آئے تو بیوی نے دیکھا کہ آقا کے سویٹر کی ایک آستین نہیں ہے تو بڑی ناراض ہوئیں کہ میں نے اتنے دنوں محنت کر کے تمہیں سویٹر بنا کر دیا اور تم نے اسے آستین کاٹ کر بیکار کر دیا۔

ایک دفعہ ان کے بیٹے آقا عبدالحسین نے اپنی بیوی کے لئے قیمتی پوشاک خریدی جب آپ گھر پہنچے تو پوچھا کہ یہ عورت کون ہے۔ کسی نے کہا: آپ کی بہو ہے آقا عبدالحسین نے اس کو نئے کپڑے بنا کر دیئے ہیں۔ آقا محمد باقر نے آقا عبدالحسین پر بہت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ آئندہ ایسا مت کرنا۔ آقا عبدالحسین نے یہ آیت پڑھی قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده (سورۂ اعراف آیت ۳۲) (کہہ دو کہ اللہ کی زینتوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں کون حرام کرتا ہے)۔ ان کو اور غصہ آیا اور فرمایا کہ میں نے بھی یہ آیت سنی ہوئی ہے لیکن ہمارے پڑوس میں بہت سے فقراء ہیں جو ہمارے فقر کو دیکھ کر تسلی پاتے ہیں۔

آپ کا مقبرہ جناب سید الشہداءؑ کے رواق میں آنحضرتؑ کے پائین پا واقع ہے اکثر آپ دوسروں کی نیابت میں عبادت کیا کرتے اور اس کا معاوضہ واجرت غریب طالبعلموں جیسے میرزا تقی وغیرہ کو دیدیا کرتے تھے اور ان کی ساٹھ (۶۰) کے قریب تالیفات ہیں ان میں سے ایک کتاب 'شرح مفاتیح' ہے اور وہ کتاب طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ وخمس پر مشتمل ہے اور "مدارک" کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور "مدارک" پر حاشیہ کتاب صلوٰۃ کے آخر تک لکھا ہے اور اس کتاب میں صاحب 'مدارک' نے جن چیزوں سے غفلت برتی ہے اس پر تنبیہ کی ہے اس کے بعد انہوں نے صاحب 'مدارک' کو خواب میں دیکھا اور صاحب 'مدارک' نے اپنی غفلتوں کا اعتراف کیا ہے اور آپ کی اس تنبیہ پر رضامندی کا اظہار کیا اور 'ارشاد' اردبیلی کی شرح پر حاشیہ کتاب 'متاجر' کے شروع سے لیکر آخر کتاب تک اور 'وافی' پر حاشیہ اور 'اصل براءت' پر رسالہ اور اس میں تفصیل مذاہب بھی لکھی۔ اور رسالہ 'در حیل شرعیہ متعلقہ بربا' اور اجتہاد و اخبار کے بارے میں رسالہ اور اس کے متعلق احادیث اور جو بھی اس کے متعلق ہے سب لکھا۔ اور اجتہاد پر جو شبہات کیے جاتے ہیں ان کو دور کیا ہے۔ ایک رسالہ معاملات پر اور ایک فارسی میں رسالہ طہارت، نماز، زکوٰۃ، خمس وروزہ کے متعلق۔ قیاس کے بارے میں رسالہ اور جبر واختیار کے مسئلہ کے حل کے بارے میں رسالہ۔ اور دو فاطمی نسب رکھنے والی عورتوں کو ایک شخص کے نکاح میں جائز ہونے کے مسئلہ پر رسالہ۔ اور اصول دین پر رسالہ اور اس بارے میں رسالہ کہ ننھی بچی سے اس لئے عقد کیا جائے کہ اس کی ماں پر نظر ڈالنا حلال ہو جائے اس کا کیا فساد واقع ہو گا۔ اور نماز جمعہ کے مستحب ہونے کے بارے میں رسالہ اور حجیت استصحاب پر رسالہ اور ایک مناظرہ پر رسالہ جو علمائے عامہ سے ہوا تھا کہ خدا دیکھا جا سکتا ہے، دیباچۂ مفاتیح پر رسالہ اور شراب انگور اور کھجور کے بارے میں حکم پر مبنی رسالہ، اور زوال سے پہلے رویت ہلال پر عدم اعتماد پر رسالہ، 'مفاتیح' پر متفرق حواشی۔ 'تہذیب' پر حواشی اور 'قواعد' پر حواشی۔ 'رسالہ در دماء معفوعنہا'، مجاہدات کے احکام میں رسالہ اور ایک 'رسالہ ایمان'، اسلام وحکم منکر' کے بارے میں رسالہ اور احکام حیض غیر تامہ پر رسالہ اور اس بارے میں رسالہ کہ لوگوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں مجتہد ومقلد اس بارے میں رسالہ کہ بعض اولاد ائمہ اطہارؑ کے نام خلفائے جور کے ناموں پر کیوں رکھے گئے، اور ایک حاشیہ میرزا جان کے حاشیہ پر لکھا' جو شرح مختصر و فواید حائریہ پر لکھا گیا ان چیزوں کے بارے جن کا جاننا فقہ کے لئے لازمی اور ضروری ہے اور اس سے متعلق بے شمار فوائد ہیں جس میں پہلے کو عتیق (پرانا) اور دوسرے کو جدید کہتے ہیں۔ فارسی میں سوال وجواب پر مبنی کتاب اور 'معالم' پر حاشیہ جو اپنے بیٹے کے لئے لکھا تھا اور طہارت وصلوٰۃ پر رسالہ یہ دونوں آخری کتابیں ان کی زندگی کی آخری تالیفات تھیں۔

واضح رہے کہ ابن 'خلکان' خ پر پیش اور لام تشدید پر زبر کے ساتھ پڑھا جائے وہ عامہ کے قاضیوں میں سے ہے اور ۶۰۰ ھ میں موجود تھا اور ابن حاجب کا ہم عصر تھا۔ اس نے عربی میں تاریخ لکھی ہے جو عامہ میں بڑی قابل اعتماد ہے اور تاریخ ابن خلکان کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے اس تاریخ میں

اوراسی طرح عامہ میں سے اوروں نے بھی یہ کہا ہے کہ ہر ہجری صدی کے آغاز میں مذہب امامیہ کا ایک مروج و مؤسس ہوتا ہے چنانچہ پہلی صدی ہجری کے مروج مذہب حضرت جعفر بن محمد الصادقؑ کو مانا گیا ہے اور دوسری صدی ہجری کے امام آخرالزمانؑ (آپ پر درود وسلام) کو تسلیم کیا ہے اور تیسری صدی ہجری کے مروج فرقہ ناجیہ محمد بن یعقوب کلینیؒ کو سمجھا ہے اور اسی طرح پر چلتے چلتے ساتویں صدی ہجری کے محقق طوسی خواجہ نصیر الدین مانے گئے ہیں اور آگے چل کر گیارہویں صدی ہجری کے مروج شریعت بیضا آخوند ملا محمد باقر مجلسی ہیں۔ اور علماء کا قول ہے کہ اس مذہب کے مروج بارہویں صدی ہجری میں آقا محمد باقر بہبہانی نے واقعی طور پر ترویج مذہب شیعہ فرمائی۔ ان سے پہلے اخباری مسلک والوں کا زور اور کثرت تھی۔ آپ نے ان کو جڑ سے اکھاڑا اور علمائے عراق و عرب وعجم نے کھلم کھلا اور کلی طور پر آپ کے انوار مقدسہ سے فیض اٹھایا اور سب ہی نے یا تو براہ راست ان سے تعلیم پائی یا ان کے شاگردوں سے یا ان کے شاگردوں کے شاگردوں سے چنانچہ ان کا تمام علماء پر بے انتہا اور کامل طور پر حق بنتا ہے۔

آخوند ملاّ محمد باقر مجلسیؒ

آخوند ملاّ باقر بن ملاّ محمد تقی بن مقصود علی مجلسی عالم علیم، قلزم علم، دوسرے علامہ، عظیم فاضل، تمام علوم کے جامع، عرب وعجم کے مقتدا، امت کے رہبر، بہترین زاہد وعبادت گزار۔ سب سے بڑے عادل، متقی، پرہیز گار، تمام علوم پر حاوی تھے۔ مجھ ناچیز نے آپ کے لکھے ہوئے چند اجزاء کے آخر میں لکھا دیکھا جو آخوند ملا محمد تقی کے دستی لکھے ہوئے تھے کہ محمد تقی بن مجلسی اور شاید مجلسی بظاہر اصفہان کے دیہاتوں میں سے ایک گاؤں سے منسوب ہونے کی وجہ سے لکھا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کو مجلسی اس لئے کہا گیا کہ آپ کے قنداقہ (پوتڑوں میں لپٹا ہوا بچہ) کو جناب امام عصرؑ کی مجلس میں پیش کیا گیا لیکن یہ بات پایہ تحقیق کو نہیں پہنچی۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ آپ کے والد مقصود علی شاعر تھے اور شاعری میں اپنا تخلص مجلسی اختیار کیا تھا۔ لہٰذا وہ مجلسی کے نام سے مشہور ہوئے۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور بعد میں آنے والے علماء آخوند ملاّ محمد باقر کو علامہ مجلسی کہتے ہیں۔ اور حاجی ملاّ احمد نراقی پر حیرت ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں ان کو محدث مجلسی لکھا ہے اور مجھے تو ان کی یہ عبارت نہایت ناپسند ہوئی کیونکہ عموماً محدث اسے کہتے ہیں جو حدیث دان ہو اور احادیث کی روایت کرتا ہو۔ ائمہ طاہرینؑ کی روایات کو بیان کرنے والے کو محدث کہتے ہیں لیکن مذکورہ آخوند تو علامہ ہیں کیونکہ اصطلاحی طور پر علامہ اسے کہتے ہیں جو علم منقول ومعقول کا جامع ہو اور وہ ایسے ہی تھے جیسا کہ میں نے آخوند ملاّ علی نوری کے بعض فاضل شاگردوں سے سنا ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ملاّ علی کہتے تھے کہ جو بھی آخوند ملاّ علی باقر کی فضیلت کو جاننا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ ان کی کتاب 'سماء والعالم بحار' میں دنیا کے وجود میں آنے کے باب کا مطالعہ کرے۔ الحاصل آپ معقول، منقول وریاضی وغیرہ میں صاحب فن تھے۔ جیسا کہ کتاب بحار میں عقلی مطالب پیش کرتے ہوئے تمام حکماء کے شبہات، دلائل، اقوال اور جو چیزیں انہوں نے رد کی ہیں سب کا ذکر کرتے ہیں اور پھر ان سب کو رد کر کے مسئلہ کو ائمہ طاہرینؑ کی احادیث کے موافق ہی بات کی ہے بلکہ وہ تو بے تحاشہ سمندر برسنے والے بادل اور علوم کے خزانہ ہیں کہ جس مسئلہ کو بھی موضوع قرار دیتے ہیں لگتا ہے کہ خزانہ علم ان کے چاروں طرف بکھرا پڑا ہے اور ہر جگہ آسانی سے ان کا ہاتھ پہنچ جاتا ہے اور ان میں سے جو مناسب ہو اس مسئلہ میں استعمال کر لیتے ہیں اور محض اس وجہ سے کہ شاید ملاّ احمد نراقی اصول وفروع میں آخوند ملا محمد باقر سے کچھ زیادہ اہلیت رکھتے ہوں تو بھی یہ اس بات کا سبب نہیں بن سکتا کہ علامہ کا لقب ان سے چھین لیا جائے کیونکہ آخوند ملاّ محمد باقر کی علوم میں جامعیت کا مقابلہ حاجی ملاّ احمد سے ایسے ہی ہے جیسے بحر کا کسی نہر سے یا دریا کا قطرہ سے موازنہ کیا جائے۔ نیز مؤسس بہبہانی سے پہلے علم اصول بھی اتنا مفصل، باتحقیق وتدقیق نہ تھا اور انوار النعمانیہ میں نعمۃ اللہ جزائری نے لکھا کہ آخوند ملاّ محمد باقر مجلسی نے اپنے برادران مومن سے خواہش ظاہر کی کہ ان کے کفن پر خاک کربلا سے یہ لکھیں کہ "ان کے ایمان میں کوئی شبہ نہیں۔ فلاں بن فلاں گواہ یہ لکھتا ہے۔" اور اکثر یہ ہوا کہ جنہوں نے یہ فقرہ لکھا اس کے نیچے اپنی مہر بھی لگائی۔

آخوند ملا محمد باقر کے اسلام اور مسلمانوں دونوں پر بڑے حقوق ہیں کیونکہ مذہب شیعہ کو فروغ ہی ان کی تالیفات سے حاصل ہوا ہے۔ مشہور ہے کہ جب آپ اپنی کتاب 'حق الیقین' لکھ رہے تھے اور یہ کتاب چھپی اور شام کے علاقے میں پہنچی اور شامات (اردن، شام، عراق) کے اطراف میں اس کا چرچا ہوا تو ستر ہزار (۷۰۰۰۰) سنیوں نے شیعہ مذہب اختیار کیا اور احادیث واخبار، معجزات، واقعات وحکایات اور دعاؤں وغیرہ کے فارسی میں تراجم کرنے کی وجہ سے شیعوں کے عقاید مستحکم ومضبوط ہوئے ورنہ ان سے پہلے صوفیوں کا زور اور کثرت تھی۔ آپ نے ان کا قلع قمع کیا اور ان کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکا۔ آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ترویج علم وتدریس وتالیف میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے اصفہان میں امام جمعہ وجماعت تھے اور جود وسخا میں وقت کے بادشاہ تھے۔ شاہ سلطان حسین کی بادشاہت بالکل ڈانواڈول تھی لیکن ملا محمد باقر کے وجود کے برکت سے سلطان کی مملکت برقرار رہی البتہ جیسے ہی آخوند ملا محمد باقر نے اس دار فانی سے کوچ کیا فوراً ہی صوبہ قندھار اس کے ہاتھوں سے نکل گیا اور اس کی سلطنت متزلزل ہو گئی یہاںتک کہ افغانی اصفہان آپہنچے اور سلطان کو قتل کر دیا۔

آپ کی کرامات تو بہت ہیں صرف چند کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ پہلی تو یہی ہے کہ آپ کو کپڑوں میں لپیٹ کر جناب صاحب الامر مہدی امام زمانؑ (میری روح ان پر فدا اور اللہ آپؑ کا ظہور جلد فرمائے) کے حضور میں لایا گیا۔ دوسرے یہ کہ میں نے سنا ہے کہ بعض علمائے جن بھی آپ کی مجلس درس میں شرکت کیا کرتے تھے۔ تیسرے یہ کہ آپ کی تالیفات ولادت سے وفات تک ایک ہزار اشعار یومیہ قرار پائی ہیں۔ کہ جس میں ہر شعر میں ۵۰ حروف ہیں اور یہ صرف تائید پروردگار سے ہی ممکن ہے۔ ورنہ روزانہ ہزار اشعار لکھنا بہت ہی مشکل اور دشوار بات ہے۔ اور اکثر لوگوں کے لئے تو یہ ناممکنات میں سے ہے کیونکہ اگر ایام طفولیت ومرض وسفر اور تعلیم وتدریس کے دن نکال دیئے جائیں تو اس قدر تعداد کیسے لکھی جا سکتی ہے۔ ایک دفعہ جب آخوند ملا محمد باقر کے سامنے یہ بات کی گئی کہ علامہ حلی کی تالیفات کا اگر روز ولادت سے روز وفات تک تناسب نکالا جائے تو ہزار اشعار یومیہ بنتا ہے۔ تو ملا محمد باقر کہنے لگے کہ میری تالیفات بھی اس سے کم تو نہیں ہوں گی یعنی میری تالیفات کا بھی روزانہ ہزار اشعار کا حساب بنتا ہے اس پر ایک طالبعلم نے عرض کی کہ آپ بجا ارشاد فرما رہے ہیں لیکن علامہ کی جتنی بھی تالیفات ہیں وہ درحقیقت تصنیفات ہیں یعنی اپنی فکر وتحقیق سے انہوں نے لکھا ہے لیکن آپ کی تالیفات سب دوسروں سے ماخوذ اور جمع کی ہوئی ہیں اور تصنیف بہت کم ہے۔ آپ نے احادیث جمع کیں ان کا ترجمہ وتفسیر کیا اور بس۔ آخوند ملا محمد باقر نے فرمایا تم نے بالکل ٹھیک کہا علامہ کی زیادہ تر تصنیفات ہیں اور میری زیادہ تر تالیفات۔

چوتھی کرامت یہ ہے کہ مرحوم آقا سید محمد بن آقا سید علی طباطبائی صاحب کتاب 'مفاتیح الاصول ومناہل' نے اپنے رسالہ میں مشہور اغلاط کو اکٹھا کیا ہے یعنی وہ مشہور غلطیاں جو زبان زد خاص وعام ہو گئی ہیں تو انہوں نے لکھا کہ ایک شخص نے ملا محمد باقر کو خواب میں دیکھا اور اس نے ان سے پوچھا کہ اس دنیا میں آپ کا کیا حال ہے اور آپ پر کیا گزری؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے کسی عمل نے مجھے فائدہ نہ بخشا سوائے اس کے کہ ایک دن ایک یہودی کو میں نے ایک سیب دیا تھا اور اسکی وجہ سے مجھے یہاں نجات ملی۔ آقا سید محمد نے کہا کہ یہ بالکل غلط خواب ہے اور جھوٹا بنایا گیا ہے اور عقلی اور نقلی قواعد کی رو سے جھوٹے خوابوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے آخوند ملا محمد باقر کی ایک کرامت نقل کی اور کہا کہ ایک بزرگوار جو عالم تھے اور خراسان کے رہنے والے تھے عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہ آخوند ملا محمد تقی مجلسی سے دوستی ومحبت رکھتے تھے۔ جب یہ عالم عتبات عالیات سے واپس ہونے لگے تو دوران سفر انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے ہیں جہاں پیغمبرؐ اور بارہ امام تشریف فرما ہیں۔ اور سب ترتیب وار بیٹھے ہیں اور مجلسی کے آخر میں سب کے بعد جناب صاحب الامر تشریف فرما ہیں۔ آخوند خراسانی داخل ہوئے تو بارہویں امام کے بعد ان کو جگہ دی گئی۔ اچانک دیکھا کہ آخوند ملا محمد تقی گلاب کی ایک شیشی لیکر آئے ہیں اور پیغمبرؐ اور تمام ائمہؑ نے اس گلاب کو استعمال کیا اور آخوند خراسانی کو بھی وہ گلاب دیا گیا اور انہوں نے بھی اسے لگا لیا۔ اس کے بعد آخوند ملا محمد تقی گئے اور ایک نوزائیدہ طفل کپڑوں میں لپٹا ہوا لیکر آئے اور جناب رسول خداؐ کی خدمت میں پیش کیا کہ اس بچے کے لئے دعا فرمائیں کہ خدا اس بچے کو مروج دین بنائے۔ حضور نے اس قنداقہ کو ہاتھوں میں لیا اور دعا فرمائی اور اس کے بعد وہ قنداقہ امیر

المومنین کو دیدیا اور کہا تم اس کے لئے دعا کرو۔ تو آپؑ نے بھی قنداقہ ہاتھوں میں لیکر دعا کی۔ پھر امام حسنؑ کو دیدیا اسی طرح سے ترتیب وار وہ قنداقہ ہوتے ہوتے جناب صاحب الامرؑ کے پاس آیا تو انہوں نے ہاتھوں میں لیا اور دعا کی پھر آپ نے وہ قنداقہ آخوند خراسانی کو دیدیا اور فرمایا تم بھی دعا کرو۔ آخوند خراسانی نے بھی قنداقہ ہاتھوں میں پکڑ کر دعا کی۔ اس کے بعد آخوند خراسانی خواب سے بیدار ہو گئے اور اصفہان پہنچے اور آخوند ملا محمد تقی کے یہاں قیام کیا۔ آخوند محمد تقی سلام و دعا کے بعد ایک گلاب کی شیشی لے آئے اور آخوند خراسانی نے اس میں سے گلاب استعمال کیا اور پھر فوراً ہی آخوند ملا تقی اندر گئے اور قنداقہ لے آئے اور آخوند خراسانی سے کہا کہ یہ بچہ آج ہی پیدا ہوا ہے آپ اس کے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو دین مبین کے رواج دینے والوں میں سے قرار دے۔ چنانچہ آخوند خراسانی نے قنداقہ ہاتھوں میں لیا اور اس کے لئے دعا کی اور وہ سارا خواب جو راستہ میں دیکھا تھا ان کی نظر میں پھر گیا اور انہوں نے وہ آخوند ملا تقی کو سنایا۔

پانچویں کرامت بھی ایک ایسی ہی چیز ہے جو مرحوم آقا سید محمد نے اسی کتاب میں لکھا کہ مجلسی کے زمانے میں دو آدمی آپ سے دشمنی رکھتے تھے اور ہمیشہ آپ کی غیبت کیا کرتے تھے۔ جس رات آخوند ملا محمد باقر دنیا سے رخصت ہوئے ان دونوں اشخاص نے خواب میں کچھ دیکھا۔ رات کا ایک پہر گزرا تھا کہ ان میں سے ایک ساتھی نیند سے بیدار ہوا، اپنے دوسرے ساتھی کو جگایا اور اس سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں آخوند ملا محمد باقر کے دروازے کے باہر کھڑا ہوں اور آخوند سو رہے ہیں کہ اچانک پیغمبرؐ خدا اور حضرت امیر المومنین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ تشریف لائے ہیں اور پیغمبرؐ نے آخوند کا دایاں بازو اور امیر المومنینؑ نے بایاں بازو پکڑا اور آخوند سے کہا اٹھو تو ہم چلے چلیں اور پھر اپنے ساتھ ان کو لیکر چلے گئے اور یہ خواب اس وقت کا تھا جب آخوند ملا محمد باقر مریض تھے اور صاحب فراش تھے۔ تو اس شخص کے ساتھی نے کہا بالکل یہی خواب میں نے دیکھا ہے۔ دونوں نے اس خواب سے یہ اندازہ لگایا کہ آخوند جوارِ رحمتِ الٰہی سے جا ملے ہیں اور وفات پا گئے ہیں چنانچہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے کہ آخوند کے گھر جا کر حال احوال معلوم کریں یہ دونوں چلتے چلتے آخوند کے گھر کے دروازے پر آ پہنچے کہ اچانک گھر کے اندر سے رونے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں تو انہوں نے آخوند کی طبیعت کے بارے پوچھا تو جواب ملا کہ ابھی ابھی انہوں نے انتقال فرمایا ہے ان دونوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔

چھٹی کرامت۔ ایک شخص آخوند ملا محمد باقر کے پرخلوص چاہنے والوں میں سے تھا۔ بحرین کا رہنے والا تھا اس نے شیخ سے ملاقات کے ارادے سے بحرین سے سفر شروع کیا حتیٰ کہ آپ کے شہر کے قریب آ پہنچا تو شہر کے لوگوں میں سے ایک سے آخوند ملا محمد باقر کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ دنیائے فانی سے کوچ کر گئے اور دار آخرت کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ بحرینی شخص بڑا رنجیدہ و ملول ہوا اور اسی حالت میں اسے نیند آ گئی۔ تو عالم خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک مکان میں پہنچا ہے اور وہاں ایک منبر بڑی بلندی پر نصب کیا گیا ہے۔ اور حضرت ختمی مرتبتؐ منبر کے عرشہ پر تشریف فرما ہیں اور حضرت امیر المومنینؑ آپؐ سے کسی قدر نیچے تشریف رکھتے ہیں یا کھڑے ہوئے ہیں اور منبر کے سامنے ایک صف میں انبیاءؑ کھڑے ہیں اور ان کے بعد بہت سی صفوں میں لوگ کھڑے ہیں اور انہیں صفوں میں ملا محمد باقر بھی کھڑے ہیں۔ اچانک پیغمبرؐ نے فرمایا: آخوند ملا محمد باقر تم آگے آؤ۔ وہ خواب دیکھنے والا شخص کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک صاحب ان صفوں سے نکل کر صف انبیاءؑ سے بھی آگے بڑھ گئے تو آپؐ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ تو آخوند ملا محمد باقر نے عرض کیا کہ مجھ ناچیز کی آپؐ سے یہ گذارش ہے کہ انبیاءؑ کے حضور میں مجھے شرمندہ نہ فرمائیں کیونکہ یہ سب کھڑے ہوئے ہیں (میں کیسے بیٹھ جاؤں) پیغمبرؐ نے فرمایا: اے نبیوں تم سب بیٹھ جاؤ تاکہ ملا محمد باقر بھی بیٹھ سکیں تو تمام انبیاءؑ بیٹھ گئے اور آخوند ملا باقر پیغمبرؐ کے نزدیک بیٹھ گئے۔

ساتویں کرامت ایک ایسی چیز ہے جیسے مؤلف کتاب کے مرحوم والد ماجد نے لکھا ہے جو آخوند ملا محمد باقر کے ایک خط سے نقل کی گئی ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ گناہگار بندہ محمد باقر بن محمد تقی کہتا ہے کہ ایک شب جمعہ اپنی دعاؤں کو سرسری طور پر دیکھ رہا تھا کہ مجھے ایک دعا جس میں الفاظ بہت کم اور معانی بہت گہرے تھے نظر پڑی۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ آج رات بھی دعا پڑھوں گا چنانچہ میں نے وہ دعا پڑھی۔ اگلے شب جمعہ پھر میں وہ دعا پڑھی۔ اگلے شب جمعہ پھر میں نے چاہا کہ وہی دعا پڑھوں کہ اچانک گھر کی چھت سے میں نے ایک آواز سنی کہ اے فاضل و کامل انسان کہ ابھی تو کراماً کاتبین اس دعا کے

ثواب کے لکھنے سے فارغ نہیں ہیں جوتم نے پچھلی شب پڑھی تھی کہ تم اب دوبارہ اس کے پڑھنے کا ارادہ کر رہے ہو! معلوم ہونا چاہئے کہ اس دعا کا شب جمعہ یا شب جمعہ کے علاوہ اور شبوں میں بھی جب بھی پڑھی جائے بہت ثواب ہے۔اور مرحوم والد ماجد ہمیشہ ہر شب جمعہ اس دعا کو پابندی سے پڑھتے تھے اور اس ناچیز مؤلف کتاب نے سفر خراسان میں اس دعا پر ایک شرح لکھی ہے جو لطائف سے خالی نہیں ہے۔دعا یہ ہے۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم اَلحمدُللّٰہِ مِن اَوّلِ الدُّ نیا اِلٰی فَنَائِہا وَ مِنَ الا خِرۃِ اِلٰی بَقَائِہَا اَلحَمدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ نِعمَۃٍ وَ اَستَغفِرُ اللّٰہَ مِن کُلِّ ذَنبٍ وَّاَتُوبُ اِلَیہِ یَا اَرحَمَ الرَّاحِمِینَ۔

ایک دن آخوند ملا محمد باقر مجلسی ایک مجلس میں کسی سربرآوردہ شخص کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔اس شخص نے کہا کہ کربلا کے فقہاء میں سے فلاں شخص اس بات کا قائل ہے کہ شراب پاک ہے۔مجلسی نے کہا کہ وہ غلط کہہ رہا ہے شراب نجس ہے۔پھر آخوند مجلس سے اٹھے اور سواری پر سوار ہوئے کربلا آئے اور سب سے پہلے اس فقیہ کے گھر پہنچے کہ میں نے اس سلسلہ میں تیری غیبت کی ہے تا کہ لوگ شراب پینے اور اس کا کاروبار کرنے میں جری و بے باک نہ ہو جائیں اب میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ تم سے عفو و بخشش طلب کروں۔اس فقیہ نے آپ سے درگزر فرمایا تو آپ زیارت سید الشہداء کے لئے روانہ ہوئے اور پھر وہاں سے واپس آئے۔

سید نعمت اللہ جزائری، آخوند ملا محمد باقر مجلسی کے شاگرد ہیں اور ان سے اجازہ بھی پائے ہوئے ہیں۔انہوں نے انوار نعمانیہ میں لکھا ہے کہ میں نے بحار کی چند جلدوں کی تالیف میں اپنے استاد کی اعانت کی اور اعانت تالیف سے مراد یہ نہیں ہے کہ پناہ بخدا وہ تحقیقات وحل مشکلات میں اپنے استاد کے شریک رہے ہوں بلکہ علامہ مجلسی کا طریقہ یہ تھا کہ مثلاً انہیں بارش برسنے، یا رعد و برق کے مسئلہ میں تحقیق کرنی ہے تو وہ کسی شاگرد سے کہتے تھے کہ تم بارش، رعد اور برق کے بارے میں جتنی بھی آیات ہیں وہ اکٹھی کر کے لکھو تو وہ شاگرد آیات کو اکٹھا کر لیا کرتا تھا اور نیچے سادہ کاغذ چھوڑ دیا کرتا تھا تا کہ آخوند ملا ان آیات کے نیچے اپنے بیانات اور تحقیقات رقم کر دیں۔اس طرح دوسرے شاگرد سے کہتے تھے کہ ان چیزوں کے متعلق جتنی بھی احادیث ہیں وہ جمع کرو اور لکھو اور ان کو میرے پاس لاؤ تو وہ ساری احادیث وہ شاگرد جمع کر لیتا تھا اور ان کے نیچے سادہ کاغذ چھوڑ دیتا تھا کہ اگر آخوند چاہیں تو نیچے اپنا بیان اور تحقیق لکھ دیں۔اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ کسی حدیث کے نیچے کچھ بھی نہ لکھتے کیونکہ وہ حدیث محتاج بیان نہیں ہوتی تھی (خود ہی واضح ہوتی ہے) اور اکثر یوں ہوتا تھا کہ آپ چلیپا(۱) کے انداز پر اس حدیث کے نیچے لکھ دیتے تھے اور اس طرح کافی سادہ کاغذ نیچے بچا رہتا تھا اور بحار الانوار کا اصل نسخہ اسی انداز پر ہے جن کا ذکر کیا گیا۔اور اعانت تالیف کا یہی مطلب ہے نہ کہ یہ سمجھا جائے کہ چھان بین اور تحقیقات میں کوئی معاونت کی ہو کیونکہ شاگرد بہر حال شاگرد تھے وہ تحقیق میں ان کے شریک کار کیسے ہو سکتے ہیں اور اس قسم کی اعانت بھی ان کی بعض تالیفات میں لی گئی ہے نہ کہ ساری کی ساری تالیفات میں اور بعض مقامات پر لی گئی ہے نہ کہ ہر مقام پر۔

آپ کی ہیبت وجلال کا عجب عالم تھا اور عقلاً بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو بھی خدا کی بندگی کرے اور خدا کا خوف دل میں رکھے تو تمام مخلوقات عالم اس سے خوف کھاتی ہیں اور اس کی ہیبت دل پر طاری ہو جاتی ہے۔ائمہ ھدیٰ کے حالات میں بھی احادیث میں ہمیں یہی ملتا ہے۔نعمت اللہ جزائری نے کتاب نعمانیہ میں لکھا ہے کہ میرے استاد علامہ مجلسی باوجود بے حد خوش خلق اور بامزاح ہونے کے اور ہم شب و روز ان کے ساتھ بیٹھتے اور اٹھتے اور ہنستے بولتے تھے اس کے باوجود جب بھی خدمت میں جانے کا شرف پانا چاہتے جیسے ہی دروازے میں قدم رکھتے کہ داخل ہوں ایسی ہیبت ہمارے دلوں پر طاری ہوتی تھی کہ جیسے ہمیں کسی بادشاہ کے دربار میں لیجایا جا رہا ہو کہ وہ ہمیں سزا دے اور ہمارے دل دھک دھک کرنے لگتے تھے۔

نعمت اللہ جزائری نے اپنی کتاب انوار نعمانیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر علامہ مجلسی کسی کو عاریتاً (ادھار) کتاب دیتے تو کہتے کہ پہلے یہ بتاؤ کہ

(۱) چلیپا جس کا معرب صلیب ہے۔بعض اوقات کچھ چیز لکھنے سے رہ گئی ہوں تو "+" اس طرح کا نشان ڈال کر اس کو لکھ دیا جاتا ہے۔چونکہ یہ نشان عیسائیوں کی صلیب سے مشابہ ہے لہٰذا اسے فارسی میں چلیپا کہا جاتا ہے۔(مترجم)

تمہارے پاس کھانا کھانے کے لئے دسترخوان ہے؟ اور یہ کہ تم کتاب پر کھانا رکھ کر نہیں کھاؤ گے۔ بے شک کتابوں کی حفاظت اور احترام [illegible] کہ کتاب کو دھوپ میں چھوڑ دیا جائے کہ اس کی جلد دھوپ میں خراب ہو جائے یا کتاب کے اوپر سرمہ دانی یا جوتی وغیرہ رکھ دی جائے یا اس پر روشنائی گر جائے۔ جیسے کہ آخوند ملا علی نوری بھی اسباب و ذرائع علم کا بہت احترام کرتے تھے حتیٰ کہ کاغذ کی کترنیاں جو قینچی سے کاٹنے کی وجہ سے گرتی ہیں چنتے تھے۔ ان کو بھی ایسی جگہ پھینکو کہ کسی کا پاؤں نہ پڑے اسی طرح قلم کے تراشوں کا اور ایسی تمام چیزوں کا احترام کرتے تھے۔

اس ناچیز مؤلف کتاب نے آداب تعلیم کے بارے میں ایک رسالہ فارسی زبان میں لکھا ہے یہ بڑی کارآمد کتاب ہے اور اس میں، میں نے تمام اچھی کتابوں کا جو طالبعلموں کے لئے ضروری ہیں ذکر کیا ہے اور طریقہ مطالعہ تدریس، درس لینے کا طریقہ، تالیف کا فائدہ، اور مذاکرہ و مدرس کے فوائد سب مفصل بیان کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ علامہ مجلسی عقلی علوم کا درس بھی دیا کرتے تھے ایک دن شاگردوں کو دھریوں کے مذہب کے بارے میں بتا رہے تھے اور دلیلیں دے رہے تھے تو ایک شاگرد کہنے لگا کہ یہی مذہب سچا ہے اور مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا ملا محمد باقر نے اصرار کیا کہ بیٹھو تا کہ تم استدلالی جواب سن سکو تو اس نے جواباً کہا مذہب حق یہی ہے اور اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اس کے بعد سے علامہ مجلسی نے درس کلام اور حکمت ختم کر دیا۔

یہ بھی سنا گیا ہے کہ آخوند ملا محمد تقی مجلسی نے یہ بات طے کر دی تھی کہ آخوند ملا محمد باقر کی والدہ انہیں کبھی حالت جنابت میں دودھ نہیں پلائیں گی۔

ہمارے علم میں یہ بات بھی رہنی چاہئے کہ پرانے وقتوں میں ائمہ معصومین کی احادیث متفرق ہوتی تھیں اور جمع نہیں تھیں۔ راوی جس معصوم سے جو مسئلہ بھی پوچھتے تھے اس کو سوال و جواب کی شکل میں لکھتے تھے مثلاً مجلس معصوم میں آج دو مسئلے پوچھے گئے ایک حیض کے متعلق اور دوسرا وضو کے تو یہ دونوں راوی سوال و جواب کی کیفیت اپنی کتاب میں لکھ لیتے تھے۔ اور اسی طرح سارے راوی کیا کرتے تھے۔ ابواب فقہ میں بھی کوئی ترتیب نہ پائی جاتی تھی۔ جیسے مسائل وضو یکجا ہوں یا مسائل طہارت علیحدہ لکھے ہوئے ہوں بلکہ سب کے سب گڈمڈ اور مخلوط ہوتے تھے۔ اور یہی کتابیں کتب اصول کہلاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم رجال میں اکثر یہ لکھا ملتا ہے کہ فلاں کے لئے فلاں کے اصل و اصول ایک اصل میں یا اس سے زیادہ اور عسکریین (۱) کے دور تک یہی رہا۔

حضرت سید سجادؑ کے زمانہ سے چھ ہزار اصل شیعہ راویوں کی روایتیں جو انہوں نے ائمہؑ سے لیں جمع ہوئیں۔ ان میں بعض اصول مفقود ہو گئیں اور بہت سی میں متعارض روایات (جو ایک دوسرے کے مخالف ہوں) موجود تھیں جو تقیہ کی وجہ سے بیان کی گئیں اور اختلاف کا سبب بنیں بلکہ اکثریوں بھی ہوتا تھا کہ ائمہ علیہم السلام خود مختلف اور متعارض احکام دیدیا کرتے تھے تا کہ شیعہ ایک مذہب کے لحاظ سے نہ پہچانے جائیں کہ لوگ ان کو پہچان کر ان کو اذیت نہ دے سکیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں کہ نحن اوقعنا الخلاف بین شیعتنا فانه ابقی لنا ولهم یعنی ہم نے اپنے شیعوں میں اختلاف واقع کیا تا کہ یہ اختلاف ہماری اور ان کی بقا کا سبب ہو۔ چنانچہ عسکریینؑ کے دور میں اور غیبت سے قریب کے زمانے میں بہت سی متعارض احادیث اکھٹی ہو گئیں چنانچہ علمائے امامیہ نے چھ ہزار یا چار ہزار اصول میں سے چار سو اصل پر اتفاق کیا اور یہ چار سو کتابیں معتمد و معتبر اصول پر مبنی قرار دی گئیں۔ اور یہ نظر معصومؑ میں پہنچائی گئی تھیں اور معصومؑ نے ان کی تصحیح کی اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا، جیسے یونس بن عبدالرحمٰن کی کتاب۔ یہ صاحبان اصل معتمد و معتبر لوگوں میں سے تھے جیسے زرارہ، محمد بن مسلم وغیرہ۔ اور یہ چار سو اصل بھی الگ الگ ابواب پر مشتمل نہیں تھیں بلکہ ان میں احکام فقہ ایک دوسرے میں گڈمڈ تھے اور ان میں اصول ترک کر دیئے گئے تھے۔ پھر یہ چار سو اصل ایک دوسرے سے آپس میں بہت اختلاف رکھتی تھیں اور ان میں بڑا ٹکراؤ موجود تھا اور متعارض احادیث میں عمل احادیث علاجیہ سے کیا جاتا تھا اور احادیث علاجیہ ان احادیث کو کہتے ہیں جو دو متعارض احادیث کی صحت معلوم کرنے کے لئے امام سے سوال ہوا اور آپ نے جو درست قرار دی اور یہ چالیس احادیث ہیں کہ اگر دو احادیث آپس میں ٹکرا رہی ہوں تو جو امامیہ کے موافق یا ان میں مشہور ہو اس پر عمل کیا جائے یا جو موافق

(۱) عسکریین: حضرت امام علی نقیؑ اور حضرت امام حسن عسکریؑ کو ملا کر عسکریینؑ کہتے ہیں۔ (مترجم)

کتاب ہے اور عامہ کے مخالف ہے وہ قبول کی جائے وغیرہ۔ چنانچہ محمد بن یعقوب کلینی نے جن کو ثقۃ الاسلام کا لقب حاصل ہے بیس سال کی کاوش کے بعد کتاب 'کافی' لکھی۔ انہوں نے اصول عقاید وفروع کو جمع کیا اور ان کو ابواب میں ترتیب دیا جیسے طہارت کے متعلق تمام احادیث ایک باب میں لکھیں اور اسی طرح دیگر احادیث کے ابواب قائم کیے۔ چنانچہ انہوں نے ذاتی سعی وکوشش سے جو احادیث معتبر سمجھیں ان کو چن لیا چاہے وہ اصول عقاید سے متعلق احادیث ہوں یا فروعات دینی سے متعلق اور سب کو الگ الگ باب بنا کر لکھا۔ آپ کا تعلق زمانہ غیبت صغریٰ سے تھا۔

پھر محمد بن علی بن بابویہ قمی اٹھ کھڑے ہوئے اور جو ان کے نزدیک قابل اعتماد واعتبار تھا انہوں نے وہ سب جمع کر کے کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے نام سے کتاب مرتب کی۔ اور آپ کا لقب صدوق ہے۔

ان کے بعد محمد بن حسن طوسی کا دور آیا۔ ان کو لوگ شیخ الطائفہ کے نام سے پکارتے ہیں اور جب کبھی لفظ شیخ اکیلا لکھا جائے اور اس سے مراد آپ ہی کی ذات گرامی ہوتی ہے۔ انہوں نے ان تمام احادیث کو اکٹھا کیا جو ان کے خیال میں معتبر تھیں اور ان کو کتابی شکل دی۔ ایک کتاب کا نام "تہذیب" جو ان کے استاد شیخ مفید کی 'شرح مقنعہ' کی شرح ہے اور دوسری کا نام 'استبصار' ہے۔ یہ تین محمد تھے جنہوں نے چار کتابیں لکھیں اور امامیہ میں یہ چار کتابیں نصف النہار کے سورج کی طرح تاباں ہیں اور بہت معتبر اور مشہور کتابیں ہیں ان کو "کتب اربعہ" کہتے ہیں اور ان کے مؤلفین کو اوایل کے تین محمد کہتے ہیں کیونکہ متاخرین میں بھی تین محمد ہوئے ہیں انہوں نے بھی احادیث کی تین کتابیں لکھیں۔ ان میں سب سے پہلے محمد بن مرتضیٰ کاشانی جن کو کبھی فیض اور کبھی محسن کا لقب دیا جاتا ہے انہوں نے کتاب "وافی" لکھی اور یہ اصول وفروع کافی کی شرح ہے۔ اس میں کتب اربعہ کی احادیث کو بعض مقامات پر مختصر بیانات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرے محمد بن حسن بن حر عاملی ہیں جنہوں نے ۱۸ سال کے عرصہ میں کتاب وسائل لکھی اور اس میں کتب اربعہ سے فروع کے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں اور بعض احادیث دوسری کتابوں سے بھی لی گئی ہیں اور بعض مقامات پر اجمالی بیانات بھی لکھے گئے ہیں۔

تیسرے محمد باقر بن محمد تقی مجلسی ہیں جنہوں نے بحار الانوار لکھی اور ایسی کتاب خاصہ وعامہ میں سے کسی نے تالیف نہیں کی اور آپ بحار کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ خاصہ وعامہ میں سے مجھ سے پہلے کسی نے ایسا کام انجام نہیں دیا اور یقیناً وہ صحیح فرما رہے ہیں کیونکہ انہوں نے خاصہ کی تمام احادیث جو کتب اربعہ میں تھیں وہ بھی لیں اور دیگر کتب سے بھی شیعہ احادیث جمع کیں بلکہ مشہور ہے کہ انہوں نے اصول رواۃ سے دوسو اصل حاصل کیں اور ان کی معتبر احادیث کو نہ صرف ذکر کیا بلکہ ان پر تفصیلی بیانات بھی لکھے بلکہ اکثر مواقع پر عامہ کی احادیث بھی ذکر کی ہیں اور ہر باب میں عنوان کے متعلق جو آیات قرآنی ان پر دلیل بنتی تھیں وہ بھی اکٹھی کیں اور ان کی تفسیر بھی کی۔ اور موقع کی مناسبت سے حکماء کے طرز فکر کو بھی پیش کیا۔ پھر سب پر جرح وتعدیل بھی کی۔ اقوال بھی نقل کیے اور سب پر استدلال اور حقیقی تحقیق بھی کی اور یہ بزرگوار صاحب وسائل سے تجازی تھے یعنی سب نے اپنے اگلے آنیوالے کو اجازہ دیا ہوا تھا اور علم درایت میں اسے تجازی کہتے ہیں۔ صاحب وسائل نے کتاب کے آخر میں جب مشائخ اجازہ کا ذکر کیا تو کہا کہ مجھے آخوند ملا محمد باقر نے اجازہ دیا اور وہ مجھے اجازہ دینے والوں میں سے آخری ہیں اور انہوں نے مجھے اجازہ عطا کیا ہوا ہے یعنی ان کے درمیان تجازی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے اجازہ یافتہ ہیں۔

آخوند ملا محمد باقر مجلسی کی تالیفات میں ایک کتاب 'مراۃ العقول در شرح اخبار آل رسولؐ' ہے اور یہ اصول 'کافی' پر آغاز سے لیکر کتاب دعا کی نصف تک شرح ہے۔ اور کتاب 'ملاذ الاخیار' یہ کتاب 'تہذیب الاخبار' کی کتاب صوم (روزہ) کی شرح ہے۔ کتاب 'شرح چہل حدیث'۔ کتاب 'فوائد الطریفہ' 'صحیفہ کاملہ سجادیہ' کی شرح ہے لیکن نامکمل ہے۔ بلکہ صرف چوتھی دعا کی تشریح تک اس میں لکھی گئی ہے۔ اور ایک مختصر سا رسالہ اعتقادات میں کہ مکلف کو عقاید کے بارے میں کن چیزوں پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے اور اس رسالہ کو انہوں نے صرف ایک رات کی مدت میں تحریر کر دیا تھا۔ ایک رسالہ اذان کے بارے میں اور ایک رسالہ نماز میں شک کے بارے میں اور ایک رسالہ مختلف مسائل کے جوابات پر مشتمل جسے ہندیہ بھی کہتے ہیں اور ایک رسالہ شرعی اوزان

کے بارے میں اور کتاب 'حیات القلوب' تین جلدوں میں۔ پہلی جلد انبیاء علیہم السلام کے تاریخی حالات کے بارے میں ہے اس میں تمام انبیاء سوائے ہمارے پیغمبرؐ کے حالات درج ہیں۔ دوسری جلد پیغمبر خاتم النبیینؐ کے بارے میں ولادت سے لے کر غزوات اور وصال کے حالات اور بعض بڑے بڑے صحابہ کرام کے حالات کے بارے میں۔ اور تیسری جلد امامت کے بارے میں لیکن یہ جلد مکمل نہیں ہے۔ اور کتاب 'تحفۃ الزائر' اور 'جلاء العیون' مصائب سید الشہداء کے سلسلہ میں، کتاب 'عین الحیٰوۃ' وعظ و ترک دنیا کے بارے میں، 'مشکوٰۃ الانوار' یہ 'عین الحیٰوۃ' سے چھوٹی کتاب ہے۔ کتاب 'حلیۃ المتقین' آداب و سنن کے بارے میں۔ کتاب 'مقیاس المصباح' روزمرہ نماز کی تعقیبات کے سلسلہ میں، کتاب 'ربیع' اور 'زاد المعاد' سال بھر کے اعمال کے بارے میں اس میں زکوٰۃ و کفارات وغیرہ کا مختصر بیان بھی ہے اور اس ناچیز مؤلف کتاب نے اس پر حواشی لکھے ہیں۔ اور علامہ مجلسی سے جو سہو ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسی کتاب کے خاتمہ پر جو انہوں نے حائضہ سے جماع کے بارے میں لکھا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ حائضہ سے شروع کے دنوں میں جماع کا کفارہ ایک دینار، وسط میں نصف دینار اور آخری دنوں میں ایک تہائی دینار ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ آخری دنوں کا کفارہ ۴/۱ دینار ہے نہ کہ ۳/۱ دینار اور یہ سہو قلمی ہے اور اس کتاب کی اغلاط میں سے ایک اور غلطی جاگنے والی راتوں کے اعمال میں یہ کی ہے کہ قرآن کو سر پر رکھیں اور پھر کہیں اللھم بحق ھذٰ القرآن الخ جبکہ کھلی احادیث اس بارے میں موجود ہیں کہ قرآن کو چہرہ کے سامنے رکھے نہ کہ سر پر۔ اور حدیث کی عبارت بھی بہت واضح ہے۔

قصاص و دیات میں رسالہ اور نماز میں مسائل شک پر رسالہ اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ حیات القلوب سے لیکر آخر تک کی کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔ رسالہ نوافل یومیہ کے اوقات کے بارے میں، کتاب 'رجعت'، امیر المؤمنینؑ نے مالک اشتر کو جو خط لکھا اس کے ترجمہ کی کتاب، کتاب 'اختیارات ایام'، کتاب 'جنت و نار'، کتاب 'جنائز'، کتاب 'اعمال حج و عمرہ'، حج پر مختصر سی کتاب، استخارہ کے بارے میں 'مفاتیح الغیب'، کتاب 'مال النواصب الغواصب'، کتاب 'الکفارات'، کتاب 'الزکوٰۃ'، کتاب 'صلوٰۃ اللیل' (تہجد)، کتاب 'آداب الصلوٰۃ'، رسالہ السابقون السابقون کی تحقیق میں اور صفات الذات اور صفات الفعل کے فرق کے بارے میں، رسالہ بداء کی تحقیق میں، رسالہ جبر و اختیار کے بارے میں، کتاب نکاح کے بارے میں، کتاب 'فرحۃ الغری'، کتاب ترجمہ زیارت جامعہ' و ترجمہ دعائے کمیل'، ترجمہ 'دعائے مباہلہ'، ترجمہ 'دعاء سمات'، و ترجمہ 'دعاء جوشن صغیر'، ترجمہ 'حدیث عبداللہ بن جندب'، ترجمہ 'حدیث رجاء بن ضحاک'، ترجمہ 'قصیدۂ دعبل'، اس حدیث کے ترجمہ میں ستۃ اشیاء لیس للعباد فیھا صنع و رسالہ 'در تذکرہ نجف و کربلا'، اور وہاں سے واپسی پر متفرق مسائل کے جواب میں رسالہ، رسالہ 'صواعق الیہود'، اصول دین میں کتاب 'حق الیقین' اور کتاب 'تذکرۃ الائمہ' لیکن آخوند ملا محمد صالح مازندرانی نے آپ کی تالیفات کو اکٹھا کیا تو اس تذکرہ کا نام نہیں لیا۔ اور کتاب بحار الانوار جو پچیس ۲۵ کتابوں پر مشتمل ہے (۱) کتاب علم و عقل (۲) کتاب توحید (۳) کتاب عدل و معاد (۴) کتاب احتجاجات و مناظرات و جوامع علوم (۵) کتاب قصص الانبیاءؑ (۶) کتاب ہمارے پیغمبرؐ اور آپؐ کے حالات (۷) کتاب امامت اس میں کل ائمہ علیہم السلام کے حالات ہیں (۸) کتاب فتن (فتنے) جو پیغمبرؐ کے بعد واقع ہوئے اور امیر المؤمنینؑ کے غزوات (۹) کتاب تاریخ الائمہ، امیر المؤمنینؑ اور آپؑ کے فضائل و حالات (۱۰) کتاب تاریخ فاطمہ و حسنین علیہم السلام، اور ان کے فضائل و معجزات (۱۱) کتاب تاریخ علی بن الحسینؑ، محمد بن علیؑ، جعفرؑ بن محمدؑ الصادقؑ، موسیٰ بن جعفر الکاظمؑ اور ان کے فضائل میں (۱۲) کتاب تاریخ علی بن موسیٰ الرضاؑ، محمد بن علی الجوادؑ، علی بن محمد الہادیؑ، حسن بن علی العسکریؑ اور ان کے حالات و معجزات (۱۳) کتاب الغیبہ اور حالات حضرت قائم عجل اللہ فرجہ، (۱۴) کتاب سماء العالم، اس میں عرش و کرسی، افلاک، عناصر، موالید، ملائکہ، جن و انس، وحوش و طیور اور دوسرے سارے حیوانات کے بارے میں لکھا ہے اور اس میں شکار، ذبیحہ اور طب کے ابواب بھی ہیں (۱۵) کتاب ایمان و کفر و مکارم اخلاق (۱۶) کتاب آداب و سنن (سنتیں) اور امر و نواہی، معاصی (گناہ) اور اس میں حدود کے بارے میں بھی ابواب ہیں (۱۷) کتاب روضہ، مواعظ، حکم (حکمت کی باتیں) و خطب (خطبات) (۱۸) کتاب طہارت و صلوٰۃ (۱۹) کتاب قرآن و دعا (۲۰) کتاب زکوٰۃ و صوم (روزہ) اور اس میں سال بھر کے اعمال ہیں (۲۱) کتاب حج (۲۲) کتاب عزاء (۲۳) کتاب عقود و ایقاعات (۲۴) کتاب احکام (۲۵) کتاب اجازات اور یہ بحار کی آخری کتاب ہے جو اسانید (سندوں) طرق (طریقوں) اور اجازات پر مبنی ہے اور صاحب لؤلؤ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ

بحار کی سولہ جلدیں تو مسودہ کی شکل میں ملیں اور نو جلدیں بغیر تصحیح و مسودہ کی شکل میں ملیں اور وہ کتابیں کتاب ایمان وکفر، مکارم اخلاق، کتاب آداب وسنن، کتاب روضہ، کتاب احکام، کتاب قران ودعا، کتاب زکوٰۃ وصوم، کتاب حج وکتاب عقود وایقاعات، کتاب احکام، کتاب اجازات، ہیں جو نہیں مل سکیں۔ اور یہ بات بعید نہیں ہے کیونکہ ہمیں بھی ان کتابوں کی اطلاع نہیں ملی، یہاں تک کہ شیخ یوسف کا کلام ہے جو انہوں نے لؤلؤ میں لکھا۔ لیکن اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کا نہ مل سکنا اس کے عدم وجود پر دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ بعض علماء کے پاس، بحار کی ساری جلدیں تھیں اور کتاب خانہ مجلسی جو اصفہان کے امام جمعہ کے طبقہ کے ہاتھوں میں ہے، موجود ہیں اور بعض فضلاء کہتے ہیں کہ کتاب اجازات مرحوم آقا سید محمد باقر حجۃ الاسلام کے پاس تھی۔ نیز بعض کہتے ہیں کہ کتاب عقود وایقاعات کو ہم نے دیکھا ہے۔

جناب آقا محمد باقر مجلسی بہت ظریف اور شوخ انسان تھے۔ جیسا کہ تذکرۃ الائمہؑ میں انہوں نے فرمایا کہ سنی کہتے ہیں کہ شیعوں کا کہنا ہے کہ ذوالفقار آسمان سے آئی ہے یہ جھوٹ ہے کیونکہ آسمان پر کوئی لوہا سازی کا کارخانہ نہیں ہے اور آخوند کہتا ہے کہ سنی یہ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کے لئے اونی جبہ آسمان سے آیا۔ تو آخوند ملا محمد باقر مجلسی یہ کہتا ہے کہ آخوند ملا علی قوشجی کی جان کی قسم اور آخوند ملا سعد الدین کی داڑھی کی قسم ہے کہ جس آسمان پر اون سازی کی دکان ہے وہیں ہتھیار سازی کی دکان ہو سکتی ہے۔

آخوند ملا محمد باقر مجلسی کی وفات ۱۱۱۱ء میں ہوئی اور ان کی تاریخ وفات 'حزن وغم' کے اعداد پر مبنی ہے۔ اور آپ نے کتاب بحار الانوار کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ عجیب بات یہ ہے کہ بعض علمائے حدیث نے یہ معلوم کیا ہے کہ میری تاریخ ولادت عدد جامع کتاب بحار الانوار کے مطابق ہے یہاں تک تو آنجناب کا کلام تھا۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۰۳۷ء میں ہوئی اور اس لحاظ سے آپ کی عمر تقریباً ۷۴ سال ہوئی اور آپ کو اپنے والد آخوند ملا محمد تقی مجلسی سے اجازہ ملا ہوا ہے اور اسی طرح شیخ عبداللہ بن شیخ جابر عاملی جو آخوند ملا محمد تقی کے پھوپی زاد ہیں سے اجازہ حاصل ہے۔ اور ملا محمد تقی مجلسی کے نانا درویش محمد بن شیخ حسن سے، محقق ثانی شیخ علی بن عبدالعالی کرکی سے اور یہ سند سب سے چھوٹی سند ہے۔ اور چونکہ اس کتاب کی وضع مشائخ اجازہ کے حالات کے بیان میں اور آخوند ملا محمد تقی مجلسی کا اجازہ اپنے فرزند دلبند آخوند ملا محمد باقر کے لئے بہت سے مشائخ اجازہ کے ذکر پر مشتمل ہے کہ جن میں سے بعض کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور بعض کا آئندہ آئے گا لیکن پھر بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ کا ذکر ہم نہ کر سکیں لہٰذا ہم یہاں اجازہ کی اصل عبارت تبرک وبرکت کے طور پر ذکر کر رہے ہیں۔

نقل اجازہ:

اللہ کی مدد کے ساتھ آغاز کر رہا ہوں جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

ساری تعریفیں جہانوں کے پالنے والے کیلئے ہیں اور درود وسلام ہو سردارِ انبیاءؑ ومرسلین پر اور ان کی پاکیزہ عترتؑ پر۔ پس اس کے بعد کہتا ہوں کہ مجھے اللہ کی رحمت سے پروان چڑھانے والوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔ ربِ غنی کی رحمت مجھے یعنی محمد تقی بن مجلسی عاملی نطنزی اصفہانی کو والدین کے گھر لے آئی۔ بلاشبہ وہ صاحبانِ دانش میں سے تھے اور ذی عقل لوگوں میں بلند حیثیت کے مالک تھے، علمائے گزشتہ کے خلف تھے۔ وہ معقول، منقول اور فروع واصول کے معاملے میں اتنے محتاط تھے کہ ان کے اعمال اشرف وافضل تھے اور وہ اچھے اخلاق کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ معرفتِ رسولؐ وائمہ معصومینؑ (اللہ کا ان سب پر درود ہو) رکھتے تھے۔ وہ احکام شریعت اور وظائف دینیہ کے علم کی وجہ سے ابدی سعادت اور سرمدی کمالات رکھتے تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کفالت انہیں کتاب اللہ اور احادیث سید المرسلینؐ اور ائمہ معصومینؑ (اللہ کا ان سب پر درود ہو) کے سبب حاصل ہوئی کیونکہ قران حکیم کی متشابہ آیات کو ان کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ (۱)

(۱) قران حکیم کی جن آیتوں کی جانب اشارہ ہے وہ متشابہ آیات ہیں کہ جن کے کئی کئی معنی نکلتے ہیں اور ترجمہ کرنے والے اپنے عقائد کے مطابق ترجمہ کرتا ہے۔ وہ آیتیں جن کے معنی یکساں ہوں ایسے الفاظ پر مبنی ہوتی ہیں کہ جن کے مفہوم میں فرق نہیں ہو سکتا محکم کہلاتی ہیں اور یہ متشابہ کی ضد ہے۔ (مترجم)

متشابہ آیات سمجھ میں آ ہی نہیں سکتیں جب تک ابوابِ مدینۃ العلم سے علم حاصل نہ کیا جائے جیسا کہ حدیث ثقلین میں مسلسل نبی [illegible] دونوں (قران واہل بیتؑ) ہرگز جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ تک نہ پہنچ جائیں۔

معزز فرزند جنہوں نے تقلید کی پستی سے استدلال کی بلندی تک ترقی کی یعنی جناب محمد باقر نے جو کچھ پڑھا وہ کتب فقہ وحدیث خاص [illegible] اربعہ یعنی وہ کتابیں جو ابوجعفر کی یکساں کنیت اور محمد ثلاثون (یعنی تینوں کے نام بھی محمد ہیں) جن کی کتابیں اصول کافی، من یحضرہ الفقیہ، تہذیب اور استبصار ہیں اللہ ان تینوں مولفین سے راضی ہو اور تفتیش وتدبر وتحقیق وتدقیق سے مجھ سے سنا اور پڑھا اس وقت موجودہ احادیث کی دیگر کتابوں سے جیسے قرب الاسناد حمیری سے، 'محاسن' برقی سے، 'بصائرِ صفار' سے اور 'عیونِ اخبار رضاؑ' سے، 'امالی'، 'علل الشرائع'، 'خصال'، 'توحید'، 'اصول' اور 'کمال الدین وتمام النعمہ' اور شیخ صدوق کی دیگر کتابوں سے جن کی صحت کے ساتھ مجھ سے التماس کی کہ میں انہیں اجازت دوں اس کی جس کی مجھے اجازت دی گئی ہے ان کی روایت کے بارے میں کتبِ تفاسیر، احادیث، فقہ، کلام، اصول اور قراءت، لغت، ادب اور جو میں نے لکھا اس کے علاوہ جو اسلام کے حوالے سے اہل تشیع اور ان کے غیروں کی تحریریں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مسخر کیا اور میں نے ان سے اجازت لی کہ میں ان سے روایت کروں گا متواتر سندوں سے ان کے ارباب سے جیسے ہم تک حدیث پہنچی شیخ اعظم بلکہ والدِ معظم شیخ الطائفۃ العظام اور علمائے اعلام کی تربیت کرنے والے زاہد، عالم، فیاض مولانا عبدالحسن تستری سے بھی انہوں نے نقل کیا شیخ اجل نعمت اللہ ابن خاتون عاملی شیخ الطائفہ سے اور ہمیں اجازت ملی مذہب کو رواج دینے والے جو خوشبو تھے ہمارے محقق علماء اور علم کی گہرائیوں میں جانے والے فضلاء کی یعنی نورالدین علی بن عبدالعالی کرکی سے، انہوں نے شیخ نعمت اللہ سے انہوں نے اپنے والد سے جو علمائے متاخرین میں سب سے بڑے عالم تھے احمد بن شیخ شمس الدین محمد خاتون عاملی اور ہمیں اجازت ملی شیخ نورالدین سے انہیں جمال الدین عینانی سے انہیں شیخ زین الدین جعفر بن حسام سے انہیں سید اجل حسن بن ایوب سے انہیں شیخ العلماء الفضلاء السعید الشہید محمد بن مکی عاملی سے اللہ ان سب سے راضی ہو اور جو ہم تک پہنچا بذریعہ شیخ اعظم بلکہ والدِ معظم، علمائے زمان کے استاد اور فضلائے اعیان کے مربی، فقہاء کے علامہ شیخ الاسلام والمسلمین، ملت وحق، حقیقت ودین کا سرمایہ محمد بن شیخ الاجل الاعظم حسین بن عبدالصمد حارثی، ہمدانی، عاملی سے انہوں نے اجازت لی اپنے والد سے انہوں نے ہمارے محقق علماء کے استاد اور باریکیوں میں جانے والے فضلاء میں سب سے کامل، ملت وحق وحقیقت ودین کی زینت ابوعلی بن احمد عاملی سے انہوں نے شیخ جلیل نورالدین علی بن عبدالعالی میسی سے۔ اور ہم سے بیان کیا اور روایت کی علمائے عظام اور عظیم المرتبت فضلاء کی ایک جماعت نے جس میں شامل ہیں شیخ بہاء الدین عاملی اور علامہ فہامہ قاضی معزالدین محمد اور شیخ یونس الجزائری انہوں نے روایت کی شیخ الاجل الاعظم العلامۃ الفہامہ عبدالعالی سے انہوں نے اپنے والد نورالدین بن عبدالعالی کرکی سے۔ اسی طرح ہمیں خبر دی فضلاء کے جم غفیر نے جن میں ہیں استاد الفضلاء قاضی ابوشرور اور ان کے چچا شیخ الاجل عبداللہ بن شیخ الاعظم جابر عاملی اور میرے ماموں مولانا کہ انہوں نے روایت کی میرے دادا شیخ الطائفہ سے مولانا درویش محمد کے شرف (وعظمت) والے زمانے میں جو بیٹے ہیں شیخ زاہد، عالم، فیاض، اعلیٰ کرامات کے مالک حسن النطنزی اصفہانی کے۔ اور اسی طرح ہم سے روایت کی اور اجازت دی شیخ الاعظم جابر عاملی نے اور ان دونوں حضرات نے شیخ نورالدین بن عبدالعالی کرکی سے جن کی دلیلوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر بخشی ہے۔ اور جو بچپن میں مجھے اجازت دی شیخ الاعظم ابوالبرکات الواعظ نے تو انہوں نے شیخ نورالدین سے اجازت لی۔

اور اجازت ہمیں دی سید الاجل الاعظم، العابد الزاہد العلامۃ الامیر شرف الدین علی شولستانی نے، انہیں سید الاجل الامیر الاعظم محمد سے جو فرزند ہیں شیخ الاجل الاعظم حسن بن شیخ الطائفہ، ملت وحق وحقیقت ودین سب کی زینت کے، انہیں اجازت ملی شیخ اعظم حسن عاملی سے انہیں شیخ الاسلام والمسلمین حسین بن عبدالصمد سے اور اسی طرح ہمیں اجازت ملی سید الاجل سے انہیں بیت اللہ المبارک کے مجاور الفاضل العالم الزاہد میرزا محمد استرآبادی سے انہیں شیخ الاجل ابراہیم سے انہیں اپنے والد شیخ نورالدین علی بن عبدالعالی سے۔ اللہ ان کی ارواح کو پاکیزہ کرے۔

اسی طرح ہمیں اجازت ملی شیخ الاجل جابر بن عباس نجفی اور ایک جماعت سے اور انہیں شیخ عبدالنبی الجزائری سے انہیں محقق، مدقق سید محمد بن

سیدعلی سے۔

اسی طرح ہمیں اجازت ملی ایک بڑی جماعت سے جن میں ہیں سیدالاجل عبدالکریم عاملی ہیں انہیں اجازت ملی سید محمد بن سید علی سے انہیں اپنے والد شہید ثانی سے۔

اور ہمیں اجازت ملی سید محمد بن علی اور المولی الاجل الاعظم الزاہد اور ہمارے نیکوکار مولانا عبدالرحمٰن سے انہیں مولانا احمد اردبیلی سے انہیں اپنے اساتذہ سے انہیں شہید ثانی سے، انہیں شیخ نورالدین علی بن عبدالعالی میسی سے۔

اور ہمیں خبر دی اور اجازت دی شیخ الاجل محمد تبینی نے انہیں ہمارے اساتذہ میں سے چالیس نے انہیں چالیس نے شیخ طائفہ تک بلکہ وہ تینوں مشائخ جو گزشتہ سطروں میں تحریر میں آچکے ہیں ان کے اجازت کے ساتھ وہ تمام احادیث جو کتب اربعہ میں ہیں بلکہ اکثر وہ کتب احادیث جو اسلاف سے نسبت رکھتی ہیں اور جن کا ہم نے تبرکاً تذکرہ کیا نیز شیخ نورالدین کرکی سے۔

اور انہیں اجازت دی شیخ نورالدین علی بن ہلال جزائری نے، عارفین وزاہدین کا جمال شیخ الاعظم احمد بن فہد حلی نے، انہیں شیخ الاجل زین الدین علی بن خازن حائری نے، انہیں ہمارے تحقیق کرنے والے علماء کے استاد اور باریکیوں میں جانے والے ہمارے فضلاء میں سب سے زیادہ فاضل الشہید السعید محمد بن مکی عاملی نے۔ اللہ ان سب کی ارواح کو پاکیزگی عطا فرمائے۔

اور ہمیں اجازت ملی اسی طرح شیخ حسن سے انہیں سید نورالدین علی بن سید حسن اور شیخ حسین اور سید نورالدین فخرالدین ہاشمی اور شیخ احمد بن سلیمان اور ان کے اساتذہ میں سے دیگر سے، انہیں شہید ثانی سے انہیں شیخ نورالدین علی میسی سے انہیں اپنے چچازاد شہید اول شیخ شمس الدین محمد بن داؤد سے جو ابن مؤذن جزینی کے نام سے مشہور ہیں، انہیں دو عظیم المرتبت استادوں ابوطالب محمد اور ضیاالدین علی نجلی شہید سے، انہیں محمد بن مکی سے۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔

اسی طرح ہمیں اجازت ملی ابن المؤذن سے، انہیں سید علی بن دقماق سے، انہیں شیخ شمس الدین محمد بن شجاع قطان سے، انہیں شیخ ابوعبداللہ مقداد بن عبداللہ سیوری سے، انہیں شہید سے۔

اس کے علاوہ ابن مؤذن کو اجازت ملی شیخ عزالدین سے جو ابن عشرہ کے نام سے معروف ہیں انہیں شیخ شمس الدین محمد بن نجدہ سے جو ابن عبدالعالی کے نام سے مشہور ہیں، انہیں شہید سے۔

اس کے علاوہ ابن مؤذن کو اجازت ملی شیخ ابوالقاسم علی ابن طے سے، انہیں شیخ شمس الدین عریضی سے، انہیں سید حسن بن ایوب سے، انہیں اعرج سے انہیں شہید سے، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ انہوں نے فضلائے اخیار اور علمائے ابرار کے گروہ کثیر سے جن میں ہیں شیخ الاعظم فخرالمحققین ابوطالب محمد بن علامہ اور سید المحققین، ملت ودین کے سردار عبدالمطلب بن اعرج اور سید اعظم الاجل علامہ تاج الدین ابوعبداللہ محمد بن قاسم بن معیہ حسینی الدیباجی اور سید الاجل الاعظم ابوطالب احمد بن محمد بن حسن بن زہرۃ حلبی اور سید کبیر الفاضل نجم الدین مہنا بن سنان مدنی اور شیخ محقق علامہ، علماء وفضلاء کے بادشاہ مولانا قطب الدین محمد بن محمد رازی (المطالع والشمسیہ کے شارح)۔ اور شیخ العالم الادیب رضی الدین ابوالحسن علی بن احمد ابن یحییٰ (جو مزیدی کے نام سے معروف ہیں) اور شیخ فاضل ابوالحسن علی بن طراد مطار آبادی۔ انہیں اجازہ ملا شیخ الاجل الاعظم، عالمین میں اللہ کی نشانی، ملت، حق، حقیقت اور دین کا جمال علمائے محققین کے علامہ، علامہ حسن بن شیخ سدیدالدین یوسف بن مطہر حلی سے۔

اور اسی طرح ہمیں اجازت ملی شیخ نورالدین علی بن عبدالعالی میسی سے، انہیں شیخ شمس الدین محمد بن احمد ضیھونی سے، انہیں شیخ جمال الدین احمد سے، جو ابن حاج علی کے نام سے معروف ہیں، انہیں شیخ زین الدین جعفر بن حسام سے، انہیں سید حسن بن ایوب سے انہیں دو فقیہ سیدوں ضیاالدین عبداللہ اور عمید الدین عبدالمطلب سے، جو دونوں اعرج کے فرزند ہیں، اور شیخ فخرالدین محمد سے، انہیں علامہ سے اور نجلی شہید سے جو اجازہ ملا تو انہیں اجازہ ملا تاج

الدین سے اور انہیں اجازہ ملا علامہ سے۔

اسی طرح ہمیں اجازت ملی ابن موذن سے، انہیں ابن عشرہ سے، انہیں ابن فہد سے، انہیں شیخ عبدالحمید نیلی سے، انہیں دو سیدوں عبداللہ وعبدالمطلب اور شیخ فخر الدین سے، انہیں علامہ سے۔

اسی طرح ہمیں اجازہ ملا صہونی سے، انہیں ابن عشرہ سے انہیں شیخ نظام الدین علی بن عبدالحمید نیلی سے، انہیں شیخ فخر الدین سے، انہیں علامہ سے۔

اسی طرح ہمیں اجازہ ملا ابن موذن سے، انہیں علی بن طے سے، انہیں شیخ محمد بن عبداللہ فریصی سے، انہیں بدرالدین حسن بن نجم الدین سے، انہیں ابن سید فخر المحققین سے، انہیں علامہ سے۔

اور شہید وغیرہ سے جو اجازہ ملا تو انہیں اجازہ ملا سید تاج الدین بن معیہ سے انہیں ہمارے علماء کے بڑے گروہ سے جس میں شامل ہیں علامہ اور ان کے بیٹے شیخ فخر الدین اور ان کے بیٹے کے بیٹے شیخ ظہیر الدین محمد بن حسن بن مطہر۔ اور ظہیر الدین نے روایت کی ہے سید سے، انہی حوالوں سے اور ان میں ہیں عالم ربانی عمید الدین عبدالمطلب بن اعرج حسینی اور سید جلیل کمال الدین یوسف بن ناصر حماد حسینی اور سید السعید جلال الدین جعفر بن علی حسینی اور سید اجل علم الدین مرتضیٰ علی بن عبدالحمید بن فخار موسوی اور سید الاعظم رضی الدین ابوالقاسم علی بن سید الاعظم غیاث الدین عبدالکریم طاؤس حسنی اور ان کے والد سید اجل ابوجعفر القاسم بن حسن بن معیہ اور سید السعید صفی الدین محمد موسوی اور سید جلیل کمال الدین رضی حسن بن محمد الآوی حسینی اور سید کبیر ناصر الدین عبدالمطلب بن بادشاہ حسینی خزری اور سید العظیم فخر الدین احمد بن علی بن عرفہ حسینی اور سید الاعظم دین کے بزرگ ابوالفوارس محمد بن علی اور سید اجل ضیاالدین عبداللہ بن سید السعید مجد الدین ابوالفوارس محمد بن علی اور سید اجل ضیاالدین بمعہ اللہ بن سید السعید مجد الدین ابوالفوآرس محمد بن اعرج حسینی اور سید فقیہ عزالدین ابوالفتح ابن دہان حسینی اور شیخ جلیل صفی الدین محمد بن سعید نجم الدین ابوالقاسم حملات اور قاضی سعید تاج الدین ابوعلی محمد بن محفوظ بن وشاح اور عادل وامانت دار جلال الدین محمد بن سعید شمس الدین محمد بن احمد کوفی اور شیخ الامین زین الدین جعفر بن علی بن یوسف بن عروہ حلی اور شیخ سعید عیب سے پاک دین والے محمود بن یحییٰ بن محمود بن سالم شیبانی حلی اور شیخ زاہد کمال الدین علی بن حسین بن حماد واسطی اور شیخ العالم شمس الدین محمد بن غزالی منصری کوفی اور شیخ علامہ نصیر الدین علی بن محمد قاشی اور شیخ فقیہ فاضل رضی الدین علی بن احمد مرندی اور شیخ سعید جمال الدین احمد بن محمد حداد اور شیخ فاضل شمس الدین محمد بن علی بن غنی اور فقیہ سعید قوام الدین محمد بن فقیہ رضی الدین علی بن مطہر اور شیخ الاجل علی بن طراد، انہوں نے اجازہ لیا فقہ، ادب، نحو اور عروض کے ماہر شیخ تقی الدین حسن بن داؤد حلی صاحب کتاب 'الرجال' سے۔

اور جو اجازہ علامہ سے ملا ہے اور فخر المحققین کے بعض بیٹوں سے تو انہیں اجازہ، ملا ان کے والد سدید الدین یوسف اور رئیس المحققین ابوالقاسم جعفر بن سعید حلی اور شیخ نجیب الدین یحییٰ بن سعید اور سلطان العلماء والحکماء خواجہ نصیر الملت والحق والحقیقت والدین اور دو سیدوں، دو قابل بھروسہ زاہدوں، دو زاہدوں یعنی رضی الدین ابوالقاسم علی اور جمال الدین ابوالفضائل احمد بن موسیٰ بن جعفر طاؤس حسینی اور شیخ مفید الدین محمد بن جہیم اسدی ان سب سے اور انہیں اجازہ ملا سید الاعظم الاعلم المرتضیٰ ادیبوں، مخلصین اور فقہاء کے امام شمس الدین ابوعلی فخار بن معد موسوی اور شیخ اجل الفقیہ نجیب الدین ابوابراہیم محمد بن جعفر بن ابوالبقاء ہبۃ اللہ بن نما حلی سے، انہیں مشائخ عظام اور فضلائے کرام محمد بن ادریس حلی اور شیخ الاعظم ابوالفضل سدید الدین شاذان بن جبرئیل قمی اور شیخ سعید رشید الدین ابوجعفر محمد بن شہر آشوب مازندرانی سے۔

اور جو اجازہ شیخ نجیب الدین یحییٰ بن سعید سے ملا ہے تو انہیں اجازہ ملا فقیہ سعید محی الدین ابوحامد محمد بن ابوالقاسم عبداللہ بن علی بن زہرہ سے، انہیں تیسرے مقدمے سے اور شیخ الاعظم ابوالحسین یحییٰ بن حسین بن بطریق اسدی سے، انہیں فقیہ عماد الدین ابوجعفر محمد بن ابوالقاسم طبری سے انہیں شیخ مفید (ثانی) ابوعلی حسن سے، انہیں ان کے والد شیخ الطائفہ سے اور ان کے رئیس محمد بن حسن طوسی سے۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔

اور اسی طرح اجازہ ملاتقی الدین داؤد سے انہیں محقق اور سید جمال الدین احمد بن طاؤس اور ان کے بیٹے سید غیاث الدین عبدالکریم سے۔

اسی طرح اجازہ ملاشیخ کمال الدین علی بن حسین بن حماد واسطی سے انہیں غیاث الدین سے انہیں خواجہ نصیر الملت والدین طوسی سے۔

اور فخر الدین مطہر سے، جو اجازہ ملا تو انہیں اجازت دی ان کے چچا رضی الدین علی بن یوسف بن مطہر نے۔

اور اسی طرح اجازہ ملا سید عبیدالدین سے انہیں اپنے والد سید مجد الدین ابوالفوارس اور اپنے ماموں شیخ رضی الدین بن مطہر سے۔ انہیں اپنے والد شیخ سدید الدین یوسف اور محقق سے۔

اور شیخ رضی الدین علی مرندی نے روایت کی ہے شیخ محمد بن صالح سے انہوں نے محقق سے۔

اور شیخ کمال الدین حماد نے روایت کی ہے شیخ نجیب الدین، یحییٰ بن سعید اور نجم الدین جعفر بن محمد بن جعفر بن ہبۃ اللہ بن نما اور شیخ العلامہ کمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی اور شیخ شمس الدین محفوظ بن وشاح اور شیخ الفقیہ شمس الدین محمد بن صالح القسینی سے ان کی کتابوں اور روایات کی ساتھ۔

اسی طرح شہید سے اجازت دی گئی اور شیخ جلال الدین محمد بن محمد کوفی سے انہیں محقق سے۔

اور شیخ نجیب الدین یحییٰ بن سعید سے اور یہ معمر بزرگ تھے۔ اور اسی طرح شہید نے روایت کی مرندی سے، انہوں نے شیخ شمس الدین محمد بن صالح نے اجازت پائی سید فخار سے، انہیں شاذان سے، انہیں دوربستی سے، انہیں اپنے والد، انہیں ہمارے شیخ مفید سے اور یہی اعلیٰ راستہ ہے۔

اور محمد بن صالح نے ذکر کیا کہ یقیناً انہوں نے روایت کی سید فخار اور شیخ نجیب الدین بن نما اور ایک جماعت سے جس میں ہیں سید فقیہ معظم، زاہد رضی الدین محمد بن الاوی اور شیخ فقیہ شمس الدین علی بن ثابت بن عضدہ سوراوی سے اور سید رضی الدین علی بن موسیٰ بن طاؤس اور ان کے والد احمد بن صالح۔ انہوں نے روایت لی ہے دو فقیہوں یعنی راشد بن ابراہیم بن اسحٰق بحرانی اور قوام الدین محمد بن محمد بحرانی سے اور شیخ فقیہ علی بن فرج سوراوی سے اپنی اسناد سے جو شیخ ابو جعفر طوسی تک منتہی ہیں۔ جیسا کہ کہا کہ مجھ سے روایت کی ابوالبرکات صنعانی نے انہوں نے عربی بن مسافر فقیہ سے انہوں نے سید اعظم جمال الدین احمد بن طاؤس سے۔

اور اسی طرح ہم سے روایت کی شہید نے انہوں نے سید اجل شمس الدین محمد بن ابوالمعالی سے، انہوں نے شیخ کمال الدین علی بن حماد واسطی سے، انہوں نے شیخ نجم الدین جعفر بن نما سے، انہوں نے اپنے والد شیخ نجیب الدین محمد بن نما سے، انہوں نے شیخ ابوعبداللہ محمد بن جعفر شہیدی حائری سے۔

اور روایت کی گئی ہے شیخین العالمین ابن ابی الفرج علی بن شیخ قطب الدین ابوحسین راوندی اور ابوالحسن علی بن یحییٰ بن علی خیاط سے انہوں نے محمد بن ادریس اور ابن الطریق والعالم المقوی ابوعبداللہ محمد بن ہارون اور شیخ فقیہ عبداللہ بن حمزہ طوسی اور شیخ مقوی جعفر بن محمد بن محمد بن شفر الجاصمی اور قطب الدین اور سید اعظم ضیاالدین فضل اللہ علی بن راوندی حسینی اور شیخ اجل جمال الدین ابوالفتوح الخزاعی الرازی المفسر اور شیخ اعظم السعید سدید الدین محمد بن علی حمصی اور شیخ اجل اعظم علامہ امین الدین ابوعلی فضل بن حسن طبرسی سے ان کی تمام کتابوں سے۔

اور جو روایت پہنچی ہے محمد بن جعفر مشہدی سے تو انہیں اجازت دی ہے شیخ الزاہد ابوالحسین ورام بن ابی فراس نے اپنے معروف کتابوں سے۔

اور اسی طرح اجازت دی گئی ہے محمد بن جعفر سے، انہیں ابن طریق سے ان تمام کتابوں اور روایتوں کے ساتھ۔

اور اسی طرح اجازت دی گئی ہے محمد بن جعفر کو انہیں محمد بن ہارون سے ان کی کتابوں اور روایتوں کے ساتھ۔

اور اسی طرح اجازت ملی ہے شیخ الفقیہ ابوعبداللہ حسین بن احمد بن لاہ سے۔

اور اجازت ملی ہے اجل شرف شاہ بن محمد بن زیاد اور شیخ ابوالفضل شاذان بن جبرئیل سے انہیں شریف محمد سے جو الشریف الجمل البحری کے نام سے مشہور ہیں، انہوں نے بصری سے اور کتاب المفید فی التکلیف سے۔

اوراسی طرح اجازت ملی شیخ یحییٰ بن سعید سے انہیں سید یحییٰ الدین بن زہرہ سے انہیں اپنے چچا سید اجل عز الدین ابوالمکارم حمزہ بن علی بن زہرہ سے۔

اوراسی طرح اجازت ملی ہے سید محی الدین سے، انہیں اپنے والد سے، انہیں اپنے چچا سے اسی طرح پڑھنے اور سننے سے ان کی تصانیف اور ان کے والد کی تصانیف سے۔

اوراسی طرح اجازت ملی ہے شیخ سدید شاذان اور محمد بن ادریس سے، انہیں سید ابوالمکارم حمزہ بن زہرہ الحسینی سے ان کی تصانیف کے ساتھ۔

اوراسی طرح اجازت ملی ہے علامہ سے انہیں اپنے والد سے انہیں شیخ سدید الدین سالم بن محفوظ بن عزیزۃ سوراوی سے ان تمام بیان کردہ روایات کے ساتھ۔انہیں دین کے مشائخ سے جن میں ہیں نجیب الدین بن بذ کی استر آبادی نیز فقیہ یاسر بن ہشام حائری کی تصانیف سے۔اور اجازت ملی ہے ان کے والد سے انہیں شیخ مہذب الدین محمد بن یحییٰ بن کرم سے ان کی تمام تصانیف اور روایات کے ساتھ۔

اوراسی طرح اجازت ملی ان کے والد سے انہیں شیخ علی بن ثابت بن عصیدہ سوراوی سے اور دین کے مشائخ کی تمام روایتوں کے ساتھ جو ہیں نجیب الدین بن بذ کی استر آبادی اور فقیہ یاسر بن ہشام حائری اور عماد طبری اور محمد بن طحال مقدادی حائری۔

اور علامہ سے جو روایت ملی تو انہیں ان کے والد سے ملی انہیں شیخ مہذب الدین بن بردہ سے، انہیں علامہ نصیر الدین عبداللہ بن حمزہ طوسی سے ان کی تصانیف اور روایات کے ساتھ۔

نیز علامہ کو روایت کی اجازت ملی شیخ اجل علی بن سلیمان بحرانی سے ان کی تصانیف اور روایات کے ساتھ۔

اوراسی طرح روایت ملی دو سیدوں کے والد طاؤس اور شیخ سدید الدین بن مطہر سے، انہیں سید صفی الدین سے، انہیں شیخ سعید الفقیہ برہان الدین محمد بن علی ہمدانی قزوینی سے جو رے آگئے تھے۔انہیں شیخ الاعظم الحافظ منتجب الدین ابوالحسن علی بن عبداللہ بن حسن مدعو حسکا بن حسین بن حسین علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی سے ان کی تمام روایات کے ساتھ جو ان کی فہرست پر مشتمل ہیں جن کو ہمارے بعد علماء نے شامل کیا شیخ ابوجعفر طوسی رحمۃ اللہ اور ان کے معاصرین سے۔

اسی طرح اجازت ملی شہید سے، انہیں سید تاج الدین سے، انہیں سید رضی الدین سے، انہیں اپنے والد سید غیاث الدین سے، انہیں خواجہ نصیر الدین محمد سے انہیں شیخ برہان الدین سے انہیں شیخ منتجب الدین سے۔

اور علامہ کے اجازہ کا ایک سلسلہ ان کے والد سے ہے کہ انہیں اجازت ملی سید احمد بن یوسف عریضی علوی سے، انہیں شیخ برہان الدین سے، انہیں شیخ منتجب الدین سے اللہ ان سب سے راضی ہو۔

اوراسی طرح اجازت ملی شیخ برہان الدین سے، انہیں شیخ الاعظم علامہ امین الدین ابوعلی الفضل الحسن بن طبرسی اور شیخ سدید الدین الحمصی اور سید اجل فضل اللہ بن علی راوندی سے ان کی تمام تصانیف اور روایات کے ساتھ۔

اور علامہ نے چار سابقہ فضلاء سے روایت لی ہے اور ان فضلاء نے سید صفی الدین سے، انہوں نے شیخ نصیر الدین راشد بن ابراہیم بن اسحٰق بحرانی سے، انہوں نے سید فضل اللہ ابوعلی طبرسی سے ان کی تمام کتابوں کے ساتھ جن میں مجمع البیان اور جوامع الجامع (وغیرہ) ہیں۔

اوراسی طرح اجازت ملی ہے علامہ سے انہیں ان کے والد سید فخار سے انہیں ابن بطریق اور شیخ الاعظم الاجل حاکم علم و حکمت میں یکتا رؤسا کے سردار ھبۃ اللہ بن حامد بن احمد بن ایوب سے ان دونوں کی تمام کتابوں اور روایتوں کے ساتھ جن میں شامل ہے صحیفۂ کاملہ۔

اور شہید سے جو اجازہ ملا تو انہیں اجازہ ملا مرندی سے، انہیں محمد بن صالح سے، انہیں سید فخار سے، انہیں رؤسا کے سردار سے، انہیں سید اجل سے ان کی اسناد کے ساتھ جن کا سلسلہ جاتا ہے سید الساجدین صلوات اللہ علیہ تک۔

اور علامہ سے اجازہ کا ایک سلسلہ یہ ہے کہ انہیں اجازہ ملا ان کے والد سے انہیں شیخ مہذب الدین بن بردہ سے انہیں عاصی احمد بن علی بن عبدالجبار طوسی سے انہیں شیخ فقیہ ابوالحسین قطب الدین راوندی سے ان تمام تصانیف اور روایات اور اجازوں کے ساتھ۔

انہوں نے اجازہ لیا مہذب الدین بردہ سے انہوں نے اجازہ لیا حسین بن فضل بن حسن طبرسی سے انہوں نے اپنے والد سے ان کی روایات اور تصانیف کے ساتھ۔

اسی طرح اجازت ملی ہے سید جمال الدین احمد بن طاؤس سے انہیں شیخ سعید سدید الدین ابن علی بن حسین بن خشوم سے تمام اصحاب سابقین کی کتابوں اور روایتوں اور اجازوں اور تصانیف کے ساتھ۔

اور ان کے والد سے جو اجازہ ملا تو انہیں سید صفی الدین محمد بن محمد موسوی سے اجازہ ملا انہیں شیخ ابن حسن بن یحییٰ خیاط سے، انہیں شیخ محمد بن ادریس حلی اور شیخ شمس الدین یحییٰ بن بطریق اور شیخ نصیر الدین عبداللہ بن حمزہ بن حسن طوسی سے ان کی تمام روایات کے ساتھ۔

اور خیاط کا سلسلہ یہ ہے کہ انہیں اجازت ملی شیخ معری محمد بن ہارون بن کیال سے ان کی تمام روایتوں کے ساتھ۔

اور اسی طرح اجازت ملی سید سے انہیں شاذان سے انہیں فقیہ عبداللہ بن عمر طرابلسی سے انہیں قاضی عبدالعزیز بن ابو کامل سے انہیں شیخ طوسی اور سید مرتضیٰ سے انہیں شیخ الفقیہ ابوالفتح محمد بن عثمان بن علی کراجکی سے اللہ ان دونوں سے راضی ہو۔

اور اسی طرح اجازت ملی سید فخار سے انہیں شیخ شاذان سے انہیں عبداللہ بن عبدالواحد سے انہیں قاضی عبدالعزیز بن ابی کامل سے انہیں قاضی سعید الدین عبدالعزیز بن ابی کامل سے انہیں قاضی سعد الدین عبدالعزیز بن نحریر بن براج سے ان کی کتابوں اور روایات کے ساتھ۔ انہیں دو باعظمت سیدوں مرتضیٰ اور رضی الدین سے ان دونوں کتابوں اور روایتوں کے ساتھ۔

اور اسی طرح روایت کرنے کی اجازت ملی شیخ شاذان سے انہیں قاضی ابوالفتح علی بن جبار طوسی سے انہیں سید ابوتراب بن داعی سے انہیں شیخ ابویعلی سلار بن عبدالعزیز دیلمی سے ان کی تمام تصانیف اور روایتوں کے ساتھ انہیں دونوں سیدوں اور شیخ مفید سے۔

اور اسی طرح اجازہ ملا شیخ محمد بن صالح سے انہیں سید اعظم رضی الدین محمد بن محمد الادی حسینی سے انہیں اپنے والد سے انہیں اپنے دادا سے انہیں زید سے انہیں اپنے والد کے دادا سے جو فقیہ تھے انہیں شیخ ابوصلاح اور قاضی عبدالعزیز بن براج اور شیخ سلام سے۔

اور اسی طرح اجازہ ملا شہید سے انہیں سید شمس الدین محمد ابوالمعالی سے انہیں شیخ کمال الدین یحییٰ بن سعید سے انہیں محی الدین محمد بن عبداللہ بن زہرہ سے۔

اور شیخ سدید شاذان سے جو اجازہ ملا تو انہیں عبداللہ عمر سے اجازہ ملا انہیں قاضی عبدالعزیز سے انہیں ابوصلاح حلبی اور ابن براج سے۔

اور اسی طرح اجازہ ملا سید محی الدین بن زہرہ سے انہیں شریف الفقیہ عزالدین ابوالحارث محمد بن حسن علوی بغدادی سے انہیں شیخ الفقیہ قطب راوندی سے انہیں شیخ ابوجعفر محمد بن علی حسن حلبی سے انہیں قاضی ابوالقاسم عبدالعزیز نحریر براج سے ان کی تمام تصانیف اور روایات کے ساتھ۔

اور اسی طرح اجازہ ملا ملا محی الدین سے انہیں شاذان سے انہیں شیخ ابومحمد عبداللہ بن عبدالواحد اور شیخ عبداللہ بن عمر سے انہیں قاضی عبدالعزیز بن ابی کاط سے انہیں کراجکی سے جو کچھ انہوں نے لکھا اور روایت کیا کے ساتھ۔

اور اسی طرح شاذان سے جو اجازہ ملا تو انہیں شیخ الفقیہ ابوریحان بن عبداللہ حبشی سے اجازہ ملا انہیں قاضی سے اور انہیں کراجکی سے۔

اور اسی طرح اجازہ ملا سید محی الدین ابن ادریس سے انہیں عربی بن مسافر سے انہیں سید اجل سے صحیفہ کاملہ کے ساتھ۔

اور اسی طرح اجازہ ملا ابن مسافر عبادی سے انہیں شیخ یاسر ہشام حائری سے انہیں شیخ مفید (ثانی) ابوعلی حسین بن محمد بن حسن سے انہیں اپنے والد شیخ طائفہ سے۔

اوراسی طرح اجازہ ملا شیخ ابی یعلی سلار بن عبدالعزیز سے۔
اوراسی طرح اجازہ ملا شیخ کمال الدین علی بن حماد سے انہیں شیخ نجم الدین جعفر بن نما سے انہیں ان کے والد سے انہیں شیخ ابوالفرج علی بن شیخ قطب الدین راوندی سے انہیں شیخ ابوجعفر حسینی سے انہیں ابن براج سے۔
اوراسی طرح ابوالفرج سے جواجازہ ملاتو انہیں اجازہ ملا اپنے والد سے انہیں سید اعظم ابوصمصام ذوالفقار بن سعید حسینی سے انہیں نجاشی اور طوسی اور سلار سے۔
اوراسی طرح شہید سے جواجازہ ملاتھا تو انہیں اجازہ ملا سید تاج الدین سے انہیں سید اعلم الدین مرتضیٰ علی بن سید جمال الدین عبدالحمید بن سید علامہ شمس الدین ابوعلی فخار بن معد موسوی سے انہیں اپنے والد سے انہیں اپنے دادا سے انہیں ابن ادریس سے انہیں شیخ جمال الدین حسن بن ھبۃ اللہ سوراوی سے ان کی تمام تصانیف کے ساتھ۔
اوراسی طرح اجازہ ملا (شیخ مفید ثانی) ابوعلی کو اپنے والد شیخ الطائفہ سے ان کی تمام تصانیف اور روایات کے ساتھ۔
اوراسی طرح جواجازہ ملا علامہ کو تو انہیں ان کے والد سید احمد بن یوسف عریضی سے انہیں برہان الدین سے انہیں سید فضل اللہ راوندی سے انہیں سید ابوالصمصام سے انہیں شیخ ابوالعباس احمد بن علی نجاشی سے ان کی رجال میں کتاب سے اور اسناد کے ساتھ جوانہوں نے لکھیں ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین تک۔
اوراسی طرح جواجازہ شہید سے ہے تو انہیں اجازہ ملا شیخ فقیہ الصالح جلال الدین حسن بن احمد بن شیخ نجیب الدین محمد بن جعفر بن ہبۃ اللہ بن نما سے انہیں ان کے والد سے انہیں شیخ ابوعبداللہ الحسین بن طحال مقدادی سے انہیں شیخ ابوعلی سے انہیں شیخ الطائفہ سے۔
اسی طرح شہید سے اجازہ کا ایک سلسلہ ہے سید تاج الدین سے انہیں اجازہ ملا سید علی بن عبدالحمید بن فخار سے انہیں شاذان سے انہیں عماد طبری سے انہیں ابوعلی سے انہیں طوسی سے۔
اسی طرح شہید کا ایک اور سلسلہ ہے مرندی اور مطار آبادی سے انہیں ابن داؤد سے انہیں شیخ محقق نجم الدین جعفر بن حسن بن یحیٰ بن سعید سے، انہیں اپنے والد سے انہیں اپنے والد سے انہیں عربی بن مسافر سے انہیں الیاس سے انہیں ابوعلی سے انہیں اپنے والد شیخ الطائفہ سے۔
اورعلامہ کا ایک سلسلہ یوں ہے کہ انہیں اجازہ ملا اپنے والد سے انہیں شیخ یحیٰ بن فرج سوراوی الفقیہ حسین بن ہبۃ اللہ سے انہیں اپنے والد سے۔
نیز علامہ کو اجازہ ملا اپنے والد سے انہیں سید احمد عریضی سے انہیں برہان الدین سے انہیں سید فضل اللہ سے انہیں سید ذوالفقار سے انہیں شیخ ابوجعفر سے۔اسی طرح انہوں نے ابن طاؤس سے روایت کی انہوں نے ابن زہرہ سے انہوں نے ابن بطریق سے انہوں نے عماد طبری سے اور ابوعلی سے انہیں اپنے والد سے۔اوراسی طرح انہوں نے اپنے والدانہوں نے فقیہ علی بن فرج سے انہوں نے حسین بن رطبہ سے انہوں نے اپنے والد علی سے انہوں نے اپنے والد سے۔اوراسی طرح انہوں نے شیخ المفقیہ شمس الدین علی بن ثابت سے انہوں نے فقیہ عربی بن مسافر سے انہوں نے سید اجل اور حسین بن رطبہ سے انہوں نے ابوعلی سے انہوں نے اپنے والد شیخ طائفہ سے۔اسی طرح انہوں نے محمد بن ابوالبرکات صنعانی سے انہوں نے عربی بن مسافر سے دونوں نے ان سے انہوں نے اپنے والد سے اجازہ لیا۔
اورانہیں اجازہ ملا سید فقیہ رضی الدین محمد الاوی سے تو انہیں اجازہ ملا اپنے والد محمد سے انہیں اپنے دادا زید سے انہیں اپنے والد کے دادا داعی سے انہیں شیخ ابوجعفر طوسی سے اور سید غیاث الدین سے انہیں اپنے والد سے۔
اوراسی طرح انہیں جواجازہ ملا ابن زہرہ سے تو انہیں اجازہ ملا شیخ رشید الدین محمد بن علی بن شہر آشوب سے انہیں اپنے دادا سے انہیں طوسی سے۔
اسی طرح جواجازہ سید غیاث الدین سلطان الحکماء خواجہ نصیر الملت والدین محمد بن محمد بن حسن طوسی سے ملا تو انہیں اجازہ ملا اپنے والد سے انہیں

فضل اللہ راوندی سے انہیں سید ذوالفقار سے انہیں شیخ طائفہ سے۔

اور اسی طرح علامہ اور ان کے والد سے جو اجازہ ملا تو انہیں اجازہ ملا سید علی بن طاؤس سے انہیں شیخ حسین بن احمد سوراوی سے انہیں عماد طبری سے انہیں ابوعلی سے انہیں اپنے والد سے۔ علامہ اور ان کے والد کا ایک سلسلہ یہ ہے کہ انہیں اجازہ ملا سید علی بن طاؤس سے انہیں شیخ علی بن حیاط سے انہیں عربی بن مسافر سے انہیں عماد سے انہیں ابوعلی سے انہیں اپنے والد سے۔

اسی طرح اجازہ ملا کمال الدین سے جو حماد کی اولاد میں سے تھے انہیں سید غیاث الدین اور محمد بن صالح سے انہیں سید رضی الدین علی بن طاؤس سے انہیں حسین بن احمد سے انہیں عماد سے انہیں ابوعلی سے انہیں اپنے والد سے۔

اور علامہ کے اجازہ کا ایک سلسلہ یہ ہے کہ انہیں اجازہ ملا اپنے والد سے انہیں سعید بن عبدالقاہر اصفہانی سے انہیں ابوالفرج علی بن قطب الدین راوندی سے انہیں محمد بن حلبی سے انہیں شیخ طائفہ سے۔

اور اسی طرح سید محی الدین زہرہ سے جو اجازہ ملا تو انہیں اجازہ ملا ابن بطریق سے انہیں طبری سے انہیں ابوعلی سے انہیں اپنے والد سے۔

اسی طرح شیخ نجیب الدین یحییٰ بن سعید سے جو اجازہ ملا تو انہیں اجازہ ملا سید محی الدین زہرہ سے انہیں شیخ رشید الدین بن شہر آشوب سے انہیں سید ابوالفضل داعی سے انہیں علی حسینی اور سید ابورضا فضل اللہ بن علی حسینی اور عبدالجلیل بن عیسیٰ اور ابوالفتوح احمد بن علی رازی سے اور محمد اور علی سے جو دو بیٹے تھے عبدالصمد نیشاپوری کے اور محمد بن حسن سوہانی الفقیہ الصالح الثقہ اور ابوعلی طبرسی سے اور دیگر لوگوں سے انہوں نے شیخ ابوعلی اور عبدالجبار معری سے انہوں شیخ طائفہ سے۔

اسی طرح سید محی الدین سے، جو اجازہ ملا تو انہیں اجازہ ملا شریف فقیہ سے، انہیں عز الدین ابوحارث محمد بن حسن بن علی حسینی سے، انہیں قطب الدین الفقیہ سے، انہیں محمد بن علی محسن حسینی سے اور انہیں شیخ طائفہ سے۔

اسی طرح جو روایت ملی ہے سید محی الدین سے تو انہیں اجازہ ملا ہے شاذان سے انہیں طبری اور ابوغالب عبدالقاہر بن حمویہ قمی اور طبری سے انہیں ابی علی اور ابن حمویہ سے انہیں فقیہ حسکہ بن بابویہ قمی سے انہیں شیخ طائفہ اور شیخ نجم الدین بن نما سے انہیں اپنے والد سے انہیں محمد بن جعفر مشہدی سے انہیں دو عظیم المرتبت شیخوں یعنی حسین بن ہبۃ اللہ بن رطبہ اور ابوالبقاء ہبۃ اللہ بن نما سے انہیں ابن علی سے انہیں اپنے والد سے۔

اسی طرح شیخ ابوالفرج سے جو سلسلہ روایت ہے تو انہیں اجازہ ملا ان کے والد قطب الدین سے انہوں نے محمد بن محسن سے انہیں شیخ طائفہ سے ابوالفرج سے ایک سلسلہ روایت یہ ہے کہ انہیں اجازہ ملا سید ضیاء الدین فضل اللہ سے انہیں سید ذوالفقار سے انہیں شیخ طائفہ سے۔

اسی طرح جو اجازت ملی ابوالفرج سے تو انہیں اجازت ملی شیخ جمال الدین ابوالفتوح سے انہیں شیخ عبدالجبار سے، انہیں شیخ طائفہ سے۔

اسی طرح جو اجازت ملی ہے ابوالفرج سے تو انہیں اجازت ملی طبری سے انہیں ابوعلی سے انہیں اپنے والد شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی سے اللہ ان سب سے راضی ہو۔

اسی طرح علامہ کا ایک سلسلہ یہ ہے کہ انہیں اجازہ ملا ان کے والد اور محقق اور ابن طاؤس کے دو سیدوں فرزندوں سے انہیں سید فخار سے انہیں شاذان سے انہیں شیخ ابوعبداللہ جعفر بن محمد دوربستی سے انہیں مفید (ثانی) شیخ الفضلا محمد بن محمد بن نعمان سے، اور دوربستی سے انہیں اپنے والد سے انہیں صدوق ابن بابویہ قمی سے، شیخ نجم الدین نما سے انہیں اپنے والد سے انہیں ابوالفرج سے انہیں سید صفی الدین مرتضیٰ بن داعی حسینی سے انہیں شیخ ابوعبداللہ جعفر بن عباس دوربستی سے انہیں اپنے والد سے انہیں صدوق سے۔ اور اسی طرح ان کو ان کے والد سے انہیں دو عظیم المرتبت سیدوں ناصح الدین ابوجعفر محمد اور سعید امین الدین ابوالقاسم مرزبان بن حسین بن محمد دوربستی سے انہیں صدوق سے۔

اور اسی طرح سید محی الدین بن زہرہ سے اجازہ ملا تو انہیں عربی بن مسافر سے انہیں الیاس بن ہشام سے انہیں سید موفق ابوطالب بن مہدی

سلیقی علوی سے انہیں شیخ الطائفہ سے۔

اور اسی طرح سید ابو یعلی جعفری اور شیخ ابو جعفر دوریستی سے جو اجازہ ملا تو انہیں اجازہ ملا شیخ صدوق سے۔

اور اسی طرح سید محی الدین بن زہرہ سے جو اجازہ ملا تو انہیں اجازہ ملا ابوالمکارم حمزہ بن زہرہ سے انہیں شیخ المللین ابو منصور محمد بن حسن بن منصور نقاش موصلی سے انہیں ابوالوفا موصلی حسینی المحمدی سے انہیں ہمارے استاد صدوق محمد بن بابویہ سے اور یہ اعلیٰ اسناد ہیں۔

اور اسی طرح سید محی الدین سے انہیں شیخ بن ادریس سے انہیں شیخ عربی بن مسافر سے انہیں رئیس رؤساکے سردار ابن حباء سے انہیں قاضی بن احمد بن علی بن قدامہ سے انہیں شیخ ابوعبداللہ مفید محمد بن محمد بن نعمان سے۔

اور اسی طرح سید محی الدین سے اجازہ ملا انہیں سید عزالدین محمد بن حسن الحسینی سے انہیں فقیہ قطب الدین سے انہیں سید ابوالصمصام سے انہیں مفید سے ان کی کتابوں اور روایتوں کے ساتھ۔

اور اسی طرح شیخ نجم الدین سے جو اجازہ ملا انہیں ان کے والد سے انہیں محمد جعفر مشہدی سے انہیں نعاس موصلی سے انہیں سید ابوالوفا محمدی سے انہیں مفید سے۔

اور اسی طرح جو اجازہ ان کے والد سے ملا تو انہیں اجازہ ملا علی بن یحییٰ خیاط سے انہیں ابن مسافر سے انہیں رؤسا کے سردار یحییٰ بن علی بن حبا سے انہیں قاضی احمد بن قدامہ سے انہیں شاذان سے انہیں احمد سے انہیں محمد موسوی سے انہیں ابن قدامہ سے انہیں دو عظیم المرتبت سیدوں مرتضیٰ اور رضی سے ان کی تمام تصانیف اور روایات کے ساتھ۔

اور اسی طرح جو اجازہ ملا سید غیاث الدین سے تو انہیں ملا خواجہ نصیر الدین محمد بن محمد سے انہیں اپنے والد سے انہیں سید فضل راوندی سے انہیں علی بن احمد مخلطی سے انہیں ابو عبداللہ بن غانم عصمی سے انہیں سید مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے۔

اسی طرح سید غیاث الدین کو اجازہ ملا قاضی عبداللہ بن محمود سے انہیں سید اعظم عارف ربانی کمال الدین حیدر بن محمد بن زید حسینی سے انہیں محمد بن علی بن شہر آشوب سے انہیں مجتبیٰ بن ابوزید سے انہیں اپنے والد سے انہیں سید رضی سے ان کی تمام کتابوں اور روایتوں کے ساتھ جن میں نہج البلاغہ بھی شامل ہے اور اسی طرح ابن شہر آشوب کی اسناد کے ساتھ جنہیں اجازہ ملا تھا سید ابوصمصام سے انہیں مفید اور دوسرداروں طوسی اور نجاشی سے انہوں نے اجازہ دیا سید اور ابوعبداللہ محمد بن علی حلوانی سے انہوں نے سید مرتضیٰ سے ان کی تمام تصانیف اور روایتوں کے ساتھ اور اسی طرح سید رضی سے ان کی کتابوں اور روایات کے ساتھ۔

اسی طرح سید محی الدین سے جو اجازہ ملا تو انہیں ملا سید عزالدین سے انہیں شیخ قطب الدین سے انہیں داعی کے دو عظیم المرتبت سید بیٹوں مرتضیٰ اور مجتبیٰ سے انہیں ابو جعفر دوریستی سے انہیں صدوق اور دو سیدوں رضی اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے۔

اور ابن نما کا اجازہ کا ایک سلسلہ مشہدی سے ہے انہیں اجازہ ملا مازندرانی سے انہیں مبتی سے انہیں اپنے والد سے انہیں ابوزید جرجانی سے انہیں سید رضی و مرتضیٰ سے۔

اسی طرح ابن نما کے اجازہ کا ایک سلسلہ ہے محمد بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر دوریستی سے انہیں اپنے دادا سے انہیں مرتضیٰ اور رضی اور صدوق سے۔

اسی طرح ابن نما کا ایک سلسلہ ہے خیاط سے انہیں سید شرف شاہ اغطی سے انہیں شیخ ابوالفتوح رازی سے انہیں قاضی فاضل حسن استر آبادی سے انہیں ابن قدامہ سے انہیں دونوں بزرگوار سیدوں سے۔

اور ابن نما کا ایک سلسلہ ہے شیخ ابوالفرج سے انہیں عبدالرحیم بن احمد افوہ بغدادی سے انہیں شیخ ابوغانم عصمی ہروی شیعی الامامی سے۔

اور ان دونوں (سیدوں) نے خیاط سے جو روایت کی ہے تو انہوں نے روایت کی شیخ علی بن ہروی کیال سے انہوں نے حسن بن علی بن عبدہ سے

انہوں نے ابوالسعادت احمد بن ماصوری عطاردی سے انہوں نے قدامہ سے۔

اور شیخ محمد صالح سے جو سلسلہ روایت ہے تو انہوں نے اجازہ لیا رضی الدین الاوی حسینی سے انہوں نے اپنے والد محمد سے انہوں نے اپنے والد کے دادا فقیہ داعی سے انہوں نے شیخ اور دونوں سیدوں سے۔

اور اسی طرح متواتر اسناد کے ساتھ محقق اور سدید الدین مطہر اور نجم الدین نما وغیرہ سے صحیفہ کاملہ کی سند سے انہوں نے سید فخار اور شیخ نجیب الدین بن نما سے انہوں نے شیخ محمد بن جعفر مشہدی سے انہوں نے سید بہاء الشرف بقیرء الشریف الاجل نظام الشرف ابوالعویصی سے پڑھ کر اپنے والد اور شیخ الفقیہ ہبۃ اللہ بن نما اور شیخ معمری جعفر بن ابوالفضل بن شعرہ اور شریف ابوالقاسم بن زکی علوی اور شریف ابوالفتح بن جعفریہ اور شیخ سالم بن قنا ردیہ سب سے۔

اور انہوں نے سید بہاء الشرف سے صحیفۂ کاملہ، زبور آل محمدؐ وانجیل اہل بیت دعائے کاملہ کے شروع میں لکھی ہوئی سند کے ذریعے۔

اور اسی طرح اجازہ ملا شیخ اجل نجیب الدین ابن نما سے انہیں خیاط سے انہیں شیخ عربی بن مسافر سے انہیں سید اجل سے۔ ایک دوسرا سلسلہ جو سید اجل تک جاتا ہے وہ یوں ہے کہ شہید نے اجازہ لیا مرندی سے انہوں نے شیخ جمال الدین محمد بن صالح اور دیگر فضلائے اخیار سے۔ انہوں نے سید فخار انہوں نے اجل اعظم رؤسا کے سردار ہبۃ اللہ بن حامد سے انہوں نے سید اجل سے۔

اسی طرح جو اجازہ ملا سید فخار سے تو انہیں اجازہ ملا شیخ اجل محمد بن ہارون سے جو ابن کمال کے نام سے معروف ہیں انہیں ابوطالب حمزہ بن شہریار سے انہیں سید اجل سے۔ اور اسی طرح سید فخار سے اجازہ ملا انہیں ابن ادریس سے انہیں ابوعلی سے انہیں اپنے والد سے۔

اور اسی طرح ابن ادریس سے اجازہ ملا انہیں عماد طبری سے اور الیاس بن ہشام حائری اور ابن رطبہ سوراوی اور دیگر سے انہیں سید ذوالفقار بن معد اور شیخ ابوعلی سے انہیں شیخ طائفہ سے اسی طرح ان کو اجازہ ملا ابن ادریس، ابن شہر آشوب اور شاذان سے اور انہیں عبدالجبار عمری اور ابوعلی سے اور انہیں شیخ طائفہ سے، اسی طرح متواتر اسناد کے ساتھ شیخ طائفہ سے انہیں شیخ ابوعبداللہ الحسین بن عبداللہ غضائری سے انہیں ابوالفضل سے۔

اسی طرح شہید سے جو اجازہ ملا ہے تو انہیں اجازہ ملا سید تاج الدین سے انہیں اپنے والد ابوجعفر قاسم سے انہیں اپنے ماموں تاج الدین ابوعبداللہ جعفر بن معیہ سے انہیں اپنے والد سید مجد الدین محمد بن حسن بن معیہ سے انہیں شیخ رشید الدین محمد بن علی بن شہر آشوب سے انہیں اپنے دادا سے انہیں شیخ طائفہ سے۔

سید تاج الدین سے اجازہ کا ایک سلسلہ یہ ہے کہ انہیں اجازہ ملا سید کمال الدین مرتضیٰ بن محمد بن محمد بن الاوی سے انہیں خواجہ نصیر الدین محمد بن محمد بن حسن طوسی سے انہیں اپنے والد سے انہیں سید ابورضا فضل اللہ حسینی سے انہیں سید ابوصمصام سے انہیں شیخ طائفہ سے کثیر اسناد کے ساتھ جو امام سید الساجدین علی بن حسین زین العابدین صلوات اللہ وسلامہ علیہما تک منتہی ہوتی ہے۔

نیز جو اجازے طاؤس کے دو سید بیٹوں کو ملے تو وہ ملے شیخ حسین بن احمد سوراوی سے انہیں عماد طبری سے انہیں ابوعلی سے انہیں شیخ طائفہ سے۔ اور ان دونوں کو اجازے ملے علی بن یحییٰ خیاط حلی سے انہیں عربی بن مسافر عبادی سے انہیں عماد طبری سے انہیں ابوعلی سے انہیں اپنے والد سے اور ان دونوں کو اجازے ملے شیخ فاضل اسعد بن عبدالقاہر اصفہانی سے انہیں شیخ ابوفرج راوندی سے انہیں شیخ ابوجعفر محمد بن محسن حلبی سے انہیں شیخ طائفہ محمد بن حسن طوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان کی کتابوں اور روایتوں کے ساتھ خاص کر 'تہذیب الاحکام' اور 'استبصار' نامی کتاب اور علمائے اخیار سے ان دونوں کی فہرستیں اخباری علماء کی جماعت کثیر سے جس میں ہیں شیخ الطائفہ اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں ان دونوں کے رئیس ابوعبداللہ محمد بن محمد بن نعمان مفید اور ابوعبداللہ حسین بن عبداللہ غضائری اور ابوالحسین جعفر بن حسن بن حسکہ اور ابوزکریا محمد بن سلیمان ہمدانی اور ان کے علاوہ دیگر لوگ ہیں جنہوں نے صدوق سے اجازہ لیا اور رئیس المحدثین محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی سے ان کی کتابوں اور روایتوں کے ساتھ خاص کر کتاب من لا یحضرہ الفقیہ۔ اور شیخ طائفہ سے جو اجازہ ہے وہ ایک بڑی جماعت سے جس میں ہیں مفید اور ابن غضائری اور احمد بن عبدون جنہوں نے اجازہ لیا شیخ صدوق ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ قمی سے۔ اور

ابوغالب احمد بن محمد رازی اور ابوعبداللہ احمد بن ابراہیم صمیری سے جو ابن ابی رافع کے نام سے معروف ہیں اور ابو ہارون بن موسیٰ تلعکبری اور ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن مطلب شیبانی سے اور ان سب کو اجازہ ملا ہمارے علمائے ربانین کے شیخ ثقۃ الاسلام اور رئیس المحدثین ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی سے ان کی کتابوں کے ساتھ خاص کر کتاب کافی جو پچاس کتابوں پر مشتمل ہے کہ اسلام میں مثبت سندوں کے ساتھ اس جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی کہ جس میں روایت کی گئی ہے ائمہ معصومین سے انہوں نے سید المرسلین اور اشرف الاولین والآخرین سے اور انہوں نے اللہ تبارک وتعالی رب العالمین سے روایت کی ہے۔ ان سب پر اللہ کا درود ہو۔ انہوں نے جبرئیلؑ سے روایت کی اور جبرئیلؑ نے اللہ سے۔ نیز جبرئیلؑ نے میکائیلؑ سے لیا انہوں نے اسرافیلؑ سے انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کے خالق سے۔ اور اسرافیلؑ نے لیا لوح سے اس نے قلم سے اس نے اللہ رب العالمین سے۔ پس تمام کتابیں جو ہمارے علماء نے لکھیں یا ردکیں وہ ان اسناد میں داخل ہیں سوائے چند کے۔ اور علامہ کی کتابوں کے بارے میں یہ کہ جو مروی ہے علامہ سے تو انہوں نے روایت کی اپنے والد سے انہوں نے سید صفی الدین معد موسوی سے انہوں نے شیخ نصیر الدین راشد بن ابراہیم بن اسحٰق بحرانی سے انہوں نے سید فضل اللہ راوندی سے انہوں نے شیخ ابوالمظفر عبدالواحد بن احمد بن محمد بن رشیدہ سکری سے اصبہان میں ان کے گھر میں جو محلہ شیمکان میں تھا انہوں نے سعد بن ابوسعید سے انہوں نے محمد بن عمر بن شبویہ سے انہوں نے محمد بن یوسف بن مطر سے انہوں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے ان کی صحیح سے روایت کی۔

اسی طرح روایت کی رضی الدین بن طاؤس نے شیخ تاج الدین حسن بن دربی سے انہوں نے رشید الدین بن شہر آشوب مازندرانی سے انہوں نے ابوعبداللہ محمد فرادی سے انہوں نے عبدالغفار نیشاپوری سے انہوں نے ابواحمد جلودی سے انہوں نے ابواسحٰق ابراہیم بن محمد سفیان فقیہ سے انہوں نے ابوالحسین مسلم بن حجاج سے ان کی صحیح سے روایت کی۔

اسی طرح علامہ کو اجازہ ملا اپنے والد سے انہیں شیخ علی بن محمد مندانی واسطی سے انہیں اپنے والد سے انہیں ہبۃ اللہ سے انہیں ابوعلی بن مذہب سے انہیں احمد بن جعفر بن ہمدانی قطیعی سے انہیں ابوعبدالرحمٰن سے انہیں اپنے والد احمد بن حنبل سے ان کی مسند کے ساتھ۔ اسی طرح انہیں اجازہ ملا اپنے والد سے انہیں علی بن محمد مندانی سے انہیں قاضی حسین بن ابراہیم فارقی سے انہیں احمد بن ثابت خطیب سے انہیں قاسم بن جعفر ہاشمی سے انہیں ابوعلی لولوئی سے انہیں ابن داؤد سجستانی سے ان کی مسند کے ساتھ۔

اسی طرح علامہ سے اجازہ ملا انہیں اپنے والد سے انہیں مندانی نے انہیں قاضی ابوطالب کتانی سے انہیں ابوطالب باقلانی سے انہیں عبدالغفار سے انہیں سے انہیں ابوصحاف سے انہیں ابوعلی اسدی سے انہیں احمد بن محمد نسائی سے انہیں محمد بن حسن شیبانی سے انہیں مالک بن انس اصحی سے ان کی موطاء کے ساتھ۔

اسی طرح شیخ ابوزکریا یحییٰ بن بطریق سے سلسلہ روایات ہے تو ان سے روایت کی شریف الخطیب ابویعلی حیدرۃ الہاشمی نے ان سے حمیدی نے جمع بین صحیحین مسلم کے ساتھ۔

اسی طرح بطریق کا ایک سلسلہ یہ ہے کہ انہوں نے پڑھا عبداللہ بن منصور باقلانی سے انہوں نے حسن بن زربی سے جمع بین صحاح الستۃ بخاری ومسلم وترمذی وسجستانی ومالک بن انس اور زرین عبدری کے ساتھ۔

اور سید فخار بن معد موسوی سے سلسلہ یوں ہے کہ انہوں نے پڑھا مندانی سے انہوں نے ابوالقاسم بن حسین سے انہوں نے قاضی ابوعبداللہ قصاع سے کتاب شہاب فی الحکم والادب من کلام سید المرسلینؐ کے ساتھ۔ اور ان کتابوں تک پہنچنے کے لاتعداد راستے ہیں۔

لیکن جو کتابیں پڑھیں ان کا اجازہ ہے شہید سے انہیں سید تاج الدین سے انہیں جمال الدین یوسف بن حماد سے انہیں سید رضی قتادہ سے انہیں عمر بن معن سے انہیں محمد بن عمر قرطبی سے انہیں علی بن محمد ماتقی سے انہیں عبداللہ بن سہیل سے انہیں شیخ ابوعمر ودانی سے سات قراتوں والی کتاب تیسیر کے ساتھ۔

اور اسی طرح شہید نے پڑھا شیخ جمال الدین احمد کوفی سے انہوں نے شیخ محمد مصری سے انہوں نے شیخ زین الدین بن علی مربعی سے انہوں نے شیخ عزالدین حسین بن قتادہ مدنی سے انہوں نے شیخ کمین الدین یوسف عبدالرزاق انصاری سے انہوں نے ناظم شلطبیہ سے جو حرزامانی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

اسی طرح سید فضل اللہ راوندی حسینی نے جو پڑھایا تو انہوں نے پڑھا ملا ابوالفتح ابن ابوالفضل اخشیدی سے انہوں نے ابوالحسن علی قاسم انہوں نے خیاط سے انہوں نے عمر بن ابراہیم کسائی سے انہوں نے شیخ جمال الدین احمد بن موسیٰ بن مجاہد سے قرأت سبع میں۔

شہید کا ایک اور سلسلہ یہ ہے کہ انہوں نے پڑھا سید تاج الدین سے انہوں نے شیخ جمال الدین بن یوسف بن حماد سے انہوں نے سید رضی الدین بن قتادہ سے انہوں نے ابوحفص تبریزی نے انہوں نے قاضی بہاء الدین سے انہوں نے ضیاء الدین یحییٰ بن سعدون قرطبی سے انہوں نے شیخ عبدالرحمن عساب بن مکی بن ابوطالب مقری سے ان کی کتاب 'خوض فی القرأة ورعایة فی التجوید' اور ان کی قرأت کی تمام کتابوں کے ساتھ۔

اور سید محی الدین بن زہرہ نے جو پڑھایا تو انہوں نے پڑھا اپنے والد عبداللہ بن زہرہ سے انہوں نے شیخ ابوعبداللہ الحسین بن عبدالاحد قسرینی سے انہوں نے حمزہ بن زہرہ سے ان کی کتاب 'تہذیب' کے ساتھ جس میں سات قرأتوں کا تذکرہ ہے۔

سید محی الدین کا ایک اور سلسلہ اس طرح ہے کہ انہوں نے پڑھا شیخ مقری علم الدین ابوالفتح علیمی سے انہوں نے شیخ علی بن برکات خلیفہ حداد سے انہوں نے خطیب الواحد بن علی سے انہوں نے شیخ ابوالحسن علی احمد مصری جو ابن البنا کا نام سے معروف ہیں ان کی کتاب 'تذکار فی قرأة السبع' کے ساتھ اور یعقوب سے دوسروں تک قرأت کی کتابوں میں ان کے علاوہ جن کا ذکر ہم نے کیا۔

اور جہاں تک لغت کی کتابوں کا تعلق ہے جنہیں علامہ سے لیا گیا تو انہیں نے لیا شیخ مہذب الدین حسین بن علی بن محمد بن حسین بن علی بن عبدالصمد تمیمی نیشاپوری سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ادیب ابومنصور بن قاسم لیلکی سے انہوں نے ابونصر اسمٰعیل بن حماد جوہری سے کتاب 'صحاح فی اللغة' کے ساتھ۔

اور اسی طرح جو سید فخار سے علاوہ وہ ابوالفتح محمد بن مندانی سے انہیں ابومنصور موہوب بن احمد بن جوالیقی سے انہیں خطیب ابوزکریا تبریزی سے انہیں محمد بن جوہری سے انہیں ابوبکر بن جراح سے انہیں ابن درید سے کتاب الجمہر علاوہ تمام تصانیف اور روایات اور احادیث کے ساتھ۔

سید فخار کا ایک اور سلسلہ یوں ہے کہ انہوں نے پڑھا ابوالفتح سے انہوں نے رئیس ابوعبداللہ الحسین بن محمد بن عبدالوہاب سے جو البارع کے نام سے جانے جاتے ہیں انہوں نے محمد بن احمد بن مسلم عدل سے انہوں نے ابوالقاسم اسمٰعیل بن سعد بن سلیمان بن سوید سے انہوں نے ابوبکر محمد بن قاسم بشار انباری سے انہوں نے اپنے بیٹے قاسم سے انہوں نے عبداللہ بن محمد رکی سے انہوں نے ابویوسف یعقوب بن اسحٰق سکیت تشیع کیلئے شہید ہونے والے سے ان کی کتاب 'اصلاح المنطق' کے ساتھ اور وہ ابوجعفر الجواد اور ابوالحسن الہادی صلوات اللہ علیہما کے خاص صحابہ میں سے تھے اور ان سے تغلب نے روایت کی ہے۔

اسی طرح سید فخار کا ایک سلسلہ یہ ہے کہ انہوں نے پڑھا ارکسا کے سردار ابومنصور ہبۃ اللہ بن ایوب سے انہوں نے ابن الغفار سے انہوں نے سعید الخیر سے انہوں نے محمد بن محمد مطری سے انہوں نے ابونعیم احمد بن عبداللہ حافظ اصبہانی سے جو شیعوں اور سنیوں میں مقبول تھے ان کی کتابوں کے ساتھ جن میں کتاب 'حلیة الاولیاء' بھی ہے انہوں نے محمد بن کیسان نحوی سے انہوں نے ابوالعباس تغلب احمد بن یحییٰ سے ان کی کتابوں اور روایات کے ساتھ جن میں کتاب الفصیح بھی شامل ہے۔

اسی طرح علامہ سے ایک سلسلہ یہ ہے کہ انہوں نے پڑھا اپنے والد سے انہوں نے شیخ مہذب الدین محمد بن یحییٰ بن کرم سے انہوں نے ابوالفرج جوزی سے انہوں نے ابن جوالیقی سے انہوں نے خطیب تبریزی سے انہوں نے سلمان بن ایوب رازی سے انہوں نے احمد بن فارس سے ان کی

کتابوں سے خاص کر 'مجمل اللغت' سے۔

اور اسی طرح جوان کے والد نے پڑھایا تو انہوں نے پڑھا سید فخار سے انہوں نے ابوالفرج ابن جوزی اور ابن جوالیقی سے انہوں نے خطیب تبریزی سے انہوں نے وزیر ابوالقاسم مقری سے، انہوں نے ابوعبداللہ بن محمد ہروی سے ان کی تمام کتابوں سے خاص کر 'غریبین' سے۔

اور اسی طرح سید فخار نے جو پڑھایا تو انہوں نے پڑھا رؤسا کے سردار سے انہوں نے ابن قصار سے انہوں نے محمد بن محمد سے انہوں نے مبارک بن عبدالجبار سے انہوں نے ابوالحسن محمد بن احمد بن عبدوس سے انہوں نے حسن بن عبدالغفار نحوی سے انہوں نے محمد بن سری سے انہوں نے حسین سکری سے انہوں نے ابواسحق زیادی سے انہوں نے ابوسعید عبدالمالک اصمعی سے ان کی کتابوں سے۔

اور اسی طرح علامہ نے جو پڑھایا تو انہوں نے پڑھا سید رضی الدین علی بن طاؤس سے انہوں نے شیخ تاج الدین حسن بن زربی سے انہوں نے ابوعبداللہ احمد بن شہریار خازن سے انہوں نے ابومحمد عبداللہ بن احمد خشاب نحوی لغوی مغربی سے ان کی کتابوں، روایات اور قرأتوں سے جو احادیث، تفاسیر، ادب وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

اسی طرح ان کے والد سے جو سلسلہ ہے تو انہوں نے پڑھا سید فخار سے انہوں نے ابن مندانی سے انہوں نے ابوجوالیقی سے انہوں نے خطیب تبریزی سے انہوں نے ابوالعلاء بن سلیمان معری سے ان کی کتابوں اور روایات سے۔

اسی طرح ان کے والد سے ایک سلسلہ یہ ہے کہ انہوں نے پڑھا شیخ بن کرم سے انہوں نے ابن جوزی سے انہوں ابن جوالیقی سے انہوں نے خطیب تبریزی سے انہوں نے ابوالعلاء معری اور ابوالقاسم عمر بن ثابت الثمانین اور ابوالحسن بن عبدالوارث سے ان سب کی کتابوں اور روایتوں کے ساتھ۔

اسی طرح ثمانین سے سلسلہ یوں ہے کہ انہوں نے پڑھا ابوالفتح بن جنی سے ان کی تمام کتابوں اور روایتوں سے خاص کر 'کتاب الخاصہ' سے۔

اور ابن جنی نے انہی اسناد کے ساتھ پڑھا شیخ اعظم امامی ابوعلی فارسی سے ان کی تمام کتابوں سے۔ اور اسی طرح ان سے اور ابوبکر سراج سے پڑھا ان کی تمام کتابوں سے اور اسی طرح ان سے اور زجاج سے پڑھا ان کی تمام کتابوں سے اور اسی طرح ان سے اور ابوعباس مبرد سے پڑھا ان کی تمام کتابوں سے۔

اور اسی طرح مازنی ابوعثمان سے پڑھا ان کی تمام کتابوں سے اور اسی طرح ان سے اور حریری سے پڑھا ان کی تمام تصانیف سے۔ اور اسی طرح ابوالحسن اخفش سے پڑھا ان کی تصانیف سے۔

اور اسی طرح ان سے اور سیبویہ سے پڑھا ان کی کتابوں خاص کر 'الکتاب له لفظ الکتاب اسم الکتاب سیبویه' سے۔

اور اسی طرح ان سے اور شیخ الاعظم خلیل بن احمد سے پڑھا ان کی کتابوں اور روایتوں سے۔

اور اسی طرح مندرجہ بالا اسناد متواترہ کے ساتھ صدوق محمد بن بابویہ نے خلیل امامی ثقۃ الفقہ سے ان کی کتابوں اور روایات سے جو شیعوں کے ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہیں۔ اسی طرح جو کچھ علامہ سے پڑھا گیا تو انہوں نے پڑھا نجم الدین کاتبی سے انہوں نے اثیر الدین مفضل عمیرا ابہری سے تمام روایات اور تصانیف کے ساتھ اور اسی طرح افضل خونجی سے۔

اسی طرح ان دونوں نے فخر الدین محمد بن خطیب رازی سے ان کی کتابوں اور روایات سے پس میں نے صاحب عزت فرزند کو (اللہ ان کی تائیدات اور توفیقات میں ہمیشہ اضافہ فرماتا رہے) یہ کتابیں اور دیگر وہ کتابیں دکھائیں (پڑھائیں) جن کا اختصار کے پیش نظر تذکرہ نہیں کیا۔ جو اسلام کے بارے میں تصنیف کی گئی تھیں خاص طور پر کتب تفاسیر و احادیث۔ اور عمل کیلئے روایت اور فتویٰ میں سے وہی لیا گیا جو احتیاط کا تقاضا تھا۔ اور فتویٰ اسی حدیث پر دیا گیا جو افضل ہوتا کہ (دین کی) راہوں میں کمی نہ آنے پائے۔ خاص کر آج کل عمل اسی طریقہ پر منحصر ہے جو واضح ہو جیسے نماز جمعہ امام زمانؑ کی غیبت میں

کہ میں اس میں محتاط ہوں نیز اس کے وجوب کے ساتھ جو میرے نزدیک یقین کی حد تک ہے لیکن (نماز کی رکعتوں میں) سورہ (کی تلاوت) کا واجب ہونا اور اس کا استحباب اور اسی طرح سلام اور قنوت تو وہ متشابہات کی مثالوں سے ظاہر ہے اور احتیاط اس میں ہے کہ انہیں ترک نہ کیا جائے اور میں اس کے واجب ہونے یا مستحب ہونے فتویٰ نہیں دیتا ہوں جس طرح کہ میرے عمل سے دیکھا جا سکتا ہے پھر میں اسے نصیحت کرتا ہوں اور اپنے گناہگار نفس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے تقویٰ کیلئے چلانے کیلئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وصیت اولین و آخرین کے لئے ہے اور اس کی نگہبانی پسند کرنا اور اس کیلئے علم اور عمل میں اخلاص (کو لازم جاننا) کیونکہ سب انسان ہلاک ہو جائیں گے مگر مخلصین اور مخلصین بھی عظیم خطرہ میں ہیں (مگر یہ کہ) اگر قرآن عظیم کے کچھ حصے کو روزانہ تدبر اور تفکر کے ساتھ پڑھیں اور مولانا امیر المومنینؑ کی وصیت کو ہر روز ملاحظہ کریں جو ان کے بیٹے ابو محمد الحسن، تمام اہل جنت کے سردار کیلئے تھی جو نہج البلاغہ میں مذکور ہے کہ اس پر عمل کریں اور دوسروں کو وصیت کریں اور باقی ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین تک ان وصیتوں کو پہنچائیں کہ ریاضات و مجاہدات کو ترک نہ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین** (سورۂ عنکبوت آیت ۶۹)" اور ہمارے (دین کے) بارے میں کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرور ان کو اپنا راستہ دکھلا دیں گے اور اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے" اور ان پر (واجب) ہے کہ تدبر کریں ان تک پہنچنے والی احادیث میں، خدا کے پسندیدہ اخلاق میں اور بیان کردہ اطوار میں اور بچائیں (خود کو بری باتوں سے) اور اسے چاہیئے کہ ہمیشہ دعوتِ (حق) دیتا رہے اور خدا سے خواہش کرے کہ اسے اپنے ان دوستوں میں قرار دے جن کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ وہ حزن کرتے ہیں۔ تو میں اس سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے زندگی میں یا موت کے بعد نہیں بھلائے گا خاص کر دعاؤں کی قبولیت کے مواقع پر اور تعقیباتِ نماز میں۔

محمد تقی بن مجلسی (اللہ ان دونوں کو معاف کرے) اس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں ہو کہ وہ محتاج ہے اپنے رب غنی کی رحمت کا ورنہ وہ ہلاک ہو جائے گا۔ **والحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی اشرف الانبیاء محمدؐ خاتم النبیین وعترتہ الطیبین الطاھرین۔**

آخوند ملا محمد صالح

آخوند ملا محمد صالح مازندرانی ابن احمد مشہور فاضل و کامل شخصیت تھے۔ ملا محمد تقی کے شاگرد تھے اور مجلسی کی صاحبزادی آپکی زوجہ تھیں۔ ابتدائی زندگی میں بہت فاقہ کش رہے۔ حتیٰ کہ اگر کچھ لکھنا چاہتے تو کاغذ بھی میسر نہ ہوتا۔ اور ہڈیوں اور لکڑیوں پر لکھا کرتے تھے۔ ملا محمد صالح کی فاقہ کشی کا یہ حال تھا کہ لباس اس قدر بوسیدہ ہو چکا تھا کہ آپ شرم کی وجہ سے مجلس درس میں شرکت نہ کر سکتے تھے بلکہ مدرسہ سے باہر ایک گوشہ میں بیٹھ جاتے اور آواز سنتے رہتے اور جب کچھ تحقیق کرنا چاہتے تو چنار کے درخت کے پتے پر لکھا کرتے تھے۔ اور لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کوئی فقیر ہے جو لوگوں سے امداد وصول کرنے کے لئے وہاں آ بیٹھتا ہے۔ ایک دفعہ کوئی مسئلہ استاد ملا محمد تقی کے لئے لاینحل اور مشکل بن گیا تو وہ انہوں نے اگلے روز کے لئے اٹھا رکھا۔ جب دوسرے دن بھی حل نہ ہوا تو تیسرے دن کے لئے چھوڑ دیا۔ اسی دوران میں ایک شخص نے جو درس میں حاضر ہونے جا رہا تھا دیکھا کہ ملا محمد صالح اپنی عبا کو اپنے گرد لپیٹے ہوئے ہیں چنار کے بہت سے پتوں پر انہوں نے کچھ لکھا ہوا ہے اور اپنے سامنے رکھا ہوا ہے۔ یہ شخص ان کے قریب آیا۔ چونکہ ملا محمد صالح کے پاس پاجامہ نہیں تھا اس لئے اس شخص کی کوئی تواضع نہ کی۔ تو اس شخص نے دو تین پتے چنار کے اٹھائے تو دیکھا کہ ان مشکلات کا حل ان پر لکھا ہوا ہے۔ تیسرے دن پھر لوگ مجلس درس میں اکٹھے ہوئے لیکن کسی کو ان مشکلات کا حل نہ ملا تھا۔ اس شخص نے اس تحقیق کو پیش کیا۔ ملا محمد تقی کو بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ بہر حال یہ تمہاری تحقیق نہیں ہے آخر کار اس شخص نے حقیقت بتائی اور ملا محمد صالح کا راز فاش ہو گیا۔ اب آخوند مجلسی نے جو نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ملا محمد صالح کو باہر بیٹھے پایا فوراً کسی کو بھیج کر ان کے لئے کپڑوں کا انتظام کیا اور اپنی مجلس میں طلب کیا اور ان اشکال کی تحقیق ان کے منہ سے سنی پھر ان کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔ حتیٰ کہ ملا محمد صالح کو کسی لڑکی سے انسیت ہو گئی۔ ایک دن اس لڑکی نے ملا محمد صالح سے ایک جوتی کی فرمائش کی۔ آخوند نے اس کی ناپ کی جوتی لے لی اور جوتی

کے ساتھ ہی مجلس درس میں چلے گئے۔ جب استاد درس دے رہے تھے تو ان کی نظر اس جوتی کے گوشہ پر پڑی۔ وہ سمجھ گئے کہ ملا محمد صالح شادی کرنا چاہتے ہیں۔ جب درس اختتام کو پہنچا تو انہوں نے ملا محمد صالح کو روک لیا جب سب چلے گئے تو ان کو گھر کے اندر لے گئے اور اپنی لڑکیاں ان کے سامنے پیش کیں کہ جو چاہو پسند کرلو۔ ملا نے ایک کو قبول کرلیا اور ملا محمد تقی نے فوری طور پر ان کا نکاح کردیا اور اپنے کتابخانہ میں ان کو ایک کمرہ دے دیا۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ طالبعلموں کو ہرگز فقر و فاقہ سے دل ملول نہیں ہونا چاہئے اور اس کو تحصیل علم کے راستہ میں رکاوٹ نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کو قدرت کاملہ حاصل ہے وہ فقیری کو مالداری سے بدل سکتا ہے بلکہ فقر تو علم کی زینت ہوتا ہے۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حافظہ کے بہت کمزور تھے حتیٰ کے ہر روز درس کے لئے استاد کے گھر جاتے لیکن پھر بھی اپنے استاد کے گھر کو نہ پہچانتے تھے اور گھر کے دروازہ کے اوپر لکھ دیا تھا کہ یہ استاد کا گھر ہے۔ کبھی منبر پر بیٹھتے کہ وعظ و نصیحت کریں گے اور ایک دفعہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر چپکے بیٹھ گئے۔ ایک دفعہ جب کافی دیر خاموش بیٹھے رہے تو ان کے بیٹے آقا ہادی جو منبر کے پاس نیچے بیٹھے ہوئے تھے نے والد سے عرض کی آپ والقرآن الحکیم بھول گئے آپ منبر سے نیچے آنا کیوں نہ بھول گئے آپ منبر سے اتر یئے تاکہ میں منبر پر بیٹھ کر موعظہ کروں۔ پھر ملا محمد صالح اتر آئے اور آقا محمد ہادی منبر پر بیٹھے اور انہوں نے وعظ و نصیحت فرمائی۔ القصہ اس قلت حافظہ کے باوجود ملا محمد صالح اپنے وقت کے بڑے فاضل اور کامل لوگوں میں سے تھے۔ چنانچہ حافظہ کی کمی کی وجہ سے طالبعلم کو مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمت کو بلند رکھنا چاہئے اور کوشش کو جاری رکھنا چاہئے۔ جیسا کہ ملا سعد تفتازانی نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تو مرتبہ پانے کے لئے کس کو نمونہ بنا رہا ہے۔ کہا: میں آپ کے مرتبہ کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہوں۔ ملا سعد نے کہا کہ پھر تو تم کچھ بھی نہ بن سکو گے کیونکہ میں نے تو مرتبۂ امام جعفر صادقؑ کو اپنے سامنے رکھا تو یہ مقام پایا۔ جب تو میرے مقام کو ہی نگاہ میں رکھ رہا ہے تو کچھ نہ بن سکے گا۔

کہتے ہیں کہ ایک لوہے کا چاقو بنانے والا شخص تھا۔ اس نے ایک سال کی محنت سے ایک بڑا خوبصورت چاقو بنایا اور بادشاہ کے پاس لے گیا۔ سلطان اس سے بات کرنے لگا کہ اتنے میں ایک ملا آ گیا بادشاہ اس سے محو کلام ہو گیا اور اس کاریگر کا اسے خیال بھی نہ رہا۔ جب کاریگر نے یہ حال دیکھا تو سمجھ گیا کہ علم ہر صنعت سے بہتر ہے۔ چنانچہ اس نے بھی اپنا کام چھوڑ دیا اور طلب علم کے لئے ایک استاد کے پاس گیا۔ استاد نے اس سے کہا میں ایک جملہ تجھے بتاتا ہوں۔ آج دن اور رات اس کو یاد کرتے رہنا اور صبح میرے پاس آنا اور اس کی عبارت یہ تھی۔ قال الشیخ ابو حنیفہ جلد الکلب یتطھر بالدباغ. اس کاریگر نے یہ جملہ دن رات میں تقریباً ہزار دفعہ دہرایا اور صبح کو جب استاد کے پاس پہنچا تو یہ عبارت یوں دہرائی۔ قال الکلب جلد الشیخ ابو حنیفہ یتطھر بالدباغ تو استاد ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تم تعلیم حاصل نہیں کر سکتے تو کاریگر نے طلب علم کا خیال چھوڑ دیا اور مایوس ہو گیا۔ وہ ایک سال تک گھومتا پھرتا رہا۔ تو ایک چشمہ کے پاس پہنچا جس کے اوپر کی طرف سے ایک ایک قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔ وہاں ایک پتھر پڑا تھا اس پر وہ قطرے مسلسل گر رہے تھے اور ان کی وجہ سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں سوراخ پیدا ہو گیا تھا۔ تو کاریگر نے اپنے دل میں کہا کہ پانی جیسی لطیف چیز نے پتھر جیسی سخت چیز میں مسلسل گرنے کی وجہ سے سوراخ کردیا تو میرا دل پتھر سے زیادہ تو سخت نہیں ہے۔ یہ سوچ کر اس نے پھر علم حاصل کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ بہت سے علوم سیکھ لیے اور فاضل اور مؤلف بن گیا۔ حالانکہ وہ اس وقت تک خاصہ سن رسیدہ ہو گیا تھا۔

غرض یہ کہ ملا محمد صالح ابن احمد مازندرانی بڑے علماء میں سے ہیں انہوں نے 'معالم الاصول' پر حاشیہ لکھا ہے اور شیخ بہائی کی 'زبدۃ الاصول' پر بھی ایک شرح لکھی ہے اور ان کی ساری کتابوں میں شرح زبدہ شیخ بہترین ہے اور کلینی کی کتاب 'کافی' کی بھی شرح لکھی اور بہت خوب لکھی۔

آقا محمد ہادی

آقا محمد ہادی، ملا صالح مازندرانی کے صاحبزادے ہیں جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ یہ بھی مشہور فضلاء میں سے ہیں اور ان کی کئی تالیفات ہیں

جیسے 'معالم پر فارسی شرح' اور 'شرح شمسیہ پر فارسی شرح'، اور 'صرف ابن حاجب کی شافیہ پر فارسی شرح'۔ اور قران کا ترجمہ شان نزول اور آیات قرآنیہ سے بدو نیک کے استخارہ کے ساتھ اور وہ قاضی بیضاوی (۱) کو قاضی سوداوی (۲) کہا کرتے تھے۔ اور ان کی لکھی ہوئی شان نزول لوگوں میں بہت مشہور ہے اور بڑی اچھی لکھی ہوئی ہے اور اس کی تحریر کا سبب یہ ہوا کہ آقا ہادی کو صرع کی بیماری تھی یا سکتہ کا مرض تھا۔ ایک دفعہ ایسا غش آیا کہ بڑا طول کھینچا۔ لوگ سمجھے کہ مر گئے ہیں تو قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیا لیکن ایک کپڑا ان کے منہ پر رکھ دیا اور اس کا ایک گوشہ قبر سے باہر نکال دیا۔ کہ اگر زندہ ہیں اور ہوش میں آ جائیں تو سانس لے سکیں اور چیخ سکیں۔ چنانچہ دفن کے بعد انہیں ہوش آیا تو دیکھا کہ وہ تو قبر کے اندر ہیں تو منت مانی کہ اگر سلامتی کے ساتھ باہر نکل آئے تو قران کا ترجمہ کریں گے اور شان نزول کے ساتھ لکھیں گے۔ چنانچہ انہوں نے چیخنا شروع کیا۔ ایک ساربان قبرستان میں ٹھہرا ہوا تھا اور اس کا اونٹ قبر کے پاس چر رہا تھا۔ اچانک اونٹ اس چیخ کی آواز سے جو کپڑے میں سے آ رہی تھی دوڑنے لگا۔ تو اونٹ والے نے آ کر دیکھا اور قبر میں سے اسے آواز سنائی دی تو اس نے شہر والوں کو اطلاع دی۔ تو وہ لوگ آئے اور ان کو قبر سے باہر نکالا اور گھر پہنچایا۔ صحت پائی تو قران کا ترجمہ مع شانِ نزول لکھا۔ اور حقیقتاً مختصر اور بہت مفید لکھا ہے اور مجھ فقیر نے اس کے بعض مقامات پر شان نزول اور اس کے مشکل مقامات پر حاشیہ لکھا ہے اور بعض جگہ اعتراضات بھی لکھے ہیں۔

ان بزرگوار کی کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے آیہ انما ولیکم اللہ ورسولہ کے بارے میں یہ عبارت لکھی۔

"مترجم کہتا ہے کہ جو مجھے جانتا ہے، جانتا ہے اور جو نہیں جانتا ہے تو میں اسے بتاتا ہوں تاکہ وہ بھی پہچان جائے کہ میں ہادی بن محمد صالح مازندرانی ہوں۔ اگر میں غلط اور جھوٹ کہوں تو میری دونوں آنکھیں اندھی ہو جائیں اور دونوں کان بہرے ہو جائیں کہ میں کہتا ہوں کہ ایام جوانی کی ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک بہت اونچی عمارت میں کہ جس میں ایک قبر اور لوح قبر بھی تھی اور اس میں ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہوا تھا اور برادر بزرگ ارجمند مولانا عبدالباقی ایک بڑی سی کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے تھے اور پڑھ رہے تھے۔ بڑی فصاحت وبلاغت کے ساتھ تلاوت کر رہے تھے لیکن وہ قران نہ تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کونسی کتاب ہے۔ ان پیر مرد نے کہا کہ یہ مصحف علیؑ ہے تو میں نے وہ مصحف کھولا تو داہنی طرف کے صفحہ پر آیہ انما ولیکم اللہ ورسولہ تھی اور اس میں طویل سطریں تھیں۔ اور اس کی دو سطریں خاندان رسالتؐ کی توصیف میں تھیں۔ میں بیدار ہو گیا اور وہ مجھے قطعی یاد نہ رہا۔ لیکن اسی لمحہ میں پھر سو گیا اور پھر وہی مکان اور وہی مصحف دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس آیت کو پھر پڑھتا ہوں شاید مجھے یاد رہ جائے پھر پڑھا اور پھر بیدار ہو گیا لیکن پھر سب کچھ ذہن سے نکل گیا سوائے اس کے کہ امیر المؤمنینؑ کی تعریف میں زوج البتول کا کلمہ مجھے یاد رہ گیا۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد میں نے اپنے بھائی سے تذکرہ کیا کہ میں نے مصحف امیر المؤمنینؑ کو خواب میں دیکھا ہے تو اس سے پہلے کہ میں اپنے خواب کی تفصیل بیان کروں انہوں نے کہا کہ میں نے بھی یہ مصحف خواب میں دیکھا ہے اور میں نے اس میں حسنین علیہم السلام کے اسم مبارک کو دیکھا تھا۔ اور یہ بات غیر واضح نہ رہ جائے کہ آقا ہادی شارح مفاتیح آقا محمد ہادی بن ملا صالح نہیں ہیں بلکہ شارح مفاتیح آقا ہادی، ملا محسن فیض کے بھتیجے ہیں اور وہ مختصری شرح ہے۔ مختلف مسالک، مدارک سے لی گئی ہے جیسا کہ مفاتیح کے متن میں ہے۔ بلکہ اس سے بھی مختصر ہے۔

آخوند ملا محمد تقی مجلسی

آخوند ملا محمد تقی بن مقصود علی مجلسی خدا ان کو جنت میں اعلیٰ مقامات سے نوازے وقت کے دانا ترین فضلاء اور علمائے حدیث میں نمایاں ترین شخصیت جن کا شعار زھد وورع وتقویٰ تھا شیخ بہائی کے شاگرد اور ان کے مشائخ اجازہ میں ان کے فرزند آخوند ملا محمد باقر، میرزا محمد بن حسن شیروانی، آقا جمال خوانساری وشیخ جعفر قاضی وغیرہ ہیں اور ملا صدری ان کے ہم عصر تھے اور ان کی تالیفات میں 'شرح من لایحضرہ الفقیہ فارسی' میں۔ اور اسی کتاب

(۱) بیضا: سفید وروشن (۲) سودا: سیاہ یعنی قاضی بیضاوی نے جو کچھ لکھا اس سے بات روشن وواضح ہو جانے کے بجائے اور سیاہ وتاریک ہو گئی۔ کھلی اور واضح بات کو بھی اور گمراہ کن بنا دیا۔

پر عربی میں شرح اور اس دوسری کتاب کا نام "روضۃ المتقین" ہے اور اصول کافی پر حواشی کہ جس کی وجہ سے مشکل احادیث پر روشنی پڑتی ہے۔ اور کتاب شرح صحیفہ کاملہ سجادیہ، اور رسالہ رضاع (دودھ پلانے کے احکام میں) اور رسالہ اوزان و مقادیر۔

شیخ اسد اللہ کاظمینی نے کتاب مقابیس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ محمد تقی مجلسی بڑی نمایاں کرامات کے حامل تھے۔ اور آخوند مجلسی نے خود شرح فقیہ میں یہ لکھا ہے کہ چونکہ پروردگار عالم نے مجھے توفیق زیارت حیدر کرارؑ سے نوازا ہے تو اس کی برکت سے مجھ پر بہت سے مکاشفات رونما ہوئے کہ کمزور عقل والے ان کو برداشت بھی نہیں کر سکتے۔ میں نے اس کیفیت میں بلکہ کہنا چاہیے کہ خواب و بیداری کے عالم میں دیکھا کہ میں سامرہ میں ہوں اور وہاں کے روضہ کو بڑی بلندی اور زیب و زینت کے ساتھ دیکھا اور میں نے دیکھا کہ عسکریینؑ کے روضہ پر بہشت کے کپڑوں میں سے ایک سبز کپڑا ڈالا ہوا ہے کہ ویسا کپڑا میں دنیا میں کبھی نہیں دیکھا۔ اپنے آقا حضرت صاحب الامرؑ کو دیکھا کہ وہ تشریف فرما ہیں اور قبر سے ٹیک لگائی ہوئی ہے۔ اور آپ کا رخ دروازہ کی طرف ہے۔ جیسے ہی میں نے آنجنابؑ کو دیکھا زیارت جامعہ بلند آواز سے پڑھنی شروع کر دی جیسے کہ کسی کی تعریف کی جاتی ہے۔ جب میں نے پوری زیارت پڑھ لی تو آپؑ نے فرمایا کہ خوب زیارت ہے۔ میں نے عرض کی: میرے آقا میری جان آپ پر فدا یہ تو آپؑ کے جدّ کی زیارت ہے اور میں نے قبر کی جانب اشارہ کیا۔ آپؑ نے فرمایا: ہاں داخل ہو جاؤ۔ جب میں داخل ہوا تو دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ آپؑ نے فرمایا: اور آگے آؤ میں نے عرض کی کہ میں ڈرتا ہوں کہ بے ادبی کر کے کافر نہ ہو جاؤں۔ آپؑ نے فرمایا: ہمارا حکم ہے اس لئے کوئی پروا نہ کرو۔ میں تھوڑا سے آگے بڑھا لیکن میں ڈر رہا تھا اور خوف سے کانپ رہا تھا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: آگے آؤ۔ پھر میں آگے بڑھا یہاں تک کہ آپؑ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ آپؑ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ فرمایا: بالکل نہ ڈرو بیٹھ جاؤ۔ تو میں بیٹھا مگر بالکل اس طرح جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے بیٹھتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ڈرو نہیں آرام سے بیٹھو۔ چونکہ تم نے زحمت اٹھائی ہے اور پیدل چل کر اور برہنہ پا آئے ہو۔ غرض اس بندہ پر آپؑ کے بڑے عظیم الطاف اور مہربانی کے کلام ہوئے کہ اکثر تو مجھے یاد ہی نہیں رہے پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا اور اسی دن میرے لئے اسباب زیارت فراہم ہو گئے۔ حالانکہ ایک زمانہ سے راستہ بند تھے لیکن اس وقت ساری رکاوٹیں دور ہو گئیں اور میں پیدل برہنہ پا آپؑ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ ایک رات روضہ مقدسہ میں پھر وہی زیارت پڑھی اور اس دوروزہ راستہ میں بڑی کرامات اور عجیب معجزات کا ظہور ہوا۔ اور اس خواب کے واقعہ کو شیخ احمد احسائی نے "شرح زیارت جامعہ" میں آپ ہی کے نام سے درج کیا ہے۔

آخوند ملا محمد تقی مجلسی کے مشائخ اجازہ، شیخ بہائی و ملا عبداللہ تستری، قاضی معز الدین محمد، شیخ یونس جزائری، قاضی ابو الشرف، شیخ عبداللہ بن شیخ جابر جو ملا محمد تقی مجلسی کے پھوپی زاد ہیں۔ اور محمد قاسم جو ملا محمد تقی کے ماموں ہیں، شیخ ابو البرکات واعظ، امیر شرف الدین شولستانی، شیخ جابر بن عباس نجفی، شیخ محمد تبنینی اور ان شیخ محمد کو چالیس افراد سے اجازہ ملا ہوا ہے اور اسی طرح مشائخ ثلثہ تک جن میں محمد بن ثلثہ سب سے پہلے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جس وقت آخوند ملا محمد تقی کے نام کو شہرت حاصل نہ ہوئی تھی اس وقت ایک شخص آپ کا عقیدت مند تھا۔ اس نے آپ سے عرض کی کہ میرا ایک ہمسایہ ہے کہ اس کی بدسلوکی کی وجہ سے میں عاجز آ چکا ہوں۔ راتوں کو وہ اوباشوں اور بدمعاشوں کو جمع کر کے ان کی مہمانی کرتا ہے اور سب رات کو لہو و لعب اور مے نوشی میں مصروف رہتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے کیا آپ اس کا کوئی علاج کر سکتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ آج رات تو ان کو کھانے کی دعوت دے اور اس میں مجھے بھی دعوت دینا شاید اللہ تعالیٰ اس وسیلہ سے انہیں راہ ہدایت دکھا دے۔ چنانچہ اس نے ان سب کو کھانے کی دعوت دی۔ اس رئیس اشرار نے کہا کہ کیا وجہ ہے تم ہمارے جرگہ میں شامل ہو رہے ہو۔ کہا: بس یونہی۔ وہ بدمعاش بڑے خوش ہوئے۔ اس شخص نے آخوند ملا محمد تقی کو بھی اطلاع کر دی اور آخوند سب سے پہلے اس کے گھر پہنچ گئے اور ایک گوشہ میں جا بیٹھے۔ اتنے میں وہ شیطانوں کا سردار اپنے ساتھیوں سمیت دروازے سے اندر داخل ہوا اور سب آ کر بیٹھ گئے۔ جب ان کی نظر آخوند پر پڑی تو ان کو بڑا ناگوار گزرا کیونکہ آخوند ان کے ہم مزاج نہیں تھے اور ان کی موجودگی میں ان کا عیش و عشرت درہم برہم ہوتا تھا۔ چنانچہ رئیس الشیاطین نے چاہا کہ ان کو وہاں سے نکال باہر کرے چنانچہ آخوند کی طرف رخ کر کے کہا: کیا آپ کا طریق

کار زیادہ بہتر ہے یا ہمارا؟ آخوند نے کہا کہ ہم دونوں اپنے اپنے کاموں کی صفات اور خوبیاں بیان کرتے ہیں اور پھر فیصلہ کریں گے کہ کونسا کام زیادہ بہتر ہے اور کارآمد ہے۔ رئیس اشرار نے کہا: ہاں ہاں یہ بات آپ نے بڑی انصاف کی اور صحیح کہی ہے۔ تو رئیس نے کہا کہ ہماری خوبی یہ ہے کہ جب ہم کسی کا نمک کھا لیتے ہیں تو پھر اس سے خیانت نہیں کرتے۔ آخوند نے کہا: میں یہ بات تسلیم نہیں کرتا۔ رئیس نے کہا کہ یہ بات ہمارے گروہ کی تسلیم شدہ ہے۔ آخوند نے کہا: تم نے غدا کا نمک کھایا ہے تو؟ جب رئیس نے یہ بات سنی تو سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر چلا گیا اور اس کے ساتھی بھی چلے گئے۔ صاحب خانہ نے کہا: لو کام تو الٹا ہو گیا اور وہ لوگ غصہ میں چلے گئے ہیں۔ آخوند نے کہا: دیکھو ابھی تو معاملہ یہیں تک پہنچا ہے آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔ صبح ہوئی تو وہ رئیس فساق آخوند کے گھر آیا اور کہنے لگا کہ کل رات کی بات میرے دل میں اتر گئی۔ اب میں نے توبہ کر لی اور غسل کر کے آیا ہوں آپ مجھے شریعت اسلامی کی تعلیم فرمائیں۔ چنانچہ آخوند کے پاکیزہ نفس کی تاثیر کے نتیجہ میں اور آپکی ہدایت کی بناء پر وہ شخص ہدایت یافتہ افراد میں سے ہو گیا۔ یہ قصہ میں نے حاجی ملا محمد صالح برغانی سے سنا۔ وہ اس واقعہ کو بر سر منبر پڑھا کرتے تھے۔

واضح رہے کہ لوگ ملا محمد تقی پر وثوق نہیں رکھتے تھے اور انہیں صوفی سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ آخوند ملا محمد باقر مجلسی سامنے آئے اور انہوں نے اپنے والد پر وثوق کیا تب لوگ بھی آپ پر وثوق کرنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ آخوند ملا محمد باقر نے اعتقادات کے بارے میں صرف رات بھر میں پورا رسالہ لکھ ڈالا اور اس کے آخر میں لکھا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی میرے والد کے متعلق سوءِ ظن پیدا کرے کہ وہ صوفیا میں سے ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ میں نے اپنے والد کے ساتھ زندگی گزاری ہے اور ظاہر و باطن میں ان کے عقاید و احوال سے باخبر رہا ہوں بلکہ میرے والد تو صوفیاء کو بہت برا سمجھتے تھے لیکن چونکہ ابتدائے امر میں صوفیاء کا بڑا شور و غوغا تھا تو میرے والد بظاہر ان سے وابستہ ہو گئے تا کہ اس بہانے اس زقومی خبیث شجرہ کی جڑوں کا قلع قمع کر دیں۔ اور جب ان کا شعلۂ شقاوت و بدبختی ماند پڑ گیا اس وقت انہوں نے اپنے باطن کا اظہار کیا ورنہ میرے والد ماجد بڑے متقی پرہیز گار، زاہد و عابد شخص تھے۔

میں نے اپنے ماموں آقا سید ابو جعفر سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ملا محمد تقی نے ریاضت وغیرہ کے ذریعہ ایک جنوں کے قاضی کو اپنے تابع و مطیع کر لیا تھا۔ اتفاقاً اصفہان میں سے کسی شخص نے شادی کی اور شب زفاف دلہن سے کہا کہ فلاں کمرے سے ذغال لے آؤ جب دلہن باہر نکلی تو دولہا نے تفریحاً ایک مقروض کو آواز دی کہ دلہن کو پکڑ لو۔ دلہن کو واپس آنے میں دیر لگی تو سب اس کو ڈھونڈنے لگے ہر جگہ تلاش کیا نہ ملی حتیٰ کہ مایوس ہو گئے پھر لوگ آخوند ملا محمد تقی مجلسی کے پاس بھاگے اور سارا قصہ سنایا تو انہوں نے اس جن قاضی کو حاضر کیا اور اس سے کہا کہ دلہن کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ قاضی نے بعد تلاش بسیار دلہن کو ڈھونڈ نکالا اور اس نے کہا کہ اس وقت ایک دور دراز علاقے کا جن اس جگہ موجود تھا اور اس کا نام وہی تھا جو دولہا نے پکارا تھا چنانچہ وہ دلہن کو پکڑ کر لے گیا تھا۔

شیخ بہائی رح

محمد بن حسین بن عبدالصمد الحارثی الہمدانی الجبعی۔ یہاں لفظ ہمدان 'ہ' پر زبر اور 'م' پر جزم کے ساتھ ہے یہ قبیلہ کا نام ہے اور حارثی کا مطلب یہ ہے کہ جناب شیخ حارث ہمدانی جو حارث اعور (کانا) بھی کہلاتے ہیں اصحاب امیر المومنینؑ سے تھے اور آپؑ نے یہ خطاب انہیں سے فرمایا تھا کہ یاحار همدان من یمت یرنی (اے حارث ہمدانی جو بھی مرتا ہے وہ مجھے (علیؑ) کو دیکھتا ہے) اور جبعی یعنی جبع کا رہنے والا اور یہ جبل عامل کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات تھا۔ وہ بزرگوار عظیم فقیہ، حقیقی اصول دان اور بے نظیر ریاضی داں، تفسیر میں بے بدل، عقلی علوم کے لحاظ سے ماہر حکیم، وقت کے علامہ، ارکان دین کو مستحکم کرنے والے، قوانین کی تشکیل کرنے والے، اللہ کی مضبوط رسی، متقدمین و متاخرین میں بہترین شخص، دور اولین کے نامور فقیہ اور علوم آخرین کا آسمان تھے اور ان کا لقب بہائی تھا۔ خاتم المجتہدین، اسوۂ محققین، پیشوائے متاخرین شیخ الاسلام والمسلمین اللہ تعالیٰ ان کو روح کو جنت الخلد میں جگہ عطا فرمائے۔

تحقیق کے لحاظ سے رئیس المحققین تھے۔ بڑی فصیح زبان لکھتے تھے اور تقریر و تدریس میں بے مثل اور بہترین منتظم تھے۔ اپنے والد بزرگوار شیخ

حسین جیسے جید عالم کے شاگرد تھے۔ شیخ نے تفسیر قاضی کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ آخوند ملا عبداللہ یزدی جو تہذیب منطق پر حاشیہ لکھنے والے ہیں ان کی بھی شاگردی کی اوران کو وہ علامہ یزدی کہتے تھے۔ اورآخوند ملا عبداللہ یزدی نے ملا جلال دوانی سے تعلیم حاصل کی اور ملا جلال نے سید شریف سے۔ ملا جلال نے بھی 'تہذیب منطق' پر حاشیہ لکھااوراس کا نام 'نقطہ فوائد' رکھااور ملا عبداللہ نے ان کے ہی حاشیہ پر حاشیہ لکھااور فی الحقیقت بہت عمدہ لکھا۔

آخوند ملا عبداللہ یزدی کی ایک کرامت یہ ہے کہ جب وہ اصفہان آئے اورتھوڑی سی رات گزر گئی تو انہوں نے نگاہِ باطنی کے ساتھ شہر اصفہان کو دیکھااوراپنے ملازموں سے کہا کہ جلدی جلدی سامان بار کردو تا کہ ہم بہت جلد اس شہر سے نکل جائیں۔ کیونکہ مجھے ہزاروں محافل شراب دکھائی دے رہی ہیں جو جگہ جگہ سجائی گئی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ پروردگار عذاب نازل فرمادے اور ہم سب بھی اس کا شکار ہو جائیں۔ چنانچہ ملازموں نے سارا سامان بار کر دیا اور ملا عبداللہ سوار ہو کر چلے ابھی شہر سے باہر نہیں نکلے تھے کہ وقت سحر ہو گیا آخوند نے دوبارہ شہر کے حالات پر نظر ڈالی تو ملازمین سے کہا کہ واپس چلے چلو کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہزاروں مصلے بچھے ہوئے ہیں اورلوگ نماز شب ادا کر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے باطن پر ان کے تسلط کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اس مقام پر واپس آگئے جو شہر میں ان کے قیام کا تھا۔

شیخ بہائی کی ایک کرامت یہ ہے کہ عمر کے آخری حصے میں آپ اپنے دوستوں کے ساتھ اصفہان کے ایک قبرستان میں جسے تخت فولاد کہتے ہیں زیارت اہلِ قبور کے لئے تشریف لے گئے۔ پھر اپنے دوستوں سے علیحدہ ہو کر ایک قبر کے سرہانے پہنچے اور صاحب قبر سے باتیں کرنے لگے۔ آپ کے اصحاب آواز تو سن رہے تھے لیکن باتیں کیا ہو رہی تھیں یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ پھر شیخ بہائی زید بہاۂ قبر کے سرہانے سے اٹھے اوراپنی عبا اپنے سر مبارک پر ڈال لی اور کسی سے کوئی بات چیت نہیں کی اور گھر واپس آگئے۔ اور حکم فرمایا کہ گھر کا دروازہ بند کر دیا جائے اور کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ پھر تقریباً سات آٹھ روز گزرے کہ شیخ بزرگوار نے عالم فانی سے رخصت فرمائی اوران کی حسب وصیت ان کا جسد مبارک خراسان میں حضرت امام رضاؑ (آپ پر ہزاروں درود وسلام) کے جوار میں آپؑ کے صحن مطہر کے ایک گوشہ میں مدفون کیا گیا اور یہ ناچیز مؤلف کتاب جب بھی امام رضاؑ کے زیارت سے مشرف ہوتا ہے تو جتنے دن وہاں قیام کرتا ہے ان میں سے اکثر دنوں میں جناب شیخ کی زیارت کا بھی شرف حاصل کرتا ہے۔

کہتے ہیں کہ مسجد شاہ اصفہان کئی صفوی بادشاہوں کے عہد میں تعمیر ہوتی رہی اور شاہ عباس کے دورِ حکومت میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اس مسجد میں کئی چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کی قیمت سات ہزار تومان بنتی ہے۔ ایک تو ایک فیروزہ ہے جو مسجد کے گنبد کے طاق میں لگا ہوا ہے اسکی قیمت سات ہزار تومان ہے۔ دوسرے ایک سفید پتھر سے بنا ہوا تختہ ہے جو گز بھر لمبا اور نصف گز چوڑا ہے اور صفائی اور چمک میں بالکل دودھیا شیشہ لگتا ہے اوراس کو ہزارہ کی جگہ دیوار پر نصب کیا گیا ہے اس کی قیمت کا اندازہ سات ہزار تومان لگایا گیا ہے۔ تیسرے ایک بہت بلند منبر ہے جو ایک ہی سنگ مرمر کے ٹکڑے سے بنایا گیا ہے اوراس میں سترہ، اٹھارہ سیڑھیاں ہیں۔ اس کی قیمت بھی سات ہزار تومان ٹھہری ہے۔ چوتھے مسجد کا دروازہ ہے جسے سونے چاندی سے بنایا گیا ہے اس کی قیمت بھی سات ہزار تومان لگائی گئی ہے۔ پانچویں ایک زنجیر ہے جو مسجد کے دروازے پر لٹکی ہوئی ہے یہ بھی سات ہزار تومان کی ہے۔ یہ مسجد شاہ عباس جنت مکانی کے دورِ حکومت میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تو بادشاہ کی یہ خواہش ہوئی کہ مقدس اردبیلی آخوند ملا احمد افشار جو نجف میں رہتے تھے وہ اصفہان تشریف لائیں اوراس میں نماز با جماعت پڑھائیں۔ سلطان کو سبھی علماء سے بڑا لگاؤ تھا خصوصاً مقدس اردبیلی سے۔ کسی وقت مقدس اردبیلی نے سلطان کو ایک خط لکھا تھا اوراس کی ابتداء میں لکھا تھا بہت عزیز بھائی شاہ عباس۔ سلطان نے اس خط کو محفوظ کر لیا اور وصیت کی کہ یہ خط اس کے کفن میں رکھا جائے تا کہ وہ خدا سے یہ استدلال کر سکے کہ نائب امامؑ نے مجھے بھائی کہا ہے۔ اگر میں قابل عذاب ہوں تو وہ بھلا مجھے بھائی کیسے کہہ سکتے تھے۔ مختصر یہ کہ اراکین سلطنت نے سلطان سے کہا کہ مقدس تو نہیں آرہے ہیں تو آپ شیخ بہائی کو بھیجئے کہ ان کو رضامند کریں اور نجف سے یہاں لائیں چنانچہ شیخ سے اس بات کی گذارش کی گئی شیخ تیار ہو گئے۔ سلطان کی تو دل کی مراد بر آئی اور مقدس اردبیلی کی آمد کا منتظر ہو گیا۔

شیخ عتبات عالیات کی تمام زیارات سے مشرف ہوئے، نجف اشرف میں مقدس سے ملاقات کی اور اصفہان جانے کی بابت گفتگو کی اور یہ ہزار

وقت ان کو آمادہ کرلیا اور سامان سفر مہیا کر دیا لیکن ہر چند کوشش کی کہ مقدس گھوڑے پر سواری کے لئے آمادہ ہو جائیں وہ نہ ہوئے اور کہا کہ میرے پاس گدھا ہے میں اسی پر سوار ہوں گا۔ چنانچہ مقدس تو اپنے گدھے پر ہی سوار ہوئے اور شیخ بہائی تمام اراکین دولت کے ساتھ جو عجم سے ان کے ہم رکاب تھے اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ ابھی ذرا سا ہی فاصلہ طے ہوا تھا اور مقدس کا گدھا آہستہ آہستہ چل رہا تھا تو شیخ نے فرمایا کہ اپنے جانور کو تیز دوڑایئے لیکن مقدس نے یہ بات پسند نہ کی اور کہا کہ جانور کو اپنی مرضی کے مطابق راستہ چلنے دینا چاہیئے۔ ابھی پھر تھوڑا ہی آگے بڑھے ہونگے کہ مقدس نے پیدل چلنا شروع کر دیا۔ پوچھا کہ کیا واقعہ ہوا کہا کہ حیوان کو سہولت دینی چاہیئے میں کبھی سوار ہوں گا اور کبھی پیدل چلوں گا۔ تا کہ انصاف کا تقاضا پورا کیا جا سکے۔ شیخ نے فرمایا: کسی دوسرے جانور پر سواری کر لیجئے لیکن مقدس تیار نہ ہوئے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس طرح تو سفر طے نہیں ہو سکتا۔ مقدس نے فرمایا: میں تو اسی طرح چل سکتا ہوں۔ پھر کسی جگہ مقدس کا گدھا گھاس چرنے لگا تو شیخ نے گدھے کو ایک کوڑا مارا کہ وہ تیز چلے لیکن یہ بات مقدس کو ناگوار گزری اور کہا: آپ نے میرے گدھے کو کیوں اذیت پہنچائی آپ تو ایران کے علماء میں سے ہیں تو آپ نے میرے سامنے میری چیز کو ایسی تکلیف دی اور گناہ کیا تو پھر وہاں کے اہل حکومت اور اشراف اور وہاں کی عوام کا کیا حال ہوگا میں تو ایسی سرزمین پر ہرگز نہ جاؤں گا۔ شیخ اور دوسرے تمام لوگوں نے منت سماجت کی لیکن وہ نہ مانے۔ چنانچہ مقدس اردبیلی نے پہلی ہی منزل سے واپسی اختیار کر لی۔

انوار نعمانیہ میں سید نعمت اللہ جزائری نے لکھا ہے کہ شیخ بہائی کا ایک دفعہ ایک سنی عالم سے جو علمائے اہل مصر سے تھا مباحثہ و مناظرہ ہوا۔ شیخ بہائی جب مکہ کے سفر پر گئے تو یہ سفر چار سال تک طول کھینچ گیا۔ دو سال آپ مصر میں رہے۔ شیخ اور اس عالم میں آپس میں دوستی تھی اور شیخ نے اس عالم کے سامنے یہی اظہار کیا کہ میں بھی اہل سنت کے مذہب پر ہوں۔ ایک دن وہ عالم ان سے کہنے لگا کہ یہ رافضی لوگ شیخین کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ شیخ بہائی نے کہا کہ ان لوگوں نے مجھ سے دو ایسی حدیثیں بیان کی ہیں کہ مجھ سے ان کا جواب بن نہیں پڑتا۔ اس سنی عالم نے کہا کہ وہ کونسی دو حدیثیں ہیں (ان کے بارے میں) وہ کیا کہتے ہیں؟ شیخ نے کہا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جس نے فاطمہؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی اور جس نے خدا کو اذیت دی تو وہ یقیناً کافر ہے۔ اور اس حدیث کے لکھنے کے پانچ ورق کے بعد مسلم نے یہ روایت کی کہ فاطمہؑ دنیا سے رخصت ہوگئیں جبکہ وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ سے ناراض تھیں تو میں ان دو احادیث میں موافقت پیدا نہیں کر رہا ہوں اور میں ان کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس سنی عالم نے کہا اچھا ابھی اسے رہنے دو میں آج شب اس کتاب کا مطالعہ کروں گا۔ وہ عالم اس وقت چلا گیا جب صبح ہوئی تو شیخ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ہمیشہ تم سے یہ کہا ہے کہ رافضی نقل حدیث میں ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں۔ کل رات میں نے صحیح مسلم کا مطالعہ کیا تو دونوں حدیثوں میں پانچ ورق سے زیادہ کا فاصلہ تھا۔ ان دو احادیث کے معارضہ میں اس کو صرف یہی ایک اعتراض تھا۔ یہاں تک نعمت اللہ جزائری کا کلام تھا۔

شیخ کی یہ کرامت بھی مشہور ہے کہ ایک دن شیخ بہائی اور میر فندرسک ایک شاہی محل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میر فندرسک استرآباد کے رہنے والے تھے اور عارفین میں سے تھے۔ ان کی بابت یہ مشہور تھا کہ ان کا بدن کیمیا ہے اور اگر لوہا، پیتل اور تانبہ ان کے بدن پر رگڑا جائے تو وہ سونا بن جاتا ہے ان کے انتقال کے بعد ہندوستانیوں نے یہ چاہا کہ زیرزمین سرنگ کھود کر ان کا جسم اپنے ملک میں منتقل کر لیں۔ لہٰذا نقب زنی سے بچانے کی غرض سے ریت میں قلعی وغیرہ کی آمیزش کر کے ان کی قبر کو پکا کر دیا اور بعض کہتے ہیں کہ سیسہ کو پگھلا کر قبر کے چاروں طرف پھیلا دیا گیا تا کہ کوئی نقب نہ لگا سکے۔ میر فندرسک جب شاہ ہند کے پاس تھا ایک دفعہ اتفاق سے کچھ سنی حضرات کے ساتھ اسے سفر کرنا پڑا اور بیابان میں پیشاب کیا تو پانی نہ تھا تو اس نے پتھر سے طہارت کی۔ تو ایک سنی عالم نے کہا کہ یہ کام تو ہمارے مذہب کے موافق ہے۔ میر ابوالقاسم فندرسکی نے برجستہ کہا: ہاں میں نے آج تمہارے مذہب پر پیشاب کیا ہے۔ نیز ایک دفعہ شاہ ہندوستان نے اس سے کہا کہ معاویہ مومنین کے ماموں ہیں (خال المومنین ہیں) اور یہ کتاب وحی کے مطابق ہے تو پھر تم ان پر لعنت جائز کیسے سمجھتے ہو؟ میر نے کہا کہ اگر لشکر علیؑ لشکر معاویہ سے جنگ کرے تو آپ کس طرف شامل ہونگے۔ کہنے لگا: لشکر علیؑ کے ساتھ۔ اس نے کہا کہ اس حالت میں

آپ سے کہا جائے کہ معاویہ کو قتل کر دو تو آپ کیا کریں گے؟ کہنے لگا: میں کر دوں گا۔ تو میر نے کہا: جب آپ معاویہ کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں تو مجھ کو ان پر لعنت بھیجنا بھی جائز ہے۔ میر فندرسک کا ایک مشہور قصیدہ ہے۔

چرخ باایں اختر نغزو خوش وزیباستی

صورتی در زیر دارد آنچه در بالاستی

صورت زیریں اگر بانردبان معرفت

گر بسنجی او ہماں بااصل خود یکتاستی

ترجمہ: آسمان ان پروئے ہوئے ستاروں کے ساتھ۔ جب نیچے سے اتنا خوبصورت لگتا ہے تو اوپر سے کیسا ہوگا۔

نیچے سے دکھائی دینے والی صورت پر اگر معرفت کی سیڑھی کے ساتھ غور کیا جائے تو تو یہی فیصلہ کرے گا کہ وہ بنانے والا بھی ہر طرح سے یکتا و بے مثل ہے۔ الخ

ملا محمد خلخالی نے اس قصیدہ کی شرح لکھی ہے۔

الغرض شیخ بہائی ایک دن میر فندرسک کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ اچانک شاہی شیر خانہ کا ایک شیر زنجیریں توڑ کر آزاد ہو گیا اور اسی مجلس میں آ گیا جہاں یہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ پس شیخ تو سمٹ کر اور اپنی عبا کو اپنے آدھے چہرے پر لپیٹ کر بیٹھ گئے لیکن میر فندرسک اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ پس شیر نے اس مجلس میں چکر لگایا اور باہر چلا گیا اور کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ مجلس کی اس کیفیت اور شیر کے آنے کے منظر کو اصفہان کی عمارت ھشت در بہشت میں دیوار پر کھینچا گیا ہے۔

شیخ بالکل خشخشی داڑھی رکھتے تھے۔ شیخ بہائی نے اپنی کسی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ مجھ سے یہ پوچھا گیا کہ صدوق کا مرتبہ بلند ہے یا زکریا بن آدم کا۔ شیخ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ قاعدہ کی رو سے تو زکریا بن آدم کو صدوق پر برتری حاصل ہے کیونکہ علمائے رجال نے صدوق کی توثیق نہیں کی ہے لیکن کتب رجال میں زکریا بن آدم کی توثیق کی گئی ہے۔ اور ان کا ائمہ کے نزدیک جلالت و مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زکریا بن آدم حضرت امام رضاؑ کے ساتھ ہم کجاوہ ہوتے تھے اور مکہ جاتے تھے یہ ان کی بزرگی کی علامت ہے۔ اس بات کو ایک زمانہ گزرا کہ ایک رات میں نے صدوقؒ کو خواب میں دیکھا اور میں نے ان کو سلام کیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے بے رخی برت رہے ہیں۔ کچھ بات چیت کے بعد میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ سے اس طرح بے رخی کیوں برت رہے ہیں تو جواب میں کہا کہ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ زکریا بن آدم مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں؟ اس کے بعد شیخ کی آنکھ کھل گئی۔ مؤلف کتاب کہتا ہے کہ اگر صدوق کی علمائے رجال نے توثیق نہیں کی ہے لیکن ان کا توثیق نہ کرنا کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ پہلے زمانے کے رجال کی توثیق مشائخ اجازہ سے ہوتی تھی خصوصاً جو لوگ بہت مشہور ہو جاتے تھے جیسے کہ علی بن ابراہیم کلینی کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور علی کو اپنے والد ابراہیم بن ہاشم قمی سے اجازہ حاصل ہے اور ابراہیم کی ارباب رجال نے توثیق نہیں کی ہے۔ چنانچہ پرانے علماء جب ابراہیم بن ہاشم کی روایت دیکھتے تو اس کو حسن قرار دیتے لیکن اقوی کی بناء پر لیکن متاخرین کے محققین کے نزدیک وہ حدیث صحیح مانی جاتی کیونکہ ابراہیم مشائخ اجازہ میں سے ہیں۔ اور کسی کی توثیق کے لئے یہی کافی ہے۔ اور پھر ان کے بیٹے کے بارے میں بھی کوئی محل تامل نہیں رہتا کیونکہ انہوں نے اپنے والد پر اعتماد کیا۔ اس کے علاوہ کلینی جو کہ ثقۃ الاسلام ہیں اور مشائخ ثلثہ میں ہیں ان پر اعتماد کرتے ہیں اور اکثر روایات ان سے بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ ابراہیم بن ہاشم قمیوں میں قابلِ اعتماد ہیں اور ان کی توثیق وجلالت کے لئے یہ بہت کافی کیونکہ اہل قم روایت اور راویوں کے بارے میں بڑے محتاط ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی راوی ضعیف ہوتا اور مرسل روایت نقل کرتا تو وہ اس کو قم سے نکال دیا کرتے تھے۔ اور اگر کسی کے متعلق ائمہؑ کے بارے میں غلو کا شک بھی ہو جاتا تھا تو اس کو قم سے نکال باہر کر دیتے تھے۔ چنانچہ قمیین کا ان پر اعتماد کافی دلیل ہے۔ اس طرح سے صدوق مشائخ اجازہ سے بھی ہیں اور معتمد قمیین بھی بلکہ عام مسلمانوں کو بھی ان پر اعتماد ہے بلکہ وہ مشائخ

ثلثہ میں بھی شامل ہیں۔ان کی کتاب مسلمہ طور پر کتب اربعہ میں شامل ہے اور شیخ مفید ان کے شاگرد ہیں۔مزید یہ کہ صدوق دعائے حضرت امام حسن عسکری یا صاحب الامرؑ علیہ السلام کی وجہ سے عرصۂ وجود میں آئے۔اور بیشتر روایات بیان کیں اور بہت سی تالیفات کیں جو ان کی تعدیل اور وثوق کی دلیل ہے۔نیز یہ کہ کسی کا نام لیا جائے اور رضی اللہ عنہ کہا جائے تو یہ صدوق سے زیادہ کسی کو نہیں کہا جاتا اور صدوق کے لئے اتنا زیادہ رضی اللہ عنہ کہنا ہی ان کے وثوق کے لئے کافی ہے۔چنانچہ صدوق کا ثقہ ہونا ہرگز قابل شک نہیں ہے۔اور ہم نے ان تمام باتوں کو'منظومہ درایہ'،'شرح وجیزہ، شیخ بہائی' درایہ وحواشی شرح درایہ شہید' اور اس کے علاوہ کئی دوسری تالیفات میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

شیخ بہت سے علوم کے ماہر تھے اور ریاضی میں تو یکتائے زمان تھے اور مشہور ہے کہ شیخ بہائی نے ایک پتھر پر ایک مربع یا کوئی شکل نقش کی اور اس کو شیراز میں ایران کی سرحد کے اندر دفن کر دیا تا کہ کوئی بَلا یا وبا ایران پر نہ آنے پائے۔اس کے بعد سے کوئی بَلا یا وبا ایران پر وارد نہ ہوئی۔شیخ سے لیکر فتح علی شاہ کے زمانے تک ایران ہر وباء سے محفوظ رہا۔فتح علی شاہ کے زمانے میں شاہزادہ حسین علی میرزا شیراز کا حاکم بنا اور شہزادوں کو ہمیشہ سلطنت اور درہم و دینار کی فکر رہا کرتی ہے، چنانچہ انگریزوں نے وہ مدفون پتھر اس سے دس یا بارہ ہزار تومان میں خرید لیا اور شاہزادے نے اس حقیر مال کے لالچ میں ایران اور ایرانیوں کے مفاد کو نظر انداز کر دیا اس بات سے بالکل غافل ہو گیا کہ قل اللھم مالک الملک کہ بادشاہی خدا کے ہاتھ میں ہے۔غرض یہ کہ جب وہ پتھر بک گیا تو ایران میں وباء آ پہنچی اور پھر طاعون آیا اور اب تک ایران کبھی وباء سے محفوظ نہ رہا۔

اس کے علاوہ شیخ نے ایک مربع کو پُر کیا اور اصفہان کی حدود میں دفن کر دیا تا کہ طاعون کا مرض اصفہان میں نہ پھیلنے پائے اور اس وقت سے لیکر اب تک طاعون اصفہان میں نہیں پھیلا۔اور ایک دفعہ طاعون ایران کے تمام شہروں میں پھیلا ہوا تھا لیکن اصفہان میں نہ پھیلا۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ دوران سیاحت شیخ کا گزر وادئ سراندیپ سے ہوا وہاں کسی پتھر یا جھاڑی پر بیٹھ گئے اچانک دیکھا کہ ایک شخص ظاہر ہوا اور ایک جگہ جا بیٹھا۔شیخ اس شخص کو دیکھ رہے تھے لیکن وہ شیخ کو نہیں دیکھ رہا تھا پھر اچانک اس شخص نے کہا کھانا لاؤ۔شیخ نے ہر طرف نظر دوڑائی اس پہاڑی کے پاس کوئی مخاطب دکھائی نہ دیا پھر ایک دم سے ایک دسترخوان فضا سے نیچے آتا ہوا دکھائی دیا اور اس کے سامنے پھیلا دیا گیا۔اور بہت سی غذائیں فضا سے نازل ہوئیں اور دسترخوان پر چن دی گئیں پھر اس شخص نے بلند آواز سے کہا کو جو بھی مجھ سے چھپ کر بیٹھا ہوا ہے وہ بھی آئے اور میرے ساتھ کھانا کھائے۔شیخ نے ہر طرف دیکھا لیکن سوائے اپنی ذات کے کسی اور کو نہ پایا تو سمجھ گئے کہ وہ مجھے ہی بلا رہا ہے۔اٹھے اور اس کے پاس پہنچے اور بیٹھ گئے۔اس کے ساتھ کھانا کھایا۔جب دونوں نے پیٹ بھر کر کھا لیا تو اس شخص نے بچا ہوا کھانا زمین پر ڈال دیا شیخ نے کہا: تم خدا کی نعمت کو برباد کر رہے ہو اور اسے زمین پر پھینک رہے ہو۔تو کہنے لگا کہ نعمت کو عام کرنا چاہیے اس زمین میں ایسے جاندار ہیں کہ انہیں خدا کا دیا ہوا رزق پہنچنا چاہیے۔پھر اس نے کہا: اسے اٹھا لو۔فوراً وہ دسترخوان لپٹ گیا اور جو کچھ بھی اس پر تھا سب اٹھا لیا گیا۔اور ہوا میں اڑ گیا۔مؤلف کہتا ہے کہ یہ بات عوام الناس میں بلکہ خواص میں پھیلی ہوئی ہے کہ شیخ نے مدتوں سیاحت کی لیکن یہ داستان میرے اعتقاد سے ہم آہنگ اور صحیح نہیں ہے۔بے شک شیخ سفر مکہ پر گئے اور اس سفر میں چار سال لگے اور دو سال آپ مصر میں مقیم رہے۔اور ابتداً والد ماجد کے ساتھ خراسان بھی گئے تھے اور اسی طرح اطراف خراسان میں بھی گئے۔جیسا کہ آپ نے ہرات شہر کی تعریف میں ایک نظم میں لکھا ہے اور اس کا اپنی کتاب کشکول میں ذکر کیا ہے کہ آپ کی ولادت عرب میں ہوئی پھر والدان کو اپنے ساتھ لے آئے اور خراسان چلے گئے جیسا شیخ حسین جو شیخ کے والد ماجد تھے کے بارے میں بیان ہوگا۔اس سے زیادہ ان کی سیاحت کا حال ہمیں معلوم نہیں۔اور شیخ نے کتاب کشکول میں ایک عبارت لکھی ہے کہ اگر میرے والد مجھے ایران نہ لاتے تو یقیناً میں آج وقت کا سب سے بڑا زاہد ہوتا۔لیکن میں ایران آ گیا تو سلاطین وملوک اور امراء کے کھانے کھانے پڑے اور ان کے بنائے ہوئے لباس پہننے پڑے اور ایرانیوں کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا رہا نتیجہ میں اتنا زہد وتقویٰ مجھے حاصل نہ ہو سکا۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک سفر میں پیغمبرؐ بڑے بڑے اصحابؓ کے ساتھ تھے۔سب کو پانی کی حاجت ہوئی لیکن پانی موجود نہ تھا۔تو جناب رسول خداؐ نے انگشت شہادت کو بلند کیا اور اس سے میٹھا پانی نہر کی صورت میں جاری ہو گیا کہ تمام اصحابؓ ان کے جانور اور دیگر حیوانات اس پانی سے سیراب

ہو گئے۔ جب شیخ بہائی نے یہ حدیث پڑھی تو کہا کہ اگر پانی چھنگلی (سب سے چھوٹی انگلی) یا اس کے برابر والی انگلی سے ابلتا تو میں اس پر ایمان لے آتا لیکن چونکہ انگشت شہادت سے جاری ہوا لہٰذا میں نے تسلیم کر لیا کہ وہ یقیناً پیغمبر خدا تھے۔ تو شیخ کے اس کلام کے متعلق ملا علی نوری سے سوال کیا گیا کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ پیغمبرؐ کی انگشت شہادت سے پانی جاری ہو یا چھنگلیا یا اس کی ساتھ والی انگلی سے کہ یہ کہا جاسکے کہ پہلی صورت میں معجزہ ہے لیکن دوسری صورت میں احتمال سحر رکھتا ہے۔ آخوند ملا علی نوری نے بہت غور وفکر کیا اور کہا کہ میں نے اس بارے میں بڑا غور وخوض کیا مجھے تو کچھ ذہن میں نہیں آتا اور شیخ سے ہاں ایسی مشکل باتیں اکثر ملتی ہیں۔

سید نعمت اللہ جزائری انوار النعمانیہ میں لکھتے ہیں کہ شیخ بہائی کا ایک دفعہ ایک سنی عالم سے مباحثہ ہوا۔ سنی عالم نے کہا: شیعہ عثمانؓ کے قتل کو کیوں جائز سمجھتے ہیں جبکہ ان کا تعلق اکابر صحابہؓ سے ہے؟ اور پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میرے اصحابؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کسی کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ شیخ نے کہا: اسی حدیث کی وجہ سے تو میں ان کا قتل جائز قرار دیتا ہوں کیونکہ ان کے قتل کرنے والے اصحابِ پیغمبرؐ ہی تو تھے۔ جب اصحابؓ نے ان کے قتل کا ارتکاب کیا تو ہم سمجھ گئے کہ جائز تھا۔

سید نعمت اللہ نے کہا کہ سلطان بصرہ سنی تھا اس نے ایک دن بہت سے سنی علماء کی موجودگی میں ہمارے کسی شیخ سے سوال کیا کہ فاطمہؑ افضل ہیں یا عائشہؓ۔ اس شیخ نے جواب دیا کہ عائشہؓ افضل ہیں۔ کہا: کیسے؟ کہا: اس وجہ سے کہ آیت ہے کہ **فضل اللہ المجاھدین علی القاعدین درجۃ** (۱) (سورۂ نساء آیت ۹۵) اور عائشہؓ نے جہاد کیا اور خونریزی کی لیکن فاطمہؑ کبھی اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں لیکن اس وقت جب فدک ان سے چھین لیا تو آپ نے اس کا مطالبہ کیا اور جب اس کا جواب مل گیا تو وہ پھر گھر میں آ بیٹھیں۔ بادشاہ اور سارے حاضرین ہنس پڑے اور بادشاہ نے کہا: کتنی خوبصورتی سے ملامت کی گئی ہے۔

کہتے ہیں کہ اصفہان میں میر داماد نماز جمعہ پڑھاتے تھے ایک دن سلطان نماز جمعہ میں آیا اور میر محمد باقر داماد کو آنے میں دیر ہوئی۔ لوگوں کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں نماز جمعہ فوت نہ ہو جائے چنانچہ سلطان نے شیخ بہائی سے کہا کہ آپ نماز جمعہ پڑھا دیں۔ تب شیخ نے نماز کا آغاز کر دیا تو میر بھی آ پہنچے اور عصا سے اشارہ کیا کہ آپ پیچھے ہو جائیں۔ چنانچہ وہ پیچھے چلے گئے اور میر نے نماز جمعہ پڑھائی۔ شیخ نے اپنی کتاب نان وحلوہ میں جو اعتراض کیے ہیں وہ میر داماد سے ہی متعلق ہیں یعنی جو بعض کنایات انہوں نے علمائے اہل دین پر کیے ہیں ان میں ان کی مراد میر داماد ہیں۔ لیکن میرے خیال میں ایسا نہیں ہے کیونکہ شیخ اور میر دونوں ہی عالم وزاہد اشخاص ہیں۔ شیخ کے زمانے میں ایک سنی شخص نے شیعوں پر طنز کرتے ہوئے چند اشعار لکھے۔ اور ان کا مفہوم یہ تھا کہ فدک شیخین کے لئے موجب سب ولعن وطعن نہیں ہے کیونکہ شاید قیامت کے دن وہ پیش خدا کوئی قابل قبول عذر پیش کر سکیں۔ تو شیخ بہائی نے اس کے جواب میں چند اشعار لکھے کہ جو احتمال تو پیش کر رہا ہے وہی ان کے سلسلہ میں بھی ہوسکتا ہے جو شیخین کو سب کرتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں شاید ان کا بھی کوئی ایسا عذر اتنا واضح ہو جو بارگاہِ خداوندی میں قابل قبول ہو جبکہ ان کا عذر اتنا واضح ہے جیسے سورج اپنے مقام عروج پر ہوتا ہے اور غاصبین کا عذر ستر پوشی کے دائرہ سے ناپید ہے (یعنی پروردگار ستار العیوب ہے لیکن فدک کو غصب کرنے والے ایسا کونسا عذر پیش کر سکتے ہیں کہ جس کی وجہ سے خدا ان کے اس جرم پر پردہ ڈال دے۔ مترجم) اور یہ بھی واضح رہے کہ رسالہ 'نان وحلوہ' جو سوانح سفر حجاز کے نام سے موسوم ہے وہ انہوں نے مکہ کے سفر کے دوران تحریر کیا اس لئے اس کا نام سوانح سفر حجاز رکھا۔

بعض علماء نے شیخ کی عیب جوئی کی ہے اور ان کو تصوف سے نسبت دی ہے تو جن چیزوں سے وہ ان کے متعلق شک میں پڑے وہ کئی ایک ہیں پہلی چیز تو یہ کہ شیخ کے ہاں مسائل میں کوئی جدت نہیں پائی جاتی حالانکہ انہوں نے کئی بار فقہی مسائل لکھے اور تجدد رائے مجتہد کے اجتہاد کی خوبی مانی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے تعلیم وتعلم کو ترک کر کے سیاحت کو اپنا لیا اور اپنی اچھی خاصی عمر سفر کرتے ہوئے گزاری۔ تیسرے یہ کہ شیخ نے اشعار میں ایسے الفاظ

(۱) اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔ (مترجم)

استعمال کیے جو تصوف کا انداز رکھتے ہیں جیسے کہ 'نان وحلوہ' کا ایک شعر ہے۔

کاکل مشکین بدوش انداختہ وز نگاهی کار عالم ساختہ

ترجمہ: مشکبار زلفیں اس کے دوش پر لہرا رہی ہیں اور صرف ایک نگاہ ڈال کر اس نے کاروبار حیات کو قائم کر دیا۔

تو یہاں کاکل مشکین سے مراد وہ خصوصیات ہیں جو ذات وجود حق میں موجود ہیں اور یہ نظریہ وحدت وجود ہے اور اس کے بڑے واضح مفاسد ہیں۔ اسی طرح سے دوسرے اشعار میں ان کے اسی قسم کے نظریات ہیں۔

اسی طرح کتاب 'مفتاح الفلاح' میں انہوں نے سورہ حمد کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت صادقؑ یا کوئی اور امامؑ ایاک نعبد کو بار بار دہراتے تھے تو لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا کہ میں نے یہ کلمہ اس قدر دہرایا کہ پھر میں اس کو اس سے سننے لگا کہ جو اس کا کہنے والا ہے۔ یعنی گویا خدا کو یہ کلمہ کہتے ہوئے سننے لگا۔ تو یہ مفہوم بالکل اس شعر کی طرح ہے جو شیخ محمود شبستری نے 'گلشن راز' میں کہا ہے۔

روا باشد انا الحق از درختی چرا نبود روا از نیک بختی

ترجمہ: اگر درخت کا اناالحق (میں خدا ہوں) کہنا جائز ہے تو اگر کوئی نیک بخت (یعنی انسان) یہی کلمہ کہے تو کیوں جائز نہ ہوگا

یہاں تک کتاب 'مفتاح الفلاح' میں جو کچھ انہوں نے کہا اس کا خلاصہ ہے اور یہ صریح وحدت وجود کا نظریہ ہے۔

چوتھے یہ کہ شیخ نے اپنی کتابوں میں صوفیا اور ان لوگوں کا نام جن کا کفر یقینی ہے بڑی تعظیم سے لیا ہے جیسے رسالہ سوانح سفر حجاز میں انہوں نے کہا: اور میں اس کی ابتدا حکیم معنوی مولوی کی نظم کی ابتدا سے کرتا ہوں۔

بشنو از نی چون حکایت میکند وز جدائیها شکایت میکند (۱)

ترجمہ۔ سنو بانسری کیا داستان سنا رہی ہے اور اپنی جدائی کی شکایت بیان کر رہی ہے۔

اس طرح کتاب کشکول میں بعض مقامات پر یہ لکھا ہے "عارف ربانی اور بے مثل فاضل محی الدین عربی نے فرمایا۔" اور اسی قسم کی ان کی دوسری عبارتیں ہیں۔

پانچویں یہ بھی مشہور ہے کہ شیخ نے یہ شعر کہا: کا کل مشکین بدوش انداختہ الخ

تو یہ شعر ان کے والد شیخ حسین کی نظر سے گزرا تو انہیں اپنے بیٹے پر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے چھڑی سے ان کی پٹائی کی۔

چھٹے یہ کہ ان کے بعض اعتقادات ضعیف تھے جیسے کہ انہوں نے کہا کہ اگر مکلف تحصیل دین میں کافی جدوجہد کرلے پھر اگر وہ غلطی بھی کرے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہے گا چاہے وہ خلاف اہل حق ہی کیوں نہ کرے حالانکہ اس بات کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گمراہ علماء اور سرداران کفر بھی ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں جائینگے جبکہ وہ شبہات رکھتے ہوں اور یہی شبہات ان کی گمراہی کا سبب ہوں جیسے ابوحنیفہ وغیرہ۔ یہاں پر معترضین کے تمام اشتباہات مکمل ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ ساری باتیں درجہ اعتبار سے گری ہوئی ہیں۔ اور شیخ کا دامن اس قسم کا تمام اعتراضات سے بالکل پاک ہے وہ تو اپنے وقت کے سب سے بڑے زاہد، فاضل، عالم متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے۔ اجتہاد میں نئی رائے کا ہونا حسن اجتہاد اور قوت تصرف کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ نئی رائے پیدا نہ ہونا سلب اجتہاد کی دلیل ہے یا پناہ بخدا ان کے تصوف کا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے جو ایک اجتہاد کیا وہ سارے مجتہدین کے اجتہاد سے بڑھ کر ہے۔ نیز یہ کہ ان کے سارے فتوؤں کو کس نے دیکھا یا اکٹھا کیا ہے کہ ان کی رائے کے عدم تجدد پر اس کو یقین پیدا ہو گیا ہے کیونکہ ان جناب نے بارہ کتابیں 'مشرق الشمسین'، 'حبل المتین' اور 'جامع عباسی' جیسی لکھی ہیں۔ تو کس نے ان سب کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور پھر یہ چھان بین کی ہے کہ ایک مسئلہ پر ہر جگہ ایک ہی فتویٰ دیا ہے۔ نیز ان کے فتاویٰ سے لوگ اپنے مسائل کا حل نکالتے تھے تو کوئی ایسا بھی ہوا کہ جس نے ان

(۱) یہ مثنوی مولوی روی کا پہلا شعر ہے۔ (مترجم)

فتاویٰ کو جمع کیا ہو اور یہ دیکھا کہ ان کا کوئی فتویٰ دوسرے سے مختلف نہیں ہے۔ علاوہ بریں یہ جو کہا گیا کہ ان کی جدت حسن اجتہاد کی دلیل نہیں ہے بلکہ عدم تجدد ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے ایک بار ہی اتنی جد و جہد کی کہ اب وہ اپنے اجتہاد سے ہٹتے نہیں ہیں بلکہ اب وہ مسئلہ ان پر بالکل واضح ہو چکا ہے۔ غرض ان کی شان ایسی باتوں سے کہیں بالاتر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کو خاتم المجتہدین کے لقب سے خطاب کیا جاتا ہے۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض تو بالکل ہی درجۂ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ شیخ نے اتنی سیاحت کی ہی نہیں۔ یہ بات بالکل غلط مشہور ہوگئی ہے کہ وہ زیادہ تر سفر میں رہتے تھے جیسے کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ شیخ مکہ سے آگے گئے ہی نہیں یا پھر اپنے والد کے ساتھ ہرات گئے تھے اس کے علاوہ ہمارے علم میں تو ان کا کوئی اور سفر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہو بھی تو سیاحت موجب فساد عقیدہ، یا باعث کفر و فسق نہیں ہو سکتی اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک مؤمن یا عالم یا مجتہد روز و شب اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور تالیف و تصنیف و تدریس ہی کرتا رہے۔ مختصر یہ کہ یہ اعتراض بھی یکسر درجۂ اعتبار سے ساقط ہے اور اس پر شاہد امیر المومنین علی علیہ السلام کا کلام معجز بیان ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

نامعلوم چیزوں کی تلاش میں اپنے وطنوں سے دور ہو جاؤ اور سفر کرو کیونکہ سفر میں پانچ فائدے ہیں (۱) سیر ہوتی ہے (۲) حصول رزق کا ذریعہ ہے (۳) علم حاصل ہوتا ہے (۴) ادب و آداب سیکھتے ہیں اور (۵) شرفاء کی صحبت نصیب ہوتی ہے۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کیا شیخ کے منہ سے خود کسی نے ایسی باتیں سنیں اور کتابیں فسادِ عقیدہ کی دلیل نہیں بن سکتیں کیونکہ کتاب حجت نہیں ہے۔ جیسا کہ شیخ حسن بن جعفر کی سنی علماء سے بحث کے سلسلہ میں اس کتاب میں مفصل ذکر ہو چکا ہے نیز کاکل مشکیں بدوش انداختہ کا مسئلہ وحدتِ وجود سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ شعراء کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اس قسم کے الفاظ اپنے اشعار میں لاتے ہیں تاکہ حسن کلام اور شعر کی خوبصورتی کا سبب بنیں اس لئے اکثر قصاید کی ابتداء میں محبوب خیالی کا ذکر کرتے ہیں اور پھر اصل مطلب کی طرف گریز کرتے ہیں جیسے 'قصیدہ لام عمرو و باللوی' میں ایک اچھے قصیدہ کی تشبیب ہے اور یہ مدح امیر المومنینؑ میں ہے۔ لہٰذا حضرت امام رضاؑ نے پیغمبرؐ کو خواب میں دیکھا اور پیغمبرؐ نے آپ سے فرمایا: اس قصیدہ کو یاد کر لو اور جو اس قصیدہ کو یاد کرے گا تو قیامت کے دن یہ قصیدہ اس شخص اور جہنم کے درمیان رکاوٹ بن جائے گا تو یوں کہنا چاہیے کہ سید اسماعیل حمیری نے اس قصیدہ میں تشبیہ بیان کی اور اس عورت کے ساتھ اپنی عشق بازی کا بیان کیا تو لہٰذا وہ زانی ہو گیا؟ بس اسی طرح شیخ نے بھی مشکین زلفوں کا ذکر کیا ہے تو وہ اسی انداز پر ہے۔ ان سب باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے سید نعمت اللہ جزائری نے کہا ہے کہ شیخ بہائی ہر فرقہ سے میل جول رکھا کرتے تھے اور ہر قوم و دین والے کے ساتھ ان کے طریقے کے مطابق برتاؤ کرتے تھے۔ سید نے کہا ہے کہ مصر میں ایک سنی عالم نے کہا کہ شیخ بہائی سنی تھے۔ اس پر میں نے ان کی کتاب 'مفتاح الفلاح' اس کے آگے رکھ دی تو اس نے بڑا تعجب کیا کہ شیخ تو ہمارے سامنے بالکل ہمارے جیسے علماء کی طرح لگتے تھے۔ شیخ نے ایک قصیدہ میں جو مدح حضرت قائم عجل اللہ فرجہ میں لکھا گیا اس سلسلہ میں چند اشعار کہے:

وانی امرء لایدرک الدھر غایتی ولاتصل الایدی الی سیر اغواری

حقیقت یہ ہے کہ زمانہ میری غرض نہیں سمجھ سکتا نہ ان کے ہاتھوں کی پہنچ غاروں تک ہے

اخالط ابناء الزمان بمقتضی عقولھم کی لایفوھو بانکاری

دنیا والے باہم متحد ہوگئے تاکہ اپنی عقلوں کی خواہش کے تحت اسی کا انکار کردیں

واظھرانی مثلھم تستفزنی صروف اللیالی باحتلاء وامراری

اور یہ ظاہر ہے کہ ان کی مثل مجھے تپاتی ہے گردشِ لیل و نہار میں تلخیاں کھلی ہوتی ہیں

اور اسی سے چوتھے اعتراض کا جواب واضح ہو گیا کہ ہر گروہ سے ان کے عقیدہ و مذہب کے مطابق گفتگو کی جائے تاکہ کسی سے ان کا انکار بن نہ پڑے۔ نیز اہل علم کی تعظیم کا ایک قانون ہے کہ ان کی علماء سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں لہٰذا وہ علماء عامہ کا بھی تعظیم سے نام لیتے ہیں اور پھر جواب میں ان کے

ساتھ بھی وہی ہوتا ہے۔(یعنی جب وہ دوسرے کی تعظیم کریں گے تو دوسرا لازماً ان کی تعظیم پر مجبور ہوگا۔مترجم)

رہا پانچواں اعتراض تو یہ کھلا جھوٹ ہے نہ یہ کسی جگہ لکھا ہوا ملتا ہے نہ کسی قابل اعتماد شخصیت سے یہ سنا گیا ہے اس کے علاوہ شیخ نے نان وحلوہ والا رسالہ تو سفر حجاز میں لکھا تھا اس وقت ان کے والد شیخ حسین بقید حیات ہی نہ تھے کہ ان کو مارتے یا ان پر سختی کرتے نیز یہ کہ کسی بات پر تادیب اور روک ٹوک فسادِ عقیدہ کی دلیل تو نہیں بن سکتا۔

چھٹے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ایسی چیز ہماری نظر سے نہیں گزری کہ شیخ نے کبھی ایسا کہا ہو۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسا ہے بھی تو یہ طریقہ قواعد عدلیہ اور تقاضائے لطف کے بالکل موافق ہے کیونکہ حتی المقدور جدوجہد کر لینے کے بعد اگر پھر بھی عذاب دیا جائے تو ظلم اور تکلیف بمالایطاق (۱) لازم آتی ہے اور وہ جو مخالفین اور کفار کے لئے کہا گیا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ شیخ سن رسیدگی کی بات کر رہے ہیں بچپنے کی نہیں یعنی اگر کوئی ایسا ہو تو وہ معذب نہیں ہوگا لیکن بچپنے میں کوئی ایسا ہو تو شیخ نے یہ نہیں کہا کہ ایسا ہوتا ہے یعنی آیا قاصر ملتا ہے یا نہیں اگر شیخ یہ کہیں کہ ملتا ہے تو یقیناً مخالفین کی بات پکی ہو جاتی لیکن شیخ نے یہ کہا ہی نہیں اس آیہ شریفہ کی روشنی میں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (جو ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کی ہدایت کر دیتے ہیں) یہ قاصر کے عدم وجود پر دلیل ہے اس طرح آیہ مبارکہ فطرة اللّٰہ التی فطر الناس علیھا (یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے) اور اسی طرح یہ حدیث کل مولود یولد علی فطرة الاسلام وانما ابواہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ (ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں)۔

اس طرح قاعدہ لطف کا تقاضہ بھی یہی ہے اور مخالفین اور کفار حقیقی طور پر جدوجہد کرتے ہی نہیں ہیں یا اگر کرتے بھی ہیں تو دنیاداری کی وجہ سے حق سے چشم پوشی کر لیتے ہیں چنانچہ وہ مقصر ہیں قاصر نہیں ہیں۔اور ہو سکتا ہے کہ شیخ نے صغریٰ میں بات کہی ہو لیکن یہ گہرے مسائل میں سے ہے اور قاعدہ لطف بھی فروع میں جاری ہوا کرتا ہے اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ شیخ نے ایسے مسئلہ میں یہ فتویٰ دیا ہو۔اس لئے ان پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

شیخ بہائی میرداماد کے ہم عصر تھے اور میرداماد یہ کہا کرتے تھے کہ میرے بعد یہ عرب بچہ (یعنی شیخ بہائی) ایران میں اپنا جلوہ دکھائے گا۔کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بادشاہ شکار کے لئے نکلا تو میرداماد اور شیخ دونوں کو اپنے ہمراہ لے گیا۔تھوڑا فاصلہ طے کیا تو ان دونوں میں سے ایک عالم پیچھے رہ گیا اور وہ بڑی آہستہ رفتار سے راستہ طے کر رہا تھا اور دوسرا آگے بڑھ گیا تھا اور بڑی تیزی سے چل رہا تھا۔اور کبھی اس کا گھوڑا جست لگاتا تھا۔چنانچہ سلطان بھی گھوڑا دوڑا کر جو آگے تھا اس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ یہ جو پیچھے رہ گیا یہ بڑا پست فطرت معلوم ہوتا ہے یہ اس قابل بھی نہیں کہ اپنے گھوڑے کو دوڑا سکے اور ہمارے ساتھ چل سکے تو اس آگے بڑھنے والے نے کہا: وہ اس لئے پیچھے رہ گیا ہے کہ چونکہ منبع ومعدن علم ہے اور اس کی سواری پر یہ بڑا مشکل ہو رہا ہے کہ اس کے بار علم کو اٹھا سکے لہٰذا وہ آہستہ چل رہا ہے۔اب بادشاہ نے اپنے گھوڑے کی لگام اس کی جانب موڑی جو پیچھے رہ گیا تھا تو اس سے کہا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ جو آگے جا رہا ہے اور گھوڑا دوڑا رہا ہے اسے ذرا سا بھی وقار وشرف کا پاس نہیں اور بے ہودگی اور نالائقی کی وجہ سے آگے آگے چل رہا ہے۔تو اس پیچھے رہنے والے نے کہا: کیونکہ اس آگے والے کا سینہ علم سے مملو ہے لہٰذا اس کی سواری بڑے جوش وجذبہ میں ہے اور جست لگا لگا کر آگے بڑھ رہی ہے۔اس کے بعد سے بادشاہ نے ان دونوں کی تعظیم وتکریم میں کبھی کوتاہی نہیں برتی۔ہاں اگر علماء ایک دوسرے کی تعریف وتوصیف وتعظیم نہ کریں تو سب ہی کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہے چنانچہ علماء کو ہرگز ایک دوسرے کی بے توقیری نہیں کرنی چاہیے اور اس دنیا کی مردار کے لئے اہل دنیا کے سامنے اپنے کو خوار نہ کریں۔اگر وہ آپس میں لڑیں گے تو دونوں ہی تباہ وبرباد ہو جائیں گے جیسا کہ قصہ مشہور ہے کہ دو عالم کسی شخص کے مہمان بنے جب ایک کسی ضرورت سے باہر گیا تو صاحب خانہ نے دوسرے سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھی کچھ فہم وعقل کے مالک ہیں؟ تو اس عالم شخص نے کہا یہ تو بالکل نافہم، عقل سے کورے، محض گدھے ہیں۔تھوڑی دیر بعد وہ جو باہر گیا تھا واپس آ گیا اور دوسرا شخص قضائے حاجت کے لئے چلا گیا۔تو اس میزبان نے اس واپس آنے والے سے پوچھا کہ آپ کے ساتھی کا

(۱) بمالایطاق: وہ کام کرنا جو طاقت سے باہر ہو۔

علم وفہم کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا یہ بالکل بے عقل، گدھا ہے۔ رات ہوئی تو میزبان نے ملازموں کو حکم دیا اور وہ دو پیالے جو کے بھوسے کے لائے اور دونوں عالموں کے سامنے رکھ دیئے وہ دونوں حیران رہ گئے کہ شام کے کھانے کے بجائے یہ جو ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں تو صاحب خانہ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے آپ دونوں سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ کے ساتھی کی فہم وعقل کیسی ہے تو دونوں نے ایک دوسرے کو بتایا کہ وہ گدھا ہے۔ تو ظاہر ہوئی بات ہے کہ گدھا جو کھاتا ہے کھانا نہیں کھاتا لہٰذا ہم نے آپ کے لئے جو پیش کردی ہے۔ غرض ہم جنسوں کی غیبت کچھ اچھی بات نہیں ہے خصوصاً آجکل کے زمانے میں دنیادار لوگ بعض نااہل لوگوں کو اپنی بے دینی کی وجہ سے علماء کے مقابلہ پر لے آتے ہیں اور ان کے سامنے دوسروں کی مذمت کیا کرتے ہیں اور وہ بھی ان کی پیروی میں ایک دوسرے کی غیبت کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نفسوں کے شر اور اعمال کی برائیوں سے محفوظ رکھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن بادشاہ وقت سیر وتفریح اور شکار کی خاطر شہر سے باہر گیا اور شیخ اس کے پیچھے آہستہ آہستہ آرہے تھے۔ بادشاہ کے ملازموں نے ایک سور کا شکار کیا اور بادشاہ کے پاس لیکر آئے جب سلطان نے اسے دیکھا تو اس کے دانتوں پر نظر پڑی کہ ان پر ایک جلیل لفظ یعنی اللہ لکھا ہوا ہے۔ یعنی نقش ہے۔ سلطان کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ واضح تھا کہ یہ کسی انسان کا کام تو ہو نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ یہ لفظ جلیل طیب وپاکیزہ لفظ ہے حتیٰ کہ کوئی انسان بھی اس کو بغیر وضو کے چھو نہیں سکتا اور سور کا لعاب دہن اور خود سور نجس العین جانور ہے تو آخر یہ کیسے ہوا۔ سلطان نے کسی کو بھیجا کہ شیخ کو پیچھے سے لیکر آئیں اور شیخ سے اس عجیب مسئلہ کا حل دریافت کیا۔ شیخ نے کہا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے اور اس حکایت سے سید مرتضیٰ کے قول کی تائید ہوتی ہے کیونکہ وہ ان اجزائے جسم کو جن میں روح نہیں ہوتی نجس العین نہیں مانتے اور جیسے ہڈیاں، بال، اور ناخون وغیرہ۔ اس مجلس میں اس وقت ایک طبیب بھی موجود تھا تو وہ کہنے لگا کہ شیخ الرئیس ابوعلی سینا دانتوں کو بے روح اجزاء میں شمار نہیں کرتے اور وہ کہتے ہیں کہ ان میں حیات ہوتی ہے۔ شیخ نے کہا کہ جب ائمہ علیہم السلام کی احادیث موجود ہیں کہ دانت بے روح اجزاء میں ہیں تو ابن سینا کے کلام کو قابل اعتبار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جب اس طبیب نے یہ سنا تو اپنا سر جھکا اور ہنسے لگا یعنی وہ گویا مذاق اڑا رہا تھا کہ ان علماء کو عقل نہیں ہے اور احادیث پر جمے بیٹھے ہیں۔ شیخ کو طبیب کی اس حرکت پر غصہ آیا اور کہنے لگے کہ مجھے تو یہاں ابن سینا پر بھی اعتراض ہے کہ وہ ہرگز اس سے بچ نہیں سکتا۔ طبیب نے پوچھا: کیا اعتراض ہے شیخ نے کہا کہ ابن سینا نے قانون کی فلاں بحث میں یہ کہا ہے کہ انسان یا حیوان کی کسی ہڈی میں حیات ہوتی ہی نہیں ہے اس کی یہ بات سالبہ کلیہ (۱) ہے۔ اور دوسری جگہ اس نے کہا ہے کہ بعض ہڈیوں میں زندگی پائی جاتی ہے اور وہ دانت ہیں اور یہ قضیہ موجبہ جزئیہ ہوگیا اور جو موجبہ جزئیہ سالبہ کلیہ کو توڑ رہا ہے تو "قانون" کی یہ دونوں باتیں آپس میں ٹکرا رہی ہیں۔ طبیب نے کہا میں یقیناً کتاب قانون کی طرف رجوع کروں گا تو اس مشکل کا کوئی حل نکالوں گا۔ شیخ نے کہا ایک نہیں ہزار بار رجوع کر۔ تیرے اس رجوع کرنے سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں۔

کہتے ہیں کہ اپنے سفروں سے واپسی کے بعد شیخ عجیب وغریب علوم کے حامل ہوگئے۔ اپنے صفائے نفس کی بناء پر عجیب امور ان سے ظاہر ہوتے تھے اور وہ حیرت انگیز تصرفات کرسکتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شیخ جس کا نام قاسم تھا شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو تصرفات شیخ اپنی پاکیزگی نفس کی وجہ سے کرلیا کرتے تھے قاسم نے بھی ان کو انجام دیا (یعنی جو کرامات آپکی تھیں ویسے ہی کام اس نے کر دکھائے) تو شیخ کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا۔ قاسم نے عرض کی: آپ ان چیزوں پر تعجب نہ کریں کیونکہ جو کچھ آپ کررہے ہیں وہ باطنی پاکیزگی کی وجہ سے کررہے ہیں اور وہ حقیقی ہے اور جو میں کررہا ہوں وہ سحر وشعبدہ بازی ہے۔ شیخ نے کہا کہ اگر صورتحال اس طرح ہے تو تو ان چیزوں کو عام نہ کر اور اگر انہیں لکھنا ہی چاہتا ہے تو پراسرار انداز میں لکھ تاکہ نااہل اس کو سمجھ نہ سکیں کیونکہ اس قسم کے امور گناہوں میں زیادتی کا سبب بنتے ہیں۔ چنانچہ قاسم نے ایک کتاب لکھی اور ان بھیدوں کی عجیب وغریب تحریر میں لکھا اور لوگ اس کتاب کو "اسرار قاسمی" کہتے ہیں۔

(۱) سالبہ: علم منطق کی اصطلاح میں وہ قضیہ جس میں حکم بالسلب ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔
سالبہ جزیہ: وہ جملہ جس میں بعض کی نفی ہو اور کُل کی نفی نہ ہو۔ سالبہ کلیہ: وہ جملہ جس میں کُل کی نفی ہو۔ (مترجم)

کہتے ہیں کہ شیخ کے ایک شاگرد نے شیخ سے درخواست کی کہ اسے سرمہ خفا کا راز سکھا دیں اور سرمہ خفا وہ چیز ہے کہ جو اس کو اپنی آنکھ میں لگالیتا ہے تو پھر کوئی شخص اس کو دیکھ نہیں پاتا۔ شیخ نے پہلے تو اسے منع کیا کہ یہ مناسب نہیں ہے لیکن جب اس نے بہت اصرار کیا تو سرمۂ خفا کا طریقہ اسے سکھا دیا لیکن اس بات کی سخت تاکید کی کہ اس راز کو خفیہ رکھے اور ایسا کوئی کام نہ کرے کہ جس سے کوئی مصیبت کھڑی ہو جائے۔ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک دن بادشاہ کھانا کھانے لگا تو اچانک اس نے دیکھا کہ دسترخوان کے ایک طرف سے ایک لقمہ ہوا میں چلا گیا اور پھر کھانے کی چیزیں مسلسل کم ہوتی رہیں جیسے کوئی اور بھی ساتھ بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا ہو۔ بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ جب کئی روز تک یہی ہوتا رہا تو بادشاہ نے شیخ سے عرض کیا۔ شیخ فوراً سمجھ گئے کہ یہ حرکت وہی شخص کر رہا ہے جس نے سرمۂ خفا کا راز سیکھا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اب جب آپ کھانا کھانے بیٹھیں تو کسی بہانے سے دسترخوان سے اٹھ جائیں اور باہر نکل کر کمرے کے دروازے کو بند کرا دیں اور کسی سوراخ سے تھوڑی سی گھاس کمرے میں ڈالکر اس میں آگ لگا دیں اس طرح کہ صرف دھواں پیدا ہو پھر کچھ دیر بعد دروازہ کھولیں تو آپ کو ایک شخص کمرے میں ملے گا لیکن اسے آپ کوئی تکلیف دیئے بغیر میرے پاس بھجوا دیں۔ چنانچہ یہی سب کام کیے گئے تو دیکھا گیا کہ ایک آخوند وہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں میں دھواں لگا اور آنسو بہنے لگے تو سرمہ بہہ گیا۔ چنانچہ اسے پکڑا اور شیخ کی خدمت میں حاضر کیا۔ شیخ اس سے بہت ناراض ہوئے اور اس نے آئندہ کے لئے ایسی حرکت سے توبہ کی۔

مشہور ہے کہ نجف کے صحن کی تعمیر شیخ نے ایک خاص انداز سے کرائی تھی کہ جو حجرے اطراف صحن میں بنائے گئے وہ ایک ستارہ کے مقابل سمت میں بنائے گئے اور وہ ستارہ کسی ایک علم کا مربی علمی ہے (یعنی اس کے مقابل بیٹھنے سے اس علم میں ترقی ہوتی ہے) چنانچہ اگر کوئی ریاضی سیکھنے والا طالب علم اس حجرہ میں بیٹھ جائے تو جو اس ستارہ کے مقابل ہے جو علم ریاضی میں مددگار ہوتا ہے تو بہت جلد وہ علم ریاضی میں کمال حاصل کرلے گا ان شاء اللہ اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ہر موسم میں جب بھی سورج کی روشنی ٹھیک زیر دیوارِ صحن پڑے تو وہ اوّل ظہر کا وقت ہوگا۔ اور یہ دونوں آپ کے حیرت انگیز کارنامے ہیں۔

شیخ بہائی کی ولادت شہر بعلبک میں جمعرات کے دن وقت غروب سترہ (۱۷) محرم الحرام ۹۵۳ھ میں ہوئی اور اس فاضلِ زمانہ کی وفات ۱۲ شوال ۱۰۳۱ھ میں واقع ہوئی۔ اس طرح آپ کی عمر مبارک تقریباً ۷۸ سال بنتی ہے۔

آپ کی تالیفات بڑی حسین اور دقیق ہیں اور ساری کی ساری فصیح و بلیغ، مستحکم، سلیس، کامل و متین ہیں۔ ان میں ایک کتاب 'جامع عباسی' ہے جس میں بہت زیادہ فروعات کے ساتھ فتوے لکھے گئے ہیں۔ جو انہوں نے شاہ عباس کے لئے لکھی تھی۔ اس میں انہوں نے عبادات کا باب مکمل کیا تھا کہ رحمت الٰہی سے ملحق ہو گئے پھر سلطان کے حکم سے آپ کے ایک شاگرد نے اس کتاب کو مکمل کیا۔ حق یہ ہے کہ یہ کتاب دوسری مروج کتابوں سے کہیں بہتر ہے اور ابتدائی درجہ کے طالبعلم، متوسط اور کمال یافتہ ہر ایک کے لئے مفید ہے۔ علم اصول میں کتاب "زبدہ" مختصر عبارت میں بڑی خوبیوں پر مشتمل کتاب ہے اور آپ کے ہی لکھے ہوئے اس کتاب کے حواشی ہیں جو علیحدہ مدون کیے گئے ہیں۔ اور محقق جواد کاظمینی جو شیخ کے ایک شاگرد ہیں انہوں نے زبدہ پر شرح لکھی ہے۔ کتاب 'مفتاح الفلاح' نماز کی دعاؤں کے بارے میں ہے اور اس میں دعاؤں کے الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے اور بعض علماء نے اس پر شرحیں رکھی ہیں۔ آقا جمال خوانساری نے اس کا فارسی ترجمہ کیا اور کچھ اضافات بھی کیے۔ اور اس ناچیز مؤلف نے بھی مفتاح الفلاح پر حواشی لکھے ہیں لیکن وہ مدوّن نہیں ہیں۔ اور پچیس رسالے طہارت، صلوٰۃ و روزہ، زکوٰۃ و حج کے بارے میں لکھے اور بعض علماء نے ان کی شرحیں بھی لکھی ہیں۔ اور علم درایہ میں رسالہ جس کا نام "وجیزہ" ہے۔ مؤلف کتاب نے اس پر بھی مفصل شرح لکھی ہے جو ایک جلد میں ہے اور اس میں بڑی باریک بینی سے کام لیا گیا ہے۔ اور ایک رسالہ "زبدہ" کی دقیق باتوں کی وضاحت میں ہے۔ اس میں زبدہ (۱) کی پیچیدہ باتوں کو بالکل کھول دیا گیا ہے یعنی زبدہ کی بھی بالائی (Cream) نکال دی گئی ہے اور نحوی احکام کو اس میں مختصر طور پر درج کیا گیا ہے۔ ناچیز مؤلف کتاب نے اس پر بھی مفصل شرح لکھی ہے۔ ایک رسالہ تشریح الافلاک علم ہیئت میں ہے۔ اس ناچیز نے اس پر حواشی لکھے ہیں جو غیر مدوّن ہیں اور شیخ بہائی کے بھی تشریح الافلاک پر حواشی ہیں اور مدون ہیں۔ ایک رسالہ قبلہ کے بارے میں اور ایک رسالہ اسطرلاب (۲) جو فارسی زبان میں ہے۔

(۱) زبدہ عربی میں بالائی یا مکھن کو کہتے ہیں۔ (۲) اسطرلاب ایک آلہ ہے جس سے ستاروں کے فاصلے اور گردشیں معلوم کی جاتی ہیں۔ (مترجم)

اور علم حساب میں 'خلاصۃ الحساب'۔ مؤلف کتاب نے اس پر بھی شرح لکھی ہے لیکن وہ ناتمام ہے۔ نیز اس کتاب کے حاشیہ پر بھی میں نے حواشی لکھے ہیں جو غیر مدون ہیں اور کتاب 'کشکول' جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان ہے جیسے عقاید، معقول، تفسیر، اشعار، قصائد، لطیفے، حکایات واحادیث لیکن کشکول کا صحیح نسخہ اب نایاب ہے۔ اور کتاب 'مخلات' جو کشکول جیسی ہی ہے۔ حدیقۃ ہلالیہ یہ صحیفہ کاملہ کی دعائے رویت ہلال کی شرح ہے۔ 'کتاب اربعین' اس میں چالیس احادیث بیان ہوئی ہیں اور ان کی تشریح بھی ہے۔ اور ابن خاتون رضی اللہ عنہ نے اس پر فارسی میں بڑی اچھی شرح لکھی ہے اور کتاب اربعین کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جس کا مضمون یہ ہے کہ جو چالیس احادیث سیکھے گا یا یاد کرے گا جو امت پیغمبرؐ کے کام آئیں تو وہ چالیس احادیث روز قیامت اس کے اور جہنم کے درمیان آڑ بن جائیں گی۔ اسی لئے تمام پرانے علماء اربعین لکھا کرتے تھے جیسے شہید اول، شیخ بہائی، آخوند ملا محمد باقر مجلسی وغیرہ نے اربعین لکھیں۔ علم فقہ میں کتاب 'حبل المتین' لیکن اس میں صرف طہارت ونماز کے مسائل ہیں اور کتاب 'عروۃ الوثقیٰ' تفسیر قران میں لیکن اس میں صرف تفسیر سورہ حمد ہے اور کتاب 'شرح عضدی بر مختصر اصول'، 'رسالہ مواریث'، اہل کتاب کے ذبیحوں کے بارے میں رسالہ، رسالہ صمدیہ جو انہوں نے اپنے بھتیجے شیخ عبدالصمد کے لئے لکھا۔ شیخ یوسف کہتے ہیں کہ اپنے بھائی عبدالصمد کے لئے لکھا لیکن یہ غلط ہے۔ شیخ عبدالصمد ان کے بھتیجے تھے اور شاید شیخ یوسف کو یہ غلط فہمی اس لئے ہوئی کہ شیخ بہائی نے صمدیہ کے دیباچہ میں لکھا کہ یہ رسالہ میں نے اپنے عزیز بھائی شیخ عبدالصمد کے لئے لکھا ہے اور غالباً شیخ یوسف بھی برادر لکھ کر اصلاً برادرزادہ ہی لکھنا چاہتے تھے۔ صمدیہ پر بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ اس میں سے اس فقیر مؤلف کتاب نے بھی دلائل واقوال کے ساتھ فارسی میں ایک شرح لکھی ہے سید علی خان جو ششتر، دزفول اور حویزہ کے شاہ سلطان حسین کے زمانے میں حاکم تھے نے اس پر دو شرحیں لکھیں ایک چھوٹی ایک بڑی۔ بڑی شرح نقل اقوال، دلائل اور تحقیق کے ساتھ ہے لیکن چھوٹی شرح بھی باریکیوں سے خالی نہیں ہے اور اس میں بہت سی نحوی گتھیاں سلجھائی گئی ہیں اور سید علی خاں ایک شجاع، سخی، فاضل اور کئی علوم کے حامل شخص تھے اور علماء سے اجازہ بھی حاصل کیا ہوا تھا۔ ان کے بزرگ بھی سب فضلاء سے تھے اور یہ خود صاحب کرامت شخصیت تھے۔ نعمت اللہ جزائری کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ داڑھی سفید ہو رہی ہے میں نے عرض کیا کہ آپ نے داڑھی کو خضاب نہیں کیا؟ کہنے لگے کہ میں قران مجید کی تفسیر لکھنا چاہتا تھا تو میں نے کلام خدا سے ہی استخارہ نکالا تو یہ آیہ شریفہ نکلی وان لہ عند نالزلفی وحسن مآب (سورہ ص آیت ۲۵) (اور ہمارے نزدیک ان کا بڑا تقرب اور نیک انجام ہے۔) اس آیت سے میں یہ سمجھ گیا کہ میری موت قریب آ گئی ہے۔ تو میں نے مختصر تفسیر لکھنی شروع کی اور خضاب کرنا ترک کر دیا تا کہ اپنی سفید داڑھی کے ساتھ خدا سے ملاقات کروں۔ اس کے ایک سال کے بعد وہ بزرگوار اس جہان فانی سے کوچ کر گئے اور یہ بڑی عجیب کرامت ہے۔ سید علی خان نے صحیفہ کاملہ پر بھی بڑی محنت ومتانت کے ساتھ شرح لکھی ہے۔

شیخ بہائی کی تالیفات میں 'من لایحضرہ الفقیہ' پر ایک نامکمل حاشیہ بھی ہے۔ اور ''تہذیب'' نحو پر ایک کتاب ہے اور کتاب 'بحر الحساب' 'توشیح القاصد' یہ ایام سال کے بارے میں ہے اور 'جواب مسائل شیخ صالح جزائری' اس میں ۲۲ مسائل ہیں۔ اور 'جواب مسئلہ دیگر' اور یہ بھی بہت اچھا ہے اور کتاب ''مسائل مدنیات کے جواب میں'' اور ''شرح فرائض نصیریہ'' جو محقق طوسی کی کتاب کی شرح ہے۔ لیکن نامکمل ہے۔ اور زمین کے اوپر بڑے بڑے پہاڑوں کے بارے میں رسالہ اور تفسیر جس کا نام عین الحیٰوۃ ہے۔

اور فقہ وطہارت میں کتاب ''مشرقین الشمسین'' یہ کتاب بھی میرے پاس ہے اور ''رسالہ کنز'' (خزانہ) اور اسطرلاب پر عربی میں رسالہ اور صحیفہ کاملہ پر ''شرح حقائق الصالحین'' کے نام سے اور قاضی بیضاوی کی تفسیر پر مفصل حاشیہ لیکن یہ ناتمام ہے۔ شرح بر تفسیر قاضی۔ ''حاشیہ مطول'' یہ بھی ناتمام ہے اور رسالہ قبلہ کی پہچان کے بارے میں اور سفر حجاز کے واقعات کے بارے میں رسالہ جو 'نان وحلوہ' کے نام سے ایک نظم ہے۔ ''حواشی کشاف''، علم رجال کے خلاصہ پر حاشیہ اور شیخ حسن صاحب ''معالم'' کے رسالہ اثنی عشریہ پر شرح، ''قواعد شہید'' پر حاشیہ، 'رسالہ قصر وتخییر در سفر' اور رسالہ اس بارے میں کہ تمام سیارے سورج سے روشنی لیتے ہیں اور ''رسالہ در حل اشکال عطارد وقمر'' اور ''سجود تلاوت'' کے احکام کے بارے میں رسالہ اور سورہ کے مستحب اور واجب ہونے کے بارے میں رسالہ اور رومی نے ''مخلص'' پر جو شرح لکھی اس پر شرح جس کا ذکر ''حدیقہ ہلالیہ'' میں کیا ہے خدا ان پر اپنا رحم فرمائے۔

شیخ حسین بن عبدالصمد بن محمد

شیخ عزالدین حسین بن عبدالصمد محمد حارثی ہمدانی جبعی محقق، باریک بین اور ثقہ عالم تھے۔ عام لوگوں کے لئے قابل اعتماد، مشائخ کے لئے محل اعتماد۔ حارث ہمدان سے نسبت کا تذکرہ شیخ بہائی کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ کئی بزرگواروں کے شاگرد ہوئے لیکن زیادہ تر شہید ثانی سے تعلیم پائی۔ شہید ثانی نے شیخ حسین کے لئے جو اجازہ لکھا وہ بڑا طویل ومفصل ہے۔ اس کے شروع میں انہوں نے فرمایا "اخ درراہ خدا" کہ دین میں مختار اور پستی تقلید سے اوج یقین کی طرف ترقی پانے والے، یکتا عالم، پاکیزہ نفس، بلند ہمت، بلند اخلاق، بازوئے اسلام ومسلمین، عزت دنیا ودین حسین بن شیخ صالح عالم تقی خلاصہ اخوان شیخ عبدالصمد بن شیخ امام شمس الدین محمد جو مشہور ہیں جبعی حارث ہمدانی سے خدا ان کو سعادت مند کرے اور ان کے دشمنوں اور مخالفین کو ذلیل وخوار اس طرح آخر اجازہ تک۔

شیخ محدث محمد بن حسن حُرِ عاملی اپنی کتاب "امل الامل" میں ان بزرگوار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ عالم، ماہر، محقق، مدقق، متبحر، جامع ادیب، عظیم الشان وجلیل القدر منشی اور ہمارے شیخ شہید ثانی کے بے حد قابل اعتماد متقی فضلاء، وتلامذہ (شاگردوں) میں سے تھے۔

آپ کی تالیفات میں چند کتابیں ہیں: کتاب "چالیس حدیثیں" اور اہل وسواس کی رد میں ایک رسالہ جس کا نام "عقد حسینی" رکھا، حاشیہ ارشاد اور رسالہ خراسان وعراق عجم کے قبلہ کے بارے میں اہل ایمان کے لئے تحفہ اس رسالہ میں انہوں نے شیخ علی بن عبدالعالی کرکی پر اعتراض وارد کیے ہیں کیونکہ شیخ علی نے وہاں کے لوگوں کو حکم دیا کہ خط جدی کو اپنے دونوں کاندھوں کے درمیان قرار دیں اس طرح بہت سوں کی محرابوں کو تبدیل کر دیا حالانکہ ان شہروں کا طول مکہ کے طول سے زیادہ ہے اور یہی حال عرض کا ہے چنانچہ لازمی طور پر وہ مغرب کی طرف زیادہ مائل ہو گئے جو قبلہ سے بڑا انحراف ہوا۔

آپ نے خراسان کا سفر کیا اور ایک عرصہ تک ہرات میں رہے وہاں آپ شیخ الاسلام تھے پھر آپ بحرین آئے اور وہاں آپ نے وفات پائی آپ کی عمر ۶۶ سال ہوئی۔ یہاں تک "امل الامل" کا کلام تھا۔

آپ کی تالیفات میں عقد طہماسپیہ ہے جو آپ نے شاہ طہماسپ کے لئے لکھی تھی۔ شہید اول کی "الفیہ" پر شرح، نماز جمعہ کے بارے میں رسالہ اور اس کا ذکر شرح الفیہ میں کیا ہے اور جب آپ شہر جبل سے عجم آئے تو آپ کا بیٹا شیخ بہائی اس وقت سات ۷ سال کا تھا۔

آپ مکہ تشریف لے گئے اور ارادہ یہ تھا کہ تا مرگ وہاں قیام کریں گے۔ پھر آپ نے عالم خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہو گئی ہے اور خداوند تعالیٰ کا یہ حکم نافذ ہوا ہے کہ زمین بحرین اور جو کچھ وہاں ہے وہ جنت کی طرف بلند کی جائے جب یہ خواب دیکھا تو بحرین کی مجاوری اختیار کی کہ وہاں تا حیات اقامت گزین ہو گئے اور مکہ سے مراجعت کر کے بحرین آگئے۔ علمائے بحرین آپ کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ علمائے بحرین کا ایک درسی اجتماع ہوتا تھا جہاں وہ اکٹھے ہوتے تھے اور فضلائے بحرین میں سے ایک شیخ داؤد بن مسافر تھے اور وہ بحث ومباحثہ میں بڑے باکمال تھے اور ان میں اور دیگر علمائے بحرین میں کھٹ پٹ رہتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہ لوگ ان کے درس میں حاضر نہ ہوتے تھے۔ اور جب شیخ حسین کی آمد کے بارے میں سنا تو علمائے بحرین نے شیخ داؤد کو پیغام بھیجا کہ وہ اس اجتماع میں آئیں جیسے پہلے آیا کرتے تھے۔ چنانچہ اتفاق یوں ہوا کہ شیخ حسین تشریف لے آئے سب نے ان سے ملاقات کی اور حسب استحقاق ان کی تعظیم بجالائے۔ اور جب شیخ حسین کو پتہ چلا کہ اس علاقے کے لوگوں میں اس طرح کا اجتماع ہوتا ہے تو ایک دن اس اجتماع میں پہنچے تو اس دن کوئی دوسرا ان کے مدمقابل نہ تھا بلکہ وہ سب سے زیادہ اونچے درجہ پر فائز تھے۔ چنانچہ ان سے جھگڑنا شروع کر دیا جیسا کہ ہر جگہ علماء کے ساتھ یہ ہی برتاؤ ہوتا ہے اور شیخ داؤد نے شیخ حسین سے جھگڑنے میں پیش قدمی کی حالانکہ ان کی یہ حیثیت نہیں تھی کہ وہ شیخ حسین سے مباحثہ ومقابلہ کریں۔ جب یہ مجلس ختم ہوئی اور شیخ چلے گئے تو یہ دو اشعار لکھے۔

انـا س فـی زمـان قـد تـصـدوا
لـمـحـو الـعلـم فـلـتـعـلـوا بـلـم لـم
فـان بـاحـثـهـم لـم تـلـق مـنـهـم
سـوی حـرفـیـن لـم لـم لانـسـلـم

بحرین میں شیخ حسین نے تادم مرگ قیام کیا وہیں آپ کی وفات ہوئی اور بحرین کے قریہ مصلیٰ میں آپ کی قبر ہے۔ آپ کے بیٹے شیخ بہائی نے آپ کی وفات پر مرثیہ لکھا۔ صاحب معالم اور شیخ بہائی کو آپ سے اجازہ حاصل ہے۔ شیخ حسین کی وفات ۸، ربیع الاول ۹۸۴ھ میں ہوئی آپ کی ولادت یکم محرم الحرام ۹۱۲ھ میں ہوئی تھی۔ کتاب لؤلؤ میں ان دونوں تاریخوں کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ اس طرح آپ کی عمر ۶۵ سال، تین ماہ اور چند روز بنے گی۔ یہاں تک لؤلؤ کا کلام تھا۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ اگر تاریخ ولادت و وفات یہی ہے جو ذکر کی گئی ہے تو آپ کی عمر مبارک ۷۲ سال ہونی چاہیے نہ کہ جتنی صاحب لؤلؤ کہتے ہیں۔ اللہ ان پر رحمت نازل کرے۔

شیخ زین الدین شہید ثانی

شیخ زین الدین بن شیخ نورالدین علی بن شیخ فاضل احمد بن جمال الدین بن تقی الدین صالح، علامہ بن مشرف العاملی کے شاگرد تھے۔ ان کے پوتے شیخ علی نے حاشیہ "درالمنثور والمنظوم" میں لکھا: یہ میرے جد طاب ثراہ صالح بن مشرف کے خط میں اور میرے جد شیخ حسین کے خط میں ذکر ہوا تقی الدین کو سید علی بن عبدالحمید نے کتاب رجال میں اپنی تحریر میں لکھا کہ یہ ہمارے جد تھے اور کتاب مذکور میں اس زمانے کے فضلاء میں سے کئی نے نقل کیا ہے۔ یہاں تک ان کا کلام تھا۔ شہید ثانی جو ابن الحجہ بھی کہلاتے ہیں اور شہید ثانی کے نام سے مشہور ہیں دائرہ علوم کے محور اور کرۂ آداب و رسوم کا مرکز، سب سے زیادہ فاضل و کامل لوگوں کے رئیس اور ارباب فضیلت و تصنیف و تالیف کے پیشوا، ایک گہرا سمندر، گھومنے والے آسمان پر ایک نادر شے، عجوبہ روزگار، ذہانت و فقاہت کا کوہ بلند و بالا، شہادت کی سعادت حاصل کرنے کو ہر وقت تیار، قواعد دین کو معین کرنے والے، متقیوں کی راہ پر چلنے والے اور بزرگوں کے مقاصد کو پیش نظر رکھنے والے تھے۔ بہت سے لوگوں سے انہیں اجازہ حاصل ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

شہید ثانی کا جو حلیہ بیان کیا جاتا ہے کہ میانہ قد تھے اور سر معتدل تھا آخر عمر میں موٹاپے کی طرف مائل تھے۔ چہرہ مبارک صبیح اور گول تھا۔ خوبصورت بال، سیاہ آنکھیں اور سیاہ ابرو، اور ایک اوپر ایک دو تل تھے۔ اور ایک تل جبیں پر بھی تھا، رنگ سفید، آنکھیں دلکش بازو اور پنڈلیاں مضبوط اور ان کی انگلیاں دو نقرئی قلموں کی طرح تھیں۔ اگر کوئی چہرہ کی طرف دیکھتا اور ان کی رسیلی گفتگو کو سنتا تو پھر اس کا آپ سے جدا ہونے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ آپ کی پیار بھری گفتگو سے اسے سکون ملتا تھا اور دل آپ کی ہیبت سے بھرے ہوتے تھے۔

شہید ثانی خود فرماتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ مجھے مکتب کب لیجایا گیا۔ محمد بن علی بن حسن عودی جزینی جوان کے نیک شاگرد تھے کہتے ہیں کہ وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ مجھے اس وقت مکتب بھیجا گیا جب میں بہت ہی چھوٹا تھا۔

والدان کو بہت چاہتے تھے۔ بڑے پیار سے پیش آتے اور کبھی مارتے نہیں تھے۔ اور معلم سے بھی کہہ دیا تھا کہ اس کو ماریں نہیں جو کرتا ہے کرنے دیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسے مار پیٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تھے بھی اسی لائق کیونکہ بے حد سمجھدار تھے اور ہمیشہ اس چیز کی طرف متوجہ ہوئے جس میں فائدہ ہو اور کبھی بھی کھیل کود کی طرف مائل نہ ہوتے۔ جب وہ زنجانی کی کتاب "تصریف" کو کسی عجمی سے پڑھ رہے تھے تو ان کے والدان سے کسی صیغہ کے متعلق کہتے کہ اس کی گردان کرو تو تمہیں اتنے درہم دونگا اور جب وہ کر دیتے تو جتنی رقم کا وعدہ کرتے وہ دیتے ضرور تھے۔ شیخ زین الدین فقعانی نے قریہ بصرہ میں جو ساحل سمندر پر واقع ہے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت شکل کا انسان ان کے پاس آیا ہے اس کے ہاتھ میں ایک پانی کا جام تھا۔ اس نے وہ جام شہید ثانی کے منہ سے لگا دیا اور جام کو تھامے رہا اور شہید نے گھونٹ گھونٹ کر کے وہ پانی پی لیا تو خواب دیکھنے والے نے اس پانی پلانے والے شخص

سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو خواب میں یہ جواب ملا کہ وہ شیخ علی بن عبدالعالی کرکی ہیں۔

اور شہید ثانی کی کرامت ایک یہ بھی ہے جو محمد بن حسن عودی نے بتائی کہ بدھ کی رات ۱۰ ربیع الاوّل ۹۶۰ھ میں شہر رملہ میں وہاں کی مشہور مسجد میں پہنچا جو جامع ابیض (سفید مسجد) کہلاتی ہے۔ میں وہاں ان انبیاءؑ کی زیارت کو گیا تھا جو غار میں مدفون تھے۔ میں نے دیکھا دروازہ کو تالا لگا ہوا ہے اور مسجد میں بھی کوئی نہیں ہے میں نے تالے پر ہاتھ رکھ کر اس کو کھینچا تو وہ کھل گیا۔ میں غار میں چلا گیا اور نماز و دعا میں مشغول ہو گیا اور قافلہ کا خیال نہ رہا۔ آخر جب شہر میں آیا تو قافلہ کے متعلق پوچھ گچھ کی تو لوگوں نے بتایا کہ قافلہ تو سارا چلا گیا۔ میں پریشان ہو گیا۔ اکیلا چل پڑا لیکن تھک گیا اور قافلہ کو نہ پا سکا۔ اتنے میں ایک آدمی خچر پر سوار آیا۔ جب میرے قریب پہنچا تو کہنے لگا کہ میرے پیچھے تم بھی سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ میں سوار ہو گیا اور وہ سوار بجلی کی سی تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں قافلہ تک جا پہنچا۔ اس نے مجھے اتارا اور کہا کہ لو اپنے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور خود بھی قافلہ میں داخل ہو گیا۔ پھر میں نے تمام قافلہ کو چھان مارا کہ پھر اس سے ملاقات کروں لیکن وہ کہیں نہ ملا نہ اس واقعہ سے پہلے میں نے کبھی اس کو دیکھا تھا۔

دوسری کرامت: جب آپ مقام عزت تک پہنچے اور شیخ محی الدین عبدالقادر بن ابی الخیر کے ساتھ اکھٹے ہوئے اور شہید ثانی اور ان کے درمیان گفتگو اور مباحث ہوئے پھر انہوں نے شہید ثانی کو عامہ کا اجازہ دیا تو ان دونوں میں بڑی محبت پیدا ہو گئی تو شیخ محی الدین نے ان کو اپنے کتب خانہ میں داخل کر دیا کہ لو مطالعہ کا لطف اٹھاؤ۔ جب وہاں سے باہر آنے لگے تو محی الدین نے کہا کہ کوئی کتاب پڑھنے کے لئے لے جاؤ جو تمہارے مسلک کی ہو۔ شہید نے بلا تامل اور بغیر انتخاب کے ہی ایک کتاب پر ہاتھ رکھ دیا اور یہ ایک کتاب تھی شیعوں کی کتابوں میں سے اور علامہ مرحوم کی لکھی ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اسے اٹھا لیا۔

تیسری کرامت: یہ ہے کہ حاجی شمس الدین محمد بن ہلال شہید کی ہمیشہ مالی اعانت کیا کرتے تھے اور ان کی طالبعلمی کے زمانہ میں ان کے اور ان کے اہل خانہ کے اخراجات کا بندوبست کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ شہید سفر پر جا رہے تھے۔ اس قافلہ میں ایک شامی شخص بھی تھا اور مذکورہ حاجی محمد شہید کو اس شخص سے ڈرایا کرتے تھے کہ اگر یہ شخص قافلہ میں ہوتا ہے اور میں سفر پر جانا چاہتا ہوں تو میں ہرگز بھی اس قافلہ کے ساتھ نہیں جاتا اور وہ سفر ترک کر دیتا ہوں۔ خیر شہید سفر پر روانہ ہو گئے جب شہر قطبہ میں پہنچے تو شہید کے پاس سرمایہ تو موجود تھا ہی، حاکم شہر نے قافلہ سے چونگی طلب کی۔ چنانچہ تمام اہل قافلہ مع شہید کے حاکم کے پاس پہنچے تو شہید نے دیکھا وہ شامی شخص جس کے شر سے حاجی نے انہیں آگاہ کیا تھا وہ والی شہر کے گھر کے دروازہ کے قریب بیٹھا ہے۔ جب اس شامی شخص نے شہید کو دیکھا تو حاضرین سے کہنے لگا کہ یہی وہ شخص ہے جس کے متعلق میں نے تمہیں بتایا تھا۔ اس پر شہید نے کہا کہ میرے متعلق تم نے ان کو کیا بتایا؟ اس شامی نے کہا کہ میں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تم تحصیل علم کے لئے مصر جا رہے ہو اور تمہیں حاجی محمد نے بھیجا ہے اور مالی امداد دی ہے۔ یہ سن کر شہید اپنے دل میں بڑے سٹپٹائے اور گھبرائے۔ پھر والی کے سامنے سب لوگ آئے اس نے تاجروں کا حساب کتاب کیا اور جب شہید کی باری آئی اور اس نے ان پر نگاہ ڈالی تو ان کے چہرے سے فراست و دانائی ٹپک رہی تھی چنانچہ اپنے ہاتھ سے ایک چٹھی شہید کو لکھ کر دی کہ جمال سراج (شہید) کے اونٹوں پر خراج نہیں لیا جائے گا۔ جب سب والی کے پاس سے باہر آئے اور شہید اس شامی کے پاس پہنچے تو اس ملعون نے کہا کہ بلاشبہ تیرے پاس کوئی لگام ہے جس میں تو لوگوں کو کس دیا کرتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس شامی کا دل منقلب کر دیا اور اس کے شر سے شہید کو محفوظ کر دیا اور شہید کا سرمایہ ایک اونٹ کا نصف تھا اور شہید بعض ساتھیوں کے اونٹوں کو اپنا اونٹ ظاہر کر کے خراج سے بچا لیتے تھے۔

چوتھی کرامت: محمد بن علی بن حسن عودی جو شہید ثانی کے شاگرد ہیں نے اپنے رسالہ میں شہید کے حالات کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے مصر میں پیغمبر خدا کی خواب میں زیارت کی اور انہوں نے شہید سے نیکی اور بھلائی عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ او محمد حسن کہتے ہیں کہ وہ خواب مکمل طور پر اب مجھے یاد نہیں ہے۔

پانچویں کرامت: محمد بن علی بن حسن کہتے ہیں کہ ہم آپ اور آپ کے کچھ دوستوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک ازبکی بادشاہ حج سے آیا تھا اور

اس کے ساتھ کافی لوگ تھے ان میں سے ایک شخص ایرانی شیعہ تھا اور دوسرا ملا تھا اور سلطان اس ملا کے ساتھ ہی نماز پڑھتا تھا۔ اور وہ بوڑھا ملا شہید ثانی کے رفقاء سے دور دور رہتا تھا۔ اس ایرانی شخص نے بادشاہ اور شہید ثانی میں خوشگوار تعلقات استوار کر دیئے اور حالت یہ ہوئی کہ باقی دنوں میں سلطان شہید کے ساتھ نماز جماعت پڑھنے لگا اور جہاں کہیں بھی قافلہ کا پڑاؤ ہوتا سلطان شہید کے پاس ہی آ جاتا کہ بادشاہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے شہید کی محبت جاگزیں کر دی تھی۔ پھر بادشاہ نے کبھی ملا کے ساتھ نماز نہ پڑھی بلکہ اس کو اپنے ان گھر والوں کا ملازم بنا دیا جو اس سفر میں اس کے ہمراہ تھے چنانچہ اس بوڑھے کو شہید کی طرف سے حسد و بغض پیدا ہو گیا اور اس نے طے کر لیا کہ جب بغداد پہنچیں گے تو شہید کا خاتمہ کر دیں گے۔ شہید کو اس ارادہ کا پتہ چل گیا اور انہوں نے سوچا کہ اگر زیارت نہیں ہو سکتی تو بغیر زیارت ائمہ علیہم السلام ہی وہ خفیہ طور پر وطن کی راہ لیں۔ جب موصل پہنچے تو اس بوڑھے آدمی کو کمزوری لاحق ہو گئی یہاں تک کہ قدرت سفر جاتی رہی اور وہ قافلہ میں نہ گیا اور موصل میں ہی اس نے قیام کیا۔ اس طرح خدا نے اس کے شر سے بچا لیا اور شہید نے ائمہ علیہم السلام کی زیارت کا شرف پا لیا۔

چھٹی کرامت: یہ ہے کہ شہید ثانی جب حلب پہنچے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ حلب کا قیام مختصر کر دیں۔ قافلہ اپنے معینہ راستوں سے روم جا رہا تھا شہید نے استخارہ دیکھا کہ آیا اس قافلہ کے ساتھ روانہ ہوں تو استخارہ اچھا نہیں آیا اور کچھ طلباء ایک غیر مانوس راستہ سے روم کی طرف جا رہے تھے اور یہ ایسا راستہ تھا کہ بہت کم لوگ اس کو اختیار کرتے تھے۔ تو شہید نے استخارہ کیا کہ اسی راستہ سے چلے چلیں استخارہ اچھا آیا لیکن ان طلباء اور قافلہ والوں کا سفر دیر سے شروع ہو رہا تھا۔ تو اب شہید نے قران مجید سے فال نکالی کہ صبر کریں اور ان لوگوں کا انتظار کریں تو یہ آیت نکلی **واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم** (سورہ کہف آیت ۲۸) (اور ان لوگوں کے ساتھ بسر کرنے کی برداشت کرو جو صبح شام اپنے پروردگار سے دعا مانگتے ہیں اور اسی کی رضا کی خواستگاری کرتے ہیں اور اپنی نظر ان سے نہ ہٹاؤ۔) تو شہید کو سکون قلب حاصل ہو گیا پھر ایک قافلہ مشہور راستہ سے جانے والا تھا پھر شہید نے استخارہ دیکھا کہ ان کے ساتھ جاؤں لیکن وہ اچھا نہیں آیا اور کتاب خدا سے فال نکالی کہ ان لوگوں کا انتظار کیا جائے جو غیر معروف راستہ سے جانا چاہتے ہیں تو یہ آیت نکلی **ومن یولھم یومئذ دبرہ الی فئۃ فقد بآء بغضب من اللہ** (سورہ انفال آیت ۱۶) (اور اس دن جو پیٹھ دکھائے گا سوائے اس کے کہ لڑائی کے لئے کترا کے جاتا ہو یا دوسرے گروہ کے پاس جگہ پکڑنا مقصود ہو وہ یقیناً غضب خدا میں گرفتار ہوگا)۔ پھر ایک اور قافلہ مشہور راستہ سے جا رہا تھا۔ شہید نے پھر استخارہ دیکھا کہ اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں تو اچھا نہیں آیا اب قران مجید سے فال نکالی تو یہ آیت نکلی **واتبع مایوحی الیک من ربک واصبر حتیٰ یحکم اللہ وھو خیر الحاکمین** ۔ (سورہ یونس آیت ۲۰۹) (اور جو وحی تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے اس کی پیروی کرو اور جب تک خدائے تعالیٰ فیصلہ نہ کرے صبر کرو۔ اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔) اب ایک اور چوتھا قافلہ معروف راستہ سے جا رہا تھا شہید نے ان کے ساتھ جانا چاہا اور استخارہ دیکھا تو اچھا نہ آیا اور وہ قافلہ جو غیر مشہور راستہ سے جا رہا تھا لیکن تاخیر پر تاخیر کر رہے تھے اور آج کل پر ٹال مٹول ہو رہی تھی ان کے بارے میں ہفتہ کے روز صبح کو فال نکالی تو یہ آیت نکلی **وتتلقیھم الملائکہ ھذا یومکم الذی کنتم توعدون** . (سورہ انبیاء آیت ۱۰۹) [اور فرشتے ان کو لینے آئیں گے (اور کہیں گے) جس دن کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا وہ یہی ہے۔] تو ان کو بڑا تعجب ہوا کہ اگر آج یہ قافلہ چل رہا ہے تو بڑی حیرت کی بات ہے پھر معلوم ہوا کہ وہ اسی دن روانگی کا قصد رکھتے ہیں۔ شہید نے اللہ کی اس نعمت پر اس کا بہت حمد و شکر ادا کیا اور بعد میں پتہ لگا کہ حلب میں اتنا عرصہ رکنے میں کتنی حکمتیں اور راز پوشیدہ تھے اور ان میں سے معمولی ترین بات یہ تھی کہ راستہ میں بڑی گرانی اور قحط تھا۔ اور چار منزل تک کھانے پینے کی کوئی چیز دستیاب نہ تھی۔ اور اب جس راستہ سے گئے ہر جگہ بکثرت نعمتیں اور سستا مال تھا۔ انتہا یہ تھی کہ راہ معروف میں ایک گٹھی چارہ دس درہم عثمانی میں ملتا تھا اور ان کے راستہ میں ایک درہم میں۔

ساتویں کرامت: شہید ثانی نے ایک رسالہ میں اپنے حالات کے بارے میں لکھا کہ اللہ نے جن نعمتوں سے مجھے نوازا ان میں ایک حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ جب میں قسطنطنیہ میں تھا تو ایک دن کچھ اصحاب کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے روضہ کی زیارت کو گئے جو شہر سے باہر واقع تھا، سلطان

محمد نے اسی روضہ پر قبہ تعمیر کیا تھا۔اور یہ جمادی الاول کی پہلی تاریخ تھی جب میں اس روضہ پر پہنچا تو پس ذرا ایک طرف ہو گیا اور مصحف لیکر اس سے فال نکالی کیونکہ جب میں چلا تھا تو زوجہ حاملہ تھی اور ولادت جمادی الاول کی ابتداء میں متوقع تھی پس میں نے قران مجید کھولا تو صفحہ کی ابتداء میں یہ آیت تھی و بشرناہ بغلام حلیم. میں سجدہ شکر بجالایا اور خدا سے التجا کی کہ مبارک و مسعود بیٹا عنایت کرے۔اس کے بعد ۱۹ رجب کو منگل کے دن وطن سے خطوط پہنچے اور مجھے خوشخبری ملی کہ اللہ نے اولاد نرینہ عطا فرمائی ہے میں نے اسی وقت یہ دو اشعار کہے۔

وقد من مولینا الکریم بفضلہ علیکم بمولود غلام من البشر

فیارب متعنا بطول بقائہ واحی بہ قلباً لہ الوصل قد ھجر

(اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک فرزند عطا کیا ہے پس اے رب کریم اس کو لمبی زندگی بخش تا کہ اس کے اور میرے درمیان سے دوری کا حجاب ختم ہو جائے۔)

یہاں تک شہید ثانی کا کلام تھا۔

محمد بن علی بن حسن کہتے ہیں کہ یہ بچہ ان کی پہلی بیوی سے تھا جو شیخ علی میسی کی بیٹی اور شہید کی خالہ کی صاحبزادی تھیں اور اس بچے کا نام محمد تھا اور بچپنے میں والد کی غیر موجودگی میں ہی اس کی وفات ہو گئی۔

آٹھویں کرامت: شہید فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران برف باری شروع ہو گئی۔ پیر کی شب تھی میں منبر پر ہی سو گیا۔سردی بہت زیادہ تھی اور عجیب بات یہ ہے کہ ابھی سویا ہی تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے شیخ جلیل محمد بن یعقوب کلینی کی خدمت میں بیٹھا ہوا ہوں اور آپ ایسے شیخ تھے جو بڑی پاکیزہ صورت، بارونق چہرہ والے تھے،علم کی عظمت ان کے چہرہ سے ٹپکی پڑ رہی تھی۔ میرے ساتھ میرے کچھ دوست بھی جن میں میرے رفیق و ہمدم شیخ حسین بن عبدالصمد بھی تھے۔ہم نے کلینی سے مطالبہ کیا کہ کتاب کافی کا اصل نسخہ ہمیں عطا کر دیں کہ ہم اسکی نقل کر لیں۔ چنانچہ وہ گھر میں اندر گئے اور کتاب کافی کا جزو اول لیکر آئے جو نصف شامی کاغذ کے سانچے میں تھا۔پھر اسے کھولا وہ بڑی صاف ستھری تحریر میں، معرب صحیح کیا ہوا تھا اور اس کے رموز سنہری حروف میں لکھے ہوئے تھے۔ہمیں اصل نسخہ کو اس طرح دیکھ کر بڑا تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی جبکہ اس سے پہلے ہم کافی پریشان تھے۔ میں نے دوسرے حصوں کے لئے کہا تو کلینی لوگوں کے اس کتاب کے لکھنے میں کوتاہی برتنے کی وجہ سے بہت رنجیدہ نظر آئے اور کہنے لگے کہ نہ معلوم باقی اجزاء کہاں ہیں پھر کہنے لگے کہ تم اس کو دیکھو میں دوسرے اجزاء تلاش کرتا ہوں۔ پھر باقی اجزاء ڈھونڈنے کے لئے گھر میں گئے اور جب گھر سے باہر آئے تو اب ان کے ہاتھ میں ایک اور حصہ کتاب تھا مگر دوسرے خط میں لکھا ہوا تھا اور ظاہری طور پر اس کی جلد بھی مکمل تھی اور ضخیم تھا لیکن تحریر خوبصورت نہیں تھی۔ پھر وہ مجھے دیا اور ہم سب سے شکایت کی کہ میری کتاب کو اس بری طرح لکھا ہے اور اس پر افسوس کرنے لگے۔اس مجلس میں برادر صالح شیخ زین العابدین فقعانی بھی تشریف رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ نسخہ اول کا کچھ جزو میرے پاس بھی ہے اور وہ ویسا ہی تھا جیسا پہلا ہم نے دیکھا تھا۔ہم بڑے خوش ہوئے اور باہر نکل آئے۔اور انہوں نے یہ میرے حوالے کر دیا میں بڑا خوش ہوا پھر میں نے خود گھر میں تلاش کیا تو سارے اجزاء مجھے مل گئے اور وہ سب پہلے کی طرح کے تھے۔ہم بہت ہی خوش تھے اور ہم وہاں سے باہر نکل کر تمام اجزاء کو لیکر ان کے مصنف شیخ جلیل کی طرف چلے اور وہ اپنے پہلے ہی مقام پر تشریف فرما تھے۔پھر جب ہم ان کے پاس آبیٹھے تو پھر وہی باتیں شروع کیں یعنی کتاب کی تحریر اور لوگوں کی اس بارے میں لاپروائی تو میں نے کہا: جناب آقا شہر دمشق میں ہمارا ایک دوست ہے جن کا نام زین العابدین غرابیلی ہے کہ اس نے آپکی کتاب کو بڑے شاندار طریقے سے اچھے کاغذ پر دو جلدوں میں تحریر کیا ہے جس میں سے ہر جلد کتاب ''شرائع'' کے برابر ہے اور وہ ایسا نسخہ ہے جو مخالفین کے مقابلہ میں بھی قابل فخر ہے اور چاہنے والوں کے لئے بھی۔اس بات سے شیخ کا چہرہ مسرور ہو گیا پھر انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس شخص کو دعا دی لیکن بالکل آہستہ آہستہ کہ میں الفاظ کو سمجھ نہ سکا۔ پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا۔

نویں کرامت: محمد بن علی بن حسن عودی نے لکھا کہ جب شہید سفر زیارت عراق سے واپس آئے جو انہوں نے ۹۵۶ھ میں کیا تھا تو اپنی کرامات میں سے ایک یہ کرامت بتائی کہ میں نے عراق میں قبلہ پر اجتہاد کیا تو میں نے کوفہ کی جامع مسجد کی محراب کا اعتبار کیا کہ جس میں امیر المومنین نماز پڑھا کرتے تھے اور میں نے دیکھا کہ درگاہ محراب مسجد کے مخالف سمت میں ہے اور میں وہیں ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے اس سے منحرف ہو کر مغرب کی سمت نماز پڑھی اور طلباء کو بھی اپنے اس اجتہاد سے آگاہ کر دیا تو ایک طالبعلم شیخ موسیٰ جو ایرانی تھا اسے نہ مانا اور تین روز تک مجھ سے ملاقات بھی نہیں کی اور اس بات کی شدید تردید کی کیونکہ اس محراب میں بہت سے فضلاء نماز ادا کرتے ہیں خصوصاً مرحوم شیخ محقق ثانی وغیرہ پھر شیخ موسیٰ نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر خدا درگاہ مقدسہ میں داخل ہوئے ہیں اور نماز جماعت ادا کی ہے لیکن بالکل منحرف ہو کر (یعنی مخالف سمت میں) جیسے میں نے پڑھی تھی۔ جماعت کے بعد کچھ لوگوں نے منحرف ہو کر ہی نماز پڑھی لیکن بعض نے اس کے خلاف کیا۔ پس جب پیغمبرؐ نماز سے فارغ ہوئے تو اس جماعت کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ جو یہاں نماز پڑھے اور انحراف نہ کرے اس کی نماز باطل ہے۔ جب شیخ موسیٰ بیدار ہوا تو میرے پاس آیا اور میرے ہاتھ کا بوسہ لیا اور اپنی حرکت کی معافی مانگنے لگا تو میں نے پوچھا کہ آخر کیوں معافی مانگ رہے ہو تو اس نے خواب کی ساری داستان مجھے سنائی۔

دسویں کرامت: شہید ثانی شب جمعہ ضریح مقدس کے سرہانے بیٹھ گئے اور قرآن مجید کی تھوڑی سی تلاوت کی اور پھر متوجہ ہو کر خدا سے فریاد کی کہ مجھے آگاہ فرمائے کہ آخر کار دشمن مجھے کیا نقصان پہنچائیں گے۔ پھر قرآن کھولا تو داہنے ہاتھ کے صفحہ پر شروع میں ہی یہ آیت تھی **ففررت منکم لما خفتکم فوھب لی ربی حکماً وجعلنی من المرسلین** (سورہ شعراء آیت ۲۱) (اس وقت جب میں تم سے ڈرا تو میں خود ہی تم سے ڈر بھاگ گیا تھا اور اب تو میرے پروردگار نے مجھے حکمت عطا کی ہے اور مجھے رسولوں میں سے قرار دیا ہے۔) چنانچہ اللہ کی اس بشارت و مہربانی و نعمت پر سجدہ کیا اور شکر بجالائے۔

گیارہویں کرامت: جیسا کہ محمد بن علی بن حسن نے لکھا ہے کہ آپ کی پہلی تالیف کتاب "شرح ارشاد" تھی اور جب وہ لکھ رہے تھے تو کسی کو اس کے متعلق بتایا نہیں تھا اور مجھے بھی یہ بات پتہ نہیں تھی۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ شہید ثانی بڑے بلند منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور خطبہ پڑھ رہے ہیں کہ پہلے ویسا فصیح و بلیغ خطبہ نہیں سنا گیا تھا میں نے یہ خواب شہید سے بیان کیا۔ وہ گھر کے اندر گئے اور ایک کتاب کا کچھ حصہ لیکر باہر آئے اور مجھے دیا تو میں نے دیکھا کہ وہ "شرح ارشاد" ہے اور اس میں وہی خطبہ لکھا ہوا ہے جو بہت فصیح و بلیغ اور حسن ترصیع (۱) کے ساتھ ہے جس سے کتاب کا پورا موضوع سمجھ میں آجاتا ہے اور اس میں تمام کتب فقہ کے نام مختصر ترین عبارت میں لیے گئے ہیں اور فرمایا کہ یہ خطبہ ہے جو تم نے خواب میں سنا اور پھر مجھے تاکید کی کہ اس بات کو پوشیدہ رکھوں اور کسی سے ذکر نہ کروں۔

بارہویں کرامت: شیخ علی بن محمد بن حسن زین الدین نے حواشی درالمنثور میں لکھا کہ میں نے ایک ایسے شخص سے جس پر مجھے اعتماد ہے سنا کہ شہید ثانی نے خواب میں دیکھا کہ بہشت کی سیر کر رہے ہیں اور ایک جگہ دیکھی جہاں کچھ کرسیاں پڑی ہوئی ہیں اور ہر کرسی پر کوئی نہ کوئی مشہور عالم تشریف فرما ہے اور شہید اوّل کے پہلو میں ایک اور کرسی ہے کہ جس پر کوئی نہیں بیٹھا تھا اور وہ خالی تھی۔ تو میں نے سوال کیا کہ یہ کرسی کس کی ہے۔ تو مجھے جواب ملا کہ یہ تمہارے لئے ہے۔ پس اسی وقت سے شہید ثانی نے سمجھ لیا تھا کہ وہ شہادت کی سعادت پائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے شہید اوّل کی تالیفات کا اتباع شروع کر دیا۔

تیرہویں کرامت: اس کے بعد ہم یہ بتاتے ہیں کہ آپ نے خود اپنی شہادت کے متعلق بتایا ہے۔ درالمنثور میں شیخ علی کے حواشی میں لکھا ہے کہ شیخ حسین بن عبدالصمد حارثی جو شیخ بہائی کے والد تھے سے سوال کیا گیا کہ شیخ الاسلام اس بارے میں کیا فرماتے ہیں جو شیخ مرحوم شہید ثانی سے روایت کی گئی ہے کہ وہ استنبول کا دورہ کر رہے تھے اور ہمارے شیخ اس وقت ان کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ عنقریب ایک شخص جو بڑی شان والا ہے اس مکان میں قتل کیا جائے گا یا کوئی اور ایسا جملہ جس کا مضمون یہی تھا اور وہ بعد میں اسی مکان میں شہید کیے گئے۔ اور یہ ان کی ایک کرامت ہی ہے اللہ ان

(۱) ترصیع: نظم ونثر کے سب کلمات کا ایک دوسرے کے مقابل میں بہ ترتیب متحد الوزن وقوافی ہونا۔ (مترجم)

پر رحمت نازل کرے اور جنت الخلد میں ان کو جگہ عطا فرمائے۔تو شیخ حسین نے جواب میں لکھا کہ ہاں انہوں نے اس بات کا اظہار کیا تھا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا تھا اور ہمیں یہی اطلاع ملی ہے وہ اسی جگہ شہید ہوئے اور یہ بات ان کے پاکیزہ نفس پر منکشف ہوگئی تھی اللہ تعالیٰ ان کو ائمہ طاہرینؑ کے ساتھ اٹھائے اور یہ حسین بن عبدالصمد نے ۱۲ ذی الحجہ ۹۸۳ھ کو لکھا مکہ معظمہ میں۔اللہ ان کے شرف وعظمت میں اضافہ فرمائے۔

چودہویں کرامت: محمد بن حسن عودی، بہشت نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی کہنے والے نے مجھ سے کہا: کیوں غمگین ہے؟ کہا: کیوں نہ ہوں کہ پردیس میں میرا یہ حال ہو رہا ہے۔تو اس نے کہا: خوف نہ کھا کیوں کہ تو بارہ گھروں میں ٹھکانا رکھتا ہے جن میں سے ہر ایک میں نہریں جاری ہیں۔ میں نے خواب میں اپنی دونوں آنکھیں کھولیں۔تو دیکھا کہ واقعی جیسا وہ شخص کہہ رہا ہے وہی کیفیت ہے پس میری آنکھ کھل گئی۔خدا کی حمد بجالایا اور اپنے مرض میں بھی کمی محسوس کی۔اس کے بعد شب منگل کو ایک عجیب خواب دیکھا کیونکہ میں اول شب میں اپنے بارے میں فکرمند تھا اور میں اپنے آپ سے کہہ رہا تھا کہ اگر اس مرض میں مجھے موت آجائے تو میرا انجام کیا ہوگا میں جنتی ہوں گا یا دوزخی پھر میں نے اپنے نفس کا جائزہ لیا اور اس کی خامیاں دیکھیں اور کہنے لگا کہ بھلا تو کس عمل کے صلہ میں مستحق بہشت ٹھہرے گا۔اور حال یہ ہے کہ تیری ساری عمر تو سفر میں صرف ہوگئی اور اچھی طرح عبادت بھی نہ ہوئی تھی اور کوئی عمل بھی ایسا نہیں ہے کہ تو جنت کا مستحق ہو جائے مگر ایمان اور محبت اہلبیت علیہم السلام اور پھر میں نے اپنے آپ سے کہا کہ داخلۂ جنت کے لئے سب سے پہلی چیز ایمان ہی تو ہے اور الحمدللہ میں مؤمن ہوں۔میرے گناہ تو بہت زیادہ ہیں ان کی وجہ سے مجھ پر عذاب ہوگا لیکن پھر بہشت میں داخل ہو جاؤں گا لیکن گناہوں پر عذاب بڑا خطرہ ہے اگر خدا درگزر نہ فرمائے اور شفاعت پیغمبرؐ و ائمہ میسر نہ آئے یہ سوچ رہا تھا کہ سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک بے آب و گیاہ میدان میں دہشت زدہ کھڑا ہوا ہوں، نہ کوئی ہمدرد ہے نہ جسم پر پورا لباس ہے صرف لنگی ہے جس سے ناف سے زانو تک کا حصہ ڈھکا ہوا ہے اور اپنے بدن کو دیکھا کہ بے حد بدصورت ہے۔اور اس پر جھریاں پڑی ہوئی ہیں۔میرے تو حواس ہی اڑ گئے پھر اچانک ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ چلو میں نے کہا: کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہا کہ یہ روز قیامت ہے اور تمہیں حساب کے لئے طلب کیا گیا ہے۔میں اس کے ساتھ چل پڑا تو اس نے مجھے ایک صحرا میں جا چھوڑا پھر ایک اور شخص آیا اور کہا: چلو۔میں نے کہا: کہاں؟ کہا کہ تو جہنم میں ڈالا جائے گا۔چنانچہ میں دل گرفتہ محزون شمال کی سمت چلنے لگا پھر میں نے ان سے کہا کہ مجھے پیغمبر خداؐ اور ائمہؑ کے پاس نہ لیجاؤ گے شاید وہ میری شفاعت فرمادیں۔تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس کی اجازت نہیں۔تو میں نے کہا کہ تم مجھے ان کے مکان کے قریب لیجاؤ تا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ تم وہاں جا رہے ہو۔غرض میں ان کے ساتھ تھا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ پیغمبرؐ اور امیر المؤمنینؑ ہماری داہنی طرف تشریف فرما ہیں اور ان کے قریب تین اور افراد اسی مجلس میں ان کے بعد بیٹھے ہیں۔جب انہوں نے ہمیں دیکھا تو بلایا۔ہم جب ان کے قریب پہنچے تو میں نے سب کو سلام کیا۔میری کیفیت یہ تھی کہ دل پریشان تھا اور حیاء وشرم اور اپنی ہیئت کذائی کی وجہ سے سر جھکایا ہوا تھا۔نیز یہ کہ آتش جہنم کا پروانہ بھی مل چکا تھا۔ میں بڑا شرمسار تھا کہ پیغمبرؐ نے مجھ پر نظر ڈالی۔کافی دیر غور وفکر کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اس کو بہشت میں لیجاؤ۔ان لوگوں نے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ کہ اس کا اعمال نامہ نیکیوں سے بالکل عاری ہے اور بدیوں سے مملو ہے۔اب پیغمبرؐ نے مجھے اشارہ کیا اور میرے پاس دو نامۂ اعمال کے رجسٹر تھے تو نیکیوں کا رجسٹر میں نے ان کو دیا اور رجسٹر کے پہلے صفحہ پر ایک سطر میں بالکل واضح الفاظ میں لکھا ہوا تھا ایمان ومحبت اہلبیتؑ باقی وہ صفحہ بالکل کورا تھا اور کچھ بھی نہ لکھا تھا۔ پھر آپؐ نے دوسرے رجسٹر کی طرف اشارہ کیا میں نے وہ بھی دیدیا تو وہ برائیوں سے اتنا بھرا ہوا تھا کہ مزید ایک حرف بھی لکھنے کی اس میں گنجائش نہ تھی۔ آپؐ نے دونوں صحیفے اپنے زانوئے مبارک کے نیچے رکھ لیے اور پھر فرمایا کہ اسے بہشت میں لے جاؤ۔تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ آپؐ نے اس کا نامۂ اعمال دیکھا ہے؟ تو آپؐ نے ایک صحیفہ نکالا اور اسے کھولا تو دیکھا کہ وہ سارے کا سارا نیکیوں سے بھرا ہوا ہے پھر اس کے بعد برے اعمال والا رجسٹر کھولا تو وہ بالکل خالی تھا سوائے اکا دکا برائی کے۔اب پیغمبرؐ نے فرمایا کہ تم خود دیکھ لو۔تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ جو ارشاد فرمائیں بجا ہے۔پھر پیغمبرؐ نے داہنی جانب اشارہ کیا اور کہا: اسے بہشت میں لیجاؤ۔تو انہوں نے عرض کی کہ ہم کسی کو بہشت میں نہیں لیجا سکتے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم خود ہی بہشت میں چلے جاؤ میں نے عرض کیا: اے پیغمبرؐ بہشت ہے کہاں؟ فرمایا: ادھر سے جاؤ اور سیدھے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا: تو ایک بہت بلند اور نورانی دروازہ پائے گا اس میں

داخل ہوجانا۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ کیا دروازہ کھلا ہوا ہوگا؟ فرمایا: ان شاء اللہ کھلا ہوا ہوگا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ اس بدبختی سے ساتھ کیسے بہشت میں جاؤں گا؟ فرمایا کہ جب تو داخل ہوگا تو دروازے کے قریب ہی نہر کوثر ملے گی اس میں غسل کر لینا تو یہ ساری بدنمائی دور ہوجائے گی۔ پھر دوسری طرف نکل جانا وہاں تم دیکھو گے کہ پوشاکیں موجود ہوں گی تم بقدر ضرورت وہ استعمال کر لینا پھر بیٹھ کر آرام کرنا۔ اور جو بھی کچھ وہاں ہو اس میں سے کھانا پینا تو میں نے پوچھا کہ وہاں کیا ہے؟ تو آپ مسکرائے اور فرمایا: کیا خوب سوال ہے: پھر فرمایا: وہاں کھجوریں، انگور، دودھ ہے میں نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ کے حق کی قسم مجھے کھجوریں اور دودھ بہت پسند ہیں۔ فرمایا: ہاں یوں سمجھو کہ یہ تمہارے ہی علاقے کی غذا ہے۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہے یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: تم وہیں رہنا جب تک کوئی تمہارے پاس آ کر تمہارے اپنے مکان تک جو خدا نے تمہارے لئے مہیا کیا ہے نہ پہنچا دے۔ چنانچہ میں پیغمبرؐ کے پاس سے چل پڑا اور ذرا سا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ بڑا بلند نورانی دروازہ سامنے نظر آنے لگا جو کھلا ہوا تھا لیکن وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ چنانچہ میں اس میں داخل ہوگیا اور نہر کوثر پر پہنچا وہ جاری تھی میں نے اس میں غسل کیا اور وہ ساری بدہیئتی جو مجھ پر طاری تھی دور ہوگئی پھر میں دروازہ سے دوسری طرف نکل گیا وہاں کچھ کپڑے رکھے تھے جو کچھ تو بڑے بڑے صندوقوں میں تھے اور کچھ چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں رکھے ہوئے تھے میں نے اس میں سے کچھ کپڑے پہن لیے۔ اب جو میں نے نگاہ اٹھائی تو اچانک بہت سے درخت، سرسبز شاداب زمین، اور ایسے میوے جن تک باآسانی ہاتھ پہنچ سکتا تھا، کھجوریں، دودھ اور انگور وغیرہ دیکھے۔ جن کی پیغمبرؐ نے مجھے خبر دی تھی چنانچہ حسب ضرورت میں نے وہ کھائے پھر تھوڑی دیر بیٹھا اور آرام کرنے لگا۔ سب پریشانیاں دور ہو چکی تھیں اور میں بالکل سکون سے تھا کہ اچانک دو افراد آئے مجھے سلام کیا اور کہنے لگے: اٹھو اور جو خدا نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ چیزیں دیکھو۔ ان کے ساتھ ذرا سا پیدل چلا کہ مجھے انہوں نے ایک دروازہ میں داخل کر دیا جو خوبصورت اور مناسب حد تک بلند تھا۔ زمیں شاداب و سرسبز تھی اور اس میں ثمردار درخت کھڑے ہوئے تھے انہوں نے کہا: یہاں سے تمہارے مقام کی ابتداء ہورہی ہے۔ ہم نے تھوڑی سیر کی تو ایک قبہ تک پہنچے جو ستونوں پر استوار تھا اور اس کے اردگرد نہریں جاری تھیں۔ انہوں نے کہا: بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا تو وہ کہنے لگے کہ کچھ کھانا پینا نہیں ہے؟ میں نے کہا: ہاں ہاں کیوں نہیں۔ تو وہ دسترخوان لائے جس میں ہر قسم کے کھانے موجود تھے اور ان کی خوشبو بڑی لذیذ تھی۔ وہ دسترخوان خوبصورت نوجوان لڑکوں کے ہاتھوں پر رکھا ہوا تھا اور ان کے ساتھ ایک درمیانی عمر کی خاتون بھی تھی۔ دسترخوان بچھا دیا گیا اور انہوں نے کہا: لو کھاؤ تو میں نے کہا: کیا آپ لوگ میرے ساتھ شریک طعام نہ ہوں گے۔ کہا: ہم تو فرشتے ہیں اور یہ آپکے خدمتگار ہیں۔ تو میں نے اس خاتون سے کہا: آپ میرے ساتھ کھانا تناول نہیں کریں گی؟ تو اس نے کہا کہ ہاں جو تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانے والی ہے وہ بھی آنیوالی ہے وہ تمہیں مجھ سے زیادہ عزیز ہوگی۔ اتنے میں ایک نہایت حسین عورت آئی کہ جو کسی نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ اس نے قریب آ کر مجھے سلام کیا۔ میرے زانو کو بوسہ دیا اور میرے داہنے جانب بیٹھ گئی تو میں نے اس کہا: بسم اللہ کھانا شروع کریں۔ پھر پہلی خاتون سے کہا: یہ آنے والی کون ہے؟ اس نے کہا یہ حور العین ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بھیجی ہے۔ پھر ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور میں اس حور کو دیکھ رہا تھا کہ انتہائی حسین تھی۔ پھر وہ دونوں فرشتے جو پہلے سے میرے ساتھ تھے بولے کہ اٹھو اور وہ نعمات دیکھو جو خدا نے تمہیں عطا کی ہیں۔ میں ان کے ساتھ چلا کہ اچانک تین چار آدمی بڑے خوبصورت دکھائی دیئے ان کے ساتھ ایک جانور تھا جو گھوڑے اور خچر کی بین بین تھا لیکن بڑا حسین تھا اس پر زین بھی موجود تھی۔ مجھے کہا کہ سوار ہو جاؤ، میں سوار ہوگیا اور وہ بھی میرے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ہم نے کچھ دیر باغوں اور نہروں کی سیر کی وہ پوچھنے لگے: کتنا گھومے پھرے۔ میں نے کہا: مجھے اندازہ نہیں۔ انہوں نے کہا: تقریباً سو فرسخ اور ابھی اس سمت میں جہاں ہم جارہے ہیں اتنا ہی اور ہے۔ پھر میرا سیدھا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے۔ کافی وقت لگا تو ہم ایک دیوار کے پاس پہنچے میں نے کہا: یہ دیوار کیسی ہے، کہا: یہ شیخ زین الدین کی ملکیت کی حدود ہیں۔ میں نے کہا: شیخ زین الدین اب کہاں ہیں؟ کہا وہ اس مقام پر ہیں جو خدا نے انہیں عطا کیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ مخالفین اور دشمنوں نے جوان کے جسم پر زخم لگائے تھے وہ ٹھیک ہوگئے یا نہیں؟ کہا: ہاں سب ٹھیک ہوگئے لیکن ایک زخم جو کندھے کی اوپر تھا وہ باقی ہے لیکن وہ ستارے کی طرح روشن ہے اور یہ ایک علامت باقی رہ گئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ شہید ثانی کے پاس کون کون ہے انہوں نے کہا ان کے سب ہی دوست ان کے ساتھ ہیں۔ پھر انہوں نے ان کے نام بتائے اور کچھ نام خاص طور پر لیے جیسے شیخ محمد حر،

سید علی، شیخ بہاء الدین اور کچھ لوگوں کے جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ میں سید علی بن صائغ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا وہ پہنچنے ہی والے ہیں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ہم نے دو صاحبان کو دیکھا کہ وہ تشریف فرما ہیں لیکن ان میں بڑی شان و جلالت پائی جا رہی ہے۔ میں نے پوچھا یہ حضرات کون ہیں؟ انہوں نے کہا آپ میں سے ایک امام موسیٰ کاظمؑ اور دوسرے امام رضاؑ ہیں۔ میں آگے بڑھا اور ان کو سلام عرض کیا۔ انہوں نے جواب سلام دیا اور مجھے اس پر مبارکباد دی کہ خدا نے اتنی نعمتوں سے مجھے نوازا ہے۔ میں تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر وہ تشریف لے گئے اتنے میں سید علی آ گئے۔ میں نے ان کا استقبال کیا اور ہم ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے میں نے شہید ثانی اور ان کے دوستوں کے متعلق استفسار کیا۔ کہا: ہاں وہ بخیریت ہوں گے پھر کچھ اور لوگوں کے متعلق بات چیت ہوئی اور سید علی بن صائغ اور اپنے چچازاد شیخ زین الدین کا اور کچھ اور لوگوں کا تذکرہ ہوا جن کے نام اس وقت یاد نہیں ہیں۔ پھر میری آنکھ کھل گئی تو میں پسینہ میں شرابور تھا اور صحت مند ہو گیا تھا۔

شیخ اسد اللہ کاظمینی نے مقابیس میں کہا ہے کہ آپ کو شیخ علی بن عبد العالی میسی سے بلا واسطہ یا بالواسطہ اجازہ ملا ہوا تھا اور علی بن عبد العالی کرکی جو محقق ثانی کا لقب پائے ہوئے ہیں شہید ثانی کو ان سے اجازہ حاصل ہے براہ راست نو واسطوں سے۔ مؤلف کتاب کہتا ہے کہ شہید ثانی کے محقق ثانی کے شاگرد ہونے میں شک ہے لیکن ''شرح لمعہ'' میں ظہار، لعان، ایلا یا خلع کے کسی باب میں انہوں نے محقق ثانی کا ایک قول نقل کیا ہے جس کی عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محقق ثانی ان کے استاد تھے اور شیخ بہائی نے اپنی کتاب ''اربعین'' میں بھی شہید ثانی کے اجازہ کا تذکرہ کیا ہے جو محقق ثانی شیخ علی بن عبد العالی کرکی نے دیا تھا۔ اور ملا صدری نے کتاب ''شرح اصول کافی'' میں اپنے اسناد و اجازات کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے دو افراد سے اجازہ حاصل کیا یعنی شیخ بہائی اور میر داماد سے اور اس اجازہ میں انہوں نے لکھا کہ شیخ ثانی کو علی بن عبد العالی کرکی جو محقق ثانی کہلاتے ہیں سے اجازہ ملا ہوا ہے۔ تو انہوں نے اپنے دونوں اجازوں میں سے کسی میں شہید کے اجازہ کو محقق ثانی سے ملنے کا تذکرہ کیا ہے۔

شہید ثانی کی ایک عظیم کرامت یہ ہے کہ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ۱۰۰ (سو) کتابیں اب بھی دستیاب ہیں جبکہ ان کی بہت سی کتابیں برباد ہوئیں اور بہت سی جلا دی گئیں۔ اور یہ بہت بڑی کرامت اور خدا کی تائید ہے جبکہ ان کو بڑی زحمات اور پریشانیوں کا سامنا رہتا تھا۔ اور یہ بات شیخ اسد اللہ کاظمینی نے اپنی کتاب مقابیس میں لکھا ہے اور ہم اس پر خدا کی حمد بجا لاتے ہیں کہ مؤلف کتاب نے ذاتی طور پر ڈیڑھ سو کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

شیخ اسد اللہ کاظمینی نے کتاب مقابیس میں شہید ثانی کی روشنائی کے بارے میں کرامت کا تذکرہ کیا ہے کہ یہ ان کی ایک مشہور کرامت ہے کہ ایک دفعہ قلم کو دوات میں ڈبوتے تھے اور بیس، تیس سطریں لکھ لیتے تھے اور بعض دفعہ تو یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک دفعہ قلم دوات میں ڈبونے کے بعد چالیس بلکہ اسی سطریں تک لکھ لیتے تھے اور سطروں کی تعداد کے بارے میں یہ اختلاف وقت و حالات کے لحاظ سے ہوگا۔ یہاں تک شیخ اسد اللہ کا کلام تھا۔

شیخ ''علی در المنثور'' میں کہتے ہیں کہ شہید ثانی اور میرے والد شیخ محمد کے زمانے میں کتابوں کا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا اور ان میں شیخ محی الدین، صاحب ''معالم'' کے نانا کی کتابیں بھی تھیں اور ایک دفعہ ان میں سے ایک ہزار کتابوں کو جلا دیا گیا اور پھر بھی ہزار کے قریب ہمارے پاس باقی تھیں۔ ان میں سے چند جلدیں شہید ثانی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔

آپ فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے عظیم فقہا میں سے تھے اور آپ کی اس قدر خصوصیات و محاسن ہیں کہ ان کا احصاء و شمار مشکل ہے۔ ان کی کتاب "روضہ" طلباء، معلمین و متعلمین سب کا مرجع ہے اور "مسالک" بڑے بڑے فقہا کے لئے ہر باب میں مددگار ہے اور مسالک کے بعد جتنے بھی مصنف منظر عام پر آئے انہوں نے مسالک کی ہی روش اختیار کی چاہے فروعات زیادہ پیدا کر لیں اور ان کی تحقیقات میں بہت کچھ اضافہ بھی کیا۔

شیخ اسد اللہ کہتے ہیں کہ شہید شیخ علی بن عبد العالی ہی کے داماد تھے اور شہید ثانی کے ایک شاگرد محمد بن علی بن حسن عاملی نے اپنے استاد کے حالات و کوائف کے بارے میں ایک کتاب لکھی جس میں کہا کہ آپ میں افتخار و خوبیاں جمع ہو گئیں تھیں، امت کے استاد اور تمام فضائل و کمالات کے مبداء و منتہیٰ تھے۔ اپنی عمر کا ہر ہر لمحہ انہوں نے ایک نہ ایک فضیلت کے حصول میں صرف کیا۔ اپنے دن اور رات کے اوقات کو اس طرح سے تقسیم کر رکھا تھا کہ اس

سے کوئی نہ کوئی فائدہ حاصل ہو۔ پھر محمد بن علی نے ان کے تصنیف ومطالعہ، عبادت، واجتہاد، ضروریات زندگی، کسب معاش اور محتاجوں کی حاجات سے ... میں ان کے اوقات کا تذکرہ کیا۔ مہمانوں سے بڑی کشادہ روئی، گرم جوشی، اور تپاک سے ملتے تھے۔ رات کو جلانے کیلئے لکڑیاں اکٹھی کیا کرتے اور ... لا کر دیتے۔ صبح کی نماز مسجد میں ادا کرتے اور دن بھر تدریس میں مصروف رہتے نماز عشاء با جماعت پڑھتے۔ پھر اپنے انگور کے باغ میں چلے جاتے اور اس کی اصلاح ومحافظت کیا کرتے۔ صبح کی نماز مسجد میں ادا کر کے درس شروع کر دیتے اور اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ آپ ادب، فقہ، تفسیر، حدیث، علوم عقلی، ھیئت، انجینئرنگ اور حساب وغیرہ میں حدِ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

ان کا سن ولادت ۹۱۱ھ ماہ شوال تھا۔ ابھی عمر کے نو سال گزر رہے تھے کہ قرآن ختم کر لیا تھا اور والد بزرگوار سے ہر طرح کے فنون کا درس لینا شروع کر دیا تھا یہاں تک کہ وہ ۹۲۵ھ کو جوار رحمت الٰہی میں پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ نے طلب علم میں قریہ میس کی طرف ہجرت کی اور ۹۳۳ھ کے اواخر تک علی بن عبد العالی میسی کے شاگرد رہے۔ پھر کرک چلے گئے اور سید حسن بن جعفر بن فتون کی شاگردی اختیار کی پھر ۹۳۴ھ میں اپنے وطن آئے۔ پھر دمشق چلے گئے اور کئی اساتذہ جیسے شمس الدین محمد بن مکی اور شیخ احمد بن جابر سے تحصیل علم کی، پھر جبع واپس آئے پھر ۹۳۸ھ میں مصر آئے تا کہ جن جن علوم کی ممکن ہو وہاں تحصیل کریں۔ اور کئی سنی علماء کی بھی شاگردی کی۔ سولہ علمائے مصر سے علم فقہ وحدیث وغیرہ حاصل کیا۔ ۹۴۳ھ میں مکہ معظمہ جا کر حج کا شرف حاصل کیا اور وہاں سے جبع آئے۔ ۹۴۶ھ میں ائمہ اطہارؑ کی زیارت کے لئے عراق تشریف لے گئے اور اسی سال واپس آ گئے پھر ۹۵۱ھ میں روم کا سفر کیا۔ ساڑھے تین ماہ قسطنطنیہ میں قیام کیا۔ پھر بعلبک (۱) کا مدرسہ نوریہ آپ کے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے بعلبک آ کر وہیں مستقل طور پر اقامت اختیار کر لی۔ اور وہاں پانچوں مذاہب کے بارے میں مدت طویل تک درس دیتے رہے۔ یہاں تک محمد بن علی بن حسن کے کلام کا خلاصہ تھا۔

شہید اول اور علامہ وغیرہ کی طرح شہید ثانی کی سنی علماء کی شاگردی پر بعض افراد جیسے صاحب "معالم" نے اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ اگرچہ ان کا مقصد بالکل صحیح تھا لیکن اس سے بڑی خرابیاں مرتب ہوتی ہیں۔ لیکن یہ کوئی اچھی بات نہیں کہی جا رہی کیوں کہ آدمی کو گمراہ کن کتابوں اور علوم کا بھی پتہ ہونا چاہئے تا کہ بوقت ضرورت ان کو رفع دفع کر سکے اور ان کے خلاف حجت قائم کر سکے۔

آپ کی تالیفات بہت ہیں اور شیخ اسد اللہ کے خیال میں ساٹھ تالیفات ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب "مسالک" ہے جو سات جلدوں میں ہے اور جن باتوں کا اس میں تذکرہ ہے وہ بڑے بڑے علماء نے بھی نہ بتائی تھیں۔ مشہور ہے کہ جب کتاب "مسالک" کو اصفہان لایا گیا تو علمائے اصفہان نے کہا کہ یہ کتاب بچوں کے مکتب کے لئے اچھی کتاب ہے اور جب "شرح لمعہ" اصفہان پہنچی تو تمام فضلائے اصفہان آپکی فضیلت کے قائل ہو گئے۔ کتاب "شرح ارشاد" جس کا نام "روض الجنان" ہے اس کی صرف کتاب طہارت وصلوٰۃ ہی مل سکی ہے۔ اور وہ آپکی ابتدائی تالیفات میں سے ہے جو اپنے اجتہاد اور ملکہ تصنیف کے ظہور کے بعد تصنیف کی۔ اور آپکی عمر اس وقت ۳۳ سال تھی۔ اور کتاب "شرح الفیہ" جس کا نام مقاصد علیہ اور ایک متوسط شرح، اور ایک اور مختصر شرح ہے اور فوائد ملیہ جو شرح نفلیہ میں ہے اور شرح لمعہ دونوں دو دو جلدوں میں ہیں اور ان پر حواشی بہت لکھے گئے ہیں۔ فاضل ہندی صاحب کشف اللثام نے اس کی طہارت وصلوٰۃ کے ابواب پر مفصل حاشیہ لکھا اور ایک اور حاشیہ میرزا محمد دیماج اور شیخ علی بن شیخ محمد بن شیخ حسن بن شہید ثانی نے لکھا۔ اور یہ حاشیہ دو جلدوں میں ہے اور "زہرات ذویہ" اس کا نام ہے اور بڑا عمدہ لکھا ہے اور سلطان العلماء نے مختصراً اعتراضات لکھے اور ان کے پوتے شیخ علی نے اکثر اعتراضات کو غلط قرار دیا اور آقا جمال خوانساری نے اول سے آخر تک دو تین جلدوں میں (اعتراضات) لکھے اور بعض مواقع پر تفصیلاً واستدلالاً بحث کی اور بعض جگہ مختصراً اور بعض مواقع پر سرے سے کوئی اعتراض ہی نہ کیا۔ اور شیخ محمد بن شیخ حسن بن شہید ثانی نے اس کی طہارت وصلوٰۃ پر حاشیہ لکھا اور یہ باریک بینی سے لکھا گیا ہے۔ محمد صادق ابن عبد الفتاح تنکابنی اور میرزا ابراہیم ابن ملا صدری نے طہارت سے تا کتاب زکوٰۃ پر حاشیہ لکھا اور آقا محمد علی بن آقا باقر ہزار جریبی نے تین جلدوں میں حاشیہ کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا اور بڑے فقیہانہ انداز میں لکھا ہے۔ آقا رضی قزوینی جو ملا خلیل قزوینی کے شاگرد تھے، ان

(۱) بعلبک ملک شام کا شہر ہے، یہاں حضرت الیاس کی قوم بعل نامی بت کی پرستش کرتی تھی۔ (مترجم)

کے حواشی غیر مدونہ ہیں اور شیخ بہائی کے بھی کچھ مختصر سے غیر مدونہ حواشی ہیں۔ ملا محمد نوری کے بھی غیر مدونہ حواشی ہیں اور اس فقیر مؤلف کتاب نے بھی حواشی لکھے ہیں طہارت سے لیکر دیات تک جو کئی جلدوں میں ہیں۔ ملا میرزای شیروانی کے بھی غیر مدونہ حواشی ہیں اسی طرح ملا صالح مازندرانی کے غیر مدونہ حواشی ہیں اور اس کے علاوہ بڑے بڑے علماء نے اس پر حواشی لکھے ہیں۔ "شرح لمعہ" ان کی آخری تالیف ہے اور اس کو انہوں نے چھ ماہ چھ دن میں لکھا کیونکہ نسخہ اصل میں اس کے آغاز کی تاریخ اور آخر میں اس کے مکمل ہونے کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ اور مجھ ناچیز کے کتاب "مسالک" پر غیر مدونہ حواشی ہیں آقا محمد باقر بہبہانی نے مسالک پر مدونہ حواشی لکھے اور ان کی تالیفات میں حاشیہ فتوای، خلافیات شرائع، حاشیہ قواعد، کتاب تمہید القواعد جس میں دوسو ابواب ہیں، سو باب نحو میں اور سو اصول میں اور ہر باب میں با قاعدہ عنوان لکھ کر اسکی شاخیں کی ہیں اور اقوال بھی کافی نقل کیے ہیں۔ "حاشیہ ارشاد" اور "منیۃ المرید" بڑے مفید آداب کے بارے میں اور وہ متعلمین کے لئے آداب ہیں اور تقریباً تین ہزار اشعار ہیں کہ جس میں ہر بیت میں پچاس حروف ہیں۔ جو لطائف اس کتاب میں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ پہلے زمانے میں علماء کا احترام کیوں ہوتا تھا اور آج کیوں نہیں ہوتا اور اس بات کا حل انہوں نے یہ پیش کیا ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ خود کو علماء سے قریب کرنا چاہتے تھے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے خواہاں ہوتے تھے اور علماء ان سے پہلو تہی برتتے اور دور رہنا چاہتے تھے وہ دنیاداروں کے ساتھ معاشرت نہ رکھتے تھے اور دنیا والے یہ سمجھتے تھے کہ اکسیر اعظم علماء کے قبضہ میں ہے۔ آج کے دور میں علماء نے اہل دنیا سے وابستگی اختیار کرلی اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے اور ان کی دنیا کو طلب کرنے لگے تو اہل دنیا نے انھیں ٹھکرا دیا اور نظر انداز کر دیا اور یوں سمجھنے لگے جیسے اکسیر اعظم ہمارے ہاتھوں میں ہے اور علماء تو غریب و بیچارے ہیں۔ یہاں تک اس کتاب میں شہید کے کلام کا خلاصہ تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حقیقت حال کا اظہار کر دیا ہے۔ اور یہ بالکل صحیح بات ہے۔ نیز ان کی تالیفات میں "حاشیہ بر مختصر نافع"، "اسرار الصلوٰۃ میں رسالہ"، کنوئیں کے نجس ہونے کے بارے میں رسالہ، یقین طہارت کے بارے میں حدث وشک آخر میں یا اول میں ہونے کے بارے میں رسالہ، اور غسل جنابت کے دوران حدث واقع ہونے کے بارے میں رسالہ، اس عورت کی طلاق نہ ہونے کے بارے میں رسالہ جو حائضہ ہو اور اس کا شوہر موجود ہو، رسالہ غائب کی طلاق کے بارے میں، نماز جمعہ کے بارے میں رسالہ، اور ترغیب نماز جمعہ کے بارے میں رسالہ، آداب جمعہ کے بارے میں رسالہ، سفروں میں مقیم ہونے والوں کے بارے میں رسالہ، مناسک حج کے بارے میں رسالہ، حج وعمرہ کی نیتوں کے بارے میں رسالہ، احکام زندگی میں رسالہ، میراث زوجہ میں رسالہ، اور دس علوم میں دس مشکلات کی بحث میں رسالہ اور کتاب "مسکن الفؤاد" جب چاہنے والے اور اولاد نہ رہے ہوں اور اس کتاب میں صابرین کا اجر آیات واحادیث سے بیان کیا گیا ہے خصوصاً مصیبت اولاد میں جو ثواب حاصل ہوتا ہے اس کا ذکر ہے اور اس کتاب کے آخر میں کہا ہے کہ پروردگار مصیبت اولاد میں ان ثوابوں کا اعتقاد تو رکھتا ہوں لیکن مجھے مصیبت اولاد کی تکلیف سے دوچار نہ کرنا کہ مجھے اس کے برداشت کی قوت نہیں ہے مجھے یہ ثواب درکار نہیں ہاں ان کے بدلے دیگر ثوابوں سے فیض یاب فرمادے۔ اور کتاب "کشف الریبہ در احکام غیبت"، اور تقلید میت کے جائز نہ ہونے کے بارے میں رسالہ اور اجتہاد و بدایہ درایہ میں رسالہ اور شرح بدایہ اور اس فقیر نے شرح بدایہ پر بہت سے حواشی لکھے ہیں لیکن ان کی تدوین نہیں کی ہے اور یہ حواشی بہت سے قواعد پر مشتمل ہیں اور اس فقیر نے اسی شرح بدایہ کے حواشی میں اپنے دو فرزندوں محمد تقی اور موسیٰ کے لئے اجازے لکھے ہیں اور کتاب "غیبت القاصدین در اصطلاحات محدثین" اور کتاب "منار القاصدین در اسرار معالم دین" اور "دنیا آخرت کی کھیتی ہے" کی شرح میں رسالہ، کتاب "رجال ونسب"، ایمان واسلام کی تحقیق میں رسالہ، تحقیق نیت میں رسالہ، اور "نماز قبول نہیں ہوتی مگر ولایت امیر المؤمنینؑ کے ساتھ" اس موضوع پر رسالہ، رسالہ در تحقیق اجماع، کتاب اجازات، حاشیہ بر عقود ارشاد، نحو میں منظومہ اور اسکی شرح، شرح بسملہ میں رسالہ اور شیخ زین الدین کے سوالات اور ان کے جوابات، "فتاوای شرائع"، "فتاوای ارشاد"، دو مختصر منیۃ المرید، مختصر مسکن الفؤاد اور مختصر خلاصہ در رسالہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں والسابقون السابقون، رسالہ در تحقیق عدالت، اور جواب مسائل خراسانیہ، وجواب مسائل نجفیہ، جواب مسائل ہندیہ، جواب مسائل شامیہ، رسالہ اسلامبولیہ واجبات عینیہ کی بارے میں، وبدایہ در سبیل ھدایہ وفوائد، خلاصۃ الرجال، اور اپنے حالات میں رسالہ اور محمد بن حسن جوان کے شاگرد تھے انہوں نے اس میں اضافہ کیا اور شیخ علی جوان بزرگوار کے پوتے تھے انہوں نے ان دونوں کے لکھے

ہوئے پر اضافات کیے۔اس کے علاوہ بہت سے رسائل، اجازات، حواشی وغیرہ ہیں۔

آپ کی شہادت کے سلسلہ میں اختلافات ہیں۔مجھ ناچیز نے آخوند ملا صفر علی لاہیجی سے سنا کہ جب عرب میں آپ کا شہرہ ہوا تو بنی عثمان کو یہ ناگوار گزرا اور سلطان روم تک یہ بات پہنچائی گئی کہ شیخ زین الدین شیعہ ہیں چنانچہ سلطان نے سات آدمیوں کو بھیجا کہ ان کو بادشاہ کے دارالحکومت تک لے آئیں تا کہ بادشاہ حقیقت حال کو معلوم کرے۔وہ ساتوں آدمی آپ کے ساتھ نہایت بے ادبی سے پیش آئے لیکن راستہ میں طرح طرح کی کرامات آپ کی ظاہر ہوتی رہیں تو وہ لوگ سوچنے لگے کہ اگر یہ سلطان کے پاس پہنچے تو ان کو نجات مل جائے گی اور ہم نے جو ان کے ساتھ گستاخیاں کی ہیں ہمیں مار ڈالا جائے گا۔چنانچہ انہوں نے ان کو شہید کر دیا اور بادشاہ کے پاس ان کا سر لے گئے۔سید عبدالرحیم عباسی نے جو نسل عباس بن عبدالمطلب سے تھے اور سید تھے اور باطنی طور پر شیعہ اور شہید کے مخلصین سے تھے یہ واقعہ سنا اور ان کو مستوفی الممالکی (محتسب) کا عہدہ حاصل تھا انہوں نے اپنا قلمدان اٹھایا اور سلطان کے پاس پہنچ گئے اور قلمدان بادشاہ کے پاس رکھ دیا اور عرض کیا کہ مجھے اب خدمات انجام دینے سے معاف فرمائیں۔بادشاہ نے سبب دریافت کیا اور بہت اصرار کیا۔ تو سید عبدالرحیم نے کہا کہ بادشاہ کے ملازمین امراء کے قاعدہ قانون سے باہر نکل چکے ہیں آپ نے لوگوں کو اس لئے بھیجا تھا کہ شیخ زین الدین کو لے کر آئیں اور علماء سے مناظرہ ہو اور ان کا مذہب معلوم کیا جائے لیکن وہ ان کا سر آپکی خدمت میں لا رہے ہیں اور آپ بھی ان سے کوئی باز پرس نہیں فرما رہے۔ ہوسکتا ہے کہ آئندہ آپ مجھے کسی اہم کام کے لئے بھیجیں اور وہ میرا سر بھی آپ کے پاس لے آئیں،ایسی سلطنت میں خدمات انجام دینا حماقت ہے چنانچہ مجھے معاف فرمائیں۔سلطان کو ان کی یہ بات بہت پسند آئی اور اس نے ان ساتوں افراد کو سید عبدالرحیم کے حوالے کر دیا۔سید نے حکم دیا کہ ان ساتوں کو گرفتار کر لیا جائے پھر سخت آگ روشن کی اور اس میں ان کو جلا کر راکھ کر دیا۔

کتاب "امل الآمل" میں ایک اور واقعہ نقل کیا گیا ہے جس کی بناء پر ان کو قتل کیا گیا۔یہ میں نے اپنے بعض مشائخ سے بھی سنا اور بعض کی تحریر میں بھی دیکھا کہ دو آدمی شہید ثانی کے پاس مقدمہ لیکر آئے تو ایک کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ غضبناک ہوا اور قاضی صیدا جو مشہور شخص تھا کے پاس چلا گیا۔شہید ان دنوں اپنے گھر سے دور تھے اور اپنے انگوروں کے باغ میں رہا کرتے تھے اور "شرح لمعہ" تالیف کر رہے تھے۔اور ایک جزء روزانہ لکھا کرتے تھے۔قاضی صیدا نے کسی کو جبع بھیجا کہ شہید کو لیکر آئے لیکن شہید ان دنوں حج بیت اللہ کے لئے مکہ جا رہے تھے حالانکہ وہ پہلے بھی کئی بار حج ادا کر چکے تھے لیکن اپنے کو پوشیدہ رکھنا مقصود تھا کہ کسی کو ان کے حالات کا علم نہ ہو اس لئے راستہ میں محمل میں بیٹھ جاتے اور محمل کے پردے ڈال دیئے جاتے۔ تو وہ شخص جو ان کی تلاش میں گیا تھا جب جبع میں ان کو نہ پا سکا تو وہاں کے لوگوں سے پوچھ گچھ کی انہوں نے کہا کہ زمانہ ہوا وہ تو سفر پر جا چکے ہیں تو قاضی صیدا نے سلطان روم کو لکھا کہ شام کے علاقے میں ایک ایسا بدعتی شخص پیدا ہوا ہے جو چاروں مذاہب اسلامی سے خارج ہے تو سلطان نے ان کی تلاش میں کسی کو روانہ کیا کہ ان کو زندہ پکڑ کر لائے اور علماء سے مناظرہ کرے تا کہ ہم اس کے مذہب کے متعلق چھان بین کریں پھر جو ہمارے مذہب کا تقاضہ ہے اس کے مطابق عمل درآمد کریں گے چنانچہ وہ شخص ان کے متعلق پوچھتا ہوا پہنچا۔پتہ چلا مکہ گئے ہوئے ہیں چنانچہ وہ ان کی تلاش میں چلا اور مکہ کے راستہ میں ان کو آلیا۔آپ نے کہا کہ تم میرے ساتھ رہو تا کہ ہم حج ادا کر لیں پھر اس کے بعد جو چاہو کرنا۔وہ مان گیا پس حج سے فراغت کے بعد ان کو روم لے گئے۔جیسے ہی روم میں داخل ہوئے ایک شخص آیا اور جو شہید کے ساتھ تھا اس سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے اس نے کہا یہ شیعہ امامیہ کے علماء سے ہے اور میں اس کو سلطان کے پاس لیجاؤں گا۔اس دوسرے شخص نے کہا: تو اثنائے راہ میں ان کی خدمت میں کوتاہی برتی اور انہیں تکلیف پہنچائی تو اس بات سے نہیں ڈرتا کہ بادشاہ تجھ سے سختی سے پیش آئے اور ان کے وہاں پر دوست بھی موجود ہیں وہ بھی ان ہی کی حمایت کریں گے اور تجھے قتل کرانا چاہیں گے تو بہتر یہ ہے کہ تو ان کا سر کاٹ لے اور سلطان کے پاس لے جائے۔اس ملعون ناقہ صالح کے پے کرنے والے جیسے بد بخت شخص نے دریا کے کنارے ان کو قتل کر دیا اور سر کاٹ لیا اور ترکمانوں کے ایک گروہ نے اس رات دیکھا کہ آسمان سے اس جگہ ایک نور نازل ہو رہا ہے اور اوپر جا رہا ہے تو ترکمانوں نے اس جسد طاہر کو اسی جگہ دفن کر دیا اور وہاں ایک قبہ بنا دیا۔جب اس ملعون نے ان کا سر بادشاہ کی خدمت میں پہنچایا تو سلطان کو ان کے قتل پر بڑا غصہ آیا اور سید عبدالرحیم نے بھی

اس ملعون کو قتل کرانے میں سعی کی چنانچہ بادشاہ نے اسے قتل کرا دیا۔ یہاں تک "امل الامل" کا کلام تھا۔

بعض ادباء نے ان کی تاریخ وفات کے بارے میں کہا ہے کہ ذالک الا واہ الجنة مستقرة و الله اور لؤلؤ میں لکھا ہوا ہے کہ اس عبارت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ان کی وفات ۹۷۶ھ میں ہوئی ہوگی اگر الجنہ ھا کے وقف کے ساتھ پڑھی جائے تو۔ ناکہ تا کے اوپر کے دو نقطوں کے ساتھ ورنہ وہ ہزار سے اوپر کا سال بنتا ہے اور جہاں تک مجھے پتہ چلا ہے بعض جگہ ۹۷۵ھ ہے اس طرح آپ کی عمر ۵۵ یا ۵۶ سال بنتی ہے اور اس مطلب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شہید ثانی کے پوتے شیخ علی کی کتاب "درالمنظوم والمنثور" کے ترجمہ میں ان کے بیٹے شیخ حسن نے لکھا کہ جب ان کے والد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تو ۹۵۵ھ تھا۔ یہاں تک لؤلؤ کا کلام تھا۔ لیکن اس کی کمزوریاں بالکل واضح ہیں کیونکہ جو عبارت لکھی گئی ہے وہ ہزار سے اوپر جا رہی ہے اس کے علاوہ "درالمنظوم" کے کلام میں آپس میں بڑی منافات ہیں جن کا تذکرہ لؤلؤ کے کلام میں کیا گیا ہے کہ یہ عبارت غلط ہی ہوگی۔ جو کچھ مؤلف کتاب کو معلوم ہوا ہے وہ "تذکرة العلماء" میں، میں نے لکھ دیا ہے ان کی ولادت ۹۱۱ھ میں اور وفات ۹۵۶ھ میں ہوئی اور صاحب لؤلؤ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض معتبر کتابوں میں شہید ثانی کے قتل کا قصہ کچھ یوں لکھا ہوا ہے کہ آپ کو گرفتار کیا گیا اور ملزم گردانا گیا۔ شہید ثانی کو مکہ مشرفہ میں بادشاہ روم کے حکم سے ۵ ربیع الاول ۹۶۵ھ میں مسجد الحرام میں گرفتار کیا گیا اور وہاں سے مکہ کے گھروں میں سے کسی میں لیجایا گیا اور وہاں چالیس دن مقید رکھا گیا پھر ان کو قسطنطنیہ لیجایا گیا اور وہاں قتل کیا گیا اور تین دن تک نعش مبارک پڑی رہی پھر اٹھا کر دریا میں پھینک دی گئی اور یہ کیفیت شیخ افضل شیخ بہائی کے ایک خط سے نقل کی گئی۔ یہاں تک کلام لؤلؤ تھا۔

اور علامہ مجلسی نے کتاب بحارالانوار میں شیخ بہائی کے قابل بھروسہ آدمیوں سے نقل کیا ہے کہ ان کے والد شیخ حسین شہید ثانی کے شاگرد تھے اور انہوں نے کہا کہ میں اور میرے استاد سوار تھے ہم اسلامبول کے ایک مقام میں پہنچے میں نے دیکھا کہ شہید کے چہرہ کا رنگ بدل رہا ہے پھر انہوں نے فرمایا کہ یہاں ایک عظیم ہستی کا خون بہایا جائے گا اور کچھ مدت بعد آپ کا خون مبارک اسی جگہ بہایا گیا اور یہ ان کی ایک بڑی کرامت تھی۔

ان کی ایک عظیم کرامت یہ تھی کہ آپ کی شہادت کے بعد بڑی زبردست بارش جو حد سے بڑھ کر تھی اسلامبول میں ہوئی یہاں تک کہ دریا میں ایسی طغیانی آئی کہ ایسا لگتا تھا کہ اسلامبول اس میں غرق ہو جائے گا۔

ملا خلیل قزوینی

ملا خلیل قزوینی کا مقبرہ قزوین میں ہے اور مدرسہ بھی انکے مقبرہ کے پہلو میں ہی موجود ہے اور انہی کے نام سے منسوب ہے لیکن فی الحال وہ خراب حالت میں ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ انہیں کس سے اجازہ حاصل ہے۔ لیکن وہ اخباری مسلک رکھتے ہیں۔ صاحب فضل ہیں۔ فارسی میں "کافی" کی شرح لکھی ہے اور اس کی کتاب زکوٰۃ کی شرح میرے پاس ہے۔ ان کے شاگردوں میں سے ایک آقا رضی قزوینی بھی ہیں جو بڑے فاضل انسان تھے، بہت سے علوم کے حامل تھے اور ان کی کئی تالیفات تھیں خصوصاً انہوں نے بہت سے مسائل پر مبنی ایک مجموعہ لکھا جس میں منقول، معقول، ریاضی وغیرہ کے مسائل تھے اور یہ ان ہی نے کہا ہے کہ ان کے استاد ایک فاضل شخصیت تھے کیونکہ ہر شاگرد اکثر اپنے استاد کے کمالات کا مظہر ہوا کرتا ہے۔ ملا خلیل قزوینی نے دو مسئلوں میں غلطی کی ہے۔ ایک یہ کہ ترجیح بلا مرجح جائز ہے جیسے روٹی کہ بھوکا بغیر کسی ترجیح کے بس ایک روٹی اٹھا لیتا ہے اور اس طرح پیاسا ایک جام اٹھا لیتا ہے جیسے کہ ہموار جگہ پر پانی پھینکیں تو ہونا تو یہ چاہئے کہ وہ کہیں سے بھی نہ بہے لیکن وہ بہتا ہے اور متکلمین ان موارد نقص پر اعتراض کرتے ہیں اور پہلی دو مثالوں میں جواب کی کیفیت یہ ہے کہ اس قسم کے مقامات پر ارادہ مرجح ہوتا ہے اور اگر ترجیح بلا مرجح جائز ہو تو صانع کے اثبات کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں کیونکہ دونوں طرفیں برابر کی ہیں یعنی اس کی ذات کے بارے میں وجود اور عدم وجود برابر ہیں تو اگر ترجیح بلا مرجح جائز ہو تو لازمی ہے کہ ممکن کا وجود بغیر صانع کے ہی ہو جائے اس طرح واجب الوجود کا اثبات نہیں ہو سکتا اور دوسرا مسئلہ جو ملا خلیل نے حل کیا یہ کہ شکل اول سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ کیونکہ اس طرح دور لازم آئے گا کیونکہ نتیجہ کبریٰ ان پر موقوف ہے اور کبریٰ (ا) نتیجہ پر موقوف ہے۔ اور دور باطل ہے تو شکل اول باطل ہے چنانچہ شکل اول سے استدلال ہر جگہ باطل ہے۔

اور یہ شبہ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے کیا اور شیخ محمد نے شیخ ابوعلی بن سینا کو بھیجا اور لکھا کہ تم استدلالی لوگ ہر مطلب و چار شکلوں میں سے کسی نہ کسی ایک صورت پر ثابت کرنا چاہتے ہو اور تین کی عامیت شکل اول کی عامیت پر موقوف ہے کہ وہ تین شکلیں پہلی شکل پر تمام ہوں اور شکل اول پر دور لازم آتا ہے کیونکہ نتیجہ اس پر موقوف ہوتا ہے کہ اصغر کو اکبر کے نیچے درج کیا جائے اسی لحاظ سے جس کا پہلے ذکر ہوا اور کوئی بھی دلیل جب تک شکل اول میں نہیں آئے گی تمام نہیں ہوگی جیسا کہ تمہارا ہی گمان ہے اور شکل اول بدیہی الانتاج ہے جیسا کہ تم کہتے ہو کیونکہ اس کے لئے دور لازم آتا ہے اور دور باطل ہے جب یہ شبہ شیخ الرئیس تک پہنچا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ دور اجمال و تفصیل سے دفع ہو جاتا ہے کیونکہ دور کی سمت مختلف ہوتی ہے کیونکہ کبریٰ اجمالی نتیجہ پر موقوف ہوتی ہے اور نتیجہ تفصیلی کبریٰ پر۔ غرض جب ملا خلیل نے ان دو مسئلوں کو اختیار کیا اور ہر جگہ ان کی شہرت ہوئی اور علمائے اصفہان کے کانوں تک پہنچا تو آقا حسین اور دیگر [illegible] ان کی مخالفت کرنے لگے جب ان کا انکار واعتراض کا ملا خلیل کو پتہ چلا تو وہ اصفہان کے لیے چل کھڑے ہوئے کہ اس سلسلے میں ان سے بحث مباحثہ کریں۔ چنانچہ مدرسہ پہنچے جہاں آقا حسین درس دیا کرتے تھے اس وقت آقا حسین گھر کے اندر تھے اور میرزا محمد بن حسن شیروانی مدرسہ میں تھے اور وہ آقا حسین سے درس لیتے تھے۔ اتفاقاً ملا خلیل ملا میرزا کے کمرے میں ہی پہنچ گئے۔ ملا میرزا نے حال چال دریافت کیا تو انہوں نے جواباً کہا کہ میں ملا خلیل قزوینی ہوں اور میں نے سنا ہے کہ آقا حسین ان دو مشہور مسئلوں پر مجھ پر اعتراض کر رہے ہیں تو میں ان سے مناظرہ کرنے آیا ہوں۔ ملا میرزا نے کہا کہ آپ یہ بتائیں کہ شکل اول میں صغریٰ و کبریٰ نتیجہ کیوں نہیں دے سکتے۔ ملا خلیل نے کہا اس لیے کہ دور لازم آئے گا اور دور باطل ہوتا ہے تو شکل اول بھی باطل ہو جائے گی۔ ملا میرزا نے کہا کہ آپ کی یہی دلیل شکل اول ہے اور صغریٰ کبریٰ اور نتیجہ پر مشتمل ہے اور آپ صغریٰ کبریٰ کو مستلزم نتیجہ نہیں سمجھتے اس لیے آپ کی دلیل آپ ہی کی منطق سے فاسد ہے۔ اب ملا خلیل نے آقا حسین کے آنے کا بھی انتظار نہ کیا بلکہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گدھے پر سوار ہو کر قزوین واپس آ گئے۔ ان کا ایک فاضل بیٹا بھی تھا جس کا نام ملا سلیمان بن ملا خلیل قزوینی تھا اور اس نے کئی تالیفات بھی کیں۔

آقا حسین بن محمد خوانساری

آقا حسین بن محمد خوانساری بڑے زبردست فاضل کامل ناقدین میں سے تھے ان کو استاد الکل فی الکل کہا جاتا ہے شروع میں حکمت میں مشغول ہوئے اور ماہر اور یکتائے زمانہ طبیب تھے۔ ایک شب ایک فقیہ کے ساتھ مہمان بن کر گئے۔ سونے کے وقت فقیہ کے لیے بستر کا انتظام کیا گیا اور آقا حسین کے لیے کچھ نہ لایا گیا تو فقیہ نے آقا حسین سے کہا کہ آپ اپنی اصل حقیقت کو نظر انداز کریں اور جسم ظاہر کو بستر پر ڈال کر سو جائیں آقا حسین اس دن صبح کو محقق سبزواری آقا محمد باقر جو "ذخیرہ"، "شرح عبادات"، "ارشاد" اور "کفایہ" جیسی کتابوں کے مولف، شیخ بہائی کے شاگرد اور انہی سے اجازہ یافتہ ہیں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارہ سال تک ان سے علوم منقولی سیکھے، ان سے اجازہ حاصل کیا اور انہی کی بیٹی کو اپنے حبالۂ نکاح میں لائے اور آقا جمال کی ولادت انہی کی بیٹی سے ہوئی۔ چونکہ وہ علوم نقلی اور علوم عقلی دونوں کی تعلیم دیتے تھے لہٰذا انہیں استاد الکل فی الکل کہا جاتا ہے۔ ان کے بیٹے آقا جمال اور ملا میرزا محمد حسن شیروانی ان کے شاگردوں میں سے ہیں اور سلطان صفوی نے اپنے وقت میں ان سے خواہش کی کہ وہ کوئی کتاب لکھیں اور سلطان اس کے اخراجات برداشت کرے گا۔ چنانچہ آقا حسین نے شرح کتاب شہید اول کا آغاز کیا۔ ابھی اس کتاب کی ابتداء سے دو ورق کے قریب جو اٹھارہ ہزار بیت ہوتے تھے کی شرح ہی کی تھی کہ سلطان کی وفات ہوگئی اور آقا حسین نے پھر آگے کتاب نہیں لکھی تو لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے کہا وہ کتاب تو سلطان ہی لکھ رہے تھے نہ کہ میں اور اس کتاب کا نام "مشارق الشموس فی شرح الدروس" تھا اور صاحب وسائل نے ان سے اجازہ حاصل کیا ہوا تھا۔ خدا سب گذشتگان پر رحم فرمائے اور موجودہ لوگوں کی عمر میں برکت دے بحق محمدؐ وآلہ الطاہرینؑ۔

(۱)۔ کبریٰ ایک منطقی قیاس ہے صغریٰ کے مقابلے میں (ترجم)

آقا محمد بن آقا حسین خوانساری

آقا محمد آقا حسین خوانساری کے فرزند ارجمند جن کا لقب جمال الدین اور محقق خوانساری کی صفت سے موصوف ہیں۔ تحقیق وتدقیق میں بے نظیر ہیں ان کو ملا محمد تقی مجلسی سے اجازہ حاصل ہے اور ان کی تالیفات شرح مختصر اصول پر حاشیہ، شرح لمعہ پر حاشیہ جو بڑی سنجیدگی اور دقتِ نظر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ خفری بر الٰہیات پر حاشیہ پر تعلیقہ، شرحِ تجرید قوشجی، کتاب مفتاح الفلاح پر فارسی میں شرح، شیخ بہائی کہتے ہیں کہ آقا جمال نے کوئی عبارت لکھی اور مونث کی جگہ مذکر ادا کیا یا اس کے برعکس کیا تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب میں کہا الامر فی التذکیر و التانیث سھلة ، اور انہوں نے لفظ سہلہ کو بھی مونث کر دیا۔

جس سال ملا محسن فیض نے زیارت بیت اللہ کا ارادہ کیا اور کاشان سے چل کر اصفہان پہنچے اور آقا حسین کے مہمان ہوئے تو آقا جمال بھی مجلس میں آ گئے۔ ملا محسن نے ایک مسئلہ آقا جمال سے دریافت کیا لیکن آقا جمال اس کا صحیح جواب نہ دے سکے۔ اس زمانے میں وہ زیادہ تر وقت بیکاری اور تعطل میں گزار دیتے تھے۔ ملا محسن فیض نے اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارا اور کہا کہ افسوس آقا حسین کے گھر کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ یہ بات آقا جمال کے دل میں اثر کر گئی اور انہوں نے کام کرنا شروع کر دیا۔ پھر ملا محسن فیض مکہ سے پلٹے تو آقا حسین کے گھر آئے اور پھر آقا جمال سے باتیں ہوئیں تو دیکھا کہ وہ بہت بافضیلت انسان ہیں۔ تو کہنے لگے کہ یہ آقا جمال وہ آقا جمال نہیں ہیں جن سے ہم نے سال گذشتہ ملاقات کی تھی۔

ایک دفعہ آقا جمال کے لیے شام کا کھانا لایا گیا۔ آقا مطالعہ میں مشغول تھے چنانچہ خوان وہاں رکھ دیا گیا لیکن آقا نے توجہ نہیں کی یہاں تک کہ اذان صبح کی آواز آنے لگی۔ اب جو سر اٹھایا تو دیکھا شام کا کھانا رکھا ہے کہنے لگے: یہ اتنی دیر سے کیوں آیا۔ کہا گیا: ہم تو رات کے شروع ہوتے ہی لے آئے تھے آپ نے توجہ ہی نہیں کی۔

بادشاہ آپ کو چار ہزار تومان سالانہ قاضی کی تنخواہ کے طور پر دیتا تھا۔ ایک دفعہ امرائے سلطنت ہی سے کوئی آپ کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آ کر آپ سے مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور کہہ دیا کہ ابھی مجھے معلوم نہیں ہے۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کوئی سوال کیا اور اسے بھی یہی جواب ملا یہاں تک کہ کل چار افراد آئے اور سب نے مسائل پوچھے اور ان کو جواب میں "میں نہیں جانتا" سننے کو ملا۔ تو وہ شخص جو امیر حکومت تھا کہنے لگا کہ آپ سالانہ چار ہزار تومان ملتے ہیں کہ آپ عالم ہیں لیکن اس مجلس میں جو آ رہا ہے اس کو آپ کہہ رہے ہیں کہ میں نہیں جانتا۔ آقا جمال نے کہا: ہاں میں چار ہزار تومان ان باتوں کے صلہ میں لیتا ہوں جو جانتا ہوں اگر ان کا معاوضہ لینے لگوں جو میں نہیں جانتا تو بادشاہ کا خزانہ بھی کم پڑ جائے گا۔ ان پر اور سارے علماء گذشتہ پر اللہ کی رحمت ہو۔

ملا میرزا محمد بن حسن شیروانی

ملا میرزا محمد شیروانی فضلاء کے محاسن کے وارث اور گہرے افکار رکھنے والے علماء کے پیش رو جن کا لقب محقق شیروانی ہے۔ ملا میرزای شیروانی کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے جدت پسند افکار جو انہوں نے اولین و آخرین کے افکار کے نتیجہ میں پیش کیے خورشید تاباں کی طرح چمک دمک رکھنے والے ہیں۔ ان کا ذہن پاک و پاکیزہ تھا اور اسرار و رموز کی باریکیاں بڑی خوش مزہ تھیں۔ استاد الکل فی الکل آقا حسین کے شاگرد تھے اور انہیں سے اجازہ یافتہ بھی تھے۔ ایک دفعہ شیروانی زیب تن کیے ہوئے آقا حسین کی خدمت میں آئے اس وقت وہ شیخ ابوعلی کی "شرح اشارت" کا درس دے رہے تھے۔ ملا میرزا نے اس پر کئی ایک اعتراضات کر ڈالے تو آقا حسین نے ان کا نام و پتہ دریافت کیا کہ آپ ہیں کون صاحب؟ اور جب ان کو شناخت کر لیا تو کہنے لگے کہ میں

نے ابھی تک آپ کے پیمانے پر مطالعہ نہیں کیا تھا۔ آج رات سے آپ کے لئے مطالعہ کروں گا۔ چنانچہ وہ آقا حسین کے پاس [illegible] اختیار کی۔ میرزا کا ایک عجیب و غریب فتویٰ یہ ہے کہ نماز کی رکعتوں میں شکوک ہوں تو نماز توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مؤلف کتاب نے [illegible] شرح میں جو کتاب "بدایع الاحکام" لکھی ہے وہاں ان کا یہ قول نقل کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ملا میرزا مدرسہ میں پانی کے حوض کے کنارے بیٹھے تھے۔ طالب علم بھی ان کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر انہوں نے ستر دلائل اس بات پر پیش کیے کہ اس حوض میں پانی نہیں ہے۔ طلباء ان کا جواب دینے سے عاجز آ گئے اور مخمصے میں پڑ گئے پھر آپ نے چلو میں پانی بھرا اور ہوا میں اڑا دیا اور فرمایا کہ ان سارے دلائل کو کاٹنے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے۔ یعنی پانی کا وجود دلالت کرتا ہے کہ یہ دلائل محض توہمات ہیں اور عین حقیقت سے ٹکرا رہے ہیں اور جو شبہ بھی حقیقت سے متصادم ہو وہ باطل و فاسد ہوتا ہے۔

اور مشہور ہے کہ ملا میرزا، آقا جمال سے ہمیشہ مزاح و مباحثہ اور چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے اور اس حد تک آگے بڑھ جاتے تھے کہ ان کی زندگی تلخ معلوم ہونے لگتی تھی۔ ایک دفعہ کی بات ہے کہ ایک شخص آیا اور شام کے کھانے کی دعوت دی۔ آقا جمال نے دل میں سوچا کہ اگر اس نے ملا میرزا کو بھی بلایا ہے تو دعوت قبول نہ کریں گے اور اگر انہیں نہیں بلایا تو دعوت منظور کر لیں گے۔ چنانچہ آقا جمال نے پوچھا کہ تم نے ملا میرزا کو بھی دعوت دی ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آقا جمال نے کہا: ٹھیک ہے میں آج رات حاضر ہو جاؤں گا۔ اس میزبان نے یہ سمجھا کہ آقا جمال چاہتے ہیں کہ میں ملا میرزا کو بھی دعوت دوں چنانچہ وہ ملا میرزا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو ضیافت کی دعوت دے دی۔ اب جب شام ہوئی اور آقا جمال اس شخص کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ ملا میرزا بھی موجود ہیں۔ بس پھر کیا تھا ملا میرزا سے ان کا مباحثہ شروع ہو گیا اور مسائل علمی پر بحث چھڑ گئی۔ اور آخر آقا جمال کو ان پر غصہ آنے لگا۔ اب صاحب خانہ بات کی تہہ تک پہنچا کہ آقا جمال یہ چاہتے تھے کہ ملا میرزا کو مدعو نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس نے کوشش کی کہ ملا میرزا کا کلام قطع کیا جائے چنانچہ اس نے ملا میرزا سے سوال کیا کہ دیوان حافظ کا پہلا شعر۔

الا یـــا ایهـــا الســـاقی ادر کـــاســـاً و نـــاولهـــا　　　　که عشـق آسـان نمـود اول ولی افتـاد مشـکلهـا

(اے ساقی یہ شراب جام میں انڈیل کر مجھے عنایت فرما کہ عشق شروع میں آسان لگتا لیکن اس کی تکمیل میں بڑی مشکلات ہیں۔)

اس کا مطلب کیا ہے۔ اور میزبان کا مقصود یہ تھا کہ ملا میرزا اس غور و فکر میں پڑ جائیں گے کیونکہ حقیقتاً یہ شعر کوئی معما نہیں ہے۔ اور اس طرح سوچ بچار میں پڑنے کی وجہ سے آقا جمال کی جان چھوٹ جائے گی۔ ملا میرزا شعر سن کر میزبان کی طرف متوجہ ہوئے اور ستر توجیہات پیش کر دیں کہ یہ شعر معما ہے اسم احمد کی وجہ سے اور دوبارہ آقا جمال سے الجھ پڑے اور مباحثہ پھر شروع ہو گیا۔

ایک دفعہ ملا میرزا سے کہا گیا کہ اس نیلے آسمان کے اوپر نہ خلا (۱) ہے نہ ملا (۲)۔ تو ملا میرزا نے کہا کہ جب اس نیلے آسمان کے اوپر جائیں گے تو میں آستین چڑھاؤں گا اور ہاتھ ڈال دوں گا پس اگر ہاتھ داخل ہو گیا تو خلاء ہے اور نہ داخل ہوا تو ملاء ہوگا۔ اور یہ صرف انہوں نے از راہ مذاق کہا تھا۔

آقا باقر بہبہانی نے لکھا ہے کہ ملا میرزا کہا کرتے تھے کہ میں نے شرح جامی کا درس بیس ۲۰ دفعہ دیا اور ہر دفعہ مجھے ایک نئی بات سمجھ میں آتی تھی جو اس سے پہلے کے درس میں میں نے نہ سمجھی تھی۔ اور ادھر اُدھر سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ ملا میرزا کہتے تھے کہ میں نے ستر بار شرح جامی کا درس دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آقا جمال اور ملا میرزا باہم جا رہے تھے اور ان میں سے کوئی ایک گدھے پر سوار تھا۔ آقا جمال خوش لباس انسان تھے اور ترمہ کا عمامہ سر پر باندھا کرتے تھے۔ ملا میرزا ترک تھے اور آقا جمال اصفہانی اور جب گدھا بقول اس آیت کے کہ بے شک بدترین آواز گدھے کی آواز ہے اپنی فریاد شروع کرتا تو ملا میرزا آقا جمال سے کہتے کہ یہ گدھا اصفہانی زبان بول رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد گدھے نے غلاظت پھیلانی شروع کر دی تو آقا جمال نے میرزا سے کہا اب تو یہ جانور تھوڑی تھوڑی ترکی بھی بولنے لگا ہے۔

آپ کی تالیفات میں شرح لمعہ پر متفرق حواشی ہیں جو غیر مدونہ ہیں اور لطافت سے خالی نہیں ہیں۔ الٰہیات شرح تجرید پہ بھی غیر مدون حواشی ہیں۔

(۱) خلاء۔ خالی جگہ　　(۲) ملاء۔ پُر جگہ

جو بڑی دقت نظر سے لکھے گئے ہیں اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ فن حکمت میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ شرح فارسی جو ''معالم الاصول'' پر لکھی لیکن چونکہ وہ مغود ترک تھے لہٰذا ان کی فارسی عربی سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہے، معالم الاصول پر حاشیہ، خلیفہ سلطان نے معالم پر حاشیہ لکھا اس میں معالم پر اعتراضات وارد کیے تو ملا میرزا نے اس حاشیے کے اعتراضات کی رد میں حاشیہ لکھا اور اسی حاشیے میں جہاں کہیں ''آپ فرماتے ہیں'' لکھا اس سے مراد سلطان العلماء ہیں۔ اور اس حقیر نے بھی سلطان کے حاشیہ پر حاشیہ لکھا ہے۔ اور اس کا نام ''بردودات'' رکھا ہے اور سلطان کے معالم پر اعتراضات کو اس میں رد کیا گیا ہے انصاف کی بات تو یہ ہے کہ خلیفہ سلطان بڑے فاضل، جامع اور باریک بین شخص تھے، انہوں نے شرح تجرید کے الٰہیات کے کچھ حصے پر اور ''اصول عضدی'' کی مختصر شرح پر اور ''حاشیہ شرح لمعہ'' پر حاشیہ لکھا ہے۔ ان کا اصل نام محمود تھا اور نسبا سید حسینی تھے اور وہ صاحبِ ''معالم'' کے بیٹے شیخ محمد اور شہید ثانی کے نواسے شیخ علی کی اوائل زندگی کے دور میں تھے۔ کیونکہ سلطان نے شیخ محمد ابن صاحب معالم سے حاشیہ نقل کیا ہے جو معالم کے اس قول کے بارے میں ہے درتقسیم ان کان بوضع بواحد . پس سلطان کہتے ہیں کہ شیخ محمد بن صاحب معالم نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ وضع واحد سے مراد وضع مستقل ہے کہ جس میں وضع اول ملحوظ نہیں ہوتی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شیخ محمد کے آخری دور میں تھے اور شیخ علی نے شرح لمعہ پر سلطان کی ردود (ردی کی جمع) کو رد کیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شیخ علی کے ابتدائی دور میں تھے۔

کہتے ہیں کہ جب سلطان نے سفر مکہ کیا اور وہاں عمل ہرولہ جو مستحب عمل تھا انجام نہ دیا تو جب وہ اصفہان واپس آئے اور شاہ عباس کو ان کے ھرولہ نہ کرنے کا علم ہوا تو انہوں نے خلیفہ سلطان کو طلب کیا اور کہا تو کارخانہ قدرت میں ننگ و عار کر رہا ہے یا تکبر سے کام لے رہا ہے اور ھرولہ انجام نہیں دیتا۔ چنانچہ شاہ عباس نے حکم دیا کہ زین ان کے کاندھے پر رکھ دیں اور وہ بادشاہ اور امرائے سلطنت کے سامنے میدان شاہ اصفہان میں ھرولہ کریں چنانچہ خلیفہ سلطان کو اسی کیفیت سے ھرولہ کرنا پڑا اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کو خلیفہ سلطان اس لیے کہا جاتا تھا کہ ان کو بادشاہ کی طرف سے یہ منصب ملا ہوا تھا۔

سلطان کا ایک عجیب مذہبی عقیدہ یہ تھا کہ وہ کہتے تھا کہ جنوں کا اب کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ ان کا وجود صرف پیغمبرؐ کے زمانے تک تھا پھر پیغمبرؐ نے گروہ جن پر لعنت بھیجی چنانچہ اب ان کا کوئی وجود نہیں۔ اور سید نعمۃ اللہ جزائری نے انوار النعمانیہ میں کہا ہے کہ ایک قابل اعتماد شیخ نے مجھ سے کہا کہ فاضل قزوینی خدا ان کو طول عمر دے، نے ذکر کیا ہے کہ جن بعثت پیغمبرؐ سے پہلے وجود رکھتے تھے پھر پیغمبرؐ نے ان پر نفرین کی تو سب مر گئے اور سلطان العلماء نے بھی یہی قول اختیار کر لیا۔ یہاں تک کلام سید نعمۃ اللہ جزائری تھا۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ قابلِ اعتماد شیخ سے مراد سید نعمت اللہ نے آخوند ملا محمد باقر مجلسی سے لی ہے جو بالکل واضح ہے لیکن فاضل قزوینی کا نام مشکوک ہے شاید ان کی مراد ملا خلیل قزوینی سے ہو کیونکہ وہی ان کے عہد میں تھے یا شاید ملا سلیمان ابن ملا خلیل سے ہو یا میرزا قوام الدین ہوں کہ جنہوں نے متن لمعہ اور خلاصہ کو نظم کیا اور حقیقت یہ ہے کہ جن وجود رکھتے ہیں اور بہت سی احادیث اس بارے میں ثبوت کے طور پر مل سکتی ہیں بلکہ پیغمبرؐ کے زمانے سے اب تک وہ دیکھے بھی جاتے ہیں۔ اگر اس کے برخلاف کوئی حدیث ہے تو یہ کسی مخصوص گروہ کے بارے میں یا مطروح ہوگی۔ اور ائمہ کے ادوار میں بھی وجود جن تواتر معنوی رکھتا ہے۔ نعمت اللہ جزائری نے اسی سلسلے میں لکھا ہے کہ ایک بہت مقدس آدمی نے مجھ سے کہا کہ میرے والد راتوں کو تاریک وحشتناک مقامات پر نکل جاتے تھے کہ شاید کسی جن سے ملاقات ہو جائے لیکن کبھی بھی ممکن نہ ہوا۔ تو ان کے بیٹے نے ان سے کہا کہ جن ان پر ظاہر نہیں ہوتے جو قوی القلب ہوتے ہیں بلکہ ضعیف القلب لوگ ان کو دیکھا کرتے ہیں۔ یہاں تک نعمت اللہ جزائری کا کلام تھا۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ شاید مقدس آدمی سے ان کی مراد آخوند ملا محمد باقر مجلسی ہوں ویسے اللہ بہتر جانتا ہے۔

نیز مولف کتاب کہتا ہے کہ میرے والد نے مجھ سے کہا کہ ایک دن میں تنکابن کے جنگل میں جو میری جائے ولادت کے قریب تھا سیر کر رہا تھا کہ میں نے ایک درخت کے قریب دیکھا کہ ایک چھوٹی سی لڑکی کھڑی ہوئی ہے بالوں سے پانی کے قطرے گر رہے ہیں پاؤں کا پنجہ پیچھے اور ایڑیاں آگے تو میں نے سورہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر کی تلاوت کی اور وہ اچانک میری نگاہوں سے غائب ہوگئی اور مجھے کسی قسم کا خوف بھی محسوس نہ ہوا۔

آخوند ملا عبداللہ تونی

ملا عبداللہ تون کے باشندے ہیں اور یہ خراسان کا ایک شہر قاین کے نزدیک واقع ہے۔ ملا عبداللہ کے نام سے چار افراد ہیں۔ پہلے ملا عبداللہ بن حسین تستری ہیں ان کے بعد دوسرے میرزا عبداللہ صاحب "ریاض العلماء" جو آخوند ملا محمد باقر مجلسی کے شاگرد تھے اور "ریاض العلماء" نام کتاب ہے جو سابق علماء کے حالات کے بارے میں لکھی گئی تھی تیسرے ملا عبداللہ یزدی صاحب "شرح تہذیب منطق" ہیں اور اس پر ان کا حاشیہ ہے اور "تہذیب وکرامات" پر ملا جلال کے حاشیہ پر حاشیہ ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ حکیم تھے اور شیخ بہائی نے علامہ کہہ کر ان کی توصیف کی ہے۔ شیخ بہائی ان کے شاگرد تھے اور صاحب "مدارک" بھی ان کے شاگرد تھے۔ اور ملا عبداللہ نے ملا جلال دوانی سے درس پڑھا اور ملا جلال نے سید شریف سے درس حاصل کیا اور چوتھے آخوند ملا عبداللہ تونی ہیں جو اخباری مسلک رکھتے تھے اور شیخ بہائی اور میر داماد کے آخری زمانہ میں تھے اور ان کی تالیف میں کتاب وافیۃ الاصول ہے کہ جس پر سید صفدر الدین ہمدانی اور سید محسن کاظمینی نے شرحیں لکھی ہیں اور محسن کاظمینی کی شرح تقریباً چالیس پچاس ہزار بیت پر مشتمل ہے اور سید بحر العلوم نے بھی اس کتاب کے ابتدائی حصے کی شرح لکھی ہے۔

ایک دفعہ ملا عبداللہ میر داماد سے ملنے گئے اور دونوں میں بحث ہونے لگی۔ جب ملا عبداللہ مجلس سے اٹھنے لگے تو میر داماد نے کہا کہ اے آخوند ملا عبداللہ جب تم یہاں سے جاؤ تو یہ ہرگز نہ کہنا کہ میں نے میر داماد سے مناظرہ کیا بلکہ علماء کے سامنے فخر کرنا کہ آج میں نے میر داماد کی بات کو سمجھا اور انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ بالکل سچی اور مطابق واقعہ بات تھی کیونکہ عبداللہ کو میر داماد کے مقابلہ میں شاگرد کی حیثیت حاصل ہے بلکہ بہت سے لوگ میر داماد کی تالیفات کو سمجھ نہ پاتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن شاہ عباس آخوند ملا عبداللہ تونی سے ملاقات کو آیا۔ آخوند نے ایک مدرسہ بنایا تھا لیکن اس میں طلباء نہیں تھے۔ سلطان مدرسہ میں گھومے پھرے اور پھر ملا عبداللہ سے پوچھا کہ تمہارا مدرسہ خالی ہے اور طالب علم نہیں ہیں تو ملا عبداللہ نے کہا: اس کا جواب کچھ مدت بعد عرض کروں گا۔ اس کے بعد ایک دن یہ ہوا کہ آخوند ملا عبداللہ شاہ عباس سے ملنے گئے۔ رسمی سلام ودعا اور بات چیت کے بعد بادشاہ نے ملا عبداللہ سے کہا کہ آپ کچھ فرمائیں کہ میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں آخوند نے کہا کہ مجھے کوئی کام نہیں ہے لیکن سلطان نے اُس سلسلے میں بڑا اصرار کیا تو آخوند نے کہا کہ آپ جب اس قدر اصرار کر رہے ہیں تو میرا ایک کام کر دیجئے اور وہ اس طرح ہے کہ میں تو گھوڑے پر سوار رہوں اور آپ میری سواری کے آگے آگے میدان شاہ میں چلتے رہیں سلطان نے کہا اس کی حکمت ومصلحت کیا ہے؟ آخوند نے کہا کہ اس کا جواب میں کچھ عرصہ بعد عرض کروں گا۔ پس چونکہ سلاطین صفوی خدا ان پر رحم فرمائے، حضرت سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وآلہ اجمعین کے دین کے مروجین میں سے تھے اور علمائے اعلام کے احترام میں کوئی کمی اٹھا نہ رکھتے تھے لہٰذا آخوند ملا گھوڑے پر سوار ہوئے اور شاہ عباس صفوی ان کی سواری کے آگے پیادہ پا چلنے لگے۔ انہوں نے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا اور تمام اہل شہر نے یہ منظر دیکھا پھر آخوند نے سلطان کو خدا حافظ کہا اور اپنے گھر آ گئے۔ پھر کچھ وقت گزرا اور ایک دن پھر شاہ عباس آخوند ملا عبداللہ سے ملنے تشریف لائے۔ تو دیکھا کہ آخوند کا مدرسہ طلباء سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ تو آخوند سے پوچھا کہ پہلے میں نے دیکھا تھا آپ کا مدرسہ بالکل خالی پڑا تھا اور اب دیکھ رہا ہوں کہ اس قدر طلباء موجود ہیں تو آخر یہ انقلاب کیسے آیا؟ تو آخوند نے کہا کہ اس کا سبب میری وہی درخواست ہے جو میں نے آپ سے کی تھی کہ میں سوار رہوں اور آپ میرے آگے پیدل چلیں۔ کیونکہ پہلے لوگ نہ فضیلت علم جانتے تھے نہ مقام عالم لہٰذا شروع شروع میں کسی نے بھی مدرسہ کا رخ نہ کیا لیکن جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا کہ میں سواری پر ہوں اور آپ پیدل تو لوگوں کو یہ سمجھ میں آ گیا کہ علم کی منزلت یہ ہے کہ عالم کے آگے بادشاہ بھی پیدل چلا کرتا ہے۔ لہٰذا عزت دینا اور دنیاوی جاہ وجلال اور اسباب ظاہری کے حصول کے لیے مدرسہ میں جمع ہو کر تحصیل علم کرنے لگے ہیں لیکن جب وہ کچھ علمی منازل طے کر لیں گے تو ان کی نیت خالص

ہو جائے گی اور بقصد قربتاً الی اللہ جو علم کا اصل مقصد اور تمام عبادات کی روح رواں ہے وہ علم حاصل کرنے لگیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ علم حاصل کرو چاہے غیر اللہ کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہی اللہ کی جانب پہنچادے گا اور ان کے لیے اس کا مصداق ہوگا کہ ''مجاز حقیقت تک پہنچنے کا پُل ہوتا ہے۔''

شیخ یوسف بن احمد بن ابراہیم بحرانی

شیخ یوسف بحرانی حائری جو صاحب ''حدایق'' ہیں اخباری مسلک کے ہیں لیکن متعصب بالکل نہیں تھے اور بڑے فاضل انسان تھے۔ ''لؤلؤ'' کے آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ میں ۱۱۰۷ھ میں پیدا ہوا اور میرا بھائی شیخ محمد ۱۱۱۲ھ میں۔ ہماری ولادت ماخوز میں ہوئی کیونکہ میرے والد شیخ سلیمان بن عبداللہ ماخوز سے تحصیل علم کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے۔ اس وقت میری عمر ۵ سال کی تھی جب بحرین میں فساد برپا ہوا اور دو قبیلے آپس میں لڑنے لگے میں اس وقت اپنے دادا کے زیر تربیت تھا۔ وہ تجارت پیشہ تھے۔ بڑے رحیم، کریم، بادیانت اور نیک شخص تھے۔ جو بھی آمدنی ہوتی وہ مہمانوں اور اپنے پرائے سب پر خرچ کر ڈالتے اور کچھ بھی پس انداز نہ کرتے، نہ کوئی ذخیرہ کرتے تھے۔ نہ انہیں کوئی لالچ دامنگیر ہوتا۔ میری تربیت وہی کر رہے تھے کیونکہ مجھ سے پہلے میرے والد کی اور کوئی اولاد بھی نہیں تھی۔ انہوں نے میرے لئے معلم کا بندوبست کیا جو مجھے قرآن مجید پڑھاتے تھے اور میرے دادا مجھے لکھنا سکھا رہے تھے۔ میرے والد کی تحریر نہایت خوبصورت ہوتی تھی۔ بعد میں میں نے والد کی ہی شاگردی کی اور ان سے درس لینا شروع کیا لیکن اس زمانے میں مجھے تحصیل علم سے کوئی رغبت نہ تھی کیونکہ بچپنے کی ناسمجھی مجھ پر غالب تھی۔ والد سے میں کتاب ''قطر الندا'' پڑھا کرتا تھا اور اکثر ابن ناظم کو صرف اول قطبی سے پڑھا کرتا تھا حتی کہ غیر ملکی بحرین پر قبضہ کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ تین سال تک جنگ جاری رہی۔ ناصبیوں نے بھی انہی کی حمایت کی اور بحرین پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ لوٹ، غارتگری، ہتک حرمت، مار پیٹ کا بازار گرم ہوا۔ بڑے بڑے لوگ تو قطیف اور دوسرے شہروں میں بھاگ گئے میرے والد بھی بیوی بچوں کے ساتھ قطیف چلے گئے اور مجھے بحرین میں شاخور کے گاؤں میں جو گھر تھا وہاں چھوڑ گئے کیونکہ وہاں انہوں نے اپنی بعض کتابیں اور دوسرا سامان زیر زمین دبادیا تھا اور مجھے تاکید کردی تھی کہ جو کتابیں لوٹ مار سے بچی ہیں اگر وہ میں نے ظاہر کیں تو پکڑ لیا جاؤں گا۔ لیکن میں نے بعض تلاش کرہی لیں اور بعض کو بالکل خفیہ طریقے سے والد تک پہنچادیا اور یہ کام چند سال کے عرصہ میں کیا گیا۔ پھر میں والد سے ملاقات کے لیے قطیف گیا دو تین ماہ وہاں رہا۔ میرے والد نے کثیر العیالی اور برے حالات اور پیسہ کی قلت کی وجہ سے پھر بحرین واپس آنے کا ارادہ کیا لیکن اس وقت ایرانیوں کے سر میں بحرین پر قبضہ کا سودا سوار ہو گیا چنانچہ ہم نے انتظار کیا کہ دیکھیں کیا صورتحال رونما ہوتی ہے۔ ایرانی پسپا ہو گئے شہروں کو آگ لگادی گئی اور ہمارا گھر بھی جو بحرین میں تھا نذر آتش ہو گیا۔ میرے والد پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا کیونکہ اس گھر کی تعمیر میں بڑا سرمایہ لگایا گیا تھا اس کی وجہ سے وہ بیمار ہو گئے اور دو ماہ بعد انتقال فرما گئے۔ انہوں نے وقت وفات مجھ سے یہ کہا کہ میں تمہیں اس بات سے بری الذمہ نہیں کر سکتا کہ تم دسترخوان پر بیٹھو اور تمہارے بھائی تمہارے ساتھ دسترخوان پر موجود نہ ہوں۔ میرے تمام بھائی مادری تھے اور اکثر چھوٹے چھوٹے تھے۔ اور ان کی والدہ کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اور ان کا کوئی سہارا نہ تھا۔ چنانچہ میں بچوں میں گھر گیا اور والد کی وفات کے دو سال بعد تک قطیف میں ہی مقیم رہا۔ اور شیخ حسین ماخوزی سے کچھ کتاب قطبی سے اور کچھ شرح تجرید قدیم کی کتاب کے شروع کے حصہ کا درس لیتا تھا۔ اور کبھی بحرین چلا جاتا تھا تاکہ ان کھجور کے درختوں کی دیکھ بھال کرسکوں جو وہاں پر ہمارے موجود تھے اور ان کی فصل اٹھاتا تھا اور پھر قطیف آجاتا تھا اور درس میں مشغول ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایران نے خوارج سے صلح کرلی اور ان کو مقررہ مال دینے پر تیار ہو گئے کیونکہ بادشاہ ایران اپنی غلط پالیسی کی وجہ سے ان کے آگے جھک گیا تھا۔ تو میں بحرین واپس آگیا اور پانچ سال تک وہاں رہا اور شیخ احمد بن عبداللہ بلادی سے درس لیا۔ اور ان کے بعد شیخ عبداللہ بن علی سے تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران مکہ بھی گیا اور زیارت رسول مقبولؐ سے مشرف ہوا اور ائمہ کی زیارت بھی کی پھر حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے قطیف گیا اور شیخ حسین سے ''تہذیب'' کا ابتدائی حصہ پڑھا۔ پھر بحرین پلٹا۔ زندگی میرے لئے دشوار ہوتی جا رہی تھی، قرضے بہت ہو گئے تھے اور یہ اس وقت کی بات

ہے کہ افغانی ہمارے ملک پر غالب آ چکے تھے۔ تو میں ایران چلا گیا اور کافی مدت کرمان میں رہا پھر شیراز کا رخ کیا وہاں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بہت سے اسباب اعزاز واکرام مہیا فرما دیئے۔ اس علاقہ کا حاکم جو میرزا محمد تقی تھا ترقی پا کر میرزا محمد تقی خان ہو گیا اس نے مجھ پر بڑا اکرام واحسان کیا اور اللہ تعالیٰ نے میری محبت اس کے دل میں موجزن کر دی۔ اس کے زیر سایہ اس کے مدرسے میں تدریس کے فرائض انجام دیتا رہا اور نماز جمعہ اور جماعت بھی پڑھایا کرتا تھا۔ وہاں میں نے بہت سے رسالے لکھے، مسائل کے جوابات تحریر کیے اور مطالعہ میں بھی مصروف رہتا تھا یہاں تک کہ وہاں بھی گڑبڑ شروع ہوئی تو میں ایک گاؤں میں چلا گیا اور قصبہ فسا میں رہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو بحرین بھیجا اور وہاں ایک اور شادی کر لی۔ اور مطالعہ میں مشغول ہو گیا اور کتاب حدائق باب اغسال (تمام قسم کے غسلِ) تک تصنیف کی۔ اور ساتھ ساتھ کاشتکاری بھی کرتا رہا تاکہ مالی طور پر کسی کا محتاج نہ رہوں۔ اس گاؤں کا متولی میرزا محمد علی تھا وہ مجھ سے بڑی محبت کرتا تھا اور میرے اوپر احسان کیا کرتا تھا اور اس نے کبھی مجھ سے ٹیکس طلب نہیں کیا۔ پھر کسی نے موقع پا کر اس دیہات پر قبضہ کر لیا میرزا محمد علی مارا گیا۔ چنانچہ کتاب ''حدائق'' بھولی بسری ہو گئی اور ایسی صورتحال پیش آئی کہ میری بہت سی کتابیں برباد ہو گئیں۔ میں وہاں سے اصطہانات چلا گیا۔ مجھے عتبات عالیات کی زیارت کی آرزو تھی۔ چنانچہ میں کربلا چلا آیا اور تا وقت وفات یہیں قیام کرنے کا ارادہ ہے۔ میں اپنے فقرہ فاقہ پر صبر کرتا ہوں اور مطالعہ وتصنیف وتدریس میں مشغول رہتا ہوں اور میں نے کتاب حدائق کو پورا کرنا شروع کیا اور اس کی چند جلدیں تیار ہو گئیں۔ کتاب طہارت دو جلدوں میں، کتاب صلوٰۃ دو جلدوں میں، کتاب زکوٰۃ اور کتاب صوم ایک جلد میں، کتاب حج ایک جلد میں، اور الحمدللہ اس قسم کی کتاب مجھ سے پہلے کسی نے نہیں لکھی کیونکہ اس میں ہر مسئلہ کے متعلق جتنی آیات واحادیث واقوال ہیں سب نقل کیے گئے ہیں اور بہت سے فروعات کا بھی اس میں ذکر ہے اور یہ اس مقام شریف کی برکت ہے۔ جو (کتاب) میں نے ایران میں لکھی تھی اس میں وہ متانت نہیں تھی کیونکہ اس میں تمام آیات واحادیث اور اقوال نقل نہیں کیے گئے تھے۔ اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے دوسری احادیث اور دلائل کی کتابوں کی ضرورت نہیں رہے اور اس کی کتابت کے دوران ہی بہت سے رسالے اور مسائل کے جوابات بھی لکھے گئے جن کا آگے تذکرہ ہوگا۔ اب کتاب حدائق کتاب حج تک ہو چکی ہے اور اب میں کتاب متاجر لکھ رہا ہوں، کتاب جہاد کو میں نے چھوڑ دیا ہے یا جو کچھ جہاد سے متعلق ہے اس کو بھی کیونکہ اس کا زیادہ فائدہ نہ تھا۔ اور بعض علمائے اعیان کے اتباع میں اس چیز میں وقت لگا رہا ہوں جو زیادہ فائدہ مند ثابت ہو۔ اور ایک کتاب ''سلاسل الحدید'' ہے وہ ابن ابی الحدید کے منہ پر لگام دینے کے لیے ہے اور شرح نہج البلاغہ میں جو بقول اس کے مذہب معتزلہ پر لکھی گئی ہے جو موشگافیاں کی ہیں ان کو رد کرنے کے لیے ہے اور اپنی اس کتاب سے پہلے میں نے ایک مقدمہ لکھا ہے۔ جو امامت کے لیے شافی ہے اور اس کی یہ حیثیت ہے کہ خود ایک مستقل کتاب بن سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی شرح سے اس کی وہ باتیں نقل کی ہیں جو امامت اور احوال خلفاء کے متعلق ہیں اس کی ایک جلد تو ہو چکی ہے اور دوسری جلد کا بھی تہائی ہو چکا ہے لیکن کتاب حدائق میں مصروف ہونے کی وجہ سے اسے مکمل نہ کر سکا۔ معنی ناصب کے بارے میں کتاب ''شہاب ثاقب'' اور جو کچھ اس کے متعلق مطالب ہیں اس کے موضوع پر اور کتاب درر نجفیہ از ملتقطات یوسفیہ اور یہ ایسی کتاب ہے کہ اس فن پر ایسی کتاب ابھی تحریر نہیں ہوئی ہے بڑی گہری تحقیقات اور اعلیٰ مباحث کے ساتھ۔ اور کتاب عقد جواہر نوریہ، یہ مسائل بحرانیہ کے جوابات میں ہے اور رسالہ صلوٰۃ جس میں متن بھی ہے اور اسکی شرح بھی اور صلوٰۃ کے بارے میں ایک اور رسالہ جو اسی سے منتخب کیا گیا ہے اور ان عبارتوں کو لیا گیا ہے جو لوگوں کے لئے واضح ہیں اور رسالہ محمد یہ احکام میراث ابدیہ کے بارے میں اور کتاب جلیس الحاضر وانیس المسافر (حاضر کی رفیق، مسافر کی دوست) جو کشکول کی طرح ہے۔ اور رسالہ ''میزان الترجیح'' اس قول کی افضلیت میں کہ نماز کی ابتدائی دو رکعتوں میں تسبیح کو شمار کیا جائے، رسالہ مناسک حج، رسالہ اسلام وایمان کے معنی ہیں، رسالہ لئالی الزواہر، عقد جواہر کے خاتمہ میں کہ جو ان رسائل کے مسائل کے جوابات میں ہے، اور کتاب ''نفحات ملکوتیہ'' صوفیہ کی رد میں اور کتاب ''تدارک المدارک'' کہ جس میں صاحب ''مدارک'' سے ان مقامات پر بحث کی گئی ہے جہاں انہوں نے غلطی کی ہے اور ان کی تحقیق میں لاپروائی سے کام لیا ہے اور اسکی ایک جلد مکمل ہو چکی ہے جو کتاب طہارت وصلوٰۃ پر مبنی ہے لیکن اس کے بعد کتاب حدائق میں مشغولیت کی وجہ سے اس کتاب کو خاتمہ تک نہیں پہنچایا جا سکا کیونکہ حدائق میں میں نے صاحب مدارک سے ان موقعوں پر بحث کی ہے۔ کتاب ''مسائل شیرازیہ'' اور کتاب ''اعلام

القاصدین" اصول دین کے راستوں پر اور اس میں توحید پر باب اول مکمل ہوگیا ہے لیکن یہ کتاب اور اس سے پہلے کی کتاب قریہ فسا کے ہولناک واقعہ میں ضائع ہوگئی اور ایک رسالہ قلیل پانی کی نجاست کے بحث و مباحثہ میں اور اس میں محدث کاشانی ملا محسن پر اعتراض کیا گیا ہے جو اس کی طہارت کے قائل ہیں۔ اور رسالہ "کشف القناع عن صریح الدلیل" جو اس شخص کی رد میں ہے جو رضاع (بچہ کو دودھ پلانا) میں ترتیب کا قائل ہو اور اس میں وہ مباحث پیش کیے گئے ہیں جو میر داماد نے کیے ہیں کیونکہ وہ بھی اس میں ترتیب کے قائل ہیں اور انہوں نے اس بارے میں جو رسالہ لکھا ہے وہ پورے کا پورا ہم نے اپنے رسالے میں نقل کیا ہے اور پھر ان کے نظریہ کو غلط ثابت کیا ہے۔ "کنوز مودعہ جو امکنہ اربعہ" میں اتمام صلوٰۃ پر ہے۔ رسالہ "صوارم القاصمہ" جس میں دو فاطمی لڑکیوں کو بیک وقت کسی شخص کے نکاح میں ہونے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ کتاب "معراج النبیہ" جو "من لا یحضرہ الفقیہ" کی شرح میں ہے اور اس کتاب کی ابتداء کا کچھ حصہ لکھا گیا ہے اور تمام نہیں ہوئی ہے، کتاب "مسائل بہبہانیہ" جو مرحوم مقدس سید عبداللہ بن سید علوی بحرانی جو زندگی اور موت دونوں صورتوں میں بہبہان میں ہی رہے (یعنی بعد وفات وہیں دفن ہوئے) کے مسائل کے بارے میں ہے، اور "اجوبہ مسائل" کازرونیہ یہ ان سوالات کے جوابات ہیں جو شیخ ابراہیم بن شیخ عبدالنبی بحرانی سے کیے گئے۔ "اجوبہ مسائل" ختیہ ملا ابراہیم ختی کے مسائل کے جوابات، اور شیخ احمد بن یوسف بن علی ابن مظفر سیوری بحرانی کے مسائل کے جوابات، شیخ امجد، شیخ احمد بن مقدس، شیخ حسن استانی بحرانی کے مسائل کے جوابات، سید عبداللہ بن سید حسین شاخوری کے مسائل کے جوابات، اور کتاب "خطب" جو اول سال سے آخر سال تک کے جمعوں کی نماز کے خطبات کے بارے میں ہے۔ کتاب "انوار خیریہ واقمار بدریہ" مسائل احمدیہ کے جوابات میں اور اس کا یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ یہ جوابات حضرت سید الشہداء کے جوار میں لکھے گئے چنانچہ ان کو حایر سے منسوب کیا اور حایر حیر کی احادیث کے بارے میں بھی معتبر ہے اور اس میں قریباً سو مسائل ہیں اور شیخ محمد بن شیخ حیدر نعمی کے مسائل کے جوابات اور اس کے علاوہ کتابیں۔ یہاں تک "لؤلؤ" میں صاحب "حدائق" کا کلام تھا اور ہم نے اس کو اس قدر تفصیل سے اس لیے لکھا ہے کہ طالب علم کو اپنے فقر و فاقہ، مظالم و پریشانیوں، اور آزمائشوں کے وقت میں تحصیل علم سے باز نہیں رہنا چاہئے اور نہ تالیف و تصنیف سے دست کشی کرنا چاہئے۔ صاحب "حدائق" نے اپنی کتاب میں اکثر اصحاب اجتہاد کے طریقے کی پیروی کی ہے اور ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور بڑی تعظیم کے ساتھ ان کا نام لیا ہے۔ اور اپنے اجازات میں ان کی مدح و ثناء کی ہے اور ملا محمد امین استر آبادی پر اعتراض کیا ہے اور ملا محسن فیض پر بھی تنقید کی ہے بلکہ کتاب نفحات ملکوتیہ میں تو ملا محسن فیض کو فاسد العقیدہ قرار دیا ہے حالانکہ شیخ یوسف نے اصول و فقہ میں بڑے عجیب فتوے دیئے ہیں لیکن ان میں کوئی عیب نہیں لیکن مرحوم حاجی سید محمد باقر حجۃ الاسلام کے کلمات و اقوال کا ذکر بھی نہیں کیا نہ ان کی کوئی تعظیم کا اظہار کیا بلکہ ان کی کتاب کا نام لینے سے بھی پہلو تہی کی ہے۔ شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ آقا باقر کے یا تو شاگرد تھے یا مع الواسطہ جانتے تھے کہ آقا باقر نے ان شاگردوں کو اخباریین سے تعلقات استوار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ انہوں نے کتاب حدائق کتاب طلاق تک لکھی اور ان کی وفات ۱۱۸۶ھ ماہ ربیع الاول میں ہوئی اور تقریباً ۷۹ سال عمر پائی اور آقا محمد باقر بہبہانی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کربلا میں مدفون ہوئے ان کے بھائی شیخ عبدالعلی ان کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور صاحب "حدائق" نے لفظ مقدس سے ان کی تعریف کی ہے اور وہ پہلے شخص ہیں جو آخری دو رکعات میں تسبیحات کو باآواز پڑھنے کو واجب سمجھتے ہیں۔ ان کے بھائی شیخ محمد بھی مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور عبدالعلی کے صاحبزادے شیخ خلف بھی مشائخ اجازہ سے ہیں اور شیخ مذکور کے فرزند شیخ حسین بھی۔

شیخ حسین بن شیخ محمد بحرانی

شیخ حسین بن شیخ محمد بن شیخ جعفر بحرانی ماخوزی جامع معقول و منقول و علم و عمل تھے۔ وہ صاحب "حدائق" کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور ماخوزی ماخوز سے نسبت کی بناء پر کہلاتے ہیں اور یہ تین گاؤں ہیں۔ نج جیم ن کے بعد یہ تو شیخ مذکور کا مسکن تھا۔ ھلتا اس میں محقق علامہ فیلسوف (فلسفی) شیخ میثم

بحرانی کی قبر ہے۔ انہوں نے نہج البلاغہ پر تین شرحیں کبیر، صغیر، متوسط (بڑی، چھوٹی، درمیانی) سائز کی لکھیں۔ اور تیسرا گاؤں غریقہ ہے۔ اور آپ اپنے استاد شیخ سلیمان بن عبداللہ ماخوزی سے اجازہ ملا ہوا ہے۔ آپکی عمر تقریباً نوے سال کی ہوئی۔ لیکن اس عمر میں بھی آپکا ذہن بالکل صحیح کام کرتا تھا۔ اور حواس میں سے کوئی ایک بھی کمزور وخلل یافتہ نہ ہوا تھا۔ ہاں بڑھاپے کی شدت کی وجہ سے کمزوری واقع ہوگئی تھی اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنے فضل وکمال کے باوجود آپ کو تصنیف کا کوئی ملکہ حاصل نہ تھا چنانچہ آپ کی ایک تالیف بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

شیخ سلیمان بن شیخ عبداللہ

شیخ سلیمان بن شیخ عبداللہ بن علی بن حسن بن احمد بن یوسف بن عمار بحرانی وقت کے بے مثل فرد اور علامہ دوران تھے۔ بحرین کی سربراہی کا آپ پر خاتمہ ہوا۔ ان کے شاگرد شیخ عبداللہ بن صالح بحرانی نے ان کے تذکرہ میں یہ کہا ہے کہ حافظہ میں لاجواب تھے بہت دقیق النظر اور جواب بڑی سرعت سے دیتے تھے۔ نہایت فصیح البیان تھے۔ میں نے ان کے جیسا کوئی اور نہیں پایا۔ ثقہ اور نقلی علوم میں بے حد ہوشیار تھے۔ گویا اپنے وقت کے امام تھے۔ یکتائے روزگار تھے۔ تمام علماء ان کے فضائل کا اقرار کرتے ہیں۔ تمام علوم کے جامع اور ہرفن کے علامہ تھے۔ بہترین مقرر، خطیب وشاعر، بڑے انصاف پرور، حدیث ورجال وتاریخ کے تمام علوم میں عظیم المرتبت تھے، انہوں نے میری تربیت کی، مجھے مقرب بنایا اور سب پر مجھے فوقیت دی۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ عمر تقریباً پچاس سال پائی اور وفات ۱۷ رجب ۱۱۲۱ھ میں ہوئی شیخ میثم بن معلا کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ شیخ میثم کے دادا مشہور علامہ تھے۔ یہ مقبرہ ماخوز کے قریہ دنج میں واقع ہے۔ یہاں تک ان کے شاگرد عبداللہ بن صالح کا کلام تھا۔

ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب ''لولو'' میں میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ میری ولادت نیمہ ماہ رمضان (پندرہ رمضان) ۱۰۷۵ھ میں طالع عطارد میں ہوئی میں نے قرآن مجید سات سال اور شاید چند ماہ کچھ اوپر ہوئے تھے حفظ کر لیا تھا اور علمی کتابیں پڑھنے لگا تھا حالانکہ ابھی میری عمر صرف دس سال کی تھی۔ میں مسلسل تحصیل علم میں مشغول رہتا ہوں اور اب بھی ہوں اور یہ سال ۱۰۹۹ھ ہے۔ یہ شیخ سلمان کا کلام تھا اور صاحب ''لولو'' کہتے ہیں کہ مذکورہ تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے عبداللہ بن حاجی صالح نے جو تاریخ وفات بتائی ہے اس سے شیخ سلمان کی عمر تقریباً چوالیس ۴۴ سال دو ماہ بنتی ہے اور جوان کے شاگرد عبداللہ بن صالح نے پچاس سال کی عمر بتائی وہ غلط ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو تاریخ ولادت کا صحیح علم نہیں تھا۔

شیخ سلیمان بہت اچھے شاعر تھے انہوں نے بہت سے اشعار کہے اور امام حسینؑ کے بارے میں بڑے اچھے مرثیے کہے۔

بڑے بڑے علماء نے آپ سے تعلیم پائی ہے مثلاً صاحب ''حدائق'' کے والد اور دادا شیخ سلیمان کے شاگرد تھے۔ اور آپ کے تمام شاگردوں میں عبداللہ بن حاجی صالح اور شیخ حسین پہلے شاگرد ہیں اور شیخ احمد بن شیخ عبداللہ بن حسن بلادی بھی ہیں جو بڑے فاضل، منصف اور صاحبان حسن اخلاق اور ورع وتقویٰ والوں میں سے تھے اور مذکورہ شیخ احمد کی وفات بروز پیر ۱۴، ماہ رمضان ۱۱۳۷ھ میں ہوئی اور شیخ سلیمان کے شاگردوں میں شیخ عبداللہ بن شیخ علی بن شیخ احمد بلادی بھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی منزلت یہ ہے کہ ہر ایک کے زمانہ میں ریاستِ علمیہ کا ان پر خاتمہ ہوتا ہے اور شیخ سلیمان روز جمعہ کو مسجد میں بعد نماز صحیفہ سجادیہ کا درس دیا کرتے تھے اور ان کی مجلس میں علماء وفضلا کا ہجوم ہوتا تھا اور ہمیشہ اپنے گھر پر درس دیا کرتے تھے۔

ان کی چند تالیفات ہیں جن میں سے اکثر رسائل ہیں کچھ مکمل اور کچھ نامکمل۔ ان میں چالیس احادیث بھی امامت کے بارے میں عامہ کے طریقہ پر ہیں اور یہ کتاب ان کی بہترین تصنیفات میں سے ہے انہوں نے اس کتاب کو شاہ سلطان حسین کے لئے ہدیہ بنا کر بھیجا اور انہیں کے نام سے اس کی تصنیف بھی کی انہوں نے ان کو دو ہزار درہم جو اس زمانہ کے لحاظ بیس تومان بنتے ہیں بھیجے اور ان کے بارے میں انصاف سے کام نہ لیا کیونکہ ان کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ اور کتاب ''ازھار الریاض'' جو ''کشکول'' کی طرح ہے اور تین جلدوں میں ہے اور کتاب ''فوائد نجفیہ'' اور کتاب ''عشرہ کاملہ'' جس میں مسائل اصول

فقہ کے دس مسائل لیے گئے ہیں اور یہ کتاب اس بات کی دلیل ہے کہ اجتہاد میں آپ کو کتنی مہارت تھی لیکن اس کتاب کے بعض فوائد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اخباریین کے طریقہ سے قریب ہیں۔ اور حکمت نظری (۱) میں کتاب شفاء، رسالہ صلوٰۃ، رسالہ مناسک حج میں جو مختصر ہے اور سید اکمل امجد سید احمد بن سید عبدالرؤف، حفصی بحرانی کے دادا کی درخواست پر لکھا۔ اور رسالہ "نفحۃ العبیر" کنوئیں کی طہارت کے بارے میں اور ایک دوسرا رسالہ مناسک حج پر جو مختصر ہی ہے اور ایک تیسرا رسالہ مناسک حج کے مسائل خلافیہ میں اور رسالہ اقامۂ دلیل ماء قلیل کی عدم نجاست کے بارے میں حسن بن ابی عقیل کی نصرت میں "لؤلؤ" میں کہا گیا ہے کہ میں نے شیخ سلیمان کی تحریر میں یہ دیکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں خواب میں اپنی ایک کتاب دیکھتا ہوں جو گویا میرا ذکر ہے کہ اس میں لکھا ہوا ہے کہ چونکہ حسن بن ابی عقیل نے قلیل پانی کے عدم نجاست کے بارے میں کہا ہے تو امامیہ کے اصحاب نے اس کو نکال دیا ہے اور مکہ میں اس کو خفیف کیا ہے۔ ایک رسالہ نماز جمعہ کے واجب ہونے کے بارے میں اور یہ رسالہ ان رسالوں کے برخلاف ہے جن میں بعض فضلاء نے نماز جمعہ کو حرام قرار دیا ہے اور کتاب معراج "فہرست شیخ طوسی" کی شرح میں ہے لیکن یہ کتاب نامکمل ہے اور اس کتاب کا صرف باب الف، باب باء اور باب تا لکھا گیا اور رسالہ "بلغہ" جو آخوند ملا مجلسی کے رسالہ "وجیزہ" کے وزن پر لکھا گیا۔ رسالہ "علم منطق" اور اس کی شرح میں اور روزہ دار پر ارتماسی غسل کے ممنوع ہونے کے بارے میں رسالہ، اور تین جانوروں کے پیشاب نجس ہونے کے بارے میں رسالہ اور طہارت کا وجوب کسی اور واجب کے ساتھ خصوصاً جنابت کے ساتھ کے بارے میں رسالہ، ایک رسالہ کہ حمد پر تسبیح کو فضیلت حاصل ہے تین رکعتی نماز کی آخری رکعت میں اور چار رکعتی نمازوں کی آخری دو رکعات میں، خطبہ استسقاء (بارش کے لئے نماز) کی شرح میں رسالہ، فارسی رسالہ کو عربی زبان میں منتقل کر کے رسالہ لکھا گیا جس میں چار مسائل جو عامہ کے تھے ان کو رد کیا گیا ہے۔ شیخ محمد بن ماجد کے مقابلہ میں اس بات کی تحقیق میں رسالہ کہ موضوع سجود کا جز ہے۔ طلاق غائب کے بارے میں رسالہ اور اس حدیث کی شرح میں رسالہ کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور سنت کے دلائل میں اصحاب کی بے پروائی کے سبب میں رسالہ اور مسئلہ بداء میں بداء کے درست ہونے کے بارے میں رسالہ لیکن یہ نامکمل ہے۔ اس بارے میں رسالہ کہ کنواری بالغ رشیدہ دوشیزہ کی ترویج میں باپ کا ولی ہونا ضروری ہے۔ مسئلہ بداء میں ایک اور رسالہ اعلام الہدیٰ کے نام سے، جواز تقلید میں رسالہ، رسالہ ذخیرہ محشر میں فساد عمل کے بارے میں، رسالہ شیعہ فرقوں میں ایک نئی کاٹ۔ رسالہ تبارک اللہ احسن الخالقین کے اعراب کے بارے میں، اسرار نماز کے بارے میں رسالہ، رسالہ استخارہ، رسالہ قرعہ، رسالہ روزہ، گیارہویں باب کی تشریح میں کتاب جو نامکمل ہے، وجوب غسل جمعہ میں رسالہ، کنویں اور گندے پانی کے چوبچہ کے مسئلہ میں رسالہ نحو میں رسالہ، واجب کے مقدمے میں رسالہ، رسالہ محایل الاعجاز۔ چالاکیوں اور پہیلیوں کے بارے میں، اور نحو میں ایک اور رسالہ، رسالہ "ناظمۃ الشتات" کہ جو مستحبات ہیں ان کے اوقات سے تاخیر کرنے میں خوبی اور باریکی ہے، رسالہ آداب بحث میں، علم مناظرہ میں ایک اور رسالہ، رسالہ غافلین کی بیداری کے وعظ میں، رسالہ شمسیہ کہ مولا امیر المومنینؑ کے لئے ردشمس (سورج کا پلٹنا) ہوا تھا۔ اور حکم حدث کے بارے میں رسالہ جو درمیان غسل واقع ہوا اور حضرت صاحب الامرؑ کے نام لینے کی حرمت کے بارے میں اور سرّ مکتوم نامی رسالہ علم نجوم کے سیکھنے کے حکم کے بیان میں، "فصل الخطاب" نامی رسالہ اصل کتاب ونصاب کے کفر کے بارے میں یہ مکمل نہیں ہے، کتاب "ہدایۃ القاصدین بشوی عقاید دین"، رسالہ بنام "ضوء النہار"، کتاب "شرح مفتاح الفلاح"، اور کتاب "شرح اثنی عشریہ بہائیہ" جو نامکمل ہے اور رسالہ موسومہ بسلافۃ البہیۃ جو میثمیہ کا ترجمہ ہے اس میں شیخ میثم بحرانی کے حالات ذکر کیے گئے ہیں اور ان کے بہت سے نا تمام رسائل ہیں اور بعض تو صرف مسودہ کی صورت میں ہیں۔ آپ کو آخوند ملا باقر مجلسی اور کچھ اور علماء کا اجازہ حاصل تھا اللہ ان پر رحم فرمائے۔

(۱) حکمت نظری: یعنی حکمت علمی۔ حکمت کی دو قسموں میں سے ایک کا نام ہے جس کے معنی تصور حقائق موجودات کے ہیں۔ اس کی کئی قسمیں ہیں جیسے علم ہیئت، مناظر و مرایا، تشریح، علم نباتات، علم معادن وغیرہ

شیخ سلیمان بن راشدؒ

شیخ سلیمان بن راشد بن ابی ظبیہ بحرانی، اصبعی، اصلاً شاخور کے رہنے والے تھے وہ شیخ عبداللہ بن سلیمان کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں۔ یہ شیخ خالص مجتہد تھے اور ان کو شیخ احمد بن شیخ محمد بن علی مقابی سے اجازہ حاصل ہے۔

شیخ سلیمان نے ۱۱۰۱ھ میں وفات پائی اور بہت جلیل القدر سید، سید عبدالرؤف نے جو حفصی کے دادا تھے ان کی وفات پر مرثیہ لکھا جس میں ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

ان کی تالیفات میں امام زمانہؑ کی غیبت میں نماز جمعہ کی حرمت میں رسالہ ہے جس کو شیخ احمد بن محمد بحرانی نے رد کیا ہے۔ اور ایک رسالہ قہوہ کے حلال ہونے کے بارے میں ہے اور بعض اخباری مسلک کے علماء نے اس کی بھی رد کی ہے کیونکہ وہ اس کے حرام ہونے کے قائل ہیں اور اصول دین میں علم کلام پہ رسالہ اور ہر قسم کی مچھلی کے حلال ہونے کے بارے میں رسالہ لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب گذشتہ لوگوں پر رحم فرمائے اور جو موجود ہیں ان کی عمر میں اضافہ فرمائے۔

شیخ علی بن سلیمانؒ

شیخ علی بن سلیمان بن درویش بن حاتم بحرانی قدمی جن کا لقب زین الدین ہے شیخ سلیمان بن راشد جن کا اوپر ذکر گزرا کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بحرین کے شہروں میں علم حدیث کو نشر کیا اور اس کا رواج ڈالا۔ ان سے پہلے وہاں حدیث کا کوئی اثر بھی نہ پایا جاتا تھا۔ اور انہوں نے کتاب تہذیب واستبصار پر حواشی ونوٹس لکھے۔ کیونکہ ان کو حدیث سے بے حد لگاؤ تھا لہٰذا ایران میں انہیں بام الحدیث (حدیث کی چھت) کہتے تھے۔ وہ بحرین کے رئیس تھے اور امام بارگاہ کے کاموں کے سرپرست تھے۔ انہوں نے ظلم وفساد کا قلع قمع کیا، بدعتوں کو رفع کیا اور ہر جگہ عدل کا دور دورہ کیا۔

آپ کی وفات ۱۰۶۴ھ میں ہوئی اور ان کی تصنیفات میں رسالہ صلوٰۃ ہے، رسالہ تقلید کے جواز میں اور مختصر نافع کتاب پر حاشیہ ہے جو بڑی ہی چھوٹی اور مختصری کتاب ہے۔

قریہ قدم میں ان کی قبر ایک مشہور مزار ہے۔ پہلے محمد بن حسن سے تعلیم پائی پھر ایران کا سفر اختیار کیا اور شیخ بہائی کی خدمت میں رہ کر علم حدیث سیکھا اور پھر بحرین واپس آئے اور وہاں حدیث کو پھیلایا اور محمد بن حسن جن کا پہلے ذکر ہوا ہے ان کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے تو لوگوں نے ان سے ناراضگی کا اظہار کیا کہ کل تو یہ آپ کے شاگرد تھے آج آپ ان کے شاگرد بن گئے؟ تو وہ جواب میں فرماتے تھے کہ شیخ علی علم حدیث حاصل کر کے مجھ سے اور اوروں سے بہتر ہوگئے ہیں۔

شیخ علی کی تین اولادیں تھیں ایک شیخ صلاح الدین جو بہت فاضل شخص تھے خصوصاً علم حدیث اور علم ادب میں اور انہوں نے تہذیب حدیث پر حواشی لکھے اور والد کے بعد امام بارگاہ کے امور کے متولی قرار پائے اور والد کی جگہ قاضی بنائے گئے اور مجلس درس کا انعقاد کرتے اور جمعہ وجماعت پڑھاتے تھے۔ لیکن والد کے بعد زیادہ حیات نہ پائی اور زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وفات پا گئے۔

دوسرے حاتم بن شیخ علی وہ بھی فاضل وفقیہ تھے۔ تیسرے شیخ جعفر بن شیخ علی وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بڑی سختی برتتے تھے اپنے بھائی کے بعد امام جمعہ وجماعت قرار پائے تھے۔ مذکورہ شیخ جعفر کے ایک بیٹے فقیہ فاضل تھے جن کا نام شیخ علی بن جعفر تھا وہ بھی زاہد اور متورع تھے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں سخت تھے۔ شہر کے بعض امراء نے شاہ سلیمان کے سامنے ان پر تہمت لگائی حالانکہ وہ مجرم نہیں تھے۔ اور ان پر بے بنیاد الزام لگایا گیا تھا۔ غرض سلطان کے کارندے آئے اور ان کو قید کر کے کازرون لے گئے۔ پھر سلطان کو حقیقت حال کا پتہ چلا تو اس نے فوراً ان کو رہا کرایا۔ اس کے بعد وہ

کازرون میں ہی رہے اور مدت تک وہیں آباد رہے کبھی کبھی بحرین بھی چلے جاتے تھے لیکن پھر واپس ایران چلے آتے۔ ان کی وفات کازرون میں ہی ہوئی۔ ۱۱۳۱ھ میں انہوں نے دنیا سے مفارقت کی اور دار عاقبت کا رخ کیا۔ ان پر اللہ اپنی رحمت نازل فرمائے اور اپنی بخششوں کے سمندر میں غوطہ زن فرمائے۔

شیخ احمد بن شیخ محمد بن یوسف خطی

شیخ احمد بن محمد بن یوسف خطی جو اصلاً بحرانی تھے بہت بڑے عالم، بے حد عقل مند، زاہد، عابد، کریم، پرہیزگار تھے۔ علوم نقلی و عقلی، فروع و اصول پر کامل تسلط رکھتے تھے۔ بہت باریک بین اور تحریر و تقریر میں نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ صاحب ''حدائق'' کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ وہ تمام معاصر علمائے بحرین میں سب سے زیادہ فاضل تھے۔ بلکہ اپنے بعد میں آنے والوں سے بھی افضل تھے۔ شیخ سلیمان بن عبداللہ ماخوزی جن کا تذکرہ ہو چکا ہے شیخ احمد بن شیخ محمد سے اجازہ یافتہ تھے۔ شیخ احمد کے ایک شاگرد نے اپنے رسالے میں لکھا کہ وہ اصفہان گئے تھے اور آقا محمد باقر صاحب ''کفایہ و ذخیرہ'' ان سے تنہائی میں ملاقات کیا کرتے تھے اور ہر ہفتہ دو دن ان سے مذاکرات کرتے تھے اور استفادہ کیا کرتے تھے۔ علامہ مجلسی آخوند ملا محمد باقر نے شیخ احمد مذکورہ کو اجازہ دیا اور اس اجازہ میں لکھا کہ زمانہ کی نیرنگی اور اللہ تعالیٰ کے مجھ پر فضل کی بناء پر فاضل، کامل، فائق، تقی، زکی، جامع فنون فضائل و کمالات، نہایت پسندیدہ اخلاق کے مالک، تحقیق و تدقیق علم میں باکمال، عقلمند عالم، تحریر و تقریر میں فوقیت رکھنے والے، معانی کی باریکیوں کو ظاہر کرنے والے شیخ احمد بحرانی کی صحبت میسر آئی۔ خدائے تعالیٰ ان کو طول عمر دے اور ان کی حیات کو باسعادت قرار دے۔ میں نے ان کو علم کا بے کنار سمندر پایا اور ماہر عقلمند، تا آخر اجازہ۔ آپ کے اشعار نہایت حسین و خوبصورت ہوتے ہیں ان کی کتابوں میں سے ایک ''ریاض الدلائل وحیاض المسائل'' ہے اور صاحب لؤلؤ کہتے ہیں کہ اس کتاب کا صرف طہارت کا حصہ مجھے مل سکا ہے۔ اور ایک رسالہ جمعہ میں نماز کا وجوب عینی ہونے کے بارے میں اور اس میں انہوں نے شیخ سلیمان بن علی شاحوزی کو رد کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور ایک رسالہ کنواری بالغ لڑکی کے لئے باپ کے ولی ہونے کے بارے میں اور ایک رسالہ منطق میں جن کا نام انہوں نے ''مشکوۃ مضیئہ'' رکھا۔ اور رسالہ ''رموز الخفیہ'' اور رسالہ منطقہ اور ایک چھوٹا رسالہ مسئلہ بداء میں۔

آپ کی وفات مرض طاعون میں ہوئی۔ اور آپ کے بھائی شیخ یوسف کی بھی اس مرض میں موت واقع ہوئی۔ دونوں کو جوار کاظمین علیہما السلام میں ۱۱۰۰ھ میں مدفون کیا گیا۔ اس وقت ان کے والد حیات تھے جن کی وفات ۱۱۰۳ھ میں قریہ مقاباد میں ہوئی۔ آپ کو اپنے والد سے بھی اجازہ حاصل تھا جن کا نام شیخ محمد بن یوسف تھا۔ شیخ محمد بن یوسف علوم عقلی و فلکی و ریاضی، ھیئت و ھندسہ، حساب اور عربیت کے ماہر تھے۔ اور صاحب لؤلؤ کہتے ہیں کہ میرے والد نے ان سے علوم عربی و ریاضی سیکھے اور ''خلاصۃ الحساب'' اور اکثر ''شرح مطالع'' کو ان سے پڑھا۔ اس کے بعد شیخ اپنے استاد سلیمان بن عبداللہ سے بھی آگے بڑھ گئے۔ اس کے علاوہ شیخ محمد کی تصنیفات سے اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

آقا سید علی ملقب بہ سید نورالدین

سید علی بن سید علی بن ابوالحسن الحسینی الابراہیمی الموسوی جن کا لقب سید نورالدین ذکی، فطین، فاضل، تقی نقی، زاہد، عابد اور باوقار شخصیت تھے۔ میر محمد مومن استرآبادی صاحب کتاب ''رجعت'' آپ سے اجازہ یافتہ ہیں اور خود آپ کو اپنے پدری بھائی شمس الدین سید محمد صاحب ''مدارک'' اور برادر مادری جمال الدین ابو منصور شیخ حسن بن شہید ثانی سے اجازہ حاصل ہے۔ سید نورالدین فاضل محقق اور باریک بین تھے۔ اور اپنے زمانہ کے مانے ہوئے شخص تھے۔ آپ نے مکہ کو اپنا وطن قرار دیا آپ کی تالیفات نہایت اعلیٰ پایہ کی ہیں۔ ابتداء میں شام میں رہتے تھے اور لوگ حاکم شام کا آپ کے مقابلہ میں زیادہ احترام کرتے تھے تو آپ مکہ معظمہ چلے گئے۔ آپ کی عمر نوے سال سے بھی تجاوز کر گئی تھی۔ آپ کسی سے مدد طلب نہیں کرتے تھے لیکن لوگ آپ کی استعانت کی جستجو

کرتے تھے۔آپ کی وفات ۱۰۶۲ھ میں واقع ہوئی،شعر گوئی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

واضح رہے کہ سید نور الدین کے والد سید علی نے شہید ثانی کی بیٹی سے شادی کی اور ان سے صاحب "مدارک" سید محمد کی ولادت ہوئی اور شہید ثانی کی شہادت کے بعد صاحب "معالم" کی والدہ جو شہید ثانی کی زوجہ تھیں سے آپ نے نکاح کر لیا اور پھر سید نور الدین متولد ہوئے۔اس طرح سید محمد صاحب مدارک سید نور الدین کے پدری بھائی ہوئے اور شیخ حسن صاحب معالم سید نور الدین کے مادری بھائی ہیں اور صاحب معالم سید محمد صاحب مدارک کے ماموں ہیں اور سید محمد صاحب مدارک صاحب معالم کے بھانجے ہیں۔لیکن ضعیف ناقص عقل والوں کے لیے زوجہ استاد سے نکاح خلاف ادب ہے اور بقول ولدِ سید نور الدین یہ بہت بڑی بے ادبی ہوگئی جیسا کہ مرحوم آقا سید ابراہیم زوجہ شریف العلماء کو (جوان کے استاد تھے) اپنے نکاح میں لے آئے تھے جبکہ اس سے پہلے وہ استاد کی صاحبزادی سے بھی شادی کر چکے تھے چنانچہ لوگوں کا گمان یہی ہے کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے لیکن چونکہ شرع اسکی اجازت دیتی ہے اس لیے اس طرح کا خیال محض بے عقلی ہے خصوصاً جبکہ زوجہ شہید ثانی سے سید علی کے نکاح میں یہ مصلحت کارفرما تھی کہ سید نور الدین جیسا فاضل مخلص جو شریعت پیغمبر کا احیاء کرنے والا ہے عالم وجود میں آئے اور ان سید نور الدین نے اپنے والد سے اور پدری بھائی صاحب مدارک سے اور مادری بھائی صاحب معالم سے درس پڑھا۔

سید نور الدین کی تالیفات میں کتاب "شرح مختصر نافع" ہے جو بہت ہی عمدہ لکھی ہے اور بڑی طویل بحثیں کی ہیں اور دلائل دیئے ہیں لیکن یہ نامکمل ہے اور ایک کتاب "فوائد مکیہ" ہے جو ملا محمد امین غیر مامون استر آبادی کی "فوائد مدنیہ" کی ردہی ہے۔صاحب حدائق لؤلؤ میں کہتے ہیں کہ کتاب فوائد شافی ووافی نہیں ہے۔مولف کہتا ہے کہ چونکہ ملا محمد امین جو کہ اخباری مسلک والوں کا امین ہے اور صاحب حدائق کا ہم مشرب ہے لہٰذا اس تعلق کی بناء پر اس کی بات کو دوست رکھتا ہے اور مسلم سمجھتا ہے اور یہ بات تو مشہور ہے کہ حب الشی یعمی ویصم کہ کسی چیز کی دوستی انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے تو وہ محبوب کے عیوب کو نہ دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے ورنہ کتاب فوائد مکیہ جیسا کہ بہت سے فضلاء کہتے ہیں بڑی بہترین اور سنجیدہ کتاب ہے۔اور مجھ ناچیز نے اخباریوں کے مذاہب کے مفاسد اور ان کے مذہب کے باطل ہونے کے بارے میں قوانین کے حواشی اور منظومہ الفیہ اصولیہ اور اسکی شرح میں مکمل تفصیل کے ساتھ جو ان کے رفع کرنے کے لیے کافی ہے بیان کیا ہے۔

سید نور الدین کی کتابوں میں سے ایک کتاب "شرح اثناعشریہ" ہے جو شیخ بہائی کی نماز کے بارے میں کتاب ہے اور اس کے علاوہ کچھ رسائل ہیں۔سید نور الدین نے شیخ فاضل شیخ صالح بن عبد الکریم کے اجازہ میں فرمایا ہے کہ میں نے ان کو اجازت دی ہے کہ مجھ سے ہر وہ روایت کر سکتے ہیں کہ جس کی روایت کرنا میرے لئے صحیح ہے اور جو کچھ میں نے تالیف کیا ہے اور جس سے میں نے افادہ کیا ہے ان میں ایک شرح ہے جس کا نام "غرر الجامع بر مختصر نافع" ہے۔اس کا ایک شروع کا حصہ جو فقہ سے متعلق ہے میں نے تالیف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی تکمیل کی توفیق کرامت فرمانے کی دعا کرتا ہوں۔اسی طرح ایک شرح "انوار بہیہ بر اثناعشر صلوتیہ" کی ہے جو مرحوم شیخ بہاالدین محمد عاملی کی تالیف ہے اور ایک بڑا نادر رسالہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر ہے قل لااسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ اور ایک کتاب مجموع جو غنیت مسافر کے نام سے مشہور ہے اور بڑی فوائد، احادیث، نوادارات واشعار سے پر ہے۔اور اسی طرح فواید شواہد مکیہ جو خیالات مدنیہ مرحوم ملا امین کی کتاب دلائل کو باطل ثابت کرتی ہے اور بعض کتب فقہ، اصول وحدیث پر حواشی ہیں اور سوالات وجوابات ہیں۔

یہاں تک سید نور الدین کا اجازہ تھا۔اور اجازہ کی تاریخ بدھ بارہ ذی القعدہ ۱۰۵۵ھ ہے۔آپ کی ولادت ۹۷۰ھ میں اور وفات ۱۰۶۸ھ میں ہوئی۔اس طرح عمر چند دن کم ۹۸ سال ہوئی ہے۔سید نور الدین کے ایک صاحبزادہ عالم، فاضل، محقق، ماہر تنقید نگار، ادیب اور شاعر تھے اور کتاب "امل الامل" میں کہا گیا ہے کہ وہ درس میں شریک ہوتے تھے اور ہمارے اکثر مشائخ انہیں سید جلال الدین کہتے تھے۔وہ مکہ چلے گئے اور وہاں مجاور بن گئے پھر مشہد رضا آ گئے اس کے بعد حیدر آباد دکن چلے گئے اور ابھی تک وہیں ہیں اور وہاں کے اکابر اور فضلاء کا مرجع ہیں۔یہاں تک امل الامل کا کلام تھا۔اور سید نور الدین کے

ایک اور صاحبزادے حیدر بن سید نورالدین بن علی بن ابی الحسن موسوی عاملی جبعی ہیں وہ اصفہان میں رہتے ہیں اللہ ان پر اپنی رحمت نازل کرے۔

آقا سید محمد صاحبِ مدارک

سید محمد بن سید علی بن ابی الحسن الموسوی، سید نورالدین سابق الذکر کے پدری بھائی ہیں، یہی صاحب مدارک ہیں اور ان کا لقب شمس الدین ہے ان کا تقدس و علم ناقابلِ انکار ہے لیکن صاحب معالم نے ہمیشہ ان کی کثرت تالیفات سے انکار کیا ہے۔ بہرحال جو تحریر کرتے تھے اس کی پہلے بہت تحقیق کرلیا کرتے تھے۔ اور صاحبِ مدارک کی تالیفات زیادہ نہیں ہیں۔ صاحب معالم اور صاحب مدارک دونوں تقریباً ہم سن تھے اور دونوں اردبیلی سے درس لیا کرتے تھے۔ مقدس محقق مُلا احمد اردبیلی اس زمانہ میں شرح ارشاد لکھ رہے تھے۔ وہ اس کے اجزاء کو صاحب مدارک و صاحب معالم کے حوالے کردیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم ان تحریروں کو دیکھو (چیک کرو) ان کی عبارت کی اصلاح کرو کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ بعض عبارات غیر فصیح ہیں اور جب یہ چاہتے تھے کہ اردبیلی کی خدمت سے اپنے شہروں کی طرف جائیں تو شیخ حسن صاحبِ معالم ملا اردبیلی کی لکھی ہوئی کوئی چیز مانگتے تھے جو وہ اپنے پاس رکھیں اور ان کے لیے ان کی یادگار کی حیثیت سے باقی رہے تو محقق اردبیلی چند احادیث صاحبِ معالم کی خاطر لکھ دیا کرتے تھے اور ان کے آخر میں لکھتے تھے کہ اس کو ایک غلام نے اپنے آقا کے لیے لکھا ہے اپنے مولا کے حکم کے اتباع میں تاکہ اس کے لیے یادگار ہو اور وہ مجھے اپنی تنہائیوں میں فراموش نہ کرے اپنی نمازوں کے آخر میں خدا اس کو اپنی پسندیدہ چیزوں کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے کرم و احسان کے ساتھ اس سے راضی ہو۔ محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوٰۃ۔ یہاں تک اردبیلی کا کلام تھا۔

سید نعمت اللہ جزائری انوار النعمانیہ میں لکھتے ہیں کہ صاحب معالم و صاحب مدارک نجف میں تھے چاہتے تھے کہ خراسان کی زیارت کے لیے جائیں لیکن اس خوف سے کہ کہیں شاہ عباس ان کو اپنے پاس طلب نہ کرلے نہیں گئے کہ کہیں سلطان کے ساتھ معاشرت اختیار کرنا نہ پڑ جائے۔ اس لیے نجف میں ہی رہ گئے۔ صاحب معالم و صاحب مدارک نے احادیث میں خاصہ (شیعوں) کا طریقہ اختیار کیا ہے اور صحیح اعلاء کے قائل تھے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بارہ امامی احادیث کے راوی عادل اور ہر ایک کی دو آدمیوں نے عدل کی گواہی دی ہو اور بلاشک اس طرح سے فقہ میں احادیث کافی نہیں ہوسکتیں۔

صاحب مدارک کا مدارک میں بڑا اضطراب دکھائی دیتا ہے کہ کبھی ثقہ راویوں سے روگردانی کرلی ہے اور کبھی ان ہی کی پیروی کرلی ہے۔ اور رجال میں بھی بڑا اضطراب ملتا ہے جیسے ابراہیم بن ہاشم اور مسمع بن عبدالملک کبھی ان کی احادیث کو حسن شمار کرلیتے ہیں اور کبھی ان پر اعتراض کرکے ان کی احادیث کو رد کردیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں تجدید رائے (کسی کے بارے میں رائے بدلنے کا اختیار) حاصل ہوگیا ہو اور تجدید رائے مجتہد کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے لیکن کبھی ثقہ ہونے کی حیثیت سے عمل درآمد کرتے ہیں اور کئی مقامات پر خارجی وجوہات وغیرہ کا سہارا لے لیا ہے جیسے شہرت یا غیر معروف وغیرہ ہونے کا۔

شیخ حسن صاحبِ معالم

شیخ حسن بن زین الدین شہید ثانی صاحبِ معالم ہیں اور اصحاب میں تعریف و تحقیق کے ساتھ معروف ہیں۔ ان کی تصانیف نہایت صاف ستھری اور مہذب ہیں۔ ان کی پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ کبھی بھی ایک ہفتہ یا ایک ماہ سے زیادہ کی غذائی اجناس جمع نہیں کرتے تھے تاکہ فقراء کی غمگساری ہوسکے اور اس طرح سے غرباء پرسکون رہیں کہ ان کو اغنیاء سے شباہت حاصل نہیں ہے (یعنی شیخ حسن کو) اور ان کا مذہب یہ تھا کہ نوحہ خوانی کا حکم مشہور طریقہ ہے اور اس زمانہ میں اجماعِ علم بالکل نادر ہے اور واضح صحیح پر عمل درآمد کرتے تھے اور تمام احادیث کی چھان بین کرتے تھے۔ شیخ علی بن شیخ محمد بن شیخ حسن جو شہید ثانی کے پوتے ہیں اپنی کتاب ''درالمنظوم والمنثور'' میں کہتے ہیں کہ میرے دادا صاحبِ معالم نے ملا عبداللہ یزدی سے تہذیب، مطول، حاشیہ خطائی، خطائی پر ملا عبداللہ کے حاشیہ کا درس لیا۔ اور یہ ان وقتوں کی بات ہے جب ملا عبداللہ تہذیب پر اپنا مشہور حاشیہ لکھ رہے تھے اور میرے والد کی تحریر میں یہ حاشیہ موجود ہے

اور ملا عبداللہ بھی میرے دادا سے اور صاحب مدارک سے فقہ و حدیث کا درس پڑھا کرتے تھے اور شیخ بہائی کی تحریر میں ایک صفحہ ملا ہے کہ انہوں نے چند علیمانہ باتیں لکھنے کے بعد یہ لکھا تھا کہ كتب هذه الكلمات امتثالاً لامر سيد صاحب الكتاب حرس مجده و كتب صده اقل العاد بهاء الدين الجباعي اصلح الله شانه سائلاً منه اجرائه على خاطره الخطير وعدم محوه عن لوح ضميره المنير سيمافى محال الامانات و مظان الاجابات و ذلك سنه ۹۸۳ ھ نهتی (ان کلمات کو سید صاحب کتاب کے حکم پر اختتاماً لکھا گیا اللہ ان کی بزرگی کی حفاظت کرے اور بندہ کمترین بہاء الدین جباعی نے اس کے برخلاف لکھا۔ اللہ جل شانہٗ اس کی اصلاح فرمائے جس سے سوال کیا جاتا ہے اس کی بلند مرتبہ تدبیر کا اجرا ہو اور اس کے ارفع لوح ضمیر سے کچھ محو ہوئے بغیر خاص کر فرائض کی ادائیگیوں اور قبولیت کے موقع پر۔ یہ سن ۹۸۳ ھ تھا جب تکمیل ہوئی۔) اور یہ صفحہ اس صفحے کے برابر میں تھا جو ملا اردبیلی نے ان کے لیے لکھا تھا اور جو صاحب مدارک کے سلسلے میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اور میرے دادا شیخ حسن اور ان کے بھانجے سید محمد صاحب مدارک گھڑ دوڑ کی بازی کے دو گھوڑوں کی طرح یا ایک ماں کے سینہ سے دودھ شیر خوار بچوں کی مانند تھے اور سن میں بھی برابر کے سے ہی تھے۔ اور صاحب معالم، سید محمد کے بعد تقریباً اتنے ہی دن زندہ رہے جتنا ان کی عمروں میں معمولی سا فرق تھا۔ یہ شیخ علی کی روایت کی بنا پر ہے لیکن شیخ ابی علی نے رجال میں لکھا ہے کہ صاحب معالم صاحب مدارک کے تیس سال بعد تک زندہ رہے اور مولف کتاب نے بھی "تذکرۃ العلماء" میں بھی لکھا تھا۔ لیکن اب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلط ہے کیونکہ شیخ علی صاحب معالم کے پوتے ہیں اور وہ ان کی تاریخوں کو زیادہ بہتر جانتے ہیں اور اہل بیت ہی اپنے گھر کو زیادہ جانتے ہیں کہ اس میں کیا کیا ہے۔ اور جب صاحب مدارک نے وفات پائی تو صاحب معالم نے ان کی قبر پر لکھا رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه و منهم ينتظر وما بدلوا تبديلا (سورۂ احزاب آیت ۲۳) [ایسے مرد بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا پس بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کا خاتمہ ہو گیا اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو (شہادت کا) منتظر ہے اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔] اور صاحب معالم نے صاحب مدارک کے لیے مرثیہ کہا اور اس کو ان کی قبر پر لکھ دیا۔

لهفي لرهن ضريح صار كالعلم
للجود والمجد والمعروف والكرم
قد كان للدين شمساً يستضاء بها
محمد ذوالمزايا صاحب الشيم

(بعض نسخوں میں اس کے بدلے صاحب طاہر الشیم لکھا ہے)

سقى ثراه وحياه الكرامة
والريحان والروح طرا بارئي النسيم

خلیفہ سلطان نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ شیخ حسن منتقی و معالم کی تصنیف کے دوران میں وفات پا گئے اور جس کی فکر اس انداز کی ہو اور اس حد تک تحقیق سے کام لیتا ہو تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اگر ایسی تصنیف کے دوران میں اس کی وفات واقع ہو گئی ہو اور شیخ علی نے کہا کہ میں نے اپنے بعض مشائخ سے اور کچھ اور لوگوں سے بھی سنا ہے کہ جب شیخ حسن حج بجا لائے تو اپنے اصحاب سے کہا کہ میں خدا سے یہ امید رکھتا ہوں کہ صاحب امر (عج) کی زیارت نصیب ہو گی کیونکہ وہ تو ہر سال ہی حج ادا کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب عرفات میں قیام فرمایا تو اپنے اصحاب سے کہا کہ دعائے عرفہ کے لیے خیمہ سے باہر نکل آئیں۔ پھر خود بیٹھ گئے کہ اتنے میں ایک اجنبی شخص آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا شیخ حسن کہتے ہیں کہ میں بالکل مبہوت ہو کر رہ گیا اور ایک جملہ بھی نہ بول سکا پھر اس شخص نے خود مجھ سے کچھ کہا اور اٹھ کر چلا گیا میرا خیال ہے کہ وہ جناب صاحب الامر (عج) تھے میں تیزی سے ان کے پیچھے دوڑا لیکن ان کو پھر نہ دیکھ سکا میں نے ساتھیوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو کسی کو آتے جاتے دیکھا ہی نہیں۔ اس کے بعد شیخ علی کہتے ہیں کہ صاحب معالم و صاحب

مدارک میں فرق دقتِ نظر کا ہے کیونکہ شیخ کی نظر میں بڑی باریکی تھی اور وہ زیادہ علوم کے جامع تھے اور جب تک یہ دونوں بزرگوار زندہ رہے ہر ایک زیادہ جلدی مسجد جاتا تھا اور جو بعد میں آتا وہ پہلے پہنچنے والے کی اقتدا کرتا تھا۔ اور اگر کوئی ان میں سے کسی ایک سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا اور اس مسئلہ کا حل اس نے نکال لیا تو فتویٰ دیدیتا تھا اور اگر حل نہ نکالا ہوتا تو دوسرے کے حوالے کردیتا اور لوگوں کو اس دوسرے کی طرف جانے کی ترغیب دیتا تھا اور ایک دوسرے کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے اور شیخ علی کہتے ہیں کہ شیخ حسن کی تحریر میرے پاس ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: اس عبد فقیر کا ٹھکانا اپنے پروردگار کے پاس ہے جو کہ خدا ہے حسن بن زین الدین علی بن احمد بن جمال الدین بن تقی کا خدا ان سب کے گناہوں کو معاف فرمائے اور ان کی نیکیوں کو دو چند کرے اللہ کے عظیم مہینہ ماہ رمضان کے عشرہ آخر میں ۹۵۹ھ۔ انہی کی تحریر میں یہ بات بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

میرے والد کی تحریر میں (خدا ان پر رحمت نازل فرمائے) میرے بھائیوں کی تاریخ لکھنے کے بعد ایک بات لکھی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں: اس کا بھائی حسن ابو منصور جمال الدین شب جمعہ ۲۷ رمضان المبارک ۹۵۹ھ میں پیدا ہوا جب سورج میزان کے تیسرے درجہ پر تھا۔

یہاں تک شیخ علی کا کلام تھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ سید علی کی کتاب میں ہے کہ شیخ حسن جب ان کے والد قتل ہوئے تو بارہ سال کے تھے یہی درست ہے بلاشک وشبہ کیونکہ اولاد اپنے آباء کی تاریخ سے زیادہ واقف ہوتی ہے اور صاحب معالم کی والدہ عالم فاضل شیخ محی الدین کی صاحبزادی تھیں اور کتاب امل الامل میں ان سے نقل کیا گیا ہے کہ جب ان کے والد قتل کیے گئے تو وہ چار سال کے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ میں نے یہی تاریخ پائی ہے۔ ان کے والد کی تاریخ قتل سے جو چیز منافی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی عمر سات سال کی تھی۔

شیخ حسن اور سید محمد صاحب مدارک نے ساتھ ساتھ درس لیا اور ان کے مشائخ میں سید علی بن ابی الحسن بھی ہیں جو صاحب مدارک کے والد ہیں۔ اور سید علی صائغ ہیں اور شیخ حسین بن عبد الصمد جو شیخ بہائی کے والد ہیں۔ یہ سب شہید ثانی سے روایت کرتے ہیں۔ صاحب معالم وصاحب مدارک کے اساتذہ میں ملا احمد مقدس اردبیلی بھی ہیں۔ وہ دونوں اپنے شہر سے نکل کر عراق آگئے تھے اور ملا احمد سے پڑھتے تھے لیکن کم پڑھتے تھے اور اچھی طرح بحث ومباحثہ نہیں کیا کرتے تھے۔ اور جب "شرح شمسیہ" ان کے سامنے پڑھنا شروع کرتے تو ایک بحث کو چھوڑ کر دوسری بحث کی طرف رجوع کر لیتے اور ملا احمد کے دوسرے شاگردان کا مذاق اڑایا کرتے تو ملا احمد کہتے کہ تم جلد ہی ان کی مصنفات دیکھو گے چنانچہ جب وہ اپنے وطن واپس آئے تو شیخ حسن نے معالم لکھی اور سید محمد نے مدارک ومنتقی۔ اور کچھ لوگ یہ کتابیں عراق بھی لیکر آئے اور یہ ملا احمد اردبیلی کی وفات سے پہلے کی بات ہے۔

شیخ علی نے در المنثور میں لکھا ہے کہ صاحب معالم ومدارک ملا احمد کے پاس عراق آئے اور کہا کہ ہم عراق میں زیادہ مدت قیام نہیں کرسکتے آپ اس طرح سے درس پڑھائیں کہ ہم صرف عبارت پڑھتے جاتے ہیں اس کے معنی کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جہاں پڑھنے سے ہم نہیں سمجھیں گے وہاں آپ وضاحت فرمائیں اور اسی طریقے پر انہوں نے "شرح مختصر عضدی"، "شرح شمسیہ" اور اس کا حاشیہ اور "شرح مطالع علم کلام" پڑھی۔

شیخ حسن کے اشعار وقصائد اعلیٰ پائے کے ہیں اور صاحب لؤلؤ نے کہا ہے کہ میں نے ان ہی سے بہت سے کتاب "انیس المسافر وجلیس حاضر" میں نقل کیے ہیں اور کتاب امل الامل میں انہوں نے کہا ہے کہ شیخ حسن کے اشعار کا ایک دیوان بھی ہے جو ان کے شاگرد نجیب الدین علی بن محمد بن مکی عاملی نے جمع کیا تھا اور کتاب "منتقی الجمان" میں صحیح اور حسن احادیث لکھی گئی ہیں اور اسکی کئی جلدیں ہیں اور ان کے ذریعہ عبادات میں کئی کتابیں ترتیب پا گئیں اور ان کی کتاب "معالم الدین وملاذ المجتہدین" ہے جس کا اصول میں ایک مقدمہ ملا ہے اور ایک جلد فروع میں طہارت کے موضوع پر اور "معالم الاصول" کتاب شرح مختصر عضدی سے بھی چھوٹی ہے۔

"معالم الاصول" پر بہت سی شرحیں اور حواشی لکھے گئے جیسے حاشیہ ملا صالح مازندرانی اور ان کے بیٹے شیخ محمد کا حاشیہ اور حاشیہ سلطان العلماء اور حاشیہ سلطان پر اس ناچیز نے بھی حاشیہ لکھا ہے اور حاشیہ ملا میرزای شیروانی اور حاشیہ آقا باقر بہبہانی جو انہوں نے اپنے بیٹے شیخ عبد الحسین کے لئے لکھا تھا۔ اور

حاشیہ شیخ محمد تقی اصفہانی، حاشیہ حاجی شیخ رفیع الاصبہانی، شرح آخوند ملا صفر علی الاصبہانی، ملا میرزا شیروانی کی فارسی شرح۔

کتاب "معالم الاصول" کو نصف النہار کے سورج کی طرح تابانی حاصل ہوئی اور بڑے بڑے فضلاء طلاب اس کو درس و تدریس میں استعمال کرتے ہیں اور اس ناچیز کے بھی معالم الاصول پر دو تدوین شدہ حاشیے ہیں۔

تالیفات شیخ حسن میں حاشیہ بر مختلف، اور کتاب مشکوہ جو تحقیق معنی اجتہاد و تقلید میں قول صحیح کو پیش کرتی ہے، کتاب اجازات کہ جو طاؤس جو رجال میں لکھی گئی ہے۔ اس کی ایک جلد ہے یہ سید بن طاؤس کی کتاب کا خلاصہ ہے اور اسے اچھے طریقے پر لکھا گیا ہے۔ رسالہ اثنا عشریہ طہارت اور نمازیں، کتاب مسائل حج، تمدنی مسائل کا جواب حصہ اول و دوم۔ اور آپ کی وفات جیسا کہ آپ کے پوتے نے "در المنثور والمنظوم" میں لکھا ہے ۱۰۱۱ھ میں ہوئی لیکن دن اور مہینہ اس میں نہیں ہے۔ اس طرح آپ کی عمر جو تاریخ ولادت لکھی گئی ہے اس سے ۵۲ سال تین ماہ بنتی ہے۔

آقا سید محمد صاحب مدارک کی ولادت ۹۴۶ھ کی ہے اور ان کی وفات شب ہفتہ ۱۸ ربیع الاول ۱۰۰۹ھ اور اس طرح ان کی عمر ۶۲ سال چند ماہ قرار پائے گی۔ تالیفات سید محمد میں ایک تو مدارک ہے اور اس میں جو ل سکا ہے وہ عبادت سے متعلق ہے، حاشیہ تہذیب، الفیہ شہید پر حاشیہ اور شرح مختصر نافع لیکن اس شرح میں سے جو دستیاب ہوا ہے وہ اول نکاح سے نذر تک ہے۔ اور کتاب "شواہد ابن ناظم"، اور ابن ابی الحدید کے قصیدہ کی شرح جو اس نے مدح امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ میں لکھا۔ صاحب مدارک کے ایک فرزند سید حسین ہیں وہ عالم، فاضل، فقیہ، ماہر، جلیل القدر و عظیم الشان ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد صاحب مدارک سے اور شیخ بہائی سے درس حاصل کیا۔ پھر خراسان چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ شہر میں چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز ہوئے اور اس مقدس مقام پر درس بھی دیا کرتے تھے۔ "امل الامل" میں کہا گیا ہے کہ "شواھد ابن ناظم" سید حسین سے ہی متعلق ہے لیکن جیسا کہ میری تحقیق ہے شواھد ان کے والد صاحب مدارک کی تصنیف ہے۔ اور سید حسین نے شہید کے الفیہ پر حاشیہ لکھا ہے۔ ان کی وفات ۱۰۶۹ھ میں ہوئی۔

صاحب مدارک کے والد سید علی بن ابی الحسین موسوی عاملی جبعی ہیں جو اس زمانہ کے عظیم فضلا میں سے ہیں اور شہید ثانی کے شاگرد ہیں اور آقا سید علی صائغ حسینی عاملی جزینی فاضل، عابد، محدث اور محقق تھے۔ شہید ثانی کے شاگرد تھے اور شہید سے انہوں نے "شرح لمعہ" پڑھی اور ان کی تالیفات میں "شرح شرائع" اور کتاب "شرح ارشاد" وغیرہ ہیں اور شیخ علی شہید ثانی کے پوتے نے کتاب "در المنظوم والمنثور" میں لکھا ہے کہ شہید ثانی کو مرحوم عالم سید علی صائغ پر مکمل یقین تھا اور انہیں خدا کی ذات سے امید تھی کہ ان کا ایک ایسا بیٹا ہو جس کے مربی و معلم سید علی صائغ خود ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آرزو کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا اور شیخ حسن جیسا بیٹا ان کو عنایت فرمایا اور انہوں نے سید علی صائغ اور سید علی بن ابی الحسن سے صاحب مدارک کے ساتھ تعلیم حاصل کی اور ان سے اکثر علوم عقلی، نقلی، فروعی، اصولی، عربی، ریاضی کے جو انہوں نے شہید ثانی سے سیکھے تھے حاصل کیے۔

یہاں تک شیخ علی کا کلام تھا۔ صاحب معالم۔ کے چند اشعار یہ ہیں؟

سقونی فی الهویٰ کاساً ... معانی حسنهم راحه
فلی فی مهجتی اصل ... لوجد ابن شراهه

نیز یہ اشعار بھی:

صددلا لاوانثنی معرضاً ... فارسل الصدغ علی خاله
لنن ابی عن ان نراه فقد ... انبانا المرسل عن حاله

خدا ان پر، ان کے والد اور چچا پر رحمتوں کا نزول کرے اور اپنی جنتوں میں جگہ عطا فرمائے بحق محمدؐ و آلہ۔

شیخ محمد بن ماجد بن مسعود بحرانیؒ

شیخ محمد بن ماجد بن مسعود بحرانی ماخوزی فقیہ، مجتہد، محقق اور دقیق النظر شخص تھے اور اپنے شہر کے بزرگ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی تالیفات میں ایک رسالہ نماز ہے جو شیراز میں میرزا صفی بن میرزا محمد مہدی کے لیے لکھا تھا اور اس کا نام ''روضۂ صفویہ در صلوٰۃ یومیہ'' رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ایک کتاب منطق میں تالیف کی۔ شیخ صالح بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو عمر کے آخری ایام میں دیکھا اور دو دفعہ ان کے پیچھے نماز پڑھی اور استاد علامہ شیخ سلیمان بن عبداللہ بھی میرے ہمراہ تھے اور شیخ سلیمان ان کے داماد تھے یعنی شیخ محمد بن ماجد کی بیٹی شیخ سلیمان کی زوجہ تھیں اور اس دن شیخ سلیمان اور شیخ محمد بن ماجد میں ایک مسئلہ پر بحث ہونے لگی اور مسئلہ یہ تھا کہ پیشانی سجدہ میں رکھنا جزو سجدہ ہے یا جزو سجدہ نہیں ہے۔ اگر کوئی پہلے سے سجدہ میں ہو اور وہ آیہ سجدہ سماعت کرے تو کیا اسی سجدہ کی حالت میں باقی رہنا کافی ہے اور آیہ سجدہ سننے کی وجہ سے جو سجدہ واجب ہو جاتا ہے اس سے بری الذمہ ہو جائیں گے یا یہ کہ ضروری ہے کہ سجدہ سے سر اٹھا کر دوبارہ سر سجدہ گاہ پر رکھیں۔ شیخ محمد بن ماجد کا ادعاء یہ تھا کہ سر رکھنا سجدہ کا جزو نہیں ہے اور اسی سجدہ پر باقی رہنا کافی ہے اور اس ادعاء پر اجماع ظاہر کر رہے تھے۔ لیکن شیخ سلیمان بن عبداللہ ان کی مخالفت کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ سر رکھنا جزو سجدہ ہے اور ایسے شخص کو جو آیہ سجدہ سنے واجب ہے کہ اپنا سر اٹھائے اور پھر اپنے سر کو مقام سجدہ پر رکھے اس طرح ان میں سخت جھگڑا شروع ہو گیا یہاں تک کہ بات یہ ہوئی کہ شیخ سلیمان نے کہا **لکم دینکم ولی دین** اور یہ کہنے سے ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ مجتہد ہیں اور اپنے عقیدہ پر کاربند ہیں آپ پر میری تقلید کرنا جائز نہیں اور میں بھی مجتہد ہوں اور میرا بھی ایک عقیدہ ہے اور مجھے آپ کی تقلید جائز نہیں۔ شیخ محمد نے نزول آیت کی اصل کو دیکھا اور غصہ میں آ گئے اور ایسی بات کہی جس سے نفرت اور وحشیانہ پن ٹپک رہا تھا۔ شیخ سلیمان نے کہا کہ مسئلہ کا حل بحث و دلیل سے ہوتا ہے نہ کہ ڈانٹ ڈپٹ سے اور اس سے زیادہ کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ شیخ محمد کو سب مانتے تھے اور ان کا اتباع کیا جاتا تھا اور شیخ سلیمان کو اس وقت تک کوئی شہرت حاصل نہ تھی۔ پس دونوں اٹھ کر چلے گئے اور دونوں بہت ہی غصہ کے عالم میں تھے۔ اس کے بعد شیخ محمد تقریباً چالیس ۴۰ دن زندہ رہے اور شیخ سلیمان نے اس مسئلہ پر ایک رسالہ لکھا اور اس میں شیخ محمد کی بات کو رد کیا۔ مولف کتاب کہتا ہے کہ شیخ سلیمان ہی حق بجانب تھے کیونکہ سجدہ حقیقت شرعیہ نہیں رکھتا بلکہ اس معنی کی ایک اصل ہے اور لغت میں اور عرف عام میں بھی جب تک سر نیچے نہ رکھ دیں اس وقت تک کوئی یہ نہیں کہتا کہ سجدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ کلمات علماء کا اطلاق ہوا کرتا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ سجدہ میں مقام سجدہ پر سر رکھنا واجب ہے۔

غرض یہ کہ شیخ محمد کو ایک بڑی بیماری لگ گئی۔ شیخ سلیمان نے ان کی عیادت کی اور اسی مرض میں شیخ محمد وفات پا گئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ستر (۷۰) سال تھی۔ اور سال ۱۱۰۵ھ تھا اور اسی سال شاہ سلطان حسین بن شاہ سلیمان تخت نشین ہوئے تھے۔ ان کی قبر پر قبہ بنایا گیا۔ جب شیخ محمد کی وفات ہوئی تو شیخ سلیمان نے اس مصیبت پر مرثیہ لکھا اور اس مرثیہ میں شیخ محمد کی بہت تعریف کی۔ شیخ محمد کو آخوند ملا محمد باقر مجلسی سے اجازہ حاصل تھا۔

سید ہاشم بن سید سلیمانؒ

سید ہاشم (جو علامہ کے نام سے معروف ہیں) بن سید اسمعیل بن سید عبدالجواد کتکانی کی نسبت کتکان سے ہے اور یہ تویلی کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے۔ جو بحرین کا پرگنہ ہے۔ سید ہاشم فاضل، محدث اور احادیث کے جامع متتبع ہیں حتی کہ سوائے مجلسی کے کوئی احادیث میں ان سے بازی نہ لے جا سکا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تالیف کیں لیکن ان کی فتاویٰ کی کوئی کتاب نہیں ہے اور نہ احکام کے بارے میں ان کے کوئی استدلال سنائی دیتے ہیں۔ یہ یا تو درجہ اجتہاد میں کمی کی وجہ سے ہے یا پھر یہ کہ وہ بہت متقی و پرہیزگار تھے جیسے کہ سید عابد و زاہد رضی الدین بن طاؤس کا بھی یہی حال تھا آپ شیخ محمد کے بعد اس علاقے کے حاکم بنے اور آپ نے مظالم و حکام کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بڑے سخت گیر تھے۔

آپکی وفات ۱۰۰۹ھ میں واقع ہوئی۔ شیخ سلیمان بن عبداللہ ماحوزی نے آپ سے اجازہ حاصل کیا۔
آپ کی تصنیفات میں کتاب "برھان در تفسیر قران" چھ جلدوں پر مشتمل ہے اس میں انہوں نے ان احادیث کو جمع کیا جو کتب قدیمہ میں تفسیر سے متعلق ملتی ہیں۔ کتاب "مدینۃ المعجزات" یہ ائمہ ھدیٰ پر نص ہے اور اس کی کئی جلدیں ہیں۔
اور "ضیاء النادی در تفسیر قران" یہ بھی کئی جلدوں میں ہے۔
کتاب "معالم الزلفی" یہ بڑی اور مجلد کتاب ہے۔ اور کتاب "در النقید" "فضائل حسین شہید علیہ السلام میں ایک جلد میں اور کتاب ائمہ کی تمام انبیاء پر فضیلت سوائے ہمارے پیغمبرؐ کے۔ "کتاب وفات زہرا علیھا السلام"۔ "کتاب سلاسل الحدید" جو ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ سے فضائل امیر المومنین کے انتخاب پر مبنی ہے۔ کتاب "الیضاح"، کتاب "نہایۃ الاعمال" جس میں تمام اعمال کا تذکرہ ہے۔ اور کتاب "ترتیب التہذیب" جو کئی جلدوں میں ہے جو ابواب میں تقسیم ہے اور ہر باب میں اسی کے متعلق باب احادیث ہیں۔ بحرین کے بعض معاصرین علماء نے اس کتاب کا نام تخریب التہذیب رکھا ہے۔ اور اکثر معاصرین میں یونہی ہوا کرتا ہے۔ کتاب "تنبیہات الادیب در رجال تہذیب" اس میں ان بہت سی اغلاط پر تنبیہ کی گئی ہے جو شیخ نے رجال اور احادیث کی اسناد میں کتاب تہذیب میں کی ہیں۔ کتاب "رجال" اس میں ان علماء کا تذکرہ ہے جنہوں نے حق کی طرف رجوع کیا۔ کتاب "حلیۃ النظر در فضل ائمہ اثنا عشر"، کتاب "مہجۃ المرضیہ" خلافت و وصیت کے اثبات ہیں۔ کتاب "مناقب الشیعہ"، کتاب "میثمیہ"، کتاب "نسب عمر"، کتاب "تعریف رجال من لا یحضرہ الفقیہ"، کتاب "مولد قائم"، کتاب "نزھۃ الابرار و منار الافکار" یہ جنت و جہنم کی خلقت کے بارے میں ہے۔ کتاب "المحجۃ" اس میں جو حجت کے بارے میں نازل کیا گیا اس کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ کتاب "تبصرۃ الولی" ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے حضرت مہدیؑ کی زیارت کی ہے۔
کتاب "عمدۃ النظر" بارہ اماموں کے بارے میں، کتاب معجزات النبی، کتاب "غایۃ المرام در تعیین امام" یہ دو جلدوں میں ہے اس میں سنی و شیعہ احادیث نقل کی گئی ہیں جن کی اسناد بھی لکھی گئی ہیں کہ امیر المومنینؑ اور ان کی اولاد معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین خدا کی طرف سے متعین ہیں۔ آپ کو سید عبدالعظیم بن سید عباس استرآبادی کا اجازہ حاصل تھا۔ سید عبدالعظیم اخباری المسلک تھے اور انہوں نے نماز جمعہ کے وجوب عینی ہونے کے بارے میں رسالہ لکھا ہے اللہ سب گذشتگان پر رحم فرمائے۔

شیخ فخر الدین طریح نجفی

شیخ فخر الدین بن طریح نجفی فاضل، محدث، علم لغت کے عالم اور عابد و زاھد تھے ان کی تصنیفات میں کتاب "مجمع البحرین و مطلع النیرین" ہے یہ قران مجید کی عجیب و نادر باتوں کی تفسیر میں ہے اور تمام احادیث شیعہ نقل کی گئی ہیں، کتاب "شرح مختصر نافع"، کتاب "تمیز متشابہ از اسماء رجال"، کتاب "اربعین" (چالیس احادیث) اور کتاب "منتخب مراثی"، خطبے اور احادیث مصائب سید الشہداء علیہ السلام ہیں۔
آپ کو شیخ محمد بن جابر نجفی سے انہیں شیخ محمود بن حسام الدین جزائری سے اور انہیں شیخ بہائی سے اجازہ حاصل ہے۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ جو احادیثِ مصیبت جو انہوں نے "منتخب" میں ذکر کی ہیں وہ اکثر مرسل احادیث ہیں۔ شیخ فخر الدین کا ایک فرزند تھے جن کو شیخ صفی الدین کہتے ہیں وہ بھی فاضل اور مشائخ اجازہ تھے اور صاحب تالیف بھی تھے۔

شیخ صالح بن عبدالکریم

شیخ صالح بن عبدالکریم کازرکانی بحرانی شیراز میں رہتے تھے وہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔ ان کی قبر سید علاء الدین حسین کی قبر کے قریب

ہے۔ وہ شیخ سلیمان بن عبداللہ ماخوزی کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں۔ وہ فاضل اور پرہیزگار انسان تھے۔ شاہ سلیمان کے حکم سے قاضی کے عہدہ پر فائز ہوئے جب خلعت اور قضاوت کے عہدہ کی تنخواہ بادشاہ کی طرف سے آپ کو بھیجی گئی تو آپ نے خلعت پہننے سے انکار کر دیا لیکن جب بادشاہ نے التماس کیا اور سلطان کی شان و شوکت کا خوف بھی تھا تو اس کو پشت پر ڈال لیا کرتے تھے۔ آپکی تالیفات میں "تفسیر اسماء اللہ الحسنی"، "رسالہ خمریہ"، "رسالہ در جبائر" ہیں ان کو شیخ نور الدین سابق الذکر سے اجازہ حاصل ہے۔ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے اور جنت میں ائمہؑ الابرار اور اولیائے اخیار کے ساتھ جگہ عطا فرمائے۔

شیخ جعفر بن کمال الدین بحرانیؒ

شیخ جعفر بن کمال الدین بحرانی، شیخ سلیمان بن ابی طنیہ سابق الذکر کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں۔ وہ تنگی معاش کی وجہ سے شیخ صالح بن عبدالکریم کے ساتھ بحرین سے شیراز آگئے اور وہاں بھی ان کا شمار فضلاء میں ہوا۔ پھر شیخ جعفر ہندوستان چلے گئے اور حیدر آباد دکن میں سکونت اختیار کر لی۔ لیکن شیخ صالح شیراز میں ہی بس گئے۔ دونوں اپنے اپنے مقامات پر مقیم رہے اور مرجع خلائق قرار پائے اللہ دونوں پر رحم فرمائے اور مغفرت کرے۔

شیخ احمد بن صالح بحرانیؒ

شیخ احمد بن صالح درازی بحرانی عالم وزاہد و پرہیزگار شخص تھے۔ ان کی تالیفات میں کتاب "طلب احمدی" اور ایک رسالہ استخارہ کی بابت ہے۔ ۱۱۲۴ھ میں وفات پائی۔ اللہ ان پر رحمت نازل کرے۔

علی بن عبداللہ بحرانیؒ

علی بن عبداللہ احمد بحرانی بلادی صاحب "حدائق" کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں۔ حکمت اور علوم عقلی میں باکمال تھے۔ لیکن تدوین و مطالعہ سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی تالیفات میں ایک رسالہ علم کلام میں اور ایک اور رسالہ علم کلام میں اور رسالہ "جزء لایتجزیٰ کی نفی" میں اور رسالہ کلمہ کی تقسیم صرف اسم فعل یا حرف میں ہوتی ہے کے بارے میں اور منطق میں سلیمان کے رسالہ کی شرح اور دور غیبت میں وجوب جہاد پر رسالہ اور رسالہ کہ میت پر دعویٰ کا ثبوت نہیں ہو سکتا ایک گواہ اور قسم پر اور ان کو شیخ سلیمان بن عبداللہ (جن کا ذکر ہو چکا ہے) سے اجازہ حاصل ہے۔

علی بن حسن بن یوسفؒ

علی بن حسن بن یوسف کو شیخ محمد بن ماجد سابق الذکر سے اجازہ حاصل ہے اور ان کے والد اور دادا بھی مشہور فضلاء میں سے تھے وہ شیخ سلیمان بن عبداللہ کے ہم عصر تھے۔

شیخ محمود بن عبدالسلامؒ

شیخ محمود بن عبدالسلام صاحب حدائق کے والد کے مشائخ اجازہ میں سے تھے اور تقریباً ایک سو سال عمر پائی اللہ ان پر رحمت نازل کرے اور جنت میں جگہ عطا فرمائے۔

محمد بن حسن بن علی العاملی

محمد بن حسن بن علی بن الحسین الحر العاملی مشغروی کا تعلق مشغر سے ہے جو جبل عامل کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے۔ آپ عالم و فاضل و محدث تھے اور اخباری مسلک تھے اور آپ ان بعد والے تین محمدوں میں سے ہیں جنہوں نے کتب اربعہ کی احادیث کو اکٹھا کیا اور آپ کی جائے ولادت جیسا کہ آپ نے خود اپنی کتاب "امل الامل" میں لکھا مشغرہ گاؤں میں شب جمعہ ۸ رجب ۱۰۳۳ھ کو ہوئی اور اپنے والد سے تحصیل علم کی اور اپنے چچا شیخ محمد حر اور نانا شیخ عبدالسلام بن محمد حر اور والد کے ماموں شیخ علی بن محمود اور دوسروں سے تعلیم پائی اور قریہ جبع میں اپنے چچا سے درس پڑھا۔ ان کے علاوہ شیخ حسن ظہیری، شیخ زین الدین محمد بن شیخ زین الدین شہید ثانی سے بھی درس لیا۔ چالیس سال تک اپنے ہی وطن میں رہے اور اس مدت میں دو دفعہ حج بجالائے پھر سفر عراق کیا اور ائمہ کی زیارت کی اس کے بعد طوس کی زیارت کے لیے چلے گئے اور وہاں مجاور ہو گئے اور طوس سے دو مرتبہ زیارت مکہ کے لیے گئے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں جس میں ایک کتاب "وسایل" ہے۔ جس میں کتب اربعہ کی احادیث اکٹھی کی ہیں اور بعض مقامات پر مختصر نوٹس بھی لکھے ہیں اور آخر میں اپنے اجازات کا ذکر کیا ہے اور بعض احادیث کتب اربعہ کے علاوہ کتابوں سے بھی جمع کی ہیں۔ اٹھارہ سال کے عرصہ میں یہ تالیف ہوئی اور چھ جلدوں میں ہے اس میں اصول کافی کی احادیث سے کچھ نہیں لیا بلکہ فروع (کافی) تک ہی محدود رہا ہے اور آخر کتاب میں اپنے مذہب کا ذکر کیا ہے جو مسلک اخباری ہے اور اس پر بہت سے دلائل دیئے ہیں لیکن وہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ اور مناسب ہے کہ صاحب وسائل کے اجازات جو آخر کتاب میں انہوں نے لکھے ہیں یہاں ذکر کر دیئے جائیں تبرکاً و تیمناً۔ کتاب وسائل کے آخر میں آپ نے فرمایا: کتاب وسائل الفائدہ کی پانچویں جلد کے آخر میں وہ بیانات ہیں جو ہم گزشتہ اجازت میں مذکورہ کتابوں سے ان کے مؤلفین کے ذریعے بتا چکے جن سے ہم نے تیمناً و تبرکاً جو کچھ حاصل کیا وہ سلسلہ در سلسلہ اصحاب عصمت (ائمہ طاہرین) کے قریب لے گیا اور عمل میں بلا توقف تواتر کے ساتھ ان کتابوں سے مدد لی گئی ان کے قریب صحت و ثبوت کے قرینوں سے جو کچھ ہم نے حاصل کیا ان شاء اللہ ہم نقل کریں گے ان مذکورہ کتب اور ان کے علاوہ جس جماعت سے ہم نے اجازت لی کہ ان میں ہیں شیخ الجلیل صاحب ثقاہت، صاحب تقویٰ ابو عبداللہ الحسین بن الحسن بن یونس بن ظہیر الدین عاملیؒ جن سے ہم نے پہلے اجازت حاصل کی ۱۰۵۱ھ میں انہوں نے شیخ فاضل نجیب الدین علی بن محمد بن مکی عاملی سے انہوں نے شیخ کامل الاوحد بہاء الدین محمد بن حسین بن عبدالصمد عاملی سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے شہید ثانی سے انہوں نے شیخ افضل اکمل زین الدین علی بن احمد عاملی سے نیز ہم نے اسی طرح روایت حاصل کی شیخ اجل اکمل شیخ زین الدین بن شیخ محمد بن شیخ حسن بن شیخ زین الدین عاملی شہید ثانی سے انہوں نے شیخ اکمل شیخ بہاء الدین سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے شہید ثانی سے اور روایت ملی اپنے استادوں کے استاد شیخ زین الدین سے انہوں نے مولانا محمد امین الاستر آبادی سے انہوں نے سید محمد بن علی بن الحسن الحسینی العاملی سے ان سندوں سے جو شہید ثانی سے آئیں۔ اور روایت ملی ہمارے استادوں کے استاد زین الدین سے انہیں مولانا محمد امین سے انہیں مولانا میرزا محمد بن علی الاستر آبادی انہیں شیخ الجلیل ابراہیم بن علی بن عبدالعالی العاملی سے انہوں نے اپنے والد سے انہیں شیخ شمس الدین محمد بن داؤد عاملی کی اسناد کے ساتھ اور ہم نے روایت حاصل کی ابو عبداللہ الحسین بن الحسن سے انہوں نے شیخ نجیب الدین اور سید الجلیل نور الدین علی بن ابو الحسن الموسوی العاملی سے ان دونوں نے سید علی بن ابو الحسن العاملی، شیخ حسین بن عبدالصمد العاملی، اور سید علی بن سید فخر الدین الہاشمی العاملی اور شیخ احمد بن سلیمان العاملی سے ان سب نے شہید ثانی سے اور ہم اسی طرح روایت کرتے ہیں شیخ ثانی سے اسی طرح روایت کرتے ہیں اپنے والد کے ماموں شیخ علی بن محمود العاملی سے وہ شیخ الجلیل محمد بن الحسن بن زین الدین سے وہ اپنے والد سے وہ ان دونوں سے جن کا ذکر کیا گیا وہ اپنے دادا سے وہ شہید ثانی سے اور ہم روایت کرتے ہیں اپنے والد کے ماموں سے وہ شیخ محمد بن علی العاملی التبنینی شیخ بہاء الدین سے وہ اپنے والد سے وہ شہید ثانی سے اور ہم روایت کرتے ہیں اپنے والد کے ماموں سے وہ سید نور الدین العاملی سے

پچھلی اسناد کے ساتھ وہ شہیدِ ثانی سے اور ہم اسی طرح روایت کرتے ہیں مولیٰ الاجل الاکمل الورع المدقق مولانا محمد باقر بن، الافضل الاکمل مولانا محمد تقی مجلسی سے اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا رہے اور وہ آخری ہیں جنہوں نے مجھے اجازت دی اور میں ان کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ روایت کریں اپنے والد اور اپنے استاد مولانا حسن علی تستری اور مولیٰ الجد ید میرزا رفیع الدین محمد النائینی اور فاضل صالح شریف الدین محمد روی دمشقی سے کہ یہ سب روایت کرتے ہیں شیخ الاجل والاکمل بہاء الدین محمد العاملی سے وہ اپنے والد حسین بن عبدالصمد العاملی وہ شہیدِ ثانی اور مولیٰ الاجل مولانا محمد باقر سے اللہ ان کو سلامت رکھے انہوں نے روایت کی اس جماعت سے جس کا ذکر پہلے کیا گیا۔ انہوں نے مولیٰ الاورع الاتقیٰ عبداللہ بن الحسین تستری سے انہوں نے شیخ الاجل نعمت اللہ بن محمد بن خواتون العاملی سے انہوں نے استاد محقق مدقق شیخ علی بن عبدالعالی الکرکی اور فقیہ ابوالعباس احمد بن خواتون العالی سے انہوں نے شیخ شمس الدین محمد بن خواتون العالی سے انہوں نے شیخ الجلیل جمال الدین احمد بن الحاج علی عالمی العینانی سے انہوں نے شیخ زین الدین جعفر بن الحسام العاملی سے انہوں نے سید جلیل الحسن بن ایوب سے جو ابن نجم الدین العاملی کے نام سے مشہور ہوئے انہوں نے علامہ السعید الشہید محمد بن مکی العاملی اور مولانا محمد باقر مجلسی سے، ان کا سایہ ہمیشہ باقی رہے، انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے شیخ الاجل بہاء الدین محقق محمد العاملی اور باریک بین دانش ور القاضی معز الدین محمد اور شیخ یونس الجزائری سے ان سب نے اپنے استاد محقق عبدالعالی عاملی سے، انہوں نے اپنے والد علامہ نورالدین علی بن عبدالعالی العاملی الکرکی سے، انہوں نے اپنے استاد شیخ الاجل علی بن ہلال الجزائری سے انہوں نے شیخ جلیل ابوالعباس احمد بن فہد سے، انہوں نے شیخ زین الدین علی بن حازن الحائری سے انہوں نے شہید محمد بن مکی العاملی اور مولانا محمد باقر مجلسی سے، انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے قاضی ابوالشرف الاصفہانی اور شیخ عبداللہ بن شیخ جابر عاملی سے انہوں نے مولانا درویش محمد بن الحسن العاملی سے انہوں نے نورالدین علی بن عبدالعالی الکرکی سے اور اسنادِ سابقہ کے ساتھ ان سے اور ان کے والد سے انہوں نے شیخ جابر بن عباس نجفی سے انہوں نے شیخ عبدالنبی الجزائری سے انہوں نے شیخ علی بن عبدالعاملی سے اور اسی طرح انہوں نے روایت کی سید فاضل امیر شرف الدین علی الحسینی شولستانی سے، انہوں نے امیر فیض اللہ بن عبدالقاہر الحسینی التفریشی سے، انہوں نے شیخ جلیل الدین محمد بن الحسن بن زین الدین العاملی سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے شیخ جلیل حسین بن عبدالصمد العاملی سے انہوں نے شہیدِ ثانی سے اور انہوں نے روایت کی امیر شرف الدین علی سے انہوں نے امیر فیض اللہ سے انہوں نے سید علی بن ابوالحسن العاملی سے انہوں نے شہیدِ ثانی سے اور انہوں نے روایت کی امیر شرف الدین سے انہوں نے مولانا الاجل میرزا محمد بن علی الاستر آبادی سے انہوں نے اپنے استاد شیخ ابراہیم بن علی بن عبدالعالی العاملی المیسی سے، انہوں نے اپنے والد سے تمام گزشتہ اسناد کے ساتھ شہیدِ ثانی سے انہوں نے شیخ فاضل شیخ احمد بن خاتون عاملی سے انہوں نے شیخ علی بن عبدالعالی العاملی الکرکی سے اور اسناد کے ساتھ انہوں نے شہیدِ ثانی سے، انہوں نے شیخ فاضل علی بن عبدالعالی المیسی سے، انہوں نے شیخ شمس الدین محمد بن محمد بن داؤد بحرینی سے، انہوں نے شیخ ضیاء الدین علی بن شہید محمد بن مکی عاملی سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے شیخ الدین محمد ولد شیخ العلامہ جمال الدین حسن بن یوسف بن مطہر حلی سے انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے استاد محقق نجم الدین بن جعفر بن حسن بن سعید حلی سے، انہوں نے سید جلیل شمس الدین فخار بن معد موسوی سے انہوں نے شیخ الفقیہ ابوالفضل شاذان بن جبریل قمی سے، انہوں نے شیخ عماد الدین محمد بن القاسم الطبری سے انہوں نے شیخ ابوالعلی الحسن بن شیخ الجلیل ابوجعفر محمد بن الحسن طوسی سے، انہوں نے اپنے والد سے اور اسنادِ سابقہ کے ساتھ شہید سید بن مکی العاملی سے، انہوں نے سید شمس الدین محمد بن ابوالمعالی سے انہوں نے شیخ نجیب الدین یحییٰ بن سعید سے انہوں نے سید محی الدین محمد بن عبداللہ بن علی بن زہرۃ الحسینی الحلبی سے، انہوں نے شیخ سعید رشید الدین محمد بن علی بن شہر آشوب المازندرانی سے، انہوں نے اپنے والد اور داعی بن علی الحسینی، فضل اللہ بن علی الحسینی الراوندی، عبدالجلیل بن عیسیٰ الرازی، عبدالصمد النیشاپوری کے دونوں بیٹے محمد اور علی، احمد بن علی الرازی، محمد بن الحسن الشوہانی، ابوعلی الفضل بن الحسن طبرسی، محمد بن علی بن الحسن حلبی، مسعود بن علی الصوانی اور الحسین بن طحال المقدادی سے ان سب نے دو شیوخ ابوعلی الحسن بن محمد بن الحسن طوسی اور ابوالوفا عبدالجبار بن علی معزی سے، انہوں نے شیخ ابوجعفر محمد بن الحسن طوسی سے (ان کی ارواح کو اللہ پاکیزہ کرے) ان کی سابقہ اسناد کے ساتھ جو کچھ ان سے روایت کی گئی اور بیشک ان کو اسی راستے سے حاصل ہوئی جو راستہ کلینیؒ اور صدوقؒ اور حسن بن محمد طوسی اور احمد بن ابوعبداللہ البرقی اور محمد بن

الحسن الصفار اور عبداللہ بن جعفر الحمیری اور سعد بن عبداللہ اور الفضل بن شاذان اور محمد بن مسعود العیاشی اور علی بن جعفر اور الحسین بن سعید اور محمد بن ابی القاسم الطبری اور جعفر بن محمد قولویہ اور علی بن ابراہیم اور شیخ مفید اور محقق جعفر بن الحسن بن سعید وغیرہ کا ہے ان میں سے کچھ تو شیخ سے مقدم ہیں اور چند دوسرے اس سند میں جو ذکر کیا گیا ہے پس میں روایت کرتا ہوں سندِ مذکور کے ساتھ ان کتابوں اور روایات سے جو شیخ تک منتہی ہوتی ہیں سابقہ اسناد کے ساتھ جن میں التہذیب، استبصار اور فہرست کے سلسلے کو اپنایا ہے اور شیخ صدوقؒ کے سلسلے سے اور ان کے علاوہ ان تمام شیوخ سے جن کا ذکر ہو چکا اور یہ سلسلے ائمہ علیہم السلام تک پہنچتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بعض کتب مخصوصہ کا ان کی خاص اسناد کے ساتھ ذکر کیا لیکن ہم نے طوالت کے خوف سے اتنا ہی کافی سمجھا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب صاحب ''وسائل'' اصفہان آئے تو آخوند ملا محمد باقر نے آپ کی شخصیت وحیثیت کے اعتبار سے بہت احترام کیا اور سلطان سے ان کی ملاقات کرائی۔ شاہ سلیمان نے بڑے احترام کے ساتھ ان سے ملاقات کی۔ صاحب وسائل نے اپنی سادہ طبیعت کی وجہ سے چاہا کہ اگلے دن صبح پھر سلطان سے ملاقات ہو اور سلطان کو اطلاع دی گئی۔ سلطان نے سمجھا کہ یہ آپ کی انتہائی سادہ مزاجی ہے اس لیے جواب دیا کہ شیخ دس دن بعد ملاقات فرمائیں۔ چنانچہ دس دن بعد شیخ اپنے ساتھ مجلسی اور دیگر علماء کو لیکر سلطان کے دربار میں پہنچے اور قاعدہ یہ تھا کہ احترامِ سلطان میں علماء سلطان کے خاص فرش پر تشریف نہیں رکھتے تھے اور سلطان علماء کے احترام میں اس فرش پر نہیں بیٹھتا تھا۔ چنانچہ مجلسی اور دیگر علماء تو اپنی اپنی نشست گاہوں پر بیٹھے لیکن شیخ سلطان کے خاص فرش پر تشریف فرما ہو گئے۔ سلطان کو یہ بات ناگوار گزری اور شیخ سے پوچھا کہ حر اور خر میں کتنا فاصلہ ہے۔ شیخ نے برجستہ کہا کہ دونوں کے درمیان ایک مسند کا فاصلہ ہے اس پر سلطان نے سکوت اختیار کیا۔ جب یہ مجلس تمام ہوئی تو مجلسی نے شیخ پر اعتراض کیا کہ ایسے افعال واقوال سلطان کے سامنے زیب نہیں دیتے۔ شیخ نے جواب میں کہا کہ تم لوگ خدا سے کیوں چشم پوشی کرتے ہو کیونکہ امورِ مملکت وسلطنت کا سارا انتظام تو اس کے دستِ قدرت میں ہے۔

آپ کی تالیفات میں کتاب ''جواھر السنیہ در احادیث قدسیہ'' ہے اور یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تالیف کی کیونکہ اس سے پہلے کسی نے احادیث قدسیہ کو جمع نہیں کیا تھا۔ اور حضرت علیؑ بن الحسینؑ کی دعاؤں کی دوسری کتاب جو صحیفہ کاملہ سجادیہ کی دعاؤں سے الگ کتاب ہے، کتاب ''ھدایۃ الامہ الی احکام الائمۃ'' یہ تین جلدوں میں ہے اور ''ھدایۃ الامہ سے انتخاب'' اس میں اسناد کو اور جو احادیث مکرر آئی ہیں ان کو ترک کر دیا گیا ہے یہ اول فقہ سے آخر تک ہے۔ اور کتاب ''فہرستِ وسایل الشیعہ'' اس میں ہر باب کا عنوان، حدیث کا نمبر اور مضمون حدیث دیا گیا ہے اور یہ ایک جلد ہے۔ کتاب ''فوائد طوسیہ'' جس کی ایک ہی جلد لکھی جاسکی اور متفرق مطالب پر سو فائدے بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب ''اثبات الھداۃ بالنصوص والمعجزات'' اس کی کئی جلدیں ہیں اور سنی شیعہ کتابوں سے لی گئی بیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ کتاب ''امل الآمل'' در علماء جبل عامل اس میں علمائے متاخرین تک کے نام ملتے ہیں۔ اور رجعت کے بارے میں ایک رسالہ جن کا نام ''ایقاظ از ہجعت بہ برہان بر رجعت'' ہے اور رسالہ صوفیہ کی رد میں کہ وہ کافر ہیں اور جوان کے مناسب حال ہے۔ اور رسالہ کہ مہدی کا نام مہدی کیوں ہے اور اس رسالہ کا نام انہوں نے ''کشف التعمیہ در حکم تسمیہ'' رکھا ہے۔ رسالہ جمعہ اور ایک رسالہ اجماع کے بارے میں اور اس کا نام ''نزھۃ الاسماع در حکم اجماع'' ہے۔ تواتر قرآن میں رسالہ، رجال کے بارے میں رسالہ، حالات صحابہ میں رسالہ، معصوم سہو ونسیان سے پاک ہوتا ہے اُس بارے میں رسالہ، رسالہ واجبات ومحرمات جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں فقہ کی ابتداء سے لیکر انتہا تک اور انہوں نے کہا کہ واجبات ایک ہزار پانچ سو پینتیس ۱۵۳۵ ہیں اور محرمات (حرام باتیں) ایک ہزار چار سو اڑتالیس ۱۴۴۸، کتاب ''فصول المہمہ در اصول ائمہ'' اس میں اصول دین، اصول فقہ، فروع، فقہ اور طب کے بارے میں قرآن وحدیث کے کلی قاعدے (فارمولے) بیان کیے گئے ہیں۔ اور ان کا اشعار کا ایک دیوان بھی ہے جس میں بیس ہزار ۲۰۰۰۰ اشعار ہیں جو زیادہ تر مدح پیغمبرؐ وائمہ طاہرینؑ میں ہیں۔ اگرچہ ان کی تالیفات بہت ہیں لیکن ابھی ان کی تحقیق نہیں ہوئی۔ ان سب کو جمع کیا جانا چاہئے۔ ان کی ایک کتاب ''بدایۃ الھدایۃ'' بھی ہے۔ خدا سب گذشتگان پر رحم فرمائے۔

شیخ زین الدین نواده شهید ثانی

شیخ زین الدین بن شیخ محمد بن حسن بن شیخ زین الدین شہید ثانی عالم فاضل تبحر (جید عالم)، مدقق، محقق تھے۔ اور ''لؤلؤ'' میں ''امل الامل'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کو دو دفعہ ثقہ کہکر تعریف کی گئی ہے اور یہ کمال درجہ کی توثیق ہے۔ اور صالح، پرہیزگار، شاعر و نثر نگار، ادیب، جامع علوم، عقلی ونقلی علوم کے فنون کے محافظ ہیں۔ جلیل القدر اور عظیم المرتبہ ہیں اور اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ انہوں نے اپنے والد شیخ محمد شیخ بہائی اور محمد امین استر آبادی اور بعض دوسرے علمائے عرب وعجم سے علم حاصل کیا۔ مکہ میں مجاوری کی اور وہیں وفات پائی اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے نزدیک مدفون ہوئے۔ صاحب وسائل نے ان سے عربی، ریاضی، حدیث وفقہ وغیرہ سیکھے۔ شعر بہت اچھے کہتے تھے اور ان پر فوائد وحواشی بھی بہت لکھے ان کا ایک چھوٹا سا شعری دیوان بھی ہے۔ انہوں نے کوئی کتاب تالیف نہیں کی اپنی انتہائی پرہیزگاری اور خوف شہرت کی بناء پر۔

صاحب ''امل الامل'' کہتے ہیں کہ متاخرین نے بہت کتابیں لکھی ہیں اور ان کی تالیفات میں بہت سہو اور غلطیاں ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں معاف فرمائے۔ یہی چیزیں ان کے قتل کا باعث ہوئیں۔ شیخ زین الدین کو اپنے دادا شہید ثانی وشہید اول اور علامہ پر بڑا تعجب ہے کہ وہ عامہ سے درس پڑھا کرتے تھے۔ اور ان کی فقہ، حدیث اور اصول کی کتابوں کی اتباع کرتے اور ان ہی لوگوں سے پڑھتے اور شیخ زین الدین ان کی یہ بات ناپسند کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قتل کردیئے گئے۔ خدا ان کو معاف فرمائے۔ اور صاحب لؤلؤ یہ بات لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے انکار اور تعجب ان فضلاء وغیرہ پر کیا ہے خدا انہیں اس پر جزائے خیر دے کہ انہوں نے حق کہا ہے اور حقیقت کا ساتھ دیا ہے اگرچہ اس بات کے ماننے والے کم ملیں گے۔ اول تو ائمہ علیہم السلام سے ضعیف احادیث جو ان کی مجالس میں بیٹھنے کے بارے میں ہوں اور ان کے پاس حاضری دینے اور ان کے علوم واحادیث سیکھنے کے بارے میں ہوں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ جیسا کہ کتاب ''متاجر'' میں کہا گیا کہ گمراہ کن کتابوں کی حفاظت، ان کا لکھنا اور ان کا درس دینا حرام ہے اور ایسی کتابوں کا ضائع کردینا واجب ہے۔ وہ ہر ضلال وگمراہی کا سبب بن جاتے ہیں جیسا کہ احادیث آل محمدؐ سے ثابت ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ عامہ کے ساتھ معاشرت رکھنے کی وجہ سے انہوں نے وہ اصول جن کو وہ اصول فقہ کہتے ہیں شریعت پیغمبرؐ میں داخل کردیئے یہ اصول احادیث اہل بیت کے اصلی نہیں ہیں کیونکہ اہل بیت تو ہر چھوٹی اور معمولی بات بھی جو احکام شریعہ سے تعلق رکھتی ہو بیان کرنے کے خواہش مند تھے تو اگر ان اصولوں میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو وہ ان کو کیوں نہ بیان کرتے۔ یہاں تک صاحب ''حدائق'' کا کلام ہے۔ مولف کتاب کہتا ہے کہ ابتداء میں جتنی تعریف وتوصیف شیخ زین الدین کی کی گئی اس سے مجھے ان کی فقاہت وذہانت وفہم پر بڑا اعتقاد واعتماد پیدا ہو گیا لیکن ان فضول باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اور صاحب ''حدائق'' کو اتنا زیادہ فہم حاصل نہیں تھا۔ چنانچہ ان کی پہلی دلیل کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ احادیث میں ان لوگوں کے میل جول سے اس صورت میں مخالفت کی گئی ہے کہ اسکی وجہ سے عقیدہ میں خلل نہ واقع ہو جائے لیکن اگر از روئے تقیہ ہو، یا ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے اور فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ ہم نشینی لازم ہے جیسا کہ ائمہ علیہم السلام بھی مخالفین کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے بلکہ جماعت وجمعہ میں بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ اور حضرت امیر المومنینؑ تو ہمیشہ ہی ان کے ساتھ رہتے تھے بلکہ مشورہ کے موقع پر جو بات درست ہوتی تھی وہی مشورہ کے طور پر بتاتے تھے۔ نیز حضرت صادقؑ فرماتے ہیں کہ عامہ اور مخالفین کے ساتھ حسنِ معاشرت برتو تا کہ وہ یہ کہیں کہ خدا جعفرؑ ابن محمدؐ پر رحمت نازل کرے کہ انہوں نے اپنے اصحاب کو کتنا مہذب ومؤدب بنایا ہے اور یہی اس آیہ شریفہ میں خبر دی گئی ہے ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا (سورہ انعام آیت ۱۰۸) یعنی تم کفار کو گالیاں نہ دو کیونکہ وہ اس بات کا سبب بنے گا کہ وہ خدا کو گالیاں دیں گے۔ اس کے علاوہ سبق پڑھنا اور ان کی کتابوں سے رجوع کرنا وہ اس لیے ہے کہ انسان کو ان کے طریقے کا پتہ چل جائے، ان کی دلائل کو سمجھ لے پھر ان کا رد کر سکے اور ان عوام کے اعتقادات کو جو بالکل جانوروں کی طرح ہوتے ہیں تزلزل سے

بچائے۔تو اس صورت میں تو یہ حرام ہونے کے بجائے واجب کفائی ہو جائے گا۔

تیسرے یہ کہ ان کی کتابوں سے وہ احادیث جو شیعہ عقائد کی صحت پر دلالت کرتی ہیں چھانٹ سکے گا اور ان ہی کے ذریعہ ان کی بات رد کرے گا اور یہ بحث ومباحثہ کا بہترین طریقہ ہے۔ پسندیدہ اور مطابق عقل بھی ہے اور اصحاب ائمہ کا طریقہ یہی رہا ہے جیسا کہ ہر اتباع کرنے والا جانتا ہے اور اسی طرح سے ان کو لاجواب کیا جا سکتا ہے۔اور دلیل دوم کا جواب بھی اسی سے ملتا ہے جیسا کہ فقہا نے کتاب ''متاجر'' میں اشتناء کیا ہے کہ گمراہ کن کتابیں ان ہی کے الزاموں اور اتمام حجت کے لیے استعمال کی جائیں اور ان ہی کی دلیلوں کو ان سے کمزور بنایا جائے۔

اور تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اصول کو بدعتی امور سے نسبت دی ہے یہ انتہائی ناسمجھی اور کند ذہنی ہے کیونکہ اصول میں تو لفظی بحثیں ہوتی ہیں تو فقیہ بھلا لفظی بحث کیسے نہ کرے۔مثلاً یہ نہ دیکھے کہ امر واجب کرنے کے لیے ہو رہا ہے یا محض ندب (ترغیب دلانے) کے لیے۔اچھا فرض کرتے ہیں کہ ہم اصولیین اس بدعتِ حرام کو ترک کر دیتے تو آپ اخباریین یہاں کیا کریں گے اس امر کو واجب پر محمول کریں گے یا ندب پر اور جو بھی صورت ہو پھر اس پر دلیل بھی قائم کرنی چاہیے۔عرف ائمہ میں امر وجوب کے لیے ہوتا ہے یا آپ بغیر دلیل ہی ایک قول اختیار کر لیں گے جبکہ آپ بلا دلیل کوئی بات کہنا نہیں چاہتے تو آپ مسئلہ امر پر بھی دلیل قائم کریں۔یا آپ آیت **ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه** (سورۂ ابراہیم آیت ۴) (ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ان قوموں کی زبان والا)) کا انکار کرتے ہیں۔بے شک تکالیف شرعی عربی زبان میں بیان ہوئی ہیں اور ہمیں پیغمبر اور ان کی آلؑ کی زبان کو سمجھنا چاہیے تا کہ اپنی ذمہ داری کو بھی سمجھ سکیں۔یا ان کی زبان ہی قوم کی زبان تھی یا ان کی زبان میں اصطلاحات تھیں۔چنانچہ حقیقت شرعیہ کو جاننے کے لیے حقیقت مجاز،صحیح، اعم،امر،نہی عام وخاص،حمل عام بر خاص،مطلق ومقید،مجمل ومبین ساری اصطلاحات جاننی چاہییں تا کہ شرعی ذمہ داری کا علم یا ظن حاصل کر سکیں۔

اس کے علاوہ حدیث میں وارد ہے کہ زرارہ نے حضرت صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ نماز میں قصر کیوں واجب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے **اقصروا** نہیں کہا **لا جناح** کہا ہے تو آپؑ نے پیغمبرؐ کے بیان سے تمسک کرتے ہوئے جواب دیا۔نیز زرارہ نے اعتراض کیا کہ سر کے کچھ حصہ کا مسح کیوں کریں پورے کا کیوں نہ کریں؟ حضرتؑ نے فرمایا:**لمكان الباء** یعنی باء برؤ سکم میں برائے تبعیض (یعنی بعض حصہ) کے لیے ہے۔تو ائمہ نے اختصار کے ساتھ فرمایا ہے اور ان کا قول **اذا امرتكم بشيء فاتوا منه ما استطعتم** اس پر دلیل ہے اور نیز ان کا فرمان **علينا بالقاء الاصول وعليكم بالفروع اقوى** یہ اجتہاد پر شاھد ہے اس کے علاوہ حجت کتاب،اجماع،خبر اور ایسی ساری چیزیں کلام امام میں ان کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور ایک حدیث میں غور وفکر کرتے ہوئے روایت ہے کہ معصوم اجماع سے متمسک ہو گئے اس کے علاوہ اجماع قاطع دلیل ہے اور جب ایک قاطع مل جائے تو حجیت قطع پر دلیل نہیں لائی جاتی کیونکہ اگر وہ دلیل قطعی ہے تو دور لازم آئے گا اور اگر ظنی ہے تو وہ عقلی طریقہ پر مثبت قطعی نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ **فان المجمع عليه لاريب فيه** حجیت اجماع پر دال ہے اور اصل برائت واستصحاب بھی احادیث سے اٹھا لیا گیا ہے اور **حجب الله علمه عن العباد** اور اسی طرح کی اور مثالیں اصل براءت کی دلیل ہیں اور **ولا تنقض اليقين الا يقين** (یقین کو یقین سے ہی توڑا جا سکتا ہے) یہ مدرک استصحاب ہے۔غرض یہ ہے کہ اصل براءت یا استصحاب یہ سب اصطلاحی نام ہیں۔**ولا مشاحه فى الاصطلاح** اصلاح میں کوئی جھگڑا نہیں ہے تو اس اصول میں کونسی بدعت ہے جو مجتہدین نے دین میں داخل کر لی ہے اور کونسا ایسا مسئلہ ہے کہ تم اخباریین کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور رہی حجیت عقل تو بہت سی احادیث اس پر دال ہیں اور عبارت حدیث **بک اثیب وبک اعاقب** [تیرے (اچھے) اعمال پر ثواب ہے اور تیرے ہی (برے) اعمال پر عقاب] اس پر سچی گواہ ہے۔رہی قطعیت احادیث جیسا کہ اخباریین کا دعویٰ ہے تو یہ غلط استعمال ہے کیونکہ احادیث میں کئی وجہ سے تعارض ہو جاتا ہے۔کبھی اختلال کی وجوہات،کیفیت رجال کا مخفی ہونا اور زمانوں کا بیچ میں حائل ہونا ان سب کی وجہ سے تعارض پیدا ہوتا ہے۔اور ہم نے ان باتوں کا جواب ''منظومۂ الفیہ در اصول'' اور اسکی شرح میں اور حواشی قوانین میں بڑی تفصیل سے دیا ہے کہ پھر وہ قابل انکار نہیں رہتا اور اس مقام پر اس سے زیادہ بحث مقصد کلام سے خارج کرنے کا باعث ہوگی۔لیکن مختصر ذکر ضروری ہے۔چنانچہ ہم صاحب ''وسائل'' کا قول پیش کرتے ہیں کہ محمدین ثلٰث نے شہادت دی ہے کہ یہ حدیث جو کتب اربعہ میں ہے **بيننا وبين الله** حجت ہے یہ ایسا کلام ہے جو عقل

سے دور ہے کیونکہ ان محمدین نے اپنے عمل کی گواہی دی ہے اور اس کا دوسروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ جو فتوے میں نے دیئے ہیں وہ میرے اور میرے خدا کے مابین ہیں اور میرے لئے اور میرے مقلدین کے لیے حجت ہیں اس کے علاوہ محمدین کی روایات بھی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتی ہیں جیسا کہ تہذیب کی احادیث اور کافی کی احادیث میں آپس میں تناقض پایا جاتا ہے اور ان دونوں کی احادیث کی من لایحضرہ الفقیہ کی احادیث سے یہی صورتحال ہوتی ہے بلکہ ایک ہی کتاب میں اختلافی احادیث موجود ہیں تو پھر ہماری شرعی ذمہ داری کیا ہوگی؟ اور میں تم اخباری مسلک والوں سے پوچھتا ہوں کہ آخر ہمارا عمل کیا ہونا چاہئے؟ اور ان متعارض لوگوں میں سے ہم کس کی بات کو اختیار کریں اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ احادیث علاجیہ سے تمسک کیا جائے کہ جب احادیث آپس میں ٹکرا رہی ہوں تو صاحب وسائل نے باب قضا میں کچھ احادیث درج کی ہیں کہ ایسے وقت میں ان احادیث سے اس ٹکراؤ کا علاج کیا جائے اور ہمارا جواب یہ ہے کہ احادیث علاجیہ بھی تو متعارض ہیں جیسے بعض میں ان احادیث کو مقدم کر دیا گیا ہے جو موافق قرآن ہیں اور دوسری میں مثلاً عامہ کی احادیث کو ترجیح دیدی گئی ہے غرض یہ کہ وہ تعارض سے مبّرا نہیں ہیں اس کے علاوہ احکام شرعیہ میں شہادت نہیں سنی جاتی اور ان کی حجیت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی ہے۔ اگر آپ کہیں کہ ہم انہیں احادیث پر اجماع سے عمل کر لیں تو پہلی بات تو یہ ہے اجماع تقیید رکھتا ہے۔ جیسے ایک مائع (بہتی ہوئی چیز) موجود کو سب حلال سمجھ رہے ہیں لیکن ایک اس کو پانی سمجھ کر حلال سمجھ رہا ہے اور دوسرا شربت یعنی انگور کی شراب سمجھ کر حلال سمجھ رہا ہے۔ اور آب قلیل جو نجاست سے بھی مل رہا ہے مگر پاک و حلال مان رہا ہے۔ ایسے اجماع کا آخر فائدہ کیا ہے اور اس طرح ان احادیث کو مثلاً سید مرتضیٰ متواتر سمجھ رہے ہیں لہٰذا حجت ہیں اور دوسرا واحد مان رہا ہے اس لیے حجت سمجھتا ہے اس کے علاوہ اجماع صحیح اعلائی ہے یا صحیح قدمائی یا مشہوری اور آیا موثق پر ہی عمل کر رہے ہیں یا حسن کو بھی داخل اجماع کیا ہے یا نہیں یا ضعیف معمول بہ ہے یا نہیں۔ آخر کس قسم کا اجماع ہوگا۔ یہ محض لفظی بے سرو پا دعوے ہیں اور کچھ نہیں۔

اور پھر جو کچھ اخباریین کے امین، ملا محمد امین استر آبادی نے کہا ہے کہ شریعت پیغمبرؐ دو دفعہ خراب ہوئی۔ ایک دن تو ثقیفہ بنی ساعدہ میں اور ایک اس دن جب علامہ نے حدیث کو حسن، موثق، ضعیف اور صحیح میں تقسیم کیا۔ یہ بات انتہائی گمراہی، ناسمجھی اور فساد و دشمنی پر مبنی ہے کیونکہ قدماء کی اصطلاح میں ہر اس چیز کو صحیح کہا جاتا ہے جو قابل اعتماد ہو اور اس پر قرائن مہیا ہوں اور اس کے مددگار و معاون مل سکتے ہوں لیکن اب طویل مدت گزرنے کی وجہ سے قرائن نہیں معلوم ہیں اور اب مجھے نہیں معلوم کہ کس حدیث کا قرینہ تھا یا نہیں تھا۔ چنانچہ احادیث کا تقسیم کرنا ضروری ٹھہرا اور اب ہمیں جستجو کرنی ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ کونسی حدیث بہتر ہے۔ پھر ظن اجتہادی کو اس سے ملائیں اور پھر ان پر عمل کریں اور اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے اب تم اخباریین کے پاس اگر قرائن ہیں تو لاؤ ہمیں دکھاؤ اور ہمیں مطمئن کرو ورنہ ان بکواسوں اور بے سرو پا باتوں اور غلط چیزوں سے حکم خدا تو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے علاوہ ملا محمد امین کو آپ دیکھیں کہ اقوال علماء سے کس قدر بے خبر ہیں کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ تقسیم علامہ نے نہیں کی ہے بلکہ یہ تو سید ابن طاؤس جو صاحبان کرامت لوگوں میں سے ہیں اور انہوں نے صدائے صاحب الامر کو سنا ہے اور یہ تقسیم کی ہے۔ اسی طرح محقق اول صاحب شرائع اور وہ علامہ سے پہلے طبقہ کے علماء میں ہیں اور علامہ جو خود صاحب کرامت ہیں نے انہی کی اتباع کی ہے۔ تو آپ دیکھئے کہ اس شخص نے جسے کسی چیز کا کچھ پتہ نہیں ہے اپنے قلم سے کس قدر غلط باتیں رقم کی ہیں۔

رہا یہ کہ بعض اخباری مسلک کے پیرو کار علم رجال کو بدعت سمجھتے ہیں یہ بالکل بے تکی بات ہے کیونکہ رجال میں سے بعض فاسق، بعض عادل، بعض عقل سے کورے، بعض غلات (۱) اور بعض جھوٹے ہوتے ہیں۔ اور یہ بالکل تسلیم شدہ باتیں ہیں۔ تو بغیر علم رجال (۲) کے اور راویوں کے متعلق جو ظن حاصل ہو سکتے ہیں ان سے کام لیے بغیر ہم حدیث پر کیسے عمل درآمد کر سکتے ہیں۔ جبکہ بعض راویوں کو معصوم نے ضعیف قرار دیا اور اس بات کو غیبت بھی نہیں قرار دیا گیا۔

شیخ زین الدین کے بھائی شیخ علی نے کتاب ''در المنظوم والمنثور'' میں لکھا۔ پہلے انہوں نے شیخ زین الدین کا ذکر کیا پھر ان کی تعریف، توصیف کی

(۱)۔ غلات: سختی اور تشدد میں حد سے گزرنے والے (مترجم)

(۲)۔ علم رجال: وہ علم جس سے راویان حدیث کی چھان پھٹک کی جاتی ہے۔ (مترجم)

اور پھر کہا کہ شیخ زین الدین نے ایران کا سفر کیا اور شیخ بہائی کے گھر پہنچے۔ شیخ نے ان کا بڑا اکرام (آؤ بھگت) کیا اور وہ طویل مدت تک شیخ کی خدمت میں رہے۔ اور اس مدت میں انہوں نے شیخ سے درس بھی پڑھا۔ ان کی تصنیفات بھی دیکھیں اور دیگر نیک کام کیے ان کے علاوہ شیخ نے اوروں سے بھی درس پڑھے۔ پھر واپس چلے گئے اور اسی سال ان کے والد نے وفات پائی اور یہ ۱۰۳۱ھ تھا۔

پھر شیخ زین الدین نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور وہاں بھی مطالعہ میں وقت گزارتے تھے۔ میں بھی انہی دنوں مکہ معظمہ کی زیارت سے مشرف ہوا اور ان ہی کے ساتھ اپنے وطن واپس آیا اور میں ان سے اصول وفقہ و ہیئت کے علوم سیکھتا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ دوسری دفعہ ایران گئے لیکن اس دفعہ جلد ہی واپس آ گئے۔

آپ کا سن ولادت ۱۰۰۹ھ تھا۔ اور آپ رحمت خدا سے متصل ہو گئے ۲۹ ذی الحجہ ۱۰۶۴ھ میں۔ جن دنوں میں مکہ معظمہ میں تھا۔ ہم روز و شب ایک دوسرے کے ساتھ تھے اور میں ان کی خدمت میں موجود تھا۔ حتیٰ کہ یہ سال آن پہنچا اور وہ اپنے والد کے ساتھ مکہ معظمہ کے قبرستان معلیٰ میں یہ دفن ہوئے۔ یہاں تک ان کے بھائی شیخ علی کا کلام تھا۔

شیخ زین الدین کو اپنے والد شیخ محمد سے اجازہ حاصل ہے اور دوسرے شیخ بہاء الدین سے بھی۔

شیخ محمد بن شیخ حسن

شیخ محمد بن شیخ حسن بن شیخ زین الدین شہید ثانی فاضل، متقی، مدقق، فقیہ عالم جید اور محدث تھے۔ شروع شروع میں اپنے والد بزرگوار شیخ حسن صاحب "معالم" اور سید محمد صاحب "مدارک" سے تعلیم حاصل کی اور ان سے حدیث، اصول اور دوسرے علوم سیکھے۔ اور ان کی تصنیفات بھی پڑھیں جیسے "منتقی"، "معالم" و "مدارک" اور سید محمد نے کتاب "نافع" پر جو نوٹس لکھے تھے وہ سب پڑھے۔ اور ان کی وفات کے بعد بھی ایک مدت تک مطالعہ میں مشغول رہے پھر مکہ معظمہ کی زیارت کا شرف پایا اور وہاں میرزا محمد علی بن ابراہیم استر آبادی صاحب "رجال" سے ملاقات کا شرف پایا اور ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ پھر اپنے وطن لوٹے لیکن زیادہ عرصہ قیام نہیں کیا کیونکہ فسادی اور جھگڑالو لوگوں سے خطرہ تھا اس لیے عراق کا سفر اختیار کیا اور کافی عرصہ کربلا میں رہے اور درس دیتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن آپ کربلا میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ کی جانب تیر پھینکا وہ آپ کے سینہ کے پار ہو گیا لیکن خدا نے حفاظت فرمائی اور جان بچ گئی۔ پھر زیارت مکہ معظمہ کا شرف پایا۔ عراق واپس آئے اور کافی عرصہ وہاں رہے پھر کوئی ایسا سبب رونما ہوا کہ عراق سے نکل کر مکہ کا سفر اختیار کیا اور مکہ میں ہی تھے کہ انتقال فرما گئے۔

آپ کی کنیت ابو جعفر، اور لقب فخر الدین تھا۔ آپ عابد، زاہد، فقیہ، محدث، متکلم، حافظ، ادیب اور جلیل الشان شخصیت تھے۔ آپ جب مکہ میں تھے تو موت سے قبل اپنے مرنے کی خبر دیدی تھی اور یہ بہت بڑی کرامت ہے۔ اور دوسری کرامت یہ تھی کہ جس رات وفات پائی تھی اور ابھی تدفین عمل میں نہیں آئی تھی تو ان کی میت کے قریب قران مجید پڑھنے کی آواز سنائی دے رہی تھی اور جس شخص نے یہ اطلاع پائی اس نے کہا کہ قرأت کرنے والا اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ میں قائم مہدیؑ ہوں (میری روح اور تمام لوگوں کی ارواح آپ پر فدا ہوں)۔ یہ قران پڑھنے کا واقعہ شیخ کی زوجہ نے جو صاحب "مدارک" کی دختر ہیں بیان کیا تھا۔ اور ان دونوں کرامات کا تذکرہ شیخ اسد اللہ کاظمینی (اللہ ان کے مرتبہ کو بلند فرمائے) نے اپنی کتاب مقابیس میں کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت صاحب الامر عجل اللہ فرجہ شیخ محمد کی شب وفات ایسے وظائف پڑھ رہے تھے جو اس علاقہ میں پڑھے نہیں جاتے تھے۔

شیخ کے احتیاط و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کسی شخص کے متعلق انہیں بتایا گیا کہ وہ اس شہر کا باشندہ ہے اور زکوٰۃ نہیں دیتا۔ اس کے بعد شیخ محمد ہر وہ چیز جو قابل زکوٰۃ ہوتی ہے اگر اپنے بال بچوں کیلئے اس سے لیتے تو پہلے اس کی زکوٰۃ ادا کرتے پھر اس کے بعد اس کو استعمال کرتے۔

جس زمانہ میں شیخ مکہ میں تھے امیر یونس بن حرقوش جزایری نے شیخ کے لیے پانچ سو قروش (۱) بھیجے۔ امیر یونس ایک زمیندار تھا اور اس کے بہت سے باغات اور جائیدادیں تھیں۔ وہ ہمیشہ اس بات کی احتیاط رکھتا تھا کہ اس کے مال میں کوئی حرام چیز شامل نہ ہونے پائے۔ اس نے شیخ کو ایک خط لکھا جو بڑے آداب و تواضع سے لکھا۔ وہ شیخ کا بڑا عقیدتمند تھا اس نے اپنے خط میں درخواست کی کہ شیخ اس کے ہدیے کو قبول فرمائیں اور لکھا تھا کہ یہ میرے حلال مال میں سے ہے اور اس کا خمس میں نے ادا کر دیا ہے۔ لیکن شیخ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تو قاصد نے کہا کہ آپ کے اہل وعیال اس شخص کے شہر میں رہتے ہیں اور مناسب نہیں ہے کہ آپ اس کے ہدیے کو نا منظور کریں۔ کیونکہ وہ آپ کے ساتھ بہت پر خلوص اور آپ کا عقیدتمند ہے۔ اور آپ کے اہل وعیال بڑی تنگی میں گزر بسر کر رہے ہیں۔ شیخ محمد نے کہا کہ اچھا اگر یہ صورتحال ہے تو یہ رقم رکھ لیتے ہیں اور ہر سال سو قروش کا اسباب خانہ اور کپڑا وغیرہ خریدا جائے حتی کہ یہ رقم ختم ہو جائے۔

بادشاہ وقت نے ان کو مکہ سے طلب کیا اور اخراجات کی رقم معین کر دی اور اظہار فروتنی کے لیے شیخ کو خود خط بھی لکھا۔ شیخ نے قبول کر لیا تو شیخ سے کہا گیا کہ آپ بادشاہ کے خط کا جواب لکھئے تو فرمایا کہ سوائے دعا کے بادشاہ کے لیے اور کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ اور ہم یہ دعا بھی تحریراً نہیں کرنا چاہتے۔ جب لوگوں نے بہت اصرار کیا کہ تھوڑے تامل کے بعد فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ شاہوں وغیرہ کے لئے دعائے ہدایت کی جا سکتی ہے پھر اس بادشاہ کو خط لکھا اور دعا کے الفاظ یہ تھے ھداہ اللہ۔

شیخ علی نے درالمنثور میں لکھا کہ مشہور ہے کہ آپ طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور مختلف پھولوں سے تیار کیا ہوا ایک گلدستہ شیخ کو پیش کیا اور ایسے پھول مکہ اور اس کے ملحقات میں کہیں نہیں پائے جاتے تھے۔ اور خصوصاً وہ زمانہ فصل گل کا تھا بھی نہیں تو شیخ نے اس شخص سے کہا کہ یہ پھول کہاں کے ہیں تو اس شخص نے کہا جنگلی پھول ہیں۔ اس سوال و جواب کے بعد شیخ نے چاہا کہ اس شخص کو دیکھیں ہر طرف نگاہ ڈالی وہ پھر نظر نہ آیا۔ یہاں تک شیخ علی کا کلام تھا۔ اس سے واضح ہے کہ وہ شخص حضرت صاحب الامر (عج) تھے۔

شیخ کے بعض اصحاب نے ان سے کہا کہ سلطان آپ کو ضرور طلب کرے گا اور آپ سے انکار ممکن نہیں ہوگا اور یقیناً آپ کو بادشاہ کے دارالحکومت میں جانا پڑے گا۔ تو شیخ محمد نے دعا کی کہ پروردگار کہ اگر ایسی بات تیرے علم میں ہے تو مجھے موت دیدے اور اس کے بعد یہ کہا کرتے تھے کہ میں عنقریب دنیا سے کوچ کرنے والا ہوں۔

آپ کی تصنیفات کی تعداد کا آپ کے باشرف بیٹے شیخ علی نے اپنی کتاب ''درالمنثور'' میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں ''شرح استبصار'' جس کی تین جلدیں ہیں۔ اور شیخ اسد اللہ نے مقابیس میں لکھا کہ یہ شرح طہارت اور نماز کے بارے میں ہے۔ ''شرح لمعہ پر حاشیہ'' کئی جلدوں میں ہے اور کتاب صلح تک لکھی گئی ہے۔ اور اپنے والد کی کتاب ''معالم'' پر حاشیہ جو ایک درمیانی سائز کی ایک جلد میں ہے۔ اور ''من لایحضرہ الفقیہ'' کی کتاب صلوات پر حاشیہ۔ اور والد کی کتاب ''اثنی عشریہ پر شرح''۔ اور علامہ کی ''مختلف الشیعہ'' پر حاشیہ اور ''مدارک پر حاشیہ''۔ ''مطول پر حاشیہ'' اور کتاب ''روضۃ الخواطر و نزھۃ النواظر'' اور یہ کتاب فوائد، مسائل، اشعار جو اپنے بھی ہیں اور دوسرے شعراء کے بھی اور حکمت کی باتوں وغیرہ پر مشتمل ہے اور یہ سب انہوں نے مختلف کتابوں سے منتخب کر کے لکھا ہے۔ رسالہ فقیری و تونگری میں مفاخرت پر، تزکیہ راوی پر رسالہ، نماز میں سلام کے بارے میں رسالہ اور اس میں احادیث تسبیح سے تحقیق کی ہے جو ان کے نزدیک ترجیح رکھتا ہے اس کی۔ ان کے اشعار اور دوسرے شعراء کے اشعار پر مبنی کتاب، اور ان کے اور دوسرے ہم عصر لوگوں کے خطوط پر مشتمل کتاب۔ اور ایک جامع کتاب جو مشتمل ہے مواعظ و نصائح، حکیمانہ باتوں، مرثیوں، پہیلیوں، قصیدوں اور شعری خطوط اور ان کے جوابات پر جو ان کے اور ان کے ہم عصر لوگوں کے مابین لکھے گئے۔ کتاب ''شرح تہذیب الاحکام''، ''رسالہ طہارت کے بارے میں کافی پر حواشی'' اور ''منہج المقال پر حواشی''۔

ان کے استاد میرزا محمد جو صاحب ''مدارک'' کے داماد تھے نے لولؤ میں لکھا کہ میں شیخ محمد کی ساری تصنیفات سے واقف ہوں کہ اس میں شرح

(۱) قروش: ترکی کا سکہ

استبصار اور "حاشیہ فقیہ" بھی تھا۔ اور میں نے ان کے کلام پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک فاضل شخص ہیں لیکن ان کی عبارات پیچیدہ، غیر سلسل اوران کی تصنیف غیر مہذب وغیر محرر ہے۔ آپ ان کی تحریر کو دیکھیں کہ ایک مسئلہ میں بحث کرتے ہیں یہاں تک کہ مطلوب تک پہنچنے لگتے ہیں تو اپنا بیان یکا یک اپنی دوسری کتابوں کے حواشی یا تصانیف کے بارے، میں شروع کردیتے ہیں تو اس سے یا تو ان کی ناقابلیت ظاہر ہوتی ہے یا ملاء تصنیف میں عدم کمال، یہاں تک لؤلؤ کا کلام تھا۔

مولف کہتا ہے کہ اگر وہ تحقیق کا معاملہ دوسری کتاب تک پہنچادیتے ہیں تو اس سے ان کے علم وفہم کو کوئی ضرر نہیں ہوسکتا۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ وہ یہ ہی مسئلہ کی کہیں اور تحقیق کی ہوتی ہے اس لیے وہاں اختصار سے کام لے لیتے ہیں اور جہاں اس کو مفصل لکھا ہے اس کا تذکرہ کردیتے ہیں۔ اور مجھ ناچیز نے ان کا طہارت وصلوٰۃ پر حاشیہ شرح لمعہ میں دیکھا ہے اور ایسے ہی معالم پر ان کا حاشیہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ بڑی محنت، تحقیق وذہانت سے لکھا ہے۔ اگر شیخ محمد بھی اخباری مسلک کے پیرو ہوتے تو یقیناً صاحب حدائق ان کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملادیتے جیسا کہ وہ اکثر کیا کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ جناب شیخ مجتہد تھے لہٰذا ان کی فہم وفراست پر نکتہ چینی کرنے لگے۔

شیخ عبداللہ بن حاج صالح بحرانی کہتے ہیں کہ شیخ محمد باریک بین تو بہت تھے لیکن محقق نہیں تھے۔ اور انہوں نے شیخ علی بن سلیمان بحرانی سے حکایت کی ہے کہ انہوں نے شیخ محمد کو دیکھا تھا اور یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اجتہاد کے مرتبہ کو نہیں پہنچے کہ وہ اتنی چھان بین کرتے تھے کہ کسی جگہ رکتے ہی نہ تھے۔ اور اس قسم کی باریک بینی کو جربزہ کہتے ہیں اور جو بھی ان کی تصنیفات جیسے شرح استبصار وحاشیہ فقیہ کو دیکھتا ہے تو اسے پتا چل جاتا ہے کہ وہ جربزہ کا شکار ہیں۔ ان کے بیٹے شیخ علی نے اپنی کتاب درمنثور میں لکھا کہ میرے پاس میرے دادا مبرور مرحوم شیخ حسن قدس اللہ روحہ کی تحریر موجود ہے زین الدین علی کی ولادت کے ذکر کے بعد یہ ہے کہ ان کے بھائی فخر الدین محمد ابوجعفر پیدا ہوئے اللہ ان دونوں کو نیکی کی ہدایت دے اور سعادت واقبال مندی سے ان کی مدد فرمائے دنیا وآخرت کے کل امور میں اور ہر خوفناک امر سے ان کی حفاظت فرمائے۔

صبح بروز پیر دس ۱۰ شعبان ۹۸۰ھ اور میں نے شب جمعرات ۹ ماہ رجب ۹۸۱ھ میں مشہد حسینؑ میں یہ دو اشعار نظم کیے:

احمد ربی اللّٰہ اذ جائنی — محمد من فیض نعماہ

تاریخ لا زاک مثلہ — اسمہ بجودہ یسعہ اللّٰہ

اس طرح ان کی تاریخ ولادت ووفات سے یہ پتہ چلا کہ ان کی عمر پچاس سال تین ماہ ہوئی۔ یہاں تک شیخ علی کا کلام تھا۔ اور ان کی تاریخ وفات ۱۰۳۰ھ بنتی ہے۔

شیخ علی بن شیخ محمدؒ

شیخ علی بن شیخ متقدم فاضل وجلیل القدر اور متبحر عالم تھے۔ ان کی تالیفات میں "شرح لمعہ" جو ان کے دادا شہید ثانی کی کئی جلدوں میں کتاب ہے اس کے حواشی ہیں جو بڑے فاضلانہ انداز میں لکھے گئے ہیں اور ان کا نام "زہراۃ الذویہ" رکھا ہے۔ "شرح کتاب اصول کافی" جس میں شرح کتاب عقل وعلم ایک جلد میں لکھی گئی ہے۔ کتاب "درالمنثور" اور صوفیہ کی رد میں ایک رسالہ جس کا نام "سہام المارقہ از اغراض زنادقہ" ہے اور ایک رسالہ ان کی رد میں جو موسیقی کو مباح سمجھتے ہیں اور ان دونوں رسالوں میں ملامحسن فیض کاشانی پر تعریض کی ہے اور "فوائد مدنیہ پر حواشی" اور ملا محمد امین کی رد میں رسالہ اور "معالم پر حواشی" اور "من لایحضرہ الفقیہ پر حواشی" اور ایک کتاب جو تقریباً چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) اشعار پر مبنی ہے متفرق فنون پر ہے اور اس میں فوائد واشعار بھی لکھے گئے ہیں اور اسی کی طرح ایک اور کتاب ہے جو بارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور اسی کی مثل ایک اور کتاب پانچ ہزار بیت کی اور ان کے علاوہ بہت سے رسائل ہیں اور کتاب

درالمنثور کی دوسری جلد میں اپنے حالات ذکر کیے ہیں کہ ولادت ایک ہزار تیرہ یا چودہ میں ہوئی لیکن عمر طولانی پائی۔

انہوں نے ملامحسن پر بہت اعتراضات کیے ہیں کیونکہ ملامحسن خود علماء پر بڑی تنقید کرتے ہیں۔ شرح کافی پر انہوں نے وافی کے نام سے جو دیباچہ لکھا اس میں کہا یابنی ارکب معنا ولاتکن مع الکافرین ای مجتھدین (اے بیٹا تو ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافرین یعنی مجتہدین کے ساتھ مت رہ) اسی طرح انہوں نے "سفینۃ النجات" میں علماء پر اعتراض کیا ہے۔ وہ تصوف سے لگاؤ رکھتے تھے لہٰذا شیخ احمد احسائی نے اپنی کتاب میں ملامحسن کا نام ملامسئی رکھا ہے۔ اسی طرح شیخ علی، محقق سبزواری سے دشمنی رکھتے تھے اور ان کی مذمت میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ اور ان کو فتق (ایک بیماری) سے نسبت دی اور کہا کہ انہوں نے بازار زنجان سے بُت چوری کیے (نعوذ باللہ)۔

مولف کہتا ہے کہ محقق سبزواری عظیم الشان علمائے امامیہ میں سے ہیں بہت زاہد متقی، پرہیزگار اور وہ مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور شیخ علی پر بات کچھ مشتبہ ہوگئی جو انہوں نے اس قسم کی باتوں کو ان سے منسوب کر دیا۔ مذکورہ شیخ علی کی نانی شیخ علی بن عبدالعالی کرکی محقق ثانی کی صاحبزادی ہیں اور انہوں نے شرح لمعہ کے تعلیقہ کے حاشیہ میں لکھا کہ میری نانی دختر محقق ثانی تھیں اور میں نے انہیں دیکھا تھا جبکہ ان کی عمر نوے سال سے بھی زیادہ تھی اور میں اس وقت بچہ تھا۔

شیخ علی نے کتاب درالمنثور میں ذکر کیا ہے کہ جب میرے والد عراق گئے تو میں چھ سال کا تھا۔ اور ہمارے وطن میں بڑا فساد برپا ہوا جس میں ہماری ایک ہزار کتابیں نذر آتش ہوگئیں چنانچہ میں کرک نوح گاؤں چلا گیا اور وہاں کافی عرصہ رہا پھر میں نے اپنے بھائی کے ساتھ عراق کا سفر کیا اور اس وقت میں بارہ سال کا تھا۔ جب میں نے قرآن مجید ختم کیا تو میں صرف نو سال کا تھا اور میری والدہ مجھے بہت چاہتی تھیں اور ہمیشہ یہ تاکید کرتی تھیں کہ نہ مجھے کوئی مارے اور نہ میری توہین کرے اور دن میں کئی بار میرا حال چال معلوم کرتی رہتی تھیں۔ پھر میں تحصیل علم میں مشغول ہو گیا اپنے دادا اور والد کے شاگردوں سے علم حاصل کرنے لگا۔ ان میں ایک شیخ جلیل فاضل شیخ نجیب الدین تھے۔ ایک میرے بھائی شیخ زین الدین۔ پھر شیخ حسین بن ظہیر اور شیخ محمد حرتوشی تھے اللہ ان سب پر رحم فرمائے۔ جب بھائی بھی میرے پاس سے چلے گئے تو میں بیوی بچوں میں گھرا ہوا تھا اور طلب علم میں بھی مشغول تھا۔ میں نے کئی کتابیں لکھیں اور میرے بڑی کوشش یہ تھی کہ باقی ماندہ کتابیں جو جلنے سے بچ گئی تھیں کسی نہ کسی طرح محفوظ رہیں۔ والد کی وفات کے بعد میں نے مکہ کا سفر اختیار کیا اور یہ ۱۰۳۲ھ یا ۱۰۳۳ھ کی بات ہے اس وقت میں سولہ سال کا تھا۔ اپنی کم سنی اور اکیلے پن پر کسی سے مہربانی کا امیدوار نہیں تھا بلکہ اپنی ہی ذات پر بھروسہ کرتا تھا۔

اس سفر میں ایسے امور پیش آئے جو بڑے حیرت انگیز تھے اس میں پہلی کرامت یہ نظر آئی کہ منزل اول پر میں ایک خچر پر سوار تھا اور حاجیوں کے ایک گروپ کے ساتھ ہی آگے آگے چل رہا تھا اور ہمارے اونٹ پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ ہمارا ایک ساتھی تھا جس کا ایک ہندوستانی بچہ غلام تھا۔ میرے پاس ایک چاقو تھا جو گر گیا تھا۔ اور اتفاق ایسا ہوا کہ اس شخص کا وہ غلام اونٹ کی پشت پر سوار سو گیا اور پھر زمین پر گر گیا تو وہاں اس نے وہ چاقو پڑا ہوا دیکھا تو وہ اس کو منزل پر لے آیا۔ وہ اس چاقو کو پہچان گیا تھا اور پھر اس نے سارا قصہ بیان کیا۔

دوسری کرامت یہ ہوئی کہ ہم ایک جگہ پہنچے جسے مرک ناقہ کہتے ہیں اور یہ دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے اور وہاں ہم ایک ایسی جگہ پہنچے کہ وہاں سے ایک قطار یا دو قطار سے زیادہ لوگ گزر ہی نہ سکتے تھے تو میں بعض ساتھیوں کے ساتھ جو خچر پر سوار تھے آگے بڑھ گیا اور ہم ایک مقام پر اتر گئے تاکہ ان حاجیوں کا انتظار کریں جو اس تنگ راستے سے گزر کر آئیں گے۔ اس میں بڑا وقت لگا اور ہمارے بعض ساتھیوں نے یہ ارادہ کیا کہ جلد از جلد اس مقام پر پہنچ جائیں جسے علاء کہتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا اور اپنا بعض سامان اسی مقام پر چھوڑ کر چلے گئے اور قافلوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب اس جگہ سے عبور کر لیتے تو اونٹ کو آرام کرنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے تاکہ سب لوگ اکٹھے ہو جائیں پھر اس کے بعد آگے بڑھتے تھے تو اتفاق یوں ہوا کہ ہمارے اونٹوں کو سلانے کا وقت رات میں پڑ گیا اب جب باقی لوگ ہمارے پاس پہنچے اور ہمارے ٹھکانے پر آئے تو وہ سامان جو ہم وہاں بھول گئے تھے اپنے ساتھ لیتے آئے۔

تیسری کرامت: شیخ محمد حر سلمہ اللہ تعالیٰ اُسی سال حج ادا کر رہے تھے اور شام کے حاجیوں کی دو قسمیں تھیں مقاطرہ یا اشعار داور قاعدہ یہ تھا کہ شمارہ جو تھے وہ حاجیوں کے دائیں بائیں یا پشت کی طرف سے گزرتے تھے۔ تو رات کو میرے سامان سفر سے کوئی چیز گم ہوئی اور شیخ محمد پیدل چلتے ہوئے شمارہ کے ساتھ جا رہے تھے انہوں نے مجھ سے ملاقات کی اور جو چیز میری کھوئی تھی وہ اٹھا کر میرے حوالے کر دی۔

چوتھی کرامت: ہم مکہ مکرمہ کے نزدیک پہنچ گئے میں دو اور اشخاص کے ساتھ جو خچروں پر سوار تھے عسفان سے آگے بڑھ گیا اور مکہ پہنچ کر میں نے حرم کا چکر لگایا تا کہ سارے قدیمی مقامات کو شناخت کراوں ورنہ مجھے وقت طواف ان کو شناخت کرنا پڑتا۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ اب میں طواف کروں اتنے میں ایک شخص جو لوگوں کو طریقہ طواف سکھاتا تھا میرے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہیں طواف کرواتا ہوں میں نے کہا میں شام کا رہنے والا ہوں اور باقی شامی حاجیوں سے پہلے یہاں پہنچ گیا ہوں اس لیے میرے پاس تمہیں دینے کے لیے درہم نہیں ہیں بلکہ سوائے لباس احرام کے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو اگر تو اس بات پر تیار ہے کہ مجھ سے کچھ معاوضہ نہ طلب کرے گا تو بے شک تو مجھے طواف کرا ورنہ مجھے چھوڑ دے۔ تو وہ شخص مجھ سے جھگڑنے لگا اور سخت سست کہنے لگا۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا اور اس شخص کو پیچھے دھکیلا اور کہا کہ اس شخص کو تو خود طواف کرنے دے اور یہ اور اس کے باپ مجھ جیسے سو آدمیوں کو طواف کرا دیا کرتے تھے۔ تو اس کو جانے دے یہ خود طواف کرلے گا۔ تو اس نے میرا پیچھا چھوڑا اور میں نے جیسا کہ میں جانتا تھا اور چاہتا تھا خود ہی طواف کیا۔

پانچویں کرامت: جب ہم مکہ سے واپس چلے تو بدر کی منزل پر پہنچے جو مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ جب صبح ہوئی تو ایک ساتھی کے ساتھ جو گدھے پر سوار تھا ہم نے کھلی جگہ پر حاجیوں کی سواریوں کے بیچ میں وضو کیا اور نماز ادا کی میرے پاس ایک تلوار تھی جب میں نماز پڑھنے لگا تو اسے قریب ہی رکھ لیا تھا لیکن بعد میں میں اسے اٹھانا بھول گیا۔ تمام حاجی اس جگہ سے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے۔ ابھی میں تقریباً آدھا فرسخ (قریباً ڈیڑھ میل) چلا ہوں گا کہ ہم ایک جگہ رکے اور خیمہ نصب کیا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میری تلوار تو وہیں رہ گئی۔ میں نے اپنے ساتھی سے جو گدھے پر سوار تھا یہ کہا کہ آؤ میرے ساتھ ذرا اس جگہ تک چلے چلو اگر تلوار مل گئی تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا ورنہ محض تفریح ہی رہے گی۔ میرے ساتھی نے کہا یہ خیال بیکار ہے (اب وہ کہاں ملنے والی ہے) میں نے کہا۔ آؤ چلیں تو ہم دونوں اس مقام تک پہنچے میں نے دور سے دیکھا کہ تلوار وہیں پڑی ہوئی ہے اور حاجی اس کے دائیں بائیں سے راستہ چل رہے ہیں۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا ذرا تیز چلو اتنی دیر میں کوئی اور نہ اٹھالے پھر ہم وہاں پہنچ گئے اور اپنی تلوار اٹھائی۔ لوگوں نے دیکھا تو بڑا تعجب کیا۔

چھٹی کرامت: میں "شرح لمعہ" کا درس دیا کرتا تھا۔ پڑھاتے پڑھاتے ایسی عبارت آئی کہ اس میں لفظ صدوقان استعمال ہوا تھا۔ ایک شاگرد نے یہ سوال کر دیا کہ یہ صدوقان کون ہیں میں نے فوراً کہا محمد ابن بابویہ اور ان کے بھائی۔

ساتویں کرامت: میں ہمیشہ یہ کوشش کرتا رہتا تھا کہ جو کتابیں ہماری باقی رہ گئی ہیں وہ بھی جلد از جلد مجھے مل جائیں۔ لیکن حاجیوں کے آنے کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اس لیے دیر ہوتی چلی گئی ایک شخص کو میں نے منہ مانگا معاوضہ بھی دیا اور منتظر رہا کہ وہ یہ کتابیں مجھ تک پہنچا دے گا۔ جب حاجیوں کے آنے کا زمانہ شروع ہونے والا تھا میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ ایک آدمی میری طرف ایک خوان لیے چلا آ رہا ہے اور اس خوان میں کسی آدمی کا سینہ مع اس کی پسلیوں کے رکھا ہوا ہے تو میں نے اس آدمی سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ یہ تمہارے دادا شیخ زین الدین کا سینہ ہے اس رات کے بعد جب دن آیا تو مجھے خبر ملی کہ حاجی آئے ہیں اور ہماری کتابیں اپنے ساتھ لائے ہیں ان میں سے بہت سی کتابیں خراب ہو گئی تھیں اور بہت سی کی جلد پھٹ گئی تھی۔ اور بعض بار بار ادھر اُدھر لانے لیجانے میں گھس پٹ گئی تھیں۔

آٹھویں کرامت: ایک دفعہ میں خواب دیکھا کہ کچھ لوگوں نے شہید ثانی کو پکڑا ہوا ہے اور انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں تو میں نے کہا کہ کیا ایک دفعہ ان کو قتل کرنا کافی نہیں ہوا کہ دوبارہ قتل کرنا چاہتے ہو۔ کچھ مدت بعد مجھے خبر ملی کہ اکثر کتابیں جو وطن میں رہ گئی تھیں وہ بھی برباد ہو گئی ہیں۔ اور لوٹ لی گئی ہیں اور یہ شہید ثانی کی کرامتوں ہی سے ایک کرامت ہے۔

ایک دفعہ مجھے کسی ضرورت سے کسی جگہ جانا پڑا۔ وہاں میں نے ان کی مشتبہ غذا کھالی اور اپنے آباء کے طور طریق کے خلاف عمل کیا جس کے نتیجہ میں وہ برکتیں اور خوبیاں جو میں ابتدائی عمر میں رکھتا تھا کھو بیٹھا لیکن جب میں اس جگہ سے نکل کر معظمہ کی زیارت کو آ گیا تو پھر حج و زیارت کی برکت سے اللہ نے مجھے وہ دوبارہ عنایت فرمادیں۔ مولف کتاب نے ان باتوں کو سابقہ کرامات کے ضمن میں ہی تذکرہ کر دیا ہے۔

نویں کرامت: اصفہان اور بصرہ کے درمیان ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ایک آدمی حاجیوں کے ساتھ ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں اس لیے مکہ کا سفر کر رہا ہوں کہ شیخ مذکور کو اذیت پہنچاؤں گا اور وہ یوں ظاہر کر رہا ہے کہ جب وہ ایران میں تھا تو شیخ علی نے اس سے یہ یہ (بدسلوکی) کی۔ جب یہ خبر مجھے پہنچی تو میں بڑا گھبرایا۔ جب میں شہر دورق میں اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا تو وہ شخص میرے قریب سے گزرا تو میں نے اس کو آواز دے کر کہا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تو نے میرے بارے میں ایسا ایسا کہا ہے۔ اس نے کہا: ہاں اور جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تم ایسی حرکت کیوں کر رہے ہو۔ کہا: تم نے اصفہان میں میری کوئی مدد نہیں کی میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: میں خدا سے ہی دعا کرتا ہوں کہ تیرے شر سے مجھے محفوظ رکھے۔ وہ جب اپنے گھر پہنچا تو بخار میں مبتلا ہو گیا اور جب چند دن بعد ہم بصرہ پہنچے تو وہ فوت ہو چکا تھا اور خدا نے اس کی اذیت سے مجھے محفوظ کر دیا۔

دسویں کرامت: اسی طرح مکہ اور منیٰ میں دو اشخاص کے شر سے خدا نے مجھے محفوظ رکھا جو نہ صرف میری بلکہ کئی لوگوں کی جانوں کے ضائع ہونے کا سبب ہوتا اور خدا نے مجھے ان کے شر سے بچا لیا لیکن اس کا ذکر بہت طویل ہے۔ بہر حال بیت اللہ الحرام کی برکت سے خدا نے ہم پر کرم کیا۔

گیارہویں کرامت: جب ہم بغداد سے اصفہان چلے تو ہمارے پاس تین کنیزیں تھیں اس کے علاوہ ہمارے اہل حرم بھی تھے۔ ہم ایک منزل پر پہنچے جسے یعقوبیہ کہتے تھے اور وہاں ایک منحوس دشمن شخص حاکم کی جانب سے مامور تھا۔ وہ دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اور ہر کنیز اور غلام سے دو اشرفی وصول کیا کرتا تھا اور جو عورت بھی کشتی سے اترتی اس کے ہاتھ کو غور سے دیکھتا تا کہ یہ پہچان سکے کہ آیا وہ کنیز ہے یا نہیں۔ ہم بھی کشتی میں سوار ہوئے اور جب ساحل کے قریب پہنچے تو ایک آدمی اس دشمن انسان کے پاس آیا اور اس سے کچھ کہا۔ وہ سنتے ہی انتہائی غصہ کی حالت میں کھڑا ہو گیا اور چل پڑا اس نے ہاتھ میں ایک چھڑی پکڑی ہوئی تھی۔ ہم کشتی سے اترے اور خیمہ لگا لیا اور کنیزوں کو کجاوہ کے پیچھے بٹھا دیا اس نے ایک عورت کو خیمہ میں تلاشی کے لیے بھیجا اس وقت میں باہر تھا۔ جب میں آیا تو پتہ چلا کہ ایک عورت آئی تھی وہ خیمہ میں گھومی پھری اور اس نے ایک کنیز دیکھ لیا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ملعون شخص آ گیا اور کہنے لگا تمہارے پاس کتنی کنیزیں ہیں؟ میں نے کہا: ایک وہ دوسرے خیمہ میں گیا وہاں ایک عورت بیٹھی تھی اور ایک غلام بھی تھا۔ تو اس عورت نے کہا کہ اگر میں تجھے تین کنیزوں کا ثبوت دیدوں تو تو میرے غلام کو چھوڑ دے گا؟ اس آدمی نے کہا: ہاں چھوڑ دونگا۔ اس عورت نے ہمارے خیمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس خیمہ میں تین کنیزیں ہیں۔ اور اس نے اس دشمن شخص کے ساتھ اپنے شوہر کو روانہ کر دیا کہ وہ ہمارے خیمہ کی نشاندہی کرے۔ اب چونکہ ہم کہہ چکے تھے کہ ہماری ایک کنیز ہے اگر زیادہ نکل آئیں تو خلاف واقعہ ہونے کی وجہ سے ہماری بڑی بے عزتی ہوتی تو میں نے ساربان سے کہا: تو دو کجاوے اونٹوں کے اوپر لگا دے اور اس میں دو کنیزوں کو بٹھا دے ورنہ آج ہماری بڑی شامت آئے گی۔ اس نے میری بات مان لی اور عماریوں میں دو کنیزیں اور دو عورتیں بٹھا دی گئیں۔ اب وہ دشمن آدمی جب اسی عورت کے شوہر کے ساتھ خیمہ میں پہنچا تو صرف ایک ہی کنیز بیٹھی ہوئی تھی تو اس دشمن نے اس کے شوہر کو چھڑی سے مارا اور واپس چلا گیا اور غلام کو پکڑ لیا کہ اس عورت نے جھوٹ بولا ہے تو اس عورت نے کہا کہ ان لوگوں نے دو کنیزوں کو دو عورتوں کے ساتھ اونٹوں پر سوار کر کے ان اونٹوں کو پہلے سے ہی روانہ کر دیا ہے اور باقی کو بھی لیجانا چاہتے ہیں۔ اب تو اس دشمن کو بڑا جلال آیا وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اونٹ تک جا پہنچا لیکن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اسے وہ اونٹ دکھائی نہ دیئے۔ وہ تقریباً ایک فرسخ تک چلتا چلا گیا اور جتنے بھی قافلے وہاں تھے سبھی سے پوچھ گچھ کی اور سب کے خیموں میں گھس گھس کر ڈھونڈھتا رہا لیکن اسے کچھ بھی پتہ نہ لگا۔ حالانکہ جب وہ پیدل گیا تھا تو اس اونٹ کے پاس سے گزرا تھا لیکن خدا نے اسے اندھا کر دیا تھا۔ پھر وہ اس عورت کے پاس آیا اور اس کے غلام پر قبضہ کر لیا بڑی لے دے کے بعد اس عورت نے دس قروش دیکر اپنے غلام کو اس سے آزاد کرایا۔ بغداد کی حدود میں

ہر جگہ اس طرح زبردستی ٹیکس وصول کیا جاتا تھا لیکن خدا کی ایسی توفیق شامل حال ہوئی کہ ہمارا کوئی نقصان نہ ہوا۔

بارہویں کرامت: جب ہم اس مقام سے جہاں کنیزوں پر خراج وصول کیا جاتا تھا نکل آئے تو ایک مرد ایک عورت کے ساتھ تلاشی کے لیے آیا۔ وہ عورت خیمہ میں اندر جا کر دیکھتی تھی۔ جب یہ دونوں ہمارے خیمے کے قریب پہنچے تو کہنے لگے کہ اس خیمہ سے ہم نے تلاشی شروع کی تھی۔ حالانکہ ہمارے خیمہ میں کوئی تلاشی لینے نہیں آیا تھا۔ اور اکثر جب میں پردیس میں پریشان حال ہوتا اور درس و مطالعہ میں مشغول ہوتا تو اکثر جن کتابوں کی مجھے ضرورت ہوتی وہ مہیا نہ ہوتی تھیں چنانچہ میں نے اپنے ہاتھ سے تقریباً ستر ایسی کتابیں لکھ دیں جس کی مجھے وہاں ضرورت پڑی تھی لیکن مل نہ سکی تھیں۔

تیرہویں کرامت: لفظ جلالہ کی گنتی کے طریقے سے میں نے کسی شخص کے لیے استخارہ نکالا تو آیت نکلی یا ابراهیم اعرض عن هذا (سورہ ہود آیت ۷۶) اے ابراہیم اس سے دست بردار ہو جاؤ۔ تو میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے وہ کہنے لگا میرا نام ابراہیم ہے۔

چودہویں کرامت: ایک اور شخص آیا اور استخارہ کی گذارش کی۔ میں نے استخارہ نکالا تو یہ آیت نکلی وما انت علینا بعزیز (سورہ ہود آیت ۹۱) (اور ہماری نظر میں تمہاری کچھ عزت ہی نہیں ہے)۔ اس نے پوچھا کونسی آیت نکلی ہے میں نے آیت کی تلاوت کی تو وہ شخص مسکرانے لگا اور تعجب کا اظہار کرنے لگا۔ میں نے تعجب کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ استخارہ میں نے جس شخص کے لیے کرایا ہے اس کا نام عزیز ہے۔ اور میں نے اس لیے استخارہ کرایا تھا کہ میں اپنے بعض امور میں اس کو اپنا وکیل (نائب) بنانا چاہتا تھا۔

پندرہویں کرامت: امراء میں سے ایک شخص مجھے رقعہ لکھ کر بھیجتا تھا اور استخارہ کراتا تھا اور پوچھتا تھا کہ نیک ہے یا بد اور میں اسے جواب لکھ دیتا تھا۔ ایک دن اس نے رقعہ بھیجا کہ استخارہ کر کے آیت بھی لکھ دوں اور اس کے قاصد کو دیدوں۔ تو میں نے استخارہ کیا تو یہ آیت آئی وما کان لرسول الله ان یاتی بایة اِلّا باذن الله. (سورہ رعد آیت ۳۸) (اور کسی رسول کا یہ کام نہ تھا کہ بغیر حکم خدا کوئی علامت ظاہر کرے)۔

سولہویں کرامت: ایک شخص یہ چاہتا تھا کہ سلطان کی طرف سے کہیں کا حاکم بنا دیا جاؤں۔ اس نے مجھ سے استخارہ کی درخواست کی تو میں نے کہا کہ میں غیر شرعی کام کے لیے استخارہ نہیں دیکھتا۔ اس نے کہا کہ اگر میں یہ قبول نہیں کروں گا تو میری جان کو خطرہ ہے۔ تو میں نے استخارہ کر دیا۔ تو یہ آیت نکلی وان تعرض عنهم فلن یضروک شیئا وان حکمت فاحکم بینهم بالقسط (سورہ مائدہ آیت ۴۲) (اگر تم ان سے روگردانی کرو گے تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر فیصلہ کرو تو ان کے مابین انصاف سے فیصلہ کرو)۔

سترہویں کرامت: کسی شخص نے میرے پاس شادی کے لیے استخارہ کیا تو یہ آیت آئی وهو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسباً وصهراً (سورۂ فرقان آیت ۵۴) [وہ وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو بیٹا (بیٹی اور بہو) اور داماد بنایا]۔

اٹھارویں کرامت: کئی دفعہ ایسا ہوا کہ شادی کے بارے میں استخارہ کیا گیا اور یہ آیت نکلی کلتا الجنتین آتت اکلها ولم تظلم منه شیئاً وفجرنا خلالهما نهراً ○ وکان له ثمر. (سورۂ کہف آیت ۳۳۔۳۴) (یہ دونوں باغ خوب پھل لایا کرتے تھے اور ان پھلوں میں ذرا بھی نقصان نہ ہوتا تھا اور ہم نے ان دونوں کے بیچ میں ایک نہر جاری کر دی تھی اور اس شخص کے پاس بہت مال تھا)۔

انیسویں کرامت: دو بھانجے ہندوستان کا سفر کرنا چاہتے تھے ان کا ماموں ہندوستان میں تھا لیکن وہ شخص بڑا فاسق اور شراب خور مشہور تھا اور یہ دونوں بھانجے اس کے پاس جانا چاہتے تھے۔ تو میں نے استخارہ نکالا یہ آیت آئی اما احدکما فیسقی ربه خمراً واما الاخر فیصلب. (سورۂ یوسف آیت ۴۱) (تم میں سے ایک تو اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور دوسرا سو پھانسی دیا جائیگا۔)

بیسویں کرامت: ایک شخص کو یہودی حکومت طلب کر رہی تھی کہ اس کو اس یہودی حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔ اور اس شخص نے بار بار استخارہ کرایا۔ اور ہمیشہ موسیٰ ؑ ہارون اور بنی اسرائیل کی آیات نکلتی تھیں۔

اکیسویں کرامت: ایک شخص کسی اہم کام سے بادشاہ کے حضور جانا چاہتا تھا تو استخارہ نکالا فأوا الی الکهف ینشر لکم ربکم من رحمته

ویھئی لکم من امر کم مرفقا. (سورۂ کہف آیت ۱۶)(کسی غار میں چل رہو تمہارا پروردگار تمہارے لیے اپنی رحمت وسیع فرمادے گا۔)

بائیسویں کرامت: اسی مقصد سابقہ کے لیے کسی شخص کے لیے استخارہ دیکھا تو یہ آیت آئی۔رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھو قولی . (سورۂ طہٰ آیت ۲۵)(اے میرے پروردگار میرا سینہ میرے لیے کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔)

تیئیسویں کرامت: کسی شخص کا اپنی بیوی سے ایک کنیز کی وجہ سے جھگڑا ہوتا تھا تو لوگوں نے مجھ سے استخارہ نکلوایا کہ آیا کنیز کو فروخت کر دیا جائے؟ تو یہ آیت آئی اسکن انت وزوجک الجنۃ.... ولاتقربا ھذہ الشجرۃ فتکو نامن الظالمین . (سورۂ بقرہ آیت ۳۵،سورہ اعراف آیت ۱۹) (اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ اس باغ میں بسو اور جہاں جہاں سے تمہارا دل چاہے خوب کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تمہارا شمار نافرمانوں میں ہو جائے گا۔)

چوبیسویں کرامت: ہندوستان میں فساد ہو رہا تھا ایک شخص نے مجھ سے استخارہ کرایا کہ آیا وہ سفر ہندوستان پر جائے؟ تو یہ آیت نکلی اعرض عن ھذا انہ قد جاء امر ربک وانھم عذاب غیر مردود . (سورۂ ہود آیت ۷۶)(اس سے دست بردار ہو جاؤ۔اس بارے میں تمہارے پروردگار کا حکم قطعی آچکا اور ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو دور نہیں ہوگا۔)

پچیسویں کرامت: کسی نے ظاہرا طور پر خروج کا ارادہ کیا اور استخارہ دیکھا یہ آیت آئی۔ولو ارادوا لخروج لاعدوا ولکن کرہ اللہ انبعاثھم فثبطھم وقیل اقعدوا مع القاعدین. (سورۂ توبہ آیت ۴۶)(اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کی کوئی تیاری تو کرتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا ہی ناپسند ہوا بس ان کو سست بنادیا اور ان سے کہہ دیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔)

چھبیسویں کرامت: میں نے اپنے لیے استخارہ دیکھا کہ جس علاقہ میں ہوں وہاں سے چلا جاؤں تو یہ آیت آئی: ربنا اخرجنامن ھذہ القریہ الظالم اھلھا (سورۂ نساء آیت ۷۵)(اے پروردگار ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔)

مرحوم شیخ علی کی جس جس طرح قدرت کی طرف سے آزمائش کی گئی اس میں سے ایک، ایک بیٹے کی مفارقت ہے جو بڑا باکمال تھا اور یہاں اس واقعہ کا ذکر اس لیے کیا جا رہا ہے کہ یہ بڑا عبرت آموز ہے۔غفلت شعار اس کو پڑھ کر ہوش میں آئیں۔صابرین اس سے سبق حاصل کریں اور طلبائے علم دین کے شوق میں اضافہ کا سبب ہو۔

شیخ علی نے کتاب ''درالمنثور'' میں فرمایا ہے کہ میرا دل میرے جگر گوشہ، دل کے ٹکڑے پر کیوں آتش فراق سے نہ جلے کہ ایسا بیٹا جس کو زندگی کے کسی حصے میں آغاز حیات سے انتہائے عمر تک میں نے کھیل کود کی طرف راغب نہ دیکھا یا جس نے بے ادبی سے کبھی نگاہ بھی اٹھائی ہو۔کبھی مجھ سے ہم کلام ہوتا تو نظر اٹھا کر مجھے دیکھتا نہیں تھا۔اس کی نگاہیں جھکی رہتی تھیں۔اور مجھ سے بات کرتا تو اس طرح اس کی زبان لڑکھڑاتی تھی کہ بعض اوقات تو میں اس کی بات سمجھ بھی نہ پاتا تھا۔اور اس نے کبھی مجھ سے براہ راست کسی چیز کا مطالبہ ہی نہ کیا۔دس سال کی عمر سے نماز شب کا عادی تھا۔اور جو مختصر زندگی اس نے پائی جو کل بائیس (۲۲) سال تھی اس میں اس نے مجھ سے فقہ میں الفیہ مختصر نافع و شرائع کا درس لیا اور مختصر نافع و شرائع کو اس نے اپنی تحریر میں لکھا تھا۔اور اس نے مجھ سے شرح لمعہ پڑھی اور شرح لمعہ کے حاشیہ پر اس نے میرے حواشی لکھے۔اور پھر ان حواشی کو علیحدہ بھی لکھا۔اور ماہ رمضان المبارک کی ہر رات عبادت، تلاوت و دعا کے ساتھ بیدار رہا کرتا تھا۔اور کسی سے بھی یہ شکوہ نہیں کرتا تھا کہ میرے بچے کئی ہیں حالانکہ میں اس کو بہت کم اخراجات دیا کرتا تھا تاکہ اس کو قناعت کی عادت پڑے اور جب کسی مجلس میں کسی کے ساتھ بیٹھا ہوتا تو شرم و حیا کی وجہ سے اپنی طرف سے گفتگو کی ابتداء نہیں کرتا تھا اس کی کل بائیس ۲۲ سال کی عمر ہوئی اور نحو میں اس نے ''شرح اجرومیہ''،''شرح قطر''،''شرح الفیہ ابن مالک'' پڑھیں اور شرح قطر اور شرح الفیہ کو اپنی تحریر میں لکھا اور کسی اور استاد سے اس نے کتاب ''مغنی اللبیب'' بھی پڑھی۔اس نے مجھ سے حدیث میں ''من لایحضرہ الفقیہ'' پوری کی پوری پڑھی اور اس کتاب کے جو میرے حواشی تھے وہ اس نے

اس پر لکھے۔اور کچھ ''تہذیب'' سے بھی پڑھا۔اور رجال میں مجھ سے علامہ کا ''خلاصہ'' اور کتاب ''درایہ'' پڑھی اور دونوں کو اپنے ہاتھ سے لکھا بھی۔اور ''معالم'' کا کچھ حصہ مجھ سے پڑھا اور کچھ کسی اور سے اور اس کو خود ہی لکھا۔اس کے علاوہ ''شرح شمسیہ''، ''مختصر تلخیص'' اور ''مطول'' کا کافی حصہ اور ''شرح تجرید'' اور ''خلاصۃ الحساب'' اور ''حساب'' اور ''تشریح الافلاک'' میں کچھ رسالے بھی پڑھے۔علم ہیئت میں ''شرح چغمینی'' اور ''اشکال اقلیدس کی تحریر'' پڑھیں اور اپنے ہاتھ سے ان کو لکھا اور بڑا خوبصورت لکھا اور شروع میں ان سب کی اشکال بھی بنا دیا کرتا تھا۔اور اس نے تفسیر قاضی کی کتابت بھی شروع کی ہوئی تھی۔اور خوشخطی میں تو وہ بڑے بلند مقام پر تھا۔اور قلم سے کتاب پر سرخ روشنائی سے حاشیہ بنا دیا کرتا تھا۔جب میں اس کتاب کو دیکھتا تو کہتا کہ یہ لائنیں (Outlines) کیوں بنائی ہیں تو کہتا تھا کہ میں نے اسے جلد (Set) کر دیا ہے اور جدول کھینچ دیا ہے اور جب میں دیکھتا تھا کہ کسی وقت میں نے کسی کتاب کی تصحیح کی اور پھر تھک گیا تو وہ ایک گھنٹہ دو گھنٹہ، تین گھنٹہ بلکہ چار گھنٹہ تک اس کام کو اکیلا کر دیا کرتا تھا۔اور جب کوئی کام دیکھتا تو اس کے پورا کرنے کے لیے اسباب مہیا کرتا اور اس کام کو کر ڈالتا تھا۔اور جب وہ آٹھ سال کا تھا تو ایک دفعہ مجھ سے پوچھا تھا کہ جو بچے بالغ ہونے سے پہلے مر جاتے ہیں وہ بہشت میں جاتے ہیں میں نے کہا: ہاں تو کہنے لگا کہ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بچپنے ہی میں موت سے ہمکنار کر دے تاکہ میں بہشت میں داخل ہو جاؤں تو میں نے جواب میں کہا کہ اگر بڑے لوگ بھی نیک عمل بجالائیں تو وہ بھی بہشت میں جائیں گے۔اس نے تمام عمر مجھ سے کبھی کوئی سوال نہ کیا لیکن جب میں درس دیتا ہوتا تھا اور اس کا چہرہ سکڑا ہوا دیکھتا تھا تو میں اس مسئلہ کو پھر دہراتا تھا تو مجھے معلوم ہوتا تھا کہ جس انداز پر میں نے مسئلہ کو سمجھایا وہ نہیں سمجھ سکا ہے تو میں اس مسئلہ کو پھر دوسرے طریقے سے سمجھاتا اور جب وہ سمجھ جاتا تو اس کا چہرہ کھل اٹھتا تھا۔

شروع میں میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ اس لیے کم گو ہے کہ اس کی زبان میں روانی نہیں ہے لیکن جب اس نے درس پڑھنا شروع کیا یا مقابلہ کرتا تھا تو اس کی زبان نہایت تیز کاٹنے والی تلوار سے بھی زیادہ تیز ہوتی تھی۔اور میں نے کبھی اس کے منہ سے کسی کی غیبت نہیں سنی۔ایام ماہ رمضان المبارک میں، میں اسکی ملاقات کو جاتا تو میری آواز سنتے ہی وہ کتاب کو بند کر دیتا اور مصلیٰ سمیٹ دیتا تھا تو میں کہتا کہ بیٹا یہ تو تلاوت وقرأت کی راتیں ہیں تم بھلا بیکار کیوں بیٹھے ہو تو از روئے حیا سر جھکا لیتا اور کوئی جواب نہ دیتا تو اس کی بیوی بتاتی تھی کہ وہ عبادت میں ہی مشغول تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اس کو ایک بیٹا عنایت کیا لیکن وہ چند دن کا ہو کر وفات کر گیا میں اس بچے کی موت پر بہت رویا لیکن میرا بیٹا بہت کم رویا اور یوں لگتا تھا کہ وہ راضی برضائے رب ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے تین بیٹیوں سے نوازا جب بھی کوئی بچی اس کے ہاں پیدا ہوتی تو بڑا خوش و مسرور ہوتا اور اپنی بیوی سے کہتا کہ خدائے تعالیٰ نے ہمارے ثواب میں اضافہ فرمایا ہے۔اور اگر کوئی بیٹی کسی چیز کی فرمائش کر دیتی تو دوڑ کر بازار جاتا اور اس کی مطلوبہ چیز اس کو لا کر دیتا اور کبھی مجھ سے یہ نہ کہتا کہ مجھے سواری کے لیے گھوڑا دیدیں حالانکہ میرے پاس گھوڑے تھے اور مجھے ان کی ضرورت بھی نہیں تھی اور اپنے اخراجات کی رقم مجھ سے خود نہیں مانگتا تھا بلکہ کسی کنیز یا بچے کو بھیج دیتا تھا اور اگر میں کبھی یہ ہدایت کرتا کہ دیکھو فضول خرچی نہ کرنا تو خاموش رہتا اور اگر کبھی جواب دیتا بھی تو یہ کہ آپ بھی صاحب اولاد ہیں اور میرے بھی بچے ہیں چنانچہ ہم دونوں کا بالکل یکساں معاملہ ہے۔اور جب وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے والا تھا تو کچھ دن قبل اس نے مجھ سے حضرت رضا علیہ السلام کی زیارت کی اجازت چاہی تو میں نے کہا کہ میں تمہاری مفارقت برداشت نہیں کر سکتا۔کسی اور وقت ان شآء اللہ میں بھی تمہارے ساتھ سفر زیارت پر جاؤں گا۔اس نے پھر ایک دفعہ اجازت طلب کی تو میں نے قرآن مجید سے فال نکالی تو یہ آیت آئی فلن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی اویحکم اللہ لی وھو خیر الحاکمین (سورہ یوسف آیت ۸۰) (پس میں تو اس ملک سے کہیں نہیں جاؤں گا جب تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہ دیں یا خدا میرے حق میں کوئی فیصلہ نہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔) تو میں نے کہا کہ میں تمہیں اجازت نہیں دے سکتا۔اس کے چند دن بعد وہ بیمار ہو گیا اور عالم آخرت کی طرف انتقال کیا۔وہ صرف آٹھ دن بیمار رہا۔ہم نے اس کی میت کو شہر مقدس بھیجا اور وہاں اسکی تدفین ہوئی۔

کچھ عرصہ کے بعد اس کے چچا زاد نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ ان کے دروازے پر آیا ہے۔چچا نے دیکھا کہ وہ دروازے کو دستک دے رہا ہے تو

وہ باہر نکلے دیکھا کہ ایک بڑے خوبصورت گھوڑے پر سوار ہے۔ انہوں نے اس سے اندر آنے کو کہا تو کہنے لگا کہ مجھے اب آپ کا گھر اچھا نہیں لگ رہا مجھے تو اللہ نے موتیوں اور جواہر کا گھر عطا کیا ہے لیکن میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کو مطلع کروں کہ میرے پاس ایک شخص کی کتاب ہے جو میں نے اس سے عاریتاً لی تھی۔ اس شخص کا نام ملا افضل ہے اور میں نے اس کتاب کے متعلق کوئی وصیت نہیں کی تھی۔ وہ میرے صندوق میں سولہ ہزار نمبر کی ہے۔ شیخ علی کہتا ہے کہ میں نے کسی کو بھیجا اور وہ صندوق کھلوایا گیا تو جو چیزیں اس نے بتائی تھیں سب اسی طرح اس میں لکھی ہوئی تھیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ خواب بالکل صحیح تھا۔

میرے بیٹے کی تاریخ ولادت روز ہفتہ کی آخری ساعت ۱۸ ذی الحجہ ۱۰۵۶ھ اور وفات ماہ ذی الحجہ کی بائیس تاریخ ۱۰۷۸ھ تھی اس سے دو سال پہلے میرا ایک اور بیٹا جو صرف آٹھ سال کا تھا داغ مفارقت دے چکا تھا۔

شیخ سلیمان

شیخ سلیمان بن صالح بن عصفور درازی بحرانی فاضل، محدث، فقیہ اور زاہد انسان تھے اور وہ صاحب "حدائق" شیخ ابراہیم بن حاجی احمد کے دادا کے چچا تھے اور حاج صالح کی سب سے بڑی اولاد تھے۔ ان کے پاس غوطہ خوری کے لیے کشتیاں تھیں حاجی احمد نے کشتیوں کا کام اپنے بھائی کے حوالے کیا ہوا تھا۔ لیکن شیخ سلیمان کو کوئی مرض لاحق ہو گیا تو حاجی احمد نے انہیں اس خدمت سے معاف کرتے ہوئے گھر پر چھوڑ دیا اور شیخ محمد بن سلیمان مقابی بحرانی کو گھر لے کر آئے تا کہ شیخ سلیمان کو تعلیم دی جائے۔ شیخ سلیمان اور شیخ محمد بن سلیمان ان دونوں نے شیخ علی بن سلیمان کی شاگردی اختیار کی اور دونوں بلند مقام پر فائز ہوئے۔ شیخ سلیمان بن صالح اپنی جگہ فقیہ ضرور تھے لیکن بحری تجارت اور غوطہ خوری کا مشغلہ رکھتے تھے اور لوگوں کے مرجع تھے اور غوطہ خور پہلے ان کے ہاتھ جواہر فروخت کرتے تھے اور منافع سب کو تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

ایک عجیب واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قریہ دراز کے قریب بنی حمزہ کے قصبہ کے ایک شخص نے بہت سے موتی جن کی حقیقت کا اندازہ نہیں تھا بہت کم قیمت میں شیخ سلیمان مذکور کو فروخت کر دیئے۔ شیخ نے وہ موتی کسی کو اصلاح کرنے کے لیے دیئے تو وہ بڑے خوبصورت ہو گئے اور اس زمانہ میں تقریباً ۵۰ تومان قیمت بنی تو شیخ نے اس بیچنے والے سے کہا کہ یہ موتی اتنی قیمت میں فروخت ہوئے ہیں تو جتنی زیادہ قیمت ہمیں حاصل ہوئی ہے وہ تمہارا حق ہے اور میں صرف اصل سرمایہ لوں گا باقی مال تمہارا ہے۔ فروخت کنندہ نے کہا کہ میں یہ قیمت نہیں لے سکتا کیونکہ میں یہ مال آپ کو فروخت کر چکا تھا۔ اگر یہ خراب نکلتا تو آپ کا پیسہ ہی ڈوبتا اب جبکہ اس سے زیادہ آمدنی ہوئی ہے تو وہ بھی آپ ہی کی ہے چنانچہ فروخت کنندہ بھی وہ زائد رقم قبول نہیں کر رہا تھا اور شیخ بھی اس کو نہیں لے رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا کہ اس مال کا کچھ حصہ فروخت کنندہ کا ہے اور کچھ حصہ خریدار کا ہے۔ شیخ نے کربلائے معلیٰ میں ۱۰۸۵ھ میں انتقال کیا۔ شیخ محمد بن سلیمان بھی علمی لحاظ سے بڑے بلند مراتب تک پہنچے حتیٰ کہ انہیں ریاست عامہ کا مرتبہ حاصل ہوا۔ ان کے تین فرزند تھے جو سب کے سب فاضل تھے لیکن سب سے افضل شیخ عبدالغنی تھے جو مجتہد و فقیہ اور بڑے پرہیزگار و صالح تھے فقہ اور فروع میں اتنی واقفیت کے حامل تھے کہ اس میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ دوسرے شیخ سلیمان تھے وہ بھی فاضل تھے۔ تیسرے شیخ زین الدین تھے اور ان شیخ زین الدین کا بھی ایک بیٹا تھا جو پرہیزگاری اور تقویٰ میں لاثانی تھا اس کا نام شیخ علی تھا اللہ اس پر رحمت نازل فرمائے۔

شیخ احمد بن ابراہیم

شیخ احمد بن شیخ ابراہیم بن حاج احمد بن حاج صالح بن احمد بن عصفور بن عبدالحسین بن عطیہ بن شبہ ایک فاضل مجتہد اور فقیہ شخص تھے بحث و مباحثہ میں کبھی دل برداشتہ نہ ہوئے، نہ غصہ میں آتے، تھکن کا اظہار کرتے نہ بے چین ہوتے حالانکہ جو لوگ مباحثہ کے ماہر نہیں ہوتے وہ بہت جلد غیظ و غضب

میں آجاتے ہیں۔

ایک دفعہ شیخ کتاب کافی کا درس دے رہے تھے۔ان کے حلقہ درس میں بہت سے لوگ تھے۔ان میں ایک علی بن عبدالصمد احسائی بھی تھے۔وہ بھی فاضل اور گہری نگاہ رکھنے والے انسان تھے۔تو صاحب کافی کے ایک قول پر بحث ہونے لگی کہ اجب بغیر حجاب تو اس فقرہ پر بحث چلی ابتدائے درس یعنی صبح کے وقت سے ظہر کے وقت تک جاری رہی اور شیخ احمد اور شیخ علی بحث کو ایک علم سے دوسرے علم کی طرف منتقل کرتے چلے جارہے تھے۔اور بھی ایک مسئلہ سے پلٹ کر دوسرے مسئلہ پر آجاتے۔یہاں تک کہ اول ظہر کا وقت آپہنچا اس وقت یہ مجلس ختم ہوئی اور وہ الگ الگ ہوگئے عصر کے بعد پھر درس کا آغاز ہوا اور شیخ علی مغرب تک بحث میں لگے رہے۔

شیخ کی بہت سی تصنیفات ہیں اس میں ایک رسالہ "حیات بعد الموت" پر ہے، رسالہ "جوہر و عرض"، ایک رسالہ "تجزء لا یتجزیٰ" (غیر منقسم جزء) پر ہے اور اس میں حکماء کا طریقہ اختیار کیا ہے۔اوزان کے بارے میں رسالہ اور رسالہ "استثنائیہ در اقرار" اور "شرح حمد یہ شیخیہ" شیخ سلیمان بن عبداللہ جن کا ذکر گزر چکا ہے۔اس میں انہوں نے ان کی تعریف کی ہے اور شیخ سلیمان پر بعض اعتراضات بھی کیے ہیں اور جب یہ شرح شیخ سلیمان کو پہنچائی گئی تو انہوں نے کہا کہ جو کوئی ان اعتراضات کے جواب دے گا میں اس کو مالدار بنا دونگا۔اس پر شیخ احمد نے کہا کہ اگر آپ پلٹیں گے تو ہم دوبارہ پلٹ دیں گے یعنی اگر کوئی ان اعتراضات کے جوابات دے گا تو ہم دوبارہ ان جوابات کو بے بنیاد قرار دیدیں گے۔

اور رسالہ اس بیان کے ثبوت میں کہ ولی صرف بالغ رشید انسان بن سکتا ہے۔اور رسالہ "ہدم طلقہ یا طلقتین تحلیل محلل وعدم آن" اور اس رسالہ میں انہوں نے عدم ہدم کو اختیار کیا ہے۔اور یہ بالکل مشہور قول کے خلاف بات ہے اور اس رسالہ کو دراصل وہ شیخ عبداللہ بن صالح کی رد میں لکھ رہے تھے۔اور قرعہ کے بارے میں بڑا عمدہ رسالہ لکھا ہے اور تقیہ پر بھی ایک عجیب انداز میں رسالہ لکھا ہے اور زوال کے موضوع پر جو لمعہ میں بحث ہے اس پر رسالہ اور قبل مباشرت میاں بیوی کی موت واقع ہو تو آیا تمام مہر واجب ہے یا نہیں اس موضوع پر رسالہ، اور آیا میت پر گواہ اور قسم کے ذریعہ دعویٰ ثابت ہوتا ہے یا نہیں اس پر رسالہ اور اس میں انہوں نے ثبوت کو ضروری سمجھا ہے اور اس میں اپنے بعض ہم عصر لوگوں جیسے شیخ عبداللہ بن علی بلادی کو رد کیا ہے۔اور صلح کے موضوع پر رسالہ اور غسالۂ نجاست (۱) کی تحقیق کے بارے میں رسالہ اور اس بارے میں رسالہ کہ آیا نماز میں ایک سورہ شروع کرنے کے بعد دوسرے سورے کی طرف عدول کیا جاسکتا ہے؟

اور مسائل شیخ ناصری خطی جارودی کے جوابات میں رسالہ۔یہ بڑا خوبصورت اور عمدہ رسالہ ہے یہ طلاق عدت کی تحقیق کے بارے میں ہے اور اس میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ کیا طلاق عذیہ خلع کی طرح ہے یا نہیں۔اور رسالہ "عطاریہ" اور وہ شیخ علی بن لطف اللہ جو حفصی کے دادا تھے کے مسائل کے جوابات میں ہے اور یہ کتاب تجارت سے منسلک ہے۔اور سید محی بن سید حسین احسائی کے مسائل کے جواب میں رسالہ، مسئلہ متنجس میں کہ آیا عین نجاست دور ہونے کے بعد نجس ہوتا ہے کہ نہیں اس میں رسالہ، اور یہ مسئلہ محدث کاشانی کا ہے اور وہ اس میں منفرد ہیں اور اس میں انہوں نے ملامحسن کو رد کیا ہے۔اور شیخ عبدالامام احسائی کے مسائل کے جواب میں رسالہ اور اس موضوع پر رسالہ کہ آیا غسل میں سر کے ساتھ گردن بھی شامل ہے اور شیخ عبداللہ بن صالح نے گردن کو سر کے حصہ میں داخل نہیں سمجھا ہے۔

شیخ احمد کی وفات قطیف میں ۲۲، ماہ صفر ۱۲۴۱ھ میں بوقت صبح واقع ہوئی۔اور حنا کہ نامی قبرستان میں مدفون ہوئے اس وقت ان کی عمر تقریباً ۷۴ سال تھی۔

مولف کہتا ہے کہ رسائل اور تالیفات کا تذکرہ اس کتاب میں چند وجوہات کی بنا پر کیا گیا ہے۔

۱۔تا کہ کتابوں کے مولفین کے مرتبہ کا اندازہ ہوجائے۔

(۱) غسالہ: وہ پانی جس سے ہاتھ، منہ یا جسم دھویا گیا ہو۔(مترجم)

۲۔اگر وہ کتابیں اور رسالے کوئی پڑھے تو مولفین کی مغفرت کا سبب ہو کہ وہ کس بلند مرتبہ پر فائز تھے۔

۳۔ان کتابوں کے ذکر کی وجہ سے شوق تحصیل علم ہو اور طالب علموں کو بھی تالیف اور لکھنے سے لگاؤ پیدا ہو۔

۴۔چوتھے یہ کہ ان کتابوں کو دیکھنے اور پڑھنے کا رجحان پیدا ہوتا کہ علماء کی یاد تازہ ہو اور بہت سے کاموں کی انجام دہی میں سہولت ہو خصوصاً رسائل بہت کارآمد ہوتے ہیں کیونکہ الگ الگ موضوع پر جو رسالہ لکھا جاتا ہے اس میں زیادہ محنت سے کام کیا جاتا ہے اور بہت چھان بین اور تحقیق کی جاتی ہے۔اور بہت سے مقدمات ومبانی کا بھی ذکر ہوتا ہے چنانچہ مختلف کاموں میں رسائل زیادہ اور فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔مولف کتاب کہتا ہے کہ ہمارے بیان میں ایک فقرہ آیا تھا احجب بغیر حجاب تو میں چاہتا ہوں کہ اس کی تھوڑی سی تشریح وتوضیح ہو جائے تو اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کوئی پردہ حائل کیے پردہ میں ہے۔یعنی اس کی ذات آنکھوں سے،نگاہوں سے،افکار سے،اذہان واوھام سے بالاتر ہے اور چھپی ہوئی ہے۔ان تمام وسائل کے ذریعہ بھی اس کی ذات اقدس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔اور اس ذات نے ان سب سے اس طرح پوشیدگی اختیار کی ہوئی کہ ظاہری طور پر کوئی پردہ بھی درمیان میں حائل نہیں۔ یعنی وہ ذات اس قدر لطیف،ضیا بار اور نورانی ہے کہ ممکناتِ عالم اس کی ادراک کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔چنانچہ وہ ممکنات سے پردہ میں ہے جیسے کہ کوئی اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لے تو اس کے چہرے کو دیکھا نہیں جاسکتا۔اور خصوصیت سے جب یہ پردہ پوشی اللہ کی جانب سے ہو۔جیسے اللہ نے فرمایا ختم اللہ علیٰ قلوبھم کہ چونکہ مخالفین اپنی جہالت کو اپنی عقل پر غالب کر لیتے ہیں تو وہ بالکل اس طرح ہے کہ جیسے خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور خدا جس چیز پر مہر لگا دے کس میں طاقت ہے کہ اس مہر کو توڑ سکے اس طرح ان کے دل ایسے ہو گئے ہیں کہ حق ان پر اپنی تاثیر پیدا ہی نہیں کر سکتا۔اور یہ آخری عبارت ایک تمثیلی عبارت ہے کہ ایک چیز کی مثال ویسی ہی چیز سے دی جاتی ہے۔تو خدا کا پردہ میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ جیسے کوئی اپنے اوپر پردہ ڈال لے حالانکہ ہمارے اور اسکے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں لیکن امکانی ذرائع سے اس کو دیکھنا ناممکن ہے۔

شیخ عبداللہ بن حاج صالح جمعہ

شیخ عبداللہ بن حاج صالح بن جمعہ بن علی بن احمد بن ناصر بن محمد بن عبداللہ سماھیجی کا تعلق سماھیج سے ہے جو جزیرہ صغیرہ کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے یہ شیخ خالص اخباری تھے اور مجتہدین پر بڑے اعتراضات کیا کرتے تھے۔ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے ایک ''جواھر البحرین در احکام ثقلین'' ہے اس میں انہوں نے احادیث کی ترتیب اور باب بندی وافی اور رسائل سے الگ انداز پر کی ہے اور کتب اربعہ کے مقابلہ میں اختصار سے کام لیا ہے جس کی ایک ہی جلد ہے اور جلد ثانی کا تھوڑا سا حصہ ہے۔کتاب ''محمدیہ'' جس میں صرف دینی مسائل ہیں کتاب ''صحیفہ علویہ وتحفہ مرتضویہ'' دیباج وحریر کے مسائل کے بارے میں رسالہ،اور رسالہ ''عنونی المسائل الخلافیہ'' اس میں طہارت ونماز کے مسائل ہیں اور یہ کتاب انہوں نے سید عبداللہ بن سید علوی کے لئے تالیف کی اور یہ سید عبداللہ صاحب ''حدائق'' کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور تین مسائل کلامیہ کے بارے میں رسالہ علویہ جو انہوں نے شیخ علی بن سلیمان بن علی شاخوزی کے جواب میں لکھی۔اور ایک رسالہ جس کا نام ''مسائل الجد اول وجد اول المسائل'' ہے اور ایک رسالہ اپنے والد کے لیے لکھا، ''بندر کنگ'' اور یہ رسالہ عورت کے غسل ونماز میں بھائی باپ وغیرہ سے زیادہ شوہر کے حقدار ہونے کے بارے میں ہے اس میں انہوں نے صاحب ''مدارک'' کی بات کو رد کیا ہے۔اور ایک رسالہ اثبات توحید میں اور علم نجوم کی پوشیدہ باتوں کے مسائل میں رسالہ اور یہ کل نوے ۹۰ مسائل ہیں اور پیغمبر کو غسل دیئے جانے کے بارے میں رسالہ،''رسالہ بہبہانیہ'' اموات کے احکام کے بارے میں جو بائیس ۲۲ مسائل پر مبنی ہے۔اور ایک اور رسالہ جو اسی سابقہ ذکر کیے ہوئے رسالے سے منتخب کر کے لکھا گیا ہے اور فارسی زبان میں ہے۔اور دو مسئلوں کے جواب میں رسالہ جس میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ نمازِ صبح اور طلوع آفتاب کے درمیان نفلی نماز پڑھنا جائز ہے اور دوسرا یہ کہ نماز راتبہ افضلیت رکھتی ہے چاہے کوئی قضا نماز ہی تعقیب میں پڑھی جائے۔اور ایک ''رسالہ لذت فعلیہ'' جو

عقلاً وشرعاً منع ہے اس کے اثبات میں، مسائل حیض میں رسالہ، اور ایک رسالہ ''حقیقت بندگی'' وجوب تشہد میں، اور ایک رسالہ شب و روز میں جو عمال ... ضمانت کے بارے میں۔ اور ایک رسالہ ''کفایہ در علم نجوم'' نامی۔ یہ نامکمل ہے۔ اور ایک رسالہ کہ زوجہ کو اپنے کپڑوں وغیرہ پر کیا خرچ کرنا چاہئے۔ اور علم رجال میں ایک منظومہ ''تحفۃ الرجال وزبدۃ المقال'' نامی اور ایک رسالہ ''بلغہ صافیہ وتحفہ وافیہ'' نامی۔ اور کتاب ''شرح اسناد من لا یحضرہ الفقیہ'' اور شرح من لا یحضرہ الفقیہ'' میں ایک کتاب ''من لا یحضرہ النبیہ''۔ یہ دونوں کتابیں نامکمل ہیں۔ اور مسئلہ سلیمانیہ میں رسالہ اس مسئلہ پر کہ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام اور رسالہ صاحب ''مدارک'' کی حمایت میں کہ مئزر کفن کا حصہ ہے اور ان لوگوں کی مخالفت میں جو کہتے ہیں کہ مئزر واجب نہیں ہے۔ اور رسالہ اصول کافی کی مشکل حدیث اسماء اللہ کی شرح میں اور شیخ بہائی کے رسالہ اثنی عشریہ در صلوٰۃ کا منظومہ رسالہ، اور رسالہ اس بارے میں کہ شرعی جائیداد سے صرف کرنے والے کو تصرف سے روکا نہیں جاسکتا لیکن سوائے اس سبب کے کہ وہ غاصب ہو یا یہ شہادت دے کہ جائیداد اب مدعی کی جائیداد ہے۔ اور ایک رسالہ خراسان میں لکھا جو ملا سلیمان بن ملا خلیل قزوینی کی رد میں تھا اور اس میں یہ تحقیق ہے کہ وہ شخص یا رھط (جماعت) کون سی ہے جس پر نماز جمعہ واجب ہے۔ رسالہ سر کے اگلے حصہ کی تحقیق میں جس پر مسح کرنا واجب ہے۔ یہ نامکمل رسالہ ہے۔ رسالہ کن اوقات میں جن چیزوں کی فروخت جائز ہے اور جن کی نہیں ہے ان کے بارے میں۔ اور کتاب مصائب الشہداء ومناقب السعداء جو پانچ جلدوں میں ہے۔ رسالہ حرام سے مخلوط غذا کھانے کے جواز میں جبکہ غیر محصور ہوں۔ رسالہ نوحیہ جو شیخ نوح کے جواب میں لکھا اور اصول فقہ کے متعلق ہے۔ اور کتاب ریاض الجنان جو گویا موتیوں، مونگوں سے پر ہے اور مشکول کی طرح ہے اور خطبوں کی کتاب جو انہوں نے جمعہ اور عیدین وغیرہ کے لیے لکھے۔ اور کتاب ''منیۃ الممارسین'' شیخ کے جوابات میں لکھی۔ ان کی وفات شب بدھ ۹، جمادی الثانی ۱۱۳۵ھ میں واقع ہوئی۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

میر محمد مومن

میر محمد مومن حسینی استر آبادی، نور الدین جن کا ذکر گزر چکا ہے کے شاگردوں میں سے تھے اور ان ہی سے اجازہ بھی حاصل کیا تھا۔ اللہ ان پر رحمت نازل کرے اور آخرت میں ان کو اپنے اولیاء نبی اور ان کی آل پاک کے ساتھ محشور فرمائے۔

میر محمد صالح بن عبد الواسع

میر محمد صالح بن عبد الواسع الحسینی جن کے متعلق 'لؤلؤ'' میں کہا گیا ہے کہ اپنے وقت کے سب سے افضل اور وقت کے صاحبان ایمان میں پرہیزگار ترین انسان تھے بہت بڑے عالم اور محقق تھے۔ جلیل القدر باکمال سید تھے۔ اور ان کو علامہ اخوند ملا محمد باقر مجلسی سے اجازہ حاصل تھا۔ اللہ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے اور تمام گزرے ہوئے علماء پر بھی۔

محمد قاسم

محمد قاسم ابن محمد صادق استر آبادی کو مرحوم آخوند ملا محمد باقر مجلسی سے اجازہ حاصل ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر اور تمام گذشتہ علماء پر رحمتوں کا نزول فرمائے۔

محمد بن حسن مشہور بفاضل ہندی

محمد بن حسن اصبہانی عالم، فاضل کامل محقق، بہت دانا مدقق، فقیہ، متکلم، تمام فضائل اور خوبیوں کے جامع، حکیم، بے مثل مکارم و مفاخر کے حامل المعی یلمعی لوزعی یزدعی وجدی خدائے یگانہ کے الطاف و کرم سے تائید حاصل کیے ہوئے تھے۔ لقب بہاء الدین ہے اور عرفاً فاضل ہندی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۰۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ علامہ مجلسی آخوند ملا محمد باقر کے شاگرد ہیں اور مولف کتاب نے اپنی کتاب ''تذکرۃ العلماء'' میں لکھا ہے کہ ۱۸ سال کی عمر میں اجتہاد کے درجہ پر فائز ہو گئے تھے۔ لیکن یہ صرف سنی سنائی باتیں ہیں انہوں نے کشف اللثام میں اپنے بارے میں یہ لکھا ہے کہ سن بلوغت سے پہلے ہی مرتبہ اجتہاد حاصل کر لیا تھا۔ جیسا کہ ہم آگے لکھیں گے۔

کہتے ہیں کہ شاہ سلطان حسین صفوی نے مجلسی سے کہا کہ ایسا عالم بتائیں جو شرعی ذمہ داریوں سے آزاد ہو یعنی ابھی تکلیف شرعی اس پر عائد نہ ہوئی ہو تا کہ وہ بادشاہ کے حرم سرا میں آ کر خواتین کو مسائل دینی کی تعلیم دے تو مجلسی نے فاضل ہندی کو جو محض ایک بچہ تھے وہاں بھیج دیا اور وہ اہل حرم کو دینی مسائل کی تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن اچانک آنکھیں بند کیے ہوئے حرم سرا سے باہر نکل آئے تو لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میں ابھی ابھی حد بلوغ کو پہنچا ہوں اور میں نے فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں تا کہ عورتوں پر نگاہ نہ پڑے اور باہر نکل آیا۔

وہ بہت غریب تھے اور کتابت کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان کے پاس مقدمہ لیکر آتا تو کہتے کہ میں صاحب عیال ہوں اور محنت مزدوری سے گزارہ کرتا ہوں اگر تم مجھ سے مقدمہ کا فیصلہ کرانا چاہتے ہو تو دونوں پارٹیاں مجھے اجرت دیں تو میں تمہارے مقدمہ کا فیصلہ کروں گا۔ ابھی آپ کی تیرہ سال کی عمر بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ علوم عقلی و نقلی کی تحصیل سے فارغ ہو چکے تھے۔ شیخ اسد اللہ کاظمینی جو مرحوم شیخ جعفر نجفی سابق الذکر کے داماد تھے نے اپنی کتاب ''مقابیس الانوار'' میں لکھا ہے کہ فاضل ہندی نے ابتدائی زندگی جب وہ بہت ہی چھوٹے تھے ہندوستان میں بسر کی اسی لیے وہ فاضل ہندی کہلاتے ہیں۔ اور ہندوستان کے مخالف علماء سے ان کے بڑے عجیب مناظرات و مباحثات ہوتے تھے جس میں وہ ان کو ملزم ٹھہراتے تھے اور جب دس سال کے ہو چکے تو عمر کے گیارہویں سال سے ہی کتابیں رسالے اور حاشیے جو علوم ادبی، اصول دینی اور فقہ سے متعلق ہوتے تھے لکھنے شروع کر دیے تھے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں ''ملخص التلخیص'' اور اس کی شرح، ''مناهج السویہ روضۃ البہیہ'' کی شرح میں لکھی۔ اور روضہ البہیہ خود ''شرح لمعہ'' ہے۔ اور بڑی مبسوط کتاب ہے اور فوائد و تحقیقات سے پُر ہے۔ یہ کتاب ۱۰۸۸ھ میں تمام ہوئی اور اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ اس کی کئی جلدیں ہیں۔ یہ کتاب عبادت کے موضوع پر ہے۔ اور کتاب کشف اللثام جو قواعد علامہ کی شرح ہے اس کی دوسری جلد پر نکاح سے لیکر آخر تک کی شرح لکھی۔ اور پہلی جلد سے طہارت، حج اور کچھ نماز کے بارے میں اپنے طور پر لکھا جو بہت مختصر ہے اور صرف نہایت اہم اقوال و دلائل اس میں درج کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ''کشف اللثام'' میں اور کچھ نہیں ملتا۔ اور کتاب ''ملخص الشفاء'' جو شیخ ابو علی سینا کی کتاب ''شفا'' کا خلاصہ ہے۔ لیکن یہ کتاب مکمل نہیں ہے اس کے بعد شیخ اسد اللہ کہتے ہیں کہ ابتدائی زندگی میں مجھے بھی یہی تمام حالات پیش آئے جو فاضل ہندی کو درپیش ہوئے تھے۔ لیکن ابتدائے بلوغت سے ہی زمانہ کی نیرنگیوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ اور حوادث زمانہ سے شاید ہی مجھے کسی وقت نجات ملی ہوتی کہ جب بھی میں انہیں پریشانیوں کا شکار ہوں بہر حال خدا حامی و ناصر ہے اور شکوہ بھی اسی سے کیا جاتا ہے اور توکل بھی اسی کی ذات پر ہے۔ یہاں تک شیخ اسد اللہ کا کلام تھا۔

فاضل ہندی نے ''کشف اللثام'' کے شروع میں مصنف کے دیباچہ کی شرح میں لکھا ہے کہ فخر المحققین نے دس سال کی عمر سے پہلے ہی علم عقلی و نقلی کی کتابیں اپنے والد علامہ سے پڑھ لی تھیں اور ان سے کتاب قواعد لکھنے کی خواہش کی تھی۔ اور پھر کہا کہ خدا کے فضل سے یہ بات بعید نہیں ہے کہ میں بھی عقلی و نقلی علوم کی تحصیل سے فارغ ہو چکا تھا جبکہ ابھی میری عمر پوری تیرہ سال کی بھی نہیں تھی اور میں نے تصنیف کا کام شروع کر دیا تھا جبکہ میں گیارہ سال کا بھی

نہیں ہوا تھا۔ اور اس سے پہلے میں نے دس کتابیں متون، شروح اور حواشی کی لکھ لی تھیں جیسے ''بلاغت'' کا خلاصہ اور ''توابع وزبدہ'' بہائی دین شیخ بہائی
شریعہ میں ''حرز بدیعہ'' اور ان سب کی شرحیں۔ اور ''شرح عقاید نسفیہ کے حواشی'' اور میں ابھی صرف آٹھ سال کا تھا کہ ''مطول'' اور ''مختصر'' یعنی تفتازانی کا
درس دینے لگا تھا۔ یہاں تک فاضل ہندی کا کلام تھا۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ ان امور پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ شہید ثانی نے ''شرح بدایہ، درایہ'' میں لکھا ہے کہ مامون رشید کے زمانہ میں ایک چار سالہ بچہ کو دربار میں لایا گیا جو اس وقت کے علماء سے قیاس اور استدلال کے موضوع پر مناظرہ کرتا تھا اور لوگ اس کو کاندھوں پر اٹھا کر لاتے اور لیجاتے تھے۔ اور جب اسے بھوک لگتی تو کھانے مانگنے کے لیے روتا تھا۔ لیکن حیرت تو صاحب ''حدائق'' پر ہوتی ہے کہ وہ سید بن طاؤس اور فخر المحققین کے بارے میں ان مراتب کا انکار کرتے ہیں جبکہ ہرگز جائے انکار نہیں ہے۔ اور شیخ ابوعلی سینا کے واقعات بھی مدعی کی بات پر گواہ ہیں۔ لہٰذا اگر اس کے بھی کچھ حالات اور حیرت انگیز واقعات بیان کر دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حالانکہ اس کا شمار مشائخ اجازہ میں نہیں ہے وہ حکماء میں سے ہے بلکہ اس کے شیعہ ہونے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ ہم آغاز کرتے ہیں۔ ابوعلی عبداللہ ابن سینا جس زمانہ میں دارالسلطنت اصفہان میں تحصیل علم کر رہے تھے ایک دن بادشاہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ کاشان کے تانبہ کا کام کرنے والے صبح ہی صبح تانبہ کوٹنے لگتے ہیں اور ان کے ہتھوڑوں کی آواز مطالعہ میں مانع ہوتی ہے۔ سلطان کو بڑا تعجب ہوا کہ اصفہان سے کاشان چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اتنے فاصلے سے ہتھوڑوں کی آواز کیسے سنی جا سکتی ہے تو بادشاہ نے بظاہر ابن سینا کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں حکم دے رہا ہوں کہ رات کے وقت تانبہ نہ کوٹا جائے۔ اور اس کے بعد ایک قاصد کاشان بھیجا کہ اس ہفتہ تانبہ کے کاریگر اول شب سے لیکر صبح تک کام کیا کریں۔ جب ایک ہفتہ گزر گیا تو ابوعلی پھر بادشاہ کے پاس پہنچا کہ اس پورے ہفتے کاشان کے تانبہ کے کاریگروں نے ہمیں رات بھر پڑھنے نہیں دیا۔ اُس سے بادشاہ کو اس کی بات کا یقین ہوا اور اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ تانبہ کے کاریگر رات کو کام نہ کیا کریں۔ اور اس کی قوت باصرہ کا یہ عالم تھا کہ چار فرسخ کے فاصلہ سے مکھی کو دیکھ لیتا تھا۔ اور واقعہ یوں ہوا کہ ایک دن بوعلی سلطان کی مجلس میں پہنچا تو دیکھا کہ سلطان دوربین لگائے بیٹھا ہے تو اس نے پوچھا کہ دوربین کیوں لگائی ہے تو سلطان نے کہا کہ چار فرسخ کے فاصلہ سے ایک سوار آ رہا ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کو شناخت کرلوں۔ ابوعلی نے کہا کہ اتنے سے فاصلہ کے لیے دوربین کی کوئی ضرورت نہیں پھر اس جانب نگاہ اٹھا کر دیکھا اور کہا ایک سوار آ رہا ہے جو فلاں شکل وصورت کا اور فلاں لباس میں ملبوس ہے۔ اس کا گھوڑا فلاں رنگ کا ہے اور یہ شخص مٹھائی کھا رہا ہے۔ سلطان نے کہا: کہ مٹھائی کھانے والی چیز ہے وہ کہاں سے دکھائی دے گئی؟ شیخ بوعلی نے جواب دیا کہ وہ میں نے اس طرح پہچانا کہ اس شخص کے منہ کے گرد مکھیاں اڑ رہی ہیں چنانچہ مجھے پتہ چل گیا کہ وہ کوئی میٹھی چیز کھا رہا ہے۔

نیز ابوعلی کہتا ہے کہ ایک دن میں نے عطارد کو دیکھا جبکہ وہ آفتاب کے ساتھ مقارن (ایک ہی درجہ میں) تھا۔ بالکل ایسے جیسے کسی کے چہرہ پر تل ہو حالانکہ عطارد آسمان دوم پر ہے اور شمس (سورج) آسمان چہارم پر لیکن چونکہ مقارنہ تھا یعنی ایک برج میں ایک ہی درجہ میں ایک ہی لمحہ میں جمع ہوئے تھے تو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے آفتاب کے چہرہ پر کوئی تل پیدا ہو گیا ہے۔

شیخ علی کہتا ہے کہ جب میں پیدا ہوا تو یوں لگا کہ جیسے آسمان میں سوراخ ہی سوراخ ہیں تو اس کے بارے میں اسکی والدہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ جب ابوعلی پیدا ہوا تو کسی خاص وجہ سے اس کے چہرہ کو چھلنی سے ڈھانک دیا گیا تھا اس نے اس چھلنی میں سے آسمان کو دیکھا اور اس کو بہت سے سوراخ دکھائی دیئے کیونکہ چھلنی کے سوراخوں میں سے جب اس کی نظر گزری تو اسکی شعاع نگاہ متفرق ہو گئی اور اسے آسمان اس طرح کا دکھائی دینے لگا۔ اس کی قوت دراکی کا یہ عالم تھا کہ ابھی اس کی عمر نو سال کی تھی کہ بادشاہ وقت کی بیٹی کو ایک سنگین مرض لاحق ہو گیا۔ بادشاہ نے ستر طبیب جمع کیے کہ آپس میں مناظرہ کریں اور فیصلہ کریں کہ کونسا علاج اس کے لیے مناسب ہے۔ شیخ علی بھی اس مجلس میں داخل تھا۔ تو پہلے تو تمام طبیبوں نے بحث مباحثہ سے ایک مرض تشخیص کیا کہ اس کو یہ مرض لاحق ہوا پھر اس کے علاج کے بارے میں اختلاف شروع ہوا اور آخر ایک خاص علاج پر سب متفق ہو گئے اب سب کے بعد شیخ رئیس نے ان

محمد بن حسن مشہور بفاضل ہندی

محمد بن حسن اصبہانی عالم، فاضل کامل محقق، بہت دانا مدقق، فقیہ، متکلم، تمام فضائل اور خوبیوں کے جامع، حکیم، بے مثل مکارم ومفاخر کے حامل المعی یلمعی لوذعی یزدعی وجدی خدائے یگانہ کے الطاف وکرم سے تائید حاصل کیے ہوئے تھے۔ لقب بہاء الدین ہے اور عرفاً فاضل ہندی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۰۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ علامہ مجلسی آخوند ملا محمد باقر کے شاگرد ہیں اور مولف کتاب نے اپنی کتاب "تذکرۃ العلماء" میں لکھا ہے کہ ۱۸ سال کی عمر میں اجتہاد کے درجہ پر فائز ہو گئے تھے۔ لیکن یہ صرف سنی سنائی باتیں ہیں انہوں نے کشف اللثام میں اپنے بارے میں یہ لکھا ہے کہ سن بلوغت سے پہلے ہی مرتبہ اجتہاد حاصل کر لیا تھا۔ جیسا کہ ہم آگے لکھیں گے۔

کہتے ہیں کہ شاہ سلطان حسین صفوی نے مجلسی سے کہا کہ ایسا عالم بتائیں جو شرعی ذمہ داریوں سے آزاد ہو یعنی ابھی تکلیف شرعی اس پر عائد نہ ہوئی ہو تا کہ وہ بادشاہ کے حرم سرا میں آ کر خواتین کو مسائل دینی کی تعلیم دے تو مجلسی نے فاضل ہندی کو جو محض ایک بچہ تھے وہاں بھیج دیا اور وہ اہل حرم کو دینی مسائل کی تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن اچانک آنکھیں بند کیے ہوئے حرم سرا سے باہر نکل آئے تو لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میں ابھی ابھی حد بلوغ کو پہنچا ہوں اور میں نے فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں تا کہ عورتوں پر نگاہ نہ پڑے اور باہر نکل آیا۔

وہ بہت غریب تھے اور کتابت کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان کے پاس مقدمہ لیکر آتا تو کہتے کہ میں صاحب عیال ہوں اور محنت مزدوری سے گزارہ کرتا ہوں اگر تم مجھ سے مقدمہ کا فیصلہ کرانا چاہتے ہو تو دونوں پارٹیاں مجھے اجرت دیں تو میں تمہارے مقدمہ کا فیصلہ کروں گا۔ ابھی آپ کی تیرہ سال کی عمر بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ علوم عقلی ونقلی کی تحصیل سے فارغ ہو چکے تھے۔ شیخ اسد اللہ کاظمینی جو مرحوم شیخ جعفر نجفی سابق الذکر کے داماد تھے نے اپنی کتاب "مقابیس الانوار" میں لکھا ہے کہ فاضل ہندی نے ابتدائی زندگی جب وہ بہت ہی چھوٹے تھے ہندوستان میں بسر کی اسی لیے وہ فاضل ہندی کہلاتے ہیں۔ اور ھندوستان کے مخالف علماء سے ان کے بڑے عجیب مناظرات ومباحثات ہوتے تھے جس میں وہ ان کو ملزم ٹھہراتے تھے اور جب دس سال کے ہو چکے تو عمر کے گیارہویں سال سے ہی کتابیں رسالے اور حاشیے جو علوم ادبی، اصول دینی اور فقہ سے متعلق ہوتے تھے لکھنے شروع کر دیئے تھے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں "ملخص التلخیص" اور اس کی شرح، "مناھج السویہ روضۃ البہیہ" کی شرح میں لکھی۔ اور روضہ البہیہ خود "شرح لمعہ" ہے۔ اور بڑی مبسوط کتاب ہے اور فوائد وتحقیقات سے پُر ہے۔ یہ کتاب ۱۰۸۸ھ میں تمام ہوئی اور اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ اس کی کئی جلدیں ہیں۔ یہ کتاب عبادت کے موضوع پر ہے۔ اور کتاب کشف اللثام جو قواعد علامہ کی شرح ہے اس کی دوسری جلد پر نکاح سے لیکر آخر تک کی شرح لکھی۔ اور پہلی جلد سے طہارت، حج اور کچھ نماز کے بارے میں اپنے طور پر لکھا جو بہت مختصر ہے اور صرف نہایت اہم اقوال ودلائل اس میں درج کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ "کشف اللثام" میں اور کچھ نہیں ملتا۔ اور کتاب "ملخص الشفا" جو شیخ ابو علی سینا کی کتاب "شفا" کا خلاصہ ہے۔ لیکن یہ کتاب مکمل نہیں ہے اس کے بعد شیخ اسد اللہ کہتے ہیں کہ ابتدائی زندگی میں مجھے بھی یہی تمام حالات پیش آئے جو فاضل ہندی کو درپیش ہوئے تھے۔ لیکن ابتدائے بلوغت سے ہی زمانہ کی نیرنگیوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ اور حوادث زمانہ سے شاید ہی مجھے کسی وقت نجات ملی ہوتی کہ اب بھی میں انہیں پریشانیوں کا شکار ہوں بہر حال خدا حامی وناصر ہے اور شکوہ بھی اسی سے کیا جاتا ہے اور توکل بھی اسی کی ذات پر ہے۔ یہاں تک شیخ اسد اللہ کا کلام تھا۔

فاضل ہندی نے "کشف اللثام" کے شروع میں مصنف کے دیباچہ کی شرح میں لکھا ہے کہ فخر المحققین نے دس سال کی عمر سے پہلے ہی علم عقلی ونقلی کی کتابیں اپنے والد علامہ سے پڑھ لی تھیں اور ان سے کتاب قواعد لکھنے کی خواہش کی تھی۔ اور پھر کہا کہ خدا کے فضل سے یہ بات بعید نہیں ہے کہ میں بھی عقلی ونقلی علوم کی تحصیل سے فارغ ہو چکا تھا جبکہ ابھی میری عمر پوری تیرہ سال کی بھی نہیں تھی اور میں نے تصنیف کا کام شروع کر دیا تھا جبکہ میں گیارہ سال کا بھی

نہیں ہوا تھا۔اور اس سے پہلے میں نے دس کتابیں متون،شروح اور حواشی کی لکھ لی تھیں جیسے "بلاغت" کا خلاصہ اور "توابع زبدہ" اصول دین میں اور اصول شریعہ میں "حرز بدیعہ" اور ان سب کی شرحیں۔اور "شرح عقاید نسفیہ کے حواشی" اور میں ابھی صرف آٹھ سال کا تھا کہ "مطول" اور "مختصر" تفتازانی کا درس دینے لگا تھا۔یہاں تک فاضل ہندی کا کلام تھا۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ ان امور پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ شہید ثانی نے "شرح بدایہ،درایہ" میں لکھا ہے کہ مامون رشید کے زمانہ میں ایک چار سالہ بچہ کو دربار میں لایا گیا جو اس وقت کے علما سے قیاس اور استدلال کے موضوع پر مناظرہ کرتا تھا اور لوگ اس کو کاندھوں پر اٹھا کر لاتے اور لیجاتے تھے۔اور جب اسے بھوک لگتی تو کھانے مانگنے کے لیے روتا تھا۔لیکن حیرت تو صاحب "حدائق" پر ہوتی ہے کہ وہ سید بن طاؤس اور فخر المحققین کے بارے میں ان مراتب کا انکار کرتے ہیں جبکہ ہرگز جائے انکار نہیں ہے۔اور شیخ ابوعلی سینا کے واقعات بھی مدعی کی بات پر گواہ ہیں۔لہٰذا اگر اس کے بھی کچھ حالات اور حیرت انگیز واقعات بیان کر دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔حالانکہ اس کا شمار مشائخ اجازہ میں نہیں ہے وہ حکماء میں سے ہے بلکہ اس کے شیعہ ہونے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ ہم آغاز کرتے ہیں۔ابوعلی عبداللہ ابن سینا جس زمانہ میں دارالسلطنت اصفہان میں تحصیل علم کر رہے تھے ایک دن بادشاہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ کاشان کے تانبہ کا کام کرنے والے صبح ہی صبح تانبہ کوٹنے لگتے ہیں اور ان کے ہتھوڑوں کی آواز مطالعہ میں مانع ہوتی ہے۔سلطان کو بڑا تعجب ہوا کہ اصفہان سے کاشان چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اتنے فاصلے سے ہتھوڑوں کی آواز کیسے سنی جاسکتی ہے تو بادشاہ نے بظاہر ابن سینا کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں حکم دے رہا ہوں کہ رات کے وقت تانبہ نہ کوٹا جائے۔اور اس کے بعد ایک قاصد کاشان بھیجا کہ اس ہفتہ تانبہ کے کاریگر اول شب سے لیکر صبح تک کام کیا کریں۔جب ایک ہفتہ گزر گیا تو ابوعلی پھر بادشاہ کے پاس پہنچا کہ اس پورے ہفتے کاشان کے تانبہ کے کاریگروں نے ہمیں رات بھر پڑھنے نہیں دیا۔اُس سے بادشاہ کو اس کی بات کا یقین ہوا اور اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ تانبہ کے کاریگر رات کو کام نہ کیا کریں۔اور اس کی قوت باصرہ کا یہ عالم تھا کہ چار فرسخ کے فاصلہ سے مکھی کو دیکھ لیتا تھا۔اور واقعہ یوں ہوا کہ ایک دن بوعلی سلطان کی مجلس میں پہنچا تو دیکھا کہ سلطان دوربین لگائے بیٹھا ہے تو اس نے پوچھا کہ دوربین کیوں لگائی ہے تو سلطان نے کہا کہ چار فرسخ کے فاصلہ سے ایک سوار آرہا ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کو شناخت کرلوں۔ابوعلی نے کہا کہ اتنے سے فاصلہ کے لیے دوربین کی کوئی ضرورت نہیں پھر اس جانب نگاہ اٹھا کر دیکھا اور کہا ایک سوار آرہا ہے جو فلاں شکل وصورت کا اور فلاں لباس میں ملبوس ہے۔اس کا گھوڑا فلاں رنگ کا ہے اور یہ شخص مٹھائی کھا رہا ہے۔سلطان نے کہا: کہ مٹھائی کھانے والی چیز ہے وہ کہاں سے دکھائی دے گئی؟ شیخ بوعلی نے جواب دیا کہ وہ میں نے اس طرح پہچانا کہ اس شخص کے منہ کے گرد مکھیاں اڑ رہی ہیں چنانچہ مجھے پتہ چل گیا کہ وہ کوئی میٹھی چیز کھا رہا ہے۔

نیز ابوعلی کہتا ہے کہ ایک دن میں نے عطارد کو دیکھا جبکہ وہ آفتاب کے ساتھ مقارن (ایک ہی درجہ میں) تھا۔بالکل ایسے جیسے کسی کے چہرہ پر تل ہو حالانکہ عطارد آسمان دوم پر ہے اور شمس (سورج) آسمان چہارم پر لیکن چونکہ مقارنہ تھا یعنی ایک برج میں ایک ہی درجہ میں ایک ہی لمحہ میں جمع ہوئے تھے تو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے آفتاب کے چہرہ پر کوئی تل پیدا ہوگیا ہے۔

شیخ علی کہتا ہے کہ جب میں پیدا ہوا تو یوں لگا کہ جیسے آسمان میں سوراخ ہی سوراخ ہیں تو اس کے بارے میں اسکی والدہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ جب ابوعلی پیدا ہوا تو کسی خاص وجہ سے اس کے چہرہ کو چھلنی سے ڈھانک دیا گیا تھا اس نے اس چھلنی میں سے آسمان کو دیکھا اور اس کو بہت سے سوراخ دکھائی دیئے کیونکہ چھلنی کے سوراخوں میں سے جب اس کی نظر گزری تو اسکی شعاع نگاہ متفرق ہوگئی اور اسے آسمان اس طرح کا دکھائی دینے لگا۔اس کی قوت دراکی کا یہ عالم تھا کہ ابھی اس کی عمر نو سال کی تھی کہ بادشاہ وقت کی بیٹی کو ایک سنگین مرض لاحق ہوگیا۔بادشاہ نے ستر طبیب جمع کیے کہ آپس میں مناظرہ کریں اور فیصلہ کریں کہ کونسا علاج اس کے لیے مناسب ہے۔شیخ علی بھی اس مجلس میں داخل تھا۔تو پہلے تو تمام طبیبوں نے بحث مباحثہ سے ایک مرض تشخیص کیا کہ اس کو یہ مرض لاحق ہوا پھر اس کے علاج کے بارے میں اختلاف شروع ہوا اور آخر ایک خاص علاج پر سب متفق ہوگئے اب سب کے بعد شیخ رئیس نے ان

سے مقابلہ شروع کیا اور ستر دلائل ان طبیبوں کی تعداد کے برابر دے ڈالے کہ جو مرض تم نے تشخیص کیا ہے وہ غلط ہے اور پھر ستر دلیلیں اس بات پر دیں کہ اس کو فلاں مرض ہے اور اس کا فلاں علاج ہے تو ان ستر طبیبوں کو اپنی بے بسی کا اقرار کرنا پڑا اور سلطان نے اس لڑکی کا علاج بوعلی کے سپرد کر دیا اور اس نے بہت کم عرصہ میں اس مرض کا علاج کر دیا۔

اس نے چوبیس سال کی عمر میں تمام علوم میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ اور اس کی قوت حافظہ کا تو جواب ہی نہ تھا۔ اور حاجی ملا نراقی اپنی کتاب ''سیف الامۃ'' میں لکھتے ہیں کہ بوعلی بھاگ کر اصفہان چلا گیا اور کتاب ''قانون'' کو ساتھ نہ لایا۔ طلباء اور علماء نے گزارش کی کہ کتاب ''قانون'' کا نسخہ ہمیں دیدیں۔ تو شیخ رئیس نے کہا کہ میں کتاب قانون ساتھ نہیں لایا ہوں لیکن وہ میرے حافظہ میں محفوظ ہے۔ تو میں بولتا جاتا ہوں تم لکھتے جاؤ۔ یہ کتاب ساٹھ ہزار اشعار ہے۔ شیخ رئیس نے حافظہ سے کتاب قانون کو پڑھنا شروع کیا اور انہوں نے لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد جب کتاب ''قانون'' خراسان سے لائی گئی جو کچھ املا کرایا گیا تھا۔ اس سے مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کی بھی غلطی اس میں نہ نکلی۔ بلکہ ساری کی ساری اصل نسخہ کے مطابق تھی۔

ایک دفعہ ابن سینا کشتی کا سفر کر رہا تھا اسی کشتی میں ایک ماہر علم لغت مُلا اس کا ہم سفر ہو گیا۔ شیخ نے اس سے سوال کیا کہ تم کس کام سے جا رہے ہو؟ اس نے کہا: میں نے ایک عربی لغت تیار کی ہے اور وہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ابوعلی نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ جب تک ہم کشتی کا سفر کریں اس دوران تم مجھے مطالعہ کے لیے یہ کتاب دے دو۔ اس نے کہا: ضرور ضرور کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے کتاب دیدی اور بوعلی نے اس کو اول سے آخر تک پڑھا حتی کہ منزل مقصود تک پہنچ گئے اور کشتی سے اتر گئے۔ جب صبح ہوئی تو وہ لغوی عالم اپنی کتاب بادشاہ کی خدمت میں لیکر آیا تو دیکھا کہ اس کا کشتی والا ساتھی بڑے احترام سے بادشاہ کے دربار میں موجود ہے۔ تو دل میں کہنے لگا کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ یہ بادشاہ کے مقربین میں سے ہے تو میں اسی کے ذریعہ بادشاہ کی توجہات حاصل کر لیتا۔ خیر اس نے کتاب بادشاہ کے حضور پیش کی تو سلطان نے وہ ابوعلی کے حوالے کر دی اور کہا کہ اس کو دیکھو اگر یہ قابلِ انعام ہے تو ہم اس پر انعام دیں گے۔ شیخ رئیس نے اس کتاب کو لیا اور ذرا سرسری سا اس کو دیکھا اور کہا کہ یہ کتاب تو پہلے سے تالیف شدہ ہے (اس کی لکھی ہوئی نہیں ہے) تو وہ عالم لغت کہنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ کتاب میں نے ہی لکھی ہے۔ تو شیخ رئیس نے کہا: اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ کتاب مکمل طور پر میرے حافظہ میں محفوظ ہے اور تم اس کتاب کو دیکھتے رہو میں اپنے حافظہ سے پڑھ کر سناتا ہوں۔ اس نے پہلے چند ورق حافظہ سے زبانی پڑھے پھر درمیان کے چند ورق زبانی سنائے اور پھر آخر کے چند ورق۔ اس پر عالم کی بھرے دربار میں بڑی رسوائی ہوئی اور اسے انتہائی تعجب تھا کہ کتاب میں نے خود لکھی ہے تو اس شخص کے حافظہ میں پہلے سے کیسے آ گئی اور وہ اس کو پہلے لوگوں کی تالیف کیسے قرار دے رہا ہے۔ اس پر شیخ رئیس نے حقیقت حال کو بیان کیا کہ واقعی یہ کتاب اسی شخص کی تالیف ہے اور قابل انعام کتاب ہے میں تو چند روز تک حالت سفر میں اس کے ساتھ رہا تھا اور اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھا تھا اور مجھے یاد ہو گئی تھی۔ چنانچہ سلطان نے اس مولف کو انعام سے نوازا اور لوگ شیخ الرئیس کے حافظہ کی قوت پر حیران رہ گئے۔ میں نے بعض لوگوں سے یہ سنا ہے کہ وہ شخص صاحب قاموس تھا اور وہ کتاب قاموس تھی لیکن یہ غلط ہے کیونکہ شیخ ابوعلی چوتھی صدی ہجری میں تھا اور صاحب قاموس آٹھویں صدی ہجری میں۔ اور ان کے درمیان طویل فاصلہ ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک درویش ابوعلی کے والد کے ہاں مہمان ہوا اور جب خاطر مدارات ہو چکی تو درویش نے اس کے والد سے کہا کہ میں تو سو رہا ہوں آپ جاگتے رہئے گا کیونکہ آج ایک ستارہ طلوع کرنے والا ہے۔ آپ مجھے اس وقت جگا دیجئے گا مجھے اس وقت ضروری کام ہے۔ چنانچہ درویش تو سو گیا اور بوعلی کے والد بیٹھ کر آسمان کے ستاروں کو دیکھتے رہے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک ستارہ اپنے مقرر مقام پر پہنچا ہے ادھر ان کی قوت شہوی ہیجان میں آئی اور انہوں نے اپنی زوجہ سے قربت اختیار کی پھر غسل کیا اور درویش کو جگایا تو درویش نے دیکھا کہ ستارہ اپنی منزل سے آگے بڑھ چکا ہے تو اس نے بوعلی کے والد سے شکایت کی کہ آپ نے مجھ تاخیر سے جگایا اور میرے کام کا وقت نکل گیا تو ان کے والد نے اس کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ درویش نے کہا آپ کے ہاں ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا جو حیرت انگیز کمالات کا ماہر اور یکتائے روزگار ہوگا۔ اور اس واقعہ کے بعد شیخ کی ولادت ہوئی۔

جب شیخ رئیس اپنے وقت کے تمام علماء سے بازی لے گیا تو وہ بادشاہ کے دربار میں گیا اور اپنی علمیت کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ میں معلم ثالث (تیسرا) ہوں کیونکہ معلم اول افلاطون یا ارسطو یا ذی مقراطا سے ایک مانا جاتا ہے مگر اس بارے میں اختلاف ہے۔ معلم ثانی ابونصر فارابی ہے جس نے یونانی حکمت کو عربی میں منتقل کیا اور معلم وہ شخص قرار پاتا ہے کہ اگر کسی علم کے ماہرین سے اس کا مباحثہ ہو تو وہ سب پر غالب آ جائے۔ بہر حال سلطان نے تمام علوم کے ماہرین جمع کیے اور انہوں نے شیخ سے مناظرہ کیا اور شیخ سب پر غالب آ گیا لیکن دو علوم میں کامیاب نہ ہو سکا ایک موسیقی اور دوسرے کیمیا۔ جندی جو علم کیمیا کے ماہرین میں سے تھا اس نے شیخ سے مقابلہ کیا شیخ نے استحالہ کیمیا پر دلائل دیئے کیونکہ اس سے ماہیت لازم آتی ہے اور انقلاب ماہیت قوانین حکمت کے لحاظ سے باطل اور محال ہے۔ جندی نے کہا: میں تمہاری دلیل تو رد نہیں کر سکتا لیکن میں تمہارے سامنے کیمیا گری کر سکتا ہوں۔ شیخ نے کہا اس کا جواب یہی کیا ہے شاید تم میری نظر بندی کر کے جادو کرو۔ جندی نے کہا: میں کچھ اجزاء تمہیں دیتا ہوں اور میں خود چار فرسنگ کے فاصلے پر رہوں گا اور تم خود جیسے میں طریقہ بتاؤں اس پر عمل کرو تو کیمیا بن جائے گا۔ شیخ نے یہ بات مان لی شیخ نے وہ اجزاء اس کو سمجھا دیئے اور طریقہ عمل بھی بتا دیا اور خود چار فرسخ دور چلا گیا۔ شیخ نے خود ان اجزاء پر عمل کیا تو جیسے اس نے کہا تھا وہی چیز بن گئی۔ شیخ نے اس کی بات تسلیم کر لی اور اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا۔ پھر اس نے کیمیا کے وجود پر دلائل دیئے۔

جب شیخ رئیس کو علم موسیقی اور کیمیا میں شکست ہوئی تو اس نے کہا کہ میں یہ دونوں علم سیکھ لیتا ہوں تو یہ مجھے آ جائیں گے۔ لیکن شیخ کے کتب خانہ کو آگ لگ گئی یا دشمنوں نے اسے آگ لگا دی جیسا کہ بعض لوگوں کا یہی خیال ہے۔ چنانچہ شیخ بہت دل گرفتہ ہوا اور وہ معلم ثالث ہونے کا جو دعویٰ کر رہا تھا اس کو ترک کر دیا اور اس کو شیخ رئیس کا لقب مل گیا۔

مشہور ہے کہ شیخ نے یرقان قبل السبع کا علاج کیا۔ اور اس بات پر شاہی نقار خانہ بجایا گیا اس لیے کہ یرقان قبل السبع اس سے پہلے بہت مشکل سے قابلِ علاج ہوتا تھا۔ اور طبیب اس کے علاج سے عاجز تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ کسی قافلہ کے سربراہ کے ساتھ جا رہا تھا۔ اور قافلہ والے شیخ کو پہچانتے نہیں تھے ان لیے اس کا احترام نہیں کرتے تھے اور اپنے لہو ولعب میں لگے رہتے تھے۔ شیخ کو ان کی حرکتیں بہت گراں گزریں۔ ایک رات جب سب قافلے والے سو رہے تھے تو شیخ نے اونٹوں کی گھنٹیاں اس طرح سے باندھ دیں اور ان کو اس طرح ترتیب دیا کہ جب اہل قافلہ اٹھے اور انہوں نے کوچ کیا تو گھنٹیاں بجنی شروع ہوئیں تو سارے کے سارے سو گئے۔ اس دوران شیخ نے ان گھنٹیوں کی ترتیب بدل دی اب جب وہ بیدار ہوئے اور قافلہ چلا تو گھنٹیوں کی آواز ایسی تھی کہ سب پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا اور وہ منزل پر پہنچ گئے۔ تیسری رات جب سوئے تو پھر یہ ترتیب بدل دی اور جب وہ اٹھے اور قافلہ آگے بڑھنے لگا تو گھنٹیوں کی آواز ایسی تھی کہ سب کے سب رونے لگے اور روتے روتے ہی منزل پر پہنچے۔ اب اگلی رات شیخ نے کچھ اور ترتیب بدلنی چاہی تو قافلہ والے چھپ کر دیکھ رہے تھے کہ کون یہ حرکت کرتا ہے۔ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پہچان لیا کہ وہ کون ہستی ہے اور پھر اس کا بڑا احترام بجا لائے۔

اور شیخ کا ایک انداز فکر یہ ہے کہ دلالت الفاظ کو ذاتی سمجھتا ہے اور وضعی نہیں مانتا اور سلیمان بن عباد صیمری بھی اسی بات کا قائل تھا اور متاخرین میں مرحوم مبرور آخوند ملا عبدالکریم ایروانی سابق الذکر نے بھی یہی نقطہ نظر اختیار کیا ہے۔ ناچیز مولف کتاب نے اپنی کتابوں "لسان الصدق"، "منظومہ الفیہ اصولیہ" اور اس کی شرح میں اس نقطہ نظر کو مکمل طریقہ سے باطل ثابت کیا ہے۔

بعض فضلاء سے میں نے سنا ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر ارباب ریاضت (نفس کشی کرنے والوں) میں سے تھا اور شیخ رئیس کا ہم عصر تھا۔ دونوں میں خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دن وہ حمام گیا اور شیخ رئیس بھی اس وقت حمام میں تھا۔ تو شیخ ابوسعید نے شیخ ابوعلی سے پوچھا کہ تم یہ کہتے ہو کہ وزنی چیز اپنے مرکز کی طرف لوٹتی ہے کیا یہ بات مسلم ہے اور یہ حقیقت رکھتی ہے یا نہیں؟ شیخ نے کہا کہ یہ بات مسلمات میں سے ہے۔ پھر شیخ ابوسعید نے حمام کی بالٹی ہوا میں اچھال دی اور وہ ہوا میں معلق ہو کر رہ گئی اور اس نے شیخ سے کہا کہ آخر یہ جسم ثقیل اپنے مرکز کی طرف کیوں نہیں لوٹ رہا۔ شیخ نے غور کیا اور کہا کہ اس بالٹی کے

یہ کوئی قاصر ہے جو اس کو اپنے مرکز کی طرف آنے سے روک رہا ہے۔ شیخ نے کہا کہ تمہیں یہاں کونسی چیز قاصر دکھائی دے رہی ہے۔ شیخ ابوعلی نے کہا کہ وہ قاصر تیرا نفس ہے۔ تو شیخ ابوسعید نے کہا کہ تم بھی اپنے نفس کو اتنا کامل کرلو کہ یہ مرتبہ تم بھی حاصل کرسکو۔ شیخ رئیس نے کہا: تم بالکل ایک عامل اور مزدور کی طرح ہو کہ ایک کام کرلیتے ہو تو تمہیں مزدوری مل جاتی ہے اور میں اپنے قوت فہم وادراک سے کام لیکر معقولات کا اظہار کرتا ہوں۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر کا ایک جملہ یہ ہے کہ عالم کشف وشہود میں، میں نے جس شہر میں بھی اپنا قدم رکھا تو میں نے دیکھا کہ شیخ رئیس کا عصا وہاں پہلے سے موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک ہمدانی شخص ہمیشہ اس قبرستان سے گزرتا تھا جس میں شیخ کی قبر تھی اور اس پر فاتحہ نہیں پڑھتا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ شیخ زیدی مذہب رکھتا تھا۔ حتی کہ اس نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ جناب ختمی مرتبت تشریف فرما ہیں اور شیخ رئیس ان کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس ہمدانی شخص نے رسولؐ خدا سے سوال کیا کہ ابوعلی تو زیدی مذہب والا ہے آپ کے پاس اس کو اس قدر تقرب کیسے حاصل ہوگیا کہ آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے؟ تو رسول خدا نے جواب میں فرمایا کہ تیری کھوپڑی میں یہ بات تو سماگئی کہ زیدی مذہب غلط ہے اور شیخ ابوعلی کی فہم وفطانت تیرے نزدیک کچھ بھی نہ رہی۔ اس کے بعد سے اس شخص کا اعتقاد شیخ کے بارے میں درست ہوگیا اور ہمیشہ اس کے مزار پر حاضر ہوکر فاتحہ خوانی کرنے لگا۔

شیخ بہائیؒ مرحوم اپنی کتاب ''کشکول'' میں فرماتے ہیں کہ شیخ مجد الدین بغدادی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے واقعاً رسولؐ خدا کو دیکھا تو میں نے آپؐ سے ابن سینا کی حالت کے متعلق پوچھا کہ آیا وہ نجات یافتہ ہے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ وہ ایسا شخص ہے جو بلاواسطہ خدا تک پہنچنا چاہتا تھا لیکن میں مانع ہوا اور میں نے اس کے سینہ پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ جہنم رسید ہوگیا۔ ایک دفعہ شیخ ابوسعید نے علوم رسمیہ کی مذمت میں ایک مراسلہ شیخ کو لکھا کہ اشکال اربعہ میں سے مستحکم ترین شکل شکلِ اول ہوتی ہے اور تمام اشکال جب تک شکل اول تک نہ پہنچیں مکمل نہیں ہوسکتیں اور شکل اول کے بارے میں تمام استدلالات مہیا ہوتے ہیں اور صاحبان علم عقلی شکل اول کو ہی بدیہی الانتاج (۱) سمجھتے ہیں حالانکہ شکل اول کے لیے دور لازم آتا ہے کیونکہ نتیجہ کی شناخت معرفت کلیہ کبریٰ پر موقوف ہے اور معرفت کلیہ کبریٰ معرفت نتیجہ کے ذریعہ ہوسکتی ہے اور یہ دور ہے اور دور کھلم کھلا باطل ہوتا ہے کیونکہ دور کے لیے لازم ہے کہ اس سے پہلے بھی وہ چیز موجود ہو اور یہ باطل ہے اس طرح مطالب عقلیہ میں سے کوئی مطلب تمام نہیں ہوسکتا۔ شیخ نے جواب میں لکھا کہ اجمال وتفصیل کے لحاظ سے دور کا رخ مختلف ہوتا ہے اس طرح معرفت نتیجہ اجمالی سے نتیجہ نکل آتا ہے اور دور ختم ہوجاتا ہے اور یہ بات ہم نے ملا خلیل قزوینی یا ملا میرزای شیروانی کے بیان کے وقت بھی ذکر کی ہے اور اسی دور کی طرح منکرین اجماع، اجماع پر اعتراض وارد کرتے ہیں چنانچہ اصول کی کتابوں میں مذکور ہے کہ چونکہ شیخ رئیس اپنے دور کے علماء میں سب سے بالاتر تھا اور اس وقت کے فضلاء اس کی برتری کو تسلیم کرتے تھے اور اس کی مجلس درس میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک شخص بہمنیار بھی جو اپنے وقت کے فضلاء وحکماء میں شمار ہوتا تھا اس کی مجلس درس میں آیا کرتا تھا۔ اس نے شیخ کی شاگردی اختیار کی ہوئی تھی اور شیخ کے خاص مریدوں میں سے تھا۔ ایک دن بہمنیار نے شیخ سے کہا کہ آپ دعوائے نبوت کیوں نہیں کردیتے؟ اگر آپ یہ دعویٰ کریں گے تو علماء اس کا انکار کریں گے لیکن اس زمانے کے علماء کی یہ مجال نہیں ہے کہ آپ سے بحث ومباحثہ یا مناظرہ کرسکیں۔ تو شیخ نے جواب دیا کہ تمہارے اس سوال کا جواب میں کسی اور وقت دونگا۔ اس بات کو ایک مدت گزر گئی یہاں تک کہ ایک دفعہ شیخ رئیس اور بہمنیار ہمدان میں تھے اور رات کو ایک ہی کمرے میں سوئے۔ سردی کا موسم تھا۔ ہمدان کی برف باری اور موسم سرما کی سردی تو مشہور ہے۔ صبح کا وقت ہوا تو موذن مسجد میں گلدستہ اذان پر پہنچا اور حمد باری اور نعت رسول میں مشغول ہوگیا۔ اتنے میں شیخ ابوعلی نے بہمنیار سے کہا کہ ذرا اٹھ کر باہر جاؤ اور پینے کا پانی لے آؤ۔ بہمنیار نے کہا آپ ابھی ابھی نیند سے جاگے ہیں اس وقت فوراً پانی نہیں پینا چاہیے۔ اس موسم میں ٹھنڈا پانی رگوں اور پٹھوں کے لیے بہت مضر ہے۔ شیخ رئیس نے کہا کہ زمانہ بھر کا مانا ہوا طبیب تو میں ہوں اور تم مجھے پانی پینے سے روک رہے ہو جبکہ مجھے اس کی حاجت محسوس ہورہی ہے۔ بہمنیار نے کہا کہ میں اس وقت بستر میں پسینہ میں بھیگا ہوا ہوں اگر میں باہر جاؤں گا تو مجھے ہوا لگ جائے گی اور میں بیمار پڑ جاؤں گا۔

---

(۱) بدیہی الانتاج: منطق کی پہلی شکل جس کا نتیجہ نکالنے میں غور وفکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (مترجم)

شیخ نے کہا اب میں تمہیں اس مسئلہ کا جواب دیتا ہوں جو تم نے نبوت کے بارے میں پیش کیا تھا۔ تو سمجھ کہ پیغمبر اکرم کی رحلت کو چار سو سال ہو رہے ہیں اور ان کے نفس کی تاثیر یہ ہے کہ صبح کے وقت سردی کی شدت کے باوجود لوگ کلمہ اذان پڑھ کر خدا اور رسالت پیغمبر کی شہادت دیتے ہیں اور میں تو تیرے سامنے موجود ہوں اور تو میرے خاص اصحاب میں سے ہے اس کے باوجود میں اگر پانی کا ایک جام تجھ سے مانگ رہا ہوں تو میرے نفس میں اتنی بھی تاثیر نہیں ہے کہ تو میری بات کو پورا کردے اس صورتحال میں تو ہی بتا کہ میں کیسے ادعائے پیغمبری کر سکتا ہوں شیخ رئیس نے کسی سے سنا کہ فلاں شہر میں ایک ایسا طبیب ہے کہ جو مریض کو یہ بتا دیتا ہے کہ اسے فلاں کھانے یا پینے کی چیز سے بیماری لاحق ہوئی ہے۔ شیخ کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کیونکہ نبض سے ہرگز یہ پتا نہیں چلایا جاسکتا کہ مریض نے کیا کھایا یا کیا پیا تھا۔ چنانچہ شیخ اس شہر گیا اور اس طبیب کے مطب میں پہنچا اور وہ طبیب شیخ کو پہچانتا نہیں تھا۔ اتنے میں ایک مریض آیا اور طبیب نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ فلاں چیز تم نے کھائی جس سے تمہیں یہ مرض پیدا ہوا۔ اس مریض نے اقرار کیا کہ واقعہ ایسا ہی ہے۔ اسی طرح اور کئی مریض آئے اور ان سے اس نے ایسی ہی بات کہی۔ شیخ کو اس بات پر بڑا ہی تعجب تھا۔ جب سب مریض چلے گئے اور طبیب فارغ ہوا تو شیخ نے طبیب سے کہا کہ کسی طبی قاعدہ سے تو ہرگز یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ مریض نے کیا کھایا یا کیا پیا۔ آپ کے متعلق جب پہلے پہل میں نے سنا کہ آپ ایسی بات بتا دیتے ہیں تو مجھے یقین نہ آیا لیکن اب تو میں نے بذات خود مشاہدہ کرلیا۔ اس پر طبیب نے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی کہ وہ ہے کون اور آخر وہ شیخ کو پہچان گیا تو پھر بڑی عزت وتکریم سے پیش آیا اور کہا: آپ نے بڑی تکلیف اٹھائی اور اتنی دور سے تحقیق حال کرنے کے لیے تشریف لائے۔ یہ کھانے پینے کے متعلق میرا نشان دہی کرنا یقیناً کسی قانون طبابت کے تحت نہیں ہے۔ بلکہ یہ فراست کا نتیجہ ہے۔ اس شہر کے اکثر باشندے یہودی اور نہایت ہی بدسلیقہ ہیں جب بھی کچھ کھاتے ہیں تو ان کے کپڑوں اور جسم پر اس میں سے کچھ نہ کچھ لگا ہوتا ہے۔ میں وہ دیکھ لیتا ہوں اور بتا دیتا ہوں کہ تم نے فلاں چیز کھائی ہے۔ یہ جو پہلا شخص یہاں آیا تھا۔ اس کے دامن پر خربوزہ کا بیج لگا ہوا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ تم نے خربوزہ کھایا ہے اور لازماً اس کو میری تصدیق کرنا پڑی اور اسی طرح اور لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

شیخ کی تالیفات بہت ہیں اس میں ایک کتاب "اشارات" ہے جو حکمت مشاء (۱) کے بارے میں ہے۔ امام فخر رازی نے اس پر شرح لکھی اور محقق طوسی خواجہ نصیر الدین نے بھی اس پر شرح لکھی۔ علامہ حلی نے اشارات کی شرح پر محاکمات لکھے اور اسی طرح قطب المحققین نے محاکمات لکھے۔ کتاب "شفاء" اور کتاب "قانون" ایسی کتابیں ہیں کہ ان کی جیسی کتابیں طب میں لکھی ہی نہیں گئی ہیں اور کشکول میں شیخ بہائی نے لکھا ہے کہ نو اشخاص نے قانون کی شرح لکھی ہے۔

۱۔ اعز الدین رازی ۲۔ قطب الدین مصری ۳۔ افضل الدین محمد جوینی ۴۔ ربیع الدین عبدالعزیز عبدالجبار جبلی ۵۔ علاء الدین قرشی جو ابن نفیس کے نام سے مشہور ہے۔ ۶۔ یعقوب الدین اسحق سامری جو مصر کا طبیب ہے۔ ۷۔ یعقوب بن اسحق میلکی جو ابن القف کے نام سے مشہور ہے۔ ۸۔ ھبۃ اللہ بن جمیع یہودی مصری ۹۔ قطب الدین علامہ شیرازی۔

شیخ رئیس کے جو بہمنیار کے ساتھ مقدماتی معاملات پیش آئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ بہمنیار زمانہ کو مشخصات میں سے سمجھتا ہے اور اس نے اس سلسلے میں شیخ سے بہت مجادلہ کیا آخر کو شیخ نے کہا کہ تم مجھ سے اس امر پر جواب پانے کا حق نہیں رکھتے کیونکہ وہ زمانہ دوسرا تھا جب تم نے سوال کیا تھا اور اب تم وہ شخص نہیں ہو جس نے مجھ سے سوال کیا تھا۔ چنانچہ بہمنیار ملزم قرار پایا۔

مشہور ہے کہ شیخ ہر چیز کو صغریٰ و کبریٰ اور نتیجہ سے حل کیا کرتا تھا۔ اگر اشکال سے نتائج کے شرائط پائی جاتیں تو ان کے مطابق فیصلہ کردیا ورنہ نہیں۔ شیخ ابوعلی کے نام کے بارے میں اختلاف ہے مشہور حسین بن عبداللہ ابن سینا ہے اور اس کی تالیفات میں ایک "نجات" ہے اور ایک رسالہ سلامان وابسال اور ایک رسالہ "طیر"۔

(۱) حکمت مشا: اشیاء کی حقیقتوں کی دریافت دلیلوں سے کرنا۔ (مترجم)

شیخ رئیس کی ولادت کے وقت طالع سرطان تھا اور مشتری اور قمر اپنے اپنے درجوں میں مقام شرف پر تھے اور زہرہ بھی اپنے درجہ شرف پر تھا۔ اور سہم السعادہ سرطان سے ۲۹ درجہ پر اور سہم الغیب (۱) سرطان کے پہلے درجہ پر تھا۔ یا سہیل (۲) و شعری یمانیہ (۳) میں تھا۔

شیخ ظہیر الدین بیہقی نے کہا کہ شیخ جب دس سال کا تھا تو اسی وقت اصول ادب کو زبانی یاد کرلیا تھا۔ اور کتاب ''ایساغوجی'' ناقلی سے پڑھنی شروع کی تھی۔

ایک دن شیخ ابوعلی سینا، ابوعلی ابن مسکویہ کی مجلس درس میں جا پہنچا۔ بہت سے شاگرد ابن مسکویہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور چونکہ شیخ کی عادت تھی کہ فضلاء کا امتحان لیا کرتا تھا۔ اور اکابر علماء کے سامنے اظہار برتری کرتا تھا لہٰذا اس نے ایک اخروٹ ابوعلی مسکویہ کو دیا اور کہا کہ اس اخروٹ کی پیائش کے بارے میں بیان کیجئے۔

ابن مسکویہ نے اس کو ایک اخلاقی نکتہ بتایا کہ پہلے اپنی اصلاح کرو تو میں اس اخروٹ کی پیائش بھی نکال کے دکھا دوں گا۔

عبداللہ جرجانی نے جو اس کا شاگرد تھا اس کے حالات، اصل و نسب اور اس کے بعض کمالات کو ایک علیحدہ رسالے میں لکھا ہے کہ شیخ کے والد بلخ کے دانشمند حکیم تھے اور نامور اسمٰعیلی شیعہ تھے۔ وہ امیر نوح بن منصور سامانی کا دور تھا۔ وہ بلخ سے بخارا آ گئے وہ امیر مذکور کے ہاں ملازم تھے۔ ابوعلی کی وہیں پیدائش ہوئی۔ اس نے دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا اور بہت سے علوم دینی اور فنون ادبیہ کو حاصل کرلیا تھا۔ اس کے بعد ظواہر منطق ابوعبداللہ ناقلی سے پڑھے لیکن بہت جلد استاد سے بے نیاز ہو گیا، خود ہی منطق و حکمت کی کتابیں پڑھنے لگا اور اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گیا۔

''تذکرہ دولت شاہی'' میں لکھا ہے کہ اس نے بارہ سال کی عمر میں اس مقام کے علماء سے مناظرہ کیا اور ان کو شکست دی۔ اور ''کتاب الوزراء'' اور دوسری کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے کہ جب شیخ بخارا میں تعلیم حاصل کررہا تھا تو امیر نوح کو ایک شدید بیماری کا سامنا کرنا پڑا اور تمام طبیب اس کے علاج سے عاجز رہ گئے تو شیخ نے اس کا علاج کیا اور بہت جلد امیر نوح شفایاب ہو گیا تب امیر نے اس کو اپنا درباری بنا لیا۔ جب وہ دربار سے متعلق ہو گیا تو بادشاہ نے اس کو اپنے بخارا کے کتب خانہ میں جانے اور وہاں کی کتابوں سے استفادہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور یہ کتب خانہ اتنا عظیم تھا کہ اس میں تمام اولین و آخرین کی کتابیں جمع تھیں۔ شیخ نے اس بہترین عدیم النظیر کتب خانہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کے حقائق و دقائق کو اپنے صفحہ دل پر رقم کرلیا۔ اتفاقاً اس کتب خانہ کو آگ لگ گئی تو ابوعلی کے دشمنوں نے اس پر الزام لگایا کہ اس نے جان بوجھ کر کتب خانہ کو آگ لگائی ہے تاکہ ان تمام علوم کو جو اس نے ان کتابوں سے سیکھے ہیں اپنی طرف نسبت دیدے۔

اس کے بعد شیخ نے تصنیف کا کام شروع کر دیا۔ القصہ شیخ ایران چلا گیا۔ پھر ہمدان آ گیا لیکن سلطان ہمدان اس سے ناراض ہو گیا اور شیخ کہیں روپوش ہو گیا پھر شیخ نے کتاب ''شفاء'' لکھنی شروع کردی۔ روزانہ پچاس ورق لکھتا تھا اور کسی کتاب سے رجوع کیے بغیر لکھتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے طبیعات و الہیات تک لکھ لیے کہ سلطان کو اس مقام کا پتہ لگ گیا کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے اور اس نے شیخ کو ہمدان کے ایک قلعے میں قید کر دیا۔ شیخ نے اس قید خانہ میں ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

دخولی فی الیقین کما تراہ
وکل الشک فی امر الخروج

(میرا اس قید خانہ میں آنا تو یقینی ہے جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے لیکن رہائی کا معاملہ شک و شبہ میں ہے۔ یعنی نہیں معلوم کہ مجھے اس قید سے کبھی رہائی

(۱) سہم السادۃ، سہم الغیب: علم نجوم کی اصطلاح میں مولود کے طالع کے وقت ستاروں کا ایک خاص وضع پر واقع ہونا۔ نجوم کے قاعدے کے مطابق سہم بہت سے ہیں۔

(۲) سہیل: ایک مشہور ستارے کا نام جو قدر اول کا یہ ستارہ نہایت روشن ہے۔ اس قدر دور فاصلے پر واقع ہے کہ آج تک اس کا فاصلہ معلوم نہیں ہو سکا۔ آفتاب سے ۵۵۰۰۰ گناہ بڑا ہے اور بہت بڑے نظام شمسی کا مرکز ہے، ہر سال دس فروری کو رات کے نو بجے نصف النہار پر ہوتا ہے۔

(۳) شعری یمانیہ: ایک بہت بڑے اور روشن ستارے کا نام۔ عرب میں زمانہ جاہلیت میں اس کی پرستش ہوتی تھی۔ ہر سال ۱۵ فروری کو نصف النہار پر ہوتا ہے۔

نعیب بھی ہوگی کہ نہیں)

شیخ اس قلعہ میں چار ماہ تک محبوس رہا اور اسی قید میں اس نے کتاب "ھدایہ" "رسالہ حی بن یقظان" اور کتاب "قولنج" تالیف کی اس کے بعد اس سے اس کو رہائی مل گئی۔ تو "منطق شفاء" کی تصنیف میں مشغول ہوگیا۔ اس کے بعد وہ اصفہان آگیا اور علاءالدولہ کی جانب سے پیام ملے پایا کہ ہر شب جمعہ شیخ اور اصفہان کے علماء ایک خصوصی مجلس میں آیا کریں اور علمی مباحثات کیا کریں۔ اس دوران شیخ نے کتاب "شفاء" کی تکمیل کی اور ایک کتاب "حکمت علائی" کے نام سے لکھی اور یہ نام علاءالدولہ کے نام کی مناسبت سے رکھا گیا۔

شیخ کو مباشرت سے بڑی رغبت تھی اور وہ اپنے اعتقاد کے مطابق اپنی مزاجی قوتوں کو اس سلسلے میں بکثرت صرف کرتا تھا چنانچہ اس سے مزاج میں فتور واقع ہوگیا اور مرض قولنج عارض ہوگیا اس نے جلد از جلد صحت یابی کے لیے ایک دن میں آٹھ مرتبہ حقنہ لگالیا۔ جس کی وجہ سے اس کی آنتیں زخمی ہوگئیں اور سحج (۱) کے مرض میں گرفتار ہوگیا اور پھر مرض صرع (مرگی) ہوگیا جو قولنج کے بعد اس کو لگ گیا تھا۔ جب وہ اپنا علاج کر رہا تھا تو بعض غلاموں نے جنہوں نے اس کے خزانہ میں خیانت کا ارتکاب کیا تھا اس کے دواء مثرو دیطوس میں جو وہ صرع کی وجہ سے کھاتا تھا افیون کی آمیزش کردی۔ جب شیخ نے یہ دوا کھائی تو وہ حال سے بے حال ہوگیا اور ضعف و ناتوانی سے یہ صورتحال ہوئی کہ کھڑے ہونے کی بھی قوت نہ رہی۔ خیر جب کچھ چلنے کی استعداد پیدا ہوئی تو امیر علاءالدولہ کے دربار میں حاضر ہوا لیکن ابھی اسے مکمل صحت حاصل نہیں ہوئی تھی کہ اتفاقاً علاءالدولہ اس کو ساتھ لیکر ہمدان کی طرف روانہ ہوگیا تو اثنائے راہ میں ابوعلی کے مرض نے عود کیا اور جب ہمدان پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کی قوت زائل ہوگئی ہے اور علاج اس کے لئے کارگر نہیں رہا ہے۔ تو اس نے اپنا علاج ترک کردیا اور زیادہ وقت نہ گزرا کہ اس جہاں فانی سے کوچ کرگیا۔

اس وقت کے اکثر سنت جماعت کے فقہا نے اس کی تکفیر کی تو شیخ نے یہ رباعی کہی۔

کفر چو منی گزاف و آسان نبود | محکم تر از ایمان من ایمان نبود

در دھر چہ من یکی آن ھم کافر | پس درھمہ دھر یک مسلمان نبود

ترجمہ: مجھ جیسے کو کافر کہنا شیخی اور آسان بات نہیں ہے

میرے ایمان سے زیادہ کس کا ایمان مضبوط ہوگا۔

دنیا میں مجھ جیسا ایک میں ہی تو ہوں اور وہ بھی اگر کافر (قرار دیا جائے)

تو پھر پوری دنیا میں ایک بھی مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

شیخ رئیس کے مذہب کے بارے میں اختلاف رائے ہے بعض تو اس کو زیدی مذہب کا سمجھتے ہیں اور اس کی کتابوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سنت جماعت کے مذہب پر ہے کیونکہ اس نے ابوبکرؓ کی خلافت کی تصدیق کی ہے۔ لیکن کسی نے ایک رسالہ اس کے شیعہ ہونے کے بارے میں لکھا ہے اور دلیل اس بات کو قرار دیا ہے کہ شیخ نے ایک جگہ یہ کہا ہے کہ

قال رسول اللہؐ لمرکز دایرۃ الحکمۃ و کرۃ العقل علیؑ الذی ھوفی الصحابۃ بمنزلۃ المحسوس من المعقول (رسول اللہؐ نے فرمایا: حکمت کے دائرے کے مرکز اور عقل کی گیند علیؑ ہے جس کی منزلت صحابہ سے ایسی ہے جیسی محسوس کی معقول سے) اور دوسری جگہ کہا ہے۔

والخلافۃ بالنص اصوب فان ذالک لایودی الی الشغب والتشغب والاختلاف (خلافت نص سے ہی درست ہے کہ اس طرح نہ فتنہ و فساد ہوتا ہے نہ نافرمانی اور اختلاف۔)

کیونکہ سنی خلافت کو اجماع اور بیعت کے ذریعہ سمجھتے ہیں اور شیعہ نص کے ذریعہ جانتے ہیں۔ اور اس کی یہ رباعی اس کے شیعہ ہونے کی دلیل ہے۔

(۱) سحج: پیٹ کا ایک مرض جو آنت کی خراش سے ہوتا ہے۔ (مترجم)

بر صفحه چهره کاتب لم یزلی
معکوس ونکونوشته نام دو علی
یک لام ودوعین بادو یائے معکوس
از حاجب وعین وانف باخط جلی

(اس لکھنے والے نے جسے زوال نہیں چہرے کے صفحے پر الٹا لیکن خوشخط علیؑ کا نام دوبار لکھا یعنی ایک لام، دوعین اور دوالٹی ی۔ ابرو، آنکھ اور ناک سے خطِ جلی میں۔)

اور ایک اور رباعی کہی:

تاباده عشق در گلو ریخته اند
واندر پی عشق عاشق انگیخته اند
در جان روان بوعلی مهر علی
چونشیر وشکر بهم بر آمیخته اند

(عشق کا جام گلے میں انڈیل دیا گیا ہے اور عاشق کے دل میں عشق کی آگ بھڑکا دی گئی ہے۔
اس طرح بوعلی کی روح رواں میں محبت علیؑ کو اس طرح گھول دیا گیا ہے جیسے شکر دودھ میں گھول دی جاتی ہے۔)

بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ شروع میں شراب بھی پیا کرتا تھا لیکن اتنی نہیں کہ ست ہوجائے لیکن آخر عمر میں توبہ کرلی تھی۔ اس نے کثیر مال فقراء پر صدقہ کیا اور ردّ مظالم کیا۔

وہ ہر تین دن میں ایک مرتبہ قران ختم کیا کرتا تھا۔ آخر کار ماہ رمضان کے نوچندی جمعہ کو ۴۲۸ھ میں ہمدان میں وفات پائی۔ کتاب فصل الخطاب کے مطابق اس کی ولادت ۳۷۰ھ میں ہوئی تھی چنانچہ کل عمر ۵۸ سال ہوئی۔

"تاریخ گزیدہ" میں کہا گیا ہے:

حجة الحق ابو علی سینا
درشجع آمداز عدم بوجود
(اللہ کی حجت ابوعلی سینا شجع میں عدم سے وجود میں آیا)
در شصا کسب کرد کل علوم
درتکز کردایں جهان بدرود
(شصا میں اس نے کل علوم حاصل کر لیے اور تکز میں اس جہاں سے رخصت ہوگیا۔)

اللہ گزرے ہوئے علماء پر رحم فرمائے اور جو باقی ہیں ان کو طول عمر عطا فرمائے۔

محمد امین بن محمد شریف

محمد امین بن محمد شریف استرآبادی، شیخ زین الدین بن شیخ محمد بن حسن شہید ثانی کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور خالص اخباری تھے اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ارباب اجتہاد پر اعتراض کا دروازہ کھولا۔ اور مجتہدین کو برا بھلا کہنے کے حامی ہوئے۔ اور اس بات سے ان کی انتہائی کم فہمی کا اظہار ہوتا ہے۔

ان کی تالیفات "فوائد مدنیہ"، "شرح اصول کافی" اور "شرح تہذیب الاحکام" اور جو ملا جلال الدین اور میر صدر الدین نے نئی نئی باتیں شرح جدید تجرید میں نکالی ہیں۔

کتاب "فوائد دقایق العلوم وحقایق العلوم" اور "شرح استبصار" جو مکمل نہیں ہے۔ اور بداء اور شیخ طبری کے مسائل کے جواب میں رسالہ اور خمر کی طہارت ونجاست کے بارے میں رسالہ اور مدارک کے طہارت کے باب پر حاشیہ جو نامکمل ہے۔

مکہ ومدینہ کے مجاور تھے۔ وفات ۱۰۳۳ھ کی ہوئی۔ صاحب "مدارک" سے اجازہ یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

میرزا محمد بن علی

میرزا محمد بن علی بن ابراہیم استر آبادی فاضل، عالم، محقق، مدقق، عابد، زاہد اور عالم حدیث تھے اور علم رجال کے عالم تھے۔ ان کی کتابیں کتاب "رجال کبیر"، کتاب رجال متوسط اور کتاب "رجال صغیر"، آیات احکام کی تفسیر کی کتاب تہذیب پر حاشیہ اور متعدد رسائل ہیں آپ کی وفات مکہ معظمہ میں ۱۳ ذی القعدہ ۱۰۲۸ھ میں ہوئی۔ آپ کے مشائخ اجازہ میں ملا محمد امین سابق الذکر تھے اور شیخ ابراہیم بن علی بن عبدالعالی میسی سے بھی اجازہ حاصل ہے۔ کچھ لوگ دادا کا نام کیل اور کچھ دوسرے ابراہیم بتاتے ہیں۔ علامہ مجلسی بحار الانوار میں جب ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے غیبت کبریٰ میں حضرت صاحب الامر کی زیارت کا شرف پایا تو کہتے ہیں کہ مجھے کچھ لوگوں نے سید فاضل کامل میرزا محمد امین استر آبادی، اللہ ان کی قبر کو روشن کرے کے متعلق بتایا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک رات بیت اللہ الحرام کا طواف کر رہا تھا تو ایک خوبصورت نوجوان کو بھی طواف کرتے ہوئے دیکھا جب وہ میرے قریب پہنچا تو اس نے ایک سرخ پھولوں کا گلدستہ میرے ہاتھ میں دیا جبکہ وہ موسم پھولوں کا نہیں تھا۔ میں نے اس کو سونگھا اور کہا کہ اے سیدی یہ پھول کہاں کے ہیں تو جواب دیا صحرائی ہیں اور پھر وہ شخص میری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور پھر مجھے دکھائی نہ دیا۔

وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے عابد، زاہد شخص تھے اور علم کلام، تفسیر اور علم رجال میں اپنے تمام ساتھیوں سے زیادہ بازی لے گئے تھے۔

محمد بن مرتضیٰ ملقب بفیض

محمد بن مرتضیٰ جو کہلاتے محسن ہیں اور ان کا لقب فیض ہے فاضل، اخباری، محدث اور حکیم تھے۔ شاہ عباس کے زمانہ میں انگلستان کے بادشاہ نے ایک شخص کو سلطان کے پاس بھیجا کہ تم اپنے مذہب کے علماء سے کہو کہ میرے بھیجے ہوئے شخص سے دین و مذہب کے معاملہ میں مناظرہ کریں اگر وہ ان کا جواب دیدے تو تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ اور اسکے نمائندہ کا کام یہ تھا کہ اگر کوئی بھی چیز کوئی شخص مٹھی میں چھپالیتا تو وہ اس چیز کے تمام اوصاف بتا دیا کرتا تھا۔

سلطان نے علماء کو جمع کیا اور اس مجلس کے سربراہ آخوند ملا محسن فیض تھے۔ ملا محسن نے اس انگریز سفیر سے کہا کہ کیا تمہارے بادشاہ کے پاس کوئی عالم نہیں تھا جو تم جیسے عام شخص کو ہماری ملت کے ساتھ مناظرہ کے لیے بھیجا ہے؟ اس انگریز نے کہا کہ تم میرے ہاتھ سے نہیں نکل سکتے تم اپنے ہاتھ میں کوئی چیز چھپاؤ میں اس کے بارے میں تمہیں تفصیل بتا دونگا۔ ملا محسن نے حضرت سید الشہداء کی خاک تربت سے بنی ہوئی ایک تسبیح مٹھی میں چھپالی۔ وہ انگریز دریائے فکر میں غوطہ زن ہو گیا اور بہت کچھ غور و خوص کیا۔ ملا محسن نے کہا کہ بس عاجز رہ گئے۔ اس نے کہا نہیں میں عاجز نہیں آیا لیکن اپنے قاعدہ سے مجھے یہ پتہ چل رہا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں جنت کی کچھ مٹی ہے۔ اور میں اس سوچ میں پڑا ہوا ہوں کہ جنت کی مٹی تمہارے ہاتھ کیسے لگی؟ ملا محسن نے کہا تم سچ کہتے ہو میرے ہاتھ میں جنت کی مٹی کا ٹکڑا ہے اور وہ ایک تسبیح ہے جو ہمارے رسول کی دختر کے بیٹے کی قبر کی مٹی سے بنی ہوئی ہے وہ ہمارے امام ہیں بس ثابت ہو گیا کہ ہمارا دین سچا اور تمہارا دین باطل ہے چنانچہ اس انگریز نے اسلام قبول کر لیا۔

ملا محسن موسیقی کو جائز سمجھتے تھے اور یہ ان کا عجیب فتویٰ تھا اور ان کے اس قسم کے عجیب و غریب فتوے بہت ہیں۔ مختلف مقامات پر حسب ضرورت ان کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ایسے فتاویٰ دینے کا سبب یہ تھا کہ ان کے اندر ذوق فقاہت نہیں تھا اور عقلی علوم کی طرف زیادہ مائل تھے۔ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وقت سحر ملا محسن ایک دن اپنے باغات میں گئے اور نماز شب میں مشغول ہو گئے جبکہ ان کی ایک کنیز ان کے لیے گیت گا رہی تھی اور وہ رکوع میں تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔

وہ بڑے زاہد انسان تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کا چاقو بازار میں گر گیا۔ ایک سال بعد انہیں خیال آیا کہ چاقو بازار میں گر گیا ہے تو انہوں نے کسی شخص کو بازار میں بھیجنا چاہا کہ ان کا چاقو اٹھا لائے تو لوگوں نے کہا اتنا زمانہ گزر گیا اب وہاں چاقو کہاں ہوگا یقیناً کسی نہ کسی نے اٹھا لیا ہوگا تو ملا محسن نے کہا کہ سب لوگ تو مسلمان ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بغیر میری اجازت کے کسی نے چاقو اٹھایا ہو۔ اور آپ کے تقویٰ و پرہیزگاری کا یہ حال تھا کہ ملا محمد نام کے ایک شخص اس وقت کے بہت مشہور ملا تھے اور اسی نام کا ایک شخص ملا محسن کی مسجد کا موذن اور خادم بھی تھا تو ان ملا محمد مشہور نے ملا محسن کے پاس کسی کو بھیجا کہ ملا محسن سے ان کی صاحبزادی کا رشتہ مانگے۔ ملا محسن نے اس بات کو قبول کرلیا۔ اسی دن ملا محسن نے ملا محمد جو خادم تھا اس کے پاس کسی کو بھیجا کہ تم آج رات اپنی بیوی کو اپنے گھر لیجاؤ۔ ادھر ملا محمد مشہور کو اس قصہ کا پتہ چلا تو انہوں نے ملا محسن کے پاس کسی کو بھیجا کہ آپ کی بیٹی کے لیے رشتہ میں نے مانگا تھا اور آپ نے منظور بھی کرلیا تھا ملا محمد خادم نے نہیں مانگا تھا۔ ملا محسن نے جواب میں کہا کہ مجھے یہ سمجھ میں آیا کہ ملا محمد خادم نے یہ درخواست کی ہے اور میں نے اپنی بیٹی اس کے سپرد کردی ہے اور اب میں اپنی بات سے پھر نہیں سکتا ہوں۔

ملا محسن خالص اخباری مسلک کے تھے۔ حتی کہ انہوں نے کتاب ''مفاتیح'' مجتہدین کے مذاق میں لکھی اور مجتہدین رضوان اللہ علیہم پر بڑے اعتراضات وارد کیے خصوصاً اپنے رسالہ ''سفینۃ النجاۃ'' میں یہاں تک کہ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے بعض علماء کو فسق کے بجائے کفر تک سے نسبت دیدی ہے۔ مثلاً اس آیت کے ذریعہ کہ یابنی ارکب معنا ولا تکن مع الکافرین ان پر اعتراض کیا ہے۔ ان کے بہت سے مقالے ایسے ہیں جو صوفیوں اور فلاسفہ کے ذوق کے مطابق ہیں اور واضح طور پر کفر پر مبنی ہیں۔ وہ محی الدین عربی کا سا اعتقاد رکھتے تھے جیسے وحدت وجود وغیرہ کا۔ وہ ملا صدری کے شاگرد تھے اور انہی کی بیٹی سے شادی بھی کی تھی۔ اور ملا صدری نے ان کو ''فیض'' کا لقب دیا تھا۔ اور ملا عبدالرزاق صاحب ''شوارق'' کو فیاض کا لقب دیا۔ اور چونکہ اس زمانہ میں ملا محسن کا بول بالا تھا چنانچہ صوفیوں کے طور طریقے اس زمانہ میں بڑا رواج پاگئے حتی کہ آخوند ملا محمد باقر مجلسی عالم وجود میں آئے اور اس گروہ کا خاتمہ کیا اور شیخ احمد احسائی تو ان کو محسن (۱) کی جگہ مسئی (۲) کہتے تھے۔ اور وہ اکثر جگہ کہتے ہیں قال المسی القاسانی تبعاً لامامۃ ممیت الدین العربی۔ (مسئی قاسانی کہتا ہے اپنے امام ممیت الدین عربی کی اتباع میں)۔ مختصر یہ کہ جو محی الدین کو اچھا سمجھتا ہے اور ان کے عقائد کا اعتقاد رکھتا ہے وہ یقیناً فقہاء کو کافر ہی قرار دے گا۔

ملا محسن درحقیقت فاضل، جامع، محقق، مدقق و ماہر شخصیت ہیں اور ان کی کتاب ''مفاتیح'' اگرچہ ''مسالک'' کے لحاظ سے مختصر ہے لیکن ''مدارک'' کی ترتیب بڑی اچھی کی ہے اور اکثر مسائل کو کلی طور پر موضوع بنایا ہے۔

آپ کی تالیفات بہت ہیں بلکہ اس زمانہ سے اب تک بلکہ سابقہ کسی دور میں بھی کسی نے ملا محسن کے برابر تالیفات نہیں کی ہیں اور ان سے زیادہ کسی نے تالیف و تصنیف کا کام نہیں کیا سوائے آخوند ملا محمد باقر مجلسی کے۔

آقا سید محمد شفیع بروجردی کی کتاب ''روضۃ البہیہ'' میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاد عالم عامل کامل ملا احمد نراقی سے سنا کہ انہوں نے اپنے والد ملا مہدی نراقی سے نقل کیا کہ میں نے ملا محسن فیض کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ لوگ جو کچھ میرے بارے میں کہتے ہیں تو میں ان عقاید فاسدہ و باطلہ سے بری ہوں اور میرا اعتقاد اس چیز پر ہے جو میں نے زندگی کے آخری ایام میں لکھا ہے۔ اور اس رسالہ کا نام بھی ملا محسن نے مجھے بتایا۔ میری آنکھ کھلی تو میں نے اس رسالہ کو پڑھا تو میں نے دیکھا کہ اس میں ان کے اعتقادات سچے، حقیقی اور عدل پر مبنی ہیں۔ المختصر چونکہ میں نے ملا محسن کو نہ دیکھا ہے نہ براہ راست ان کی گفتگو سنی ہے اور قرائن سے بھی ان کے مذہب کا علم نہیں ہوتا تو ان شاء اللہ یہ خواب سچا ہی ہے۔ ملا محسن کی تالیفات دو سو کے قریب ہیں اور ملا محسن نے ایک رسالہ اپنی تالیفات کی فہرست میں لکھا۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی تالیفات درج ذیل ہیں۔

(۱) محسن: نیک پرہیزگار (۲) مسئی: گنہگار

۱۔کتاب صافی تفسیر قرآن میں دو جلدوں میں ہے تقریباً ستر ہزار اشعار ہیں ۱۰۷۵ھ میں اسکی تالیف سے فارغ ہوئے۔
۲۔کتاب تفسیر اصفی یہ تفسیر صافی سے انتخاب ہے تقریباً اکیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔
۳۔کتاب وافی جو کافی کی شرح ہے، پندرہ جلدوں میں ہے اور ان سب میں کل ڈیڑھ لاکھ اشعار ہیں اس کی تالیف سے ۱۰۶۸ھ میں فراغت ہوئی۔
۴۔کتاب شافی، کافی سے انتخاب ہے۔اس کی دو جلدیں ہیں۔پہلی جلد عقاید و اخلاق میں اور دوسری جلد میں شرائع و احکام وغیرہ ہیں اس کے اندر ہر جلد میں بارہ کتابیں ہیں۔تقریباً ۲۶ ہزار اشعار ہیں ۱۰۸۲ھ میں مکمل ہوئی۔
۵۔کتاب نوادر اس میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو مشہور کتب اربعہ میں ذکر نہیں ہوئیں۔سات ہزار ابیات پر مبنی ہے۔
۶۔احکام میں کتاب معتصم الشیعہ اس میں نماز اور اس کے مقدمات میں لکھے جاسکے جو ایک جلد میں ہیں۔چودہ ہزار اشعار ہیں۔۱۰۴۲ھ مکمل ہوئی۔
۷۔کتاب نخبہ اس میں ابواب فقہ کا خلاصہ کیا گیا ہے جو تقریباً ۳۳۲۰ باب میں ہے۔۱۰۵۰ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔
۸۔کتاب تطہیر یہ کتاب نخبہ کا انتخاب ہے علم اخلاق کے بارے میں اور تقریباً پانچ سو اشعار ہیں۔
۹۔کتاب علم الیقین اصول دین میں ہے تقریباً ۱۱۵۵۰۰ اشعار ہیں اس کی تکمیل ۱۰۴۲ھ میں ہوئی۔
۱۰۔کتاب معارف جو علم الیقین کا خلاصہ اور لب لباب ہے جو تقریباً چھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۱۰۳۶ھ میں اس سے فراغت ہوئی حالانکہ حیرت کی بات ہے کہ اصل کتاب کی تاریخ بعد کی ہے اور خلاصہ کی پہلے کہ اس کی توجیہ کیا ہے؟
۱۱۔کتاب اصول المعارف، عین الیقین کے اہم نکات کا خلاصہ ہے تقریباً چار ہزار اشعار ہیں ۱۰۸۹ھ میں تصنیف ہوئی۔
۱۲۔کتاب محجۃ البیضا در احیاء احیاء۔اس میں کل تہتر ہزار ۷۳ اشعار ہیں ۱۰۴۶ھ میں اس سے فراغت ہوئی۔
۱۳۔اسرار دین میں حقائق پر کتاب یہ محجۃ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جو سات ہزار اشعار میں ہے۔۱۰۹۰ھ میں مکمل ہوئی۔
۱۴۔کتاب قرۃ العیون تین ہزار پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے ۱۰۳۸ھ میں مکمل ہوئی۔
۱۵۔کتاب توحید کے بارے میں کلمات مکنونہ۔آٹھ سو ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔۱۰۹۰ھ میں تمام ہوئی۔
۱۶۔کتاب جلاء العیون اذکار قلب کے بیان میں دو سو بیس ۲۲۰ اشعار ہیں۔
۱۷۔یہ کتاب تشریح ہے ہیئت عالم، اس کے اجسام، ارواح کی کیفیت کے بارے میں اور حرکات افلاک و عناصر و انواع بسائط و مرکبات۔تین ہزار بیت پر مشتمل ہے۔
۱۸۔کتاب انوار الحکمۃ یہ علم الیقین سے مختصر کتاب ہے یا فوائد حکمیہ کے متعلق ہے کیونکہ انوار الحکمۃ اس سے مخصوص ہے اس میں تقریباً چھ ہزار اشعار ہیں۔اس کی تالیف ۱۰۴۳ھ میں ہوئی۔
۱۹۔کتاب لباب قول اس میں اللہ تعالیٰ کی کیفیت علم کی طرف اشارہ ہے اس میں ۱۲۰۰ اشعار ہیں۔
۲۰۔کتاب لُب (کتاب خلاصہ) اور یہ دنیا کے حادث ہونے کے بارے میں قول کا خلاصہ ہے۔۱۳۷۰ اشعار ہیں۔
۲۱۔کتاب میزان القیمۃ اس میں روز قیامت اور کیفیت میزان کے متعلق جو باتیں ہیں اس کی تحقیق ہے ۶۲۰ اشعار ہیں ۱۰۴۰ھ میں مکمل ہوئی۔
۲۲۔کتاب مراۃ الآخرہ اس میں جنت، جہنم کی حقیقت ان کا وجود اور مقام اس میں ۱۹۲۰ اشعار ہیں اور یہ ۱۰۴۴ھ میں تصنیف ہوئی۔
۲۳۔کتاب ضیاء القلب، احکام خمسہ کی تحقیق میں جو باطنی طور پر انسان پر وارد ہوتے ہیں قریباً پانچ سو اشعار ہیں ۱۰۵۷ھ میں اس سے فراغت

ہوئی۔

۲۴۔کتاب تنویر المذاہب یہ قرآن کی تفسیر پر حاشیے ہیں۔ جو تفسیر کاشفی نے مواہب کے نام سے لکھی تھی۔ تقریباً تین ہزار اشعار ہیں۔

۲۵۔شرح صحیفہ سجادیہ اوران چیزوں کی شرح ہے جو اختصار کے طور پر بیان ہوئیں ہیں اور شرح کی محتاج ہیں۔ ۱۳۳۰۰ اشعار ہیں۔

۲۶۔کتاب سفینۃ النجاۃ اس میں احکام شریعہ کے ماخذ نہیں ہیں مگر صرف محکمات اور سنتوں کا تذکرہ ہے تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار ہیں ۱۰۵۸ھ میں تصنیف ہوئی۔

۲۷۔حق المبین نامی کتاب اس میں تقیہ کی کیفیت کی تحقیق اس میں تقریباً ۱۲۵۰ اشعار ہیں ۱۰۶۸ھ میں تصنیف ہوئی۔

۲۸۔کتاب اصول اصلیہ جو دس اصلوں پر مشتمل ہے جو کتاب وسنت سے حاصل کیے گئے ہیں تقریباً ایک ہزار آٹھ اشعار ہیں یہ ۱۰۴۴ھ میں تالیف ہوئی۔

۲۹۔کتاب تسہیل السبیل درحجت یہ سید ابن طاؤس علوی کی ''کشف المحجۃ'' سے انتخاب ہے۔ تقریباً ۱۹۰۰ اشعار ہیں ۱۰۴۰ھ میں تصنیف ہوئی۔

۳۰۔کتاب نقد الاصول الفقہیہ یہ علم اصول فقیہہ کا خلاصہ ہے۔ یہ آغاز جوانی میں لکھی گئی اوران کی سب سے پہلی تصنیف ہے اس میں تقریباً ۲۳۰۰ اشعار ہیں۔

۳۱۔کتاب اصول العقاید، دین کے پانچوں اصولوں کی تحقیق میں ہے تقریباً ۱۸۲۰ اشعار ہیں ۱۰۳۶ھ میں تصنیف ہوئی۔

۳۲۔کتاب منہاج النجاۃ اس علم کے بیان میں جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے تقریباً دو ہزار اشعار ہیں ۱۰۴۲ھ میں تصنیف ہوئی۔

۳۳۔کتاب خلاصۃ الاذکار اس میں قریباً دو ہزار تین سو اشعار ہیں ۱۰۳۳ھ میں تصنیف ہوئی۔

۳۴۔کتاب ذریعۃ الفراغۃ (یعنی ذریعہ نجات) ائمہ علیہم السلام سے منقول مناجات پر مبنی ہے اس میں تقریباً پانچ لاکھ اشعار ہیں اوراس کی تصنیف ہجری سنہ کے ایک ہزار سے کچھ سال اوپر میں ہوئی۔

۳۵۔مختصر الاوراد (مختصر وظیفے) یہ روزمرہ کے اوردن، رات، ہفتہ اور سال کی بار بار پڑھی جانے والی دعاؤں پر مشتمل ہے اس میں ۱۵۰۰۰ اشعار ہیں اس کی تصنیف سے ۱۰۶۷ھ میں فارغ ہوئے۔

۳۶۔یہ ایک اعمال کی کتاب ہے شریعت مطہرہ میں جو اہم اعمال ہیں ان پر مبنی ہے اس میں قریباً ۱۵۰۰ اشعار ہیں۔

۳۷۔کتاب خطب، اس میں سو سے اوپر خطبات ہیں جو سال کے تمام جمعوں اور عیدین سے متعلق ہیں تقریباً چار ہزار اشعار پر مبنی ہے ۱۰۶۷ھ میں یہ خطبات جمع ہوئے۔

۳۸۔کتاب شہاب ثاقب زمانہ غیبت میں نماز جمعہ کے فرض عین ہونے کی تحقیق میں ہے ۱۰۵۷ھ میں تصنیف ہوئی۔

۳۹۔کتاب ابواب الجنان، وجوب نماز جمعہ اس کی شرائط، آداب اور احکام کے بارے میں ہے فارسی زبان میں ہے عوام الناس کے لیے مفید ہے ۱۵۰۰ اشعار ہیں ۱۰۵۵ھ میں تصنیف ہوئی۔

۴۰۔نماز کے ترجمہ کی کتاب اس میں اذکار نماز کا فارسی ترجمہ کیا ہے تقریباً ۱۴۵۰ اشعار ہیں ۱۰۴۳ھ میں تصنیف ہوئی۔

۴۱۔کتاب مفاتیح الخیر نماز کے فقہ اوراس کے ملحقات کے بارے میں ہے فارسی میں ہے تقریباً ۱۲۵۰ اشعار ہیں۔

۴۲۔فقہ کی کتاب طہارت کا فارسی ترجمہ ہے ۱۲۸۰ اشعار پر مبنی ہے۔

۴۳۔اذکار الطہارۃ، طہارت سے متعلق دعائیں ۱۵۰ اشعار ہیں۔

۴۴۔کتاب ترجمۃ الزکواۃ فارسی میں ہے۔ ۱۲۶۰ اشعار ہیں۔

۴۵۔ترجمۃ العقاید فارسی زبان میں ہے۔

۴۶۔کتاب الصیام یہ بھی زکوۃ کی کتاب کی طرح ہے تقریباً ۱۳۰۰ اشعار ہیں۔

۴۷۔سانح غیبی نامی رسالہ کا ترجمہ اس میں ایمان وکفر کے معنی اور مراتب ایمان وکفر پر تحقیق ہے۔

۴۸۔راہِ صواب۔اس میں اہل اسلام میں مختلف مذاہب کے اختلاف کی وجہ جو تدوین اصولیین کا باعث ہوا معنی اجماع کی تحقیق ہے یہ فارسی زبان میں ہے ایک ہزار چالیس سے کچھ اوپر کے سال میں تصنیف ہوئی۔

۴۹۔شرائط ایمان نامی رسالہ جو راہِ صواب سے انتخاب کر کے لکھا گیا ہے۔

۵۰۔کتاب ترجمۃ الشریعہ فارسی میں اس میں شریعت کے معنی ،اس کا فائدہ اور اس پر کاربند ہونے کا طریقہ اور نیکیوں اور بدیوں کی تمام اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔

۵۱۔اہم ترین اذکار پر مشتمل کتاب جو خلاصۃ الاذکار سے مختصر کر کے لیا گیا ہے۔فارسی میں ہے اس میں تین سو چالیس اشعار ہیں۔

۵۲۔کتاب رفع ودفع جس میں آفات وبلیات سے بچنے کا طریقہ قران ودعا کے ذریعہ اور تعویذ ودوا۔فارسی میں ہے چار سو بیس اشعار پر مبنی ہے۔

۵۳۔آئینہ شاہی نامی رسالہ یہ ضیاء القلب سے انتخاب ہے۔فارسی میں ہے تقریباً تین سو اشعار ہیں ۱۰۶۵ھ میں لکھا گیا۔

۵۴۔وصف خیل نامی رسالہ کہ اس میں جماعت کس طرح بنتی ہے اس کی معرفت وعلامت جو ائمہ علیہم السلام نے بتائی ہیں ذکر کی گئی ہیں فارسی میں ہے اور تقریباً دو سو اشعار پر مبنی ہے۔اس کی تصنیف ۱۰۶۷ھ میں ہوئی۔

۵۵۔زاد السالک رسالہ اس میں سلوک طریق حق پر چلنے کی کیفیت اور اس کے شرائط وآداب ذکر ہوئے ہیں۔

۵۶۔نخبہ صغریٰ نامی رسالہ جس میں طہارت،نماز،روزہ کے فقہی احکام کا خلاصہ مختصر لفظوں میں ہے۔

۵۷۔متعلقات نخبہ صغریٰ اور میں ان چیزوں کی تفصیل ہے جو نخبہ صغریٰ میں مبہم یا بہت مختصر رہ گئی تھیں۔

۵۸۔رسالہ ضوابطہ خمس اور احکام شک وسہو ونسیان جو نماز میں واقع ہوتے ہیں۔

۵۹۔رسالہ حومان اموات۔اس میں جنازہ کے متعلق بنیادی مسائل بتائے گئے ہیں۔

۶۰۔عبادات کے لیے اجرت وصول کرنا۔یہ ڈیڑھ سو اشعار پر مشتمل رسالہ ہے۔

۶۱۔اس بارے میں تحقیق پر رسالہ کہ دوشیزہ کی ترویج کے لیے ولی کی اجازت ضروری ہے اور اس کے دیگر متعلقات وغیرہ۔۱۸۰ ارش رہیں۔

۶۲۔رسالہ غنیۃ الانام،دنوں اور ساعتوں کی معرفت کے متعلق جو بھی کچھ احادیث اہل بیت سے ملتا ہے۔

۶۳۔رسالہ محاکمہ دو فاضل مجتہدین جو ہمارے اصحاب ہی تھے کے درمیان دین میں تقیہ کے موضوع پر جو مباحثہ ہوا۔

۶۴۔احجار السد اد والسیوف الحداد نامی رسالہ جو ''جواہر افراد'' کو باطل قرار دینے کے لیے لکھا گیا۔

۶۵۔ایک رسالہ رفع فتنہ در بیان تمہ،حقیقت علم وعلماء اور ان کی اوصاف اور کچھ زہد وعبادت کے معنی اور اصحاب زہد وعبادت کے بارے میں ہے۔

۶۶۔فہرست کتاب علوم اس میں ہر قسم کے علوم اور ان کی اوصاف کی شرح کی گئی ہے۔

۶۷۔ایک رسالہ خطوط اور اس میں کیے گئے سوالات کے جواب ہیں جو کتب علماء واہل معرفت اور ان کے اشعار سے حاصل کیے گئے ہیں۔

۶۸۔شرح صور نامی رسالہ اس میں اختصار کے ساتھ وہ سب کچھ بیان کیا گیا ہے جو عمر بھر میں ان کو حالات ومصائب پیش آئے۔سفر وحضر میں، افادہ واستفادہ،خوبیوں،دوستوں،شہرت،بھائیوں اور چاہنے والوں کی مفارقت اور ناپسندیدہ اصحاب وغیرہ کے بارے میں ہے اس کو ۱۰۶۵ھ میں لکھا۔

آپ سید ماجد بن ہاشم بن صادق بحرانی اور ملا صدری شیرازی سے تحصیل علم کے لیے کاشان سے شیراز گئے اور سید نعمت اللہ بن سید عبداللہ

جزائری شوشتری نے کہا کہ استاد محقق مولی محمد محسن کاشانی، صاحب وافی نے تقریباً ۲۰۰ کتابیں اور رسالے لکھے۔ آپ کی نشو ونما تو شہر قم میں ہوئی وہاں انہوں نے سنا کہ شیخ اجل محقق، مدقق، بزرگ رہبر سید ماجد بحرانی صادقی سفر سے واپس شیراز آ گئے ہیں چنانچہ ان سے حصول علوم کے لیے سید ماجد کے پاس جانے کا ارادہ کیا لیکن ان کے والد ان کو اجازت دینے کے سلسلے میں تردد کر رہے تھے کہ سفر کی اجازت دیں یا نہ دیں چنانچہ فیصلہ استخارہ پر منحصر کیا۔ اور جب استخارہ کے لیے قرآن مجید کھولا یہ آیت نکلی فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم يحذرون (سورہ توبہ آیت ۱۲۲) (پس ان کے لئے ہر بڑے گروہ میں سے ایک چھوٹا جتھا اس غرض سے کیوں نہیں نکلتا کہ دین کا علم حاصل کرے اور جب اپنی قوم میں پلٹ کر آئے تو ان کو ڈرائے تا کہ وہ لوگ بھی بچیں)۔ اور مطلوبہ چیز کے لیے اس سے زیادہ کھلی آیت ہو نہیں سکتی۔ پھر امیر المومنین جو ارباب عرفان کے حلقہ کے سردار ہیں کے دیوان بلاغت سے فال نکالی تو یہ اشعار نکلے۔

تغرب عن الا وطان في طلب العلى — وسافر ففي الاسفار خمس فوائد
تفرج هم و اكتساب معيشه — وعلم و آداب و صحبة ماجد
فان قيل في الاسفار دل و محنة — وقطع الفيافي وارتكاب الشدائد
فموت الفتي خيرله من قيامته — بدار هوان بين شر وح اسد.

بلند مقاصد کیلئے وطنوں سے نکالا جاتا ہے — اور سفر کیا جاتا ہے پس سفروں میں پانچ فائدے ہیں
آسائش ہاتھ آتی ہے معیشت کی اصلاح ہوتی ہے — علم، آداب اور بزرگ صحبت نصیب ہوتی ہے
پس اگر کہا جائے کہ سفروں میں حوصلہ اور مشقت چاہئے — کہ کبھی پانی دستیاب نہیں ہوتا اور شدائد کا سامنا ہوتا ہے
تو پھر جوان کی موت اس کیلئے قیامت سے اچھی ہے — اسے چاہئے کہ شر اور حسد کے درمیان ذلت کیلئے سبقت کرے

اور یہ اشعار بھی انکے مطلوب پر بہترین دلیل تھے۔ خصوصاً صحبة ماجد کے الفاظ تو بہت ہی کھلے طور پر مطلب پر دلالت کر رہے تھے۔
چنانچہ شیراز چلے گئے اور سید ماجد سے علوم شرعیہ حاصل کیے۔ اور علوم عقلی ملا صدری سے سیکھے نیز سید نے ملا صدری کی صاحبزادی سے شادی کی۔ سید ماجد کو شیخ بہائی اور میر داماد سے اجازہ حاصل ہے۔ اور ملا محسن کو شیخ بہائی و میر داماد سے اور ملا محسن علامہ مجلسی آخوند ملا محمد باقر کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں۔

سید نعمت اللہ جزائری موسوی کہتے ہیں کہ جب میں شیراز پہنچا تو ملا صدری کے صاحبزادے میرزا ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حکمت وکلام پڑھا اور شرح جدید تجرید پر جو حاشیہ شمس الدین خفری پر ان کا حاشیہ ہے وہ ان سے پڑھا۔ وہ تمام علوم عقلی و نقلی کے جامع تھے اور ان کا اصول دین میں اعتقاد ان کے والد کے اعتقاد سے زیادہ بہتر تھا اور ہمیشہ اپنی تعریف میں یہ کہا کرتے تھے کہ میرا اعتقاد عام لوگوں کے اعتقاد کی طرح ہے اور ان کا نام میرزا ابراہیم تھا۔ یہاں تک سید نعمت اللہ کا کلام تھا۔

آخوند ملا علی نوری حکیم الٰہی ہمیشہ کہتے تھے کہ پروردگار مجھے عام لوگوں کے اعتقاد کے ساتھ ہی موت دینا۔ میرزا ابراہیم نے شرح لمعہ کے آغاز کتاب سے کتاب زکوۃ تک کے حصوں پر حاشیہ لکھا ہے۔

ملا محسن کی اور بھی تالیفات ہیں جیسے "کلمات مکنونہ"، "کتاب مقتل ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ" اور فقہ میں کتاب "مفاتیح" جو طہارت سے دیات تک ہے اور اس پر بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں جیسے "شرح آقا باقر بہبہانی"، "شرح بحر العلوم" آقا سید مہدی طباطبائی اور ملا محسن کے بھتیجے ملا محمد ہادی کی شرح۔ اس ناچیز مولف کتاب نے بھی اس پر حواشی لکھے ہیں جو غیر مدونہ ہیں۔

کتاب ''عوامل'' بھی ملا محسن کی تالیف ہے جو علم نحو میں ہے اور اس سے طالب علموں کو درس نحو دیا جاتا ہے۔ اور ملا محسن بن محمد طاہر قزوینی نے جو کتاب ''زینۃ السالک'' کے مولف ہیں ''الفیہ ابن مالک'' کی شرح میں جو چار جلدوں میں ہے عوامل ملا محسن پر ''عوامل ساعیہ'' نامی شرح لکھی اور ان فقیہ نے ملا محسن کے شواہد اشعار عوامل کو فارسی میں لکھا ہے اور اسی طرح شرح فارسی ان فقرات کی **ثمانا بعد ماجاوزت الاثنین** ان کی ترتیب پر فارسی میں لکھا ہے۔ اسی طرح عوامل ملا محسن کی شرح فارسی نودان میں لکھی۔

ملا محسن کو شیخ محمد پسر صاحب ''معالم'' سے اجازہ حاصل ہے۔ اور سید نعمت اللہ نے کتاب ''زہر الربیع'' میں لکھا ہے کہ بعض شیعہ سلاطین کے زمانہ میں ان سلاطین کے جو ہمارے ہم عصر تھے ایک عظیم زلزلہ شیروان کے مضافات واطراف میں آیا کہ اس میں کثیر تعداد میں لوگ ہلاک ہوئے ان علاقوں میں رہنے والوں میں سے ثقہ لوگوں نے یہ کہا کہ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو استاد علامہ محقق کاشانی جو صاحب کتاب وافی ہیں اور اسی طرح کی اور کتابوں سے جو دو سو سے زیادہ ہیں وہ لکھنے والے ہیں وہاں دربار حکومت میں موجود تھے۔ سلطان نے ملا محسن سے پوچھا کہ ایسا زلزلہ کیوں آیا تو ملا محسن نے جواب دیا کہ یہ قاضیوں کے ظلم وستم، خواہشات کی پیروی اور رشوت ستانی کی بناء پر ہے جن کی وجہ سے وہ غلط فیصلے کرتے ہیں۔ سلطان نے کہا کہ ہم جب اس سفر سے واپس جائیں گے تو ہر شہر میں مجتہد کا تقرر کریں گے تاکہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں۔ اس وقت سلطان خراسان میں تھا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ جب واپس لوٹے گا تو آقا محمد باقر سبزواری کو اصفہان کا قاضی بنائے گا کیونکہ وہ فقیہ عادل تھے تو سلطان نے ملا محسن سے کہا کہ اگر آقا محمد باقر سبزواری یہ عہدہ قبول نہ فرمائیں تو پھر کیا کرنا ہوگا۔ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ان کے اوپر واجب ہے کہ اسے قبول کریں اور اگر وہ قبول نہ کریں تو آپ پر واجب ہے کہ ان کو قبول کروانے کے لیے جبر کریں۔ لیکن ابھی سلطان اصفہان نہیں پہنچا تھا کہ وفات پا گیا اور وہ یہ کام انجام نہ دے سکا۔ ہاں اس کے بیٹے شاہ سلیمان نے ہمارے استاد صاحب بحار الانوار جو تیس جلدوں کی کتاب ہے، کو شیخ الاسلام قرار دیا اور انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے قیام کیا اور انہوں نے ان بتوں کو جن کی لوگ پرستش کرتے تھے توڑ دیا اور شراب کو بہا دیا اور تمام قسم کے گناہ جو محرمات وغیرہ سے متعلق تھے بالکل ملیامیٹ کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کہ اس نے امر کو شیخ کے اہل تک پہنچا دیا بعد اس کے کہ سالہا سال اہل سنت اور عامۃ الناس کے قبضہ میں تھا۔ یہاں تک سید نعمت اللہ جزائری کا کلام تھا۔

ملا ابراہیم بن صدری نے ''عروۃ الوثقی'' نام کی تفسیر لکھی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ زندہ کو مردہ سے نکالنے کی مانند ہے۔ اور میرزا ابراہیم سے یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ میرے والد نے وقت وفات یہ کہا کہ افسوس جو میرے ذہن میں بات تھی وہ ثابت نہ ہو سکی۔ لوگوں نے پوچھا: آپ کے ذہن میں کیا بات تھی۔ کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ میں مقربین میں سے ہوں اب مجھے پتہ چلا کہ میں مقربین میں نہیں ہوں بلکہ صرف اصحاب یمین میں شامل ہوں۔

ملا صدری جن کا لقب صدر الدین محمد بن ابراہیم شیرازی ہے اور صدر المتالہین بھی ان کے القاب میں سے ہے کہتے ہیں کہ میرے والد وزراء میں سے تھے اور ان کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی چنانچہ انہوں نے منت کے طور پر اپنے اوپر لازم کر لیا کہ فقراء میں کثیر مال تقسیم کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک صالح موحد بیٹا عطا کرے۔ پس اللہ نے ان کی نذر کو قبول کر لیا اور ملا صدری جیسا فرزند ان کو عنایت کیا۔ اور جب ان کے والد کا انتقال ہو گیا تو ملا صدری شیراز سے اصفہان آ گئے اور شیخ بہائی سے علم منقول حاصل کیا پھر میر محمد باقر داماد کی مجلس میں جا پہنچے اور وہاں علم معقول کا درس حاصل کیا۔ اور دونوں سے اجازہ حاصل کیا اور وہاں سے قم کے کسی دیہات میں چلے گئے اور ریاضت شروع کر دی۔ سات دفعہ مکہ معظمہ کہ اللہ اسکی عظمت میں اضافہ فرمائے کی زیارت کا شرف پایا اور ساتویں دفعہ جب وہاں سے لوٹ رہے تھے تو بصرہ میں وفات پائی۔

ان کی تالیفات میں کافی پر شرح تین جلدوں میں ہے اور آخری میں کچھ حصہ کتاب حجت کا ہے۔ اور کتاب ''تفسیر سورۂ آل عمران''، ''تفسیر فاتحہ و بقرہ و آیۃ الکرسی''، ''تفسیر سورۂ اخلاص''، ''تفسیر سورۂ حدید و تفسیر سورۂ جاثیہ'' اور کتاب ''اسفار اربعہ'' چار جلدوں میں ہے۔ اس میں پہلی سفر امور عامہ ہے۔ دوسری جواہر و اعراض۔ تیسری سفر نفس اور چوتھی الٰہیات ہے۔ اور کتاب ''شواہد ربوبیہ''، ''مشاعر''، ''مبداء و معاد''، ''مفاتیح الغیب''، ''کسر الاصنام''، ''اسرار الآیات''، ''شرح ھدایہ'' اور ''شرح حدیث اول باب عقل وجہل''۔

اپنا اجازہ اس طرح لکھا۔

مجھ سے بیان کیا میرے شیخ اور استاد جو نقلی علوم میں میرے استاد ہیں اور اپنے زمانے کے عالم ہیں اپنے زمانے کے شیخ ہیں حق اور دین کی زینت (جن کا نام ہے) محمد العاملی الحارثی الہمد انی اللہ ان کے قلب کو منور کرے انوار قدسیہ سے۔ وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد ماجد المکرم اور استاد المجد المعظم شیخ الفاضل الکامل حسین بن عبدالصمد سے اللہ ان کی روح کو اپنی رحمت اور رضوان کی کثرت عطا فرمائے اور دار الجنان میں ان کا مسکن قرار دے۔ انہوں نے روایت کی ہے اپنے شیخ جلیل اور دانا استاد، اسلام کا ستون اور مسلمانوں کا فخر، ملت اور دین کی زینت العاملی سے کہ اللہ ان کی مرقد کو منور کرے اور ان کا ٹھکانہ جنت ہو، انہوں نے شیخ معظم عظیم المرتبہ، سردار مددگار، صاحبِ تکریم، عالی نسب، سامی لقب، المجد المہذب علی بن عبدالعالی کرکی سے کہ اللہ نے ان کی روح کو پاکیزگی عطا فرمائی، انہوں نے صاحبِ جلالت و پرہیزگاری شیخ علی بن ہلال جزائری سے انہوں نے القائم القائد احمد بن فہد حلی سے انہوں نے شیخ بن خازن حائری سے انہوں نے شیخ فاضل زیرک، کامل، سعید، شہید محمد بن مکی سے اللہ ان کے رتبے کو اور بڑھائے اور شیخ زین الملت والدین سے ایک سلسلہ یوں ہے کہ انہوں نے روایت کیا انہوں نے شیخ فاضل تقی علی بن عبدالعالی میسی سے، اللہ ان کی روح کو پاکیزہ فیض سے فرحت عطا فرمائے، انہوں نے شیخ سعید بن محمد داؤد موذن جزینی سے انہوں نے شیخ کامل ضیاالدین علی سے انہوں نے اپنے والد افضل، اکمل، محقق، مدقق، دو فضیلتوں کے جمع کرنے والے، منقبت کرنے والوں پر حاوی، رتبہ علما اور درجہ شہداء (پر فائز) شیخ شمس الدین محمد بن مکی سے اللہ ان کی منزلت اور بڑھائے اور خدا کی رضاؤں کے آسمان میں کمال کی طرف سبقت کرنے والے میرے سردار جو میری سند اور اسناد ہیں معالمِ دینیہ، علوم الٰہیہ، معارفِ حقیقیہ اور اصولِ یقینیہ میں، السید الاجل الانور، العالم المقدس الاطہر الحکیم الالٰہی اور فقیہ ربانی، اپنے عصر کے سردار اپنے زمانے کی خالص شخصیت، امیر کبیر، بدر منیر، علامۃ الزمان، ادوار کی نہایت عجیب چیز جن کا نام ہے محمد اور جن کا لقب ہے باقر داماد الحسینی، اللہ تعالیٰ نے ان کی عقل کو نورِ ربانی سے پاکیزگی عطا کی ہے، انہوں نے اپنے استاد اور قابلِ تکریم وعظمت ماموں شیخ عبدالعالی رحم اللہ سے، انہوں نے اپنے والد بلند مرتبہ سردار جن کا نام آسمانوں کے گوش و کنار میں مشہور ہے، یعنی شیخ علی بن عبدالعالی مذکور جو سند یافتہ ہیں مذکورہ سند سے اور ان کے علاوہ شیخ شہید محمد بن مکی، اللہ ان کی روح کو پاکیزگی عطا فرمائے، انہوں نے مشائخ کی ایک جماعت سے جس میں ہیں شیخ عمید الدین عبدالمطلب الحسینی اور شیخ اجل الافضل فخر المحققین ابو طالب محمد حلی اور مولیٰ علامہ مولانا قطب رازی اور انہوں نے روایت کی شیخ علامہ زمین پر اللہ کی نشانی، دین وملت کی زیبائی ابوالمنصور الحسن مطہر حلی سے اللہ ان روح کو پاکیزگی عطا فرمائے انہوں نے اپنے شیخ محقق، فقہاء اور اصولیین کے سردار، ملت اور دین کے ستارے ابی قاسم بن جعفر بن حسن سعید حلی سے انہوں نے سید جلیل ماہرِ نساب، فخار بن معد موسوی سے انہوں نے شاذان بن جبرئیل قمی سے انہوں نے محمد بن ابی قاسم طبری سے انہوں نے شیخ الفقیہ ابی علی حسن سے انہوں نے اپنے والد الاجل الاکمل شیخ طائفہ بن محمد بن حسن طوسی سے اللہ ان کے مرقد کو نورانی بنائے اور علامہ جمال الملت والدین سے انہوں نے اپنے استاد افضل المحققین، سلطان الحکما والمتکلمین خواجہ نصیر الملت والحکمت والحقیقت والدین محمد طوسی سے، اللہ ان کی رُوح کو اپنے پاکیزہ نور سے فرحت بخشے، انہوں نے اپنے والد محمد بن حسن طوسی سے انہوں نے سید جلیل فضل اللہ راوندی سے انہوں نے سید مجتبیٰ ابن داعی الحسینی سے بعض نے انہیں حسنی بھی کہا ہے، انہوں نے شیخ طوسی سے انہوں نے شیخ الاعظم مفید محمد بن نعمان حارثی سے اللہ انہیں سیراب کرے، انہوں نے شیخ اجل ثقۃ الاسلام والمسلمین، خلق اللہ کے برگزیدہ محمد بن بابویہ قمی اعلیٰ اللہ مقامہ سے، انہوں نے ابوالقاسم جعفر بن قولویہ سے انہوں نے شیخ جلیل ثقۃ الاسلام والمسلمین اور محدثین کی سند ابی جعفر محمد بن یعقوب کلینی سے۔

یہاں تک ملاصدری کا کلام تھا۔ ملاصدری کے بہت سے شاگرد تھے ان میں ایک ملا محسن فیض، اور شیخ حسین تنکابنی جنہوں نے خفری کی الٰہیات شرح تجرید پر حاشیہ لکھا اور ملا عبدالرزاق لاہیجی جن کا لقب فیاض ہے اور صاحب کتاب ''شوارق شرح تجرید'' اور صاحب کتاب ''گوہر مراد'' ہیں جو اصول دین میں سرمایہ ایمان ہے انہوں نے ''شرح جدید تجرید'' پر حواشی لکھے اور ان کا مذہب اطوارِ شرع سے نزدیک تر ہے جیسا کہ ''گوہر مراد'' سے پتہ چلتا ہے مگر یہ خدا کو معلوم ہے کہ یہ تقیہ کی بناء پر تھا یا کسی اور وجہ سے۔

کہتے ہیں کہ ملاعبدالرزاق سے پوچھا گیا کہ اگر کوا کنوئیں میں گر جائے تو کتنے ڈول کھینچے جائیں تو آخوند ملا عبدالرزاق نے جواب دیا کہ کوا بڑا چالاک پرندہ ہوتا ہے وہ بھلا کنوئیں میں کیوں گرے گا۔ اور ایسا ہی ایک واقعہ وہ ہے کہ جب ملا علی نوری سے سوال کیا گیا کہ مچھلی کنویں میں گر جائے تو کتنے ڈول کھینچے جائیں۔ آخوند نے کچھ دیر سوچا پھر بولے کہ یہ مسئلہ مجھے نہیں معلوم (۱)۔

ملاعبدالرزاق کا ایک بیٹا تھا میرزا حسن فقہا اور مقدسین میں سے تھا۔ کتاب ''جمال الصالحین'' جو دعاؤں کے بارے میں ہے میرزا حسن کی تالیف ہے۔ ملاصدری کے مذہب کے بارے میں اختلاف ہے۔ فقہا کی ایک جماعت تو ان کو کافر سمجھتی ہے کہ انہوں نے چند مسائل شریعت حق سے خلاف بیان کیے ہیں ان میں سے ایک وحدت وجود کا مسئلہ ہے اس کو انہوں نے اس حد تک پہنچا دیا کہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ **قال محی الدین عربی فرعون مات مومناً موحداً** (محی الدین عربی نے کہا فرعون مومن موحد کی موت مرا ہے) اور یہ لکھنے کے بعد انہوں نے کہا **هذا کلام یشم منه رائحة التحقیق** (اس بات سے تحقیق کی خوشبو آ رہی ہے) اور ملا روم کے شعر سے بھی یہی بات ظاہر ہو رہی ہے جب انہوں نے کہا:

چونکه بی رنگی اسیر رنگ شد　　موسی با موسی در جنگ شد

ترجمہ: جب بے رنگ پر رنگ چڑھ گیا تو موسیٰ گویا موسیٰ سے ہی مقابلہ کرنے لگا۔

اور امیر المومنینؑ اور ابن ملجم کے قصہ میں کہتے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے ابن ملجم سے کہا

غم مخور جانا شفیع تو منم　　مالک روحم نه مملوک تنم

ترجمہ: اے میرے پیارے تو غم نہ کھا میں تیری شفاعت کروں گا کیونکہ میں روح کا مالک ہوں اپنے جسم کا بندہ نہیں ہوں۔

یہ تو بالکل کھلی بات ہے کہ کوئی بھی عقلمند یہ نہیں کہتا کہ امیر المومنینؑ اور ابن ملجم دونوں اچھے تھے۔ بلکہ عقل کی رو سے امیر المومنینؑ کو ابن ملجم سے اچھا ہونا چاہئے۔ اسی طرح عقلمندوں کے نزدیک موسیٰؑ اور فرعون دونوں اچھے نہیں ہو سکتے یا تو موسیٰؑ نیک ہوں اور فرعون بد یا اس کے برخلاف ہو۔

سید داماد نے جو ملاصدری کے استاد ہیں ایک بڑی اچھی رباعی ملاصدری کی تعریف میں کہی ہے۔

صدری گرفته چاهت باج از گردون　　درفضل تو داده است خراج افلاطون

در مسند تحقیق نیامد مثلت　　یکسر ز گریبان طبیعت بیرون

ترجمہ: صدری نے تو آسمان سے خراج وصول کر لیا۔ تیرے فضل و بزرگی کو تو افلاطون نے بھی محصول پیش کیا ہے۔

مسندِ تحقیق پر تجھ جیسا اور کوئی براجمان نہ ہوا جو فطرت کے تسلط سے بھی باہر رہا ہو۔

مختصر یہ کہ دوسرا مسئلہ جہاں آخوند ملاصدری نے ٹھوکر کھائی ہے وہ یہ ہے کہ ''شرح اصول کافی'' میں تفسیر سورہ بقرہ میں اور اپنی ''کتاب اسفار'' میں اس بات کے قائل ہیں کہ منکروں پر ایک نہ ایک دن عذاب منقطع ہو جائے گا اور جہنم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے حالانکہ اسلام کے تقاضے اس کے خلاف ہیں۔ لیکن مولف کتاب نے آخوند ملا علی نوری کے ایک شاگرد سے سنا کہ اس نے یہ کہا کہ آخوند ملا علی نے یہ بتایا کہ ملاصدری آخر عمر میں اس عقیدہ کو چھوڑ کر عذاب جہنم کے خلود کے قائل ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے عذاب کی ہمیشگی اور اس کے کبھی نہ ختم ہونے کے بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔

دوسرے یہ کہ کتاب ''اسفار'' میں مراتب عشق کے بارے میں لکھا ہے کہ مجازی عشق و محبت درحقیقت خدا کے ساتھ عشق ہے اس قاعدہ کے مطابق کہ **المجاز قنطرة الحقیقة** (مجاز حقیقت کے لئے بڑا پل ہے)۔

مرحوم حاجی ملا محمد صالح برغانی نے ایک مضحکہ خیز حکایت بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ مالکی علماء میں سے ایک شخص سفر پر جا رہا تھا اور چونکہ مالک

---

(۱) ہر دور میں علماء سے بیوقوفی کے سوالات کیے جاتے رہے ہیں جن کی یہ دو مثالیں ہیں حیرت تو اس وقت ہوتی ہے جب آج کے دور میں بھی اسی طرح کے سوالات پوچھے جاتے ہیں جب کہ علم کا دور دورہ ہے۔

اس شخص کے لیے جو تنہا سفر کر رہا ہو اور بیوی ساتھ نہ ہو غلام سے وطی کو جائز سمجھتا ہے اور منظومہ فقہ مالکی میں مالک کے اس موضوع پر کچھ اشعار بھی ہیں تو حاجی ملا محمد صالح کہتے ہیں کہ ایک آفندی کسی کے گھر پہنچا اور رات وہاں بسر کی صاحبِ خانہ آفندی کے ساتھ بڑی عزت واحترام سے پیش آیا۔ صاحبِ خانہ کا ایک بیٹا جس نے ابھی جوانی کی منزل میں قدم نہ رکھا تھا بے حد خوبصورت تھا اور آفندی بار بار اسکے چہرے کو تکے جارہا تھا۔ اور نگاہ اس کے رخسار سے ہٹاتا ہی نہ تھا۔ تو صاحب خانہ نے جو اس بچہ کا باپ تھا آفندی سے پوچھا کہ تم میرے بیٹے کو مسلسل دیکھے جارہے ہو آخر کیوں؟ آفندی نے کہا میں خدا کی عجیب خلقت کو دیکھ رہا ہوں اور اس کی قدرت کمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ایسی حسین صورت کتم عدم سے پردہ وجود پر لے آیا ہے۔ صاحبِ خانہ نے اس پر اس کی سرزنش کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی عالم سے اس قسم کی باتیں یعنی نوخیز لڑکوں سے عشق کرنا اور اس کو خلاق عالم کے عشق کے لیے ایک عظیم پل کی طرح سمجھنا بڑی ہی حیرت انگیز بات ہے۔ بے شک وحدت وجود میں ایسی باطل چیزیں بہت پائی جاتی ہیں جب کہ ائمہؑ کی احادیث میں عشق کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ صرف ایک حدیث میں ہے اور وہ حدیث قدسی ہے۔ حضرت صادق علیہ السلام سے عشق کے بارے میں سوال کیا گیا حدیث کی عبارت یوں ہے: سئل عن الصادق علیہ السلام عن العشق فقال علیہ السلام قلوب خلت عن ذکر اللہ فاذاقھا اللہ محبة غیرہ ۔ یعنی اسرار حقائق ودقائق کو کھولنے والے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عشق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کچھ دل ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے ذکر سے خالی ہوتے ہیں تو اللہ ایسے دلوں میں غیر اللہ کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ شیخ احمد احسائی زیارت جامعہ کبیرہ کی شرح میں اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ تو دیکھ اور غور کر کہ حضرت صادق علیہ السلام کو عشق کتنا برا اور مکروہ لگتا ہے کہ سوال کے جواب میں بھی یہ پسند نہیں کیا کہ لفظ عشق ان کی زبان مبارک پر جاری ہو اور یہ نہ فرمایا کہ عشق سے دل ذکر خدا سے خالی ہو جاتے ہیں بلکہ فرمایا کہ دل جو ذکر خدا سے خالی ہوں۔

دوسرا مسئلہ معاد کے بارے میں ہے۔ ''شواہد ربوبیہ'' میں ملاصدری نے کہا کہ حق یہ ہے کہ معاد جسم عنصری کے لیے ہے لیکن جب اس بات کی وضاحت اور تحقیق کرنے لگے تو ظاہری عبادت میں بدن عنصری کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہوا۔ نیز انہوں نے جنت کی بھی کئی اقسام بنا ڈالیں۔ پہلی جنت جس میں حور وقصور نہریں اور درخت وغیرہ ہیں لیکن کیا یہ جنت عوام ہے؟ کیونکہ وہ سوائے حوروں، محلات، نہروں اور درختوں کے کچھ اور سمجھتے ہی نہیں لہٰذا ان کے خیال کو ہی حقیقت بنا دیا۔ اور باقی اقسام جنت کو یوں سمجھیں کہ وہ مثنوی میں ملا رومی کے شعر کو یاد دلاتے ہیں انہوں نے کہا:

هشت جنت چیست اعمال خودت
هفت دوزخ چیست افعال خودت

ترجمہ: آٹھ جنتیں کیا ہیں تیرے اپنے اعمال ہیں سات دوزخ کیا ہیں تیرے اپنے افعال ہیں

المختصر آپ کی باتوں کا ظاہر اچھا نہیں ہے لیکن کفر کا حکم لگانا تو وہ مدت ہوئے دنیا سے گزر چکے۔ قصہ مختصر اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ آپ غور کریں مجھے اس مقام پر توقف ہے۔ میرزا ابراہیم فرزند ملاصدری کی وفات شاہ عباس ثانی کے دور حکومت میں ۱۰۷۰ھ میں واقع ہوئی۔

میر محمد باقر داماد

محمد بن محمد جو باقر داماد کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور یہ بات انہوں نے خود ''شرح صحیفہ'' میں فرمائی ہے۔ نسباً سید حسینی اور اصلاً استرآبادی ہیں ان کی سکونت اصفہان کی تھی۔ عمومی طور پر میر داماد اور میر محمد باقر کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور داماد ان کے والد کے القاب میں سے ہے کیونکہ ان کے والد محقق ثانی شیخ علی بن عبدالعالی کرکی کے داماد تھے۔ محقق ثانی کی صاحبزادی میر محمد باقر کی والدہ ہیں لہٰذا میر محمد باقر کے والد کو داماد کہتے تھے۔ اور والد کا لقب ہی بیٹے کا لقب بن گیا۔ آپ لوگوں کے رہبر، نامور فاضل، نادر عالم، کامل وفاضل ترین شخص، فضائل کا مینار اور بے کنار سمندر تھے۔ آپ بہت بڑے علامہ

ہیں اور علم لغت میں صاحب ''قاموس وصحاح'' سے بھی بازی لے گئے ہیں۔ علوم عربیت میں ارباب ادب کو علم سے شناور کر دیا ہے۔ فصاحت، بلاغت، انشاء وشعریت ونظم ونثر میں اہل زمانہ کے سردار اور منطق وحکمت وکلام میں مشہور علماء میں تسلیم شدہ اور حدیث وفقہ میں سب سے زیادہ ''فائق'' اور علم رجال میں سب سے زیادہ کامل، علم ریاضی کی کل اقسام میں منفرد اور گفتگو میں بے نظیر۔ اصول کی گتھیوں کو سلجھانے والے اور قرآن کی تفسیر کے علم میں عجوبہ زمانہ تھے۔ بزرگوار ماموں کے شاگرد اور کل فضائل کے دائرہ کا مرکز شیخ عبدالعالی بن عبدالعالی کرکی ان کے ماموں تھے۔ اور ان سے انہوں نے اجازہ بھی حاصل کیا۔ ''مقابیس'' میں شیخ اسداللہ کاظمینی نے لکھا ہے کہ ان کو شیخ بہائی کے والد شیخ حسین بن عبدالصمد سے بھی اجازہ حاصل ہے اور وہ خود ملاصدری کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور ان کے فخر کے لیے یہی بات کافی ہے کہ ملاصدری جیسا منفرد فاضل ان کے خوان فیض کے ابجد پڑھنے والوں میں سے ہے۔ اور علم حروف وغیرہ میں تو بے حد شہرت پائے ہوئے ہیں بلکہ تمام ہی علوم میں نصف النہار کے سورج کی طرح دمکتے ہیں اور وہ خود کو معلم قرار دیتے تھے اور اپنی کسی تالیف میں انہوں نے کہا ہے: ہمارے تعلیم کے ساتھی ابونصر فارابی اور اگر ہمیار کی کوئی بات نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا شاگرد بہمیار کہتا ہے۔ اور یہ وہی ہیں جن کے لیے ملا عبداللہ تونی نے کہا تھا کہ آج تم علماء پر فخر ومباہات کرو اور کہو کہ میرزا کا کلام میں نے سمجھا ہے اور وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ یہ عرب بچہ یعنی شیخ بہائی میرے بعد کوئی نئی بات پیدا کرے گا۔

سنا گیا ہے کہ شاہ عباس نے میر داماد سے خواہش کی کہ کوئی طریقہ ایسا نکالو کہ جس سے شہد کی مکھی کے موم اور شہد بنانے کا طریقہ پتہ چل جائے۔ تو میر نے کہا کہ مکھیوں کے لئے ایک گھر شیشہ کا بنانا چاہئے اور اس میں مکھیاں بند کر کے دربار میں رکھ دیا تاکہ دیکھیں کہ مکھیاں کیا کرتی ہیں۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ مکھیوں نے سارے شیشہ کو کالا کر دیا اور پھر اپنا چھتہ اور شہد بنانا شروع کیا اور معمہ معمہ ہی بنا رہا۔

کہتے ہیں کہ ایک دن ملاصدری درس کے لیے اپنے استاد میر داماد کے پاس حاضر ہوئے ابھی میر گھر سے باہر نہیں آئے تھے اتنی دیر میں ایک تاجر کسی اہم کام سے میر کی درس گاہ آیا اور اس تاجر نے ملاصدری سے پوچھا کہ میر افضل ہیں یا فلاں ملا۔ ملاصدری نے جواب دیا میر افضل ہیں۔ اتنی دیر میں میر بھی آگئے اور سنا کہ اس قسم کی بات چیت ہو رہی ہے تو کسی دروازہ یا دیوار کے پیچھے ٹھہر گئے اور سننے لگے کہ اب آگے کیا گفتگو ہوگی۔ وہ تاجر ایک ایک عالم کا نام لیکر کہتا رہا کہ کون افضل ہے اور ملاصدری کہتے رہے کہ میر افضل ہے۔ اس کے بعد اس تاجر نے کہا کہ میر افضل ہیں یا شیخ الرئیس ابوعلی سینا۔ ملاصدری نے پھر یہی کہا کہ میر افضل ہیں پھر اس نے کہا کہ میر افضل ہیں یا معلم ثانی اب ملاصدری تھوڑا رک گئے اور خاموش ہوگئے تو میر نے اچانک پشت دیوار سے پکار کر کہا صدری ڈرو نہیں کہہ دو کہ میر افضل ہے۔

آپ شیر خوارگی میں عام منزلت کے قائل تھے اور یہی مذہب ومسلک شیخ طوسی صاحب کتاب ''مجمع البیان'' کا ہے اور وہ دلالت الفاظ کو ذاتی سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ گیلان کے دو آدمیوں نے میر سے کہا کہ آپ دلالت الفاظ کو ذاتی قرار دیتے ہیں تو فرمائیے کہ فسک اور پسک کیا ہوتا ہے میر تین دن تک غور کرتے رہے۔ پھر کہا کہ ظاہر یوں ہے کہ ایک پیشاب کا مخرج ہے اور دوسرا پیخانہ کا مخرج۔ تو انہوں نے کہا کہ واقعہ ایسا ہی ہے۔ پھر ان دونوں کے لیے بددعا کی کہ مجھے ایسے پست الفاظ کے لیے بیکار مشغول رکھا اور ان دونوں کی وفات انہی دنوں میں ہوگئی۔

کہتے ہیں کہ میر داماد نے چالیس سال تک سونے کے لیے پاؤں نہیں پھیلائے اور بیس سال تک ان سے کوئی مباح کام بھی سرزد نہ ہوا اور بعض یہ خصوصیت مقدس محقق اردبیلی کی بیان کرتے ہیں اور شاید دونوں ہی باتیں درست ہوں اور بہت سے علماء کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے مدت العمر کبھی کوئی مباح کام بھی نہ کیا جیسے شہید اول اور ان کے جیسے اور علماء اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام بھی وہ انجام دیتے تھے اس میں ان کا مقصد ونیت قربت اور رضائے خدا کا ہوتا تھا۔ مثلاً وہ سوتے تھے تو اس نیت سے کہ میں اس لیے سو رہا ہوں کہ میرے اندر تازہ قوت آجائے کہ عبادت کو بہترین طریقے سے انجام دے سکوں اور اسی طرح اپنے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کے متعلق ایسے ہی ارادے کرتے تھے۔

آپ کی تالیفات بہت ہیں۔ اس میں ''صراط المستقیم'' ہے کہ جس کے متعلق ایک شاعر نے کہا ہے کہ جو میر داماد کی صراط مستقیم دیکھ لے وہ مسلمان

کافر نہیں ہوسکتا۔ اور حکمت وفقہ میں ''قبسات'' اور ''حبل المتین'' ، ''شرح نجات'' ، ''کافی پر حواشی'' ، ''فقیہ پر حواشی'' ، ''صحیفہ کاملہ سجادیہ پر حواشی'' ، اور ''مہدی علیہ السلام کا نام نہ لینے پر رسالہ'' ، ''کتاب عیون المسائل'' ، ''کتاب خلعۃ الملوک'' ، ''کتاب تقویم الاعیان'' ، ''کتاب افق المبین'' ، ''کتاب رواشح سماویہ'' ، ''کتاب سبع شداد'' ، ''کتاب ضوابط الرضاع'' (دودھ پلانے کے قاعدے) ، ''کتاب ایماضات وتشریفات'' ، ''کتاب شرح استبصار'' ، اور اس بارے میں رسالہ کہ جو ماں کی طرف سے نسباً ہاشمی ہو وہ سادات میں شمار ہوتا ہے اور اس کو خمس دیا جاسکتا ہے۔ اور مسئلہ بدا میں ''نبراس الضیاء''۔

آپ کی وفات ۱۰۴۱ھ میں ہوئی اور شیخ بہائی کی وفات ان سے دس سال قبل ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ ملاصدری نے میرزا کو خواب میں دیکھا تو ان سے سوال کیا کہ لوگوں نے مجھ پر تو کفر کا فتویٰ لگایا لیکن آپ پر نہ لگایا حالانکہ میرا مسلک وہی ہے جو آپ کا مسلک تھا۔ تو میر داماد نے جواب میں کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے مطالب حکمت کو اس طرح لکھا ہے کہ علماء تک ان کو نہیں سمجھ پاتے اور سوائے اس کے کوئی حکیمانہ امور سے آگاہ ہو ان کو کوئی نہیں سمجھ پاتا اور تو نے مطالب حکمت کو ذلیل و بے قدر کر دیا اور اس طرح بیان کر دیا کہ اگر مکتب کا ملا بھی تیری کتابیں دیکھے تو ان کے مفہوم کو سمجھ لیتا ہے لہٰذا تجھے کافر قرار دیا گیا اور مجھے نہیں۔

اللہ تعالیٰ دونوں پر جنتوں میں رحمت نازل فرمائے اپنے رسول مختار اور ان کے اہل بیت اطہار کے ساتھ۔

شیخ عبدالعالی محقق ثانیؒ

شیخ عبدالعالی بن علی بن عالی کرکی محقق ثانی کے فرزند ہیں، میر داماد کے ماموں اور میر حسین بن سید حیدر کرکی کے بھی ماموں ہیں۔ اور وہ صاحبِ فضل وصاحبِ علم کلام اور محدث و عابد اور جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔ اپنے والد سے اجازہ یافتہ ہیں اور ان کا ایک رسالہ ہر جگہ کے قبلہ کے متعلق اور خصوصاً خراسان کے قبلہ کے متعلق ہے اور ایک کتاب ''تعلیق الارشاد'' ہے۔ سید مصطفیٰ تفریشی نے اپنی کتاب میں لکھا کہ شیخ عبدالعالی جلیل القدر، رفیع المنزلت، عظیم الشان، پاکیزہ کلام اور کثیر الحافظہ تھے اور میں نے ان کی خدمت میں رہنے کا شرف پایا ہے۔ یہاں تک سید مصطفیٰ کا کلام تھا۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

سید ماجد بن ہاشم بن علیؒ

سید ماجد بن ہاشم بن علی بن مرتضی ابن علی بن ماجد بن الحسین البحرانی الجد خاجی۔ جد دال کی تشدید کے ساتھ بحرین کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے اور یہ سید جیسا کہ صاحب ''حدائق'' نے ''لؤلؤ'' میں کہا ہے محقق، مدقق، شاعر اور ادیب تھے۔ خوبیٔ تصنیف، بلاغتِ تحریر، فصاحتِ تعبیر اور نکتہ سنجی میں بے نظیر تھے۔ ان کے اشعار بھی بڑے بلیغ ہوتے ہیں۔ جمعہ کے دن ان کا خطبہ اتنا بلیغ ہوتا تھا کہ اس کو سن کر دل پسیج جاتے تھے۔ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے شیراز میں احادیث کو پھیلایا۔

آپ کی کئی تصنیفات ہیں۔ کتاب ''سلاسل الحدید'' (لوہے کی کڑیاں) رسالہ ''یوسفیہ'' جو مختصر اور بدیع ہے۔ اور مقدمہ واجب میں ایک رسالہ اور ان کی نظموں میں مرثیہ حسینؑ میں جو امام حسینؑ کی تعریف میں انہوں نے قصیدہ کہا جس کی ابتداء یوں ہے لیس علی ضب بمعذور۔ ان کی وفات شیراز میں ۱۰۲۲ھ میں ہوئی اور سید احمد بن امام موسیٰ کاظم کے مشہد مقدس میں مدفون ہوئے۔ ان کے شاگردوں میں ایک تو شیخ محمد بن حسن جو اصلاً مقابی تھے اور ردیس میں اقامت گزیں تھے۔ اور ردیس تصغیر کے ساتھ ہے۔ شیخ محمد فاضل اور فقیہ شخص تھے اور حکومت صفویہ کے زمانہ میں جب بحرین میں نماز جماعت کا افتتاح ہوا تو سب سے پہلے نماز جماعت آپ نے ہی پڑھائی۔

آپ کے شاگردوں میں سید ماجد ملا محسن فیض ہیں اور شیخ محمد بن علی یوسف بن سعید بھی تھے جو اصلاً مقشاعی تھے لیکن رہتے ا... تھے۔ ... بڑے فاضل وجلیل شیخ تھے انہوں نے گیارھویں باب کی شرح لکھی تھی جو نامکمل ہے اور گیارھویں باب کی یہ بہترین شرح ہے۔ اور ان شیخ محمد کا ایک بیٹا ... فاضل تھا اس نے بہت سی باطل چیزوں کا خاتمہ کیا اور نام شیخ احمد بن شیخ محمد تھا اور وہ شیخ علی بن سلیمان قدمی کے معاصرین میں سے تھا۔ ان شیخ علی مذکور نے اس کو بحرین کی عدالت کا چیف جسٹس بنایا تھا۔ لیکن بعد میں ایک ایسا قضیہ پھیلا کہ جس کی وجہ سے انہوں نے شیخ علی کو معزول کر دیا اور یہ قضیہ دراصل ایک مسئلہ تھا جو اس شہر میں کھڑا ہو گیا۔ یہ ایک عورت کے بارے میں تھا جسے طلاق دی گئی اور عدت کے خاتمہ پر اس کی دوسری جگہ شادی ہو گئی۔ اس کا پہلا شوہر غائب ہو گیا تھا لیکن بعد میں آ گیا اور دعویٰ کیا کہ میں نے عدہ کے دوران رجوع کر لیا تھا اور اپنے دعویٰ کے گواہ بھی پیش کیے۔ لیکن زوجہ ور جوع کے متعلق اطلاع نہ دی گئی تھی چنانچہ جب اس کا عدہ پورا ہو گیا تو اس نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ چنانچہ شیخ علی نے تو حکم دیا کہ وہ دوسرے شخص کی زوجہ ہے اور شیخ احمد نے کہا کہ وہ پہلے ہی شوہر کی بیوی ہے۔ اور اس مسئلہ کے بارے میں شیراز واصفہان کے علماء سے بھی پوچھا گیا تو سب نے شیخ احمد کی جواب کی موافقت میں فتویٰ دیا اور شیخ علی کی بات کو خطا پر محمول کیا گیا۔

شیخ احمد مذکور کا ایک بھائی تھا اس کا نام شیخ عبدالصمد تھا اور شیخ عبدالصمد کا ایک پوتا فاضل آدمی تھا یعنی علی بن عبداللہ ابن عبدالصمد اور وہ شیخ سلیمان بن عبداللہ ماخوزی کا شاگرد تھا۔ اس نے شیخ علی بن عبداللہ جدخاجی سے درس پڑھا تھا وہ بھی فاضل اور حافظہ میں لاجواب انسان تھا۔ اور یہ شیخ علی جدخاجی شیخ محمد بن یوسف مقابی اور شیخ محمد بن ناصر حجری بحرانی کے شاگرد تھے اور یہ شیخ محمد فقیہ، دقیق النظر اور خالص اصولی تھے ان پر اللہ رحم فرمائے۔

ملا عبداللہ بن حسین ششتری

عبداللہ بن حسین ششتری اصفہانی ان کی تعریف میں شیخ اسد اللہ کاظمینی نے فرمایا کہ وہ صاحب ریاضات ومجاہدات وکرامات ومقامات ہیں اور ان کے شاگرد ملا محمد تقی مجلسی، میر مصطفےٰ تفریشی اور ملا عبداللہ کے بیٹے حسن علی ہیں اور آخوند ملا محمد باقر انہی حسن علی سے اجازہ پائے ہوئے ہیں۔ اور ان کے شاگرد ہیں خداوردی بن قاسم افشار۔ اور خداوردی نے ایک کتاب مؤلفین رجال کے بارے میں لکھی جو بہت خوب ہے یہ کتاب میرے پاس بھی موجود ہے۔ صاحب کتاب "امل الامل" نے شہید کے وصف کے ساتھ ان کو یاد کیا۔ ان کی شہادت کا تذکرہ لوگوں کی زبانوں پر ہے۔ لیکن ہمیں ان کی شہادت کے بارے میں تفصیل معلوم نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض انہی کو شہید ثالث قرار دیتے ہیں اور ملا محمد تقی مجلسی نے ملا عبداللہ کی تعریف میں لکھا ہے۔ وہ شیخ جلیل اور داناؤں کے امام ورہبر، پاکیزہ ونفیس اخلاق کے مالک، اور بلند ملکوتی نفس کے حامل تھے۔ اور سید مصطفےٰ تفریشی کتاب رجال میں کہتے ہیں کہ ملا عبداللہ بن حسین ششتری مدظلہ العالی ہمارے شیخ اور استاد ہیں اور وہ علامہ، محقق، مدقق جلیل القدر، عظیم المنزلت، یگانہ روزگار، اور اپنے وقت کے سب سے زیادہ پرہیزگار لوگوں میں ہیں اور میں نے ان سے زیادہ ثقہ شخص کسی کو نہیں پایا اور ان کے مناقب وفضائل کی کوئی حد نہیں ہے۔ دن کو روزہ رکھنے والے رات کو عبادت میں بسر کرنے والے ہیں اور اس کتاب کے اکثر فوائد وتحقیقات انہی سے حاصل کیے گئے ہیں۔ یہاں تک میر مصطفےٰ کا بیان تھا۔

ان بزرگوار کی تالیفات میں کتاب "شرح قواعد وشرح الفیہ" اور "شرح قواعد کرکی" جو "جامع الفوائد" کے نام سے ہے اور سات جلدوں میں ہے اور ان کے علاوہ دوسری بہت سی کتابیں ہیں۔ ان کی وفات ۱۰۲۱ھ میں واقع ہوئی۔

شیخ نعمت اللہ بن احمد بن محمد

شیخ نعمت اللہ بن محمد بن خواتون، ملا عبداللہ ششتری جن کا ذکر گزر چکا ہے کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور انہوں نے "اربعین" شیخ بہائی کی فارسی

شرح لکھی۔ اور بہت عمدہ لکھی۔ شیخ نعمت اللہ، شیخ علی بن عبدالعالی کرکی محقق ثانی کے شاگردوں میں سے ہیں اور ان کے والد شیخ احمد اور شیخ علی کرکی دونوں نے شیخ احمد کے والد شمس الدین محمد بن خاتون عینانی عاملی سے اجازہ لیا ہے اور شہید ثانی بھی شیخ احمد سے اجازہ یافتہ ہیں اور شیخ محمد خاتون، جمال الدین احمد بن علی عینانی سے اجازہ لیے ہوئے ہیں اور مذکورہ جمال الدین، شیخ زین الدین جعفر بن حسام سے اور وہ جلیل القدر سید حسن بن ایوب شہریار بن یوسف نجم الدین سے اور وہ شہید اول سے اجازہ پائے ہوئے ہیں۔ ان سب پر اللہ رحمت نازل کرے اور روضات جناں میں محمد و آل اطہار واخیار کے ساتھ جگہ عطا فرمائے۔

شمس الدین محمد شہید اول

شیخ شہید، نیک بخت، محکم، شمس الدین محمد بن مکی بن محمد بن حامد العاملی جو شہید اول کے نام سے مشہور ہیں، زمین فضل کا قطب، آسمانِ فقاہت کا سورج، اور آسمان رفعت وسعادت، جلالت وبناہت وفطانت وذکاوت، تقاوت ونقاوت وعبادت وزہادت ونبالت (آگاہی) وشہادت کے بدر منیر ہیں اور کسی بھی زمانہ میں فقہائے نامدار میں، ان جیسا بزرگ اس دنیا میں پیدا نہیں ہوا اور احاطہ ابواب فقہ میں اس دنیائے فانی میں شیخ جعفر نجفی اور ان کے صاحبزادوں شیخ موسیٰ و شیخ علی جیسا نہ ہو سکا۔

مشہور ہے کہ شیخ جعفر کہا کرتے تھے کہ فقہ ابھی دوشیزگی کے عالم میں ہی تھی اور کسی نے اس کو چھوا تک نہیں تھا مگر میں نے اور شہید اول نے اور میرے فرزند موسیٰ نے۔ اور پھر شیخ کہتے تھے کہ اگر فقہ کی کتابوں کو دھو دیا جائے اور مٹا دیا جائے تو یقیناً میں ساری کی ساری طہارت سے دیات تک اپنے حافظہ سے پھر لکھ دوں گا۔ جیسا کہ شریف العلماء بھی کہتے تھے کہ اگر فقہ کو مٹا دیا جائے، صاف کر دیا جائے تو قواعد کی رو سے تمام مسائل کا حل نکال لوں گا اس طرح طہارت سے دیات تک شہید کے لیے اسی طرح تھا جیسے ہاتھ میں انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے اور شیخ جعفر تو فقاہت میں شہید سے بھی بڑھ کر ہیں اور شہید کی فقاہت ان کی کتاب قواعد سے پتہ چلتی ہے۔ قاضی میر حسن بن سید حیدر کرکی نے جو محقق علی بن عبدلعالی کے نواسے اور میر داماد کی خالہ کے بیٹے ہیں ایک رسالہ نماز جمعہ کے بارے میں لکھا ہے اور اس رسالہ میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ شہید اول ایک ہزار فقہا سے اجازہ لیے ہوئے ہیں اور یہ مقام فقہاء میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

شہید نے چونکہ علامہ حلی کے اوصاف سنے ہوئے تھے تو انہوں نے چاہا کہ ان کی بھی شاگردی اختیار کریں۔ چنانچہ حلہ آئے اور ایک دن ان کی مجلس درس میں شرکت کی پھر انہوں نے خواہش کی کہ کربلا، نجف، کاظمین، اور سامرہ کی زیارت کیلئے جائیں اور تمام ائمہ علیہم السلام کی زیارت کے بعد پھر حلہ آئیں اور علامہ کی خدمت میں علم حاصل کریں چنانچہ وہ عراق میں مدفون تمام ائمہ کی زیارت سے شرفیاب ہوئے اور آخر میں نجف کی زیارت کی اور پھر حلہ آئے تا کہ علامہ کی شاگردی کا شرف پائیں۔ راستہ میں انہوں نے دیکھا کہ علامہ اعلی اللہ مقامہ کا جنازہ نجف لایا جا رہا ہے چنانچہ شہید نے مشایعت جنازہ کے لیے پھر نجف کا رخ کیا۔ علامہ کو جوار امیر المومنینؑ میں دفن کیا گیا۔ پھر شہید نے علامہ کے فرزند فخر المحققین اور علامہ کے دوسرے شاگردوں مثلاً سید عمید الدین، سید ضیاء الدین وغیرہ سے سات ماہ تک تحصیل علم کی اور سب سے اجازہ حاصل کر کے اپنے شہر واپس آ گئے۔

شہید کی کرامات میں سے، چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ پہلی چیز یہ کہ انہوں نے ایک ہزار علمائے نامدار سے اجازہ حاصل کیا اور یہ خلاف فطرت ہے اور ایسی چیز فقہاء میں سے کسی کے ساتھ بھی واقع نہیں ہوئی۔

۲۔ دوسرے یہ کہ جب ان کو شہید کرنے کے لیے پکڑ کر لے جا رہے تھے تو راستہ میں آپ نے ایک رقعہ لکھا جس میں یہ عبارت لکھی رب انی مغلوب فانتصر (پروردگار میں مغلوب ہو گیا ہوں پس تو میری مدد کر) اور اس رقعہ کو اڑا دیا تو وہ رقعہ واپس آ گیا اور اس کی پشت پر لکھا ہوا تھا ان کنت عبدی

فاصطبر (اگر تو ہمارا بندہ ہے تو صبر کر) میں نے یہ قصہ کسی جگہ لکھا ہوا نہیں دیکھا لیکن لوگوں کی زبانی بہت شہرت یافتہ ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ لمعہ صرف سات دن میں تالیف کر دی اور یہ آپ کی عظیم الشان کرامت ہے کیونکہ عبادات کے صرف اہم مسائل بھی سب تو دن سات دن میں تحریر نہیں کیے جا سکتے۔ بلکہ مسئلہ طہارت و نماز تک بھی سات دن میں تحریر نہیں ہو سکتے یقیناً لمعہ جیسی کتاب کی سات روز میں مشکل ہے چہ جائیکہ اس کی تصنیف اس مختصر مدت میں ہوگئی۔

۴۔ چوتھے یہ کہ صاحب ''امل الامل'' نے لکھا کہ کتاب ''لمعہ'' حالت قید میں لکھی اور یہ بہت بڑی کرامت ہے کہ کسی کو قتل کرنے کے لیے قید میں رکھا جائے اور وہ قید خانہ میں طہارت سے دیات تک مسائل بڑے صاف ستھرے اور مہذب انداز میں تحریر کردے اور وہ بھی اپنے تمام حواس کو مجتمع رکھتے ہوئے۔

۵۔ پانچویں یہ کہ علماء کہتے ہیں کہ ''لمعہ'' کی تالیف کے دوران سوائے ''مختصر نافع'' کے اور کوئی کتاب ان کے پاس نہ تھی اور یہ بھی عظیم کرامت ہے اور حیرت انگیز بات ہے اور فقیہ کے لیے یہ ایک کھلی کرامت ہے۔

۶۔ چھٹے یہ کہ علماء نے لکھا ہے کہ ہر روز سنی علماء عامہ دمشق میں شہید کی خدمت میں آتے رہتے تھے تو جب انہوں نے لمعہ لکھنی شروع کی تو وہ ڈرے کہ یہ علماء ان کے پاس آئیں گے تو ان کے عقیدہ سے واقف ہو جائیں گے لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ ان سات دنوں تک جس میں وہ لمعہ لکھنے میں مشغول تھے علمائے عامہ میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہیں پھٹکا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے ایک احسان ہے اور آپ جیسے شہادت مآب کی ایک بڑی کرامت ہے۔

کہتے ہیں کہ تحصیل علم کے وقت شہید اول ایک تانبہ کا گلاس اپنے پاس رکھا کرتے تھے اور جب مطالعہ کرتے تو اس گلاس کو آگ کے قریب رکھ دیتے اور وہ گرم ہوتا رہتا تھا جب آپ کو نیند آنے لگتی تو وہ تانبے کا گلاس اپنے سر پر رکھ لیتے یہاں تک کہ سر میں ایسی تکلیف ہوتی کہ نیند اڑ جاتی۔ آخر میں آپ کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ سر کے بال غائب ہو گئے تھے اور پھر بال آپ کے سر پر نہیں اگے۔

میں نے سابقہ ایام میں تذکرۃ العلماء میں آپ کی شہادت کے بارے میں لکھا تھا کہ آپ ایک مشہور سنی عالم ابن الجماعہ کے ہم عصر تھے۔ اور دونوں ایک ہی درس میں شریک ہوتے تھے۔ لیکن شہید کو سنیوں میں بھی مقبولیت حاصل ہوگئی وہ ان کی امامت بھی کیا کرتے اور مقدمات کے فیصلے بھی اور چاروں مذاہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ جب ابن الجماعہ نے دیکھا کہ آپ کو ہر علاقے میں شہرت حاصل ہو رہی ہے تو اس کے سینے میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی وہ دمشق کی عدالت کا متولی بن گیا جب دیکھا کہ اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تو شام کے گورنر کے پاس گیا اور شہید پر رافضی اور شیعہ ہونے کا الزام لگایا اس ملعون نے شہید کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ ان کا ایک پیر ایک اونٹ سے اور دوسرا دوسرے اونٹ سے باندھ کر دونوں اونٹوں کو مخالف سمتوں میں دوڑایا جائے۔ ان کی تاریخ شہادت ۹ جمادی الاول ۷۸۶ھ ہے اور شہادت کی یہ کیفیت میں نے بہت سے لوگوں سے سنی ہے اور ان میں میرے والد ماجد مرحوم بھی ہیں اور قاضی نور اللہ شوشتری اپنی کتاب مجالس میں کہتے ہیں کہ فرقہ شیعہ امامیہ کی رہبری اس زمانہ میں شیخ مذکور پر تمام ہوئی حتیٰ کہ سلطان علی مؤید نے جو خراسان کا حاکم اور شیعہ تھا میر شمس الدین محمد کو جو ان کے مقربین میں تھے شام بھیجا اور شیخ سے تشریف آوری کی درخواست کی۔ شیخ نے خراسان جانے سے عذر کیا اور اپنی کتاب لمعہ جس میں اپنے فتوے لکھے تھے وہ ان کو بھیج دی۔ دمشق کا قاضی ابن الجماعہ جو ولد الحرام تھا ایام جوانی میں ان کا شریک درس تھا جب اس نے دیکھا کہ وقت کے تمام بڑے بڑے علماء اور تمام پانچوں مذہب کے ماننے والے جو شام میں ہیں ان سے استفادہ کرتے ہیں تو اسے حسد پیدا ہوا اور اس نے کوشش کی حتیٰ کہ دمشق کی عدالت کا منصب اس کو حاصل ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود شہید پر لوگ اس کے مقابلہ میں زیادہ بھروسہ کرتے تھے تو اس نے ان پر رافضی ہونے کا الزام لگایا اور والی شام سے جس کا نام بیدمر تھا ان کے قتل کا فرمان حاصل کر لیا۔ جس دن شیخ کو قتل کیا جا رہا تھا تو ابن جماعت وہاں موجود تھا اور جب جلاد ان کے قتل کے لئے تیار ہو گیا تو یہ ولد الحرام شیخ کے ساتھ اپنے درس میں شرکت کو یاد کر کے رونے لگا۔ جب شیخ نے اس ولد الحرام کو روتے دیکھا تو اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ما کذبت امک اذ سمتک بابن جماعة یعنی تیری ماں نے تیرا نام ابن جماعت رکھ کر کوئی غلطی نہیں کی۔

پھر شیخ کو قلعہ دمشق کے میدان میں جو گھوڑا فروشوں کے بازار کے پاس تھا وقت صبح جمعرات ۱۹ جمادی الاول ۷۸۶ھ کو شہید کر دیا۔ اور سولی پر لٹکا دیا۔ وقت عصر سولی سے اتار کر لاش کو جلا دیا۔ یہاں تک قاضی نوراللہ کا کلام تھا۔

صاحب "لؤلؤ" کہتے ہیں کہ وہ تلوار سے ۷۸۰ھ میں شہید کیے گئے اور پھر ان کو تختہ دار پر کھینچا گیا اس کے بعد سنگسار کیا گیا پھر جلا دیا گیا۔ یہ سب دمشق میں بیدمر کی حکومت میں قاضی برہان الدین مالکی اور عباد بن جماعۃ شافعی کے فتوے کی بناء پر ہوا۔ اس سے پہلے پورے ایک سال تک قلعہ شام میں مقید رکھا گیا تھا۔ (جہاں انہوں نے) قید کی حالت میں ہی سات دن کے اندر "لمعہ" لکھی جبکہ اس وقت ان کے پاس کتاب "مختصر نافع" کے علاوہ کوئی اور کتاب بھی نہیں تھی جیسا کہ کتاب "امل الامل" میں لکھا ہے۔ اور ہمارے شیخ شہید ثانی نے "شرح لمعہ" میں مصنف کے اس قول کے بارے میں کہ کسی بدلہ لینے والے سے کہا کہ یہ کسی کا لفظ شمس الدین محمد اوی کے لیے استعمال کیا ہے جو سلطان علی بن مؤید بادشاہ خراسان کے اصحاب میں سے تھا اور اس کے علاوہ جو اور اس جیسے تھے ان کے لیے ہے۔ حتی کی تیمور لنگ اس کے ملک پر قابض ہو گیا اور اسکو اپنے ساتھ لے گیا اور بادشاہ خراسان کی وفات ۷۹۵ھ میں ہوئی شہادت مصنف لمعہ کے نو سال بعد اور اس زمانے کے طویل فاصلوں کے باوجود سلطان اور شہید کے درمیان خط و کتابت جاری رہتی تھی۔ چاہے وہ زمانہ جب شہید عراق میں تھے اور چاہے وہ زمانہ جب وہ شام میں تھے۔ اور آخری مرتبہ تو شاہ نے شہید سے یہ بھی خواہش کی کہ خراسان تشریف لے آئیں اور وہ خط جس میں شہید کو دعوت دی گئی تھی بڑے لطف و تعظیم اور ترغیب کے ساتھ لکھا گیا تھا لیکن شہید نے انکار کر دیا اور معذرت چاہی اور اس کے لیے کتاب لمعہ لکھی سات روز کے اندر دمشق میں اور اس سے زیادہ وقت نہیں لگا جیسا کہ ان کے بیٹے ابوطالب محمد نے کہا۔ شمس الدین رومی نے اس اصل نسخہ کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور کسی سے یہ ممکن نہ ہو سکا کہ اس کی نقل کر لے کیونکہ قاصد بخل سے کام لے رہا تھا لیکن بعض طلباء نے اس کی نقل کر ہی لی حالانکہ قاصد بنظر تعظیم وہ کتاب کسی کو نہیں دیتا تھا اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے گیا اور طلباء اپنی تحریر کو اس سے مقابلہ کر کے نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ لکھنے والوں نے خود ہی اپنی تحریر کی اصلاح کی اور اکثر مقامات پر اصل نسخہ سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور یہ واقعہ ۷۸۲ھ میں پیش آیا۔

اور مصنف سے یہ بات بھی نقل کی گئی ہے کہ دمشق میں ان کی مجلس کبھی بھی علماء سے خالی نہ ہوتی تھی کیونکہ مصنف ان سے میل جول رکھتا تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی تو میں اس بات سے خوفزدہ تھا کہ علماء عامہ میں سے کوئی نہ آجائے کہ اس کتاب کو دیکھ لے۔ لیکن اتفاقاً شروع سے آخر تک جب تک میں نے یہ کتاب لکھی ان میں سے کوئی میرے پاس نہ آیا اور یہ پروردگار کی پوشیدہ مہربانیوں میں سے ایک مہربانی ہے اور یہ آپ کی ایک کرامت ہے۔ یہاں تک "شرح لمعہ" کے مصنف کا کلام ہے۔

صاحب "لؤلؤ" کہتے ہیں کہ اس حکایت سے یعنی شرح لمعہ کی اس حکایت سے اس بات کی دلیل مل جاتی ہے جو کتاب "امل الامل" میں کہا گیا ہے کہ "لمعہ" کی تصنیف سات دن میں قلعہ دمشق کی قید کے دوران ہوئی یہ بات جھوٹ ثابت ہوگی۔ اس کے بعد صاحب "لؤلؤ" کہتے ہیں کہ میں نے شیخ سلیمان بن عبداللہ ماخوزی کی تحریر کی ہوئی یہ بات دیکھی کہ انہوں نے لکھا کہ میں نے کسی کے مجموعات میں کسی ایسے کے ہاتھ کی تحریر دیکھی جس پر مجھے اعتماد ہے کہ اس میں شیخ علامہ جعفر بن کمال الدین بحرانی سے منقول تھا کہ انہوں نے لکھا کہ شیخ اعظم شمس الدین محمد بن مکی کی وفات ۱۹ جمادی الاول اور بعض نسخوں میں ۹ جمادی الاول لکھا ہے ۷۸۶ھ میں ہوئی اور ان کو دمشق میں تلوار سے قتل کیا گیا پھر تختہ دار پر کھینچا گیا پھر سنگسار کیا گیا اور پھر جلا دیا گیا۔ خدا یہ کام کرنے والوں اور اس کام پر راضی ہونے والوں پر لعنت کرے۔ اور یہ بیدمر کے عہد سلطنت برقوق میں قاضی مالکی جس کا نام برہان الدین تھا اور عباد بن جماعت شافعی کے فتووں کی بناء پر اور اکثر لوگوں کے تعصب کی وجہ سے ہوا۔ اور اس سے قبل ان کو پورے ایک سال دمشق کے قلعہ میں قید کیا گیا تھا۔ اور قید کا سبب یہ تھا کہ تقی الدین جبلی جب مذہب امامیہ سے مرتد ہو گیا تو اس نے آپ کو بڑے سخت اور ناگوار الفاظ اور حد سے زیادہ قبیح عقائد کے ساتھ سرزنش کیا یا آپ کے کسی فتوے پر ایسے ستر افراد نے جو دین شیعہ سے مرتد ہو گئے تھے اور وہ سب اہل جبل تھے ان کے خلاف گواہیاں دیں۔ صرف تعصب کی بناء پر یوسف بن یحییٰ نے ان پر مہر ثبت کی اور اہل سنت جو سب اہل سواحل تھے ان کے ہزار افراد سے زیادہ نے اس پر شہادت دی اور قاضی مرداور قاضی صیدا کے سامنے اپنی بات کو ثابت کیا

اوراس وثیقہ کو دمشق میں قاضی عباد بن جملۃ کے پاس لیکر آئے اس نے قاضی مالکی کے پاس بھیج دیا کہ اپنے مذہب کے مطابق اس پر حکم لگاؤ ورنہ تمہیں معزول کردونگا۔تو بادشاہ بیدمر نے امراء قاضیوں اور شیوخ کو جمع کیا اور سب جمع ہوگئے تو شہید کے سامنے وہ وثیقہ رکھا گیا۔اور پڑھ کر سنایا گیا تو شہید نے اس کو ماننے سے انکار کردیا اور تقیہ فرمایا اور کہا کہ میں ان سب باتوں کا قائل ہی نہیں ہوں لیکن انہوں نے ان کے انکار کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ ہمارے پاس شرعی ثبوت ہیں اور قاضی کے حکم کو برطرف نہیں کیا جاسکتا۔شہید نے کہا کہ غائب کی حجت باقی ہے چنانچہ اگر ایسی چیز پیش کی جائے جو پہلے سامنے نہ ہو تو قاضی کا حکم ختم ہوجاتا ہے ورنہ نہیں چنانچہ میں ہر شہادت دینے والے کی شہادت پر حجت قائم کرتا ہوں۔لیکن انہوں نے ان کی یہ بات بھی نہ مانی۔تو شہید نے قاضی عباد بن جملۃ سے کہا کہ میں شافعی مذہب کا پیروکار ہوں اور تو اس مذہب کا امام ہے تو اپنے مذہب کے مطابق میرے بارے میں حکم جاری کر۔اور شہید نے یہ بات اس لیے کہی کہ شافعی مرتد کی توبہ کو جائز مانتے ہیں تو ابن جملۃ نے کہا کہ میرے مذہبی رو سے تمہیں پہلے قید کیا جائے گا اور پھر تم سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا تو قید تو تمہیں ہوچکی ہے تو اب تم اللہ سے توبہ واستغفار کرو تو میں تمہیں مسلمان مان لوں گا۔تو شہید نے کہا کہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی وجہ سے استغفار کی ضرورت ہو اور انہوں نے یہ اس وجہ سے کہا کہ اگر وہ استغفار کرنے کو قبول کر لیتے تو پھر وہ یقینی طور پر یہی کہتے کہ تمہارا گناہ ثابت ہوگیا۔ابن جملۃ نے ان پر سختی کی اور استغفار کرنے پر زور دیا۔لیکن انہوں نے استغفار سے انکار کیا لیکن ان کو استغفار پر مجبور کیا گیا اور جیسے ہی انہوں نے استغفار کیا کہنے لگے کہ اب تم حق پر ہو۔اس پر ابن جملۃ نے مالکی سے کہا کہ انہوں نے اب استغفار کیا ہے اس وقت کا استغفار فائدہ مند نہیں ہے۔اور یہ بات اس نے دشمنی اہل بیت پیغمبرؐ کی بناء پر کہی اور اب حکم مالکی کی طرف رجوع ہوگا۔اس منافق مطرود نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد اس نے اللہ کی پناہ شہید کے قتل کا حکم دیدیا۔پھر ان کو مقتولوں کا لباس پہنایا گیا اور شمشیر کے وار سے قتل کردیا گیا اور پھر اس فقیہ اہل بیت کے بدن کو دار پر لٹکایا گیا پھر اس بدن اطہر وانور کو دار سے اتارا گیا اور جلا دیا گیا اور جن جن لوگوں نے ان کی لاش کو جلایا ان میں ایک شخص محمد ترمذی بھی تھا لیکن وہ اہل علم میں سے نہیں تھا بلکہ ایک تاجر و فاجر شخص تھا۔

جن لوگوں نے شہید کی شاگردی کی اور ان سے اجازہ حاصل کیا وہ بہت ہیں جیسے ان کے فرزند ابوالحسن ضیاء الدین علی اور ایک دوسرے بیٹے ابوطالب محمد۔اور سید حسن بن ایوب، شیخ علی بن خازن جو ابن العشرہ کے نام سے مشہور ہیں۔اور شیخ مقداد وغیرہ کہ ان سب کا ذکر آئندہ آئے گا۔ان شآء اللہ۔

شہید کے اکثر اجازات میں اپنے لیے اپنے دونوں بیٹوں محمد اور علی کے لیے حتی کہ گہوارہ میں موجود طفل شیرخوار کے لیے بھی اجازہ موجود ہے۔اسی طرح ان کی دو بیٹیوں کے لیے اجازہ ہے یہ دونوں بیٹیاں فقیہہ تھیں اور اجازہ یافتہ تھیں ایک کا نام فاطمہ تھا۔اور ان کو ست المشائخ یعنی سیدہ مشائخ کہتے تھے اور بعض نسخوں میں بنت المشائخ لکھا ہے اور ان کی کنیت ام الحسن تھی وہ عالمہ، فاضلہ، فقیہہ، صالحہ اور عابدہ تھیں۔ان کے والد ان کی تعریف کیا کرتے تھے اور خواتین کو کہتے تھے کہ ان کی تقلید کریں اور احکام کے لیے ان سے رجوع کریں۔اور اسی طرح شہید اپنی زوجہ کی تعریف کرتے تھے کہ بڑی باعظمت خاتون تھیں اور فاضلہ پرہیزگار، فقیہہ، عابدہ تھیں اور ان کی زوجہ اور بیٹیوں کے متعلق شیخ اسد اللہ کاظمینی رحمہ اللہ نے "مقابیس" میں لکھا ہے اور ان کے علاوہ اوروں نے بھی ان کی دونوں صاحبزادیوں کے متعلق تحریر کیا ہے۔ان کے والد مکی بھی فقیہ اور مشائخ اجازہ میں سے تھے۔اور ان کو شیخ طومان اور بعض نسخوں میں شیخ طمان بن احمد ہے، سے اجازہ حاصل تھا۔

تالیفات شہید اول میں کتاب "غایۃ المراد" "جو نکت ارشاد" کی شرح ہے۔اور یہ ان کی پہلی تالیف ہے۔"کتاب ذکری" جس میں صرف طہارت ونماز کے بارے میں ہے اور فقہ امامیہ میں شرعی درس اس میں فقہ کے بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ بھی مکمل نہیں ہے اور دو شرحوں کے فوائد میں کتاب "جامع العین" ان دو شرحوں میں سے ایک سید عمید بن عبدالمطلب کی شرح ہے اور دوسری سید ضیاء الدین عبداللہ کی ہے اور یہ دونوں شرحیں علامہ کی "تہذیب الاصول" پر لکھی گئی ہیں۔اور ایک کتاب بیان فقہ میں اور ایک رسالہ باقیات الصالحات کی تفسیر میں اور کتاب "لمعہ" اور چالیس حدیثوں کی کتاب اور "رسالہ الفیہ" اور میں نے اس پر فارسی میں حاشیہ لکھا ہے۔رسالہ "نفلیہ" اور قصر کے بارے میں رسالہ کہ جو سفر میں ہوں ان کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے اور دوسرے نماز

میں کمی کے بارے میں اور حج کے بارے میں "خلاصۃ الاعتبار" اور کتاب "قواعد" اس پر بھی میں نے حاشیہ لکھا ہے۔ اور رسالہ تکلیف، کتاب "مزار" اور رسالہ اجازات، علامہ کی قواعد پر حواشی۔ "لمعہ" آپ کی آخری تالیف ہے ان کے عجیب فتووں میں سے ایک جو الفیہ میں ہے یہ ہے کہ پاؤں کا مسح انگلیوں کے سرے سے ساق پا تک ہوتا ہے۔ شیخ اسد اللہ کاظمینی نے آپ کی تعریف مُطّلبی کہہ کر کی ہے جس سے ان کی مراد یہ ہے کہ شہید اولاد مطلب بن عبد مناف سے ہیں۔ عبد مناف جو ہاشم کے بھتیجے ہیں جیسے شافعی بھی مطلبی ہے جیسا کہ صاحب قاموس وغیرہ اس کی تصریح کرتے ہیں اور اگر یہ کہیں کہ شاید ان کی مراد مطلبی کہنے سے عبد المطلب سے ہو۔ جیسے کہ ترکیب اضافی کے مرکب میں یائے نسبت داخل کی جاتی ہے اور اس میں جزء اول کو حذف کر دیتے ہیں جیسے عبد الصمد کو صمدی کہہ دیتے ہیں اس طرح عبد المطلب پر یائے نسبتی داخل کریں گے تو مطلبی کہیں گے تو ہم جواب میں یہ کہیں گے کہ اولاد عبد المطلب کو ہاشم سے منسوب کر کے استعمال کرتے ہیں اور عبد المطلب سے نسبت نہیں دیتے۔ جیسا کہ مطلب کے خلاف ہے پس آپ اس کو سمجھ لیجیے۔ اللہ شہید اول پر رحمت نازل کرے اور ان کو جنتوں میں نبیؐ اور ان آل اطہار و اطیابؑ کے ساتھ جگہ عطا فرمائے۔

احمد بن محمد مقدس اردبیلی

احمد بن محمد اردبیلی جو مقدس اردبیلی اور محقق اردبیلی کے نام سے مشہور ہیں فضلائے روزگار میں محقق ناقد، بزرگ، مدققین فضلائے وقت اور بہترین نیک لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ صاحب "معالم و مدارک" نے ان سے درس پڑھا اور ملا عبد اللہ تستری جن کا ذکر ہو چکا ہے ان سے اجازہ پائے ہوئے تھے۔ اور ان کو سید علی بن صائغ شہید ثانی سے اجازہ حاصل ہے۔ آپ کی وفات صفر المظفر ۹۹۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا زہد و ورع اور تقویٰ اتنا مشہور ہے کہ مجھ ناچیز کا ناقص قلم اس کا عشر عشیر بھی بیان نہیں کر سکتا۔ مختصر یہ کہ آپؒ کا ایک گدھا تھا جب کربلا و سامرہ جاتے تو ہرگز اس کو تازیانہ مارتے اور آدھا سفر اس پر سوار ہو کر طے کرتے اور باقی نصف پیدل چلتے اور جب کبھی وہ گھاس چرنے کی طرف مائل ہو جاتا تو اس کو کبھی روکتے نہیں تھے۔ انوار نعمانیہ میں ہے کہ جب بغداد سے نجف لے جانے کے لیے انکو خطوط دیئے جاتے تو وہ مراسلات کو لے لیتے اور اگر کوئی جانور کرایہ پر لیا ہوتا تھا تو پھر اس پر سوار نہ ہوتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ سواری میں نے اجرت پر لی ہے کہ میں خود سوار ہوں گا اب میرے پاس مراسلہ جات ہیں اور میں نے اس وقت یہ شرط عائد نہیں کی تھی کہ خطوط بھی لے جاؤں گا ہو سکتا ہے کہ اس کا مالک اس بات پر راضی نہ ہو۔

سید نعمت اللہ جزائری نے "زہر الربیع" میں لکھا کہ مقدس اردبیلی مشہد علوی میں تھے کہ ایک شخص جو امرائے سلطنت میں سے تھا سلطان عادل شاہ عباس اول کی خدمت میں اس سے کچھ تقصیر ہو گئی تو اس نے ملا احمد سے التماس کیا کہ سلطان کو خط لکھ دیں اور اسکی سفارش فرما دیں۔ تو محقق اردبیلی نے اس عبارت کا خط لکھا: عاریتاً حاصل کیے ہوئے ملک کے بانی عباس جان لو کہ اگر چہ یہ شخص پہلے ظالم تھا لیکن اب مظلوم ہے چنانچہ اس کی خطا سے درگزر کرو ہو سکتا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر تیری کچھ خطاؤں سے درگزر فرما دے۔ تحریر کردہ بندہ شاہ ولایت احمد الاردبیلی۔ تو اس کے جواب میں عباس نے عرض کیا کہ جو خدمات آپ نے ارشاد فرمائی تھیں وہ آپ کا احسان تھا اور میں نے سرانجام دیدی ہیں امید ہے کہ اس محب کو دعائے خیر میں فراموش نہ فرمائیں گے۔ تحریر کردہ علیؑ کی چوکھٹ کا کتا عباس۔

نیز ایک باوثوق شخص نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا کہ محقق اردبیلی نے کسی سید کے لیے شاہ طہماسب کو خط لکھا۔ جب یہ مراسلہ شاہ کے پاس پہنچا تو اس خط کی تعظیم بجالانے کے لیے وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گا، اس کو بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا اور بہترین طریقہ سے اس شخص کی حاجت کو پورا کر دیا، اس نے دیکھا کہ اس مراسلہ میں اس کو ایھا الاخ (اے میرے بھائی) کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ سلطان نے وہ خط اپنے کفن میں رکھ دیا اور اپنے خواص سے کہا کہ خیال رکھنا کہ یہ کفن کے ساتھ رہے اور مجھے اس کے ساتھ ہی قبر میں اتارنا تا کہ میں منکر نکیر پر حجت تمام کر سکوں اور وہ مجھے عذاب نہ دے سکیں۔ اور شاہ کے خواص نے

اس کے حکم کی پابندی کی۔ یہاں تک سید نعمت اللہ جزائری کا کلام تھا اور مقدس اردبیلی کا شیخ بہائی کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔

آپ کی پرہیزگاری کا عالم یہ تھا کہ جس زمانہ میں آپ کربلا میں تھے تو زمین کربلا پر حاجات ضروریہ سے فارغ نہ ہوتے تھے۔ بعض روایات کی بناء پر حرم چار فرسخ کے فاصلے تک ہے۔ مقدس اردبیلی نے ایک تھیلا بنالیا تھا اور فراغت کے بعد اس کا منہ بند کر دیتے تھے۔ اور ایک ہفتے کے بعد چار فرسخ دور جا کر اس کو پھینکتے تھے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ چالیس سال تک آپ سے کوئی فعل مباح بھی سرزد نہ ہوا تو پھر حرام و مکروہ کا تو سوال ہی کیا ہے۔ اور یہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ مقدس اردبیلی نے چالیس سال تک کبھی اپنے پاؤں سونے کے لیے نہیں پھیلائے۔ کچھ لوگ میر داماد کے بارے میں یہی کہتے ہیں اور شاید یہ بات دونوں کیلئے ہی درست ہو جیسا کہ ہم نے میر داماد کے بیان میں بھی کہا ہے۔

مقدس اردبیلی کی کرامات کا تذکرہ علمائے اعلام کی زبانوں پر جاری و ساری رہتا ہے۔ اور سید نعمت اللہ جزائری نے "انوار النعمانیہ" میں، علامہ مجلسی نے "بحار الانوار" میں اور صاحب "لؤلؤ" اور شیخ ابو علی نے "منتہی المقال" میں ان کی کچھ کرامات کا تذکرہ کیا ہے اور میں ناچیز بھی بعض کرامات کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

آپ کی پہلی کرامت تو یہ ہے کہ صحن نجف اشرف کے کنوئیں میں آپ نے پانی کھینچنے کے لئے ڈول ڈالا اور جب اسے باہر کھینچا تو دیکھا کہ اس میں اشرفیاں اور دینار بھرے ہوئے ہیں تو آپ نے ان سب کو واپس کنوئیں میں پھینک دیا اور عرض کی کہ بارالہا احمد تجھ سے پانی کا طلب گار ہے سونے کا نہیں۔

اور سید نعمت اللہ جزائری نے انوار النعمانیہ میں لکھا ہے کہ جب آخوند ملا عبداللہ تستری مقدس اردبیلی سے کسی مسئلہ کے متعلق پوچھتے تھے اور گفتگو کرنا چاہتے تھے تو مقدس اردبیلی خاموش رہتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اس مسئلہ کو پھر کبھی بیان کروں گا پھر آخوند ملا عبداللہ تستری کا ہاتھ پکڑتے اور شہر نجف اشرف سے باہر چلے جاتے اور جب دونوں تنہا رہ جاتے تو فرماتے کہ اب اپنا مسئلہ لاؤ اور پھر اس پر گفتگو شروع کر دیتے اور خوب تحقیقی جواب دیتے تو ملا عبداللہ کہتے بھائی اتنی عمدہ تحقیق آپ نے وہیں اسی وقت کیوں نہ بیان کر دی جب میں نے مسئلہ پیش کیا تھا تو مقدس اردبیلی کہتے کہ چونکہ اس وقت لوگ کافی موجود تھے اور ہم دونوں کو نقصان اٹھانا پڑتا اور ہم دونوں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ (یعنی اظہار برتری کرتے) اور اب سوائے خدا کے ہمارے پاس کوئی نہیں ہے (لہٰذا ریاکاری کا امکان نہیں ہے)۔

دوسری کرامت سید نعمت اللہ نے کتاب "انوار نعمانیہ" میں کہا ہے کہ "منتہی المقال" میں مذکور ہے کہ قحط و خشک سالی کے ایام میں اپنا تمام مال آپ فقراء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور اپنے پاس صرف ایک فقیر کے حصہ کے برابر چھوڑتے تھے۔ ایک سال جب آپ نے یہی کام کیا تو بیوی کو غصہ آگیا اور کہا کہ آپ ہمارا سارا مال فقراء کو دیدیتے ہیں اور بچے بھوکے مرتے رہتے ہیں۔ لیکن آپ نے بیوی سے کچھ نہ کہا اور اعتکاف کے لیے مسجد کوفہ چلے گئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو ایک شخص آپ کے گھر کے دروازے پر ایک چوپایہ کے ساتھ آیا اور اس چوپایہ کی پشت پر بالکل صاف ستھرا ایسا ہوا گندم لدا ہوا تھا یعنی بہت باریک عمدہ قسم کا گیہوں کا آٹا تھا اور ان کی بیوی سے کہا کہ صاحب خانہ مسجد کوفہ میں اعتکاف میں بیٹھے ہیں اور یہ غلہ اور سامان آپ کے لیے بھیجا ہے۔ جب مقدس اعتکاف کے بعد گھر واپس آئے تو زوجہ نے کہا کہ جو جنس آپ نے اعرابی کے ہاتھ ہمارے پاس بھیجی تھی وہ تو بہت عمدہ تھی۔ یہ سن کر مقدس اللہ تعالیٰ کی حمد بجالائے۔

تیسری کرامت جو صاحب بحار و منتہی المقال اور سید نعمت اللہ جزائری نے انوار النعمانیہ میں لکھی ہے کہ سب سے زیادہ علم و عمل کی رو سے ثقہ شیخ نے بیان کیا کہ مقدس اردبیلی کا ایک شاگرد اہل تفریش سے تھا جس کا نام میر غلام تھا۔ سید نعمت اللہ نے اس کا نام انوار النعمانیہ میں میر فیض اللہ تفریشی لکھا ہے لیکن اوروں نے جیسے صاحب بحار نے میر غلام ہی لکھا ہے یہ بہت متقی پرہیزگار اور صاحب فضل شخص تھے۔ یہ میر غلام کہتے ہیں کہ میرا حجرہ صحن مطہر حضرت امیر المومنینؑ میں تھا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک رات مطالعہ سے فارغ ہو تو رات کافی گزر چکی تھی میں حجرہ سے نکل کر باہر آیا رات بڑی اندھیری اور

تاریک تھی اتنے میں دیکھا کہ ایک شخص حرم کی جانب چلا آرہا ہے مجھے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہو نہ ہو یہ کوئی چور ہے اور یہ ضرور اس لیے آیا ہے کہ جناب ولیِ خداؑ کی روضہ کی قندیلوں کو چرالے چنانچہ میں نیچے اترا اور اس شخص کے قریب پہنچ گیا اس طرح کہ میں اسے دیکھ رہا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ حرم کے دروازہ کی جانب پہنچا اور کھڑا ہو گیا۔ اور تالا خود بخود کھل کر گر گیا اور دروازہ کھل گیا اسی طرح دوسرا دروازہ بھی خود بخود کشادہ ہو گیا تو وہ شخص قبر مطہر تک پہنچ گیا اور سلام عرض کیا اور قبر کی طرف سے اسے جواب سلام دیا گیا اب میں نے اس شخص کی آواز کو پہچانا اور سمجھ گیا کہ یہ تو میرے استاد محترم ہیں۔ اب وہ امام سے باتیں کرنے لگے اور انہوں نے کوئی علمی مسئلہ امام سے دریافت کیا پھر وہاں سے نکلے تو شہر نجف سے مسجد کوفہ کا رخ کیا اور میں بھی خاموشی سے ان کے پیچھے چل پڑا اس طرح کہ انہوں نے مجھے قطعی نہیں دیکھا۔ پھر جب وہ محراب مسجد کوفہ میں پہنچے تو میں نے ان کی آواز سنی کہ اس مسئلہ کے بارے میں کسی شخص سے گفتگو کر رہے تھے۔ پھر وہاں سے وہ نجف کی طرف چل پڑے اور میں بھی پیچھے پیچھے چلتا رہا جب دروازہ نجف تک پہنچے تو صبح ہو گئی لیکن چونکہ میں ان کے پیچھے تھا اس لیے انہوں نے اب تک مجھے نہیں دیکھا تھا۔ اب میں خود ان کے سامنے آیا اور عرض کیا کہ واقعہ سے شروع سے لیکر آخر تک میں ان کے ساتھ ساتھ رہا ہوں آپ فرمائیے کہ قبر مطہر میں آپ کس سے محو گفتگو تھے۔ اور مسجد کوفہ میں آپ کس سے کلام کر رہے تھے۔ تو آنجناب نے مجھ سے پکا وعدہ لیا کہ جب تک میں زندہ ہوں میرے اس راز کو فاش نہ کرنا اس کے بعد انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹے کچھ مسائل اکثر مجھ پر مشتبہ ہو جاتے ہیں تو میں امیر المومنینؑ کے روضہ اطہر پر جا کر ان سے پوچھتا ہوں تو جواب مل جاتا ہے آج بھی میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے آج مجھے حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ ہمارا فرزند مہدیؑ ان پر صلوٰۃ اور ہماری جانیں ان پر فدا آج رات مسجد کوفہ میں تشریف فرما ہے چنانچہ تم ان کی خدمت میں جاؤ اور اس مسئلہ کو دریافت کرو۔ تو وہاں حضرت مہدی صلوٰۃ اللہ علیہ نے جواب بتلایا۔

جناب مقدس اردبیلی کی ایک کرامت یہ بھی ہے کہ ایک رات پیغمبر خداؐ کو خواب میں دیکھا اور اس وقت حضرت موسیٰ کلیم اللہ بھی آپ کی خدمت میں تشریف فرما تھے۔ حضرت موسیٰ نے جناب رسول خدا سے مقدس کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کون شخص ہے تو پیغمبرؐ نے جواب دیا کہ آپ خود ہی اس سے پوچھ لیں تو حضرت موسیٰ نے مقدس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو مقدس نے جواب دیا کہ میں احمد ابن محمد اردبیل کا رہنے والا ہوں اور فلاں گلی میں فلاں گھر میں رہتا ہوں۔ موسیٰ نے کہا میں نے تو صرف تمہارا نام پوچھا تھا یہ ساری تفصیل کیوں بیان کر ڈالی۔ مقدس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا تھا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو آپ نے جواباً اس قدر تفصیل کیوں بیان کی تھی؟ اس پر موسیٰ نے ہمارے پیغمبرؐ سے عرض کی کہ آپ نے بالکل درست فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں۔

مقدس اردبیلی کی سخاوت کے متعلق ''انوار نعمانیہ'' میں سید جزائری نے لکھا ہے کہ ایک بڑا سا عمامہ سر پر باندھ لیتے تھے اور جب گھر سے نکلتے تو گز بھر یا اس سے کچھ کم اس میں سے پھاڑتے اور فقرا اور بے لباسوں کو دے دیا کرتے حتیٰ کہ جب واپس گھر آتے تو یا تو عمامہ بالکل نہ رہتا تھا یا زیادہ تر بٹ چکا ہوتا تھا۔ اور میر مصطفیٰ نے کتاب ''نقد الرجال'' میں لکھا کہ روایت و درایت کے لحاظ سے آپ اتنے جلیل القدر تھے کہ بیان سے باہر ہے۔ آپ عظیم الشان اور رفیع المنزلت متکلم وفقیہ تھے۔ اور اہل زمانہ میں سب سے زیادہ متقی پرہیز گار اور عبادت گزار شخص تھے۔ سید نعمت اللہ جزائری نے ''انوار النعمانیہ'' میں لکھا ہے کہ مقدس اردبیلی نے ایک مستحق سید کے لیے شاہ عباس کو مراسلہ لکھا اور اس کا آغاز یوں کیا ''اے بھائی'' جیسے ہی شاہ عباس نے یہ الفاظ دیکھے اس خط کو محفوظ کر لیا اور کہا کہ یہ خط میرے کفن میں رکھ دینا تا کہ میں خدا کے سامنے حجت پیش کر سکوں کہ مقدس تو مجھے بھائی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور انہوں نے میری اخوت قبول فرمائی ہے۔

آپ کی تالیفات میں ایک تو کتاب ''آیات الاحکام'' ہے جس کا نام ''زبدۃ البیان'' ہے۔ پھر کتاب ''مجمع الفائدۃ والبرھان'' جو علامہ کی ''ارشاد'' کی شرح ہے اور صاحب ''لؤلؤ'' کا بیان ہے کہ ''شرح ارشاد'' میں عبادات اول سے آخر تک ہے۔ پھر ''متاجر'' سے شروع سے لیکر نکاح تک اور کتاب ''شکار وذبیحہ'' کے آخر کتاب تک لکھا ہے لیکن نکاح اور اس کے متعلقات جیسے ظہار، لعان، ایلاء، طلاق، خلع، مبارات وغیرہ نہ ہم کو کہیں ملا۔ ہم نے سنا اور لگتا یہ

ہے کہ بس وہ اتنا ہی لکھ پائے تھے۔ اور ان کی تالیفات میں ''حدیقۃ الشیعہ'' بھی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کتاب مقدس کی نہیں ہے۔ یہ بات جنہوں نے
وہ مجلسی کو کہتے ہیں لیکن یہ غلط ہے۔ ہمیں کہیں سے بھی مجلسی کے انکار کا علم نہیں ہو سکا۔ اور بہت سے مشہور علماء اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ کتاب
مقدس اردبیلی کی ہی ہے جیسے صاحب ''حدائق''، شیخ عبداللہ بن صالح، شیخ سلیمان بن عبداللہ ماخوزی وغیرہ۔ ایک اور تالیف ''شرح مختصر اصول عضدی پر
حاشیہ'' ہے۔ یہ حقیقت میں بڑی محققانہ اور دقت نظر کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اور بالکل واضح مسئلہ میں بھی ہر شک کے پہلو پر بحث کی گئی ہے۔ اللہ ان پر
رحمت نازل فرمائے۔

علی بن عبدالعالی محقق ثانیؒ

شیخ نورالدین علی بن عبدالعالی کرکی جو محقق ثانی کے نام سے معروف ہیں گزشتگان کے مقاصد کے جامع اور آگے آنے والوں کے مطالب کے موسس، پیغمبر آخرالزماں کے مذہب حق کے مجدد، فقہ اور اس میں غور وخوض کے ابواب کے کھولنے والے اور بڑے مشہور علماء کے شیخ اجازہ جن کی کنیت ابوالحسن اور لقب نورالدین تھا ان کو شیخ علی بن ہلال جزائری اور شیخ محمد بن محمد بن داؤد جزینی جو ابن موذن کہلاتے ہیں وہ ابن المؤذن جو شہید اول کے چچاؤں کی اولاد ہیں، سے اجازہ حاصل ہے۔ اور محقق ثانی سے شہید ثانی اور شیخ علی بن عبدالعالی میسی اور ان کے فرزند ابراہیم ابن علی بن عبدالعالی میسی وغیرہ نے اجازہ لیا ہوا ہے۔ آپ تحقیق وتدقیق، جودت تحریر اور مسائل کی چھان بین میں اتنے زیادہ شہرت یافتہ ہیں کہ آپ کے بارے میں ان چیزوں کا انکار ناممکن ہے۔ آپ کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ شہید ثانی آپ کے شاگرد ہیں اور آپ کی تعریف کے لئے یہی بہت ہے کہ لوگ آپ کو محقق ثانی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور ان کی فضیلت میں جامع المقاصد کہنا ہی کافی ہے۔ اور آپ کے فخر کے لیے اتنا ہی بس ہے کہ ایران کے شہروں میں مذہب شیعہ کی ترویج کی۔

میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ محقق ثانی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے علم فقہ کو کئی دفعہ لکھا ہے لیکن فقہ کے دو مباحث نہ سمجھ پایا ایک مبحث حیض اور ایک مبحث حج۔ پھر جب میں مکہ گیا تو حج کے اعمال ومناسک سمجھ میں آگئے لیکن مسائل حیض سمجھنے میں میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مولف کتاب کہتا ہے کہ حدیث میں ہے کہ ایک عورت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آئی اور اس نے مسائل حیض میں سے کچھ مسائل آپ سے دریافت کیے اور آپ سے کافی وشافی جوابات پائے جب وہ آنحضرت علیہ السلام کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلی تو کہنے لگی کہ یوں سمجھو کہ حضرت صادقؑ نے ستر سال تک حیض دیکھا ہے۔

شہید ثانی نے اپنے اجازہ کبیرہ میں جو انہوں نے شیخ حسین کے لئے لکھا اس میں آپکی یوں توصیف فرمائی، محقق امام، زمانہ کی نادر ہستی اور اپنے دور کی واحد بے مثال ہستی شیخ نورالدین علی بن عبدالعالی کرکی قدس اللہ روحہ۔

آپ شیخ علی بن عبدالعالی میسی کے ہم عصر تھے۔ اور ان مذکورہ شیخ نے اپنے اور اپنے بیٹے شیخ ابراہیم جن کا لقب ظہیر اور جن کی کنیت ابی اسحٰق تھی، کے لئے محقق ثانی سے اجازہ کی درخواست کی اور آپ نے دونوں کے لئے اجازہ لکھا۔ شیخ علی بن عبدالعالی میسی شہید ثانی کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور شیخ حسین کے اجازہ میں شہید ثانی نے اس طرح تعریف کی ہے:

شیخنا الامام الاعظم بل الوالد المعظم شیخ فضلاء الزمان اور مربی العلماء الاعیان الشیخ الجلیل الفاضل المحقق العابد الزاہد الورع التقی نورالدین عبدالعالی المیسی العاملی رفع اللہ مکانہ فی جنۃ وجمع بینہ وبین احبۃ۔ اور ''لؤلؤ'' میں کہا گیا ہے کہ شیخ علی میسی نے کوئی تالیف قطعی کی ہی نہیں ہے۔ یہ ''لؤلؤ'' کا کلام تھا لیکن یہ بات فضول ہے اور معلومات کی کمی کا نتیجہ ہے کیونکہ ان شیخ کے علامہ کے قواعد پر حواشی ہیں اور فقہاء ان کے اقوال کتابوں میں ذکر کرتے ہیں اور ان کو حواشی میسیہ سے تعبیر دیتے ہیں۔ اسی طرح شرح جعفریہ اور شرح رسالہ صیغ العقود جو محقق

ثانی کی کتاب ہے نیز شرائع کی مکمل یا نامکمل تعلیق کی بھی ان سے نسبت دی جاتی ہے لیکن شیخ اسد اللہ نے مقابیس میں اس کتاب کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ تعلیق شرائع کے متعلق ثابت نہیں ہے کہ وہ انہوں نے لکھا ہو۔

میرزا محمد بن علی استر آبادی صاحب رجال نے شیخ ابراہیم ابن شیخ علی میسی سے اجازہ حاصل کیا اور میسی کی وفات ۹۳۸ھ میں ہوئی شیخ محمد بن محمد بن داؤد جزینی نے اپنے بعض اجازوں میں ان کو شہید اول کا چچازاد قرار دیا ہے حالانکہ باپ اور دادا میں شرکت نہیں ہو سکتی لہٰذا ابن عم مراد لینا بہت بعید ہے۔ محمد مذکور، علی بن شہید اول سے اجازہ لئے ہوئے ہیں اور یہ بات غیر واضح نہ رہ جائے کہ شیخ علی بن عبد العالی کرکی شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے علماء میں سے ہیں۔ شاہ طہماسپ جناب شیخ علی کرکی کو جبل عامل سے ایران کے علاقے میں لیکر آیا اور ان کی بڑی عزت و تکریم کی اور اپنے زیر نگین تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ شیخ علی کے احکامات کی پیروی کی جائے اور حقیقی سلطنت کے مالک وہی ہیں کیونکہ وہ نائب امام ہیں چنانچہ شیخ نے تمام علاقوں میں جو شاہ طہماسپ کے زیر حکومت تھے لکھا بھیجا کہ خراج کا دستور العمل اس طرح ہے اور رعایا کے کاموں کی انجام دہی فلاں فلاں طریقے سے ہوگی اور انہوں نے ایران کے بہت سے علاقوں میں قبلہ کو تبدیل کیا کیونکہ وہاں سمت قبلہ غلط تھی۔ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی کتاب غواص اللئالی کے درمیان میں کہیں لکھا کہ جب محقق ثانی شاہ طہماسپ صفوی کے دور حکومت میں اصفہان وقزوین آئے تو سلطان نے ان سے کہا کہ سلطنت کے حقدار آپ ہیں کیونکہ آپ نائب امام ہیں اور میں تو آپ کے کارندوں میں سے ایک ہوں کہ آپ کے اوامر و نواہی پر عمل کروں۔ شیخ نے اپنے احکام اور خطوط بادشاہ کی مملکت میں اس کے عمال کے پاس بھجوا دیئے جس میں قوانین عدل اور یہ کہ عمال خراج وغیرہ کے بارے میں رعیت سے کس طرح کا سلوک کریں اور خراج کی مقدار اور مدت کتنی ہو وغیرہ کے بارے میں۔ اور آپ نے یہ حکم بھی دیا کہ مخالفین اور سنیوں کو علاقے سے باہر نکال دیں تاکہ وہ موافقین کو گمراہ نہ کر سکیں۔ اور حکم دیا کہ ہر شہر اور گاؤں میں ایک امام جماعت مقرر کریں تاکہ وہ جماعت کی نماز پڑھائے اور دینی احکامات ان کو سکھائے اور سلطان نے بھی اپنے عمال کو لکھ بھیجا کہ شیخ کی اطاعت حکم میں بجالائیں اور اچھی طرح سمجھ لیں کہ اصل حاکم شیخ ہیں اور اوامر و نواہی پر عمل ہی اصل چیز ہے۔ اور شیخ ہرگز سوار ہو کر یا پیدل کہیں جا نہیں سکتے تھے مگر یہ کہ جوانوں کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ ہوتی اور مخالفین سے مجاہدہ کرتے رہتے تھے اور ان پر لعنت بھیجتے تھے جو مخالفین کے طریقے پر کاربند ہوتے تھے۔ یہاں تک سید نعمت اللہ جزائری کا کلام تھا۔

کہتے ہیں کہ شیخ جس دن اصفہان پہنچے اس دن صبح کو مسجد میں جا کر نماز جماعت ادا کی اور نماز کے بعد آپ کا ایک شاگرد منبر پر آیا اور باآواز بلند مخالفین پر لعنت بھیجی اور اس وقت تک کوئی بھی اس طرح سے لعنت نہیں بھیجا کرتا تھا۔ سید نعمت اللہ جزائری نے لکھا کہ شیعہ علماء جو مکہ میں تھے انہوں نے اصفہان کے علماء کو لکھا یعنی ارباب محراب و منبر سے انہوں نے کہا کہ آپ لوگ اصفہان میں مخالفین پر لعنت بھیجتے ہیں اور ہم جو حرمین شریفین کے رہنے والے ہیں ہم پر علمائے عامہ اس لعنت کی وجہ سے سختیاں کرتے ہیں اور سزائیں دیتے ہیں۔ صاحب "لؤلؤ" اس مرحلہ پر محقق ثانی پر تنقید کرتے ہیں کہ اگر آپ کی نسبت یہ بات درست ہے تو یہ اظہار بیزاری اس کے خلاف ہے جو ائمہ اطہار علیہ السلام سے تقیہ کے بارے میں نقل ہوا ہے۔ یہاں تک کلام صاحب لؤلؤ تھا۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ چونکہ لعنت کا دستور ایران میں بالکل نہیں تھا لہٰذا ہو سکتا ہے کہ محقق ثانی نے مصلحت یہی سمجھی ہو کہ اس کو رائج و شائع کیا جائے تاکہ لوگوں کو ان کے مذہب کا باطل ہونا معلوم و محسوس ہو جائے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار مسلمانوں کو دھمکاتے رہتے ہیں لیکن ان سے جنگ اور ان کو مار ڈالنے کا حکم ساقط نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ آپ غور کریں۔ کیا محقق ثانی نہیں جانتے تھے کہ اس طرح لعن کرنے سے مکہ و مدینہ کے شیعوں پر عذاب ہوگا اور ان کو سزائیں بھگتنی پڑیں گی۔

آپ کی وفات ۹۴۰ھ میں واقع ہوئی اور بعض نے آپ کی تاریخ وفات اس عبارت میں لکھی ہے "مقتدی الشیعه" اور یہ تاریخ اس وقت صحیح ہوگی کہ جب شیعہ کے لفظ کا ھا تو شمار کیا جائے لیکن الف لام محسوب نہ کریں جیسا کہ شہید ثانی کی تاریخ وفات یوں بیان کی گئی ہے **ذلک الاواہ الجنۃ مستقرہ واللہ** لیکن یہ تاریخ ظاہراً درست نہیں ہے بلکہ زیادہ بن جاتی ہے اور بعض نے شہید ثانی کی تاریخ کے بارے میں یہ کہا ہے۔ جبکہ تذکرہ شہید اول کا ہو رہا ہے

جائک الشهید الثانی.

تالیفات محقق ثانی میں ایک تو کتاب ''جامع المقاصد'' ہے جو ''قواعد'' علامہ کی شرح ہے شروع سے لے کر تفویض نکاح کی بحث تک۔ اور یہ چھ جلدوں میں ہے اور رسالہ جعفریہ جو انہوں نے خراسان میں تحریر کیا اور رسالہ رضاع اور زمین کی اقسام پر رسالہ، رسالہ صیغ عقود وایقاعات، رسالہ نفحات اللاهوت جبت وطاغوت پر لعنت کے بارے میں۔ حاشیہ شرائع، رسالہ جمعہ، شہید اول کی الفیہ کی شرح، حاشیہ ارشاد دو جلدوں میں، حاشیہ مختلف، خاک کربلا پر سجدہ کرنے کے بارے میں اس کتاب پر بھی حاشیہ ہے، رسالہ سبحہ، جنازوں کے بارے میں رسالہ، احکام سلام وتحیت کے بارے میں رسالہ منصوریہ، رسالہ طہارت کی تعریف میں، رسالہ عقود اور اس کے علاوہ بہت سی شرحیں ہیں۔

اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے اور جنت کے باغات میں محمدؐ وآل اطہار وامجاد کے ساتھ جگہ عنایت فرمائے۔

شیخ ابراهیم بن سلیمان

شیخ ابراہیم بن سلیمان قطیفی الاصل ہیں پھر نجف میں رہنے لگے اس کے بعد حلہ میں سکونت اختیار کی اس لیے آپ کو ان تینوں مقامات سے نسبت دی جاتی ہے۔ کریم الدین شیرازی کو شیخ ابراہیم سے اجازہ حاصل ہے اور شیخ حسین بن عبدالحمید کو بھی شیخ ابراہیم سے اجازہ ملا ہوا ہے اور سید شجاع الدین محمود بن علی مازندرانی کو شیخ حسین اور کریم الدین کا اجازہ حاصل ہے۔ سید حسین بن سید حیدر کرکی جو اپنے وقت میں اصفہان کے مفتی تھے نے سید شجاع الدین سے اجازہ حاصل کیا اور ان مذکورہ میر حسین کی والدہ شیخ علی بن عبدالعالی کرکی کی دختر ہیں ان سید حسین نے نماز جمعہ پر جو رسالہ لکھا وہ میرے پاس موجود ہے اسی رسالہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ شہید اول نے ایک ہزار افراد سے اجازہ حاصل کیا اور اخوند ملا محمد تقی مجلسی نے سید حسین بن سید حیدر سے اجازہ لیا۔ مختصر یہ کہ مذکورہ شیخ ابراہیم محقق ثانی شیخ علی بن عبدالعالی کرکی سے اجازہ یافتہ ہیں۔

صاحب لؤلؤ کہتے ہیں کہ بعض فضلاء کا کہنا ہے کہ میں نے بعض فضلاء کے ہاتھ کی تحریر دیکھی کہ جس میں انہوں نے بیان کیا کہ کچھ علمائے بحرین نے یہ بات شیخ ابراہیم قطیفی کے بارے میں لکھی کی امام زمانہؑ ہماری جانیں ان پر قربان، آپ کے پاس ایک شناسا شخص کی صورت میں آئے اور اس آنے والے نے شیخ سے پوچھا کہ قرآن مجید کی کونسی آیت سب سے زیادہ نصیحت آمیز ہے؟ شیخ نے جواب میں کہا کہ یہ آیت:

ان الذین یلحدون فی آیا تنا لا یخفون علینا افمن یلقی فی النار خیر ام من یّاتی آمناً یوم القیامۃ اعملوا ماشئتم انہ بما تعملون بصیر. (سورۂ فصلت آیت ۴۰) (یقیناً وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں بے جا دخل دیا کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ کیا وہ جو جہنم میں ڈالا جائے گا اچھا ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن وامان سے آئے گا؟ تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو، جو کچھ تم کر رہے ہو خدائے تعالیٰ یقیناً اس کا دیکھنے والا ہے۔)

تو پوچھنے والا نے کہا: آپ صحیح کہہ رہے ہیں پھر وہ شیخ کے پاس سے چلے گئے تو شیخ نے گھر والوں سے پوچھا کہ اس اس طرح کا کوئی شخص گھر سے باہر گیا ہے یا نہیں؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ ایسا کوئی بھی شخص نہ گھر میں آیا نہ باہر گیا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ شیخ ابراہیم اگرچہ محقق ثانی سے اجازہ یافتہ ہیں لیکن ان سے بہت سے اختلافات بھی رکھتے ہیں اور صاحب ''لؤلؤ'' کہتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں ان کی ایسی باتیں دیکھیں ہیں جو محقق ثانی کے فضل وجلالت پر سخت تنقید ہیں اور اللہ کی پناہ ان کو جاہل تک قرار دیدیا گیا ہے۔ اور جو سارے معاصرین کا طریقہ کار ہوتا ہے انہوں نے محقق ثانی کے مقابلہ پر تمام مسائل لکھے ہیں اور پھر ان کے مسائل کو رد کیا ہے ان میں سے دو مسئلے خراج کے حلال ہونے کے بارے میں ہیں، جیسا کہ مشہور ہے کہ یہ حلال ہے تو محقق ثانی نے بھی اس کے حلال ہونے کے بارے میں رسالہ تالیف کیا اور اس کا نام ''قاطعۃ اللجاج درحل خراج'' رکھا تو شیخ ابراہیم نے ایک رسالہ تصنیف کیا ''سراج الوھاج دررفع لجاج قاطعۃ اللجاج'' اور مقدس اردبیلی نے ان کی اس سلسلے

میں موافقت کی ہے اور انہوں نے غیبت امام زمانہؑ میں نماز جمعہ کے حرام ہونے کے بارے میں رسالہ لکھا اور اس میں محقق ثانی کی بات کو رد کیا کیونکہ محقق ثانی نے اپنے ایک رسالہ میں نماز جمعہ کو اگر فقیہ جامع الشرائط موجود ہو تو واجب سمجھا ہے۔

شیخ ابراہیم نے ایک رسالہ ''عموم منزلہ در رضاع'' کے قول کے بارے میں لکھا اور اس میں بھی محقق ثانی کی رد کی ہے کیونکہ انہوں نے قول معصوم کے عموم منزلہ کو رد کیا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی نے بھی صحیح راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ شیخ ابراہیم غلطی پر ہیں۔

بعض فضلاء کا بیان ہے کہ شیخ ابراہیم کربلا میں تھے اور شیخ علی محقق ثانی اتفاقاً زیارت کے لیے کربلا آئے ہوئے تھے تو دونوں رواق میں قبر مبارک کے پشت سر پر ایک دوسرے سے ملے۔ شاہ طہماسپ نے شیخ ابراہیم کے لیے تحفہ جات بھیجے تھے لیکن شیخ نے ان کو قبول نہیں کیا اور معذرت کر لی کہ مجھے ان سب چیزوں کی ضرورت نہیں ہے تو محقق ثانی نے ان سے کہا کہ آپ تحفہ کو قبول نہ کر کے غلطی کر رہے ہیں اور اس طرح یا حرام یا مکروہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ کیونکہ امام حسنؑ معاویہ کے تحفے اور معاویہ کے پیروکاروں کے تحائف بھی قبول کر لیا کرتے تھے اور امام کی تاسی یا واجب ہے یا مستحب، اور تاسی کو ترک کرنا یا حرام ہے یا مکروہ جیسا کہ یہ بات علم اصول میں بالکل واضح ہے اور شاہ طہماسپ کا مقام معاویہ سے گیا گزرا تو نہیں ہے اور آپ امام حسن سے بالاتر نہیں ہیں تو شیخ ابراہیم نے اس کے جواب میں دلائل ظنی پیش کیے۔

صاحب ''لؤلؤ'' کہتے ہیں کہ مجھے ''رسالہ حائریہ'' نامی ایک رسالہ ہاتھ لگا جو مسئلہ سفر میں شیخ ابراہیم مذکورہ نے لکھا تھا اور اس رسالہ کے درمیان میں کہیں یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ مجھے ایک دفعہ محقق ثانی کے ساتھ مشہد رضوی کے سفر کا اتفاق ہوا اور پھر اس میں مختصراً کچھ مسائل ذکر کیے ہیں جن میں محقق ثانی کی غلطیوں کو ثابت کیا ہے۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ کثرت سفر کی بناء پر عشرہ قطع ہو جاتا ہے لیکن یہ پے در پے ہونا ضروری ہے یا نہیں تو اس میں انہوں نے اپنے بارے میں تو سفر کو پے در پے کی شرائط کے ساتھ قرار دیا ہے اور محقق ثانی کے بارے میں اس کے خلاف کہا ہے۔ اور اس رسالہ میں یہ مسئلہ لکھ کر شیخ علی کو رد کیا ہے۔

اس طرح انہوں نے محقق ثانی سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی کے پاس سوائے پوستِ سگ کے اور کوئی چیز ستر پوشی کے لیے نہ ہو اور اس طرح باہر نکلنا محل تقیہ ہو تو نماز کی ادائیگی کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ شیخ ابراہیم نے اس فتوے کی نسبت محقق ثانی سے دی ہے اور کہتے ہیں کہ میں نے اس کا بہت انکار کیا لیکن وہ بدلے نہیں اور اسی قول پر اصرار کرتے رہے حالانکہ ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ نماز پوشیدگی ستر کے نہ ہونے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی ہے اور نہ حالت اختیار میں کسی صفت واجب کے فقدان سے ساقط ہوتی ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ اب میں نے محقق ثانی سے اعراض کر لیا ہے اور ان کے اس فتوے کو ان کی غفلت اور مطالعہ کی کمی پر محمول کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور مسئلہ پر بھی ہماری گفتگو ہوئی وہ یہ کہ محقق ثانی اس شخص کیلئے جس نے غسل جنابت کیا ہو تجدید وضو کو مستحب سمجھتے ہیں اور مجھے اس سے انکار تھا اور میں نے اس بات پر پوراز ور دیا اور کہا کہ تجدید وضو ہرگز مستحب نہیں ہے مگر یہ کہ اس سے پہلے وضو کر لیا گیا ہو۔ محقق ثانی نے کہا کہ غسل جنابت میں ضمناً وضو ہوتا ہے میں نے کہا: اگر غسل کا ارادہ ہو تو وضو ضمنی نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی ارادہ ہے تو بیان کیجیے۔ تو محقق ثانی نے حق کا اقرار کرنے سے انکار کیا اور اپنی بات پر قائم رہے تو میں نے ان کو نظر انداز کر دیا۔

پھر شیخ ابراہیم نے بیان کیا کہ ایک دن میں حرم امام رضاؑ میں داخل ہوا تو اتفاق سے محقق ثانی بھی دوسرے علماء جیسے جمال الملت والدین کے ساتھ وہاں حاضر تھے تو محقق ثانی نے میری پہلی بات پر اعتراض کیا کہ کیوں تم حکام کے ہدیے قبول نہیں کرتے میں نے کہا: اس لیے کہ یہ مکروہ ہے۔ محقق نے کہا: نہیں بلکہ یہ تو واجب ہے یا مستحب ہے۔ تو میں نے اُس بات پر ان سے دلیل طلب کی تو انہوں نے امام حسن علیہ السلام کی دلیل دی کہ انہوں نے معاویہ سے تحائف قبول کیے تھے اور کہا کہ امام کی تاسی واجب ہے یا مستحب دونوں مذہبوں کے اختلاف کی بناء پر۔ میں نے جواب میں کہا کہ شہید نے کتاب دروس میں فرمایا کہ ظالم سے کچھ نہ لینا افضل ہے اور اس میں امام حسنؑ کے معاویہ سے ہدیے وصول کرنے پر کوئی معارضہ نہیں کیا ہے۔ کیونکہ وہ ہدیے تو حقیقتاً حقوق ائمہ ہیں (جو ظالموں نے غصب کیے ہوئے ہیں) تو محقق نے کہا کہ یہ بات ''دروس'' میں ہے ہی نہیں آخر کو میں نے ان کو جھکنے مجبور کر دیا۔ تو محقق ثانی نے خدا

سے وعدہ کیا کہ اپنی بات کو استعارۂ سوال یا افادۂ جواب پر محدود کر دیں گے۔ اور شیخ ابراہیم کہتے ہیں کہ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو جو کچھ ہم دونوں سے درمیان بحث ہوئی اس کا ذکر کرتا۔ آخر میں ان سے علیحدہ ہو گیا اور بخیر وخوبی نجف پہنچ گیا۔ جب نجف پہنچا تو متواتر خبریں ثقہ وغیر ثقہ لوگوں کی ملتی رہیں جو قابل نہیں ہیں۔ میں نے ان کا مقابلہ کیا لیکن ان کی رائے ہمیشہ کمزور رہی حالانکہ وہ دعوائے علم کرتے ہیں۔ میں نے پوری کوشش کی کہ بحث واجتماع مذاکرہ یا کسی بھی طریقے پر وہ راضی ہو جائیں لیکن وہ انکار ہی کرتے رہے اور ہرگز راضی نہ ہوئے۔

اور پھر اس رسالہ کے آخر میں شیخ ابراہیم نے لکھا کہ میں اس رسالہ سے فارغ ہو کر ایک اور رسالہ شروع کر رہا ہوں "نقض رسالہ خراجیہ" اور اس میں جو اشتباہات میں نے ظنی دلیلوں کے بارے میں دیکھے ان سب کی وضاحت کیلئے مولف کتاب کہتا ہے کہ کہیں یہ باتیں کسی کے دل میں گھر نہ کر جائیں کیونکہ شیخ ابراہیم کا مقام وعظمت ہی کیا ہے کہ تحقیق وتدقیق کے پہاڑ سے ٹکرا رہے ہیں یا ان جیسے باکمال لوگوں سے قیل وقال اور بحث ومباحثہ کر رہے ہیں بلکہ وہ تو محقق ثانی کی مجلسِ فیض کے ایک ننھے سے بچے ہیں جو وہاں صرف ابجد پڑھ رہے ہیں۔ اگر وہ اس آسمانِ فضیلت کے سورج سے کچھ افادہ کر لیں اور اس کو سمجھ لیں تو ان کی چوکھٹ کو بوسہ دیں اور یہ تمام فضول باتیں، ڈینگیں اور ہذیانی گفتگو ہے اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ چمگادڑ کو یہ جرأت کہاں ہے کہ خورشید تاباں کے سامنے آ کر مقابلہ کرے۔ جیسا کہ اس کی تائید علامہ مجلسی کے کلمات سے ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ ایسے شخص کے پاس بھلا صاحب الامر کیسے آ سکتے ہیں تو ہم جواب میں کہیں گے کہ اگر ان مراحل کو سچ مان بھی لیا جائے تو شاید ان غلطیوں کے بعد توبہ وانابت اختیار کر لی ہو اور شخصِ کامل ہو گئے ہوں۔

آخوند ملا محمد باقر مجلسی کے شاگردوں اور فضلاء میں سے کسی نے یہ کہا کہ کہ شیخ ابراہیم کوئی قابلِ فضیلت شخص نہیں تھے اور ان کا ہرگز یہ مرتبہ نہیں ہے کہ وہ شیخ علی کرکی سے معارضہ کریں۔ پھر اس شخص نے یہ بھی کہا کہ میں نے اپنے استاد مجلسی کو خود یہ کہتے سنا کہ وہ ایسی بات کہہ رہے تھے جو شیخ ابراہیم کی فضیلت کے خلاف تھی بلکہ وہ تو ان کے دینی مقام میں بھی نقص ظاہر کر رہے تھے۔ کیونکہ مجلسی فرما رہے تھے کہ میں نے شیخ ابراہیم کا تحریر کردہ ایک مجموعہ دیکھا کہ اس میں لکھا تھا کہ میں نے محقق ثانی شیخ علی سے پڑھا اور مجلسی کہتے تھے کہ شیخ علی اور شیخ ابراہیم کی فضیلت کا آپس میں کیا مقابلہ اور شیخ علی کا تبحر علمی سے بھلا شیخ ابراہیم کا علم کیا نسبت رکھتا ہے۔

شیخ ابراہیم کی چند تالیفات تو وہ ہیں جن کا ذکر ہو چکا اور ایک رسالہ کہ کن جانوروں کا ذبیحہ حرام ہے اور یہ اچھا رسالہ ہے اور مختصر بھی ہے اور "رسالہ صومیہ" جو فاضل اردبیلی نے روزہ کی بحث میں شرح ارشاد ان سے منسوب کیا ہے۔ اور ان کے کچھ فتوے بھی نقل کیے ہیں اور "الفیہ شہید اول کی شرح" جیسا کہ شیخ عزالدین حسین بن عبدالصمد عاملی نے الفیہ پر اپنے حواشی میں ذکر کیا ہے، "شرائع پر تعلیقات" اور "ارشاد پر حاشیہ" جو قاضی نور اللہ نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں ذکر کیا ہے۔ اور "کتاب فرقہ ناجیہ" جو یوں لگتا ہے کہ فرقہ ناجیہ کی تحقیق میں لکھی گئی ہے۔ اور یہ کہ یہ فرقہ ناجیہ امامیہ ہے۔ اور کتاب "نفحات الفوائد والزوائد" یہ کتاب سوال وجواب کی صورت میں۔ ہے۔ یعنی اس طرح کہ سائل نے یہ سوال کیا اور اس کا یہ جواب ہے۔

اور "شرح اسماء الحسنیٰ" اچھے مطالب اور عمدہ فوائد پر مبنی ہے، یہ ۹۳۴ھ میں مکمل ہوئی اور شکیات اور اجازہ میں بھی ایک رسالہ لکھا جو انہوں نے اپنے شاگرد امیر معزالدین محمد بن تقی الدین حسینی اصفہانی کیلئے لکھا۔ اور اس اجازہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ علی بن ہلال جزائری شیخ ابراہیم کے چچا ہیں اس کے علاوہ شیخ ابراہیم نے شمس الدین محمد بن حسن استر آبادی کے لئے اجازہ لکھا اور اس اجازہ میں کہا ہے کہ فضلاء کی ایک جماعت نے مجھے اجازہ دیا اور ان میں سب سے زیادہ ثقہ شیخ ابراہیم بن حسن شہربان وراق ہیں۔ اس اجازہ کی تاریخ ۹۲۰ھ تھی جو مجاورِ نجف میں حاصل ہوا۔

شیخ ابراہیم قطیفی کے شاگردوں میں سید شریف الدین حسینی مرعشی تستری جو قاضی نور اللہ تستری صاحب کتاب مجالس المومنین کے والد ہیں اور ان کے شاگردوں میں ایک میر نعمت اللہ حلی ہیں۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو اور تمام گذشتہ علماء پر بھی اور پروردگار ان کو جنتوں میں نبی محمدؐ اور ان کی آلؑ کے ساتھ جگہ عطا فرمائے۔

محمد بن حسن فخر المحققین

فخر المحققین محمد بن الحسن بن یوسف المطہر الحلی، آل مطہر کا افتخار اور روشن چاند، بڑے بڑے عظیم علماء و فضلاء کے سلطان مبین اور فہم و ذکا میں عجوبہ روزگار ہیں۔ اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ وہ خود مجتہد ان کا بیٹا مجتہد ان کے والد حسن علامہ اور دادا یوسف بھی مجتہدین میں سے ہیں پھر چچا رضی الدین علی بن یوسف اور چچا زاد قوام الدین محمد بن علی بن یوسف بھی مجتہدین سے ہیں اور دو اور چچاؤں کے بیٹے بھی مجتہد تھے ایک عمید الدین بن عبدالمطلب بن محمد بن علی الاعرج الحسینی اور سید عبداللہ کا پوتا سید حسن تھا اور یہ سب کے سب مشائخ اجازہ ہیں اور ان کے والد محقق کے ماموں بھی مجتہد تھے۔ تو کتنا بابرکت ہے وہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے اور عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ علامہ کے گھر میں دس افراد مجتہد تھے اور شیخ شہید نے اپنے بعض اجازات میں فخر المحققین کی تعریف میں لکھا ہے تعداد مشائخ کے بارے میں شیخ سلطان العلماء منتہی الفضلاء و النبلاء، خاتم المجتہدین فخر الملت والدین ابو طالب بن الشیخ الامام السعید جمال الدین بن المطہر خدا ان کو طول عمر دے اور حادثات زمانہ سے محفوظ رکھے۔

ان کی تالیفات میں "شرح قواعد" جس کا نام انہوں نے "ایضاح القواعد" رکھا جس میں قواعد کی مشکلات کو حل کیا گیا ہے۔ "اجوبہ مسائل حیدریہ"، نیت کے بارے میں "رسالہ فخریہ" اور کلام میں "حاشیہ ارشاد و کافیہ"، "کتاب المسترشدین وھدایۃ الطالبین"۔

آپ کی تعریف کے لیے یہی کافی ہے کہ اپنے والد کے ہمراہ شاہ خدابندہ کے دربار میں مخالف علماء کے ساتھ مباحثات کیے اور سب کو سرنگوں کر دیا۔

آپ کو اپنے والد علامہ سے اور چچا رضی الدین بن یوسف سے اجازہ حاصل ہے۔ حالانکہ عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ آپ قبل از بلوغت ہی درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے تھے لیکن یہ غلط ہے۔ آپ نے کتاب قواعد کے خطبہ کی شرح میں فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے علوم عقلی و نقلی حاصل کیے اور بہت سے اصحاب کی کتابوں کو ان کے سامنے پڑھا۔ اور ان سے درخواست کی کہ ایک کتاب قواعد تصنیف فرما دیں۔ تو ان کی ولادت اور تاریخ تصنیف قواعد کو دیکھتے ہوئے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ان کی عمر دس سال سے کم تھی۔ اور حاشیہ قواعد میں جو تعجب شہید ثانی نے کیا ہے وہ موقع کے لحاظ سے نہیں ہے جیسا کہ فاضل ہندی کے حالات میں پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہ بالغ ہونے سے پہلے کمال اجتہاد کی سرحد پر پہنچے ہوئے تھے۔ فخر المحققین کی ولادت پیر کی نصف شب میں ۲۰ جمادی الاول ۶۸۲ھ میں ہوئی اور ان کی وفات شب جمعہ ۱۵ جمادی الثانی ۷۷۱ھ میں واقع ہوئی۔ اس طرح آپ کی عمر ۸۹ سال ہوئی۔

ان کے والد نے یہ وصیت کی تھی کہ میری جو کتابیں ادھوری رہ گئی ہیں ان کو میرا بیٹا فخر المحققین مکمل کرے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ اگرچہ فخر المحققین نے اتنی زیادہ عمر پائی لیکن ان کی تالیفات بہت کم ہیں۔ یعنی وہ اپنے والد کی تالیفات کو مکمل کرتے رہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک شخص علامہ کی خدمت میں آیا اور ان سے عرض کی کہ بارہ سال سے ہی نماز کا وقت ہونے سے پہلے وضو کر لیتا ہوں اور اسی وضو سے نماز واجب ادا کرتا رہا ہوں اور میرے اوپر کوئی قضا نماز بھی نہیں تھی اب مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی قضا نماز ذمہ نہ ہو تو وقت نماز داخل ہونے سے پہلے واجب کی نیت سے وضو نہیں کیا جا سکتا تو اتنے عرصے جو میں نے یہ نمازیں پڑھیں صحیح ہیں یا نہیں؟ علامہ نے کہا کہ جتنی بھی نمازیں اس عرصہ میں اس طرح وضو کر کے پڑھی ہیں وہ سب باطل ہیں اور ان سب کی قضا کرو۔ یہ جواب سن کر وہ شخص علامہ کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا۔ راستہ میں فخر المحققین سے ملاقات ہو گئی تو فخر المحققین نے اس کا مسئلہ پوچھا تو اس شخص نے ساری بات بیان کر دی۔ فخر المحققین نے کہا کہ علامہ کا فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ تم صرف وہ پہلی نماز جو تم نے پہلے وضو سے پڑھی ہے اس کی قضا کرو اور باقی تمہاری ساری نمازیں صحیح ہیں کیونکہ جب پہلے وضو کی نماز بیکار ہوئی تو تمہارے ذمہ ایک قضا نماز ہو گئی تو اب جب بھی تم نے وضو کیا یہ ایک نماز تمہارے ذمہ قضا رہی اس لیے اب واجب کی نیت سے وضو کرنے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوا۔ اب وہ شخص پھر علامہ کی خدمت میں آیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ علامہ اعلی اللہ مقامہ نے فخر المحققین کے فتوے کی تعریف کی اور اس فتویٰ میں اپنی غلطی کا اعتراف

کیا۔ اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو جنت کے مکانات میں مسکن عطا کرے اور اپنی مغفرت کے دریاؤں میں ان کو غوطہ زن کرے محمد مختار اور اہل بیت اطہار واخیار کے صدقے میں۔

محمد بن محمد رازی

محمد بن محمد الرازی البویہی قطب الدین، بہت بڑے عالم، فضیلت کی چکی کا قطب اور علوم حقیقت و شریعت و طریقت کا موجیں مارتا ہوا سمندر۔ انکی فضیلت کا سورج ''شرح مطالع'' کے ساتھ طلوع ہوا اور ان کے حکمت کے ''محکمات'' کتاب محکمات کے افق سے ابھرے۔ ان بزرگوار کے فقہی بنیادوں کے قواعد ''حواشی قواعد'' سے ظاہر ہوئے اور ''شرح شمسیہ'' کی میزان سے ان کے علم کا وزن کیا جا سکتا ہے۔ شہید ثانی نے شیخ حسن کے لیے جو اجازہ لکھا اس میں محمد الرازی کی یوں تعریف کی: دنیا کے سمندروں کے سردار، دین کا ستارہ، محققین کے بادشاہ، انتہائی باریک بین، ملت و دین کا قطب۔

آپ کا نسب جیسا کہ محقق ثانی کے بعض اجازوں سے ظاہر ہوتا ہے سلاطین بویہ کے سلسلۂ شریفہ سے ملتا ہے اور بعض بڑے بڑے فقہا، قطب المحققین کو ابن بابویہ کے پوتوں میں سے قرار دیتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے۔ چھان بین کرنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی ولادت گاہ دارالمومنین ورامین رہے ہے۔

اپنے دور کے عظیم ترین علماء سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے علامہ وقت شیخ جمال الدین حسن بن یوسف بن مطہر حلی سے شرف تلمذ پایا اور علامہ کی کتاب ''قواعد الاحکام'' کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر ان کے سامنے اس کو پڑھا اور اس نسخہ کے آخر میں علامہ کی تحریر میں یہ صورت اجازہ موجود ہے۔ شام میں یہ نسخہ بعض فضلاء کے پاس موجود ہے:

شیخ العالم الفقیہ الفاضل المحقق المدقق زبدۃ العلماء والافاضل قطب الملت والدین محمد بن محمد رازی نے اس کتاب کے بیشتر حصے کو پڑھا، خدا ان کی قرأت کو دوام بخشے اور بحث اور تدقیق اور تحریر اور اس کی گہرائی کو۔ نیز ان کی مشکلات کو آسان کرے، اور بڑے بڑے شبہات کی ان کے لئے وضاحت کر دے۔ پس میں بیان کر رہا ہوں ان کے لئے شافی بیان اور انہیں اجازت دے رہا ہوں اس کتاب کی روایت کرنے کی اور میری تمام تصانیف اور روایت کے مجموعے کی روایت کرنے کی جن کی روایت کی مجھے اجازت دی گئی ہے ہمارے تمام گزرے ہوئے اصحاب کے متصل سلسلوں سے جو ان سے مجھ تک پہنچی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضائیں ان سب کو حاصل ہوں۔ اور (انہیں اجازت ہے کہ) جس کو چاہیں پہنچائیں مگر واجب ہے کہ معتبر شرائط کے ساتھ اجازہ اس کے اہل کو دیں۔ اللہ ان کی عاقبت کو اچھا کرے۔ اللہ کے فقیر بندے حسن بن یوسف مطہر حلی مصنفِ کتاب نے تین شعبان المعظم ۷۱۳ھ کو تحریر کیا۔ اور تمام حمد ہے اللہ کے لئے اور درود ہو ہمارے سردار محمد النبیؐ اور ان کی آل طاہرینؑ پر اور قطب المحققین، سلطان ابو سعید اور ان کے وزیر خواجہ غیاث الدین محمد جو اہل فضل کا مربی تھا کی وفات کے بعد شام کی طرف چلے گئے۔ وہاں شیخ تقی الدین سبکی سے جو شافعی فقیہ تھا ان کا جھگڑا ہو گیا اور یہ جھگڑا بعض احادیث کی توجیہ میں ہوا۔ اور چونکہ سبکی نے ان سے مناظرہ کو یہ سمجھا کہ اسکی وجہ سے اہل شام کی نظر میں وہ سبک قرار دیا جائے گا لہٰذا بے حیائی اور سینہ زوری پر اتر آیا اور قطب کے لیے یہ مشہور کر دیا کہ وہ شرح کے مقاصد کو نہیں جانتے صرف ظاہری کچھ چیزوں کا علم رکھتے ہیں اور جب قطب نے یہ انجام کار ملاحظہ کیا تو اس سے مناظرہ کرنے سے دست بردار ہو گئے اور اس کا بدلہ یہی کافی سمجھا کہ اس کو اسکی جہالت میں سرگرداں چھوڑ دیا جائے۔ اور شیخ شہید محمد بن مکی اعلی اللہ درجہ کے ''قواعد'' کے آخر میں (اسکی پشت پر) ان کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے کہ دمشق میں، میں اپنے علامہ قطب الدین کی خدمت میں پہنچا تو میں نے ان کو علوم کا ایک بے تھاہ سمندر پایا۔ اور انہوں نے میرے اوپر یہ لطف فرمایا کہ مجھے اجازہ عنایت کیا وہ بے شبہ اپنے مذہب کے امام تھے۔ اور وہ اسکی بخوبی صراحت فرماتے تھے۔ اور جمال الدین ابن المطہر جو فقیہ اہل بیت علیہم السلام ہیں کی طرف ان کی بازگشت معلوم ہے۔

ان کی وفات ۱۲ ذیقعدہ ۷۶۶ھ میں ہوئی، قلعہ میں ان کی نماز ادا کی گئی، دمشق کے بڑے بڑے لوگ اور امراء ان کی نماز میں حاضر ہوئے اور ان کو صالحیہ میں دفن کیا گیا۔ پھر ان کو کہیں اور منتقل کر دیا گیا۔ اور شہید اول پر تعجب ہے کہ انہوں نے کہا: **لاشک فی کونه امامیاً** (ان کے امام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے) لیکن احتمال یہ ہے کہ اس طرح وہ شک کو دور کر رہے تھے۔ ارباب علم سب کے سب شہید اول کے اس کلام پر تعجب کرتے ہیں۔

ان بزرگوار کی تالیفات میں کتاب ''محاکمات میان شراح اشارات'' اور ''اشارات اصغر پر حاشیہ'' جس کا نام ''بدرۃ الاصداف'' ہے۔

نیز ''کشاف اکبر'' پر حاشیہ جس کا نام ''تحفۃ الاشراف'' ہے۔ رسالہ تحقیق کلیات مباحث تصور و تصدیق پر رسالہ۔

کتاب ''قواعد'' علامہ پر غیر مدونہ حواشی، اور سنا گیا ہے کہ بعض علماء نے اس کو جمع کیا اور تدوین کر کے ایک علیحدہ کتاب کی شکل دی اور اس کا حواشی قطبیہ نام رکھا ہے۔ اور منطق میں کتاب ''مطالع پر شرح'' اور سید شریف نے اس پر حواشی لکھے اور میں نے حکیم قاضی سے سنا ہے کہ ''شرح مطالع'' پر میر نے جو حاشیہ لکھا اس پر بارہ حاشیے لکھے گئے۔

منطق میں کتاب ''شرح شمسیہ'' اور یہ انہوں نے خواجہ غیاث الدین کی خواہش پر لکھی اور اس شرح پر بھی بہت سے حواشی لکھے گئے ہیں۔ جیسے میر سید شریف، عماد، احمد، داؤد، میر غیاث الدین، ملا خلیل، سید علی رکابی اور محیی الدین وغیرہ نے اس پر حاشیے لکھے۔

مولف کتاب نے بھی اس پر حواشی لکھے جو غیر مدونہ ہیں۔ چونکہ ملا سعد تفتازانی نے ''شمسیہ'' پر شرح لکھی تھی لہٰذا ''شرح قطب الدین'' متروک ہوگئی اور طلباء نے شرح تفتازانی پڑھنا شروع کر دی پھر قطب الدین کے ایک شاگرد سید شریف نے اپنے استاد قطب المحققین کی ''شرح شمسیہ'' پر حاشیہ لکھا تو اس کے بعد پھر یہ کتاب طلباء اور مدرسین کے لیے قابل اعتماد قرار پائی اور ''شرح شمسیہ سعدیہ'' متروک ہوگئی۔

اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے اور جنت میں ان کو محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ جگہ عطا فرمائے۔

حسن بن یوسف بن علی (علامہ حلیؒ)

حسن بن یوسف بن علی بن المطہر الحلی اللہ ان کو اپنے دار کرامت میں جگہ عطا فرمائے لقب جمال الدین اور مسلمانوں میں آیت اللہ کے نام سے معروف ہیں۔ شرع مبین کے دائرہ کا مرکز اور دین مبین کا کرہ ہیں۔ اولین و آخرین کے فضائل کی ان پر انتہا ہو جاتی ہے۔ انہوں نے ارباب حق و یقین کے طور طریقوں کی بنیاد ڈالی۔ مومنین کے دلوں کا تذکرا اور ہدایت پانے والوں کے لیے تبصرہ، یقین کے راستوں پر چلنے والے اور کرامت اکرمین کی راہ راست ہیں۔ سید مصطفی تفریشی نے کتاب ''نقد الرجال'' میں لکھا کہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ میں ان کی تعریف کے بارے میں قلم نہ اٹھاؤں کیونکہ میری کتاب میں ان کے علوم و تصانیف و فضائل و محامد کے رقم کرنے کی استعداد و گنجائش نہیں ہے۔ ان کے لیے ستر سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔

میرزا احمد نے اپنی کتاب ''رجال'' میں کہا ہے کہ حسن بن یوسف بن علی بن مطہر ابی منصور جو علامہ حلی کے نام سے مشہور ہیں ان کے مولد و مسکن کے اتنے محامد ہیں کہ جو شمار سے باہر ہیں۔ ان میں سے مشہور ترین کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

آپ کی ولادت ۱۹ ماہ رمضان المبارک ۶۴۸ھ میں ہوئی اور وفات شب شنبہ المحرم الحرام ۷۲۶ھ میں واقع ہوئی۔ اس طرح آپ کی عمر مبارک ۷۷ سال تین ماہ ہوگی لیکن قاضی نور اللہ نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ ان کی ولادت ۲۹ ماہ رمضان المبارک ۶۴۸ھ ہے اور تاریخ وفات ہفتہ ۲۱ محرم الحرام ۷۲۶ھ ہے۔ آپ نے فقہ کلام، اصول اور عربی علوم اور تمام دیگر شیعہ علوم فقیہ اہل بیت نجم الدین ابو القاسم جعفر بن سعید حلی جو محقق اول کا لقب رکھتے ہیں اور علامہ کے ماموں ہیں ان سے اور اپنے والد بزرگوار شیخ سدید الدین یوسف بن المطہر سے حاصل کیے اور مطالب حکمت استاد البشر خواجہ نصیر الدین طوسی، علی بن عمر کاتبی قزوینی شافعی و محمد بن احمد جو ملا قطب علامہ شیرازی کے بھانجے تھے ان سب سے اور ان کے علاوہ دیگر علمائے خاصہ و عامہ سے حاصل کیے۔

"تاریخ حافظ ابرو" اور دیگر میں لکھا ہے کہ جب سلطان اولجایتو محمد خدابندہ کے دل میں یہ بات پختہ ہوگئی کہ مذہب اہل سنت والجماعت باطل ہے تو اس نے علمائے امامیہ کو بلانے کا حکم دیا۔ جب علامہ دیگر علماء کے ساتھ اس کے دربار میں پہنچ گئے تو یہ طے پایا کہ خواجہ نظام الدین عبدالملک مراغی جو علمائے شافعیہ میں بلکہ تمام اہل سنت میں افضل ترین عالم مانا جاتا تھا وہ علامہ سے مناظرہ کرے۔ علامہ نے مذکورہ خواجہ سے مناظرہ کیا اور قاطع براہین اور ساطع دلائل کے ساتھ خلافت بلافصل امیرالمومنین کو ثابت کیا اور تینوں شیخوں کی خلافت کو غلط قرار دیا۔ نیز حجاز میں مذہب امامیہ کو اس طرح ثابت کیا کہ حاضرین میں سے کسی کے لئے شک وشبہ کا راستہ باقی نہ چھوڑا۔ جب خواجہ نظام الدین نے علامہ کے دلائل سنے تو کہا: دلائل بہت مضبوط ہیں لیکن چونکہ بزرگوں نے ایک راہ اختیار کرلی اور ان کے اخلاف نے عوام کو لگام دینے اور کلمہ اسلام کو تفرقہ سے باز رکھنے کے لیے ان کی لغزشوں پر پردہ ڈالنے کے لئے سکوت اختیار کرلیا ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ اس پردہ پوشی کی ہتک نہ کی جائے اور ان پر لعنت نہ کی جائے۔ اور حافظ ابرو نے چونکہ انتہائی تعصب کی بناء پر یہ نہیں چاہا کہ عبدالملک کی عاجزی وشرمساری کی تصریح کرے لہٰذا کہا کہ شیخ جمال الدین اور مولانا نظام الدین عبدالملک میں بہت سے مناظرات ہوئے اور مولانا نظام الدین ان کا حد سے بڑھ کر احترام وتعظیم بجالاتے تھے اور جو کچھ لوگوں کی زبان زد ہے وہ یہ ہے کہ شاہ خدابندہ کو اپنی زوجہ سے بڑی محبت تھی اور کسی بات پر اس نے اس کو ایک ہی نشست میں تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ دیا بعد میں اس نے مفتیوں اور مولویوں سے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے تو سب نے کہا کہ محلل کی ضرورت ہے بغیر محلل اب زوجہ سے رجوع نہیں کیا جاسکتا۔ سلطان نے کہا کہ کیا کوئی ایسا مسلک بھی اسلام میں ہے کہ اس کے بغیر ہی رجوع کو جائز قرار دیتا ہو۔ کہا: کوئی نہیں ہے ہاں ایک مذہب شیعہ ہے لیکن وہ تو بڑے قلیل افراد کا مذہب ہے۔ سلطان نے کہا: ان کا اتہ پتہ نکالو۔ کہا: حلہ میں ان کے کچھ علماء ہیں جن کے رئیس ایک عالم ہیں جن کو علامہ کہتے ہیں۔ سلطان نے علامہ کو عزت واحترام کے ساتھ لانے کا حکم دیا جب علامہ آئے تو اس وقت دربار میں علماء بھی موجود تھے اور سلطان بھی لیکن علامہ آئے تو جوتیوں کو بغل میں داب کر حاضر مجلس ہوئے۔ سلطان اور دیگر حاضرین کو یہ بات بڑی ناگوار گزری چنانچہ بعض سنی علماء نے یہ سوچ کر کہ ابتداء سے ہی سلطان کی نظر میں آپکی عزت ووقار گرادیں یہ کہا کہ آپ نے سلطان کو سجدہ نہیں کیا اور اس طرح جوتیاں لیکر دربار میں آنا آداب ورسوم شاہی کے خلاف ہے۔ علامہ نے کہا کہ اس بات پر تو ہمارا اور تمہارا اجماع ہے کہ سوائے ذات واحد لاشریک کے کسی کو سجدہ جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو سلام کرو" اور میں نے سنا ہے کہ رسول خداؐ کسی کے ہاں مہمان ہوئے تو مالکی مذہب کے لوگوں نے آپ کے نعلین مبارک چرالیے اور چونکہ یہاں بھی مالکی مذہب کے ماننے والے موجود ہیں تو مجھے بھی خطرہ محسوس ہوا کہ میرے جوتے بھی یہ لوگ چرالیں گے۔ علماء نے کہا کہ آپ تو عجیب ہیں کہ نہ مذاہب کو جانتے ہیں اور نہ روسائے مذاہب کو مالک تو حضرت رسول خداؐ کے زمانے میں تھے ہی نہیں اور ان کا وجود تو پیغمبر کے تقریباً سو سال بعد ہوا ہے۔ علامہ نے کہا: ارے میں تو بھول گیا یہ چوری تو حنفی مذہب والوں نے کی تھی۔ سنی علماء نے کہا: ابوحنیفہ تو مالک کے بھی بعد ہوئے ہیں۔ تو علامہ نے کہا: پھر شافعی مذہب والوں نے یہ حرکت کی تھی۔ اور پھر ان کے بعد حنبلی مذہب والوں کے لیے اس بات کی نسبت دیدی۔ اور سب کے لیے وہی جواب ملا کہ وہ تو اس وقت وجود ہی نہ رکھتے تھے۔ علامہ نے کہا: جب چاروں فقہاء پیغمبرؐ کے زمانے میں نہیں تھے تو پھر یہ مذاہب کہاں سے نکل آئے اور یقیناً رسول مقبولؐ کے زمانے میں یہ مذاہب کوئی وجود ہی نہ رکھتے تھے۔ اور اس طرح ان سب کو غلط کار ٹھہرایا۔ اور اس قصہ کو اسی انداز پر ملا محمد تقی مجلسی نے اپنی کتاب "روضۃ المتقین شرح من لایحضرہ الفقیہ" میں لکھا ہے اور ایک ہی نشست میں تین طلاق والے معاملہ پر بھی علامہ نے ان کو غلط ثابت کیا۔

اس زمانہ میں علامہ نے ایک مجلس درس قائم کی اور اس میں سنی علماء بھی آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ علامہ نے سید موصلی حنبلی جو فرقہ حنبلی کا سب سے بڑا عالم تھا کے جواب میں ایک بڑی لطیف بات کہی۔ ہوا یوں کہ ایک دن بادشاہ کے دربار میں مخالفین کے ساتھ مناظرہ ہو رہا تھا۔ اپنی بات کے تمام ہونے کے بعد علامہ نے بطور شکر یہ ایک خطبہ پڑھا جو اللہ تعالیٰ کی حمد اور حضرت رسالت پناہ اور ان کی آل اطہار پر صلوٰۃ پر مبنی تھا اور جیسا کہ مذہب امامیہ میں جائز ہے آل میں سے ہر ایک امام پر انفرادی صلوٰۃ بھیجی تو سید موصلی جو علامہ کے دلائل کا جواب دینے سے قاصر رہا تھا اس نے یہاں اپنی ٹانگ اڑائی اور کہنے لگا کہ آپ کے پاس سوائے انبیاء پر درود وسلام بھیجنے کے غیروں پر صلوٰۃ بھیجنے کا کیا جواز ہے؟ علامہ نے کہا: یہ آیت کریمہ دلیل ہے الذین اذا اصابتھم مصیبۃ

قالوا اناللّه و انا الیه راجعون اولئک علیهم صلوٰت من ربہ و رحمة. اس سید نے انتہائی عناد کی بناء پر کہا کہ علیؑ ابن ابی طالب اور ان کی اولاد کو بھلا کونسی مصیبت آئی تھی جوان پر صلوٰۃ بھیجی جائے۔علامہ نے اہلبیت علیہم السلام کے کچھ مشہور مصائب کا تذکرہ کیا اور اس سید کو مزید شرمندہ کرنے کے لیے کہا کہ اس سے بڑی اور کیا مصیبت ہوگی کہ تجھ جیسا ناہل فرزندان کو ملا ہے جو بعض منافقین کو ان کے اوپر فضیلت دے رہا ہے اور جاہل لوگوں کے ایک گروہ کو ان پر ترجیح دیتا ہے۔تمام حاضرین علامہ کی اس حاضر جوابی پر حیران رہ گئے اور اس سید پر ہنسنے لگے۔اور بعض فاضل شعراء جو اس وقت موجود تھے انہوں نے اس سید کی شان میں یہ اشعار کہے

اذا العلوی تابع ناصبیا ب مذهبه فما هو من ابیه

وکان الکلب خیراً منه طبعاً لان الکلب طبع ابیه فیه

جب علوی ناصبیوں کی اتباع کرنے لگا ان کے مذہب پر تو اپنے اس کا تعلق منقطع ہوگیا

اور (کیسے) کتے کی فطرت میں خیر ہوسکتی ہے کیونکہ کتا تو اپنے باپ کی فطرت پر ہوتا ہے

سید نعمت اللہ جزائری نے یہ رباعی علامہ سے نقل کی ہے۔

لی فی محبته شهود اربع وشهود کل قضية اثنان

خفقان قلبی واضطراب مفاصلی وشحوب لونی واعتقال لسانی

میری اس سے محبت کے چار گواہ ہیں حالانکہ ہر معاملے میں صرف دو گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے

میرے دل کا درد اور میرے جوڑوں کی دکھن اور میری رنگت کا متغیر ہونا اور میری زبان کا بند ہوجانا

اور اس میں مراد محبت پروردگار عالم ہے۔

اور شیخ نورالدین علی بن عراق مصری کے تذکرہ میں لکھا ہوا ہے کہ چونکہ شیخ تقی الدین جو علمائے اہل سنت سے تھا اور شیخ کا معاصر تھا اور غائبانہ طور پر آپ کا منکر تھا اور اکثر فضول باتیں کرتا رہتا تھا تو علامہ نے یہ اشعار لکھ کر اس کو بھیجے۔

لو کنت تعلم کلما علم الوری طراً لکنت صدیق کل العالم

لکن جهلت فقلت ان جمیع من یهوی خلاف هواک لیس بعالم

شیخ شمس الدین محمد بن محمد بن عبدالکریم موصلی نے علامہ کے جواب میں یہ قطعہ لکھا۔

یامن یموه فی السوال مسقطاً ان الذی الزمت لیس بلازم

هذا رسول الله یعلم کلما علموا وقد عاداه اهل العالم

اور شمس الدین کا جواب واضح ہے کیونکہ علامہ نے تقی الدین سے خطاب کر کے موجبہ جزئیہ کا دعویٰ کیا ہے اور جواب دینے والا سالبہ جزئیہ لایا ہے اور سالبہ جزئیہ موجبہ جزئیہ میں خلل واقع نہیں کرتا لہٰذا یہ نقص دفع ہوجانے والا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک معمار کوئی مکان بنا رہا تھا۔علامہ والد کی خدمت میں حاضر تھے۔اچانک ذراسی مٹی علامہ کے چہرہ پر آ گری معمار نے کہا: اے کاش میں یہی مٹی ہوتا۔علامہ نے فوراً والد سے کہا کہ یقول الکافر یالیتنی کنت ترابا (روز حساب کافر آرزو کرے گا کہ اے کاش میں مٹی ہی ہوتا)۔

نیز یہ قصہ بھی مشہور ہے کہ بچپنے میں علامہ اپنے ماموں محقق سے درس پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھی درس سے اٹھ کر بھاگ جاتے تھے۔محقق ان کو پکڑنے کے لئے پیچھے بھاگتے اور جب علامہ کے قریب پہنچ جاتے تو علامہ سجدہ کی آیت پڑھ دیتے تھے تو محقق تو سجدہ کرنے لگتے اور علامہ موقع غنیمت جان کر بھاگ نکلتے۔شاید یہ بات محقق کے تقدس اور احتیاط کی بناء پر ہو کیونکہ سجدہ آیت کے سماع سے واجب نہیں ہوتا بلکہ استماع سے واجب ہوتا ہے۔

اوراس موقع پر محقق کے کان میں آیت کی آواز آتی تھی لیکن وہ باقاعدہ اسے کان دھر کر سنتے نہ ہوتے تھے لہذا وہ احتیاطاً سجدہ ادا کرتے تھے اور استماع سمجھا جائے تو مطلب یہ ہے کہ جب علامہ تلاوت آیت شروع کرتے تھے تو محقق اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے تو حصول ثواب کے لیے سجدہ کر لیتے تھے یا ہوسکتا ہے کہ محقق کے نزدیک اس زمانے میں سامع پر بھی سجدہ واجب ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم (اللہ بہتر جانتا ہے)۔

علامہ حلی کی بہت سی کرامات ہیں یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی کرامت تو یہ ہے جس کا تذکرہ قاضی نور اللہ نے اپنی کتاب ''مجالس المومنین'' میں کیا ہے اور زبان زد خاص و عام ہے۔ علمائے اہل سنت میں سے ایک عالم بعض علمی فنون میں علامہ کا استاد تھا اور اس نے ایک کتاب مذہب شیعہ امامیہ کی رد میں لکھی تھی۔ اور اپنی مجلس میں اس کتاب کو لوگوں کے سامنے پڑھا کرتا تھا۔ اور اس طرح ان کو گمراہ کر رہا تھا اور اس خوف سے کہ علمائے شیعہ میں سے کوئی اس کتاب کی تردید نہ کردے وہ کتاب کسی کو دیتا نہیں تھا کہ وہ اس کی نقل نہ کر لے۔ اور علامہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی بہانے کتاب کو اس سے حاصل کر لیں۔ تاکہ اس کا جواب لکھیں۔ بالآخر علامہ نے اپنی شاگردی کو وسیلہ قرار دیا کہ یہ کتاب مجھے عاریتاً دیدی جائے چونکہ اس شخص نے یہ نہ چاہا کہ یکبارگی ہی ان کی درخواست کو ٹھکرا دے لہٰذا بہانہ بنایا کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں یہ کتاب کسی کو ایک رات سے زیادہ کے لیے نہ دونگا۔ علامہ نے اتنا موقع بھی غنیمت سمجھا، کتاب اپنے استاد سے لے لی اور گھر لے آئے کہ جتنا ممکن ہے آج کی رات اس کو نقل کر لیں گے اور جب اس کو نقل کرنے لگے تو آدھی رات ہوگئی اور نیند غالب آئی۔ اچانک جناب صاحب الامر علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ کتاب کا کام مجھ پر چھوڑ دو اور تم سو جاؤ۔ چنانچہ علامہ سو گئے اور جب بیدار ہوئے تو کرامت امام زمانہ سے کتاب پوری نقل ہو چکی تھی۔

مولف کتاب نے اس قصہ کو اپنے والد سے اور بعض اور لوگوں سے اس طرح سے سنا ہے کہ اس کتاب کا مولف علامہ کے معاصرین میں سے کوئی شخص تھا۔ اور وہ شخص اہل سنت سے تھا۔ علامہ نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ اس سنی عالم کے شاگرد بن جاؤ۔ یہاں تک کہ جب وہ اس شاگرد پر بھروسہ کرنے لگا تو اس نے ایک رات کے لئے وہ کتاب اس شاگرد کو ادھار دیدی اور علامہ نے اس کو نقل کرنا شروع کیا یا اس کی رد لکھنے لگے۔ جب سحر کا وقت ہوا تو بے اختیار نیند آگئی اور قلم ہاتھ سے گر پڑا جب صبح ہوگئی تو آنکھ کھلی اور اس پر بڑا افسوس کیا کہ سو کیوں گئے اور کتاب کا کام پورا کیوں نہ کیا اب جو کتاب کو دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ تو ساری لکھی جا چکی ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہوا ہے ''اس کو لکھا م ح م د ابن حسن العسکری (علیہ السلام صاحب الزمان) نے۔''

دوسری کرامت جو شیخ اسد اللہ کاظمینی نے کتاب ''مقابیس'' میں مختصراً لکھی ہے وہ یہ ہے کہ خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے اور علامہ حلی تمام علماء سے آگے بیٹھے ہوئے ہیں۔

تیسری کرامت بھی عام و خاص میں مشہور ہے اور اس ناچیز مولف کتاب نے آخوند ملا صفر علی لاہجی جن کا تذکرہ ہو چکا ہے سے سنا کہ علامہ ہر شب جمعہ کو زیارت سید الشہداؑ کو جایا کرتے تھے ایک دفعہ اسی طرح تنہا اپنے گدھے پر سوار چلے جا رہے تھے اور ہاتھ میں تازیانہ پکڑا ہوا تھا۔ راستہ میں ایک پیدل چلتا ہوا عرب شخص علامہ کے ساتھ چلنے لگا اور دونوں ایک دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی ہی بات چیت کے بعد علامہ نے سمجھ لیا کہ یہ شخص بڑا عالم و فاضل اور کمال علم رکھنے والا ہے تو علامہ نے اپنی علمی مشکلات کو ایک ایک کر کے اس شخص سے دریافت کرنا شروع کیا اور وہ شخص نہایت آسانی کے ساتھ تمام مشکلات اور گتھیوں کو سلجھاتا چلا گیا یہاں تک کہ ایک مسئلہ پر جب بات چیت ہونے لگی اور اس شخص نے ایک فتویٰ بیان کیا تو علامہ نے انکار کیا کہ اس فتوے کے مطابق تو کوئی حدیث موجود ہی نہیں ہے اس شخص نے کہا کہ اس سلسلے میں ایک حدیث شیخ طوسی کی کتاب ''تہذیب'' میں موجود ہے اور تم کتاب تہذیب کے شروع کے اتنے صفحات پلٹو تو فلاں صفحہ فلاں سطر میں یہ حدیث مل جائے گی۔ علامہ کو بڑا تعجب ہوا کہ اس قدر ماہر علم یہ شخص کون ہے پھر انہوں نے اس سے سوال کیا کہ کیا اس زمانہ میں جو غیبت کبریٰ کا زمانہ ہے حضرت صاحب الامر کی زیارت ہو سکتی ہے یا نہیں اور یہ بات کرتے کرتے تازیانہ علامہ کے ہاتھ سے نیچے گر گیا تو وہ شخص جھکا اور اس نے تازیانہ اٹھا کر علامہ کے ہاتھ میں دیدیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ تم کیسے صاحب الزمان کی زیارت نہیں کر سکتے جبکہ

ان کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ علامہ تڑپ کر اپنے گدھے سے نیچے اتر آئے کہ آپ کے قدموں کا بوسہ لیں اور بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو کوئی دکھائی نہ دیا۔ پھر جب گھر پہنچے تو کتاب ''تہذیب'' کو کھولا تو اسی صفحہ اور اسی سطر میں جس کی آپؑ نے نشاندہی کی تھی وہ حدیث مل گئی چنانچہ علامہ نے اپنے ہاتھ سے حاشیہ ''تہذیب'' پر اس مقام پر لکھ دیا کہ یہ وہ حدیث ہے کہ جس کی اطلاع حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے دی اور اس ورق اور سطر پر نشان بھی لگا دیا۔ آخوند ملا صفر علی کہتے تھے کہ میرے استاد مرحوم آقا سید محمد کہتے تھے کہ میں نے اس کتاب کو دیکھا ہے اور اس کے حاشیہ پر علامہ کی تحریر جیسا کہ بیان ہوا موجود ہے۔

چوتھی کرامت یہ ہے کہ آپ سلطان کے دربار میں مخالفین کو نیچا دکھایا کرتے تھے۔ اور تمام سنی علماء کے عقائد کو غلط ثابت کر کے ان کو زیر کر لیا کرتے تھے۔ بادشاہ خدابندہ اور اس کے اکثر مصاحب درباری اور بہت سے ایرانی باشندے علامہ کی برکت سے مذہب شیعہ قبول کر چکے تھے۔ بادشاہ کے حکم سے درہم و دینار پر اسمائے مبارک چہاردہ معصومین منقش کیے جانے لگے۔ اس نے مساجد کے لیے بھی حکم دیا کہ اماموں کے مبارک نام کے ساتھ ان کی تزئین کی جائے۔ کہتے ہیں کہ اس سفر میں جب علامہ نے بادشاہ سے ملاقات کی تھی ملا حسن کاشی علامہ کے ہمراہ تھے وہ ایک ظریف آدمی تھے جب مخالفین سرنگوں ہو گئے تو انہوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ میں دو رکعت نماز چاروں مذاہب کے فقہاء کے مذہب کی رو سے پڑھتا ہوں اور دو رکعت نماز مذہب جعفری کے لحاظ سے ادا کرتا ہوں اور بادشاہ کی عقل کو حاکم قرار دیتا ہوں کہ کونسی نماز صحیح ہو سکتی ہے پھر ملا حسن نے کہا کہ ابوحنیفہ اور فقہائے اربعہ میں سے ایک اور فقیہ یہ جائز سمجھتے ہیں کہ شراب سے وضو کر لیا جائے اور ابوحنیفہ کا یہ کہنا بھی ہے کہ چمڑا دباغت کی وجہ سے پاک ہو جاتا ہے اور ان کے ہاں یہ بھی جائز ہے کہ حمد و سورہ کے بجائے صرف ایک آیت پڑھ لی جائے بلکہ اس کا ترجمہ ہی پڑھ لیا جائے اور ان کے ہاں یہ بھی جائز ہے کہ کتے کی نجاست پر سجدہ کر لیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ سلام کے بجائے ریاح خارج کر دی جائے تو نماز مکمل ہو جائے گی۔ چنانچہ ملا حسن نے شراب سے وضو کیا اور کتے کی پوست پہنی اور کتے کی غلاظت کو سجدہ گاہ بنایا اور تکبیر کہی اور حمد و سورہ کے بجائے کہا: دو سبز پتے۔ جو سورہ رحمٰن کی آیت مدھامتان کے معنی ہیں اور پھر رکوع کیا اور کتے کی غلاظت پر سجدہ کیا اور پھر اس طرح دوسری رکعت بھی پڑھی پھر تشہد پڑھ کر سلام کے بعد ریاح خارج کر دی اور کہا کہ یہ تو سنیوں کی نماز ہوگئی۔

پھر پاک و پاکیزہ ہو کر خضوع و خشوع کے ساتھ دو رکعت نماز بطریق شیعہ پڑھی۔ سلطان نے کہا کہ بالکل واضح ہے کہ پہلی والی تو کسی صورت میں نماز ہو ہی نہیں سکتی اور عقل و ادب کے موافق یہ دوسری نماز واقعی نماز ہے۔

پانچویں کرامات یہ ہے کہ علامہ کی طرح کثیر تالیفات کسی کی نہیں ہیں جبکہ آپ ہمیشہ خود پڑھنے پڑھانے اور تدریس میں مشغول رہتے تھے اور سفر بھی کرتے رہتے تھے اور بادشاہوں درباریوں اور بڑے بڑے لوگوں سے آپ کی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں پھر عوام الناس سے بہت زیادہ مناظرات و مباحثات بھی ہوا کرتے تھے۔ اس کے باوجود ان کی تالیفات کو ان کی عمر کے ایام پر تقسیم کریں تو ہر دن میں ایک جزو تالیف کا قرار پاتا ہے اور حساب سے پتہ چلتا ہے کہ ہر روز ایک ہزار اشعار لکھا کرتے تھے۔ اور یہ بہت بڑی کرامت ہے بلکہ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ نے پانچ سو (۵۰۰) کتابیں تالیف کی ہیں۔ شیخ فخر الدین طریحی نے اپنی کتاب ''مجمع البحرین'' میں مادہ علم میں لکھا کہ پانچ سو کتابیں علامہ کی تالیف کی ہوئی ان کی ذاتی تحریر میں دیکھی گئی ہیں اور جو دوسروں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ان کی تالیفات ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ علامہ کی ایک ہزار یا اس سے زائد کتابیں تالیف شدہ ہیں۔ اور یہ ایسی کرامت ہے جو دیگر سب کرامتوں سے بالاتر ہے۔

آخوند مجلسی کے سامنے کسی نے کہا کہ علامہ کی تالیف روزانہ ایک ہزار اشعار ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہماری بھی تالیفات اس سے کم نہیں ہیں اس پر آپ کے (مجلسی کے) ایک شاگرد نے کہا کہ فرق یہ ہے کہ آپ کی تالیف ہے اور علامہ کی تصنیف ہے تو مجلسی نے تصدیق کی کہ یہ بات درست ہے۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ مجلسی کی بھی اکثر تصنیفات ہی ہیں جیسے بحار وغیرہ۔ اور یہ بات سنی گئی ہے بلکہ بعض کتابوں میں بھی ملتی ہے کہ سنی علماء علامہ کے روزانہ ایک ہزار تالیف اشعار کو بہت بعید سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے ان کا انکار کر دیتے ہیں اور ان کو اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ذلک فضل الله یوتیه

من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم اورلطف یہ ہے کہ اگر اتنے علم کی نسبت جھوٹ موٹ ہی ان سینوں میں سے کسی کو دیدی جائے تو وہ فرماتے ہیں چنانچہ ابن خلکان شافعی اپنی تاریخ میں ہشام بن صائب کلبی کے بیان میں لکھتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں قرآن مجید تین دن میں حفظ کرلیا تھا اور محمد بن عبداللہ بن واحد کے بارے میں کہتا ہے کہ میں نے علم لغت سے تیس ہزار ورق زبانی لکھوائے اور محمد بن قاسم جو ابن انباری کہلاتا ہے کہ بارے میں کہتا ہے کہ اس نے تفسیر قرآن میں مع سندوں کے ایک سو بیس ۱۲۰ کتابیں حفظ کیں۔

اسی طرح ''شواہد قرآن'' میں تین لاکھ اشعار لکھے اور اس کے علاوہ بھی بہت سی تصنیفات تھیں کہ ان میں ایک کتاب ''غریب الحدیث'' پینتالیس ہزار (۴۵۰۰۰) ورق کی، ''شرح کافی'' دو ہزار ورق کی اور ایک کتاب اور ہزار ورق کی اور ''احوال ایام واحوال جاہلیت'' یہ سات سو ورق کی کتاب وغیرہ ہیں اور عبدالرحمٰن بن علی جو ابوالفرج بن جوزی حنبلی کے نام سے مشہور ہے ان کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کی کتابیں اتنی زیادہ ہیں کہ شمار بھی نہیں کی جاسکتیں اور وہ اس کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض نے تو یہ کہدیا کہ اس کے لکھے ہوئے سب اجزاء جمع کیے گئے اور اس کی عمر کے ایام پر ان کو تقسیم کیا گیا تو ہر دن کا ایک جزو بنا اور بعض لوگوں کی تصریح کے مطابق ہر جزو ۵۰۰۰ اشعار پر مبنی تھا اور یہ ایسی چیز ہے عقل کسی طرح قبول نہیں کرتی کیونکہ تو جزو کے معنی یہ ہوئے چار ہزار پانچ سو اشعار فی یوم۔ اتنا تو کوئی کتابت بھی نہیں کرسکتا تصنیف کا کیا سوال ہے۔ ہاں ایک ہزار اشعار یا اس سے کچھ زیادہ کی کتابت ایک دن میں ممکن ہے۔ اور مولف کتاب کو یقین ہے کہ میں ہزار اشعار کی کتابت کرسکتا ہوں بشرطیکہ بہار کے ایام ہوں اور کوئی بولتا جائے اور میں لکھتا جاؤں۔ اتنے ابیات کی تصنیف کی جاسکتی ہے اگر دن کے ساتھ رات کو بھی لکھا جائے اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ ان تصنیفات میں سے کچھ علامہ نے رات کو لکھی ہوں خصوصاً ان میں سے بعض حضرت قائم آل محمدؑ کی اعانت سے لکھی گئی ہوں جیسا کہ سینوں کی کتاب کی رد میں جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ہوا تھا۔ اور ابن جوزی کے اشعار بھی بہت ہیں۔ یہاں تک ابن خلکان کا کلام تھا۔

ایک اور صاحب فضل کہتے ہیں کہ یحییٰ بن علی منطقی نے اپنے ہاتھ سے بہت سی کتابیں لکھیں حتی کہ ایک شب و روز میں اس نے سو ورق لکھ ڈالے اور سہل بن عبداللہ شستری نے چھ یا سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا اور پچیس دن تک رات دن ایسا روزہ رکھا کہ اس کے درمیان میں کچھ بھی کھایا نہ پیا۔ ظاہراً یہاں ان کا مقصود روزہ سہل سے ہے اور اس روزہ سہل کی طرف شہید ثانی نے اپنی تصنیف مسالک کی کتاب نکاح میں اشارہ کیا ہے۔ اور یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ جلدی جلدی لکھنے اور زیادہ سے زیادہ تصنیف کرنے کے لالچ میں اور تا کہ ان کی تالیفات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے علامہ کا طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ ذہن میں آتا تھا وہ لکھ ڈالتے تھے اور جو کچھ پہلے اپنے پہلے لکھے ہوئے اقوال و افکار لکھ چکے تھے ان کی طرف دوبارہ رجوع نہیں کرتے تھے چاہے اپنے پہلے لکھے ہوئے افکار کے خلاف ہی کوئی بات لکھ دی ہو اور اس سلسلے میں مخالفین نے ان پر بڑی تنقید کی ہے لیکن یہ بات درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ باب علم کو مسدود کرنے میں مناط ظنی بات ہے اور مجتہد کیسے تجدید رائے حسن (اچھی بات) ہے چنانچہ شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی بھی تصنیف و تالیف اور اختلاف اقوال میں علامہ ہی کی طرح تھے۔

علامہ اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب ''خلاصہ رجال'' میں اپنے بارے میں کہا ہے کہ حسن بن یوسف بن مطہر ابومنصور جس کا مولد و مسکن حلہ ہے اور اس کتاب کا مصنف ہے اس کی کئی کتابیں ہیں اور ایک کتاب ''منتہی المطالب'' ہے جس میں مذہب کی تحقیق پیش کی گئی ہے کہ اس جیسی تحقیق اور کہیں نہیں پیش کی گئی۔ اس میں ہم نے تمام مسلمانوں کے مذاہب کی فقہی تحقیق کی ہے اور جس کو یقینی طور پر صحیح پایا اس کو ترجیح دی ہے اور جس جس نے اس سلسلے میں مخالفت کی ان کے دلائل کو باطل ثابت کیا ہے اور یہ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی مکمل ہو جائے گی ابھی تک کہ ربیع الثانی ۶۹۳ھ ہے ہم اسے لکھ رہے ہیں سات جلد ہوئی ہیں۔

دوسری کتاب ''تلخیص مرام در معرفت احکام''۔

تیسری کتاب ''احکام شریعہ'' امامیہ مذہب کی رو سے بہت عمدہ ہے اور اس سے ہم نے فروعی احکام کا استخراج کیا ہے کہ ہم ان کو مختصر نہیں کرسکتے

تھے۔ مولف کتاب کہتا ہے کہ جتنے مسائل تحریر کیے گئے ہیں ان کی فہرست ایک لاکھ ساٹھ ہزار بنتی ہے۔

چوتھی کتاب "مختلف الشیعہ در احکام شریعت" کہ جس میں ہم نے صرف اپنے علماء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ پھر ہر شخص کی اپنی اپنی دلیلوں کو بیان کیا ہے اور پھر یہ کہ ہم کس کو ترجیح دیتے ہیں۔

پانچویں کتاب "تبصرۃ المتعلمین فی احکام الدین"، مولف کہتا ہے کہ کتاب تبصرہ میں جیسے کہ شمار کیا گیا ہے آٹھ ہزار مسائل ہیں۔

چھٹی کتاب "استقصاء الاعتبار"۔ احادیث کے معانی کی تحریر میں اس میں ہم نے ہر وہ حدیث ذکر کی ہے جو ہمیں مل سکی ہے پھر حدیث کی صحت، ابطال، محکم یا متشابہ ہونا اور جو کچھ متن حدیث میں ہے اس پر اصولی اور ادبی اعتبار سے بحث کی ہے۔ پھر متن سے جو بھی احکام شریعہ وغیرہ نکل سکتے ہیں وہ سب نکالے ہیں اور ایسی کتاب ابھی تک دوسری کوئی نہیں لکھی گئی۔

ساتویں کتاب "انوار" اس میں علماء کی تمام احادیث ذکر کی گئی ہیں پھر وہ حدیثیں جن جن فنون سے متعلق ہیں ان کے باب بھی رکھ دیئے گئے ہیں اور ہر فن سے متعلق ایک باب ترتیب دیا گیا ہے اور اس میں سب سے پہلے جو کچھ پیغمبرؐ سے روایت کیا گیا ہے وہ لکھا گیا ہے پھر امیر المومنینؑ سے اور پھر ترتیب وار تمام ائمہؑ سے یہاں تک کہ آخری امام علیہ السلام سے۔

آٹھویں کتاب "دُرّ و مرجان" ہے جس میں صحیح اور حسن احادیث جمع کی گئی ہیں۔

نویں کتاب "اشعریہ اور سوفسطانیہ میں تناسب"۔

دسویں کتاب "ھجر الایمان در تفسیر قرآن" اس میں کشاف و تبیان اور دوسری تفاسیر کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

گیارہویں کتاب "انس الوجیز" جو قرآنِ مجید کی تفسیر ہے۔

بارہویں کتاب "عترت طاہرہؑ کی بیش قیمت دعائیں"۔

تیرہویں کتاب "نکت بدیعہ در تحریر ذریعہ در اصول فقہ" (ذریعہ کی تحریر میں اصول فقہ کے نادر باریک نکتے)۔

چودھویں کتاب "غایت الوصول در ایضاح السبیل"، منتہی السوال والاصل کی شرح مختصر ہے اصول فقہ میں۔

پندرہویں کتاب "مبادی الوصول بسوی علم اصول"۔

سولہویں کتاب "منہاج الیقین"، اصول دین میں۔

سترہویں کتاب "منتہی الوصول بسوی علم کلام وعلم اصول"۔

اٹھارویں کتاب "شرح المراد" جو کلام میں تجرید الاعتقاد کی شرح ہے۔

انیسویں کتاب "انوار الملکوت" جو کلام میں نص یاقوت کی شرح ہے۔

۲۰ویں کتاب "نظم البراھین"، اصول دین میں۔

۲۱ویں کتاب "معارج الفہم" یہ نظم کی شرح ہے۔

۲۲ویں کتاب "ابحاث المفیدہ در تحصیل عقیدہ"۔

۲۳ویں کتاب "نہایۃ المرام" علم کلام میں ہے۔

۲۴ویں کتاب "کشف الفوائد" قواعد عقائد کی شرح میں ہے۔

۲۵ویں کتاب "منہاج" حج کے مناسک میں ہے۔

۲۶ویں "تذکرۃ الفقہاء"۔

۲۷ویں کتاب ''تہذیب الوصول'' علم اصول میں۔

۲۸ویں ''قواعد و مقاصد'' طبیعی والہی منطق میں۔

۲۹ویں کتاب ''اسرار خفیہ علوم عقلیہ میں''۔

۳۰ویں ''کاشف الاستتار، شرح کشف الاسرار میں''۔

۳۱ویں ''کتاب در المکنون''، منطق میں علم قانون میں ہے۔

۳۲ویں کتاب ''مباحثات سنیہ و معارضات نصیریہ''۔

۳۳ویں کتاب ''مقامات'' اس میں ہم نے حکمائے سابقین سے لیکر اپنے دور کے تمام حکماء سے بحث کی ہے۔

۳۴ویں کتاب ''حل مشکلات از کتاب تلویحات''۔

۳۵ویں کتاب ''ایضاح التلبیس در کلام رئیس'' اس کتاب میں شیخ ابو علی سینا پر بحث کی ہے۔

۳۶ویں کتاب ''کشف المکنون'' کتاب قانون سے یہ علم نحو میں شرح رجالیہ کا اختصار ہے۔

۳۷ویں کتاب ''بسط الکافیہ'' جو شرح کافیہ کا اختصار ہے اور نحو میں ہے۔

۳۸ویں کتاب ''مقاصد الوافیہ بفوائد قانون کافیہ'' اس میں ہم نے جزولیہ اور کافیہ کو مثالوں کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور ان کی مثالیں دی ہیں جو قابل مثال تھے۔

۳۹ویں کتاب ''علم عربیہ میں مطالب علمیہ''۔

۴۰ویں کتاب ''شرح رسالہ شمسیہ میں قواعد جلیہ''۔

۴۱ویں کتاب ''منطق میں شرح تجرید بنام جواہر النقید''۔

۴۲ویں کتاب ''مختصر شرح نہج البلاغہ''۔

۴۳ویں کتاب ''ایضاح المقاصد از حکمت عین قواعد''۔

۴۴ویں کتاب ''نہج العرفان''، علم میزان میں۔

۴۵ویں کتاب فقہ کے احکام ایمان میں کتاب ''ارشاد الاذھان'' بہت اچھی ترتیب کے ساتھ ہے۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ کتاب ارشاد میں لوگوں نے بارہ ہزار مسائل شمار کیے لیکن فخر المحققین نے چودہ ہزار مسئلے شمار کیے اور بعض فضلاء نے کہا ہے کہ وہ پندرہ ہزار مسئلے ہیں اور محقق کی شرائع میں بارہ ہزار ہیں اور ''ارشاد'' مختصر ہونے کے باوجود حسن ترتیب میں ''شرائع'' سے بہتر ہے اور اس میں اقوال نقل نہیں کیے گئے ہیں اور استدلال کے چکر میں بھی نہیں پڑے۔ ''شرائع'' میں بعض مقامات پر اقوال ذکر کیے گئے ہیں اور بعض مواقع پر صاحبان اقوال کے نام بھی لکھے گئے ہیں اور کہیں کہیں استدلال کی طرف بھی مختصر اشارے کیے گئے ہیں۔

۴۶ویں کتاب فقہ کے معرفت احکام میں کتاب ''تسلیک الافہام''۔

۴۷ویں کتاب علم اصول میں ''نہایۃ الوصول''۔

۴۸ویں کتاب معرفتِ حلال و حرام میں کتاب ''قواعد الاحکام''۔ مولف کہتا ہے کہ یہ کتاب مشکل عبارات پر مشتمل ہے اور اس میں وصیت اور میراث کے احکام بڑے حساب کتاب کے محتاج ہیں اور جو ''قواعد خلاصۃ الحساب'' میں ہیں ان سے زیادہ دقیق ہیں۔

۴۹ویں کتاب ''کشف الحقائق'' جو حکمت میں شفا کے بارے میں ہے۔

۵۰ویں کتاب ''مقصد الواصلین'' اصول دین میں۔
۵۱ویں کتاب ''تسلیک النفس بسوئے خطیرہ قدس''، کلام میں ہے۔
۵۲ویں کتاب ''نہج الوضاح''، احادیث صحاح کے بارے میں ہیں۔
۵۳ویں کتاب ''نہایت الاحکام'' معرفت احکام میں۔
۵۴ویں کتاب ''محاکمات میان شراح اشارات''۔
۵۵ویں کتاب ''نہج الوصول''، علم اصول میں۔
۵۶ویں کتاب ''منہاج الہدایہ ومعراج الدرایہ''، علم کلام میں۔
۵۷ویں کتاب ''نہج الحق وکشف الصدق''۔
۵۸ویں کتاب ''منہاج الکرامت''، امامت کے بارے میں۔
۵۹ویں کتاب ''استقصاء النظر'' قضاوقدر کے بارے میں۔
۶۰ویں کتاب رسالہ ''سعدیہ''۔
۶۱ویں کتاب رسالہ ''واجب الاعتقاد''۔
۶۲ویں کتاب ''نہج المسترشدین''، اصول دین میں۔
۶۳ویں کتاب ''کتاب الفین'' جوحق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور اس میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خلافت بلا فصل پر دو ہزار دلیلیں دی گئی ہیں اور یہ کتاب نامکمل ہے۔

یہاں تک کتاب ''خلاصہ'' کا کلام تھا۔ اور کتاب ''امل الامل'' میں لکھا ہے کہ ان کتابوں کے علاوہ علامہ کی اور کتابیں بھی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

۶۴ویں کتاب ''خلاصۃ الاقوال'' معرفت رجال میں۔
۶۵ویں کتاب ''ایضاح الاشتباہ'' راویوں کے احوال میں۔
۶۶ویں کتاب ''رجال میں کتاب کبیر''۔ کتاب خلاصہ میں اکثر مقامات پر کتاب رجال کا ذکر کیا گیا ہے۔
۶۷ویں کتاب رسالہ ''جبر کے باطل ہونے کے بارے میں''۔
۶۸ویں کتاب ''اعمال کے مخلوق ہونے کے بارے میں''۔
۶۹ویں کتاب ''کشف الیقین'' امیر المومنینؑ کے فضائل۔
۷۰ویں کتاب ''کشکول'' اس میں جو کچھ آل رسولؐ پر گزری اس کا تذکرہ ہے بعض اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ یہ ان کی کتاب ہے۔
۷۱ویں کتاب ''ایضاح'' اہل سنت کی نص کتاب وسنت کی مخالفت میں۔ اس کا ایک پرانا نسخہ حضرت علی ابن موسیٰ الرضا ان پر ہزاروں سلام وصلوٰۃ کے وقف شدہ خزانہ میں موجود ہے۔ اور اس میں ایک عجیب انداز اختیار کیا ہے اور صاحب امل الامال کہتے ہیں کہ اس کتاب سے جو کچھ مل سکا ہے وہ وہی جلد دوم ہے اور اس میں صرف سورۂ آل عمران ہے اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی ہر آیت کا عام مسلمانوں نے کئی وجوہات کی بناء پر انکار کیا ہے بلکہ اکثر کلمات کی مخالفت کی ہے۔
۷۲ویں کتاب اولاد زہرؑا کے لیے اجازہ کبیرہ۔
۷۳ویں کتاب ''کلام میں گیارہواں باب''۔

۷۴ویں کتاب مختصر "مصباح المجتہدین" اور اس کا نام "منہاج الصلاح" اور اختصار میں مصباح کہتے ہیں اس میں دس باب ہیں اور گیارہواں باب اس میں الحاق کیا گیا ہے کیونکہ وہ مصباح میں نہیں ہے۔

۷۵ویں کتاب "جوابات سید مہنا بن سنان"۔

بعض لوگ کتاب "کشکول" کو اس بارے میں کہ آل رسول پر جو گزری افضل المتاخرین حیدر بن علی بن عبیدی حسینی کی تصنیفات میں سے مانتے ہیں۔ شیخ بہائی کہتے ہیں کہ علامہ کی کتابوں میں "شرح اشارات" بھی ہے۔

کہتے ہیں کہ علامہ نے تین یا چار بار اپنی تمام عمر کی نماز احتیاطاً قضا پڑھی۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور جنت کے مکانات میں جگہ عطا فرمائے اور رسول مختارؐ اور اہل بیت اطہار کے ساتھ ان کو محشور فرمائے۔

جعفر بن یحییٰ بن حسن محقق اول

جعفر بن یحییٰ بن حسن بن سعید ہذلی کا لقب نجم الدین اور محقق اول تھا اور کنیت ابوالقاسم، پیغمبر آخر الزمان کی شریعت کو واضح کرنے والے، شرع کی نصرت کرنے والے اور باطل ادیان کو ٹھکرانے والے، فقہ و کلام اور اصول سے نہایت حسنِ بیان کے ساتھ نہایت باریک نکتے نکالنے والے اور حقائق کے لطائف تک پہنچنے والے ہیں۔ شعر و ادب اور انشاء میں منفرد زمانہ ہیں ان کے والد حسن فقہا اور مشائخ اجازہ میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے دادا یحییٰ بھی فقہا اور بڑے علماء میں سے ہیں۔ حسن کو اپنے والد یحییٰ سے اجازہ حاصل ہے۔ ملا محمد باقر مجلسی کے بڑے بڑے شاگردوں کا کہنا ہے کہ محقق کی ولادت باسعادت ۶۳۸ھ میں ہوئی اور ان کی وفات شب شنبہ میں محرم الحرام ۷۲۶ھ میں واقع ہوئی لیکن ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ان کی وفات ۶۷۶ھ میں واقع ہوئی مختصر یہ کہ تاریخ وفات و ولادت دونوں میں گڑبڑ ہے اور علامہ نے اجازہ اولاد زہرا میں کہا ہے کہ آپ یعنی محقق اول علم فقہ میں اپنے وقت کے تمام علماء میں افضل تھے۔ اور شیخ حسن بن شیخ زین الدین شہید ثانی علامہ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ عبارت لکھتے ہیں کہ اگر اول زمان کی قید لگا کر خود کو چھوڑ دیتے تو بہتر تھا کیونکہ فقہا میں محقق جیسا ہم کوئی نہیں جانتے اور اہل رجال کہتے ہیں کہ محقق اپنے دور کے علماء ہی کی مانند تھے۔ جب جناب خواجہ نصیر الدین محقق طوسی بغداد تشریف لائے اور علمائے حلہ سے ملاقات کا ارادہ کیا تو محقق نے بھی حلہ کے فقہا کے ساتھ آپ کے استقبال کو جانا چاہا۔ خواجہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو حکم دیا کہ ہمارا استقبال نہ کیا جائے محقق ان کے آنے کے دن بھی تدریس میں مشغول تھے تو محقق طوسی محقق حلی کی مجلس درس میں تشریف لے آئے اس وقت محقق شرائع سے درس استدلال دے رہے تھے تو محقق حلی نے محقق طوسی کے احترام میں درس بند کر دیا۔ سلام شوق اور مزاج پرسی کے بعد خواجہ نصیر الدین نے محقق حلی سے خواہش کی کہ درس شروع کر دیں پہلے تو محقق منع کرتے رہے لیکن آخر کار جب خواجہ کا اصرار بڑھا تو پھر درس کا آغاز کر دیا اور درس اس مسئلہ پر ہو رہا تھا کہ عراق کے لیے مستحب ہے کہ اپنے مصلے کے بائیں طرف رخ کرے اس پر محقق طوسی نے محقق حلی پر اعتراض کیا کہ اس استحباب کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ اگر قبلہ سے مڑ کر غیر قبلہ کی طرف ہو رہے ہیں تو یہ حرام ہے اور اگر غیر قبلہ سے قبلہ کی طرف رخ کر رہے ہیں تو وہ واجب ہے۔ لیکن اگرچہ خواجہ علوم ریاضی میں اپنے وقت کے منفرد کامل شخص تھے لیکن اس وقت محقق حلی نے ایسی توجیہ پیش کی کہ قبلہ سے ہی قبلہ کی طرف رخ کرنا ہے کہ خواجہ خاموش ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد محقق حلی نے ایک رسالہ لطفیہ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے بہت سی توجیہات کے ساتھ لکھا اور اس کو محقق طوسی کے پاس بغداد بھیجا اور محقق طوسی نے اس رسالہ کو پسند فرمایا۔ اس رسالہ کو پورے کا پورا احمد بن فہد نے اپنی کتاب "مہذب البارع" جو شرح مختصر نافع ہے میں نقل کیا ہے اور صاحب "مدارک" نے بھی اس کو نقل کیا۔

علامہ حلی نے اجازہ اولاد زہرا میں لکھا ہے کہ جب خواجہ نصیر الدین جو ہلاکو خان کے وزیر تھے حلہ تشریف لائے تو وہاں کے فقہاء نے خواجہ کی محفل

میں شرف نیاز حاصل کیا۔خواجہ نے محقق حلی سے پوچھا کہ ان سب میں اعلم (سب سے زیادہ صاحب علم) کون ہے تو محقق نے عرض کی کہ یہ سب لوگ ہی فاضل وعالم ہیں اوران میں سے اگر کوئی ایک فن کا ماہر ہے تو دوسرے فنون سے بھی واقفیت رکھتا ہے۔خواجہ نے کہا کہ اصول میں کون اعلم ہے۔تو محقق نے شیخ سدیدالدین بن یوسف بن مطہر اور فقیہ سدیدالدین محمد بن جہم کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ ان سب لوگوں میں یہ دو اعلم ہیں علم کلام اور علم فقہ دونوں میں۔اس بات پر محقق کے چچازاد یحییٰ بن سعید صاحب "جامع" نے اظہار کدورت کیا انہوں نے اپنے چچازاد بھائی محقق کو خط لکھا اور اس میں اس مفہوم کے اشعار لکھے یہ کہ آپ نے میری منزلت کا اظہار کیوں نہیں کیا اور صرف ابن المطہر اور ابن جہم کا تذکرہ کیوں کیا؟ اور میرا کوئی ذکر نہ کیا۔اوران میں سے دو اشعار یہ تھے۔

لا تھن من عظیم قدر — وان کنت مشارالیہ بالتعظیم

فاللبیت الکریم نقیص قدر — بلتعدی علی اللبیب الکریم

محقق حلی نے ان کے جواب میں لکھا کہ اگر میں آپ کا نام بھی لیتا اور محقق طوسی آپ سے کوئی اصول کا سوال کا پوچھ لیتے تو یقیناً آپ توقف کرتے اوران کا جواب نہ دے پاتے اور ہمیں خواہ مخواہ خفت وشرمساری کا سامنا کرنا پڑتا۔

متاخرین میں سے ایک بڑے جلیل وعظیم عالم نے فرمایا کہ میں نے بعض فضلاء کی دستی تحریروں میں یہ پڑھا کہ جمعرات کی صبح ۱۳ ربیع الثانی ۶۷۶ھ میں شیخ فقیہ ابوجعفر بن حسن بن یحییٰ بن سعید حلیؒ اپنے گھر کی اوپر کی منزل سے نیچے گرے اور فوری طور پر انتقال فرما گئے انہوں نے نہ ذرا سی حرکت کی نہ کوئی لفظ ان کے منہ سے نکلا۔لوگ ان کی وفات پر زار وقطار روئے اوران کی میت پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ان کا جنازہ روضہ مبارک امیرالمومنینؑ پر لے جایا گیا اور جب ان کی ولادت کے متعلق معلوم کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ۶۰۲ھ میں ہوئی تھی۔اس طرح آپ کی عمر تقریباً ۷۴ سال ہوئی اور محقق ایک بڑے اچھے شاعر بھی تھے۔ان کے اشعار میں بڑی نیرنگی پائی جاتی ہے۔ان میں سے یہ اشعار بھی ہیں جو انہوں نے اپنے والد کے لیے لکھے۔

لیھنک انی کل یوم الی العلا — اقدم رجلا لاینزل بھا النعل

پس جب وہ رسالہ اور اشعار محقق کے والد کی نظر سے گزرے تو انہوں نے ان اشعار کے اوپر لکھ دیا کہ تم نے اشعار تو اچھے لکھے لیکن اپنے حق میں برائی کی۔کیا تم نہیں جانتے کہ شعر گوئی اس کی کاریگری ہوتی ہے جو اپنا لباس فقہ اتار پھینکے اور گدڑی پوش ہو جائے۔شاعر ملعون ہوتا ہے چاہے وہ حقیقت ہی کیوں نہ بیان کرے اوراس کا مقام پست ہی رہتا ہے چاہے لاجواب اشعار ہی کیوں نہ کہے اور سچ تو یہ ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ شعر گوئی نے تمہاری عظمت کو خاک میں ملا دیا ہے اور تم ان لوگوں میں شمار ہو گے جن کو شعر گوئی کے علاوہ کوئی اور فضیلت حاصل نہیں ہوتی اور لوگ تمہیں شاعر کہا کریں گے۔

جب محقق نے یہ تحریر پڑھی تو شعر کو اس طرح ترک کر دیا گویا کبھی شعر گوئی کی ہی نہ تھی۔آپ کے کچھ اور اشعار میں سے یہ بھی ہیں۔

یارا قداً والمنایا غیر راقدہ — وعاملاہ سھام الموت ترمیہ

بم اغترارک والایام مرصدۃ — والدھر قد ملاء الاسماع راعیہ

اما ارتک اللیالی قبح دخلتھا — وعذرھا بالتی کانت تصافیہ

رفقاً بنفسک یاغرور ان لھا — یوماً تشیب النواصی من دواھیہ

جن لوگوں نے آپ سے اجازہ لیا ان میں علامہ حلی اوران کے بھائی رضی الدین علی بن یوسف اور حسن بن داؤد شامل ہیں۔اور آپ نے جن سے اجازہ لیا ان میں آپ کے والد اور شیخ صالح تاج الدین حسن بن دربی، سید محیی الدین محمد بن عبداللہ بن علی زہرہ، نجیب الدین محمد بن جعفر بن ھبۃ اللہ بن نما اور سید شمس الدین فخار بن معد موسوی شامل ہیں۔

اور یہ بات بھی غیر واضح نہ رہے کہ متاخرین کی صف میں سب سے پہلے محقق آتے ہیں اوران سے پہلے کے علماء کو متقدمین کہا جاتا ہے اور صاحب "معالم" کے بقول کہ اصحاب کا تقدم محقق پر منقطع ہو جاتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ چونکہ محقق متقدمین سے بالکل متصل تھے تو ان ہی اس قربت کی بنا پر ان کو

متقدمین میں شمار کرلیا گیا ہو بہر حال تحقیق یہ ہے کہ اصطلاح فقہا واصولیین میں متاخرین کے پہلے فرد محقق ہیں۔

محقق کی تالیفات میں مسائل حلال وحرام میں کتاب ''شرائع'' دو جلدوں میں جو تحریر کے اعتبار سے بہت صاف ستھری کتاب ہے۔ بعض اس میں پندرہ ہزار مسائل سمجھتے ہیں اور کچھ تیرہ ہزار مسائل اور مشہور یہ ہے کہ بارہ ہزار مسائل ہیں اور اس پر بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ اور اس پر اس فقیہ نے بھی شرح لکھی ہے جس کا نام ''بدائع الاحکام در شرح شرائع'' ہے اور اس میں چھ ہزار مسائل ہیں۔ ایک اور کتاب ''معتبر'' جو شرح مختصر ہے اور اس میں عبادات کا باب ہے اور کچھ تجارت سے متعلق ہے۔ کئی جلدوں میں ہے مگر نا تمام ہے اور رسالہ ''تیاسر قبلہ'' جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور کتاب ''نکت النہایہ'' جو شیخ طوسی کی کتاب ''نہایہ'' کی شرح ہے اور مجلد ''مسائل غریہ'' اور مجلد ''مسائل مصریہ'' ''مسلک اصول دین'' میں ایک جلد، اصول فقہ میں کتاب ''معارج'' اور ایک پرانی کتاب منطق میں ''نہج الاصول'' اور کتاب ''تنبیہ منطق'' میں۔

یہ بھی واضح رہے کہ محقق کی جلالت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اس کو تحریر کیا جاسکے۔ اس میں سے ایک بات یہ ہے کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کچھ لوگ کشتی میں سوار جزیرۂ خضراء میں پہنچے جو حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے رہنے کی جگہ ہے اور انہوں نے بتایا کہ جن فقہا کے نام اولاد صاحب الامر علیہ السلام کی بستی میں بڑی عزت واحترام سے لئے جاتے ہیں وہ محقق اول اور شیخ مفید، شیخ طوسی اور شیخ صدوق ہیں۔

ان بستیوں کے ایک بزرگ سے نقل کیا گیا ہے کہ جتنے بھی شرائع کے مسائل ہیں وہ سب حقیقت پر مبنی ہیں۔ مگر صرف دو مسئلے ایسے نہیں ہیں لیکن انہوں نے ان دو مسائل کو بیان نہیں فرمایا۔ لہٰذا بعض ازکیاء کہتے ہیں کہ ان دو مسئلوں کو شروع کے ہی سمجھنا چاہئے اللہ بہتر جانتا ہے۔

شیخ اسد اللہ کاظمینی نے محقق کے نام کا ذکر جزیرہ خضراء میں ہونے کے متعلق کتاب مقابیس میں کچھ تذکرہ لکھا ہے۔

اللہ ان پر رحمت فرمائے اور ان کو جنت کے مکانات میں جگہ عطا فرمائے اور ان کو نبیؐ اور ان کی آل اطہارؑ کے ساتھ محشور فرمائے۔

محمد بن محمد خواجہ نصیر الدین طوسی

محمد بن محمد بن حسن طوسی رصدی جو معروف ہیں خواجہ نصیر کے نام سے اور محقق طوسی کہلاتے ہیں ان کا لقب نصیر الدین ہے وہ ایسے فقیہ ہیں کہ ہر زمانے کے فقہاء ان کی فضیلت وہوشمندی وذکاوت کے معترف ہیں اور ان سے بڑا عالم ان کو کوئی نہیں ملتا۔ انہوں نے عقاید حقیقی اور مقاصدِ فروعی کو ایک نئے انداز سے واضح کیا اور بالکل صحیح انداز ے لگائے۔

وہ ایسے حکیم ہیں کہ ان کی استوار رائے شریعت کے لیے ایک ھیولی کے مانند بن گئی۔ وہ ایسے جاننے والے ہیں کہ ان کی صائب نگاہ ہر حال میں عقل اول کی طرف اٹھتی ہے۔ وہ ایسے رہبر ہیں کہ تمام راہنمائے دین ان کے فضل کے قائل ہیں۔ ایسے عالی ہمت بزرگ کہ اہل یقین ان کی عقل کو ایک سمندر سمجھتے ہیں اور ایسے لکھنے والے کہ ان کی تحریر نے داناؤں کو اپنا بندہ بنالیا۔ ان کی کانٹ چھانٹ اس قسم کی تھی کہ افکار علماء کے ذریعہ جو پیش کیا گیا تھا اس کے لیے کسوٹی قائم ہوگئی۔ وہ ایسے فلسفی تھے کہ افلاطون وارسطو کی روحیں ان کے وجود پر فخر کرتی نظر آتی ہیں اور بوعلی سینا زبان حال سے ان کی کاوشوں پر شکر گزار نظر آتے ہیں۔ عقل فعال اپنی تمام تجلیوں کے ساتھ ان کے سامنے ایک بچہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ارباب کمال کی مشکلات ان کی ایک نگاہ سے حل ہوجاتی ہیں۔ ابوعلی کی تحقیقات معالم شبہات ابی البرکات یہودی سے ٹکرارہی تھی۔ اور فخر الدین رازی کے شکوک عروج پر تھے آپ نے کمال حکمت اور کمال فہم کے ساتھ ان کا تدارک کیا اور ان کے اعتراضات کی وجہ سے عقل کا چہرہ جو بالکل چھپ چکا تھا اس کو کھولا۔ جس دن امام فخر رازی نے وفات پائی اسی دن یہ گوہر پاک خطہ خاک پر ظاہر ہوا اور اس آیت کی تفسیر بن گیا جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

آپ کی اصل جہرود ساوہ سے ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۱ جمادی الاول ۵۹۷ھ طوس میں ہوئی۔ اور ماہ صفر ۶۵۷ھ میں ''شرح اشارات''

کی ۴۴ تالیفات سے فراغت پائی اور روز منگل ۱۸ جمادی الاول ۶۵۷ ھ میں مراغہ میں رصدگاہ کی ابتداء کی آپ کی کل عمر ۷۵ برس ہوئی اور وفات ۱۸ ذی الحجہ ۶۷۲ ھ میں واقع ہوئی۔

میں نے خواجہ کی اکثر حکایات اپنی والدہ ماجدہ اور ماموں بزرگوار سید ابو جعفر اور باقی لوگوں کی زبانی سنیں لہٰذا میں نے ان کو اب سے بیس سال پہلے "تذکرۃ العلماء" میں لکھا ہے۔ لیکن اب جب چھان بین کی تو اکثر حصے فضول تھے کیونکہ جو بھی مشہور روایات تھیں میں نے سب ہی بیان کر دی تھیں لیکن اب جو کچھ معتبر کتابوں اور استاد و ماہرین علماء لکھتے ہیں ان کا ذکر کر رہا ہوں۔

یہ بات بہت مشہور ہے کہ محقق طوسی نے بیس سال محنت کر کے ایک کتاب مدح اہلبیت پیغمبرؐ میں تصنیف کی۔ اور اس کتاب کو خلیفہ عباسی کے سامنے پیش کرنے کے لیے بغداد لیکر گئے اور اس وقت پہنچے جب خلیفہ ابن حاجب کے ساتھ شط بغداد کے کنارے بیٹھا تفریح و دل لگی میں مصروف تھا۔ محقق طوسی نے کتاب خلیفہ کو دی۔ خلیفہ نے وہ ابن حاجب کو پکڑا دی۔ جب ابن حاجب دشمن اہل بیتؑ کی نظر کتاب میں آل اطہار پیغمبر علیہم السلام کے فضائل پر پڑی تو اس کتاب کو نہر میں پھینک دیا اور کہنے لگا اعجبنی تلمہ یعنی مجھے اس بات پر کتنا مزہ آیا کہ جب اس کتاب کے پانی میں گرنے سے پانی اچھلا اور اس کے قطرے باہر آ کر گرے۔ جب وہ لوگ پانی سے باہر نکل کر آئے تو محقق طوسی کو طلب کیا اور ابن حاجب نے کہا کہ اے آخوند تو کہاں کا رہنے والا ہے۔

کہا: میں طوس کا رہنے والا ہوں۔

کہا: ان کی گایوں میں سے ہے یا گدھوں میں سے؟

تو خواجہ نے کہا: میں طوس کی گایوں میں سے ہوں۔

حاجب نے کہا: تیرے مددگار کہاں ہیں؟

کہا: طوس میں ہیں اب جاؤں گا تو ان کو لیکر آؤں گا۔ چنانچہ خواجہ بڑے کبیدہ خاطر اپنے وطن واپس آئے۔ ایک رات انہوں نے عالمِ واقعہ میں دیکھا کہ ایک جگہ ایک مقبرہ ہے اور اس قبر کے چاروں طرف بارہ ائمہ جن کو خواجہ نصیر بخوبی جانتے ہیں کے نام لکھے ہوئے ہیں اور ایک شخص بھی وہاں پر بیٹھا ہوا ہے اس شخص نے ان بارہ اماموںؑ کے توسل سے طریقہ ختم تعلیم کیا اور وہ شخص جناب صاحب الامر علیہ السلام تھے۔ خواجہ خواب سے بیدار ہوئے اور جو دعا تعلیم کی گئی تھی وہ وہی دعائے توسل ہے جو دعاؤں کی کتابوں میں آل رسولؐ سے منسوب ہے لیکن جاگنے کے بعد خواجہ اس کے بعض فقرے بھول گئے۔ اب دوبارہ سوئے تو پھر وہی خواب جو باقی رہ گیا تھا دیکھا اور پھر ان بھولے ہوئے فقرات کی تعلیم حاصل کی اور اٹھ بیٹھے اور اس دعا کو تحریر کر لیا اور خلیفہ عباسی کو دفع کرنے کے لیے اس کا ختم شروع کیا۔ پھر آپ نے خراسان میں زائچہ نکالا اور بادشاہ کو ایک مقام پر پایا پھر اس مقام پر زائچہ نکالا اور جس گھر سے بادشاہ نکلا اس کو معین کر لیا۔ اس گھر میں ایک عورت دو بچوں کے ساتھ تھی خواجہ نے ان دو بچوں کو اس سے لیکر ان کی تربیت شروع کی اور ایک کے رنگ ڈھنگ سے پہچانا کہ وہ بادشاہ بننے والا ہے اور وہ ہلاکو خان تھا اس کی تربیت میں بڑی جد و جہد اور اہتمام کیا۔ ایک دن اس سے کہا کہ اگر تم بادشاہ بن جاؤ تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ وہ کہنے لگا: میں آپ کو اپنا وزیر بنالوں گا۔ خواجہ نے اس بات پر اس سے عہد نامہ لکھوالیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایسے حالات ہوئے کہ ہلاکو خان نے حاکم خراسان کو ہلاک کر دیا اور خود اس کی جگہ حاکم بن گیا اور خواجہ کو اپنا وزیر بنا لیا پھر وہاں سے آگے بڑھ کر شہروں پر قبضہ کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بغداد جا پہنچا اور خلیفہ عباسی سے جنگ شروع کر دی آخر خلیفہ کو قتل کر دیا اور بنی عباس کی بالکل بیخ کنی کر دی۔ ابن حاجب نے جب یہ صورتحال دیکھی تو ایک شخص کے مکان میں روپوش ہو گیا۔ اور ایک طشت میں خون بھر کر اس کو سرپوش سے ڈھک دیا اور اس پر بساط بچھا کر اس پر بیٹھ گیا۔ اور یہ سب اس لیے کیا تا کہ زائچہ کے ذریعہ اس کے گھر کا پتہ خواجہ کو نہ لگ سکے۔ خواجہ نے ہر چند ابن حاجب کا پتہ لگانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ جب بھی زائچہ نکالتے تو یہ نکلتا کہ ابن حاجب خون کے دریا میں ٹھکانا بنائے ہوئے ہے۔ خواجہ حیران ہو گئے پھر آپ نے حکم دیا کہ ہر گھر والے کو جو بغداد میں رہتا ہو اس کو وزن کر کے ایک دنبہ دیدیا جائے اور ایک مقررہ مدت کے بعد اس کو واپس کریں تو اس کا وزن وہی رہے چنانچہ ہر گھر میں ایک دنبہ پہنچا دیا۔ ابن حاجب کا میزبان اس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک

دنبہ دیا ہے کہ فلاں مدت کے بعد جب واپس کروں تو اس کا وزن میں کمی یا زیادتی نہ ہوئی ہو اب مجھے پریشانی ہے کہ دنبہ کا وزن ایک مدت سے بعد بھی ایک جیسا کیسے رہ سکتا ہے۔ ابن حاجب نے کہا تم پریشان نہ ہو بلکہ یہ کرو کہ ہر دن مقررہ مقدار میں اسے گھاس کھلاؤ اور بازار سے ایک بھیڑیے کا بچہ خرید کر دن میں ایک مرتبہ اس بھیڑیے کو اس دنبہ کے سامنے لے آیا کرو تا کہ جتنا گوشت گھاس کھانے سے بڑھا ہو وہ بھیڑیے کو دکھا کر گھل جائے۔ میزبان نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ حتیٰ کہ جب تمام دنبوں کو واپس طلب کیا گیا اور وزن کیا گیا تو سب کے وزن میں اختلاف نکلا کوئی زیادہ موٹا ہو گیا تھا اور کوئی دبلا۔ لیکن ابن حاجب کے میزبان کا دنبہ بالکل اسی وزن کا نکلا جتنا اسے دیا گیا تھا۔ خواجہ سمجھ گئے کہ ایسا کیوں ہے چنانچہ سپاہیوں کو بھیجا اور اس کے گھر سے ابن حاجب کو برآمد کیا۔ اور ابن حاجب کو بادشاہ اور خواجہ کے حضور میں لایا گیا خواجہ نے ابن حاجب سے کہا کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں طوس کی گایوں میں سے ہوں اور اپنا مددگار لیکر آؤں گا اب یہ بادشاہ میرا مددگار ہے جسے میں ساتھ لے آیا ہوں۔ پھر خواجہ اس نہر کے کنارے گئے اور ابن حاجب کی کتابیں منگوائیں اور اس کی تمام کتابوں کو خصوصاً جو اس کی تالیفات تھیں ایک ایک کر کے پانی میں پھینکنا شروع کیا اور وہی اس کا والا فقرہ دہرایا اعجبنی تلمه، ابن حاجب سامنے کھڑا دیکھ رہا تھا اور نگاہ حسرت سے اپنی محنت کو اکارت ہوتے دیکھ رہا تھا۔ ابن حاجب نے خواجہ سے التماس کی کہ میری تین کتابیں ضائع نہ کرو کیونکہ وہ نئے سیکھنے والوں کے لیے بے حد مفید ہیں ایک صرف میں ''شافیہ''، دوسری نحو میں ''کافیہ'' اور ایک ''مختصر اصول''۔ خواجہ نے اس کی یہ گذارش قبول کر لی۔ اس کے بعد خواجہ نے کہا حکم دیا کہ ابن حاجب کی اسی طرح کھال کھینچیں جیسے بھیڑ بکریوں کی اتاری جاتی ہے اور پھر اس کا بدن شطِ بغداد میں پھینک دیا گیا اور اس زمانہ میں ابن حاجب جوان تھا اور ابھی اسکے رخسار پر خط ابھرنا شروع ہوا تھا۔

یہ قصہ کئی لحاظ سے غلط اور بے معنی ہے اول تو یہ کہ ہلاکو خراسان میں کبھی نہیں رہا وہ تو شاہزادوں میں سے تھا اور چنگیز کے پوتوں میں سے تھا۔ اور جیسا کہ تاریخ میں لکھا گیا ہے وہ ترکستان سے آیا تھا۔ تیسرے یہ کہ ابن حاجب بغداد میں نہیں تھا اور وہ اس سال نہیں مارا گیا۔ اور آقا محمد علی بن آقا محمد رحمۃ اللہ کتاب ''مقامع'' میں کہتے ہیں کہ یہ حکایت جھوٹی ہے۔ خواہ یہ کتنی ہی مشہور کیوں نہ ہو یہ بالکل لا اصل ہے کیونکہ ابن حاجب جس کا نام عثمان بن عمر بن ابی بکر مالکی ہے کی وفات اسکندریہ مصر میں واقع ہوئی اور یہ جمعرات کے دن ۱۶ شوال ۶۴۶ ھ کا واقعہ ہے جب کہ ہلاکو خان اور خواجہ نے ۶۵۵ ھ میں بغداد کو فتح کیا۔ واللہ اعلم۔

چوتھی بات یہ کہ ابن حاجب کی کتابیں ایسی نہیں تھیں جن کی نقل نہ ہوئی ہو کہ ابن حاجب کو ایسی درخواست کرنی پڑتی۔ کم از کم کچھ کی تو نقول محفوظ ہی ہوں گی۔ پانچویں یہ کہ کافیہ و شافیہ و مختصر اصول کے علاوہ بھی ابن حاجب کی کتابیں آج بھی موجود ہیں جیسے ''امالی'' اور ''مؤنثات سماعیہ کی تعداد میں قصیدہ'' اور کافیہ کی شرح۔ اب جب بات یہاں تک طول کھینچ گئی ہے تو بہتر ہے کہ ابن حاجب کی تالیفات کا تذکرہ کر دیا جائے۔

نحو میں کافیہ، صرف میں شافیہ، علم اصول میں مختصر اصول اور امالی۔ جیسا کہ سیوطی نے شرح والاسم منه معرب لشبه من الحروف مدنی میں لکھا ہے علله ابن الحاجب فی امالیه الخ اور امالی کا مطلب یہ ہے کہ پہلے مؤلفین کا قاعدہ یہ تھا کہ جب ایک تالیف سے فراغت پا لیتے تو کوئی کتاب ہاتھ میں لے لیتے اور اس میں بعض اچھے اچھے نکات لکھ لیتے تا کہ اس کے بعد جو تالیف کریں تو ان مطالب کو اس میں شامل کریں اور یہ کتاب بیاض یا کشکول کی طرح ہوتی تھی اور اس کا نام امالی رکھتے تھے۔ جیسے امالی صدوق وغیرہ اور ابن حاجب کی تالیفات میں مؤنثات سماعیہ کے بیان میں ایک قصیدہ ہے۔ اور آقائے رضا قزوینی نے اس پر شرح لکھی ہے۔ اور شافیہ پر بھی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں جیسے رضا استرآبادی علیہ الرحمۃ جو علمائے امامیہ میں سے ہیں اور ان کا لقب نجم الدین ہے انہوں نے نجف میں دو جلدوں میں یہ شرح لکھی اور شرح آقا بادی اور شرح نظام اور شرح جار بردی اور کافیہ کی تو بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔ جیسا کہ شرح رضی جو دو جلدوں میں۔ اور بہترین شرح ہے اور اس طرح کی کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی اور شرح جنیصی اور مصنف کی شرح وافیہ در ترکیب کافیہ، شرح عصام اور یہ شرح بہت خوب ہے اور شرح ہندی اس میں بہت سی غلطیاں ہیں اور شرح کیپا جو سید شریف نے لکھی بکری کے بیچنے والے کے بیٹے کے لیے۔ یہ فارسی میں ہے اور اس کی تالیف اور اس کا نام کیپا رکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ سید شریف جس زمانے میں

اصفہان میں تحصیل علم کر رہے تھے اور میں جب اصفہان میں تھا تو اس وقت سید شریف کا حجرہ وہاں موجود تھا۔ تو بکری کے سری پایے بھون کر بیچنے والا ایک شخص اپنے بچے کو ان کے پاس لیکر آیا کہ اس کو پڑھا دیا کریں اور طے یہ پایا کہ ہر روز ایک سری بھون کر سید شریف کو بھیجا کرے گا۔ چنانچہ سید شریف نے اس کے لیے امثلہ (مثالیں) لکھیں اور صرف میر اور صغریٰ و کبریٰ اور شرح کبیا اور کافیہ کی شروح میں سے ایک شرح کبیر اور متوسط بھی ہے۔ سید شریف نے ایک حاشیہ مدونہ شرح متوسط پر لکھا جیسا کہ شرح رضی پر بھی سید شریف کا غیر مدونہ حاشیہ ہے اور ان شروح میں شرح جامی بھی ہے جو طلباء اور اصحاب علم میں بلند مقام رکھتی ہے ابھی تک اس کی درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ اور اس پر بہت سے حواشی لکھے گئے ہیں جو صرف تالیف کی حد تک رہے اور اب ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں۔ اس میں حاشیہ عصام بہترین اور دقیق ہے دیگر تمام حواشی میں اور حاشیہ سید نعمت اللہ جزائری رحمت اللہ یہ بہت عمدہ ہے۔ اور حاشیہ عصمت اور یہ عصام سے بھی اچھا لکھا ہوا ہے لیکن جو نسخہ میں نے دیکھا وہ نامکمل تھا اور حاشیہ عبدالغفور جو ملا جامی کے شاگردوں میں سے ہیں اور اس ناچیز مولف کا حاشیہ جس کا نام موائد اختراعیہ دو دیا اس کو میں نے بے نقطہ حروف میں لکھا ہے اور یہ بہت عمدہ حاشیے ہیں اور اس انداز پر ابھی تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے کیونکہ میں نے جہاں بھی مصنف یا شارح پر کوئی اعتراض کیا ہے تو ایک نہیں ۳۰، ۴۰ اعتراضات کیے ہیں۔ اور جب بھی میں نے کسی عبارت سے مطلب نکالنا چاہا تو دس مطلب، پندرہ مطلب بلکہ کبھی اس سے زیادہ بھی نکال ڈالے ہیں۔ اور جہاں شارح نے کوئی تفسیر لکھی ہے وہاں شارح کے اعتراض کو دفع کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور اشارہ میں بہت سے مطالب سے افادہ کیا ہے اور یہ اس حاشیہ کی خصوصیات ہیں۔ اور میں نے عصام اور دیگر تمام ارباب حواشی کو رد کر دیا ہے اور جب میں نے یہ چاہا کہ مصنف کے قول الاعراب ما اختلف بہ پر اعتراض کروں تو ان حواشی سے رجوع کرنے سے پیشتر اس عبارت پر چالیس اعتراضات لگائے پھر حواشی کی طرف رجوع کیا تو دیکھا کہ بعض نے ایک اعتراض کیا ہے بعض نے دو، بعض نے تین اور عصام نے چار اعتراضات کیے ہیں۔

مشہور ہے کہ ملا محسن فیض کی ایک آنکھ سکڑی ہوئی تھی۔ جامی نے یہ شعر ان کو لکھ بھیجا۔

روبہ صفتا اگر تو روباہ نہء
چشم تو راست بگو کور چرا است

ترجمہ: اے لومڑی کی صفت والے اگر تو لومڑی نہیں ہے تو سچ بتا تیری بائیں آنکھ کیوں نابینا ہے؟

ملا محسن نے اس کے جواب میں یہ رباعی لکھ کر بھیجی:

در مذہب رندان جہاں عین عطا است
چپ کوری وار است بینی این شیوہء ما است

روبہ صفتا اگر تو روباہ نہء
بغض علیؑ و آل بگو در تو چرا است

ترجمہ: دنیا کے رندوں کا طریقہ عین عطا ہے، ہم بائیں آنکھ بند رکھتے ہیں اور داہنی سے دیکھتے ہیں یہ ہمارا طریق کار ہے۔

اے لومڑی کی صفت والے اگر تو لومڑی نہیں تو علیؑ اور ان کا آلؑ کا بغض پھر تیرے سینہ میں کیوں بھرا ہے۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ یہ شاعر ملا جامی شارح کافیہ نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخ کی رو سے وہ ملا محسن سے بہت پہلے گزرے ہیں۔ بلکہ یہ ملا جامی ایک شاعر ہے جو صاحب دیوان ہے اور کتاب یوسف و زلیخا اس کی نظم ہے اور اس نے نصوص محی الدین عربی پر شرح لکھی۔ لیکن وہ شیر و شکر ہے۔ کیونکہ کہیں یہ کتاب عربی ہے کہیں سے فارسی۔ وہ صوفی اور سنی ہے اگر چہ آخر حال میں اس نے یہ قصیدہ لکھا۔

اصبحت زائر ألک یاشحنة النجف

(اے نجف کے نگہبان میں نے اس حال میں صبح کی کہ آپ کا زائر ہوں)

لیکن وہ شیعہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ قاضی نوراللہ نے کتاب مجالس المومنین میں اکثر سنیوں اور صوفیوں کو شیعہ اور اچھا قرار دیا ہے لیکن ملا جامی کو انہوں نے صرف سنی قرار دیا ہے۔ اور لگتا یوں ہے کہ ملا جامی شاعر بھی ملا محسن سے پہلے گزرا ہے اور یہ بات تحقیق کرنے سے ثابت

ہو جاتی ہے۔

چونکہ اس مقام پر سید شریف کا تذکرہ ہوا ہے کہ انہوں نے کافیہ پر شرح لکھی لہذا ہم مختصر طور پر ان سے اور ملا سعد سے حالات بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔

واضح رہے کہ ملا سعد سنی فضلاء میں سے ہیں اور ان کی وفات ۷۹۳ھ میں ہوئی اور سید شریف بھی انہیں کے فضلاء سے تعلق رکھتے ہیں اور انہوں نے تھوڑی بہت تعلیم ملا سعد سے بھی حاصل کی تھی۔ لیکن پھر ان کے مقابلہ پر آ گئے۔ ملا سعد نے ”تصریف زنجانی“ پر شرح لکھی۔ سید شریف نے ”شرح تصریف میر“ لکھی۔ ملا سعد نے منطق میں ”تہذیب“ لکھی جو حاشیہ ملا عبداللہ کا متن ہے اور سید شریف نے ”رسالہ کبری صغری“ لکھا اور ”شرح مطالع“ پر حاشیہ“ لکھا۔ ملا سعد نے ”شمسیہ“ پر شرح لکھی اور لوگ اس کتاب سے درس وتدریس کا کام لیتے تھے۔ سید شریف نے ”شرح شمسیہ قطب المحققین“ پر حاشیہ لکھا اور اس حاشیہ کی وجہ سے لوگوں نے ملا سعد کی شرح شمسیہ کو پڑھنا چھوڑ دیا اور سید شریف کے حاشیہ والی ”شرح قطبی“ سے تعلم وتعلیم کا کام لیا جانے لگا۔ ملا سعد نے علم نحو میں ”ارشاد“ پر شرح لکھی اور سید شریف نے ”شرح متوسط“ پر شرح اور ”شرح رضی“ پر حواشی لکھے اور ”شرح کافیہ“ کی شرح ”مصباح“ لکھی۔ ملا سعد نے معانی وبیان میں ”مطول“ اور ”مختصر“ لکھی سید شریف نے ”مفتاح پر شرح“ اور ”مطول پر حاشیہ مدونہ“ لکھا کہ شاید اس کی وجہ سے مطول کا استعمال ترک ہو جائے لیکن یہ ممکن نہیں ہوا۔ ملا سعد نے علم کلام میں ”مقاصد“ اور اسکی شرح لکھی۔ سید شریف نے ”مواقف عضدی“ پر شرح لکھی۔ ملا سعد نے علم اصول میں ”شرح عضدی“ پر ”شرح مختصر اصول“ لکھی تو سید شریف نے بھی ”شرح مختصر عضدی“ پر حاشیہ لکھا۔ علم تفسیر میں ملا سعد نے کشاف پر حاشیہ لکھا اور سید شریف نے بھی کشاف پر حاشیہ لکھا۔ کہتے ہیں کہ حالت احتضار میں ملا سعد کے منہ سے بہت زیادہ کف آ رہا تھا سید شریف کو جب یہ خبر ملی تو کہا کہ ملا سعد نے شرح تصریف میں جو کچھ غائب کر دیا تھا وہی فضلہ اب اس راستہ سے نکل رہا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ملا سعد کو ”مطول“ کے نصف اول کی تالیف کے وقت شرح رضی فراہم نہیں ہوئی تھی لہذا یہ حصہ چھ سال میں تصنیف ہوا۔ لیکن باقی نصف لکھتے وقت شرح رضی مہیا ہو گئی تھی اس لیے وہ صرف چھ ماہ میں لکھ لیا۔ مولف کتاب کہتا ہے کہ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے کیونکہ ”مطول“ کا نصف آخر بیان وبدیع پر مبنی ہے اور شرح رضی میں بیان وبدیع کا بہت کم تذکرہ ہے۔ ہاں البتہ نصف اول جو علم معانی میں ہے اس میں بہت سے نحوی مسائل ہیں اور اس میں شرح رضی کی بے حد ضرورت ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ملا سعد اپنے ہم عصر علماء میں سے کسی کی تعریض وہجو کرنے لگے تو اس کی بدگوئی کرنے کے لیے یہ شعر لکھ۔

ولست جدبراً ان تکون مقدماً   وما انت الا نصف ضد المقدم

یعنی تو کسی پر تقدم (فوقیت) پانے کا اہل نہیں ہے۔ مگر یہ کہ تو ضد (برعکس۔ الٹا) مقدم کا نصف بن جائے (مقدم کا الٹا موخر ہے اور موخر کا نصف خر (یعنی گدھا) ہے۔ یعنی تو محض گدھا ہے۔)

نیز کہتے ہیں کہ جب شریف نے ملا سعد سے جھگڑا شروع کیا اور ان کی تالیفات پر حواشی لکھنے شروع کیے تو ملا سعد نے ان کو پیغام بھیجا کہ میری دو کتابوں پر تم حاشیہ لکھو لیکن ان کو رد نہ کرو ایک ”شرح تصریف“ کہ اگر اسے رد کرو گے اور مجھے ذلیل کرو گے تو وہ تو میری پہلی تالیف ہے اور میں نے اس کتاب میں اپنی کوتاہی کا خود ہی اعتراف کیا ہوا ہے۔ دوسری کتاب ”تہذیب منطق“ ہے کیونکہ میں نے اس کو اس طرح لکھا ہی نہیں کہ اس پر اعتراض کیا جا سکے اور اس میں جو قوم کے تسلیم شدہ امور ہیں ان کو نظر انداز نہیں کیا ہے اگر ان کے بارے میں کچھ لکھو گے تو خود ہی خوار ہو جاؤ گے۔

کہتے ہیں کہ ملا سعد تفتازان کے قاضی تھے اور سید شریف نے چاہا کہ ان کی کتابوں میں عیب نکالے جائیں تا کہ منصب قضاوت ان سے چھین لیا جائے وہ سلطان کے دربار میں گئے اور ملا سعد کو بھی ان کے شاگردوں کے ساتھ طلب کیا گیا اور سات مسندیں ملا سعد کے نیچے بچھائی گئیں اور طے یہ پایا کہ جب بھی کسی مسئلہ میں سید شریف ملا سعد پر غلبہ پالیں گے تو ایک مسند کھینچ کر سید شریف کے لیے بچھا دی جائے گی اس طرح یہ بھی قرار پایا کہ دونوں کے

شاگردوں میں سے کوئی بات نہ کہے گا اور اگر ان میں سے کوئی بولا تو اس کی زبان کاٹ دی جائے گی۔ چنانچہ چھ مسائل میں سید شریف نے ملا سعد پر غلبہ پالیا کیونکہ ملا سعد حافظہ کے بے حد کمزور تھے اور اس طرح چھ مسندیں ملا سعد کے نیچے سے کھینچ کر سید شریف کے لیے بچھادی گئیں۔ پھر سید شریف نے ملا سعد سے پوچھا کہ علم کس مقولہ سے ہے؟ ملا سعد اس کا جواب نہ دے سکے۔ خطائی جو ملا سعد کا ایک بڑا فاضل شاگرد تھا بول اٹھا کہ حقہ لے آؤ۔ ملا سعد نے فوراً جواب دیا کہ یہ مقولہ کیف سے ہے۔ سید شریف نے کہا: یہ جواب خطائی نے دیا تھا جبکہ شرط یہ تھی کہ شاگردوں میں سے کوئی کچھ نہ بولے گا چنانچہ حسب شرط اس فقرہ کے کہنے کی وجہ سے خطائی کی زبان کاٹ دی گئی اور اسی وقت سے خطائی کو خطائی کا لقب ملا۔

لگتا یہ ہے کہ یہ حکایت بالکل بے سروپا ہے کیونکہ ختائی دو نقطوں والی تاء سے لکھا جاتا ہے اور اس کے معنی شہر ختا کا رہنے والا اور جس زمانہ کا تذکرہ ہے اس میں حقہ کا کوئی تصور بھی نہ تھا۔ اور ملا سعد اتنے بھی ناسمجھ نہیں تھے کہ یہ جواب نہ دے سکتے حالانکہ ان دونوں کی جھڑپوں کی بڑی شہرت ہے اور یہ ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف جھگڑتے رہتے تھے۔

سید شریف نے قطب المحققین محمد بن محمد الرازی البویہی سے درس حاصل کیا تھا۔ اور ملا جلال دوانی جو سید شریف کے شاگردوں میں سے ہیں کہتے ہیں کہ سید شریف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے متعلق فاسد اعتقاد رکھتا تھا۔ اور صدیقۂ کبریٰ کی عصمت کے بارے میں کلام کرتا تھا۔ اور اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی لکھ ڈالا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل وخوار کیا اور اس وقت سے اب تک اس کی نسل میں جو بھی لڑکی پیدا ہوتی ہے وہ پیدائشی طور پر بکارت سے محروم ہوتی ہے۔ سید شریف کی ولادت ۷۴۰ھ میں گرگان میں ہوئی اور وفات ۸۱۶ھ میں اس طرح کل عمر ۷۶ سال ہوئی۔

ہاں تو ہم خواجہ نصیر الدین طوسی کا ذکر کر رہے تھے آپ نے مذہب شیعہ کے احیاء کے لیے ہر اعتبار سے بہترین کوششیں کیں۔ وہ پہلے سنی علماء سے امامت کے موضوع پر مناظرہ کرتے اور جب ان کو نیچا دکھادیتے تو اگر وہ مذہب شیعہ اختیار کرلیتے تو بہت خوب ورنہ بے دریغ تلوار سے ان کا سر اڑا دیتے۔

میں نے اپنے باکمال عالم اور زاہد انور ماموں بزرگوار آقا سید جعفر سے سنا کہ خواجہ کے زمانے میں ایک سنی ملا قطب الدین شیرازی مجلس درس قائم کیا کرتا تھا اور جامع اور فاضل آدمی تھا۔ خواجہ بھیس بدل کر اس کی مجلس درس میں پہنچے اور جہاں لوگوں کی جوتیاں پڑی ہوئی تھیں وہاں بیٹھ گئے۔ درس کے دوران بالکل بات نہیں کی اور درس کے بعد گھر چلے گئے لیکن کسی شخص نے جو خواجہ کے برابر بیٹھا ہوا تھا خواجہ کو پہچان لیا اور درس کے خاتمہ پر استاد سے کہا کہ یہ شخص جو میرے برابر بیٹھا تھا یہ خواجہ نصیر الدین تھے۔ ملا قطب نے کہا تو پھر وہ کل صبح ضرور آئیں گے تو بہتر یہ ہے کہ جس علم سے ان کو کوئی رابطہ نہ ہو ہم اس پر بحث شروع کردیں۔ طلباء نے کہا کہ ان کی تالیفات ہر علم میں موجود ہیں مگر ہاں علم طب سے انہیں کوئی رابطہ نہیں اور ہم نے طب کے موضوع پر ان کی کسی تالیف کے متعلق نہیں سنا۔ چنانچہ ملا قطب نے یہ طے کردیا کہ کل سب طالب علم کتاب قانون لیکر آئیں اور ہم اس میں سے نبض کا موضوع پڑھائیں گے۔ صبح ہوئی طلباء اکٹھے ہوئے اور ملا قطب نے نبض کے موضوع پر تدریس شروع کردی اور شیخ الرئیس ابن سینا پر بہت سے اعتراضات وارد کیے اور خود اپنی تحقیقات بھی پیش کی اور پھر اس شاگرد سے جو خواجہ کو پہلو میں بیٹھا تھا پوچھا کہ تمہیں سمجھ میں آیا اس نے کہا: ہاں میں سمجھ گیا۔ ملا قطب نے کہا تو پھر بیان کرو۔ شاگرد نے بیان کرنا شروع کیا تو زبان لڑکھڑانے لگی تو خواجہ نے کہا آپ کی اجازت ہو تو میں عرض کردوں۔ ملا قطب نے کہا: کیا تمہاری سمجھ میں آ گیا ہے؟ کہا: ہاں۔ کہا تو پھر بیان کرو۔ خواجہ نے کہا: میں آپ کی غلطیاں بتاؤں یا جو حقیقت ہے اس کو پیش کردوں؟ ملا قطب نے کہا کہ پہلے جو کچھ میں نے کہا ہے اسے بیان کرد پھر میری غلطیوں کی نشاندہی کرو اور پھر جو تمہاری تحقیق ہے وہ بتاؤ۔ خواجہ نے پہلے ملا قطب کے اعتراضات دہرائے پھر ان میں جو غلطیاں تھیں وہ پیش کیں اور اس کے اعتراضات کا جواب دیا اور پھر جو حقیقت تھی اس کو واضح کیا۔ ملا قطب اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا، خواجہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ بیٹھادیا اور ان کے لیے کمال احترام کو ملحوظ رکھا۔ پھر امامت پر گفتگو ہوئی اور خواجہ نے اس کو شکست دیدی اور امیر المومنینؑ کی خلافت کو ثابت کردیا۔ ملا قطب شیعہ ہوگئے لیکن کچھ مدت بعد مرتد ہوکر پہلے مذہب کو اختیار کرلیا۔ خواجہ نے ان سے پھر مباحثہ کیا اور ان کے شبہات کا جواب دیا۔ اس طرح تین دفعہ ملا قطب شیعہ ہونے کے بعد مرتد ہوئے خواجہ نے پھر ان سے مباحثہ کرنا چاہا تو انہوں نے کہا کہ میں آپ کے مناظرہ کی تاب نہیں لاسکتا اپنے کسی شاگرد سے کہیں کہ مجھ سے مناظرہ

کرے اگر وہ مجھے شکست دیدے تو میں شیعہ ہو جاؤں گا اور پھر اس پر قائم رہوں گا۔ خواجہ نے ایک شاگرد سے ان سے مناظرہ کرنے کو کہا اور اس نے ان کو شکست دیدی اب پھر انہوں نے ایک بار مذہب شیعہ اختیار کیا اور پھر اس سے منہ نہ پھیرا اور خواجہ کے شاگردوں میں ان کا شمار ہونے لگا اور ان سے ساتھ رہے اور تعلیم حاصل کرتے رہے حتیٰ کی ایک وقت وہ آیا کہ خواجہ کی میدان جنگ میں سپاہیوں کی صفوں کو درست کر رہے تھے اور ان کو خلیفہ بغداد سے جنگ کرنا تھی۔ ملاقطب کو منطق میں بارہ اعتراضات تھے اور وہ حل نہیں ہو پا رہے تھے انہوں نے ایک ایک کر کے خواجہ کے سامنے اعتراض پیش کرنا شروع کیا خواجہ ایک ایک صف کے ساتھ ایک اعتراض کا جواب دیتے جا رہے تھے حتی کہ بارہ صفیں درست ہوئیں اور پورے بارہ اعتراضات کا جواب مکمل ہو گیا۔

نیز یہ کہ ماموں بزرگوار آقا سید ابو جعفر تنکابنی نے یہ بھی ذکر کیا کہ ہلاکو خان ضعیف الایمان شخص تھا ایک دفعہ خواجہ سے کہنے لگا کہ ہر بادشاہ اپنی رعایا کے لیے ایک تحریری فرمان جاری کرتا ہے تو تمہارے خدا کا فرمان کہاں ہے۔ خواجہ نے جواب دیا کہ ہمارے خدا کا فرمان پہنچا ہی چاہتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ قران کو ہرن کی پوست پر لکھا جائے اور اس طرح پچاس اونٹوں پر اس کو لادا جائے اور نقارے اور بگل بجاتے ہوئے دھوم دھام کے ساتھ بہت سے مجمع کو ساتھ لا کر بادشاہ کے سامنے لایا جائے۔ مامورین نے حکم خواجہ پر عمل در آمد کیا اور خواجہ جب ہلاکو خان کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ نقاروں اور بگلوں کی آواز آنی شروع ہوئی۔ خواجہ بے اختیار استقبال کے لیے دوڑ پڑے اور ہلاکو سے کہا کہ میرے خدا کا فرمان آ رہا ہے چنانچہ ہلاکو بھی کھڑا ہو گیا اور خواجہ کے ساتھ اس نے بھی اس فرمان کا استقبال کیا اور بڑی عزت واحترام کے ساتھ یہ لایا گیا۔ اس کے بعد ہلاکو نے خواجہ سے درخواست کی کہ احکام عبادات کو مطابق عقل اس طرح کہ سلطان کی عقل کو پسند آئے مدلل کر کے لکھیں خواجہ نے یہ بات منظور کر لی اور تمام احکام کو اس طرح عقلاً ثابت کیا کہ ہلاکو خان کو پسند آئے لیکن دو مسئلوں میں خواجہ عاجز رہ گئے اور وہ مناسک حج کے اعمال میں تھے ایک ہرولہ اور دوسرے رمی جمرات۔

کہتے ہیں کہ جب ہلاکو کی ماں نے وفات پائی تو بعض بڑے بڑے سنی علماء نے ہلاکو سے کہا کہ منکر ونکیر قبر میں مردوں سے اعتقادات اور اعمال کے متعلق سوالات کرتے ہیں اور آپ کی والدہ ایک سادہ سی خاتون تھیں وہ سوال و جواب نہ کر سکیں گی بہتر یہ ہے کہ خواجہ نصیر الدین کو ان کی قبر میں بھیج دیں تا کہ وہ منکر ونکیر کا جواب دے سکیں۔ خواجہ سمجھ گئے کہ یہ سنی علماء کی چال ہے تو خواجہ نے ہلاکو سے عرض کیا کہ منکر نکیر ہر ایک سے قبر میں سوال جواب کرتے ہیں اور یہ مرحلہ سلاطین کے لیے بھی ہوگا تو آپ مجھ اپنے وقت کے لیے محفوظ رکھیں اور ان سنی علماء میں سے فلاں کو اپنی والدہ کی قبر میں بھیج دیں تا کہ فرشتوں کا جواب دے سکے۔ چنانچہ ہلاکو نے حکم دیا کہ اس سنی عالم کو والدہ کی قبر میں دفن کر دو اس طرح ذلت کی خاک اس کے سر پر پڑ گئی اور اس کی اولاد یتیم ہو گئی۔

آپ علوم نقلی وعقلی، ہیئت، حساب، نجوم، رمل، جفر، اسطرلاب میں یگانہ روزگار تھے اور انہوں نے علم رمل میں ایک رسالہ لکھا جو اس علم میں بہترین رسالہ ہے جیسے کہ خفری نے بھی رمل میں بہترین رسالہ لکھا ہے۔ خواجہ نے جفر میں بھی رسالہ لکھا اور نجوم میں تو وہ اپنے وقت کے اعلم تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سفر میں آپ کو رات ہو گئی اور ایک بیابان میں پڑاؤ کرنا پڑا اور صحرا میں رات گزارنے کا ارادہ کیا۔ ایک چکی والا جو اس مقام پر رہتا تھا خواجہ کے پاس آیا اور کہا کہ آج اندر آ جائیں کیونکہ آج رات بارش ہونے والی ہے خواجہ نے اپنا اسطرلاب نکالا اور اس سے حساب کتاب لگایا بارش کے کوئی آثار نہ تھے کہا آج رات بارش نہیں ہوگی چنانچہ اسی بیابان میں سو گئے جب رات کا ایک پہر گزرا بارش شروع ہو گئی۔ خواجہ اور ان کے ملازمین سب گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور چکی میں جا کر پناہ لی۔ خواجہ نے چکی والے سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ آج بارش ہوگی۔ اس نے عرض کی میرے پاس ایک کتا ہے جب بھی وہ چکی کے گوشہ میں پناہ ڈھونڈتا ہے میں سمجھ جاتا ہوں کہ آج بارش ہوگی۔ کل بھی عصر کے وقت سے کتا اندر آ گیا تھا اور مجھے پتہ چل گیا تھا کہ بارش ہوگی۔ خواجہ نے فرمایا: افسوس ہم نے اس عمر فانی کو بے ہوشی میں گنوا دیا اور اتنا عقل وادراک بھی مہیا نہ کر سکے جتنا ایک کتے میں ہوتا ہے۔

شروع میں خواجہ صاحب کا اعتقاد یہ تھا کہ جو کوئی بھی وحدانیت حق تعالیٰ اور دیگر عقاید حقہ کو دلیل کے ساتھ ثابت نہ کر سکے وہ مشرک اور واجب القتل ہوتا ہے اس لیے شروع میں وہ لوگوں کے ساتھ بڑی سختی برتتے تھے اور اگر وہ یہ باتیں نہ سیکھتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے حتی کی ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کا گزر ایک بیابان سے ہوا۔ دیکھا وہاں ایک شخص کھیتی باڑی کر رہا ہے۔ خواجہ نے اپنے گھوڑے کا رخ اس کی جانب کر دیا جب اس کے قریب پہنچے تو اس سے

سوال کیا کہ خدا ایک ہے یا دو۔ اس نے کہا خدا ایک ہے۔ خواجہ نے کہا اگر کوئی کہے کہ دو خدا ہیں تو تو کیا جواب دے گا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ جو کدال میرے ہاتھ میں ہے میں یہی اس کے سر پر اس طرح سے دے ماروں گا کہ اس کا سر پھٹ جائے۔ خواجہ سمجھ گئے کہ اس شخص کا عقیدہ بہت پختہ ہے چنانچہ خواجہ نے اپنا پہلا نظریہ ترک کر دیا اور دلائل حکمت نہ ہونے کے باوجود فقط یقین کو کافی سمجھا۔

ایک دفعہ ایک سوال خواجہ کے پاس بھیجا گیا کہ ''حافظ'' کا ایک مصرعہ ہے۔

کشتی نشستگانیم اے باد شرطه برخیز

ترجمہ: ہم کشتی میں بیٹھے ہوئے ہیں اے باد موافق تو چل پڑ۔

اس میں لفظ کو نشستگان (بیٹھے ہوئے) پڑھنا چاہیے یا شکستگان (توڑنے والے) پڑھنا چاہیے تو خواجہ نے جواب میں لکھا کہ بعض بیٹھے ہوئے کو پڑھتے اور بعض توڑی ہوئی کیونکہ ہمیں حافظ کی نیت کا علم نہیں ہے۔ لیکن مولف کتاب کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ شعر خواجہ کا ہے ہی نہیں کیونکہ حافظ خواجہ کے بعد کے دور کے ہیں کیونکہ خواجہ کی وفات ۶۷۲ھ میں ہوئی ہے۔ اور شاعر حافظ شیرازی کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی جیسا کہ قاضی نور اللہ نے کتاب مجالس میں ذکر کیا ہے کہ خواجہ شیراز تشریف لے گئے اور گھر کی اوپر کی منزل میں قیام کیا۔ سعدی نے سنا کہ خواجہ آئے ہیں ان سے ملاقات کو آئے اور جب سیڑھیوں سے چڑھ کر اوپر جانا چاہا تو ہر سیڑھی پر یا علیؑ یا علیؑ کہتے ہوئے قدم رکھا۔ اور جب خواجہ کے سامنے پہنچے تو سلام کیا خواجہ نے پوچھا کہ تم شیخ سعدی ہو۔ کہا: جی ہاں تو پوچھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ سنی ہو یا شیعہ؟ تو کہا کہ میں شیعہ ہوں، خواجہ نے کہا: اگر شیعہ ہو تو خلفاء کی مدح تم نے کیوں کی ہے؟ کہا: وہ میں نے تقیہ کیا ہے۔ تو خواجہ نے کہا کہ جب ہم نے مستعصم عباسی کو قتل کیا تو تو نے اس وقت کیوں تقیہ کیا اور اس کے لیے مرثیہ لکھا اور تو نے یہ شعر لکھا:

آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین   در عزائے ملک مستعصم امیر المومنین

ترجمہ: آسمان کو حق ہے اگر وہ زمین پر خون کی بارش کرے۔ امیر المومنین بادشاہ مستعصم کی عزا میں۔

اب سعدی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

خواجہ نے حکم دیا کہ اس کے پاؤں کو فلک (۱) سے باندھ دیا جائے اور پھر اتنے ہنٹر لگائے گئے کہ لکڑی کی درزوں میں گوشت گھس گیا۔ پھر گھسیٹ کر نکالا گیا اور گھر بھیج دیا۔ سات آٹھ دن زندہ رہ کر سعدیؒ کی روح مستعصم عباسی کی روح سے جا ملی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سعدی کی عمر ایک سو دس ۱۱۰ سال ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ شیعہ تھا جیسے قاضی نور اللہ نے اپنی کتاب مجالس میں کہا ہے اور میرے والد ماجد نے مجموعہ و جنگی میں یہ لکھا کہ میں سالہا سال شیخ سعدی کے شیعہ ہونے کے بارے میں تامل میں تھا یہاں تک کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ شیعہ تھے اور ان کے شیعہ ہونے کی بابت انہوں نے اشعار نقل کیے۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ یہ محض افسانہ ہے۔ وہ سنی ہی تھا اور اکثر شعراء یا فاسد العقیدہ ہوتے ہیں یا فاسق ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ ان کی باتیں قابلِ تاویل ہوں۔ اس مقام پر مولف کو ایک بڑا اچھا مناظرہ یاد آ گیا ہے۔

ہوا یوں کہ ایک دفعہ میرا گزر شہر لاھیجان سے ہوا۔ وہاں کے بڑے بڑے لوگوں اور علماء نے بڑا احترام کیا اور انہوں نے مہمانی اور ضیافت کی محفل آراستہ کی۔ اس شہر کے اکثر علماء اس زمانے میں قدیم زمانے کے حکماء کی طرح تھے۔ اور حکیم ناقص تھے کہ حکمت میں بھی انہیں کوئی کمال حاصل نہ تھا اور شرع مطہر کے راستہ پر تو بہت کم علماء کاربند نظر آتے تھے۔ ایک رات وہاں کے سب سے بڑے اور مشہور عالم نے وہاں کے سارے علماء کو اپنے ہاں مدعو کیا کھانا کھانے کے بعد ایک عالم نے جس نے دیوان حافظ کی طرح ایک عرفانی دیوان بنایا تھا وہ میرے سامنے پیش کیا کہ اس کی تصحیح کر دوں۔ میں نے کہا کہ بھلا کہاں آپ کا دیوان اور کہاں میں کہ اس کی تصحیح کروں اور اس دیوان کے اشعار میں ایک شعر یہ تھا:

(۱) فلک: سزا دینے کا ایک آلہ ہوتا ہے اور وہ اس طرح بناتے ہیں کہ لکڑی کے دونوں سروں میں رسی پرو کر اسے مجرم کے پاؤں میں ڈال کر بل دیتے ہیں۔

ھر چہ شد از سبحہ و سجادہ شد　　　　بی سبب رسوای عالم بادہ شد

ترجمہ: دنیا میں جو بھی کچھ ہوا وہ تسبیح اور مصلے کی وجہ سے ہوا جام شراب کو تو خوا مخواہ دنیا میں رسوا کر دیا گیا۔

اس طرح شعر و شاعری پر گفتگو ہونے لگی اور اس مجلس میں موجود علماء جو حقیقتاً مبداء و معاد کے متعلق کچھ نہ جانتے تھے سب کے سب حافظ کی تعریف کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اس پر ایک حدیث کا بھی ذکر ہونے لگا کہ ایک دن امیر المومنین علیہ السلام دریائے دجلہ کے ساحل پر گئے اور قلمدان اور کاغذ منگوایا اور کچھ رقعوں پر کچھ لکھ کر دریا میں ڈال دیا اور فرمایا کہ یہ معرفت آمیز کلمات اور حقیقت علم ہے۔ چند سال بعد شیراز میں اولیاء اللہ میں سے ایک عارف حق پیدا ہوگا اور یہ کلمات جو میں نے کاغذ کے رقعات پر لکھے ہیں اس کی زبان پر جاری ہوں گے اور وہ عارف دراصل حافظ تھے۔ غرض یہ کہ اس موضوع پر بہت کچھ گفتگو ہوتی رہی اور میں خاموش بیٹھا رہا آخر سب میری طرف متوجہ ہوئے کہ ارے آپ چپ کیوں بیٹھے ہیں ہم آپ سے بھی اس سلسلے میں کچھ سننا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا اگر تم سننا ہی چاہتے ہو تو سنو یہ حدیث سراسر جھوٹ اور فریب ہے کیونکہ ائمہ اطہار علیہم السلام کی احادیث کو علماء، محدثین بخوبی جانتے ہیں۔ اور میں نے تو آج تک اس قسم کی حدیث کسی کتاب میں بھی نہیں پڑھی اور اپنے مشائخ سے بھی کبھی نہیں سنی اور بالفرض محال تم لوگوں نے کسی کتاب میں دیکھی بھی ہے تو بھلا یہ بھی تو دیکھو کہ وہ معتبر بھی ہے کہ نہیں اور اس کتاب کا لکھنے والا کس فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ مختصر یہ کہ یہ حدیث ائمہ کے پایہ حدیث سے بالکل گری ہوئی ہے اور جس کسی کو فن حدیث سے ذرا سا بھی لگاؤ ہو وہ سمجھ لے گا کہ یہ محض افتراء ہے۔ جیسا کہ آخوند ملا محمد باقر مجلسی نے کتاب بحار الانوار کے جلد چودہ میں جو کتاب سماء والعالم ہے حدیث کمیل کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے امیر المومنین سے نفس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے پوچھا کہ تم کس نفس کی بات کر رہے ہو؟ تو کمیل نے کہا کہ کیا نفس ایک سے زیادہ ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا: ہاں نفس نباتیہ، نفس حیوانیہ تا آخر حدیث اس کے بعد علامہ مجلسی نے کہا کہ یہ حدیث ائمہ کے معیار حدیث سے خارج ہے اور ائمہ کبھی اس انداز سے گفتگو نہیں فرماتے۔ اس طرح علماء کو "مصباح الشریعۃ" اور "مفتاح الحقیقۃ" جیسی کتابوں کی احادیث میں تأمل ہے بلکہ کہتے ہیں کہ ان کی احادیث معیار احادیث ائمہ سے خارج ہیں اور یہ سب تاویلات جو عرفاء اشعار میں پیش کرتے ہیں میں نے سب دیکھی ہیں اور میں ان کو جانتا ہوں میں ان سب اشعار کی تاویل کر سکتا ہوں بلکہ ان اشعار کی تاویلات اور شرح میں کئی رسالے لکھے گئے ہیں لیکن میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں جو کہنا سوچ کر از روئے انصاف کہنا اور سوال یہ ہے کہ فرض کرو پیغمبرؐ مدینہ میں ہیں اور انہوں نے عبادات خدا کے لیے خدا کی جانب سے اصطلاحات معین فرمادی ہیں مثلاً قرآن کا لفظ اللہ کے کلام کے لیے مخصوص کر دیا ہے اور نماز خدا کی عبادت کے لیے اور صوم کا لفظ اللہ کی اطاعت میں خاص طریقہ پر دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کے لیے اور اسی طرح سے اور معین الفاظ (terms) جیسے خمر شراب کے معنوں میں جس کو پیغمبرؐ نے نجس قرار دیا ہے اور لواط محرم کے ساتھ برا فعل کرنے کے لیے خاص ہے اور ایسا کرنے والے کو قتل کرنا لازم ہے۔ اور اسی طرح اور اب فرض کرو کوئی شیراز میں پیدا ہوا اور دین اسلام کو اختیار کرے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ لامشاھۃ فی الاصطلاح خود اصطلاحات بنانی شروع کر دے اور کہنے لگے کہ جب میں لفظ پیشاب کہوں تو میرا مطلب العیاذ باللہ نماز کا ارادہ کرنے سے ہوتا ہے۔ اور جب میں غایط (نجاست) کہوں تو العیاذ باللہ میری مراد تو قرآن ہوتی ہے اور شراب کہوں تو گویا محبت خدا میں مست ہونے کو کہہ رہا ہوں نہ کہ غیر خدا کی محبت کے لیے۔ اب لوگ پیغمبرؐ سے جا کر کہیں کہ ایک دیندار شخص آپ کے دین میں ہے اور اس نے ایسی ایسی اصطلاحات بنائی ہوئی ہیں تو اب تم از روئے انصاف مجھے بتاؤ کہ کیا پیغمبرؐ یہ کہیں گے کہ اس نے بہت اچھا کیا اور تم اس کی پیروی کرو یا یہ کہیں گے کہ بہت غلط کام کیا اس کو قتل کر دو یا اس کو کوڑے لگاؤ یا توبہ کا مطالبہ کرو۔ تو سب علماء نے پہلے تو سوچا اور پھر اس بات کی تصدیق کی کہ عقل کا تقاضا یہ ہے اور عام طریقہ یہی ہے کہ پیغمبر یہ کہیں گے کہ اس کو سزا دو، تنبیہ کرو۔

مشہور ہے کہ ملا علی نوری کے ایک شاگرد نے ایک سوال لکھا کہ حافظ کے اس شعر کے کیا معنی ہیں کہ انہوں نے کہا ہے

می دو سالہ و محبوب چھاردہ سالہ　　　　ھمیں بس است مرا صحبت صغیر و کبیر

اور یہ لکھ کر اس نے ملا علی نوری کو بھیج دیا۔

چونکہ عرفاء کا کہنا یہ ہے کہ حافظ کی مراد چودہ سالہ محبوب کہنے سے پیغمبرؐ ہیں جو چالیس سال کے سن میں مبعوث برسالت ہوئے اور چہاردہ (۴×۱۰) چہل چالیس بنتے ہیں۔ آخوند ملا علی نے جواب میں لکھا کہ میری دونوں آنکھوں کا نور یعنی اے میرے پیارے طالب علم ے دوسالہ وہ شراب ہوتی ہے جو دو سال تک پڑی رہی ہو اور شرابی یہ کہتے ہیں کہ ایسی شراب سے زیادہ مستی پیدا ہوتی ہے جو دوسری شرابوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور محبوب چہاردہ سے مراد وہ جوان ہے کہ جو چودہ سال کی عمر کا جوان ہو اور ابھی سبزہ آغاز ہو اور اہل ذوق کا کہنا ہے کہ ایسے نوجوان سے صحبت کرنے میں زیادہ لذت ہوتی ہے اور حافظ نے درحقیقت یہی معنی لیے ہیں اور جو عرفاء توجیہ وتاویل پیش کرتے ہیں میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ وہ معنی نہیں ہیں اور حافظ کا مقصود ہرگز وہ نہیں ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ملا نصیر الدین سفر کرتے ہوئے رات کو ایک گاؤں میں پہنچے اور رات وہیں گزاری چونکہ بالکل اکیلے تھے لہٰذا گاؤں والوں سے پوچھا کہ اس گاؤں میں کوئی ملا بھی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا یہاں مکتب کا ایک ملا ہے جو بچوں کو تعلیم دیتا ہے۔ خواجہ نصیر الدین نے ملا کو طلب کیا چنانچہ وہ حاضر ہوا۔ خواجہ نے سوچا کہ مکتب کا ملا سمجھدار تو ہوتا نہیں کہ اس سے گفتگو کروں، میں اس سے شعر پڑھنے کو کہتا ہوں کہ کچھ پڑھ کر سنائے۔ چنانچہ کہا کہ اگر کوئی شعر آتا ہے تو سناؤ۔ ملا نے کہا: میں اپنے اشعار میں سے کچھ پڑھوں یا دوسروں کے اشعار سناؤں؟ خواجہ نے کہا: تو تم شاعر بھی ہو؟ عرض کی: جی ہاں! کہا: تو پھر اپنے ہی کوئی اشعار سناؤ۔ اس مکتب کے ملا نے ایک کتاب لیلیٰ مجنوں تیار کی ہوئی تھی۔ اس کے کچھ اشعار خواجہ کے سامنے پڑھے خواجہ کو بڑے اچھے لگے اور اس کے لیے شاہی وظیفہ مقرر کر دیا۔

یہ بات بھی مشہور ہے کہ خواجہ سے سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ امام فخر رازی اتنے باہوش وخرد ہونے کے باوجود سنی رہ گئے تو جواب دیا کہ امام فخر سنی نہیں ہوا بلکہ ایک سنی امام فخر بن گیا یعنی ایسا نہیں ہے کہ امام فخر نے پہلے تحصیل علم کی اور پھر تمام ادیان کی چھان بین کرنے کے بعد اہل سنت کا مذہب اختیار کیا بلکہ وہ پیدائشی سنی تھے اور آباء واجداد کا دین رکھتے تھے اس کے بعد فاضل وعالم ہوئے لیکن آباد اجداد کے دین سے بے پناہ لگاؤ اور عصبیت نے ان کو اپنا مذہب تبدیل نہ کرنے دیا کہ وہ شیعہ ہو جاتے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ خواجہ کا یہ فقرہ نہایت حسین اور نکتہ رس ہے اور اس لائق ہے کہ اس کو آب زر سے لکھا جائے۔

سنتے ہیں کہ بلکہ مشہور یہی ہے کہ شاعر خیام جبری مذہب کا قائل تھا اور اس بارے میں اس نے یہ رباعی لکھی۔

من می خورم وهر کہ چہ من اهل بود — می خوردن من بنزد او سهل بود
می خوردن من حق ز ازل میدانست — گر می نخورم علم خدا جهل بود

ترجمہ: میں شراب پیتا ہوں کیونکہ میں اس کا اہل ہوں اس لیے میرا شراب پینا سہل ہے۔
اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا تھا کہ میں شراب پیوں گا اگر اب نہ پیوں تو علم خدا غلط ہو جائے گا۔

خواجہ نصیر الدین نے اس کے جواب میں یہ رباعی لکھی:

این نکتہ نگوید آنکہ او اهل بود — زیرا کہ جواب شبہ اش سهل بود
علمِ ازلی علت عصیان کردن — نزد عقلاء زغایت جهل بود

ترجمہ: وہ یہ بات نہ کہے کہ و[illegible]ی کا اہل تھا کیونکہ اس کے شبہ کا جواب بڑا آسان ہے
اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں کسی بات کا ہونا اس بات کا سبب نہیں ہے کہ گناہ کیے جائیں یہ عقلاء کے نزدیک انتہائی جہالت کی بات ہے۔

شیخ بہائی زید بہاہٗ "کشکول" کی دوسری جلد میں لکھتے ہیں کہ محقق طوسی نے بغداد کی فتح کے بعد حاکم حلب کو لکھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے بغداد ۶۵۵ھ میں فتح کیا تو جن کو ڈرایا گیا تھا ان کی صبح کس طرح کی ہوئی۔ انہوں نے ہماری بات نہ مانی تو ہم نے ان کی سخت گرفت کی ہم تمہیں بھی اپنی

اطاعت کی دعوت دے رہے ہیں اگر قبول کرلو تو تمہارے لیے خوش بختیاں اور جنت نعیم ہے اور اگر انکار کرو تو پھر مقابلہ کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔

تحقیق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ بغداد اور قتل مستعصم کی دو جوہات نقل کی گئی ہیں جیسا کہ صاحب مجالس مومنین نے لکھا ہے۔ خواجہ کی دلی یہ خواہش تھی کہ دین اہل بیت کی ترویج کی جائے۔ انہوں نے دیکھا کہ موید الدین علقمی، مستعصم خلیفہ عباسی کا خود مختار وزیر ہے اور وہ شیعہ امامیہ کے بزرگ فضلاء میں سے تھا انہوں نے مصلحت یہ سمجھی کہ دارالسلام بغداد کو ہدف بنا کر موید الدین کی تائید وحمایت سے فائدہ اٹھا کر خلیفہ کی ہدایت کی جائے اور اسے دین شیعہ کی ترغیب دلائی جائے چنانچہ انہوں نے ایک خط موید الدین کو لکھا جس کے ساتھ ایک عربی قصیدہ جو خلیفہ کی مدح میں لکھا گیا تھا ارسال کیا لیکن چونکہ موید الدین نے خواجہ کی کارکردگی، آثار ہدایت اور نفسانی کمالات کی شہرت سن رکھی تھی تو اس نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ خواجہ کا تقرب اختیار کرے اور ان کے خط کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب خواجہ کو ادھر سے ناامیدی ہوئی اور انہیں نظر آرہا تھا کہ عراق وخراسان جو تعصب انگیز سنیوں کے قبضہ میں ہیں ان ... چنگیز سے ان کا بچانا بہت مشکل ہے تو ان کے شب وروز انتہائی تفکر میں گزرنے لگے۔ یہاں تک کہ ناصر الدین محتشم جو اپنے وقت کا سب سے زیادہ فاضل آدمی اور علاء الدین محمد بن جلال الدین حسن قلعہ الموت وقہستان کے اسمٰعیلی فرقہ کا بادشاہ تھا کے سب سے زیادہ سخی امرائے حکومت میں سے تھا اس نے کسی نہ کسی بہانے سے خواجہ کو اپنے پاس بلا لیا اور ان کی صحبت کو غنیمت جان کر بہترین انداز پر ان کی خاطر داری کرنے لگا اور افادات خواجہ سے مستفید ہونے لگا۔ خواجہ نے اس کے نام پر کتاب ''ناصریہ'' تالیف کی۔ جب علاء الدین محمد کے گوش ہوش میں یہ خبر پہنچی کہ خواجہ قلعہ رودبار میں ہیں اور وہاں کا حاکم ان سے فیض یاب ہو رہا ہے تو اسے اس کی سعادت پر بڑا رشک آیا اور چار ونا چار اسے خواجہ کو اپنے پاس بلانا پڑا۔ ان کی آمد کو اپنے لیے باعث عزت وشرف سمجھا اور ان کے اعزاز واکرام میں بڑا اہتمام کیا۔ خواجہ دیکھ رہے تھے کہ ایران کی دل آویز فضا چنگیز خان کے فتنہ پر آشوب سے لبریز ہے اور اس کے ساتھ وہ اسمٰعیلی لوگ اصل مذہب شیعہ میں ان کے شریک تھے اور اسمٰعیلی ان کے لیے فراغت ومطالعہ کے بہترین اسباب مہیا کر رہے تھے تو لازم طور پر ایک زمانہ تک وہ انہیں کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ ایل خان یعنی ہلاکو خان قلاع اسماعیلیہ تک پہنچ گیا اور خورشاہ بن علاء الدین محمد نے خواجہ کی صوابدید کی بناء پر ہلاکو خان کی ملازمت اختیار کرلی۔ ہلاکو خان خواجہ سے بہت خوش ہوا اور ان کی بے انتہا تعظیم وتکریم کی اور اپنے تمام امور سلطنت ان کی حکمت خیز رائے کے تابع قرار دیدیئے۔

کتاب ''حبیب السیر'' میں خواجہ کے قلاع اسمٰعیلیہ میں آنے اور وہاں سے ہلاکو خان کے پاس پہنچنے کی کیفیت اس طرح مرقوم ہے کہ خلیفہ مستعصم کے زمانہ میں جناب خواجہ قہستان کے علاقے میں کچھ عرصہ کے لیے مقیم ہوگئے۔ اس خطہ کے حاکم ناصر الدین محتشم نے آپ پر بڑی الطاف وعنایات کیں۔ اپنے قیام کے دوران آپ نے کتاب ''اخلاق ناصریہ'' اس حاکم کے نام پر تالیف کی اور ایک عربی قصیدہ خلیفہ مستعصم کی تعریف میں قلم بند کر کے بغداد بھیجا۔ ابن علقمی کو یہ بات اچھی نہ لگی اس نے قصیدہ کی پشت پر ناصر الدین محتشم کو لکھا کہ مولانا نصیر الدین نے خلیفہ وقت کے ساتھ خط وکتابت شروع کر دی ہے تم اس بات سے غافل نہ رہنا۔ اور اس بزرگ ہستی کو تم معمولی نہ سمجھو جب یہ تحریر ناصر الدین کو ملی اس نے خواجہ کو قید کر دیا اور جب ناصر علاء الدین محمد کے پاس قلعہ الموت میں میمون درمی کے ساتھ پہنچا تو آپ کو بھی اپنے ساتھ لے گیا اور وہاں ان کو میمون درمی کے حوالے کر دیا اسی لیے علامہ کو مجبوراً کچھ وقت ملاحدہ کے ساتھ گزارنا پڑا اور جب ان لوگوں کی حکومت کا شیرازہ منگولوں کے ہاتھوں بکھرا تو خواجہ میمون کی قید سے رہا ہو کر ایلخان کے ساتھ ہوگئے اور وہاں اس کی نوازشات کی بناء پر خواص ومقربین خاص میں داخل ہوگئے۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ جس وقت خواجہ ناصر کی قید میں علاء الدین کے پاس پہنچے اور وہاں محبوس رہے تو قید خانہ میں کئی تصانیف لکھیں۔ اس میں ایک کتاب مجسطی ہے اس میں کچھ مسائل ہندسہ (۱) حل کیے گئے تھے۔ جب ایل خان جو ہلاکو خان کے نام سے مشہور ہے اور چنگیز خان کی اولاد ہے قلاع اسمٰعیلیہ پہنچا اور اس شہر کو فتح کرنا چاہا تو محقق کے اشارہ پر علاء الدین کا بیٹا خفیہ طریقہ سے باہر گیا اور ہلاکو خان کی خدمت میں پہنچا تو ہلاکو کو حالات کا علم ہوا اور وہ سمجھ گیا کہ خواجہ یہاں مقید ہیں۔ اس نے قلعہ کو فتح کیا اور خواجہ کا بڑا احترام کیا اور اپنے ہمراہ لے گیا اور اپنے تمام امور سلطنت ان کی صوابدید پر منحصر کر دیئے۔

(۱) ہندسہ: علم جیومیٹری (فن تعمیر کا علم)

اب محقق طوسی کو فتح بغداد کا خیال ہوا کیونکہ مستعصم مذہب اہل سنت کا بے حد طرف دار تھا۔ وہ ہلاکو خان کے ساتھ بغداد گئے اور بغداد کا محاصرہ کر لیا گیا تو خلیفہ بغداد کے قاضیوں اور سادات بنی عباس اور اپنے بیٹوں ابوبکر، احمد وغیرہ کے ساتھ دروازہ سے نکلا اور ہلاکو خان کے لشکر میں داخل ہو گیا خواجہ سلطان کے پاس گئے اور کہا کہ خلیفہ کے ملازمین اور مصاحبین کو ایک خیمہ میں بٹھا دو اور خلیفہ کو مع اس کے بیٹوں کے دربار میں طلب کرو۔ اور ان کو فوری طور پر قتل کر دو۔ چنانچہ حکم جاری ہو گیا۔ پہلے خلیفہ کے بیٹوں کو دربار میں طلب کیا گیا۔ اور ان کو تختہ دار پر چڑھانے کا حکم نافذ کیا گیا اور خلیفہ سلطان اور خواجہ کے حضور میں کھڑا تھا اور خواجہ اس کو خلیفہ کے قتل پر آمادہ کر رہے تھے۔ بعض سنی علماء جو ہلاکو خان کے پرشکوہ لشکر میں شامل تھے اور اس کے مصاحب تھے انہوں نے ہلاکو خان سے عرض کیا کہ خلیفہ سادات، پیغمبرؐ کے اہلبیت اور اقرباء میں سے ہے اس لیے مناسب نہیں ہے کہ اسے قتل کیا جائے کیونکہ اگر اس کو قتل کیا تو زمین کو زلزلہ آ جائے گا اور وہ پھٹ جائے گی۔ اور تیرا لشکر زمین دوز ہو جائے گا اور آسمان زمین پر گر پڑے گا اور طرح طرح کے عذاب نازل ہوں گے۔ خواجہ نے کہا: یہ سب بکواس ہے فرزند پیغمبرؐ مارا گیا تو آسمان زمین پر نہ گرا اور کوئی عذاب نہ آیا جبکہ آسمان وزمین اس کے صدقے میں برقرار ہیں اور وہ حق پر تھے اور ان کا خون ناحق بہایا گیا اور انہیں شہید کیا گیا اور یہ خلیفہ تو جھوٹا، ظالم اور لوگوں کے حقوق کا غاصب ہے اس کو قتل کرنے سے ہرگز کوئی عذاب نازل نہ ہوگا لیکن علمائے عامہ پھر آڑے آئے اور ہلاکو خان بھی دل میں خوفزدہ ہو گیا۔ جب خواجہ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو کہا کہ تم یہی تو چاہتے ہو کہ اس کا خون زمین پر نہ گرے تو تم ایک کمبل میں رکھ کر اس کو اس قدر مروڑو کہ اس کے ہاتھ پاؤں پس کر رہ جائیں اور اس کا کام تمام ہو جائے اور اس کا خون بھی زمین پر نہ گرے۔ ہلاکو خان کو یہ بات سمجھ میں آ گئی چنانچہ کمبل لایا گیا اور اس میں اس کو مروڑ دیا گیا یہاں تک کہ خلیفہ کا کام تمام ہو گیا۔ پھر سلطان داخل بغداد ہوا اور اس کو فتح کر لیا۔

پھر ہلاکو خان نے حکم دیا کہ مراغہ میں رصدگاہ (۱) بنائی جائے چنانچہ خواجہ نے رصدگاہ کے آلات فراہم کیے، علماء اور ان کے شاگردوں میں سے ایک جماعت ان کی مددگار بنی اور ہلاکو خان نے سب کو حکم دیا تھا کہ خواجہ کی خدمت میں رہ کر اس کام کو اتمام تک پہنچائیں۔

ان میں محقق طوسی کے ایک شاگرد قطب شیرازی بھی تھے جو صاحب ''اشراق وکلیات'' ہیں۔ بڑے فاضل خوش اخلاق اور فنون وحکمت کے ماہرین میں سے ہیں۔ اور صاحب ''لؤلؤ'' پر حیرت ہے کہ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ملاقطب خواجہ کی صحبت سے مستفید ہوتے تھے (یعنی ان کے مصاحب تھے) صاحب لؤلؤ کی یہ بات بالکل فضول اور اس بات کا ثبوت ہے کہ صاحب ''لؤلؤ'' نے بالکل تحقیق سے کام نہیں لیا اور وہ قوانین حکمت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ملاقطب خواجہ کے شاگرد ہیں اور ان کی کیا مجال ہے کہ وہ ان کے دربار سے فیض یاب ہوں۔

ان میں ایک موید الدین حروضی دمشقی ہیں اور وہ علم ہندسہ اور آلات رصد کے بے انتہا ماہر تھے ان کی موت وبائی بیماری میں ۶۰۴ھ میں واقع ہوئی۔ اور فخر الدین مراغی کو موصل سے لایا گیا وہ طبیب فاضل وحاذق تھے۔ اور نجم الدین کاتبی کو قزوین سے لائے وہ حکمت وکلام میں فاضل تھے۔ تفلیس سے محیی الدین اخلاطی کو بلوایا وہ فاضل انجینئر اور ماہر علم ریاضی تھے اور محیی الدین مغربی بھی انجینئر، فاضل علوم ریاضی اور ماہر امور رصد تھے۔ نجم الدین کاتب بغدادی ریاضی اور جیومیٹری اور علم رصد کے تمام پہلوؤں کے ماہر اور ڈرائنگ میں ماہر تھے اور بڑے حسن اخلاق کے مالک تھے، ستاروں کی چال کو سمجھ کر اس کو کاغذ پر محفوظ کر لیتے تھے۔ اس دوران خواجہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ ماہرین حساب، حسابی نکات کو مدنظر رکھتے تھے اور قطب الدین علامہ شیرازی جو خواجہ کے بڑے عظیم شاگردوں میں سے تھے اس جماعت میں شریک تھے بلکہ بڑے شریک تھے۔ اور جناب خواجہ نے ملاقطب کا نام اپنی ''کتاب زیج'' (۲) میں ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کا خواجہ سے شاگردی کا تعلق تھا اور خواجہ ان کے استاد تھے۔ اور جب خواجہ کی اجل موعود قریب آ گئی تو ''زیج'' میں جو خلل اور کمزوریاں رہ گئی تھیں ان کی اصلاح کا کام اس جماعت کے سپرد کر دیا جو اس کی اصلاح کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی اس بات سے ملاقطب کے دل کو بڑی ٹھیس پہنچی حالانکہ وہ اس کتاب کی بخوبی اصلاح کرنے کے اہل تھے۔ لیکن خواجہ نے ان سے پہلوتہی کرتے ہوئے یہ کام اس جماعت کے سپرد کیا۔ اور خواجہ کی زیج اگرچہ بڑی محنت

(۱) رصدگاہ: ستاروں اور موسمی حالات معلوم کرنے کی جگہ۔ (۲) زیج: نجومیوں کی کتاب جس میں ستاروں کی حرکت نقشوں میں لکھی جاتی ہے۔

اور باریک بینی سے لکھی گئی تھی لیکن چونکہ اختتام کو نہ پہنچی تھی لہٰذا وہ متروک ہوگئی لیکن ان سب کے باوجود سورج گرہن، چاند گرہن اور دیگر سماوی حالات کے بارے میں تمام نجومی اس پر اعتماد کرتے ہیں اور اس میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ دیگر جنتریوں سے کہیں بہتر ہیں۔ اور خواجہ علم معقول میں فرید الدین داماد کے نام سے مشہور ہیں کے شاگرد ہیں اور وہ سید صدر الدین سرخسی کے شاگرد ہیں اور وہ افضل الدین غیلانی کے شاگرد ہیں۔ اور وہ ابوالعباس لوکری کے شاگرد ہیں وہ بہمنیار کے شاگرد تھے اور بہمنیار ابوعلی ابن سینا کا شاگرد تھا۔ رہے علم معقول میں ان کے مشائخ تو سب سے پہلے تو خواجہ اپنے والد محمد بن الحسن کے شاگرد ہیں اور وہ سید فضل اللہ راوندی کے، اور راوندی سید مرتضیٰ راضی کے جو سید مجتبیٰ ابن الداعی کے بھائی تھے کے شاگرد ہیں اور سید مرتضیٰ جعفر بن محمد دوریستی کے اور وہ صاحب نہج البلاغہ سید رضی کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح نقلی علوم میں محقق سالم بن بدران مصری ان کے شیخ ہیں اور انہوں نے خواجہ کے لئے اجازہ لکھا

"امام، فاضل، عالم، اکمل، اورع، متقن، محقق، نصیر الملت والدین، وجیہ الاسلام والمسلمین، سید الائمہ والافاضل، علماء واکابر کا فخر، اہل خراسان کے افضل فرد محمد بن محمد طوسی اللہ ان کی بلندیوں کو اور زیادہ کرے اور انہیں بہترین طریقہ سے گناہوں سے بچائے انہوں نے کتاب غنیۃ النزوع سے علم اصول میں تیسرا حصہ پڑھا اول سے آخر تک۔ اسے پڑھا، سمجھا، غور و تامل کیا، اس کی پیچیدگیوں پر مباحثہ کیا کہ تمام فنون کے جاننے والے ہیں اور اس کتاب کے دوسرے حصے کے زیادہ تر کہ وہ اصول فقہ میں گفتگو ہے۔

پس میں اجازت دیتا ہوں ان کو کہ روایت کریں مجھ سے کہ میں نے روایت کی سید اجل العالم الاوحد الطاہر الزاہد البارع، دین کی عزت، کرامتوں کے سرپرست علی بن زہرۃ الحسینی اللہ ان کی روح کو پاکیزہ کرے اور ان کی ضریح کو منور کرے، ان کی اور میری تصانیف کے ساتھ اور جو کچھ مجھ سے سنا اور جو کچھ مجھ کو میرے اساتذہ نے اجازت دی۔ جن اساتذہ کا میں نے تذکرہ کیا اور جن کا تذکرہ نہیں کیا۔

اور میں ان کے اعلیٰ مرتبے کے لئے کیا لکھوں۔

یہ تحریر ہے اللہ کی ضعیف ترین مخلوق اور اس کے عفو کے سب سے زیادہ طلبگار سالم بن بدران مازنی مصری کی طرف سے جس نے اسے ۱۸، جمادی الآخر ۶۱۹ھ کو لکھا وہ اللہ کی حمد کرتا ہے اور درود بھیجتا ہے بہترین مخلوق محمدؐ اور ان آل طاہرینؑ پر۔"

اور یہ سالم بن بدران وہ ہیں جن کا لقب معین الدین مصری ہے اور شہید نے "شرح لمعہ" کی کتاب میراث میں ان بزرگوار کا ایک قول نقل کیا ہے۔

شیخ ابوالحسن بن شیخ سلیمان بن عبداللہ بحرانی نے رسالہ "سلافۃ البہیۃ" میں میثم کے ترجمہ میں یہ کہا ہے کہ میں نے بعض افاضل معتمدین کی تحریر میں پڑھا کہ خواجہ نے فقہ میں کمال الدین میثم سے پڑھا۔ شیخ میثم نے علم معقول خواجہ سے پڑھے یہاں تک ان کا کلام تھا۔ اور لگتا یوں ہے کہ ایسی کوئی بات پیش نہ آئی تھی۔

علامہ حلی محقق کے حلہ آنے کے بعد اور صاحب "شرائع" سے محقق کی ملاقات کے بعد خواجہ کی خدمت میں گئے اور ان کی شاگردی اختیار کی اور ان سے اجازہ لیا اور "منطق وتجرید" پر شرح لکھی اور شارح جدید ملا علی قوشچی ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ اگر خواجہ کے عرب شاگرد جو علامہ حلی تھے نے تجرید پر شرح نہ لکھی ہوتی تو یقینی طور پر تجرید اجمالی ہی رہتی اور اس میں سے کچھ بھی پہلے نہ پڑسکتا تھا اور علامہ نے اولاد زہرہ کے اجازے میں خواجہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ شیخ اپنے اہل زمانہ میں علوم عقلی و نقلی میں سب سے افضل تھے۔ ان کی تصنیفات بہت ہیں جو مذہب امامیہ کے علوم حکمت و شریعت کے بارے میں ہیں اور اخلاقی لحاظ سے ہم نے ان کو سب سے بلند پایا۔ خدا ان کی ضریح مبارک کو منور فرمائے۔ میں نے ان کی خدمت میں ابوعلی سینا کی کتاب "شفاء" سے الٰہیات پڑھی اور پھر میں نے "تذکرہ" پڑھی جو علم ہیئت میں ان کی تصنیف ہے۔ پھر ان کو اجل محتوم میں گھیر لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو مقدس قرار دے۔

یہاں تک علامہ کا کلام تھا۔ اور کتنا عجیب لگتا ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ خواجہ مذہب امامیہ پر تھے اور یہ بالکل اسی طرح کہ جیسے شہید اول نے کہا تھا کہ قطب المحققین بے شک امامیہ سے تھے اور اُس جگہ شہید پر اور اس جگہ علامہ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ خواجہ کا مقام اس سے ارفع و اعلیٰ ہے و اشرف و اعرف ہے کہ ان کے بارے میں کوئی یہ کہے کہ وہ مذہب امامیہ پر تھے۔ علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب "منہاج الکرمہ" میں علامہ کی اس طرح تعریف کی کہ کسی اور نے کبھی کسی کی اس طرح تعریف نہیں کی اور انہوں نے جو عبارت لکھی اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے استاد بشر اور گیارہویں عقل(۱)

(۱) حکماء کا عقیدہ ہے کہ دس فرشتوں نے خدا کے حکم کے مطابق تمام عالم کو پیدا کیا ہے۔ ان دس فرشتوں کو وہ اپنی زبان میں عقول عشرہ کہتے ہیں یعنی دس عقلیں۔ (اگلے صفحہ پر)

محقق طوسی نصیرالدین سے پوچھا کہ خلافتِ بلافصل امیرالمومنینؑ پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کے بارے میں فرمایا کہ علیؑ کشتی نجات ہیں جس نے اپنے آپ کو اس کشتی میں پہنچا دیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اس سے پہلوتہی کی وہ غرق ہو جائے گا۔ یہ حدیث متفق علیہ فریقین ہے اور پیغمبرؐ کے بعد بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے اور دین پیغمبرؐ میں بہت سے راستے اور مذاہب نکال لیے گئے تو ہم نے اس حدیث کے مطابق جو دونوں فرقوں میں متفق علیہ ہے اپنے آپ کو اس مخالفت کے دھارے سے نکالا کر علیؑ کی کشتی میں سوار کر لیا اور پیغمبرؐ کے حکم کا اتباع کیا۔

کہتے ہیں کہ دوسری مرتبہ جب خواجہ بغداد آئے تو ان پر مرض موت طاری ہو گیا تو آپ نے اپنی تجہیز و تغسیل و تکفین کے متعلق مومنین کرام کو وصیت فرمائی۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ خواجہ کی میت کو مشہد امیرالمومنینؑ میں منتقل کر دیا جائے تو خواجہ نے انتہائی خلوص سے فرمایا کہ مجھے حیا آتی ہے کہ میں جوار پرنور امام موسیٰ الکاظمؑ میں انتقال کروں اور وہاں سے کسی دوسری جگہ چاہے وہ اس مقام سے افضل ہی کیوں نہ ہو منتقل کر دیا جاؤں۔ چنانچہ حسب وصیت بعد وفات آپ کو حرم شریف کاظمیہؑ میں دفن کیا گیا۔ اور اسی آستان کے ستون پر جو خواجہ کے لوح مزار کی جگہ واقع تھا اس آیۂ کریمہ کو لکھا گیا۔ **وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید** اور ان کا کتا چوکھٹ پر پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے (سورہ کہف)

اور ان کی تاریخ اس طرح لکھی گئی اور نظم کی گئی۔

نصیر ملت و دین بادشاہ کشورِ فضل	**یگانہء کہ چہ او مادرِ زمانہ نزاد**
بسال ششصد و هفهتاد ودو وبذی الحجہ	**بروز هیجدهم در گزشت در بغداد**

ترجمہ: قوم و دین کے مددگار سلطنت فضل کے بادشاہ

ایسی بے مثل ہستی کو زمانہ کی ماں نے کبھی جنم نہ دیا تھا۔ ۶۷۲ھ ۱۸ ذی الحجہ کو بغداد میں گزر گئے۔

"جامع التواریخ" خواجہ میں ہے کہ حسب وصیت خواجہ جب لوگوں نے آپ کو جوار مشہد مقدس کاظمیہ میں دفن کرنا چاہا تو اس کے اطراف میں ایک جگہ منتخب کر کے کھدائی شروع کی گئی تو ایک تہ خانہ جس میں کاشی کاری کی ہوئی تھی ظاہر ہوا جب اس کی خوب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ ناصر عباسی نے اپنے مقبرہ کے لیے تیار کیا تھا لیکن اس کو یہ سعادت نصیب نہ ہو سکی اور ناصر رضافہ میں دفن ہوا لیکن چونکہ خواجہ آل عبا کی عرش آشیاں درگاہ کے پاسبان تھے لہٰذا اس آیۂ شریفہ کے بموجب کہ ان کا کتا ان کی چوکھٹ پر پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے اس کثیر الفیض جگہ پر مدفون ہوئے اور امام کی تائیدات کی بناء پر یہ مذکورہ سرداب بروز ہفتہ ۱۵ جمادی الاول ۵۹۷ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا اور اسی روز خواجہ کی ولادت ہوئی تھی۔ اس طرح آپ کی عمر ۷۵ سال ۷ ماہ ہوئی۔ خواجہ کی تالیفات مذہب شیعہ امامیہ میں علم حکمت، علم کلام، علم فقہ میں بہت سی ہیں یہاں کچھ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلی کتاب "تجرید" ہے کہ علم کلام میں فصاحت اور دلائل واقوال کے لحاظ سے ایسی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ اور اس پر بہت سی شرحیں لکھی گئیں جیسے "شرح قدیم" محمود اصفہانی کی۔ اور "شوارق" ملا عبداللہ لاہیجی کی اور "شرح حاجی" ملا محمد جعفر استرآبادی، "شرح ملا علی قوشجی" اور اس شرح کو "شرح جدید" کہتے ہیں۔ سید شریف نے شرح قدیم پر حواشی لکھے اور اس کے علاوہ ملا جلال دوانی، میر صدر، ملا عبدالرزاق لاہیجی، خضری، آقا جمال، خلیفہ سلطان، شیخ حسن تنکابنی اور میرزا ابراہیم بن ملا صدری وغیرہ نے بھی اس پر حواشی لکھے ہیں اور مولف کتاب کی بھی تجرید پر فارسی شرح ہے اور منطق میں "کتاب تجرید"، اور منطق میں "کتاب اساتر الاقتباس"، "شرح اشارات"، "تحریر اقلیدس"، "تحریر مجسطی" (۱) "تحریر متوسطات"، "کتاب "زیج ایلخانی"، "کتاب "تذکرہ علم ہیئت" میں اور "رسالہ معینہ" بھی ہیئت میں اور تیس (۳۰) فصلوں کا رسالہ معرفت تقویم میں، "رسالہ اسطرلاب"، "کتاب "جامع الحساب بالتحت والتراب"، "کتاب "قواعد العقاید"، "شرح محصل"، "رسالہ

منسلکہ پچھلہ صفحہ۔۔۔ علامہ حلی نے محقق طوسی کو گیارہویں عقل قرار دے کر ان کے بلند مرتبے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (مترجم)

(۱) مجسطی: حکیم بطلیوس کی مرتبہ مشہور کتاب ہے اس کا ترجمہ محقق طوسی نے کیا ہے۔ (مترجم)

"جبر وقدر" میں، رسالہ شیخ صدرالدین قونوی کے سوالات کے جوابات میں، اثبات واجب میں دلیل علماء پر کاتبی کے اعتراض کی رد میں رسالہ، بحث امامت میں رسالہ، کتاب "زبدۃ الحقائق" عین القضاۃ ہمدانی کا ترجمہ اور اس کے مشکل مقامات کی شرح جو ناصر الدین محتشم جو اسمٰعیلی فرقہ سے منسوب تھے اور اسی ناصر الدین کے نام پر اخلاق ناصری لکھی گئی اور شرح کتاب "ثمرۂ بطلیموس" جو خواجہ بہاء الدین محمد بن خواجہ شمس الدین محمد صاحب دیوان کی خواہش پر لکھی گئی، رسالہ درفقد مواریث، رسالہ نفس الامر کی تحقیق میں، علم ہیئت کی تحقیق میں رسالہ اور کلام میں "فصول" رسالہ "اوصاف الاشراف" اور اس رسالہ سے اور بعض جگہ فصول کے رسالے سے اور قصہ سلامان وابسال کی شرح سے جو کتاب اشارات کا خاتمہ ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ نہایت زاہد اور خلق خدا سے دوری اختیار کرنے والے تھے جیسا کہ اس رباعی سے جو آپ کی گوہر طبع سے ظاہر ہوئی ثابت ہوتا ہے:

لذات دنیوی همه هیچ است نزد من — درخاطر از تغیر آن هیچ ترس نیست
روز تنعم وشب عیش وطرب مر — غیر از شب مطالعه وروز درس نیست

ترجمہ: دنیا کی تمام لذتیں میرے نزدیک ہیچ ہیں اور اگر وہ نہ ہیں تو میرے دل میں کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا
میرے ناز ونعمت کے دن اور عیش وطرب کی راتیں سوائے مطالعہ کی راتوں اور درس کے دنوں کے اور کچھ بھی نہیں۔

آپ کے تمام رسالوں میں ایک رسالہ جو عقاید کے بارے میں لکھا ہے بڑا مجمل مختصر اور مفید ہے۔ اور قاضی نوراللہ نے کتاب مجالس میں اس رسالہ کو نقل کیا ہے۔ ایک رسالہ علم رمل میں بھی بہت عمدہ تالیف کیا۔ علم رمل میں چند رسالے ہیں بہت قابل اعتبار ہیں ایک تو یہی خواجہ کا رسالہ، دوسرا سکائی کا رسالہ، اور تیسرا محمد بن احمد خفری ملقب بہ شمس الدین کا رسالہ یہ رمل کی معتبر کتابوں میں شمار ہوتا ہے۔ خواجہ کا رمل میں ایک اور رسالہ بھی ہے اور ان کے علاوہ رمل ایک فارسی زبان میں اور ایک عربی میں رسالہ ہے اور خواجہ کا جفر میں بھی ایک رسالہ ہے اور اس حقیر مولف کتاب نے رمل وجفر میں رسالے لکھے ہیں اور میرا منظومہ رمل ابھی نا تمام ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ خواجہ مسئلہ بداء کے منکر ہیں اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ چونکہ ان کے حالات میں خفری کا بھی تذکرہ ہوا ہے لہٰذا کچھ حالات خفری کے بھی ذکر کردیئے جائیں۔ حالانکہ وہ ظاہری طور پر حکمائے علمائے عامہ میں سے ہے۔ تو معلوم ہونا چاہئے کہ خفری میر صدر الدین محمد شیرازی کے شاگردوں میں سے ہے۔ مشہور ہے کہ جس زمانے میں شاہ اسمٰعیل لوگوں کو تعلیم احکام شریعہ کی تکلیف دے رہا تھا اور ان کو خلفاء پر لعنت کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا ایک دن خفری کا داماد دروازے سے باہر آیا۔ اور اظہار افسوس کیا کہ یہ لوگ سب کو خلفاء پر لعنت کرنے کے لیے کہتے ہیں آخر میں کیا کروں؟ خفری نے کہا: جاؤ لعنت کرو کہ دوتین عام عرب لوگ خلیفہ بن گئے تھے۔ اور جب شاہ اسمٰعیل نے خفری کو کاشان سے اصفہان بلوایا اور کہا کہ مذہب اہل سنت کو ترک کردو تو خفری نے کہا: میں بھلا ان کے مذہب پر کیسے ہوسکتا ہوں میں نے تو شرح تجرید کی الٰہیات پر حاشیہ لکھا ہے کہ اگر ان کا عمر درس حاصل کرے تو اس کو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے۔ سلطان نے کہا: اگر تو سچ کہہ رہا ہے تو پھر ان پر لعنت بھیج۔ خفری نے لعنت کردی تو بادشاہ کے پاس سے جانے کی اجازت مل گئی اب کاشان آئے تو لوگ استقبال کو دوڑے اور ملاقات کے بعد اعتراض کیا کہ آپ نے اصفہان جا کر خلفاء پر لعنت کیوں کی؟ تو خفری نے کہا کہ یہ ظلم نہ ہوتا کہ دوتین عرب مخنثوں کے لیے مجھ جیسے فاضل شخص کو تہ تیغ کردیا جاتا۔ یہ قصہ قاضی نوراللہ نے کتاب "مجالس المومنین" اور سید نعمت اللہ جزائری نے "کتاب انوار نعمانیہ" میں لکھا ہے۔ اور قاضی نوراللہ نے لکھا ہے احکام وفتویٰ کے بارے میں کہ جب شاہ طہماسپ اول کے حکم سے محقق ایران میں آئے اور مذہب امامیہ کی ترویج شروع کی اور ایک ملا کو کاشان بھی بھیجا اور کاشان میں خفری کے احکام فتویٰ مشہور تھے جو محقق ثانی کے سامنے پیش کیے گئے تو محقق ثانی نے اکثر فتوے عقل وعدل پر مبنی پائے اور مذہب قاضی بیضاوی امامیہ کے مطابق تھے تو ان کو پسند کیا اور کہا کہ خفری علم نقلی کے مطابق چلتا تھا اور اس نے یہ احکام مطابق عقل دیئے ہیں اور یہ اس بات کی تائید ہے کہ احکام شرعیہ عقل کے احکام وقواعد کے مطابق ہوتے ہیں اور جس چیز کا عقل حکم دیتی ہے اس کا شرع حکم دیتی ہے یا اس کے برعکس بھی کہہ سکتے ہیں۔

خفری کی تالیفات رسالہ "اثبات واجب"، علم ہیئت میں "کتاب منتہی الادراک" اور تذکرہ کی شرح جس کا نام "تکملہ" ہے اور رسالہ "حل

مالا یخل'' اور شرح تجرید کے شروع سے لیکر بحث وجود ذہن کے آخر تک پر رسالہ، شرح تجرید قوشچی کی الٰہیات پر حاشیہ، شرح حکمۃ العین کے شروع کے حصہ کی شرح سواد العین کے نام سے، اور علم رمل میں بھی ایک رسالہ لکھا۔

شروع میں علامہ حلی کے حالات گزرے ہیں اور علامہ حلی اور قاضی بیضاوی کے درمیان معارضہ ہوا تھا جس کا وہاں پر تذکرہ نہیں ہوسکا تھا تو اس کے بہت سے فوائد کے پیش نظر ہم اس کا یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

شیخ بہائی زید بہاء کتاب ''کشکول'' میں کہتے ہیں کہ قاضی کی کئی مشہور تصانیف ہیں ان کا نام عبداللہ، لقب ناصر الدین، کنیت ابوالخیر بن محمد بن علی بیضاوی ہے اور بیضاء شیراز و فارس کا ایک قریہ ہے وہ قضاء کے قاضی تھے۔

اور اپنے مذہب کے اعتبار سے عابد و زاہد و متقی انسان تھے۔ آقا محمد ہادی مترجم قران ان کو قاضی سوداوی کہتے ہیں اس لیے کہ وہ علی علیہ السلام کی خلافت بلا فصل کے قائل نہیں ہیں چنانچہ ہدایت کا نور ان کی پیشانی پر نہیں چمکتا بلکہ ان کے چہرے پر ضلالت و گمراہی کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ ایک دفعہ جب تبریز گئے تو بعض فضلاء کی مجلس میں پہنچ گئے جہاں درس ہو رہا تھا اور جوتیوں کی صف میں بیٹھ گئے۔ چونکہ انہیں کوئی پہچانتا نہیں تھا۔ مدرس نے درس کے درمیان اعتراضات وارد کیے اور ان پر بہت خوش ہوا جب مدرس تقریر سے فارغ ہوا تو بیضاوی نے اس کے اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا۔ مدرس نے کہا میں تمہاری کوئی بات نہ سنوں گا مگر یہ کہ تم میرے اعتراضات کو دہراؤ تا کہ میں یہ سمجھ سکوں کہ تم نے میرے اعتراضات سمجھے بھی ہیں کہ نہیں۔ قاضی نے کہا میں آپ کے اعتراضات آپ کے الفاظ میں نقل کروں یا ان کا مفہوم پیش کروں۔ مدرس مبہوت رہ گیا اور کہا میرے ہی الفاظ میں کہو تو قاضی نے بالکل اسی کے الفاظ میں تمام اعتراضات دہرا دیے بلکہ اس کے الفاظ میں بھی خامیاں گنا دیں پھر اختلافی مسائل کے جوابات کے ذریعہ اس کے اعتراضات کا جواب دیا۔ پھر خود اس کے اعتراضات کے برابر اپنے اعتراضات وارد کیے اور مدرس سے جواب کے طلبگار ہوئے۔ مدرس ان سے عاجز رہ گیا۔ سلطان کا وزیر بھی اس مجلس میں موجود تھا جب اس نے یہ منظر دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھا اور بیضاوی کو اپنی جگہ پر بٹھایا۔ جب اس کا نام و نسب پوچھا تو اس کو پہچان گیا اور بڑا عزت و احترام کا سلوک کیا پھر شیراز کے قاضی کو بلایا اور وزیر نے قاضی کا عہدہ بیضاوی کے حوالہ کر دیا اور اس کو بڑے انعامات اور خلعت وغیرہ عطا کیے۔ بیضاوی کی وفات ۶۸۵ھ میں ہوئی اور تبریز میں وہ خلفائے ثلاثہ کے پاس پہنچ گیا۔

شہید کے پوتے شیخ علی نے ''شرح لمعہ'' کے تعلیقہ پر حواشی میں مسئلہ طہارت و حدث و شک پہلے ہو یا بعد میں لکھا ہے کہ علامہ نے ''قواعد'' میں فرمایا ہے کہ اس طہارت پر حالت سابقہ استصحاب کرتی ہے جب کتاب قواعد عام ہوئی اور اس کا ایک نسخہ قاضی بیضاوی کی نظر سے گزرا اور قاضی نے اس مسئلہ کو دیکھا تو اس مقام پر اس مضمون کا حاشیہ لکھا کہ اے ہمارے آقا جمال الدین خدا کرے کہ آپ عرصہ تک اپنے افادات جاری رکھیں آپ اصولین کے امام ہیں اور اصول میں تو یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ استصحاب میں بقاءِ موضوع شرط ہے اور یہ مسئلہ جس میں آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ شک کرنے والا طہارت و حدث کے بعد استصحاب کرتا ہے تو اس طہارت و حدث پر حالت سابقہ پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ حالت سابقہ طہارت و حدث میں زائل ہو جاتی ہے کیونکہ اگر حالت سابقہ طہارت تھی تو یقیناً حدث زائل ہو چکا اور اگر حدث کی تھی تو طہارت ختم ہو گئی تو جب موضوع کو بقا حاصل نہیں تو حالت سابقہ پر کیسے استصحاب کرے گا۔ قاضی نے اس اعتراض کو علامہ کے پاس بھیجا۔ علامہ نے طولانی جواب لکھا اور اس کا ذکر ہم کو موضوع سے بہت دور لے جائے گا۔ اور جو انہوں نے لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں جب استصحبہ ای کہتا ہوں تو یعنی حکم بمثلہ یعنی مثل حالت سابقہ کے حکم میں ہے نہ کہ استصحاب کے معنی اصطلاحی لے لیے جائیں۔ علامہ نے یہ جواب شیراز میں قاضی کو بھجوایا اور قاضی نے اس کو دیکھا تو بہت پسند کیا۔

قاضی کی بڑی عمدہ عمدہ تالیفات ہیں۔ جیسے علم فقہ میں کتاب ''غایت''، علم اصول میں ''شرح مصابیح'' اور کتاب ''منہاج'' اور میں نے اپنے استاد آقا سید ابراہیم سے سنا ہے کہ منہاج قاضی پر ستر شرحیں لکھی گئی ہیں اور کلام میں کتاب ''طوالع'' ہے اس پر بھی بہت سی شرحیں ہیں۔ اور کتاب تفسیر قاضی جس کا نام ''انوار التنزیل'' ہے اور اس میں قران کی عربیت میں بڑی محنت کی ہے۔ اس پر بہت سے حواشی لکھے گئے، جن میں عصام، شیخ زاد، سیوطی، عبدالحکیم،

ملا میرزا جان، شیخ بہائی وغیرہ شامل ہیں۔اور تفسیر قاضی پر بھی شیخ بہائی نے شرح لکھی اور اس فقیر مولف کتاب نے بھی غیر مدونہ حواشی لکھے ہیں۔شیخ بہائی کی شرح بہترین ہے اور دوسرے نمبر پر سیوطی ہیں اور قاضی نے جو تفسیر لکھی اس میں مناقضاتی (ایک دوسرے کی توڑ کرنے والی) باتیں بہت ہیں۔میں نے اپنی کتاب ''مشکلات العلوم'' میں ان کا ذکر کیا ہے مثلاً آیہ **لیبلوکم ایکم احسن عملا** کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں فعل عمل سے معلق ہے اور سورہ ملک میں اس کے برخلاف کہا ہے۔نیز سورہ ھود میں یہ تصریح کی ہے کہ توریت فرعون کے غرق ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی اور سورہ مومنین کی تفسیر میں اس سے بالکل برعکس کہدیا۔اور سورہ مریم میں آیہ شریفہ **وکان رسولا نبیا** کی تفسیر میں کہا کہ رسول کے لیے صاحب شریعت ہونا ضروری نہیں اور سورہ حج میں اس کے برخلاف کہہ دیا۔سورہ نمل میں کہا کہ سلیمان بیت المقدس کی تعمیر کے بعد حج کے لیے چلے گئے سورہ سبا میں اس کے بالکل الٹ بات کہدی۔غرض یہ۔ اگر ہم قاضی کے مناقضات اور بے وقوفیوں اور غلطیوں کو جمع کریں تو ان کی تفسیر کی کتاب کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑی کتاب بن جائے گی۔اور جو ہدایت پائے اس پر سلام۔

محمد باقر محقق سبزواری

محمد باقر بن محمد مومن سبزواری جو محقق سبزواری کا لقب رکھتے ہیں دانا و ماہرین، فضلاء سے ہیں۔انہیں ملا محمد تقی مجلسی اور شیخ بہائی سے اجازہ حاصل ہے۔

ان کی تالیفات میں شرح ارشاد جس کا نام ''ذخیرہ'' ہے موجود ہے لیکن مجھے مختلف جگہوں پر اس کی عبارات ملی ہیں باقی کچھ دستیاب نہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اسی حد تک لکھی گئی تھی۔

کتاب ''کفایہ'' فقہ کے موضوع پر اس کے آخر حصے کی دو تین کتابیں کم ہیں یہ میراث تک ہے۔فتووں کی کتاب ہے لیکن اکثر جگہ اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں اور بعض جگہوں پر دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔حقیقت میں اچھی کتاب ہے بعض لوگوں نے اس پر شرح لکھی ہیں۔اللہ رحمت نازل کرے۔

محمد بن عبدالفتاح تنکابنی

محمد بن عبدالفتاح تنکابنی جو مولف کتاب کے شہر والے ہیں اور سراب نامی گاؤں سے متعلق ہیں جو پہلے کبھی آباد تھا اب ویران ہے اور تنکابن کے حود ر یلاق کے جوار میں ہے۔ان کا نام کتاب ''قوانین'' کے حاشیہ میں لیا گیا ہے حقیقت میں محقق ہیں اور ان کا نام کتب علمی اور کتب اجازات میں ملتا ہے۔

انہوں نے معالم پر حواشی لکھے جو غیر مدون ہیں، ایک رسالہ امامت میں اور ایک رسالہ احکام و مسائل اجماع میں۔آپ سابق الذکر محمد باقر محقق سبزواری کے شاگردوں میں سے ہیں اور انہی سے اجازہ پائے ہوئے ہیں۔خدا دونوں پر رحمت نازل فرمائے اور جنت میں جگہ عطا فرمائے۔

محمد صادق بن محمد تنکابنیؒ

محمد صادق بن محمد بن عبدالفتاح تنکابنی اصفہان میں مقیم، سابق الذکر ملا محمد سراب کے فرزند ہیں۔علامہ مجلسی سے اجازہ یافتہ ہیں۔شرح لمعہ پر حواشی غیر مدونہ لکھے ہیں۔

علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمیؒ

علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی ابوالحسن جو ابن بابویہ کے نام سے مشہور ہیں صدوق کے والد ہیں۔ قم کے عظیم ترین محدثین میں ہیں۔ اہل قم کے شیخ اور ان کے فقیہ تھے۔ عراق تشریف لائے تو ابوالقاسم حسین بن روح سے جو امام زمانہ کے تیسرے سفیر اور نواب اربعہ میں سے ہیں کچھ دینی مسائل پوچھے اور جب ان سے جدا ہوئے تو ایک خط لکھ کر علی بن جعفر بن اسود کو دیا اور ان کے ذریعہ آپ تک پہنچایا اور اس میں تحریر کیا کہ ان کا خط جس میں انہوں نے فرزند کے لیے دعا کی التماس کی تھی حضرت صاحب الامر عجل اللہ فرجہ، کے حضور میں پہنچادیں اور انہوں نے وہ پہنچا دیا اور تین دن کے بعد جواب آیا کہ ہم نے دعا کردی ہے اور اللہ تعالیٰ جلد ہی دو فرزند نیک سیرت عطا فرمائے گا۔

پس اللہ نے ان کو دو بیٹے عطا فرمائے ایک ابوجعفر جو صدوق ہیں اور دوسرے ابوعبداللہ حسین۔ صدوق ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں جناب صاحب الامر کی دعا کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہوں اور اس پر فخر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے پاس حضرت امام حسن عسکریؑ کے فرمان بھی پہنچتے رہتے تھے اور وہ ان میں آپ کو میرے شیخ اور میرے معتمد کے الفاظ سے تعریف فرماتے تھے۔ اور ان میں ان کے لئے دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ ایسی اولاد عطا کرے جو صلحاء میں سے ہو اور بعض کہتے ہیں کہ آپ نے دعا کی التماس حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے کی تھی ہوسکتا ہے کہ سب ہی کچھ ہوا ہو۔

آپ کی وفات ۳۲۹ھ میں واقع ہوئی اور اس سے تاریخ وفات "رحمہ اللہ" بنتی ہے اسی سال علی بن محمد سمری جو جناب صاحب الامر کے چوتھے نائب تھے نے بھی وفات پائی۔ اور کلینی کا سال وفات بھی یہی ہے اور اسی سال غیبت کبریٰ کا بھی آغاز ہوا۔ اور بعض ۳۲۸ھ کہتے ہیں۔

علی بن محمد سمری ایک دن بغداد میں بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ شیعہ حضرات ان کے اردگرد بیٹھے تھے۔ اچانک ان کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوا کہ اللہ علی بن حسین بن بابویہ پر رحمت نازل کرے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ وہ تو ابھی حیات ہیں۔ علی بن محمد نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے آج ہی انتقال فرمایا ہے۔ اہل مجلس نے یہ تاریخ نوٹ کرلی۔ کچھ مدت بعد قافلہ قم سے بغداد آئے اور انہوں نے بتایا کہ ابن بابویہ نے اسی دن وفات پائی تھی اور یہ سال زمین پر ستارے گرنے کا سال کہلاتا ہے۔ کیونکہ علماء زمین پر ستاروں کی مانند ہوتے ہیں اور اس سال کئی علماء نے وفات پائی اور بعض کہتے ہیں کہ اس سال کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اس سال لوگوں نے دیکھا کہ شہاب ثاقب کے تیز زمین پر برس رہے ہیں اور انہوں نے اس کی یہی تعبیر دی کہ علماء کی اموات واقع ہوں گی اور وہی ہوا بھی۔

آپ کا مدفن قم میں ہے اب اس پر مقبرہ بنا ہوا ہے۔ اور گنبد بھی موجود ہے۔ آپ کی تصنیفات۔

۱۔ کتاب توحید
۲۔ کتاب وضوء
۳۔ کتاب صلوٰۃ
۴۔ کتاب جنائز
۵۔ کتاب امامت وتبصراز حیرت
۶۔ کتاب املاء نوادر (نوادرات سے بھرپور کتاب)
۷۔ کتاب الاخوان
۸۔ کتاب النساء والولدان
۹۔ کتاب شرائع
۱۰۔ کتاب التفسیہ

۱۱۔ کتاب النکاح

۱۲۔ کتاب مناسک الحج

۱۳۔ کتاب قرب الاسناد

۱۴۔ کتاب التسلیم

۱۵۔ کتاب الطب

۱۶۔ کتاب المواریث

۱۷۔ کتاب معراج اور

۱۸۔ اپنے بیٹے کے نام خط رحمۃ اللہ

شیخ صدوق رہ

محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی خراسانی رازی جن کا لقب صدوق ہے اور کبھی اس لفظ کو ان کے لیے اور ان کے والد دونوں کے لیے ملا کر استعمال کرتے ہیں تو صدوقین کہتے ہیں اور آپ کی کنیت ابو جعفر ہے۔ شیخ نجاشی کتاب رجال میں کہتے ہیں کہ وہ ہمارے شیخ تھے، فقیہ تھے اور خراسان ورے کے شیعوں کے لیڈر رہے تھے وہ ۳۵۵ھ میں عین عالم شباب میں بغداد آئے اور شیوخ طائفہ نے ان سے احادیث سماعت کیں۔ شیخ طوسی کتاب فہرست میں کہتے ہیں کہ ابو جعفر بن بابویہ شیخ جلیل القدر، حافظِ احادیث، رجال کے حالات سے باخبر اور ناقل احادیث تھے۔ علمائے قم میں کثرت علم اور حفظ احادیث میں کوئی ان جیسا پیدا نہیں ہوا۔ آپ کی تقریباً تین سو تصانیف ہیں۔ ۳۸۱ھ میں شہر رے میں وفات پائی۔ مفید، والد نجاشی اور ابن غضاری آپ سے روایت کرتے ہیں اور اجازہ پائے ہوئے ہیں وہ ان چار مشہور کتابوں کے جن پر ساری شریعت کا دارومدار ہے کے لکھنے والوں میں سے ہیں اور آپ کا شمار محدثین ثلاث میں ہوتا ہے۔ آپ کی ولادت دعائے امامؑ سے ہوئی۔ اور آپ نے مکہ معظمہ میں امامؑ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کو امامؑ نے حکم دیا کہ ہماری غیبت کے بارے میں کتاب تصنیف کرو اور سن رسیدہ افراد کی عمریں اس میں لکھو تو آپ نے ایسی کتاب لکھی اور اس کا نام کمال الدین وتمام النعمۃ رکھا اور آپ کی کتابوں کے متعلق جو کچھ کتاب رجال نجاشی میں ذکر کیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ کتاب دعائم الاسلام معرفت حلال وحرام میں

۲۔ کتاب التوحید

۳۔ کتاب النبوۃ

۴۔ کتاب اثبات الوصیۃ لعلی علیہ السلام

۵۔ کتاب اثبات خلافۃ (علیؑ کی خلافت کا اثبات)

۶۔ کتاب اثبات النص علی الائمۃ

۷۔ کتاب المعرفۃ فی فضل النبی وامیر المومنین والحسن والحسین علیہم السلام

۸۔ کتاب مدینۃ العلم

۹۔ المقنع فی الفقہ

۱۰۔ کتاب العرض علی المجالس

۱۱۔ علل الشرائع (اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۱۲۔ ثواب الاعمال (اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۱۳۔ عقاب الاعمال (اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۱۴۔ الاوائل

۱۵۔ الاواخر

۱۶۔ کتاب المناہی

۱۷۔ کتاب الفرق

۱۸۔ کتاب خلق الانسان

۱۹۔ رسالۃ الادلہ فی الغیبۃ (غیبت کے دلائل کے بارے میں رسالہ)

۲۰۔ کتاب الرسالۃ الثانیہ

۲۱۔ کتاب الرسالۃ الثالثہ

۲۲۔ کتاب الرسالۃ فی ارکان اسلام

۲۳۔ کتاب المیاہ

۲۴۔ کتاب السواک

۲۵۔ کتاب الوضوء

۲۶۔ کتاب التیمم

۲۷۔ کتاب الاغسال

۲۸۔ کتاب الحیض والنفاس

۲۹۔ کتاب نوادر

۳۰۔ کتاب فضائل الصلوٰۃ

۳۱۔ کتاب فرائض الصلوٰۃ

۳۲۔ کتاب فضل المسجد

۳۳۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ (اوقات نماز)

۳۴۔ کتاب فقہ الصلوٰۃ

۳۵۔ کتاب الجمعۃ والجماعۃ

۳۶۔ کتاب السہو

۳۷۔ کتاب الصلوٰۃ سوی الخمس

۳۸۔ کتاب نوادر الصلوٰۃ

۳۹۔ کتاب الزکوۃ
۴۰۔ کتاب الخمس
۴۱۔ کتاب حق الجداد
۴۲۔ کتاب الجزیہ
۴۳۔ کتاب فضل المعروف (نیکیوں کی فضیلت)
۴۴۔ کتاب فضل الصدقہ (صدقہ کی فضیلت)
۴۵۔ کتاب فضل الصوم (روزہ کی فضیلت)
۴۶۔ کتاب الفطر
۴۷۔ کتاب الاعتکاف
۴۸۔ کتاب جامع الحج
۴۹۔ کتاب جامع علل الحج
۵۰۔ جامع تفسیر المنزل فی الحج
۵۱۔ کتاب جامع حج الانبیاء علیہم السلام
۵۲۔ کتاب جامع حج الائمہ علیہم السلام
۵۳۔ کتاب جامع فضل الکعبہ والحرم
۵۴۔ کتاب جامع آداب المسافر للحج
۵۵۔ کتاب جامع فرض الحج والعمرہ
۵۶۔ کتاب جامع فقہ الحج
۵۷۔ کتاب الموقف
۵۸۔ کتاب القربان
۵۹۔ کتاب المدینہ وزیارت قبر النبی والائمہ علیہم السلام
۶۰۔ کتب جامع نوادر الحج
۶۱۔ کتاب زیارات قبور الائمہ علیہم السلام
۶۲۔ کتاب النکاح
۶۳۔ کتاب الوصایا
۶۴۔ کتاب الوقف
۶۵۔ کتاب الصدقہ
۶۶۔ کتاب النحل والھبہ
۶۷۔ کتاب السکنی والعمری

۶۸۔ کتاب الحدود

۶۹۔ کتاب الدیات

۷۰۔ کتاب المایش والمکاسب

۷۱۔ کتاب التجارات

۷۲۔ کتاب العتق والتدبیر والمکاتبہ

۷۳۔ کتاب القضاء والاحکام

۷۴۔ کتاب الملقآء والسلام

۷۵۔ کتاب صفات الشیعہ

۷۶۔ کتاب اللعان

۷۷۔ کتاب الاستسقاء

۷۸۔ کتاب زیارت موسیٰؑ ومحمدؐ

۷۹۔ کتاب جامع زیارات الرضاؑ

۸۰۔ کتاب تحریم الفقاع

۸۱۔ کتاب الجمعہ

۸۲۔ کتاب الرجعۃ

۸۳۔ کتاب الشعر

۸۴۔ کتاب معانی الاخبار (اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۸۵۔ کتاب السلطان

۸۶۔ کتاب مصادقۃ الاخوان

۸۷۔ کتاب فضائل جعفر الطیار

۸۸۔ کتاب فضائل العلوم

۸۹۔ کتاب الملاھی (کھیل کود کے احکامات کے متعلق)

۹۰۔ کتاب السنہ

۹۱۔ کتاب فی عبد المطلبؑ وعبداللہؑ وابی طالبؑ

۹۲۔ کتاب فی زید بن علیؑ

۹۳۔ کتاب الفواید

۹۴۔ کتب الابانہ

۹۵۔ کتاب الھدایۃ

۹۶۔ کتاب الصیانۃ

۹۷۔ کتاب التاریخ

۹۸۔ کتاب علامات آخر الزمانؑ

۹۹۔ کتاب فضل الحسن والحسین علیہما السلام

۱۰۰۔ کتاب رسالہ فی شہر رمضان جواب رسالۃ وردت فی شہر رمضان

۱۰۱۔ کتاب المصابیح

پہلی مصباح، نبیؐ کے مردوں کے بارے میں ارشادات

دوسری مصباح نبی کے عورتوں کے بارے میں ارشادات

تیسری مصباح امیر المومنینؑ کے ارشادات وحالات

چوتھی مصباح جناب فاطمہؑ کے ارشادات وحالات

پانچویں مصباح ابی محمد حسنؑ بن علیؑ کے ارشادات وحالات

چھٹی مصباح ابی عبداللہ الحسینؑ بن علیؑ کے ارشادات وحالات

ساتویں مصباح علیؑ ابن الحسینؑ کے ارشادات وحالات

آٹھویں مصباح ابی جعفر محمدؑ بن علیؑ کے ارشادات وحالات

نویں مصباح ابی عبداللہ جعفرؑ بن محمدؑ الصادق کے ارشادات وحالات

دسویں مصباح موسیٰؑ ابن جعفرؑ کے ارشادات وحالات

گیارہویں مصباح ابی الحسن الرضاؑ کے ارشادات وحالات

بارہویں مصباح ابی جعفر ثانیؑ کے ارشادات وحالات

تیرہویں مصباح ابی الحسن علیؑ بن محمدؑ کے ارشادات وحالات

چودہویں مصباح ابی محمد الحسنؑ بن علیؑ کے ارشادات وحالات

پندرہویں مصباح ان افراد کے بارے میں جن کے لئے توقیعات جاری کی گئیں۔

۱۰۲۔ کتاب المواعظ

۱۰۳۔ کتاب الرجال المختارین من اصحاب النبیؐ (نبیؐ کے منتخب اصحاب)

۱۰۴۔ کتاب الزھد

۱۰۵۔ کتاب زہد النبیؐ

۱۰۶۔ کتاب زہد امیر المومنینؑ

۱۰۷۔ کتاب زہد الحسنؑ

۱۰۸۔ کتاب زہد الحسینؑ

۱۰۹۔ کتاب زہد علیؑ بن الحسینؑ

۱۱۰۔ کتاب زہد ابی جعفرؑ

۱۱۱۔ کتاب زہد الصادق

۱۱۲۔ کتاب زہد ابی ابراہیمؑ

۱۱۳۔ کتاب زہد الرضاؑ

۱۱۴۔ کتاب زہد ابی جعفر الثانی

۱۱۵۔ کتاب زہد ابی الحسین بن علیؑ بن محمدؐ

۱۱۶۔ کتاب زہد ابی محمد الحسنؑ بن علیؑ

۱۱۷۔ کتاب اوصاف النبیؐ

۱۱۸۔ کتاب دلائل الائمہ ومعجزاتھم

۱۱۹۔ کتاب الروضۃ

۱۲۰۔ کتاب نوادر الفضائل

۱۲۱۔ کتاب المحافل

۱۲۲۔ کتاب امتحان المجالس

۱۲۳۔ کتاب غریب النبیؐ وامیر المومنینؑ

۱۲۴۔ کتاب الخصال (اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۱۲۵۔ کتاب مختصر تفسیر القران

۱۲۶۔ اخبار سلمانؓ وزہدہ وفضائلہ

۱۲۷۔ کتاب ابی ذرؓ وفضائلہ

۱۲۸۔ کتاب حذو النعل بالنعل

۱۲۹۔ کتاب التقیہ

۱۳۰۔ کتاب نوادر الطب (بیش قیمت طبی مسائل)

۱۳۱۔ کتاب جوابات المسائل الواردۃ علیہ من واسط (واسط سے آنے والے مسائل کے جوابات)

۱۳۲۔ کتاب الطرائف (عمدہ اور نادر باتوں پر مشتمل کتاب)

۱۳۳۔ کتاب جوابات المسائل الواردۃ علیہ من قزوین

۱۳۴۔ کتاب جوابات المسائل الواردۃ من البصرۃ

۱۳۵۔ کتاب جوابات المسائل الواردۃ من الکوفہ

۱۳۶۔ کتاب جوابات المسائل وردت علیہ من المدائن فی الطلاق (مدائن سے طلاق کے بارے میں جو مسائل آئے ان کے جوابات)

۱۳۷۔ کتاب العلل غیر مبوب

۱۳۸۔ کتاب جن اصحاب حدیث سے ملاقات ہوئی ان کا ذکر اور ان کی بیان کی ہوئی احادیث

۱۳۹۔ اس شخص کے ساتھ پہلی نشست کا ذکر جو رکن الدولہ کے سامنے آپ کے مقابلہ پر آیا۔

۱۴۰۔ اس شخص کے ساتھ دوسری نشست کا ذکر
۱۴۱۔ اس کے ساتھ تیسری نشست کا ذکر
۱۴۲۔ چوتھی نشست کا ذکر
۱۴۳۔ پانچویں نشست کا ذکر
۱۴۴۔ ذکر الحذاء والخف (مقابلہ اور خفیف ہونے کا ذکر)
۱۴۵۔ کتاب الخاتم
۱۴۶۔ کتاب علل وضوء
۱۴۷۔ کتاب الشوریٰ
۱۴۸۔ کتاب اللباس
۱۴۹۔ کتاب فضل العلم (علم کی فضیلت میں کتاب)
۱۵۰۔ کتاب المسائل
۱۵۱۔ کتاب الخطاب
۱۵۲۔ کتاب السوالات
۱۵۳۔ کتاب مسائل الوضوء
۱۵۴۔ کتاب مسائل الصلوٰۃ
۱۵۵۔ کتاب مسائل الزکوٰۃ
۱۵۶۔ کتاب مسائل الخمس
۱۵۷۔ کتاب مسائل الوصایا
۱۵۸۔ کتاب مسائل المواریث
۱۵۹۔ کتاب مسائل الوقف
۱۶۰۔ کتاب مسائل النکاح (اس کی تیرہ جلدیں ہیں)
۱۶۱۔ کتاب مسائل الحج
۱۶۲۔ کتاب مسائل العقیقہ
۱۶۳۔ کتاب مسائل الرضاع (دودھ پلانے کے مسائل)
۱۶۴۔ کتاب مسائل الطلاق
۱۶۵۔ کتاب مسائل الدیات
۱۶۶۔ کتاب مسائل الحدود
۱۶۷۔ کتاب ابطال الغلو والتقصیر
۱۶۸۔ کتاب سر المکتوم الی الوقت المعلوم (وقت معلوم تک کے لئے پوشیدہ راز)

۱۶۹۔ کتاب مختار بن ابی عبیدہ

۱۷۰۔ کتاب الناسخ والمنسوخ

۱۷۱۔ کتاب مسلہ نیشاپوری

۱۷۲۔ کتاب ماہ رمضان کے بارے میں ابی محمد الفارسی کو خط

۱۷۳۔ کتاب ماہِ رمضان کے مطلب کے بارے میں ایک دوسرا خط جو بغداد بھیجا گیا

۱۷۴۔ کتاب ابطال الاختیار واثبات نص

۱۷۵۔ کتاب المعرفہ بالرجال البرقی

۱۷۶۔ کتاب مولد امیر المومنینؑ

۱۷۷۔ کتاب مصباح المصلی

۱۷۸۔ کتاب مولدِ فاطمہ علیہا السلام

۱۷۹۔ کتاب الجمل (جنگ جمل سے متعلق)

۱۸۰۔ کتاب تفسیر القران

۱۸۱۔ کتاب جامع الکبیر

۱۸۲۔ کتاب اخبار عبد العظیم بن عبد اللہ الحسنی

۱۸۳۔ کتاب تفسیر قصیدہ فی اہل بیت علیہم السلام

۱۸۴۔ کتب مدینۃ العلم

۱۸۵۔ کتاب الامالی

۱۸۶۔ کتاب الاعتقادات

۱۸۷۔ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ (اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

یہ کتاب کتب اربعہ میں سے ہے اس کی چار جلدیں اور ۶۶۰۔ ابواب ہیں
جلد اول ۸۷۔ ابواب پر مشتمل ہے جلد دوم ۲۰۸۔ ابواب پر مشتمل ہے
جلد سوم ۷۸۔ ابواب پر مشتمل ہے اور جلد چہارم ۷۳۔ ابواب پر مشتمل ہے
جلد اول میں ۱۶۱۸۔ احادیث ہیں جلد دوم میں ۶۷۰۔ احادیث ہیں
جلد سوم میں ۱۳۰۵۔ احادیث ہیں اور جلد چہارم میں ۹۰۳۔ احادیث ہیں
جلد اول میں مسانید ۷۷۷۔ احادیث اور مراسیل ۸۴۱۔ احادیث ہیں
جلد دوم میں مسانید ۱۰۶۴۔ احادیث اور مراسیل ۵۷۳۔ احادیث ہیں
جلد سوم میں مسانید ۱۲۹۵۔ احادیث اور مراسیل ۵۱۰۔ احادیث ہیں
جلد چہارم میں مسانید ۷۷۷۔ احادیث اور مراسیل ۱۲۶۔ احادیث ہیں
اس طرح مسندہ احادیث ۳۹۱۳۔ اور مرسل احادیث ۲۰۵۰۔ احادیث ہوئیں۔

یہ بات بھی چھپی نہ رہے جس کا پہلے ذکر ہوا ہے کہ بعض کو صدوق کے ثقہ ہونے میں تامل ہے اور یہ بات حد درجہ باطل ہے اور اس کی وجہ بیان ہو چکی ہے۔

شیخ صدوق کا مخالفین کے ساتھ رکن الدولہ کے دربار میں مناظرہ ہوا تھا جس کو شیخ جعفر دوربستی نے ایک رسالہ میں لکھا ہے ہم نے اس کا اپنی کتاب "تذکرۃ العلماء" اور "منظومہ اقامہ" کی شرح فارسی میں کیا ہے۔اس مقام پر بھی اس کا مختصر ذکر کیے دیتے ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رکن الدولہ ابوعلی حسن بن بویہ نے جب صدوق کے کمالات کا شہرہ سنا تو ان سے ملاقات کا متمنی ہوا۔ جب صدوق دربار میں تشریف لائے تو سارا دربار علمائے مخالفین سے بھرا ہوا تھا۔ بادشاہ نے صدوق کا بڑا اعزاز واکرام کیا اور اپنے پہلو میں جگہ دی۔ رسمی سلام ودعا اور اظہار نیاز مندی کے بعد صدوق سے عرض کیا کہ اس دربار میں جو علماء بیٹھے ہیں وہ شیعہ لوگوں سے اختلاف رکھتے ہیں جو ان باتوں سے متعلق ہیں کہ جن میں شیعہ ان پر معترض ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اعتراضات درست ہیں لیکن بعض نہ صرف یہ کہ درست نہیں مانتے بلکہ جائز بھی نہیں سمجھتے۔ اسی سلسلہ میں آپ کا نکتہ نظر کیا ہے۔ صدوق نے ارشاد فرمایا کہ اے بادشاہ آپ یہ سمجھیں کہ خدا نے اپنے بندوں سے اس وقت تک اقرار ربوبیت نہیں لیا جب تک وہ سارے معبودوں کا لاالہ کہہ کر انکار نہ کر دیں اور اپنی معبودیت کا اقرار الا اللہ کہہ کر کریں اور اسی طرح اپنے رسول محمد کی رسالت کے اقرار کو قبول نہ کیا مگر یہ کہ سب جھوٹے دعویداران رسالت کی نفی نہ کر دیں جیسے شجاع ومسیلمہ کذاب واسود عیسیٰ وغیرہ۔ اسی طرح علیؑ کی امامت کے قول کو قبول نہیں کرے گا جب تک ان کے علاوہ جنہوں نے یہ دعویٰ کیا ان کی نفی نہ کر دیں۔ رکن الدولہ نے کہا یہ بات تو بہت اچھی ہے لیکن آپ کوئی واضح دلیل دوسرے خلفاء کے ناحق ہونے اور امیر المومنینؑ کے برحق ہونے کی دیں۔

شیخ صدوق نے کہا کہ سورہ برأت کے پہنچانے کے متعلق علماء کا اجماع ہے اور اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابوبکر اسلام سے خارج اور پیغمبر سے الگ تھے۔ اور اس سے امیر المومنینؑ کی ولایت کے آسمان سے نازل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

سلطان نے کہا: اس حدیث سے کیا دلیل ملتی ہے؟ صدوق نے فرمایا کہ ہمارے اور سنیوں کے راویوں نے روایت کی ہے کہ جب سورہ برأت نازل ہوئی پیغمبرؐ نے ابوبکر کو بلایا اور سورہ ان کے سپرد کر دیا کہ یہ سورہ مکہ میں موسم حج میں میری جانب سے تلاوت کر دینا۔ ابھی ابوبکرؓ نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ جبرئیلؑ نازل ہو گئے اور عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ اس سورہ کو یا آپ پہنچائیں یا وہ شخص جو آپ سے ہو تو پیغمبر نے علیؑ کو بلوایا اور فرمایا کہ تم راستہ میں ہی سورہ ابوبکرؓ سے لے لو اور مکہ پہنچا دو۔ پس امیر المومنینؑ نے فرمودہ رسولؐ پر عمل فرمایا اور ابوبکرؓ واپس آ گئے تو اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے ابوبکرؓ کی معزولی اور امیر المومنینؑ کی ولایت کا حکم آسمان سے نازل ہوا۔ بعد میں لوگوں نے اس کو اپنا متولی بنا لیا جس کو خدا معزول کر چکا تھا اور اسی کو معزول کر دیا جس کو خدا نے ولی قرار دیا تھا۔ اور مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیا۔ اور خدا کے حکم کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھی۔ تو اس حدیث سے پتہ چلا کہ ابوبکر پیغمبرؐ سے نہیں تھے لہٰذا تابع پیغمبر بھی نہیں تھے کیونکہ فرمایا: فمن تبعني فانه مني (جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا) اب جب تابع پیغمبر نہیں تھے تو خدا کے دوست بھی نہیں تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعوني یحببکم اللہ ویغفرلکم (سورہ آل عمران آیت ۳۱) (اے رسول کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور بخش دے گا) اب جب خدا کے محب اور دوست نہیں ہیں تو پھر دشمنِ پیغمبرؐ ہیں اور پیغمبر کی دوستی ایمان ہوتی ہے اور آپ کی دشمنی کفر ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کے تو دوست ہوں اور پیغمبرؐ کے دشمن اور اسی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ علیؑ پیغمبرؐ سے تھے جیسا کہ مخالفین بھی روایت کرتے ہیں۔

اور اس آیت کی تفسیر میں افمن کان علی بینة من ربه ویتلوه شاهد منه (سورہ ہود آیت ۱۷) اور جو بینہ پر ہے خدا کی طرف سے وہ رسول خدا ہیں اور شاہد امیر المومنینؑ ہیں۔ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے کہ جنگ احد میں جبرئیلؑ نے علیؑ کو دیکھا کہ پیغمبرؐ کے سامنے جہاد کر رہے ہیں تو جبرئیلؑ نے عرض کی کہ اے محمدؐ یہ مواسات ہے جو علیؑ کر رہے ہیں تو رسولؐ نے فرمایا: اے جبرئیلؑ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ جبرئیلؑ نے عرض کی کہ میں آپ دونوں

سے ہوں۔تو جس کو خدائے تعالیٰ موسم حج میں ایک آیت کی تلاوت کا امین نہ سمجھے تو بھلا کیسے جائز ہوگا کہ وہ تمام دین خدا کو بعد وفات پیغمبرؐ ادا کر سکے۔ جبکہ خدانے تو سات آسمانوں کے اوپر سے وحی بھیج کر اس کو معزول کیا ہو اور وہ کیوں مظلوم نہ ہو کہ جس کو موخر کر دیا گیا جبکہ اس کی ولایت کا حکم آسمان سے نازل ہوا تھا۔ بادشاہ نے کہا یہ بات تو بالکل واضح اور عیاں ہے۔

اس کے بعد اہل دربار میں سے ایک ابوالقاسم نامی آدمی نے بادشاہ سے اجات چاہی کہ وہ شیخ سے مکالمہ کرے۔ جب اجازت مل گئی تو اس شخص نے کہا کہ امت گمراہی پر کیسے اکٹھی ہوسکتی ہے جبکہ پیغمبرؐ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ **لایجتمع امتی علی الضلالة** (میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی)۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو پھر امت کے معنی سمجھنے چاہئیں امت کا لفظ لغت عرب میں جماعت کے لیے بولا جاتا ہے اور ان کی تعداد کم از کم تین ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک بھی ہوسکتا ہے۔ اور اللہ ارشاد فرماتا ہے: **ان ابراھیم کان امة قانتاً للّٰہ حنیفا** (سورہ نحل آیت ۱۲۰) اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک فرد کے لیے امت کا لفظ استعمال کیا ہے اور ہم اس حدیث کے صحیح ہونے سے انکار نہیں کرتے کہ اس میں ان لوگوں کے متعلق کہا گیا ہوگا کہ جو حضور کی متابعت کرتے ہیں۔ اور خدانے تو ایک امت کے لیے کئی امت کا لفظ استعمال کیا اور فرمایا **وقطعنا ھم فی الارض امما** (سورہ اعراف آیت ۱۶۸) (اور ہم نے ان کے گروہ کے گروہ زمین میں متفرق کر دیئے) اور فرمایا: **قطعنا ھم اثنتی عشرہ اسباطاامماً** (سورہ اعراف آیت ۶۰) (ہم نے ان کو بارہ گھرانوں میں گروہ گروہ کر کے تقسیم کر دیا) اور یہ بھی فرمایا: **وممن خلقنا امة یھدون بالحق وبه یعدلون** (سورہ اعراف آیت ۱۸۱) (ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی ہدایت کرتا ہے اور اسی کے مطابق انصاف کیا کرتا ہے) اور جس امت کا خدانے ذکر کیا اس کا ارادہ اس قول میں کیا گیا ہے: **لایجتمع امتی علی الضلالة**۔ سلطان نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وفات پیغمبرؐ کے فوراً بعد اتنی کثیر تعداد مرتد ہوگئی۔ صدوق نے کہا: کیونکر ممکن نہیں ہوسکتا جبکہ خدائے تعالیٰ فرمارہا ہے **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل فان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم** (سورہ آل عمران آیت ۱۴۴) (محمدؐ سوائے رسول کے کچھ نہیں ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں۔ اگر وہ انتقال کر جائے یا قتل ہو جائے تو کیا تم پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے) اور کیا امت پیغمبرؐ کا ارتداد قوم موسیٰ کے ارتداد سے قریب تر نہیں ہے جبکہ وہ طور پر گئے اور کہا کہ اے ہارون تم میرے جانشین بنو اور قوم سے وعدہ کیا کہ تیس ۳۰ راتوں کے بعد وہ واپس آجائیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کا اضافہ کر دیا تو بنی اسرائیل نے ہارون کو کمزور سمجھا اور گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ موسیٰ واپس آئے تو ہارونؑ پر ناراض ہوئے۔ غرض تمام واقعات رونما ہوئے تو جیسے قوم موسیٰ مرتد ہوئی اسی طرح ممکن ہے کہ قوم پیغمبر بھی مرتد ہوگئی ہوگی۔ جبکہ یہ احتمال تھا کہ موسیٰ واپس آسکتے ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ مرے نہ ہوں۔ جبکہ ہمارے پیغمبرؐ کے ساتھ اتنا احتمال بھی نہ تھا۔ اور علیؑ ان مرتدین سے جنگ کرنے سے ایسے ہی معذور تھے جیسے ہارونؑ معذور تھے۔ سلطان نے کہا اے شیخ بزرگوار میں نے اس سے زیادہ حاضر خوبصورت کلام کبھی نہیں سنا۔

صدوق نے فرمایا: اے امیر ابوبکرؓ کی امامت کے قائل یہ گمان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا اور امت نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا تو اگر خلیفہ قرار نہ دینا صحیح ہے تو امت نے غلط کیا اور اگر خلیفہ قرار دینا صحیح ہے تو پیغمبر نے غلطی کی۔ اب آپ بتائیے کہ خطا کی نسبت امت سے دینا سزاوار ہے یا نہیں؟ امیر نے کہا: امت اس بات کی زیادہ سزاوار ہے کہ اس سے خطا کی نسبت دی جائے۔ پھر صدوق نے کہا کہ پیغمبرؐ کے لیے یہ کیسے روا ہے کہ دنیا سے جائے اور خلیفہ کا تعین نہ کرے حالانکہ اگر ایک کاریگر دیہات میں بھی مرے اور اس کا پھاوڑا یا تیشہ ہو تو اس تک کے لیے کسی نہ کسی کو وصی مقرر کرتا ہے۔ امیر نے کہا: بات تو شیخ کی صحیح ہے۔

شیخ صدوق نے کہا کہ ان لوگوں کا گمان ہے کہ پیغمبرؐ نے خلیفہ کا تعین نہیں کیا اور انہوں نے آپ کی مخالفت کر کے خلیفہ معین کر لیا اور ابوبکرؓ نے بھی مخالفت کی اور عمرؓ کو خلیفہ قرار دیا اور عمرؓ نے خلیفہ نہ بنا کر نہ تو پیغمبر کا اتباع کیا اور نہ خلیفہ بن کر ابوبکرؓ کی متابعت کی بلکہ مجلس شوریٰ قرار دیدی۔

امیر نے کہا یہ بات تو خوب آشکار اور واضح ہوگئی اب میرے لیے اس بات کو واضح کریں کہ پیغمبرؐ کے مرض موت کے وقت سنی کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ

نے پیش نمازی کی تھی۔ صدوق نے فرمایا کہ سنیوں کا یہ گمان ہے کہ پیغمبرؐ نے ابوبکرؓ کو مقدم کیا تھا لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے وہ خود اس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے عائشہؓ سے کہا کہ اپنے باپ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور جب ابوبکرؓ نماز پڑھانے گئے تو پیغمبرؐ ایک ہاتھ علیؑ پر اور دوسرا ہاتھ عباسؓ پر سہارے کے لیے رکھے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے اور ابوبکرؓ کو ان کی جگہ سے ہٹا کر لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ابوبکرؓ ان سے پیچھے اور لوگ ابوبکرؓ کے پیچھے تھے اور بعض یہ روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے حفصہؓ سے کہا کہ اپنے باپ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ سقیفہ میں مہاجرین اور انصار نے اس حدیث کو حجت نہیں بنایا اور اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی اس سے ابوبکرؓ کی امامت لازم نہیں ہو جاتی کیونکہ اگر نماز میں پیش نمازی سے ہی امامت ثابت ہوتی ہے تو پھر امامت کا زیادہ حقدار عبدالرحمٰن بن عوف ہو جائے گا کیونکہ سنیوں ہی کی روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے اس کی اقتداء کی تھی۔ اور سنیوں کو اس حدیث میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے جس طرح کہ انہوں نے امامت ابوبکرؓ میں اختلاف کیا ہے۔ نیز ہمارے لیے یہ کیسے ضروری ہو گیا کہ ہم عائشہؓ اور حفصہؓ کی حدیث کو تو قبول کریں جبکہ اس روایت میں وہ اپنی ذات اور اپنے اپنے باپ کے لیے فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں اور یہ لوگ فدک کے معاملہ میں قول فاطمہؑ کو کیوں نہ قبول کریں جبکہ پیغمبرؐ نے فدک ان کو بخش دیا تھا اور چند سال تک جناب فاطمہؑ کے ہاتھ میں رہا بھی تھا جب تک ان کے والد بزرگوار زندہ تھے۔ اور فاطمہؑ تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہیں اور اس معاملہ میں علیؑ، حسنینؑ اور ام ایمنؓ نے گواہی بھی دی اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ علیؑ کی شہادت قابل قبول نہیں ہے کیونکہ وہ اپنا فائدہ چاہتے ہیں تو پھر عائشہؓ اور حفصہؓ کی حدیث کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ ان کی بات کو تو دس درہم بلکہ اس سے کم کے لیے بھی نہیں مانتے (یہاں تک کہ لوگ اس پر جم نہ جائیں) امیر نے کہا: ان کی یہ بات محض بکواس ہے لیکن تم بارہ اماموں کے کیسے قائل ہو جبکہ خدا نے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے اور تم کہتے ہو کہ امام بارہ سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتے۔ صدوق نے کہا: امامت اللہ تعالیٰ کی جانب سے فریضہ ہے اور خدا نے کوئی فریضہ عدد کے بغیر مقرر نہیں کیا۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ شب و روز میں صرف سترہ رکعت نماز فرض کی ہے اور زکوٰۃ کی مقدار مالی اصناف پر جو طے شدہ ہیں اور وہ ہم شیعوں میں نہیں ہوتی اور غیر شیعوں میں بہت ہوتی ہے۔ اسی طرح روزے اور حج کے ایام معین ہیں۔ اسی طرح امام کی تعداد بھی معین ہونی چاہیئے جس طرح ہم نہیں کہہ سکتے کہ نماز سترہ رکعت کیوں ہے۔

امیر نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے فرائض اور ان کی تعداد کو قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ صدوق نے کہا: بلکہ پیغمبرؐ نے اپنی سنت میں تو ان کے اعداد بیان کیے ہیں اور یہ تعین پیغمبرؐ امر خدا سے کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے: **وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم** (سورۂ نحل آیت ۴۴) (ہم نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا ہے اسے تم لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرو) اللہ تعالیٰ نے **اقم الصلوٰة** فرمایا، پیغمبرؐ نے تفصیل بیان کی۔ اور اس نے **خذمن اموالهم صدقة** فرمایا پیغمبرؐ نے اس کا تعین کر دیا اور اس نے **ولله علی الناس حج البیت** فرمایا: پیغمبرؐ نے مناسک بیان فرمائے۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ نے کہا: **اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** پیغمبرؐ نے ان کی تعداد مقرر فرما دی کہ بارہ ہوں گے۔ امیر نے کہا کہ اس تعداد میں تو سنی بھی آپ کی موافقت نہیں کرتے ہیں۔ صدوق نے کہا: مخالفین کی مخالفت سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ورنہ ہمارے پیغمبرؐ کی نبوت بھی باطل ہو جائے گی کیونکہ یہود و نصاریٰ ان کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے۔ دنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس میں مخالفت نہیں ہو۔ امیر نے کہا: یہ تو ٹھیک ہے لیکن اب آپ مجھے اپنے امام صاحب الزمانؑ کے متعلق بتائیں کہ وہ کب تشریف لائیں گے؟ صدوق نے فرمایا کہ خدا نے صاحب الزمان کو کسی خاص مصلحت سے غائب کر دیا ہے لہٰذا آپ کے ظہور کا وقت بھی خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میرے فرزندوں میں قائم کی مثال قیامت کی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بارے میں فرمایا: **قل علمها عند ربی** (اے رسول کہہ دیجئے کہ اس کا علم صرف خدا ہی کو ہے) امیر نے کہا: یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اتنی طویل عمر پائیں۔ صدوق نے کہا: اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ کیا بہت زیادہ عمر رسیدہ لوگوں کی عمر کے متعلق آپ نے نہیں سنا؟ امیر نے کہا: سنا ہے لیکن وہ باتیں صحیح نہیں ہیں۔ صدوق نے فرمایا: خدا نے جو فرمایا وہ تو صحیح ہے کہ وہ کہتا ہے کہ نوح ۵۰ سال کم ۱۰۰۰ سال کے لیے مبعوث ہوئے۔ امیر نے کہا: یہ درست ہے لیکن زمانہ کسی کے لیے اتنی طویل عمر کو برداشت نہیں کرتا۔ صدوق نے کہا: اگر خدا کسی کے لیے زمانہ کو متحمل کر دے تو ہو جاتا ہے۔ اور پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جو کچھ پہلی امتوں میں گزر رہا ہے

میری امت میں بھی وہی ہوگا اور چونکہ زمانہ اس قدر طویل عمر کا متحمل نہیں ہوتا لہٰذا اتنی عمر انسانوں میں سے بہترین قسم کے لیے ہونی چاہئے اور وہی ہستی صاحب الزمانؑ کی ہے۔ اور یہ سنت ان میں باقی ہے۔ امیر نے کہا کہ غیبت کے باوجود آپؑ کے وجود میں مصلحت کیا ہے۔ صدوق نے کہا کہ آپ کا وجود بقائے زمین وآسمان کے لیے ضروری ہے ورنہ آسمان سے ایک قطرہ پانی نازل نہیں ہوگا۔ اور زمین سے برکتیں ظاہر نہ ہوں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم (سورہ انفال آیت ۳۳) (جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں خدا ان پر عذاب نہیں کرے گا) تو جب اس نے وجود پیغمبرؐ کی وجہ سے لوگوں پر عذاب نہیں کیا تو اسی طرح امام کے وجود کی وجہ سے عذاب نہیں کرتا کیونکہ امام پیغمبرؐ کے جانشین ہیں ماسوا اس کے کہ ان پر وحی نہیں ہوتی۔ اور ہمارے اور سنیوں کے راویوں نے روایت کی ہے کہ ستارے اہل آسمان کے لیے باعث امان ہیں اگر ستارے نہ ہوں تو اہل آسمان پر وہ آفتیں آئیں کہ جن کو وہ ناپسند کرتے ہوں۔ اسی طرح میرے اہلبیتؑ امان ہیں اہل زمین کے لیے اگر وہ نہ ہوں تو زمین پر ایسی بلائیں نازل ہوں کہ جو لوگوں کے لیے انتہائی ناپسندیدہ ہوں نیز ارشاد پیغمبرؐ ہے کہ اگر زمین پر حجت کا وجود نہ ہو تو زمین تمام مخلوقات کو نگل لے گی یا اس کو ایسا زلزلہ آئے گا جیسے دریا موجیں مارتا ہے۔ بعض روایات میں **لساخت الارض باھلھا** ہے اور بعض میں **لماجت باھلھا کمایموج البحر باھلہ** ہے۔ امیر نے کہا: کیسی پیاری بات ہے۔ اور حاضرین دربار سے کہا: یہی بات حق ہے اور اس کے علاوہ جو فرقہ ہے وہ باطل پر ہے۔ پھر شیخ سے استدعاء کی کہ وہ امیر سے اور زیادہ قریب ہو جائیں۔

دوسرا دن ہوا تو امیر نے صدوق کا ذکر چھیڑا اور ان کی تعریف کرنے لگا۔ حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ شیخ کا تو یہ بھی خیال ہے کہ جب سر امام حسینؑ کو نیزہ پر چڑھایا گیا تو وہ سر سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ امیر نے کہا: میں نے شیخ سے ایسی کوئی بات نہیں سنی لیکن اب میں ان سے اس کے متعلق پوچھتا ہوں۔ چنانچہ اس نے صدوق کو خط لکھا تو صدوق نے جواب لکھا کہ یہ خبر اس سے روایت کی گئی ہے جس نے سر مطہر امامؑ سے سورہ کہف کی تلاوت کو سنا تھا۔ یہ کسی امامؑ کی روایت نہیں ہے اور میں اس کا انکار نہیں کرتا بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ بات ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں یہ اطلاع دی ہے کہ قیامت کے دن ہمارے ہاتھ پاؤں ہمارے بارے میں گفتگو کریں گے اور اپنے کاموں کی گواہی دیں گے جو انہوں نے انجام دیئے تھے تو جب خدا ایک گناہگار کے ہاتھ پاؤں میں قدرت تکلم پیدا کر سکتا ہے تو اس کو یہ بھی قدرت حاصل ہے کہ سر امام حسینؑ کو دنیا میں ہی گویا کر دے کیونکہ آپؑ جانشین پیغمبر بھی ہیں اور جنت کے دو سرداروں میں سے ایک ہیں اور دنیا کی عورتوں کی سردار کے فرزند ہیں۔ اور ان کے والد گرامی سید وصیین وامیر المومنین ہیں۔ چنانچہ حسین کے بارے میں اس چیز کا انکار نہیں کرنا چاہئے اور یہ خدا کی قدرت سے دور بات نہیں ہے بلکہ حیرت انگیز مرحلہ تو وہ ہے کہ آپ پر ملائکہ روئے، آسمان نے آپ کی شہادت پر خون برسایا اور جنوں نے آپ پر نوحہ کیا۔ جو ان کا منکر ہوگا وہ شریعت ومعجزات پیغمبرؐ کا منکر ہے کیونکہ سب ہی نے ان کی روایت کی ہے۔ یہ اس خط کا خلاصہ تھا۔

صدوق کے عجیب وغریب فتووں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس عمامہ ہو تو اس کے لیے تحت الحنک کے بغیر نماز جائز نہیں نیز وہ نماز مغرب کا اول وقت سورج کی ٹکیہ کے چھپنے کے وقت کو قرار دیتے ہیں۔ کتاب ''مبسوط'' میں شیخ طوسی نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

صدوق نماز پنجگانہ میں قنوت کو واجب سمجھتے ہیں او اس کے ترک کرنے سے نماز کو باطل سمجھتے ہیں۔ ابن ابی عقیل نماز جہریہ میں قنوت کو واجب سمجھتے ہیں۔ صدوق کا ایک فتویٰ یہ بھی ہے کہ صلوٰت (درود) کو تشہد کا جزء نہیں سمجھتے اور اپنی کتاب ''من لایحضرہ الفقیہ'' میں دعائے تشہد کو بلا درود لکھا ہے۔ وہ پیغمبرؐ اور امام کے لیے سہو کو جائز مانتے ہیں اور اس کو انساء الرحمٰن کا نام دیتے ہیں۔ سید نعمت اللہ جزائری کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اور صدوق کہتے ہیں کہ استاد محمد بن الولید کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ اگر میری عمر وفا کرے تو میں اس سلسلے میں ایک رسالہ لکھوں گا۔ اور اس موقع پر شیخ بہائی نے لکھا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے صدوق کی عمر کو تمام کر دیا اور ایسی کتاب لکھنے کی ان کو توفیق نہ دی۔ شیخ احمد اس مسئلہ میں کہتے ہیں کہ شیخ صدوق اس مسئلہ میں دھوکہ کھا رہے ہیں۔ ان بزرگوار کی وفات ۳۸۱ھ میں ہوئی اور حروف تہجی میں اس تاریخ سے لفظ شفا بنتا ہے۔ آپ رے میں مدفون ہیں۔ تقریباً چالیس سال پہلے اس قبر کی تعمیر کے لئے اس کو

کھودنا شروع کیا تو لوگوں نے دیکھا کہ جسم مبارک جوں کا توں موجود ہے اور کا سٹہ انہیں ہے اور انگلیوں کے ناخنوں کی نوک پر مہندی کا رنگ باقی تھا البتہ مبارک پر قبر کے بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے ذرا سی بوسیدگی پیدا ہو گئی تھی پھر اس پر قبہ تعمیر کیا گیا۔ شیخ مفید آپ کے شاگرد تھے اور آپ والد سے اجازہ حاصل ہے اور کلینی سے بواسطہ محمد بن علی بن ماجیلویہ محمد بن محمد بن عصام کلینی اور علی بن احمد بن محمد بن عمران دقاق سے۔ اللہ ان سب پر اور تمام سابقہ گزرے ہوئے علماء پر رحمت نازل فرمائے۔

محمد بن یعقوب کلینیؒ

محمد بن یعقوب کلینی کو ثقۃ الاسلام کا لقب حاصل ہے آپکی کنیت ابو جعفر ہے۔ اور کلین میں کاف پر پیش اور لام پر زبر ہے۔ جیسا کہ علامہ اور شیخ الطائفہ شیخ طوسی نے اس کی وضاحت کی ہے اور بزرگوں کے بعد آنے والے مشائخ سے بھی اسی طرح سنا گیا ہے۔ زمانہ حال میں بھی اس قصبہ یعنی رے اور اس کے ملحقات والوں کی زبانوں میں اسی طرح بولا جاتا ہے اور صاحب ''قاموس'' نے کاف پر زبر اور لام کے نیچے زیر کے ساتھ کہا ہے اور وہ اس کو لفظ امیر کے وزن پر سمجھتا ہے اور یہ قاموس کی غلطیوں میں سے ایک غلطی ہے۔

وہ اوائل کے تین محمدوں میں سے پہلے محمد ہیں جنہوں نے کتاب ''کافی'' کو جو آٹھ ہزار اشعار پر مبنی ہے بیس سال کی مدت میں لکھا۔ ''جامع الاصول'' میں ابن الاثیر نے ایک کسوٹی بنائی ہے کہ شیعوں کے خواص میں یہ بات ہے کہ ہر صدی ہجری کے آغاز پر ان کے مذہب کا ایک مجدد پیدا ہوتا ہے چنانچہ دوسری صدی ہجری کے آغاز پر امام رضا علیہ السلام اور تیری صدی ہجری کے شروع میں محمد بن یعقوب کلینی اور چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں سید مرتضیٰ تھے۔

محمد بن یعقوب کلینی پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کو ابواب میں تقسیم کیا۔ ان کی کتاب کتب اربعہ میں شمار ہوتی ہے اور جیسا کہ کتب رجال سے پتہ چلتا ہے وہ لوگوں میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔ اور حدیثوں میں وہ سب سے زیادہ مضبوط و منتظم ہیں۔

کافی کی احادیث کی تعداد سولہ ہزار ایک سو ننانوے (۱۶۱۹۹) ہے متاخرین کی اصطلاح میں ان میں صحیح احادیث پانچ ہزار بہتر ہیں اور حسن ایک سو چوالیس (۱۴۴)، اور موثقات ایک ہزار ایک سو سولہ (۱۱۱۶)، احادیث ہیں اور قوی تین سو دو (۳۰۲) حدیثیں اور ضعیف احادیث نو ہزار چار سو پچاسی (۹۴۸۵) ہیں۔ آپ کی وفات ۳۲۹ھ یا ۳۲۸ھ میں جو زمین پر ستاروں کے ٹوٹ کر گرنے کا سال ہے واقع ہوئی۔ آپ کا انتقال بغداد میں ہوا تھا۔

آپ باب الکوفہ میں اپنے مقبرہ میں مدفون ہوئے محمد بن جعفر حسینی نے جن کا لقب ابو قیراط ہے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ سید ہاشم بحرانی نے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اپنی کتاب ''روضۃ العارفین'' میں کہا ہے کہ ہم عصر علماء میں سے بعض ثقہ علماء بیان کرتے ہیں کہ بغداد کے ایک حاکم نے محمد بن یعقوب کلینی کی قبر کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ایک شیعہ عالم کی قبر ہے۔ اس نے اس کو توڑ پھوڑ دینے کا حکم دیا لیکن جب قبر شگافتہ ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ ان بزرگوار کا کفن تک میلا نہیں ہوا ہے اور ایک ننھا سا بچہ بھی ان کے کفن کے ساتھ مدفون ہے تو اس نے ان کو پھر وہیں دفن کرنے کا حکم دیا اور اس پر قبہ تعمیر کیا گیا اب یہ قبر مشہور ہے اور لوگ اسکی زیارت کو آتے ہیں۔ یہاں تک سید ہاشم کا کلام تھا۔

مشائخ میں سے کوئی جو شاید سید نعمت اللہ جزائری ہیں یہ کہتے ہیں کہ ان کی قبر اس لیے کھودی گئی کہ کسی حاکم بغداد نے یہ دیکھا کہ لوگ ائمہ علیہم السلام کی زیارت کے لیے جوق در جوق چلے آتے ہیں تو اہلبیت علیہم السلام سے بغض و عداوت نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ قبر اطہر حضرت موسیٰ بن جعفر کی بیخ کنی کر دے اور اس نے کہا کہ اگر شیعوں کا اعتقاد درست ہے تو وہ ابھی تک قبر میں موجود ہوں گے ورنہ ہم ان کو زیارت قبور سے روک دیں گے۔ اس پر کسی نے اس حاکم سے کہا کہ یہاں پر شیعوں کے علماء میں سے ایک بہت بڑے عالم کی قبر بھی ہے اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے عالموں کی قبروں میں ان

علماء کے جسم محفوظ رہتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا چنانچہ تم اس عالم یعنی محمد ابن یعقوب کلینی کی قبر شگافتہ کرو۔ چنانچہ آپ کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ جسم اسی طرح صحیح وسالم موجود ہے اور کہیں سے خراب نہیں ہوا ہے تو اس حاکم نے حکم دیا کہ خوبصورت مقبرہ اور بہترین قبہ وہاں تعمیر کیا جائے اور وہ ایک بڑی زیارت گاہ بن گیا۔ اور آپکی کئی ایک تالیفات بھی ہیں جن میں سب سے مشہور کتاب ''کافی'' ہے اور اس کی عظمت نصف النہار کے سورج کی طرح ہے دیگر کتابیں، کتاب ''رسائل الائمۃ''، کتاب ''رد بر قرامطہ''، کتب ''تعبیر رویا''، کتاب ''رجال'' اور کتاب ''ائمۃ'' جس میں ائمہ بارے میں اشعار میں جو کچھ کہا گیا۔

اللہ ان کے اوپر رحمت نازل فرمائے اور جنت کے غرفوں میں جگہ عطا فرمائے۔

محمد بن محمد بن نعمان ملقب بہ شیخ مفید

محمد بن محمد بن نعمان بن عبدالسلام الحارثی جن کا لقب مفید ہے محکم شیخ، فاضل پیشوائے قوم، بہترین گفتگو کرنے والے اور منفرد مناظر تھے۔ ان کی وفات پر امام زمانہ کی تین توقیعات ایک سال کے اندر ناحیہ مقدسہ سے صادر ہوئیں جن کے آغاز میں لکھا ہوا تھا للاخ الاعز السدید الشیخ مفید۔ شیخ کی جائے پیدائش عکبری ہے۔

''مصابیح القلوب'' میں مذکور ہے کہ جب شیخ نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور بغداد تشریف لائے تو قاضی عبدالجبار معتزلی کی مجلس درس میں وارد ہوئے اور جہاں سب نے جوتیاں اتاری ہوئی تھیں وہیں بیٹھ گئے پھر قاضی سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ایک مسئلہ پوچھوں۔ قاضی نے اجازت دی۔ شیخ نے فرمایا کہ کیا حدیث غدیر مُسَلَّم ہے یا نہیں؟ قاضی نے کہا: مسلم ہے۔ شیخ نے کہا: پھر مولیٰ سے کیا مراد ہے؟ قاضی نے کہا: اعلیٰ (یعنی سب سے بہتر)۔ شیخ نے کہا: تو پھر امام کے تعین میں سنی شیعہ میں اختلاف کیوں واقع ہوا؟ تو قاضی نے کہا: بھائی خبر غدیر روایت ہے اور خلافت ابوبکرؓ درایت اور کوئی بھی عقل مند درایت کو محض روایت کی بناء پر ترک نہیں کرتا بلکہ درایت ہی مقدم ہوتی ہے۔ شیخ نے ارشاد کیا: اس حدیث کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ پیغمبرؐ کا ارشاد ہے یا علیؑ تم سے جنگ مجھ سے جنگ، تم سے صلح مجھ سے صلح ہے۔ کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ شیخ نے کہا: پھر اصحاب جمل کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جنہوں نے علیؑ سے جنگ کی۔ قاضی نے کہا: ان لوگوں نے بعد میں توبہ کر لی تھی۔ شیخ نے کہا: جنگ درایت ہے اور توبہ محض روایت اور عاقل کبھی درایت کو روایت کی بناء پر ترک نہیں کیا کرتا کیونکہ درایت مقدم ہوتی ہے۔ قاضی سناٹے میں آگیا اس نے شیخ کا نام پوچھا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور شیخ کو اپنی جگہ بٹھا دیا اور کہا: انت المفید حقاً (سچ تو یہ ہے کہ آپ بہت مفید ہیں) اس پر لوگوں کے منہ اتر گئے۔ قاضی نے کہا: اے علماء میں تو ان کا جواب نہیں دے سکتا اگر تم جواب دے سکتے ہو تو دو تاکہ وہ پھر اس جگہ سے اٹھ کر اپنی پہلی نشست پر آجائیں۔

جب سلطان عضد الدولہ کو اس ماجرے کا پتہ چلا تو اس نے شیخ کے لیے ایک خاص عربی گھوڑا جس کی زین ولگان سونے کی تھی اور سو شاہی سونے کے دینار جس میں سے ہر دینار دس عام دینار کے برابر تھا اور ایک غلام عطا کیا اور ہر روز دس من روٹی اور پانچ من گوشت ان کی مجلس کے لیے مقرر کیا اور ایک بہترین جبہ اور دستار بھی عنایت کی اور اس کے بعد سے آپ کا لقب مفید قرار پا گیا۔

کتاب ''سرائر'' میں یہ قصہ اس طرح لکھا گیا ہے کہ آپ کی ولادت گاہ عکبری تھی وہاں سے بغداد آئے اور ابوعبداللہ جعل سے تحصیل علم شروع کی پھر علی بن یاسر کے کہنے پر علی بن عیسیٰ رمانی سے درس لینے کا ارادہ کیا اور ان کی مجلس درس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت بصرہ کا ایک شخص وہاں موجود تھا۔ اس نے علی بن عیسیٰ سے حدیث غدیر اور حدیث غار کے متعلق سوال کیا۔ رمانی نے کہا: کہ حدیث غار درایت ہے اور حدیث غدیر محض روایت اور روایت پر درایت مقدم ہوتی ہے۔ بصری تو اٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد شیخ نے فرمایا کہ جو امام وقت سے جنگ کرے اس کے بارے میں آپکا کیا ارشاد ہے؟ رمانی نے کہا: وہ کافر ہے۔ اور تھوڑی دیر بعد کہا: فاسق ہے۔ تو شیخ نے فرمایا کہ پھر آپ طلحہ اور زبیر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کہا: انہوں نے توبہ کر لی تھی۔ شیخ نے کہا

جنگ درایت ہے اور تو بہ روایت اور درایت روایت پر مقدم ہوتی ہے۔ رمانی نے کہا: تم اس وقت یہاں تھے جب بصری نے مجھ سے سوال کیا تھا؟ کہا: ہاں میں موجود تھا۔ کہا: تم ہو کون؟ کہا: ابن المعلم (طالب علم) ہوں۔ رمانی نے کہا: کس سے درس پڑھتے ہو۔ کہا: ابوعبداللہ جعل سے۔ پھر رمانی نے ایک رقعہ لکھ کر انہیں دیا کہ یہ ابوعبداللہ کو دے دینا۔ شیخ نے وہ رقعہ ابوعبداللہ جعل کو دیا۔ عبداللہ نے وہ خط پڑھا اور مسکرائے اور پوچھا کہ تمہارے اور رمانی کے درمیان کیا واقعہ گزرا کہ اس نے تمہاری تعریف کی ہے اور تمہیں مفید کا لقب دیا ہے تو شیخ نے تمام واقعہ ان کے سامنے دہرایا۔

شیخ کے فتووں میں سے ایک فتویٰ یہ ہے کہ ہم اوامر شرعیہ میں امر موسع نہیں رکھتے۔

کہتے ہیں کہ کوئی شخص دیہات سے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ ایک حاملہ عورت کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہے تو کیا عورت کے شکم سے بچہ کو نکال لیا جائے یا یونہی دفن کر دیا جائے۔ شیخ نے فرمایا: یونہی دفن کر دو۔ وہ شخص چلا گیا۔ راستہ میں اس نے دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار تیزی سے اس کے پیچھے آرہا ہے وہ جب وہ نزدیک پہنچا تو کہا کہ اے شخص اب شیخ مفید ارشاد فرما رہے ہیں کہ اس عورت کا پیٹ کاٹ کر بچہ کو نکال لو اور پھر اس عورت کو دفن کرو تو اس شخص نے اسی بات پر عمل کیا۔ کچھ عرصہ بعد یہ سارا ماجرا شیخ کے سامنے دہرایا گیا۔ شیخ نے کہا: میں نے تو کسی کو نہیں بھیجا تھا۔ یقیناً وہ صاحب الزمان علیہ السلام ہونگے۔ اب جب ہم سے احکام شرعی میں غلطی ہونے لگی ہے تو اب ہم فتویٰ نہیں دیا کریں گے اور پھر اپنا گھر کا دروازہ بند کیا اور باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ اچانک شیخ کے پاس حضرت صاحب الامرؑ کی جانب سے فرمان آیا کہ تمہاری ذمہ داری فتویٰ دینا ہے اور ہمارا کام اس کو درست کرنا ہے۔ ہم تمہیں یونہی نہیں چھوڑ دیں گے کہ تم سے خطا ہو جائے۔ تو شیخ نے دوبارہ فتویٰ دینا شروع کیا۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ غیبت کبریٰ میں سوائے شیخ مفید کسی اور کے لیے توقیع صادر نہیں ہوئی۔ شیخ اسداللہ کاظمینی اپنی کتاب مقائیس میں کہتے ہیں کہ اس بات پر علمائے امامیہ کا اجماع ہے کہ امام زمانہؑ کی توقیعات ان کی تحریر میں شیخ مفید کے لیے صادر ہوئی ہیں۔

شیخ کے عجیب فتووں میں سے ایک فتویٰ یہ ہے کہ وہ سلام نماز کو مستحب سمجھتے ہیں اور یہ قول شیخ طوسی کے مذہب کے مطابق ہے اور اسی طرح ابن براج، ابن ادریس اور علامہ درسوائی کا خیال ہے۔ مشہور بہرحال یہی ہے کہ سلام واجب اور جزو نماز ہے اور شہید اول نے کتاب ''قواعد'' میں واجب مانا ہے لیکن جزو نہیں مانا۔ بلکہ نماز سے خارج سمجھتے ہیں۔ شیخ مفید کا ایک اور عجیب فتویٰ ہے کہ واجب موسع کی شریعت میں نفی کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فتوے کی کمزوری کو کتاب ''لسان الصدوق'' میں واجب موسع کی بحث میں مکمل طور پر بیان کیا ہے اور استحباب کا جواب ''شرح شرائع الاسلام'' کی کتاب بدائع الاحکام میں بیان کیا ہے۔

بغداد میں شیخ کفر وضلالت کو مٹا کر صراط مستقیم کی طرف لے جانے والے تھے۔ اور سنی علماء ان سے شکست خوردہ اور مغلوب ہو کر رہ گئے تھے اور سلاطین آل بویہ جو شیعہ تھے اور بغداد کے حاکم تھے شیخ کی حمایت کیا کرتے تھے۔

شیخ کے بہت سے مناظرات ہیں جن میں سے ایک قاضی ابوبکر باقلانی (۱) سے ہوا تھا۔ اور مشہور ہے کہ قاضی مناظرے کے روز وحشت زدہ پرندے کی طرح ایک شاخ سے دوسرے شاخ پر اور ایک ڈوبنے والے شخص کی طرح ایک تنکے سے دوسرے تنکے پر سہارا لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب شیخ نے اسکی اڑان کے تمام راستے مسدود کر دیئے تو اس نے چاہا کہ شیخ سے کوئی چاپلوسی والی بات کہے تاکہ شیخ مطمئن ہو جائیں اور اس پر الزامات کی بوچھار کر کے حاضرین کے سامنے شرمندہ نہ کریں۔ تو اس نے مجبوراً تمام فنون علمی میں شیخ کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ **الک فی کل قدر معرفۃ** یعنی کیا آپ کو ہر دیگ کے لیے چمچہ مہیا ہے؟

شیخ نے جواب دیا: **نعم ماتمثلت بادوات ابیک** کہ تم نے دیگ و چمچہ کی بڑی اچھی مثال دی جو تمہارے سبزی پکانے والے باپ کے آلات تھے۔ باقلانی انتہائی شرمسار ہوا اور سارے حاضرین مجلس ہنسنے لگے۔

(۱) باقل۔ سبزی فروش۔ شیخ مفید کے مدمقابل باقلانی کا باپ سبزی پکا کر بیچا کرتا تھا۔ (مترجم)

یہی مذکورہ باقلانی ایک دن اپنے دوستوں کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ دور سے شیخ مفید آتے دکھائی دیئے جیسے ہی باقلانی نے ان کو آتے دیکھا از روئے تعصب وعناد کہنے لگا کہ قد جاء کم الشیطان یعنی شیطان تمہارے قریب آپہنچا ہے۔ شیخ مفید نے اس کا یہ جملہ سنا تو نزدیک پہنچے اور باقلانی اور اس کے اصحاب کے لیے یہ آیت پڑھی انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تو زھم ازا (سورہ مریم آیت ۸۳) یعنی اگر میں شیطان ہوں تو تم کافر ہو (کہ آیت کے موجب شیطان کافروں کے پاس آیا کرتے ہیں) اور یہی لطیفہ ابوحنیفہ اور مومن طاق کے درمیان بھی ہو چکا ہے کیونکہ اہل سنت ان کو شیطان الطاق کہا کرتے تھے۔

شیخ کا ایک مناظرہ فاضل کتی دشمن اہلبیتؑ سے ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فاضل کتی نے شیخ مفید سے پوچھا کہ تمہارے پاس ابوبکرؓ کی خلافت کے غلط ہونے میں کیا دلیل ہے؟ شیخ نے کہا: ہمارے پاس دلیلیں تو بہت سی ہیں لیکن میں وہی دلیل دیتا ہوں جو تمہاری عقل شریف میں سما سکے۔ اور وہ دلیل یہ ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ امام دوسرے امام کا محتاج نہیں ہوتا اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ ابوبکرؓ نے برسر منبر کہا: ولیتکم ولست بخیر کم فان استقمت فاتبعونی وان احوجت فقومونی یعنی میں تمہارا امام بن گیا ہوں حالانکہ تم سے بہتر نہیں ہوں تو اگر میں اپنے قول وفعل میں روبراہ رہوں تو میرا اتباع کرنا اور اگر مجھ سے انحراف وکجی ظاہر ہو تو مجھے سیدھا کر دینا۔ اور اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے محتاج تھے۔ اور ہر عقل مند جانتا ہے جو اپنی رعیت کا محتاج ہو تو اس کو تو سب سے زیادہ امام ورہبر کی ضرورت ہے۔ اور جیسے ہی ابوبکر کا محتاج امام ہونا ثابت ہوا ان کی امامت باطل ہوگئی۔ کتی یہ بات سن کر عاجز ہوگیا اور ہکا بکا رہ گیا تو حاضرین میں سے ایک اور شخص جو معتزلی مذہب کا تھا اعتراض کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ امت کا یہ اجماع ہے کہ قاضی دوسرے قاضی کا محتاج نہیں ہوتا اور امیر دوسرے امیر کا محتاج نہیں ہوتا اور تمہاری ہی بنائی ہوئی بنیاد پر تمام قاضیوں اور امراء کو معصوم ہونا چاہئے تاکہ اجماع کی متابعت سے باہر رہیں۔ شیخ نے کہا کہ پہلے سائل کی خاموشی تیری اس گفتگو سے بدرجہا بہتر تھی۔ مسئلہ بالکل اس کے خلاف ہے جو تو نے سمجھا ہے کیونکہ امت اس بات پر متفق ہے کہ قاضی مرتبہ میں امام سے کم ہوتا ہے لیکن ہاں اگر تیری مراد قاضی اور امیر سے نفس امام ہے تو پھر ٹھیک ہے کہ ایسا قاضی وامیر کسی دوسرے قاضی وامیر کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنی قوت عصمت (گناہوں سے پاکی) اور کمال کی بناء پر ان سے بے نیاز ہوتا ہے۔

شیخ مفید کا ایک اور مناظرہ ابوعمر شطوی پلید سے ہوا، وہ بھی معتزلی تھا۔ اور اس کا قصہ یوں ہے کہ اس نے شیخ سے پوچھا کہ کیا اس پر اجماع نہیں ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ ظاہری طور پر اسلام لائے ہوئے تھے۔ تو شیخ نے فرمایا کہ اس بات پر تو اجماع ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے یہ ظاہری طور پر اسلام پر تھے لیکن ہر وقت اور ہر زمانے میں یہ مسلمان رہے ہیں اس پر اجماع نہیں ہے البتہ ظاہر ہے کہ اجماع اس بات پر ہے اظہار اسلام سے پہلے سالہا سال کفر کی منزل پر تھے اور ایک کثیر جماعت یہ کہتی ہے کہ اظہار اسلام کے بعد حضرت امیر المومنینؑ کی شان میں انکارِ نصِ جلی کیا اور کافر ہوگئے اور جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ میں بھی آثار نفاق ان سے ظاہر ہوتے تھے۔ شطوی نے انصاف سے کام لیتے ہوئے کہا کہ آپ کی اس تقریر سے تو میں جس بات کو بنیاد بنانا چاہتا تھا وہ بات ہی ختم ہوگئی۔ شیخ نے کہا کہ میں بھی سمجھتا تھا کہ تو کیا چاہ رہا ہے اس لیے جان بوجھ کر میں نے تیری بولتی بند کر دی۔

شیخ کا ایک مناظرہ اور ہے۔ شیخ مفید ایک دن ابوعبداللہ محمد بن محمد بن طاہر کے خانہ مبارک تشریف لے گئے۔ تو اہل سنت کا ایک فقیہ بھی وہاں آگیا اور شیخ سے پوچھنے لگا کہ تمہارا مذہب یہی تو ہے کہ حضرت رسولؐ خدا خطا سے معصوم اور لغزش سے مبرّیٰ ہیں اور سہو ونسیان سے محفوظ ہیں اور ذاتی طور پر اپنی رعایا سے مستغنی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم کیوں دیا کہ اپنے کاموں میں لوگوں سے مشورہ کر لیا کریں اور فرمایا: فشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ شیخ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ پیغمبرؐ اس لیے مشورہ نہیں کرتے کہ وہ ان کے مشورہ کے محتاج ہیں اور اسی لیے پروردگار نے کہا واذاعزمت اور یہ نہیں کہا کہ ان کا جو مشورہ ہو اس پر عمل کرو بلکہ یہ کہا کہ اگر مشورہ کر لیا ہے تو پھر تم خود فیصلہ کرو کہ تمہارا ارادہ کیا ہے اور پھر خدا پر بھروسہ کر کے اپنے عزم کے مطابق عمل کرو تو شاید مشورہ کا فائدہ یہ ہوگا کہ ان۔س محبت پیدا ہوگی اور اکٹھے ہونے کی وجہ سے آپس میں انسیت پیدا ہو جائے گی یا یہ مطلب ہوگا کہ ان سے مشورہ کی بناء پر وہ کام کو بہتر طریقے پر اور اپنے امور کی تدبیر زیادہ اچھے انداز میں کر سکیں گے اور یہ ان کے کمال کا سبب ہوگا نہ کہ پیغمبرؐ کے۔ اور

چونکہ مشورہ دیتے وقت جس کے ذہن میں جو بات ہوگی وہ کھل کر کہدے گا تو منافق اور غیر منافق جدا جدا ہو جائیں گے کیونکہ ان کے الفاظ اور ان کی باتیں اس بات کی نشاندہی کردے گی کہ وہ کس گروہ سے ہیں۔

شیخ مفید کی حکایات میں سے ایک قصہ وہ ہے جو انہوں نے خود اپنی مجالس میں ذکر کیا اور یہ قصہ ابوالحسین خیاط سے جو معتزلیوں کا رئیس تھا نقل کیا گیا ہے۔ رئیس معتزلی کہتا ہے کہ ایک دن ایک شیعہ امامیہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہمارے سردار نے ہمیں یہ سوال کرنے کے لیے بھیجا ہے کہ ابوبکر کو جب غار میں خوف محسوس ہوا تو رسول اللہ نے لاتحزن فرمایا اور اس خوف سے روکا تو آپ کا یہ روکنا اطاعت تھی کہ معصیت؟ اگر اطاعت تھی تو آپ کی نہی کی وجہ سے اطاعت سے روکا گیا اور اگر معصیت تھی تو ابوبکر کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے۔ ابوالحسین کہتا ہے کہ جب میں نے یہ سوال سنا تو میں نے اس شخص سے کہا کہ آج اس کا جواب تو رہنے دو لیکن اپنے سردار کے پاس جا کر یہ کہو کہ موسیٰ کو جب خوف محسوس ہوا اور اللہ تعالیٰ نے لاتخف کہا تو کیا یہ طاعت تھی یا معصیت؟ اگر اطاعت تھی تو خدا نے لازماً اطاعت سے روکا اور اگر معصیت تھی تو پھر موسیٰ سے گناہ صادر ہوا۔ وہ شخص چلا گیا اور پھر صبح کو آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے سردار نے کیا جواب دیا تو اس شخص نے کہا کہ میرے سردار نے مجھے ہدایت کی کہ دوبارہ اس شخص سے ملاقات نہ کرنا۔ شیخ مفید کہتے ہیں کہ اگر ابوالحسن یہ قصہ سچا بیان کر رہا ہے تو اس شخص کے شبہ کا جواب یہ ہے چونکہ عصمت انبیاء پر عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں تو موسیٰ کے بارے میں نہی تسلی کے لیے ہے لیکن ابوبکرؓ کی تو گناہوں سے پاکیزگی پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ان کے بارے میں تو عدم عصمت پر اجماع ہے لہٰذا ان کے بارے میں لاتخف کے معنی وہی ظاہری معنی ہوں گے اور اس کی تاویل اور ظاہر کے خلاف عمل کرنے پر کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔

اس کے علاوہ شیخ کا عمرؓ بن خطاب سے بھی مناظرہ ہوا۔ اس کا ذکر شیخ طبرسی نے کتاب ''احتجاج'' میں کیا ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ مفید نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مختلف راہوں سے گزر رہا ہوں ایک راستہ میں میں نے مجمع دیکھا اور وہاں بہت سے لوگ تھے میں نے پوچھا کہ یہ ہجوم کیسا ہے لوگوں نے بتایا کہ ایک شخص یہاں ایک قصہ سنا رہا ہے میں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ کہا: عمرؓ بن خطاب تو میں بھی ہجوم میں گھس گیا اور بڑی کوشش کی لیکن ایک بات بھی اسکی میرے پلے نہ پڑی۔ آخر میں نے اس کی بات کاٹی اور کہا کہ آیۂ غار آپ کے ساتھ ابوبکرؓ کی کونسی فضیلت ثابت کرتی ہے تو عمرؓ نے کہا چھ طرح سے وہ دلیل بنتی ہے:

پہلی یہ کہ ان دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا اور ان کو دو میں کا دوسرا قرار دیا گیا۔

دوسرے یہ کہ ابوبکرؓ کا وصف بیان کیا گیا پیغمبرؐ کے ساتھ ایک ہی مقام پر ہونے کی وجہ سے اور کہا گیا **اذھما فی الغار**

تیسرے یہ کہ ابوبکرؓ کو صاحب پیغمبر کہا گیا۔

چوتھی یہ کہ خدا نے لاتحزن کہہ کر شفقت کا اظہار کیا ہے۔

پانچویں یہ کہ خدا ان دونوں کے ساتھ تھا۔

چھٹے یہ کہ ابوبکرؓ پر سکینہ کا نزول ہوا کیونکہ پیغمبرؐ نے کبھی سکینہ سے ان کی مفارقت نہ ہونے دی۔

شیخ مفید نے کہا کہ میں نے جواب میں کہا کہ یہ جو استدلال ہیں وہ بالکل خاک کے ڈھیر کی طرح ہیں کہ جب ہوا چلے گی تو سب ہوا میں اڑ جائیں گے۔

پہلے کا جواب یہ ہے کہ عدد میں اکٹھا ہونا کونسی فضیلت ہے مومن و کافر بھی اکٹھے ہوں تو ان کے لیے اثنان ہی بولا جائے گا۔

دوسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ ایک مقام پر اکٹھا ہونا کوئی فضیلت کی بات نہیں کیونکہ مسجد رسول میں بھی مومن منافق سب ہی اکٹھے ہوتے تھے۔

تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ صحبت کے لحاظ سے تو مومن، کافر بلکہ جانور تک ایک مقام پر ہو سکتے ہیں **قال لہ صاحبہ وھو یحاورہ**

الکفرت (سورۂ کہف آیت ۳۷) اس پر شاہد ہے۔
چوتھی کا جواب یہ ہے کہ لاتحزن نہی ہے تو اگر حزن کوئی اطاعت ہے تو اطاعت سے نہی کیسے کی جاسکتی ہے اور اگر گناہ ہے تو قران اس کے گناہ کا گواہ ہو گیا۔

اور پانچویں دلیل کا جواب یہ ہے کہ خدا پیغمبرؐ کے ساتھ ہے جیسے اس نے انا له لحافظون اور ایسی ہی دوسری آیات میں فرمایا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں پر مراد پیغمبرؐ کے ساتھ علیؑ ہیں۔

اور چھٹی دلیل کا جواب یہ ہے کہ سیکنته علیه (سورہ توبہ آیت ۴۰) میں ضمیر پیغمبرؐ کی طرف جارہی ہے جیسا کہ فرمایا ہے فانزل الله سیکنته علیه وعلی المومنین اس کے علاوہ میں بھی ضمیر پیغمبرؐ کی ہی طرف لوٹ رہی ہے۔ تو پھر یقینی طور پر سکینۃ میں بھی انہی کی طرف لوٹنی چاہئے۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ شیخ مفید کی کرامات میں ایک کرامت تو یہی ہے کہ حضرت مہدیؑ کی توقیعات آپ کو پہنچتی تھیں۔

دوسری کرامت اس قصہ میں ملتی ہے کہ عورت مرگئی تو اور بچہ پیٹ میں زندہ تھا اور اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

تیسری کرامت میں سید مرتضیٰ سید رضی ان کی والدہ اور شیخ مفید ان کے ساتھ شریک ہیں۔ اور اس کا واقعہ یوں ہے کہ شیخ مفید نے ایک رات خواب دیکھا کہ مساجد بغداد میں سے ایک مسجد مسجد کرخ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور صدیقہ کبریٰ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے بچوں حسن وحسین علیہما السلام کا ہاتھ پکڑے شیخ مفید کے پاس تشریف لائی ہیں اور شیخ سے انہوں نے فرمایا: علمهما الفقه (ان دونوں کو فقہ کی تعلیم دیجئے) خواب سے بیدار ہوئے تو انتہائی حیران تھے کہ یہ کس قسم کا خواب ہے اور میری کیا مجال ہے کہ میں امام کو تعلیم دوں۔ اور ائمہؑ اور معصومینؑ کو خواب میں دیکھنا شیطانی خواب بھی نہیں ہوسکتا۔ جب صبح ہوئی تو اسی مسجد میں جو خواب میں دیکھی تھی تشریف لے گئے اور وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ اچانک دیکھا کہ سید مرتضیٰ کی والدہ آرہی ہیں اور کنیزیں ان کے گرد حلقہ کیے ہوئے ہیں اور انہوں نے سید مرتضیٰ اور سید رضی کا ہاتھ تھاما ہوا ہے اور شیخ مفید کے قریب آئیں تو فرمایا یاشیخ علمهما الفقه۔ اب شیخ کو اپنے خواب کی تعبیر معلوم ہوگئی اور پھر وہ سید مرتضیٰ اور سید رضی کا بے پناہ احترام کیا کرتے تھے۔

چوتھی کرامت میں سید مرتضیٰ ان کے شریک ہیں۔ ایک دن سید مرتضیٰ نے کہا کہ میرے گھوڑے کو زین کس دو۔ شیخ نے کہا کہ میں نے ایک کتے کو اُس پر پیشاب کرتے دیکھا ہے تو آپ اس کو پاک کروالیں۔ سید مرتضیٰ نے کہا یہ تو آپ ایک گواہ ہیں اس لیے آپ کا قول قابل سماعت نہیں ہے۔ دونوں میں بحث شروع ہوگئی اور آخر میں یہ طے پایا کہ طرفین نے یہ بات ایک پرچہ پر لکھ کر روضہ امیر المومنینؑ میں ڈال دیں اور صبح کو جب وہ پرچہ دیکھا تو حضرت امیرؑ نے اس پر لکھا تھا: الحق مع ولدی والشیخ معتمدی (حق میرے بیٹے کے ساتھ ہے اور شیخ ہمارے معتمد ہیں) اور بعض علماء کہتے ہیں کہ شیخ مفید نے خواب میں دیکھا کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ اے شیخ میرے معتمد حق میرے بیٹے کے ساتھ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے اور سید مرتضیٰ نے خود حضرت کو فرماتے ہوئے سنا۔

کتاب مجالس میں لکھا ہے کہ سید مرتضیٰ نے اپنے استاد شیخ مفید کے علمائے عامہ سے مناظرات کو پیش کیا ہے اور مجلسی نے بھی "بحار الانوار" کی جلد احتجاجات میں آپ کے مناظرات جمع کیے ہیں اور شیخ طبرسی نے بھی آپ کے بعض مناظروں کا ذکر کیا۔

آپ کی وفات شب جمعہ ۳ ماہ رمضان المبارک ۴۱۳ھ میں ہوئی جبکہ آپ کی ولادت ۱۱ ذی قعدہ ۳۳۳ھ میں ہوئی تھی۔ اور بعض ۳۳۸ھ کہتے ہیں۔ آپ کی وفات کے دن آٹھ ہزار شیعہ اور رافضی اکٹھے ہوگئے یہاں تک کہ بغداد کے میدان اشنان میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ سید مرتضیٰ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو ان کے گھر میں ہی سپرد خاک کر دیا گیا۔ چند سال بعد آپ کو مقابر قریش میں منتقل کر کے حضرت امام جوادؑ کے پائین پا قبر صدوق ابوالقاسم جعفر بن قولویہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

آپ کا شجرہ نسب یوں ہے:

محمد بن محمد بن نعمان بن عبدالسلام بن جابر بن سعید بن وھب بن ھلال بن اوس بن سعید بن سنان بن عبدالدار بن رباب بن زیاد بن حارث بن مالک بن ربیعہ بن کعب بن حارث بن کعب بن علۃ بن ھارون بن مالک بن داؤد بن زید بن یشجب بن عریب بن دقید بن کھلان بن سنان بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔ اس میں کہیں معمولی سا اختلاف بھی ہے۔

کتاب ''مجالس المومنین'' وغیرہ میں لکھا ہے کہ یہ اشعار حضرت صاحب الامرؑ کی تحریر میں شیخ مفید کی قبر کے سرہانے لکھے ہوئے ہیں۔ جن میں آپ نے ان کا مرثیہ پڑھا ہے۔

لاصوت للناعی بفقدک انہٗ	یوم علی آل الرسول عظیم
تیرے گم ہونے پر موت کی خبر پہنچانے والے کی آواز نہیں نکل رہی	بے شک یہ دن آل رسولؐ پر بہت سخت ہے
ان کنت قدغیبت فی جدث الثریٰ	فالعلم والتوحید فیک مقیم
اگرچہ تو نمناک مٹی میں چھپ گیا	لیکن علم اور توحید تجھ میں قائم ہیں
والقائم المهدی یفرح کلماتلیت	علیک من الدروس علوم
اور قائم مہدی خوش ہوتا رہا جب بھی تیرے حوالے کیے	علوم کے دروس

اور یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ آپ اس طرح کی توقیعات شیخ کے لیے لکھیں تو یقینا آپ نے ان کی موت پر غم کا اظہار بھی کیا اور مرثیہ بھی فرمایا۔

آپ کی تالیفات جیسا کہ شیخ نجاشی جو آپ کے شاگرد ہیں نے لکھا ہے یہ تقریباً دو سو ہیں ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ کتاب الرسالۃ المقنعہ اور یہ شیخ طوسی کی ''تہذیب'' کا متن ہے

۲۔ کتاب الارکان فی دعائم الدین

۳۔ کتاب الایضاح فی الامامہ

۴۔ کتاب الافصاح فی الامامہ

۵۔ کتاب الارشاد

۶۔ کتاب العیوب والمحاسن

۷۔ کتاب الرد علی الجاحظ والعثمانیہ

۸۔ کتاب نقض المردانیہ

۹۔ کتاب نقض فضیلۃ المعتزلۃ

۱۰۔ کتاب المسائل الصاعانیہ

۱۱۔ کتاب مسائل النظم

۱۲۔ کتاب المسئلۃ الکافیہ فی ابطال توبۃ الخاطئۃ

۱۳۔ کتاب النقض علی ابن عباد فی الامۃ

۱۴۔ کتاب النقض علی علی بن عیسیٰ الرمانی

۱۵۔ کتاب النقض علی ابی عبداللہ البصری

۱۶۔ کتاب فی المتعۃ

۱۷۔کتاب فی الموجز فیہا
۱۸۔کتاب مختصر العدۃ
۱۹۔کتاب مناسک حج
۲۰۔کتاب مناسک الحج المختصر
۲۱۔کتاب المسائل العشرۃ فی الغیبۃ
۲۲۔کتاب مختصر فی الغیبۃ
۲۳۔کتاب مسئلہ فی الغسل علی الرجلین
۲۴۔کتاب مسئلہ فی نکاح الکتابیات
۲۵۔کتاب جمل الفرائض
۲۶۔کتاب کشف الالتباس
۲۷۔کتاب مسئلہ فی الارادۃ
۲۸۔کتاب مسئلہ فی الاصلح
۲۹۔کتاب اصول الفقہ
۳۰۔کتاب الموضح فی الوعید
۳۱۔کتاب کشف السرائر
۳۲۔کتاب الجمل
۳۳۔کتاب لمح البرھان
۳۴۔کتاب مصابیح النور
۳۵۔کتاب الاشراف
۳۶۔کتاب الفرایض الشرعیہ
۳۷۔کتاب النکت فی مقدمات الاصول
۳۸۔کتاب ایمان ابی طالبؑ
۳۹۔کتاب مسائل اھل الخلاف
۴۰۔احکام النساء
۴۱۔کتاب عدد الصلوٰۃ والصوم
۴۲۔کتاب الرسالۃ علی اھل التقلید
۴۳۔کتاب التمہید
۴۴۔کتاب الانتصار
۴۵۔کتاب الکلام فی الانسان

۴۶۔کتاب الکلام فی وجوہ اعجاز القران
۴۷۔کتاب الکلام فی المقوم
۴۸۔کتاب الرسالۃ العلویہ
۴۹۔کتاب اوائل المقالات
۵۰۔بیان وجوہ الاحکام
۵۱۔کتاب المرار الصغیر
۵۲۔کتاب الاعلام
۵۳۔کتاب جواب المسائل فی اختلاف الاخبار
۵۴۔کتاب العریض فی الکلام
۵۵۔رسالۃ الجنیدی الی اھل المصر
۵۶۔کتاب النصرۃ فی فضل القران
۵۷۔کتاب جوابات اھل الدینور
۵۸۔کتاب جوابات ابی جعفر قمی
۵۹۔کتاب جوابات علی بن نصر العند جانی
۶۰۔کتاب جوابات الامیر ابی عبداللہ
۶۱۔کتاب جوابات الفارقیین فی الغیبۃ
۶۲۔کتاب نقض خمس عشرہ مسئلۃ علی البلخی
۶۳۔کتاب نقض الامامہ علی جعفر بن حرب
۶۴۔کتاب جوابات ابن نباتہ
۶۵۔کتاب جوابات الفیلسوف فی الاتحاد
۶۶۔کتاب جوابات ابی الحسن سبط المعافا بن زکریا فی اعجاز القران
۶۷۔جوابات ابی اللیث الادنی فی الکلام علی الجبانی فی المعدوم
۶۸۔کتاب جوابات النضر بن بشیر فی الصیام
۶۹۔کتاب النقض علی الواسطی
۷۰۔کتاب الاقناع فی وجوب الدعوۃ
۷۱۔کتاب المزدرین عن معانی الاخبار
۷۲۔کتاب جوابات ابی الحسن نیشاپوری
۷۳۔کتاب البیان فی تالیف القران
۷۴۔کتاب جوابات البرقی فی فروع الفقہ

۷۵۔کتاب الرد علی بن کلاب فی الصفات
۷۶۔کتاب النقض علی الطلخی فی الغیبہ
۷۷۔کتاب فی امامۃ امیر المومنین من القران
۷۸۔کتاب فی تاویل قولہ فاسئلوا اھل الذکر
۷۹۔کتاب المسئلہ الموضحہ عن نکاح امیر المومنین علیہ السلام
۸۰۔کتاب الرسالۃ المقنعۃ فی وفاق البغدادیین من المعتزلۃ لما روی عن الائمہ
۸۱۔کتاب جوابات مقاتل بن عبد الرحمن مما استخرجہ من کتب الجاحظ
۸۲۔کتاب جوابات بنی عرقل
۸۳۔المسئلہ علی الزیدیۃ
۸۴۔المجالس المحفوظۃ فی فنون الکلام
۸۵۔کتاب الامالی المتفرقات
۸۶۔کتاب نقض الاصم فی الامامۃ
۸۷۔کتاب جوابات مسائل اللطیف من الکلام
۸۸۔کتاب الرد علی الخالدی فی الامامۃ
۸۹۔کتاب الاستبصار فیما جمعہ الشافعی
۹۰۔کتاب الکلام فی الخبر المختلف بغیر اثر
۹۱۔کتاب الرد علی النفی فی الشوریٰ
۹۲۔کتاب اقسام المولی فی اللسان
۹۳۔کتاب جوابات ابی الحسن الحسینی
۹۴۔کتاب مسائل الزیدیہ
۹۵۔کتاب المسائل فی اقضی الصحابہ
۹۶۔کتاب مسئلہ فی تحریم ذبائح اھل الکتاب
۹۷۔کتاب مسئلہ فی البلوغ
۹۸۔کتاب مسئلہ فی العین
۹۹۔کتاب الزاھرات فی المعجزات
۱۰۰۔کتاب جوابات ابی جعفر محمد بن الحسن اللیثی
۱۰۱۔کتاب النقض علی علام البحرانی فی الامامۃ
۱۰۲۔کتاب علی النصی فی الامامۃ
۱۰۳۔کتاب مسئلہ فی النص الجلی

۱۰۴۔کتاب الکلام فی حدوث القران

۱۰۵۔کتاب جوابات الشرقیین فی فروع الدین

۱۰۶۔کتاب مقاییس الانوار فی الرد علی اہل الاخبار

۱۰۷۔الرد علی الکرابیسی فی الامامۃ

۱۰۸۔کتاب الکامل فی الدین

۱۰۹۔کتاب الافتخار فی الرد علی العینی فی الحکایۃ والمحکی

۱۱۰۔کتاب الرد علی الجبار فی التفسیر

۱۱۱۔کتاب الجوابات فی خروج المہدیؑ

۱۱۲۔کتاب الرد علی اصحاب الحلاج

۱۱۳۔کتاب التاریخ الشریعہ

۱۱۴۔کتاب تفضیل الائمہ علی الملئکۃ

۱۱۵۔کتاب مسئلہ الجنیۃ

۱۱۶۔کتاب فیضۃ العقل علی الافعال

۱۱۷۔مسئلۃ محمد بن خضر الفارسی

۱۱۸۔کتاب جوابات اہل طبرستان

۱۱۹۔کتاب الرد علی الشعبی

۱۲۰۔کتاب جوابات اہل الموصل فی العدد والرویۃ

۱۲۱۔کتاب مسئلہ فی تخصیص الایام

۱۲۲۔کتاب مسئلہ فی قول النبی اصحابی کالنجوم

۱۲۳۔کتاب مسئلہ فیما رویۃ العامۃ

۱۲۴۔کتاب مسئلہ فی القیاس مختصر

۱۲۵۔کتاب مسئلہ الموضحہ عن عثمان

۱۲۶۔کتاب الرد علی ابن عون فی المخلوق

۱۲۷۔کتاب انی مخلف فیکم الثقلین

۱۲۸۔کتاب مسئلۃ فی خبر ماریہ

۱۲۹۔کتاب فی قولہ انت منی بمنزلۃ ھرون من موسیٰ

۱۳۰۔کتاب جوابات ابن ابی الحامی

۱۳۱۔کتاب فی تفضیل امیر المومنینؑ علی سایر الصحابہ

۱۳۲۔کتاب فی الغیبۃ

۱۳۳۔ کتاب مسئلۃ فی قولہ المطلقات
۱۳۴۔ کتاب جوابات المافروخی
۱۳۵۔ کتاب جوابات ابن واقد الغسنی
۱۳۶۔ کتب الرد علی ابن الرشید فی الامامۃ
۱۳۷۔ کتاب علی بن الاخشد فی الامامۃ
۱۳۸۔ کتاب مسئلہ فی الاجماع
۱۳۹۔ کتاب مسئلۃ فی میراث النسی
۱۴۰۔ کتاب الاجوبۃ عن المسائل الخوارزمیۃ
۱۴۱۔ کتاب الرسالۃ الی الامیر ابی عبداللہ وابی طاہر بن ناصر الدولۃ فی مجلس جری فی الامامۃ
۱۴۲۔ کتاب مسئلہ فی معرفۃ النبیؐ بالکتابۃ
۱۴۳۔ فی وجوب الجنۃ لمن انتسب الی النبیؐ بالولادۃ
۱۴۴۔ کتاب الکلام فی دلایل القران
۱۴۵۔ جواب الکرمانی فی فضل النبیؐ علی سایر الانبیاء
۱۴۶۔ کتاب العہد فی الامامۃ
۱۴۷۔ مسئلہ فی انشقاق القمر وتکلم الذراع
۱۴۸۔ کتاب مسئلۃ فی معراج
۱۴۹۔ کتاب مسئلۃ فی رجوع الشمس
۱۵۰۔ المسئلۃ المقنعہ فی امامۃ امیر المومنینؑ
۱۵۱۔ کتاب الرسالۃ الکافیۃ فی الفقہ
۱۵۲۔ المسائل الجرجانیۃ
۱۵۳۔ المسائل الغربیہ
۱۵۴۔ کتاب النصرۃ لسید العترۃ
۱۵۵۔ مسئلۃ فی المواریث
۱۵۶۔ کتاب البیان عن غلط قطرب فی القران
۱۵۷۔ مسئلہ فی الوکالۃ
۱۵۸۔ کتاب فی القیاس
۱۵۹۔ شرح کتاب الاعلام النقص علی ابن الجنید فی اجتہاد الرای
۱۶۰۔ کتاب ابی الفرج بن اسحٰق لما یفسد الصلوٰۃ
۱۶۱۔ نہج البیان عن سبیل الایمان

۱۶۲۔کتاب المسائل الواردۃ علی ابی عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الفارسی المقیم بامشھد بالنوبندجان

۱۶۳۔کتاب مناسک الحج

۱۶۴۔عمدۃ المختصرۃ علی المعتزلۃ فی الوعید

۱۶۵۔کتاب جواب اھل جرجان فی تحریم الفقاع

۱۶۶۔الرد علی ابی عبداللہ المصری فی تفضیل الملائکۃ

۱۶۷۔کتاب الکلام فی ان المکان لا یخلو عن العکلم

۱۶۸۔کتاب اھل المسترقہ فی الاہلہ والعدد

۱۶۹۔کتاب جواب ابی محمد الحسن بن الحسین النوبندجانی المقیم بمشھد عثمان

۱۷۰۔کتاب جواب ابی الفتح محمد بن علی بن عثمان

۱۷۱۔النقض علی الجاحظ فی فضیلۃ المعتزلۃ۔

علی بن حسین سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رح

علی بن حسین بن موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ الکاظم علیہ السلام آپ کی کنیت ابوالقاسم اور لقب مرتضیٰ، علم الہدیٰ، ذوالمجدین والوثمانین ہیں آپ کی والدہ گرامی فاطمہ بنت حسین بن احمد بن حسن بن ناصر اصم اور وہ ابومحمد حسن بن علی بن عمر اشرف بن علی بن الحسین زین العابدین ہیں۔

اور بعض معتبر کتابوں میں مذکور ہے جو براہ راست میں نے اپنے استاد سے سنا کہ سید مرتضیٰ کے زمانہ میں عامہ نے اس بات پر اجماع کرلیا کہ مذہب صرف چار ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ سنیوں میں اجتہاد کیا گیا کہ اچھی رائے اور خیال پر عمل درآمد کیا جائے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رنگ برنگی آراء اور طرح طرح کی باتیں پیش ہونے لگیں اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کے دین کا ہی نام ونشان مٹ جائے تو انہوں نے چاہا کہ چاروں مذاہب پر اجماع کرلیں۔سید مرتضیٰ نے درخواست کی کہ اجماع پانچ مذاہب پر کیا جائے جعفری، شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی اس لیے کہ اگر پانچ مذہبوں پر اجماع ہوجائے گا تو شیعوں کو تقیہ کی ضرورت نہ رہے گی۔بادشاہ وقت نے کہا کہ اگر دو ہزار تومان دو تو پانچ مذہبوں پر اجماع ہوجائے گا۔سید مرتضیٰ نے کہا کہ تم مجھ سے ایک ہزار تومان میرے ذاتی مال سے قبول کرلو تو وہ لوگ نہ مانے۔دوسرے شیعوں نے کوئی اقدام نہ کیا کہ دوسرے ہزار تومان کا انتظام ہوجائے تو کل دو ہزار تومان ہوجائیں شاید یا تو شیعوں کی تعداد کم تھی یا ان کے پاس اتنی رقم نہیں تھی یا وہ اس مد میں رقم دینا نہیں چاہتے تھے چنانچہ چار ہی مذہبوں پر اجماع ہوگیا۔

سید مرتضیٰ کی بہت سی کرامات ہیں۔پہلی کرامت تو وہی ہے جو شیخ مفید کے بیان میں آچکی ہے کہ انہوں نے خواب میں جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کو دیکھا کہ حسنین علیہما السلام جو بچے ہیں کا ہاتھ پکڑے ہوئے مجلس میں تشریف لائی ہیں اور فرمارہی ہیں کہ اے شیخ آپ ان دونوں کو فقہ کی تعلیم دیجئے۔اور اسی روز صبح کو والدہ سید مرتضیٰ اپنے بچوں سید مرتضیٰ اور سید رضی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لائیں اور وہی الفاظ کہے کہ اے شیخ ان دونوں کو فقہ کی تعلیم دیجئے اور اس واقعہ کی تفصیل گزر چکی ہے جیسے ہی شیخ نے والدہ سید مرتضیٰ کو اس طرح بچوں کے ساتھ آتے دیکھا تو اپنی جگہ سے تعظیماً کھڑے ہوگئے اور سلام کیا۔

دوسری کرامت کا ذکر بھی ہوچکا ہے کہ سید مرتضیٰ اور شیخ مفید کو کسی مسئلہ میں اختلاف پیش آیا اور دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جناب امیرالمومنین کی خدمت میں لکھا جائے اور لکھ کر قبر مبارک پر ڈال دیا تو دیکھا کہ سبز تحریر میں جواب لکھا ہوا ہے کہ تم میرے شیخ اور قابل اعتماد شخصیت ہو اور حق میرے فرزند علم

الہدیٰ کے ساتھ ہے۔ آقا سید شفیع بروجردی ''روضۃ البہیۃ'' میں کہتے ہیں کہ میں نے یہ قصہ بعض علماء اور مشائخ عظام سے سنا ہے اس روز سید نے ایک ہزار تومان فقراء پر تصدق کیے اس نعمت کے شکرانہ پر کہ آپ کو اس شاندار عبارت میں جواب عنایت کیا گیا ہے اور یہ حکایت علماء کی زبانوں پر بڑی شہرت یافتہ ہے۔ اور بہت سے علماء نے شیخ کے خواب دیکھنے کی حکایت کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے ان میں ایک میرزا ای قمی ہیں جنہوں نے ''قوانین'' کی آخری جلد میں لکھا ہے اور جہاں تک میری نظر سے گزرا ہے اس خواب کو دس سے بھی زیادہ مشہور مسلمان علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور اگر تواتر نہ بھی ہو تو کم از کم تظافر وتسامح تو ہے ہی۔ اور خود امیر المومنینؑ کی دستی تحریر میں جواب آنے کی بھی شہرت ہے۔ آقا سید شفیع بروجردی نے بھی کتب ''روضۃ البہیۃ'' میں لکھا ہے اور شیخ اسد اللہ کاظمینی نے ''مقابیس'' میں لکھا ہے کہ یا تو مخفی طور پر آپ نے توقیع لکھی یا یہ کہ ان دونوں نے ذاتی طور پر جواب سنا یا یہ کہ شیخ نے امیر المومنینؑ کو خواب میں دیکھا مختصر یہ کہ جو کچھ بھی واقع ہوا بہر حال بڑی کرامت کی بات ہے۔

تیسری کرامت یہ کہ ایک دفعہ سید مرتضیٰ نجف میں تھے ایک درویش امیر المومنینؑ کی ثناء خوانی کرتے ہوئے آپکی بارگاہ میں حاضر ہوا اور جب آپ کے رواق کے دروازہ پر پہنچا عرض کی: اے امیر المومنینؑ یہ جو سونے چاندی کی قندیلیں آپ کے حرم میں روشن ہیں اور لٹکی ہوئی ہیں تو آپ تو ان سے بے نیاز ہیں ان میں سے ایک مجھے عنایت فرما دیں تو باقی عمر آپ کے عطیہ کے صدقہ میں چین سے گزاروں گا تو ایک قندیل ان میں سے الگ ہو کر زمین پر گر پڑی۔ درویش نے اسے اٹھانا چاہا، خدام مانع ہوئے اور قندیل اٹھا کر اپنی جگہ واپس لٹکا دی۔ دوسرے اور تیسرے دن پھر اس طرح واقعہ پیش آیا اور آخری دفعہ خدام نے سارے واقعہ کی کیفیت سید مرتضیٰ کے سامنے عرض کی اور پوچھا کہ کیا ہم قندیل درویش کو دیدیں یا نہیں۔ ان بزرگوار نے کہا نہیں درویش کو نہ دو وہ مال حرم ہے اپنے مقام پر واپس لگا دو۔ چنانچہ درویش کو کچھ نہ ملا۔ جب رات ہوئی تو حضرت صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہ زہراؑ سید مرتضیٰ کے خواب میں تشریف لائیں اور فرمایا کہ ہر فرقہ میں ایک دیوانہ ہوتا ہے اور یہ درویش دیوانہ آل محمدؐ ہے جو قندیل امیر المومنینؑ نے اس کو بخشی ہے تم اس کے حوالے کر دو اور درویش کو اپنے سے رضامند کرو تب ہی ہم تم سے راضی ہوں گے۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ علیہا السلام درویش کے خواب میں تشریف لائیں کہ ابھی سید مرتضیٰ تمہارے پاس آنے والے ہیں اور تمہیں قندیل دیں گے تم جو کچھ چاہتے ہو ان سے طلب کر لو اور پھر ان سے راضی ہو جانا۔ قصہ مختصر سید مرتضیٰ خواب سے بیدار ہوئے تو درویش کو تلاش کیا اور قندیل اس کو پیش کی اور پھر اس کی خوشنودی کے خواہاں ہوئے۔ درویش نے کہا کہ جو تمہارے خواب میں آیا وہ میرے بھی خواب میں آیا جب تک اتنی اتنی رقم مجھے نہ دو گے میں تم سے خوشنود نہ ہوں گا اور اس نے بہت بڑی رقم سید مرتضیٰ سے طلب کی اور پھر ان سے راضی ہوا۔

یہ قصہ اکثر لوگوں سے سنا جاتا ہے اور مولف کتب نے ایک ایسے عالم کی زبانی سنا ہے جس پر مجھے کامل اعتماد ہے۔

چوتھی کرامات یہ آقا سید شفیع بروجردی نے اپنی کتاب ''روضۃ البہیہ'' میں لکھا کہ میں نے ایک باوثوق شخصیت سے سنا کہ سید بغداد قدیم میں رہتے تھے اور ان کا ایک شاگرد بغداد جدید کا تھا۔ وہ شاگرد سید کے پورے درس میں شریک نہ ہو پاتا تھا اس لیے کہ صبح کو جب تک دریا کا پل باندھا جاتا سید کا درس تمام ہو جاتا یا درس کا کچھ نہ کچھ حصہ ختم ہو چکا ہوتا تھا اس شاگرد نے اپنا مسئلہ سید سے عرض کیا اور شکایت کی کہ درس ذرا تاخیر سے شروع ہو تو بہتر ہے۔ سید مرتضیٰ نے اس کو ایک کاغذ پر دعا لکھ کر دی کہ اس کو اپنے پاس رکھو اور اگر کسی وقت پل نہ باندھا گیا ہو تو تم پانی پر چل کر یہاں آجانا تم ہرگز غرق نہیں ہو گے لیکن شرط یہ ہے کہ اس پرچہ کو کھول کر یہ ہرگز نہ دیکھنا کہ اس میں لکھا کیا ہے۔ وہ شاگرد کئی دن تک اس دعا کی وجہ سے پانی پر چل کر آجاتا اور غرق نہ ہوتا اور حد یہ ہے کہ اس کے پاؤں اور جوتے تک تر نہ ہوتے تھے۔ ایک دن اس نے سوچا کہ اس پرچہ کو کھول کر دیکھنا چاہئے کہ اس میں لکھا کیا ہے اس نے پرچہ کھولا تو دیکھا کہ اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا ہے اس نے اسے دوبارہ تہ کیا اور جیب میں رکھ لیا دوسرے دن پہلے کی طرح پانی پر سے گزرنا چاہا اور پاؤں پانی میں ڈالا دیکھا کہ پاؤں پانی میں ڈوب گیا اس نے جلدی سے اپنا پیر باہر نکالا اور وہ اس دن دریا عبور نہ کر سکا (۱)۔

پانچویں کرامت: لقب علم الہدیٰ سے ملقب ہونے کے متعلق ہے۔ بہت سے بزرگ علماء جیسے شہید اول نے کتاب ''اربعین'' میں لکھا ہے کہ محمد بن حسین، قادر عباسی کا وزیر تھا وہ ۴۲۰ھ میں بیمار پڑ گیا اور بیماری طول پکڑتی گئی۔ حتیٰ کہ ایک رات امیر المومنینؑ کو خواب میں دیکھا کہ اس سے فرما رہے ہیں کہ

تم علم الہدیٰ سے کہو کہ تمہارے لیے دعا کریں تو تم شفایاب ہو جاؤ گے۔ وزیر کہتا ہے کہ میں نے آنجناب سے پوچھا کہ علم الہدیٰ کون ہے؟ فرمایا علی بن الحسین الموسوی۔ اب وزیر کی آنکھ کھلی تو التماس دعا کا رقعہ سید مرتضیٰ کی خدمت میں بھیجا اور اس میں آپ کو اسی لقب سے یاد کیا جو خواب میں دیکھا تھا تو سید

(۱) ظاہر ہے کہ ایک تو استاد کی ہدایت کے خلاف عمل کیا دوسرے ممکن ہے کلام الٰہی کو سبک سمجھا ہو کیونکہ صرف یہ آیت ایسا اثر نہیں رکھ سکتی ہے۔ چنانچہ اثر ظاہر ہوگیا (مترجم)

نے کسرِ نفسی کی بناء پر اپنے آپ کو اس لقب کا اہل نہ سمجھا اور وزیر کو جواب لکھا کہ میرے معاملہ میں خدا سے ڈرو اگر میں یہ لقب قبول کراوں تو یہ میری رسوائی ہوگی۔ وزیر نے عرض کیا کہ قسم بخدا کہ میں نے یہ نہیں لکھا بلکہ امیر المومنینؑ نے اس کے لیے مجھے حکم دیا تھا۔ خوش قسمتی سے دعائے سید سے وزیر کو اس مرض سے نجات مل گئی۔ اس نے تمام واقعہ قادر عباسی خلیفہ کو سنایا اور یہ بھی بتایا کہ سید اس لقب کو قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں تو قادر نے کہا کہ سید صاحب آپ کے جدامجد آپ کو جس لقب سے ملقب فرما رہے ہیں آپ اس کو قبول کر لیجئے۔

ابی الثمانین کا لقب آپ کو اس وجہ سے ملا کہ بہت سے علماء کہتے ہیں کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ نے اسی ۸۰ ہزار مجلد کتابیں جو آپ کی مقروات، مصنفات یا محفوظات تھیں چھوڑیں۔ اور آپ نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کا "الثمانین" نام رکھا تھا اور آپ نے جو چیز ترکہ میں چھوڑی وہ اسی کی تعداد میں تھی اور عمر بھی اکیاسی ۸۱ سال کی پائی لہٰذا آپ کی کنیت لوگوں نے ابوالثمانین رکھ دی نیز آپ کی کتابوں کی قیمت اسی ہزار تومان لگائی گئی جبکہ ان میں سے بہترین کتابیں امراء، وزراء کو بھیج دی گئیں۔ آپ کی ولادت ۳۵۵ھ میں ہوئی تھی اور وفات ۵ محرم ۴۳۶ھ میں ہوئی یا ۲۵ ربیع الاول کو ہوئی یا ۲۴ ربیع الاول کو۔ آپ کی دولت بے پناہ تھی۔ سفر مکہ میں سید مرتضیٰ اور ان کے بھائی نے ایک شخص کو نو ہزار تومان حوالے کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ بغداد سے لے کر مکہ تک ہر جگہ سید کی جائیداد موجود تھی۔ ان کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے نے نماز جنازہ ادا کی اور اپنے گھر میں مدفون کیا۔ اس کے بعد ان کو اپنے دادا حضرت موسیٰ کاظمؑ کے مشہد میں ان کے معروف گھر میں منتقل کر دیا یا پھر حرم امام حسینؑ میں منتقل کیا۔ آپ نے ایک دیہات فقہاء کیلئے وقف کر دیا تھا۔ شیخ نجاشی نے اپنی کتب میں کہا ہے کہ میں اور ابویعلی محمد بن حسن جعفری اور سلار بن عبدالعزیز ان کے غسل کے متولی ہوئے۔ اور سنی علماء نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی فضیلت بیان کی ہے اور ان کو چوتھی صدی ہجری کا مجدد دینِ شیعہ قرار دیا ہے۔ ان کو شیخ مفید سے اجازہ حاصل ہے۔ اور اسی طرح صدوق کے بھائی حسین بن علی بن بابویہ سے جن کی ولادت دعائے حضرت قائمؑ سے ہوئی تھی۔ اور شیخ طوسی اور ابن البراج ان سے اجازہ یافتہ ہیں اور آپ کے پاس درس پڑھا کرتے تھے؛ اور ان دونوں کے تحصیل علم کے زمانے میں سید ہر ماہ بارہ تومان شیخ طوسی کو اور آٹھ تومان ابن البراج کو دیتے تھے۔ آپ کا ایک شعری دیوان بھی ہے جس میں بیس ہزار اشعار ہیں۔

ایک دن شیخ مفید سید مرتضیٰ کے درس میں تشریف لے آئے.. سید نے درس کو روکا اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور شیخ کو اپنی جگہ بٹھا دیا اور خود سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ شیخ نے ارشاد کیا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ درس جاری رکھو کیونکہ مجھے تمہاری گفتگو بڑی پیاری لگتی ہے۔ اور آپ بہت سے علوم سے متعلق درس دیا کرتے تھے۔

ایک سال شدید قحط پڑا تو ایک یہودی شخص اپنی روزی حاصل کرنے کی غرض سے تاکہ اپنی زندگی بچا سکے کسی بہانے سے سید مرتضیٰ کی مجلس درس میں آ گیا اور آپ سے التماس کی کہ علم نجوم کے متعلق درس دیجئے۔ سید نے اس کو مجلس میں آنے کی اجازت دیدی اور اس کی خاطر سے علم نجوم کے متعلق درس شروع کر دیا اور اس کے لیے کچھ وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ کچھ ہی زمانہ کے بعد وہ یہودی سید کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

سید جسمانی لحاظ سے بڑے کمزور اور ضعیف البدن تھے آپ نے مصائب سید الشہداء میں بہت سی نظمیں لکھیں اور یہ اشعار بھی اسی سلسلے کے ہیں۔

لهم جسوم على الرمضاء مهملة — وانفس في جوار الله يقربها
كان قاصد ها ابلضر نافعها — كان قاتلها بالسيف محيها

ایک دن ابوالعلاء معری جن کا نام احمد بن سلیمان معری ہے اور جو بڑے مشہور شعراء میں سے ہیں سید کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو

ابوالطیب متنبی کے اشعار پر بات پہنچ گئی۔ سید نے ان کے اشعار کی خامیاں بتائیں اور ان کے اشعار سے ان کی مذمت کی۔ اس پر ابوالعلاء نے کہا کہ متنبی کے لیے تو اس پر ایک شعر ہی کافی ہے۔

لک یامنازل فی القلوب المنازل

(اے الٹ پلٹ ہونے والے مقامات میں مقابلہ کرنے والے)

سید نے یہ شعر سنا تو جلال میں آگئے اور حکم دیا کہ معری کو گھسیٹ کر مجلس سے باہر نکالا جائے۔ حاضرین کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا تو سید نے فرمایا کہ میں اس لیے غضبناک ہوا کہ وہ قصیدہ کے اس شعر کو پیش کرنا چاہتا تھا۔

واذااتتک مذمتی من ناقص فھی الشھادۃ لی بانی کامل

جب تو میری ناقص مذمت کرتا ہے تو یہی میرے لئے گواہی ہے کہ میں کامل ہوں

سید مرتضیٰ کے بعض فتوے عجیب وغریب ہیں جیسے وہ کہتے ہیں کہ مردوں کے لیے مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں اور نماز فجر میں جہر (با آواز بلند) سے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز یہ کہ تکبیر کہتے وقت وہ ہاتھ اٹھانے کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ نیز وہ غسل مس میت کو (واجب نہیں) صرف مستحب سمجھتے ہیں۔ دیگر یہ کہ اخبارِ احاد پر عمل کو حرام سمجھتے ہیں اور اس پر علماء کے اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم نے "منظومہ اصول" اور اسکی شرح میں اور "قوانین" کے حاشیہ میں اس قول کی کمزوری کو بطور اتم واضح کر دیا ہے۔ نیز وضو میں ہاتھ دھوتے وقت وہ یہ جائز سمجھتے ہیں کہ انگلیوں کے سرے سے ابتداء کر کے کہنی تک پانی پہنچایا جائے۔

علامہ نے کتاب "خلاصہ" میں فرمایا ہے کہ سید کی تصنیفات بہت ہیں۔ ہم نے ان کا ذکر کتاب "کبیر" میں کیا ہے اور علمائے امامیہ اُس وقت سے لیکر ہمارے زمانہ تک جو ۶۹۳ھ کا ہے ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں اور وہ ان کے رکن اور معلم ہیں۔ یہاں تک علامہ کا کلام تھا اور حق یہ ہے کہ علماء سید کی باتوں کو اس وقت سے لیکر ہمارے زمانہ تک فروعاً واصولاً عملاً واعتقاداً بلا تشبیہ قرآن کی طرح سمجھتے ہیں اور آیات کلامِ خدا کے بعد ان کے کلمات کا ذکر کیا کرتے ہیں۔

سید کی تالیفات میں:

۱۔ کتاب تفسیر سورۂ حمد اور تفسیر سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ

۲۔ تفسیر آیہ قل تعالوا اتل ما حرم اللہ

۳۔ رسالہ اس معنی کی تحقیق میں ولقد کرمنا بنی آدم الایۃ

۴۔ تفسیر قولہ تعالیٰ لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح

۵۔ کتاب الموضح عن جہۃ اعجاز القرآن اور یہی کتاب صرفہ کے نام سے معروف ہے۔

۶۔ کتاب الملخص فی اصول الدین

۷۔ کتاب الذخیرہ

۸۔ کتاب جمل العلم والعمل

۹۔ کتاب تقریب الاصول فی الرد علی یحییٰ بن عدی

۱۰۔ کتاب الرد علی یحییٰ ایضاً فی اعتراضہ علی دلیل الموحدین فی حدوث الاجسام والرد علیہ فی مسئلۃ سماھا طبیعۃ المسلمین مسئلۃ فی کونہ تعالیٰ عالماً مسئلۃ فی الارادۃ مسئلۃ اخری فی الارادۃ

۱۱۔ کتاب تنزیہ الانبیاء والائمۃ مسئلۃ فی التوبہ

۱۲۔ کتاب الشافی فی الامۃ

۱۳۔ کتاب المقنع فی الغیبۃ

۱۴۔ کتاب الخلاف فی اصول الفقہ مسئلہ فی التاکید مسئلۃ فی دلیل الخطاب

۱۵۔ المصباح فی الفقہ

۱۶۔ شرح مسائل الخلاف مسئلہ فی الصحۃ

۱۷۔ کتاب مسائل انفرادات الامامیہ

۱۸۔ کتاب المختصر فی الاصول

۱۹۔ کتاب غرر والدرر

ان کے علاوہ دیگر کتب، رسائل کچھ مختصر، کچھ مفصل اور بعض سوالات کے جوابات۔

اللہ ان پر رحمت نازل کرے اور ان کے آبائے طاہرین کے ساتھ محشور فرمائے۔ ان کو جنت کے مکانات میں جگہ دے اور اپنی بخششوں کے سمندر میں غوطہ زن رکھے محمدؐ وآل محمدؐ کے ساتھ۔

محمد بن حسین سید رضیؒ

محمد بن حسین بن موسیٰ بن محمد سابق الذکر سید مرتضیٰ کے بھائی تھے۔ ان کی کنیت ابوالحسن اور لقب رضی تھا۔ آپ کی ولادت ۳۵۹ھ میں ہوئی۔ علوم کے ماہر اور بڑے سخی وجواد تھے اس کے علاوہ شاعر بھی تھے اور دس سال کی عمر سے بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اور بعض علماء تو کہتے ہیں وہ اشعر طالبین ہیں بلکہ اشعر قریش ہیں بلکہ وہ اس بات کے اہل ہیں کہ ان کو قبیلہ کا بہترین شاعر قرار دیا جائے کہ ان کے قبیلہ کے پہلے شعراء حارث بن ہشام، ھبیرہ بن ابی وہب، عمرو بن ابی ربیعہ اور ابوذھیل ہیں اور آخری شعراء محمد بن صالح حسنی، علی بن محمد جسمانی اور ابن طباطبائی اصفہانی ہیں اور آپ اشعر قریش اس لیے ہیں کہ قریش میں سے جن لوگوں نے اچھے اشعار کہے تو انہوں نے زیادہ اشعار نہیں لکھے اور جنہوں نے بہت سا کلام لکھا وہ اتنا اچھا نہیں ہے اور آپ کے اندر دونوں باتیں پائی جاتی ہیں کہ اشعار نہایت اعلیٰ پایہ کے ہیں اور بہت ہیں۔ آپ نے بڑھاپے میں قران حفظ کیا تھا۔

آپ کسی سے تحفہ وہدیہ ہرگز قبول نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ والد بزرگوار سے بھی تحائف نہ لیتے تھے۔ ابواسحٰق ابراہیم بن ھلال صابی کاتب نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ میں ایک دن وزیر ابی محمد مہدی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں دربان نے آکر کہا کہ سید مرتضیٰ دروازے پر کھڑے ہیں اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ وزیر نے ان کو آنے کی اجازت دی، ان کی خاطر تواضع کی، اپنے پہلو میں جگہ دی اور ان سے باتیں کیں۔ جب ان کی باتوں اور کاموں سے فراغت ہوئی تو سید مرتضیٰ اٹھے اور وزیر سے وداع ہوئے۔ وزیر بھی کھڑا ہو گیا اور سید رخصت ہو گئے۔ وزیر پھر بیٹھ گیا اور خطوط لکھنے میں مشغول ہو گیا۔ اتنے میں پھر دربان آیا اور کہا کہ سید رضی تشریف لائے ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ وزیر نے جلدی سے خطوط ایک طرف پھینکے اور نہایت اضطراب اور گھبراہٹ کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کر دالان خانہ میں جا کر سید رضی کا استقبال کیا، ان کا ہاتھ تھاما، اپنی جگہ پر لا کر ان کو بٹھا دیا، خود ان کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور بڑی انکساری وخاکساری سے کام لیتا رہا۔ جب انہوں نے واپس جانا چاہا تو دروازہ تک ان کو چھوڑنے گیا اور پھر واپس آیا تو میں نے وزیر سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ وزیر نے کہا: معلوم ہوتا ہے تیرا سوال یہ ہے کہ میں نے سید رضیؒ کا زیادہ اکرام کیوں کیا جبکہ سید مرتضیٰ ان

سے بڑے بھی ہیں اور علم میں بھی زیادہ ہیں۔ میں نے کہا: ہاں میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: میں نے سید رضی میں ایک ایسی بات دیکھی جس کی وجہ سے وہ میرے لیے زیادہ قابل اعتماد بن گئے۔ ہوا یوں کہ جب میں نے فلاں نہر کھودنے کا ارادہ کیا تا کہ فلاں جگہ پانی پہنچایا جا سکے تو سید مرتضیٰ کا ایک گاؤں اس نہر کے آگے پڑتا تھا اور اس حصہ کی قیمت سولہ درہم بنتی تھی تو سید مرتضیٰ نے ایک بار اس سلسلے میں مجھے چٹھی لکھی کہ آپ ہمارے حصہ کو معاف کر دیں یا اس میں کچھ کمی کر دیں۔ یہ بات تو سید مرتضیٰ کی ہوئی۔

اور سید رضی سے بھی ایک دفعہ ہمیں معاملہ پیش آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فرزند سے نوازا تو میں نے ہزار دینار ایک طبق میں رکھ کر ہدیہ کے طور پر بھیجے اور مبارکباد دی لیکن انہوں نے وہ رقم واپس لوٹا دی اور کہا کہ وزیر کو معلوم ہے کہ میں کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہیں کیا کرتا۔ میں نے وہ طبق پھر یہ کہہ کر بھجوایا کہ یہ میں مولود کے لیے بھیج رہا ہوں آپ کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ انہوں نے پھر لوٹا دیا اور کہا کہ ہمارے بچے بھی کسی سے کوئی چیز نہیں لیا کرتے۔ میں نے پھر وہی طبق یہ کہہ کر بھجوایا کہ اچھا تو آپ اس دائی کو دیدیں جس نے بچے کی ولادت کے وقت مدد کی تھی۔ تو ان کا جواب آیا کہ وزیر کو معلوم ہے کہ ہمارے یہاں ولادت کے موقع پر کوئی غیر خاتون دائی نہیں ہوتی بلکہ ہمارے قبیلے کی خواتین یہ کام انجام دیتی ہیں اور اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتی ہیں۔ میں نے اس دفعہ یہ کہہ کر طبق بھجوایا کہ اچھا یہ مال ان طالب علموں کے لیے ہے جو آپ سے درس حاصل کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ سارے طلباء موجود ہیں جس کا جتنا جی چاہے لے لے تو ایک طالب علم اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک دینار کو اٹھا کر اس کا کنارہ توڑا اور وہ ٹکڑا اپنے پاس رکھ لیا باقی طبق میں واپس ڈال دیا تو سید رضی نے اس سے پوچھا کہ یہ ٹکڑا تم نے کیوں لیا تو اس نے کہا کہ کل میرے چراغ میں تیل ختم ہو گیا اور آپ کے اس خزانہ کی چابی جو طلباء کے لیے وقف ہے موجود نہیں تھی چنانچہ میں نے فلاں دوکاندار سے چراغ کے لیے قرض تیل لیا اب یہ ذرا سا ٹکڑا میں نے اس لیے توڑا ہے کہ اس کا ادھار ادا کر دوں۔ اس کے بعد سید رضی نے پھر وہ دیناروں کا طبق واپس کر دیا اور اس وجہ سے وہ میرے لیے زیادہ باوثوق ہو گئے۔

سید نے کچھ مکانات طلباء کے لیے تعمیر کرائے تھے اور ان کو دار العلم کہتے تھے، جو بھی ضرورتمند طلباء ہوتے تھے ان کو ملا کرتے تھے۔ وزیر کے ھدیہ کے واقعہ کے بعد انہوں نے حکم دیا کہ جتنے طالب علم ہیں خزانہ کی اتنی ہی چابیاں بنائی جائیں اور اس طرح ہر طالب علم کے پاس اپنی چابی رہنے لگی۔

آپ کی وفات ۶ محرم الحرام ۴۰۶ھ میں واقع ہوئی۔ سلطان بہاؤ الدولہ فخر الملک کا وزیر اور تمام امراء و اشراف اور قاضی آپ کے جنازہ پر حاضر ہوئے اور نماز پڑھی اور کرخ میں مسجد انباریین میں ان کے گھر کے بڑے پھاٹک کے سامنے مدفون کیا۔ ان کے بھائی سید مرتضیٰ ان کے جنازہ کی نماز پڑھانے کا حوصلہ نہ رکھ سکے اور آپ کی میت کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکے لہٰذا انتہائی رقت کے عالم میں مشہد امام موسیٰ کاظمؑ میں تشریف لے گئے اور فخر الملک ابو غالب نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جھٹ پٹے کے وقت فخر الملک روضۂ امام موسیٰ کاظمؑ جا کر سید مرتضیٰ کو منت سماجت کر کے گھر واپس لائے۔ اس کے بعد سید رضی کو حرم امام حسینؑ میں منتقل کر کے اپنے والد ماجد کے قریب دفن کیا گیا۔ سید مرتضیٰ، ابی العلاء معری اور مردویہ کاتب جو سید رضی کا شاگرد تھا ان سب نے آپ کے لیے مرثیے لکھے اور آپ کا یہ پہلا شاگرد ہے جس نے استاد کی وفات پر سیاہ لباس پہنا۔

ابوالفتح ابن جنی نے لکھا ہے کہ ابھی سید رضی پورے دس سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کو ابن صیرافی نحوی کے پاس لیکر گئے کہ ان کو صرف ونحو کی تعلیم دیں۔ ایک دن صیرافی نے بچوں کو مشق کرانے کی غرض سے جس طرح پوچھا جاتا تھا سید رضی سے یہ پوچھا کہ عمر پر نصب کی کیا علامت ہے؟ سید نے جواب دیا: نصب عمر کی علامت بغض علیؑ ہے(۱)۔ صیرافی اور دیگر حاضرین آپ کی اس برجستگی اور حاضر جوابی پر حیران رہ گئے۔ تذکرہ ابن عراق میں ہے کہ جب سید رضی کے والد نے اپنے بچے کا یہ جواب سنا تو بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ بیشک تم ہمارے فرزند ہو۔ اور اسی قصہ سے ملتا جلتا مامون خائن کا قصہ ہے جو اس نے اپنے باپ کے لیے کہا۔ وہ یوں ہے کہ بچپنے میں مامون نحو پڑھا کرتا تھا تو ھارون نے مشق کرانے کے لیے اس خائن سے پوچھا کہ مسواک کی جمع کیا ہے تو اس نے مکاری اور شیطنت کی وجہ سے جواب دیا: ضد محاسنک (تمہاری اچھائیوں کا الٹ)، مراد یہ کہ مساوئ کی جمع

(۱) نصب کے معنی زبر کی علامت اور دشمنی دونوں ہیں (مترجم)

مساویک ہوتی ہے لیکن اگر وہ یہ جواب دیتا تو باپ سے مخاطب ہونے کی وجہ سے اس کا مطلب یہ نکلتا کہ تیری برائیاں کیونکہ مساوی کے معنی بدی [illegible] کے بھی ہوتے ہیں اور بیٹا باپ کو یوں کہے تو بیٹے کے لیے بری بات ہے تو چونکہ اس لفظ کے ایک معنی یہ ہیں کہ جو مستحسن (اچھا) نہ ہو لہذا [illegible] یعنی آپ کی خوبیوں کا الٹ مساویک ہے۔

سیدرضی کے چند اشعار یہ ہیں:

عتبت الی الدنیا وقلت الی متی — اکابدهما یومه لیس ینجلی

میں نے دنیا کو ملامت کی اور کہا کب تک — ان کا فریب دیتی رہے گی (کیا) اس دن (تک) جب وہ ظاہر ہو گی نہیں ہوگی

اکل شریف من علی بخارة — حرام علیه العیش غیر محلل

شریف نے اس میں سے (صرف وہ) کھایا جو بھاپ کے اوپر تھا اس پر بغیر محلل کے ساتھ رہنا حرام تھا

فقالت بلی یابن الحسین رمیتکم — بسهمی عناداً منذ طلقنی علی

پس وہ بولی ہاں اے حسین کے بیٹے تم پر پھینکتی ہوں اپنی دشمنی کا تیر کیونکہ مجھے علیؑ نے طلاق دی تھی

بعض لوگ ان اشعار کو امام زین العابدینؑ کے قرار دیتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سید رضی کے اشعار ہیں۔

نقابت علویہ، امارت حج اور ایسے ہی دوسرے مناصب عالیہ سید رضی کے والد کو حاصل تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند سید رضی کو حاصل ہوئے، سید رضی کی وفات کے بعد سید مرتضیٰ کی طرف منتقل ہوئے اور سید مرتضیٰ کے انتقال کے بعد سید رضی کے بیٹے کو منتقل ہوئے اور ان کے فرزند کا نام ابواحمد عدنان بن سید رضی تھا۔ جو سلاطین آل بویہ کے نزدیک قابلِ تکریم واحترام تھے۔

سید رضی نے ایک قصیدہ لکھ کر قادر عباسی کو بھیجا:

عطفاً امیر المومنین فاننا — فی دوحة العلیا لاتفرق

امیرالمومنینؑ ہم پر مہربانی کرو کیونکہ ہم — اونچے درخت کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرتے

ما بیننا یوم الفخار تفاوت — ابداء کلانا فی المعالی مُعرق

ہمارے درمیان فخر کرنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں — پسینہ لانے والی بلندیوں سے نفی کرنے والے سے ہم دونوں بری ہیں

الا الخلافة میزتک فاننی — انا عاطل منها وانت مُطوّق

سوائے یہ کہ خلافت تم سے جدا کرتی ہے پس میں — اس سے خالی ہوں اور تم اس کے قیدی ہو

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سید رضی خلیفہ عباسی کے دربار میں تشریف فرما تھے اور سید یونہی اپنی داڑھی میں انگلیاں گھما رہے تھے، کبھی داڑھی کے بال ناک کے پاس لیجاتے اور ان کے اور خلیفہ کے درمیان پہلے ہی سے بدگمانی تھی کیونکہ خلیفہ یہ سمجھتا تھا کہ سید خلافت حاصل کرنا چاہتے ہیں چنانچہ خلیفہ نے طنزاً سید سے کہا کہ گویا آپ اپنی داڑھی میں خلافت کی بو سونگھ رہے ہیں۔ سید نے فی الفور جواب دیا خلافت کی خوشبو نہیں نبوت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں کیونکہ میں اولادِ پیغمبرِ خدا ہوں۔

سید رضی کی ایک کرامت یہ ہے کہ ایک دفعہ سید رضی نماز میں اپنے بھائی سید مرتضیٰ کی اقتداء کر رہے تھے۔ لیکن جب رکوع میں گئے تو سید رضی نے اپنی فرادیٰ نماز شروع کر دیا اور ان کی اقتداء ترک کر دی۔ بعد میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنی نماز کو فرادیٰ کیوں کر لیا تو جواب میں کہا کہ جب میں رکوع میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ امام جماعت جو میرے بھائی سید مرتضیٰ ہیں حیض کے ایک مسئلہ میں غور وفکر کر رہے ہیں اور ان کی پوری توجہ اسی مسئلہ پر مرکوز ہے اور وہ خون کے دریا میں غوطہ ور ہیں تو میں نے اپنی نماز کو فرادیٰ کر لیا۔

دوسری کرامت شیخ مفید کا خواب ہے جوانہوں نے سید مرتضیٰ اور سید رضی اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کی تشریف آوری کے متعلق دیکھا اور جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

آپ کی تالیفات بہت ہیں مثلاً:

۱۔ کتاب متشابہ در قران

۲۔ کتاب حقائق التنزیل کہ یافعی کہتا ہے یہ بے نظیر کتاب ہے جو علم نحو و علم لغت اور دوسرے علوم پر ان کی دسترس کی نشاندہی کرتی ہے۔

۳۔ کتاب تفسیر القران۔ بہت عمدہ تفسیر ہے اور تفسیر شیخ طوسی سے کافی بڑی ہے۔

۴۔ کتاب مجازات آثار نبویہ

۵۔ کتاب تعلیق خلافۃ الفقہاء

۶۔ کتاب تعلیق الایضاح جو ابوعلی کی کتاب ایضاح پر فارسی میں حاشیہ ہے۔

۷۔ کتاب خصائص الائمہ

۸۔ کتاب نہج البلاغہ اس میں امیر المومنینؑ کے خطبے، خطوط اور کلمات کو جمع کیا ہے اور اس پر ابن میثم نے شرح کبیر و صغیر لکھی اور ملا فتح علی کاشی نے فارسی میں شرح لکھی اور قطب راوندی اور ابن ابی الحدید کی شرح بھی ہے۔ اور میں نے شرح ابن ابی الحدید پر بہت سے حواشی لکھے ہیں کہ اگر جمع کیے جائیں تو ایک مکمل جلد بن جائے گی۔

۹۔ کتاب تلخیص البیان در مجازات قران

۱۰۔ کتاب زیارات ابی تمام کے اشعار میں

۱۱۔ کتاب سیرت والد بزرگوار

۱۲۔ کتاب انتخاب شعر ابن الحجاج

۱۳۔ کتاب مختار شعر ابی اسحٰق صابی

۱۴۔ کتاب ما دار بینہ و بین ابی اسحٰق من الرسائل (ہمارے اور ابی اسحٰق کے درمیان جو خطوط لکھے گئے) تین جلدوں میں۔

۱۵۔ آپ کا شعری دیوان چار جلدوں میں۔

خدا ان پر رحمت نازل کرے۔

محمد بن حسن بن علی بن طوسی

محمد بن حسن بن علی بن طوسی جن کی کنیت ابوجعفر اور تب شیخ الطائفہ ہے۔ فقہ میں جہاں بھی شیخ کا لفظ اکیلا ذکر کیا جاتا ہے تو وہاں شیخ طوسی ہی مراد ہوتے ہیں۔ وہ پہلے تین محمدوں میں سے تیسرے ہیں۔ ان کی کتابیں "تہذیب" اور "استبصار" کتب اربعہ میں شمار ہوتی ہیں۔ مذہبی سربراہی ان کے زمانہ میں انتہا کو پہنچ گئی۔ آپ کی مجلس درس میں تین سو شیعہ مجتہدین جمع ہوا کرتے تھے۔ آپ کی فضیلت کے موافق و مخالف سب ہی معتقد ہیں انہوں نے فنونِ اسلام میں سے ہر فن میں تصنیفات کی ہیں۔ آپ نے شیخ مفید سے درس لیا اور شیخ مفید کی وفات کے بعد سید مرتضیٰ اور دوسرے تمام علماء کی شاگردی اختیار کی۔

آپ کی ولادت ماہ مبارک رمضان ۳۸۵ھ میں ہوئی اور ۴۰۸ھ میں عراق آئے اور وفات شب پیر ۲۲ محرم ۴۶۰ھ میں ہوئی اور نجف اشرف

میں اپنے گھر میں مدفون ہوئے۔ حسن بن مہدی سیقلی، شیخ ابوالحسن محمد بن عبدالواحد دارابی اور شیخ ابوالحسن لؤلؤ اسی شب آپ کے غسل سے فارغ ہوئے۔ شروع میں وعید کے قائل تھے بعد میں اس قول سے رجوع کرلیا۔ آپ ان فتنوں کی وجہ سے جو بغداد میں رونما ہوئے تھے اور ان میں آپ کا گھر، کتابیں اور وہ کرسی جس پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے سب جلا دیئے گئے نجف اشرف تشریف لے گئے اور کچھ لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ چغل خوروں اور مخالفین نے خلیفہ عباسی سے کہا کہ شیخ نے کتاب ''مصابیح'' میں صحابہ پر لعنت کی ہے چنانچہ خلیفہ نے شیخ کو طلب کیا اور لعنت کا قصہ ان سے پوچھا تو شیخ نے انکار کردیا۔ اس پر ان لوگوں نے وہ کتاب منگوائی اور وہ مقام جہاں لعنت لکھی ہوئی تھی کہ اے پروردگار تو خاص طور پر پہلے ظالم پر لعنت بھیج خلیفہ کو دکھایا تو شیخ نے فی الفور جواب دیا کہ اے امیرالمومنین ان الفاظ سے ہرگز وہ مراد نہیں ہے جو دشمنوں نے ظاہر کی ہے بلکہ پہلے ظالم سے مراد قابیل ہے جو قاتل ہابیل تھا۔ اور وہ پہلی ہستی ہے جس نے بنی آدم میں قتل کا آغاز کیا اور دوسرے سے مراد صالح نبی کی اونٹنی کو پے کرنے والے سے ہے اور اس کا نام قیدار بن سالف ہے اور تیسرا ظالم قاتل یحیٰی بن زکریاؑ ہے اور چوتھا ظالم عبدالرحمٰن بن ملجم قاتل علی ابن ابی طالب ہے جب خلیفہ نے یہ جواب سنا تو شیخ کی بڑی تعظیم و توقیر کی اور جنہوں نے ان کی بدگوئی کی تھی ان کو سزا دی۔

آپ کی کل عمر مبارک پچھتر ۷۵ سال تھی اور جب آپ عراق آئے تھے تو صرف ۲۳ سال کے تھے اور سید مرتضٰی کی عمر ۵۳ سال تھی اور آپ اٹھائیس ۲۸ سال تک سید مرتضٰی کے ہم عصر رہے۔ شیخ نے ابن غضائری صاحب کتاب ''رجال'' کی بھی شاگردی کی لیکن ''تہذیب'' کی احادیث میں اور ان کی اسناد میں جو بعض اخباری مسلک کے لوگوں نے شیخ کے متعلق کہا ہے کہ انہوں نے اس میں سہو کیا ہے یہ بالکل غلط ہے اور اگر کہیں برائے نام سہو ہو بھی گیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اخباری مسلک والے احادیث کو قطعی مانتے ہیں اور شیخ کی کتاب ''تہذیب'' کی احادیث پر عمل بھی کرتے جاتے ہیں تو اگر اختلاف ہو تو اخباری لوگ ان احادیث پر عمل کیوں کرتے ہیں اور اس سے قطعیت کیسے حاصل کرتے ہیں۔

شیخ کی تالیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب تہذیب الاحکام جو تمام فقہی موضوعات طہارت سے دیات تک پر مشتمل ہے اور شیخ مفید کی مقنعہ کی شرح ہے۔

۲۔ کتاب استبصار۔ یہ اور مذکورہ بالا کتاب کتب اربعہ میں شامل ہیں۔ استبصار کی تین جلدیں ہیں۔ جلد اول و دوم عبادات سے متعلق ہیں اور جلد سوم عبادات کے سوا معاملات وغیرہ پر۔

جلد اول میں تین سو ۳۰۰ ابوب ہیں جن میں کل ۱۸۹۹ احادیث ہیں۔

جلد دوم میں دو سو ستر ابواب ہیں جن میں ۱۱۷۷ احادیث ہیں۔

جلد سوم تین سو اٹھانوے ۳۹۸ ابواب ہیں اور کل دو ہزار چار سو پچپن احادیث ہیں۔ اس طرح استبصار کے کل ابواب نو سو پچیس (۹۲۵) اور احادیث ۵۵۱۲ ہیں۔ جیسا کہ شیخ نے خود ان کو شمار کیا ہے۔ استبصار کی احادیث مختلف وضع کی ہیں۔

۳۔ کتاب نہایۃ آقا باقر بہبہانی ''حاشیہ مدارک'' میں کہتے ہیں کہ باقی تصانیف ''نہایۃ'' و ''استبصار'' کے بعد کی ہیں لیکن میرا یہ خیال ہے کہ ''نہایۃ'' آخری تصنیف ہے لیکن شیخ بہائی نے ''حاشیہ اثناعشریہ'' میں کہا ہے کتاب ''نہایۃ'' ''مبسوط'' سے پہلے تالیف ہوئی اور ان چیزوں کے جاننے سے چند فوائد ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ جو بعد کی کتاب کے فتوے ہیں وہ سابقہ فتوؤں سے رجوع کے بعد لکھے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر پہلی کتابوں میں کسی بات پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے اور بعد کی کتاب میں اس کے خلاف فتویٰ دیا گیا ہو تو وہ اس اجماع کو توڑ دیتا ہے اور اس کو بیکار کردینے کا سبب بنتا ہے کیونکہ لکھنے والے نے خود ہی بعد کی کتاب میں اپنے اجماع کو توڑ دیا ہے۔ اور خصوصاً اس حالت میں کہ حجیت اجماع منقول سے افادہ مظنہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اقویٰ ہے۔

اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ بعض اخباریین نے معاذ اللہ شیخ کو طعنہ دیا ہے کہ وہ اپنی ساری کتابوں میں تو مجتہد خالص ہیں اور کتاب ''نہایۃ'' میں وہ

خالص اخباری ہیں۔ یہ بات غلط ہے کیونکہ شیخ نے اپنی ساری کتابیں اجتہاد کے طریقہ پر لکھی ہیں اور نہایہ میں اپنے فتوے روایات کی عبارت کے ساتھ لکھے ہیں اور جن مسائل میں کوئی روایت نہیں ملتی ان سے کوئی واسطہ نہیں رکھا ہے اور اس میں اخباریت کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ اس کتاب میں غرض مسائل منصوصہ کو ذکر کرنا اور ذکر فروع غیر منصوصہ کو ترک کر دینا ہے لہذا ''نہایہ'' کے فتوے جب بھی اقوال میں ٹکراؤ ہو یا احادیث میں تعارض ہو تو وہ قابل ترجیح قرار پاتے ہیں اس لئے ''نہایہ'' کے فتوے اس بناء پر ہیں کہ اس فتوے کے مطابق کوئی روایت موجود ہے۔ بالکل اسی طرح شہید اول نے اپنی کتاب ''لمعہ'' کے آخر میں فرمایا کہ اس کتاب لمعہ میں جو فتوے میں نے لکھے ہیں وہ فتوے ہیں جو اصحاب میں مشہور رہے ہیں لہٰذا اگر کہیں احادیث میں اختلاف ہو تو جو چیز لمعہ کے فتوے کے مطابق ہو وہ اپنے مخالف پر ترجیح پائے گی کیونکہ لمعہ کے فتوے مطابق شہرت ہیں اور شہرت فتوائے لمعہ کو ہے۔ چنانچہ اس ناچیز مولف کتاب کا بھی یہی مشرب ہے کہ میں شہرت کو قابل ترجیح سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ہم نے بعض فتوے لمعہ کے ایسے دیکھے جو خلاف شہرت ہیں تو اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ شاید شہید کے زمانے میں انہی کو شہرت حاصل ہو لیکن متاخرین میں پھر کسی اور چیز کو شہرت حاصل ہو گئی ہو اور متقدمہ کی شہرت متقدم پر ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسا اتفاق پیدا ہو جائے تو اس کو **خرج ماخرج وبقی الباقی** (۱) کی طرح سمجھنا چاہئے۔ نیز شیخ کی تالیفات میں:

۴۔ کتاب مفصح امامت میں

۵۔ کتاب مالا یسع المکلف الاخلال بہ

۶۔ کتاب عدہ علم اصول میں

۷۔ کتاب رجال کہ روایت پیغمبرؐ سے ہے یا ائمہ سے۔

۸۔ کتب فہرست کتب شیعہ اور ان کے مصنفین کے نام

۹۔ کتاب مبسوط علم فقہ میں، علم کلام میں مقدمہ کے ساتھ

۱۰۔ کتاب ایجاز در فرائض اور خبر واحد پر عمل کے مسئلہ میں

۱۱۔ کتاب مایعلل و مالا یعلل

۱۲۔ کتاب شرح مقدمہ ریاض العقول

۱۳۔ کتاب تمہید الاصول اور یہ جمل العلم والعمل کی شرح ہے

۱۴۔ کتاب جمل وعقود

۱۵۔ کتاب تلخیص الشافی، امامت اور اس کے بارے میں مسائل پر

۱۶۔ کتاب بیان در تفسیر القران (۲۰ جلدوں میں)

۱۷۔ رسالہ در تحریم فقاع (جو کہ شراب حرام ہونے کے بارے میں)

۱۸۔ مسائل دمشقیہ (۱۲ مسائل)

۱۹۔ مسائل حلبیہ

۲۰۔ مسائل حاریہ

۲۱۔ مسائل الیاسیہ (ان تینوں میں مختلف فنون پر سو مسائل ہیں)

۲۲۔ مسائل جیلانیہ۔ ۲۴ مسائل ہیں۔

۲۳۔مسائل فرق میان نبی وامام ابن شاذان پر مسئلہ فار(چوہے) پر تنقید اور مختصر شب و روز کے اعمال

۲۴۔مناسک حج اس میں صرف عمل اور دعائیں ہیں

(۱)جو خرچ ہو گیا وہ خرچ ہو گیا جو رہ گیا وہ رہ گیا (مترجم)

۲۵۔مسائل ابن براج

۲۶۔کتاب مصباح متہجد سال بھر کے اعمال ہیں

۲۷۔کتاب انس التوحید

۲۸۔کتاب اقتصار (جو کچھ بندوں پر واجب کیا گیا ہے کے بارے میں)

۲۹۔کتاب مختصر مصباح (سال بھر کے عمل کے بارے میں)

۳۰۔کتاب غیبت

۳۱۔کتاب اخبار مختار بن ابی عبیدہ

۳۲۔کتاب مقتل الحسینؑ

۳۳۔کتاب اختیار الرجال

۳۴۔کتاب مجالس احادیث کے بارے میں۔

۳۵۔کتاب ھدایۃ المسترشد و بصیرۃ المتعبد

۳۶۔کتاب در اصول عقاید یہ بڑی کتاب ہے اس میں توحید پر گفتگو ہے اور

۳۷۔سزاؤں سے متعلق بعض مسائل رازیہ اور مسائل فارسیہ آیات قران میں۔

اللہ ان پر رحمت نازل کرے۔

سید مرتضٰی الداعی الرازی الحسینیؒ

سید مرتضٰی بن الداعی الرازی الحسینی جن کا لقب ابوتراب ہے سید مجتبٰی بن الداعی کے بھائی ہیں۔وہ اور ان کے والد اور بھائی اپنے وقت کے مشہور فقہاء میں سے تھے۔کتاب ''تبصرۃ العوام'' جو فارسی میں ہے کے مصنف ہیں۔دوسری کتاب جو انہوں نے لکھی وہ کتاب ''فصول تامہ فی ھدایۃ عامہ'' ہے اور یہ عربی میں ہے۔

غزالی ابومحمد بن محمد الغزالی الطوسی ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے غزالہ خراسان کا نواحی علاقہ ہے جس زمانے میں غزالی بغداد میں تدریس کیا کرتے تھے تو تین سو علماء ان کی مجلس درس میں حاضر ہوتے تھے۔جس میں سے ایک سو افراد امیر زادے تھے۔انہوں نے کتاب احیاء العلوم تالیف کی اور اس کتاب میں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ امام حسینؑ کے قاتلوں پر لعنت جائز نہیں ہے کیونکہ بہت ممکن ہے انہوں نے توبہ کر لی ہو جیسے قاتل حمزہؓ وحشی نے توبہ کر لی تھی۔اور خدا توبہ کو قبول کرنے والا اور مہربان ہے اور ابن خلکان نے اپنی کتاب تاریخ میں بھی لکھا ہے کہ ان سے جب یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے بڑا مفصل جواب لکھا کہ جائز نہیں ہے بلکہ قنوت میں اس کو چالیس مومنوں میں شمار کیا جا سکتا ہے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہئے اور اس ناچیز مولف کتاب نے اس مسئلہ کے بارے میں رسالہ لکھا ہے اور ان کی ان باتوں کی ایسی دھجیاں اڑائی ہیں کہ جیسے ہوا ریت کو اڑا

کر لے جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ جب صاحب ''کشاف'' نے کشاف لکھ لی تو اس کتاب کو غزالی کے پاس لے گئے تا کہ انہیں وہ کتاب دکھائیں جب ان کے ہاں پہنچے تو وہ ایسا موقع تھا کہ غزالی اوورکوٹ پہنے مکہ جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ تو انہوں نے صاحب کشاف کو دیکھ کر پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں نے تفسیر قران لکھی ہے جس کا نام کشاف رکھا ہے میں چاہتا تھا کہ آپ کو دکھالوں۔ غزالی نے کہا اس وقت تو میری روانگی ہے لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم نے اللہ نور السموت والا رض کی کیا تفسیر کی ہے۔ زمخشری نے کہا: نور کے معنی میں نے منور کے لیے ہیں۔ تو غزالی نے کہا: قشر قشر یعنی تمہاری تفسیر بس چھلکا ہی چھلکا ہے اس میں مغز تو ہے ہی نہیں (۱)۔

سید نعمت اللہ جزائری نے انوار نعمانیہ میں فرمایا ہے کہ بعض قابل اعتماد لوگوں نے بیان کیا کہ محمود بن عمر خوارزمی نے جب تفسیر کشاف تالیف کی تو اس کو لیکر غزالی کے پاس آئے تا کہ لطف وکرم اور انصاف کی رو سے اس کو دیکھیں جب ان کے پاس جا کر بیٹھے تو غزالی نے سبب تشریف آوری پوچھا۔ محمود نے ساری کیفیت بتائی تو غزالی نے پوچھا کہ ایاک نستعین کی تم نے کیا تفسیر کی تو اس نے جواب میں کہا: مفعول کی تقدیم افادہ انحصار کرتی ہے۔ تو غزالی نے کہا کہ تم علمائے قشر میں سے ہو۔ محمود بہت پشیمان ہوا اور خوارزم واپس آ گیا۔

مولف کہتا ہے کہ دونوں حکایات کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی نشست میں ہوئی ہوں۔

غزالی اہل سنت کے نزدیک حجۃ الاسلام کے نام سے مشہور ہیں۔ اور بحث ومباحثہ میں ان کو کمال حاصل تھا۔ وہ سید مرتضٰی رازی کے ساتھ مکہ جاتے ہوئے ہم سفر ہو گئے اور انہوں نے سید سے خواہش کی کہ آیئے ہم مسئلہ امامت پر گفتگو کرتے ہیں۔ سید نے کہا کوئی حرج نہیں لیکن ایک شرط کے ساتھ اور وہ یہ ہے کہ میں جب تک اپنے دلائل دیتا رہوں تو آپ بالکل نہیں بولیں گے اور میری بات نہیں کاٹیں گے۔ غزالی نے یہ شرط قبول کر لی۔ جب کسی جگہ قیام ہوا تو غزالی نے کسی کو بھیج کر سید کو بلوایا اور پھر دونوں امامت کے موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔ سید مرتضٰی نے اپنے دلائل پیش کرنے شروع کیے۔ بیچ میں کئی دفعہ غزالی نے چاہا کہ اپنی بھی کچھ بات کہیں لیکن سید نے انہیں اجازت نہیں دی اور کہا یہ بات ہماری شرط کے خلاف ہے۔ تو غزالی چپ ہو جاتے۔ جب سید کے تمام دلائل مکمل ہو چکے تو غزالی نے کہا کہ اب میرے جواب کی باری ہے۔ تو سید وہاں سے کھڑے ہو گئے اور بیٹھے نہیں تا کہ ان کے جوابات سنیں۔ ان کے جانے کے بعد غزالی شیعہ ہو گئے۔ ان کے شاگردوں نے کہا کہ سیدؒ آپ سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتے اس لئے بیٹھے نہیں کہ آپ کا جواب سنیں۔ غزالی نے کہا کہ سید وہی کہیں گے جو کہنا چاہیے اور میں تو صرف اپنی بڑائی جتا سکتا ہوں یا دوسرے کو غلط فہمی میں مبتلا کر سکتا ہوں اور سید اس بات کو بخوبی جانتے تھے چنانچہ وہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ تو اس وقت غزالی نے یہ شعر انشاء کیا۔

شیخ برما عرضِ ایمان کرد و رفت
کہنہ گبری را مسلمان کرد و رفت

ترجمہ: شیخ نے ہمارے سامنے ایمان کو پیش کر دیا اور پھر خود چلے گئے۔ انہوں نے ایک پرانے آتش پرست کو مسلمان بنا دیا اور پھر چلے گئے۔ محمد بن ابوالقاسم طوسی جو غزالی کے ایک شاگرد ہیں انہوں نے رسالہ محکمات میں لکھا ہے کہ غزالی سفر حج میں حضرت سید شریف مرتضٰی کی خدمت میں آئے اور مذہب حق کی تحقیق کی خاطر انہوں نے اپنی بعض مذہبی مشکلات بطور مشورہ خدمت سید میں پیش کیں تب حضرت نے امامیہ کے اصول عقاید دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ (روشن دلائل) کے ساتھ ان کے سامنے پیش کیے جس کے نتیجہ میں غزالی نے اھل سنت کے مذہب کو ترک کر کے مذہب حق امامیہ کو اختیار کیا۔

غزالی کا ایک بھائی احمد نامی تھا وہ دشمن اہل بیت اور متعصب شخص تھا۔ جب سفر حج سے واپسی ہوئی تو احمد نے مذہب حق سے انکار کیا اور دونوں (۱)

یعنی تم نے صرف ظاہری معنی مراد لئے ہیں غور وخوض تو کیا ہی نہیں۔ (مترجم)

بھائیوں میں خوب بحث و مباحثہ ہوا جو دو دن تک چلتا رہا۔ تیسرے دن احمد اچانک موت کا شکار ہو گیا اور اپنے ائمہ کے ساتھ ملحق ہو گیا۔

شہید اول غزالی کی سید مرتضٰی سے ملاقات کو جھوٹ پر مبنی سمجھتے ہیں کیونکہ سید مرتضٰی علم الہدیٰ ۴۳۰ھ میں تھے اور غزالی کی ولادت ۴۵۰ھ میں ہوئی تھی۔ لگتا یوں ہے کہ شہید کو غلط فہمی ہو گئی ہے کیونکہ غزالی کی سید مرتضٰی رازی سے ملاقات ہوئی تھی نہ کہ علم الہدیٰ سے۔

صاحب "مجالس المومنین" قاضی نور اللہ نے یہاں احتمال پیش کیا ہے کہ غزالی کی ملاقات سید مرتضٰی فرزند سید رضی جو علم الہدیٰ کے بھتیجے ہیں سے ہوئی تھی اور ان کے ہاتھ پر شیعہ ہوئے تھے۔ کیونکہ ان دونوں کا طبقہ ایک ہی ہے لیکن یہ احتمال بہت ضعیف ہے۔

تمام کاموں کی حقیقتوں کو اللہ بہتر جانتا ہے۔ اللہ ہمارے سب گزرے ہوئے علماء پر رحمت نازل فرمائے۔

احمد بن طاؤس الحسینیؒ

احمد بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن طاؤس بن اسحٰق ابن الحسن المثنیٰ بن الحسن المجتبیٰ بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اولادِ طاؤس میں چند افراد مشاہیر علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک تو احمد ہیں جو جمال الدین کا لقب رکھتے ہیں۔ شیخ حسن بن داؤد نے آپ سے درس پڑھا ہے۔ آپ کی وفات ۶۷۳ھ میں ہوئی۔ آپکی تالیفات میں کتاب "ملاذ و بشریٰ" جیسی کتاب شامل ہے۔ آپ کی کل تالیفات ۸۲ ہیں اور آپ شاعر بھی تھے۔

دوسری شخصیت آپ کے بھائی علی بن موسیٰ بن طاؤس کی ہے جو رضی الدین کہلاتے ہیں اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ آپ علامہ کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور آپ کی بھی بہت سی تالیفات ہیں جیسے کتاب "الاقبال"، کتاب "لہوف علی اہل الطفوف" یہ مقتل حسینؑ کے بارے میں ہے اور کتاب طرائف جس کا نام "ومن طریف ذلک" ہے اور یہ عامہ کی رد میں لکھی گئی ہے اور عبد المحمود نامی کے لئے لکھی گئی۔ علامہ حلی اجازہ اولاد زہرہ میں کہتے ہیں کہ آپ یعنی علی بن طاؤس کی بہت سی کرامات ہیں جن میں سے بعض انہوں نے مجھے بتائی بھی تھیں اور بعض اور کرامات میرے والد نے بتائیں اور انہوں نے بوجہ احتیاط ان کو تحریر بھی کر لیا تھا۔

سید نعمت اللہ جزائری نے کتاب "زہر الربیع" میں لکھا ہے کہ سید رضی الدین علی بن طاؤس نے کہا کہ خلیفہ نے مجھے قاضی بنانا چاہا تو میں نے اس سے کہا کہ میری عقل اور میری خواہش نفس کے درمیان مقدمہ قائم ہوا اور یہ دونوں مجھ سے اس کا فیصلہ کرنے کے خواہش مند ہوئے۔ چنانچہ یہ دونوں میرے پاس حاضر ہوئے اور عقل نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ تجھے راہِ جنت اور اسکی لذتوں کی جانب لے جاؤں اور خواہش نفس نے کہا کہ آخرت تو ادھار ہے میری آرزو یہ ہے کہ تجھے موجود لذتوں کا مزہ چکھاؤں اور دونوں مجھ سے انصاف کے خواہش مند ہیں تو میں نے ایک دن عقل کے بارے میں فیصلہ دیدیا اور ایک دن خواہش نفس کے لیے۔ اب دونوں جھگڑ رہے ہیں اور پچاس سال ہو گئے ہیں کہ میں ان کے جھگڑے کو نہیں نمٹا سکا تو جب میں ایک قضیہ کا فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں تو اتنے سارے نت نئے واقعات پر قابو پانے کی مجھے کہاں قدرت ہوگی۔ چنانچہ آپ عہدہ قضاوت کے لیے کسی ایسے کا انتخاب کریں کہ جس کی عقل و خواہش نفس آپس میں متفق ہو چکی ہوں اور اپنے اہم امور کو نمٹا سکتا ہو۔ یہاں تک کتاب "زہر الربیع" کا کلام تھا۔

شیخ احمد احسائی نے "شرح زیارت" جامعہ میں لکھا اور دوسرے لوگوں نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ سید رضی الدین علی بن طاؤس نے سامرہ کے سرداب مبارک میں جو حضرت صاحب الامرؑ کا سرداب ہے آپؑ کی آواز سنی لیکن آپ کی شخصیت کو دیکھا نہیں اور آپ نے سنا کہ امامؑ یہ دعا قنوت میں پڑھ رہے ہیں۔

اللھم ان شیعتنا خلقوا من فاضل طینتنا وعجنوا بماء ولا یتنا (الی آخر) یعنی پروردگار ہمارے شیعہ ہماری بچی ہوئی مٹی سے پیدا کیے

گئے اور ہماری ولایت کے پانی سے خمیر کیے گئے ہیں چنانچہ ہماری خاطر سے ان کو بخش دے۔

سید رضی اور ان کے بھائی احمد کی مائیں ورام ابن ابی فراس کی بیٹیاں تھیں اور ان کی والدہ شیخ طوسی کی صاحبزادی تھیں۔ شیخ ورام ابن ابی فراس نے ان دونوں لڑکیوں کو جو والدہ ابی فراس اور والدہ سید رضی تھیں اجازہ دیا ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ سید بعض مقامات پر شیخ طوسی کو جدی (میرے جد) کہا کرتے ہیں۔ اور ابن ادریس کو شیخ طوسی کے فرزند حسن بن محمد بن حسن اراسی سے اجازہ حاصل ہے اور شاید یہ اجازہ آپ کو بچپنے میں ہی مل گیا تھا۔

ان بزرگوار یعنی سید رضی الدین کی وفات پیر ۵ ذیقعدہ ۶۶۴ھ میں ہوئی۔ اور آپ کی ولادت جمعرات ۱۵ محرم الحرام ۵۸۹ھ میں ہوئی تھی۔

آپکی کرامات میں ایک واقعہ اسمٰعیل بن حسن ہرقلی کا ہے کہ جنہوں نے حضرت صاحب الامرؑ کی زیارت کی اور آپ نے اسے تاکید کی کہ خلیفہ عباسی سے کوئی چیز قبول نہ کرنا اور ہمارے فرزند سید رضی الدین سے کہنا کہ علی بن عوض کے پاس تیرے لیے سفارش لکھ دیں کیونکہ ہم نے یہ اسکی ذمہ داری لگائی ہے کہ تو جو بھی چیز مانگے وہ تجھے دیدے۔

یہ واقعہ مقدس اردبیلی نے کتاب ''حدیقۃ الشیعہ'' میں علی بن عیسیٰ اردبیلی نے ''کشف الغمہ'' اور علامہ مجلسی نے کتاب ''بحار'' میں ذکر کیا ہے۔

سید نعمت اللہ جزائری نے کتاب ''زہر الربیع'' میں لکھا ہے کہ جلیل القدر سید ابن طاؤس نے اپنی کتاب ''فلاح السائل'' میں لکھا ہے کہ میرے جد ورام بن ابی فراس، اللہ ان کی روح کو پاکیزہ قرار دے، ایسی شخصیت تھے کہ لوگ ان کی اقتداء کیا کرتے تھے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد میرے منہ میں عقیق کا نگینہ رکھ دینا جس پر تمام ائمہ علیہم السلام کے اسمائے گرامی نقش ہوں۔ چنانچہ میں نے بھی نگینہ عقیق پر یہ نقش کیا کہ اللـہ ربی (اللہ میرا رب ہے) ومحمدؐ نبی (اور محمدؐ میرے نبی ہیں) وعلیؑ امامی (اور علیؑ میرے امام ہیں) اور اسی طرح سارے اماموںؑ کے نام نقش کرنے کے بعد لکھاھم ائمتی (یہ سب میرے امامؑ ہیں) ووسیلتی (اور میرا وسیلہ ہیں) اور میں نے بھی یہ وصیت کی کہ اس نگینہ عقیق کو میری وفات کے بعد میرے منہ میں رکھ دیں تاکہ قبر میں جو دو فرشتے سوال کریں گے ان کا جواب ہو جائے۔ ان شآء اللہ تعالیٰ۔ شاید ورام بن ابی فراس کو کوئی مخصوص حدیث بھی اس بارے میں مل گئی ہوگی۔ اور لگتا یوں ہے کہ یہ اس قول پیغمبرؐ کے بارے میں اشارہ ہو جو روایات میں ملتا ہے کہ اے علیؑ عقیق کی انگوٹھی ہاتھ میں پہنو کیونکہ عقیق پہلا پہاڑ ہے کہ جس نے خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا اور میری رسالت کا اور تمہاری اور تمہاری اولاد کی امامت وولایت کا۔ یہاں تک ''زہر الربیع'' کا کلام تھا۔

تیسرے عبدالکریم بن احمد بن طاؤس ہیں۔ انہیں اپنے چچا سید رضی سے اجازہ ملا۔ آپ علم فقہ، علم نسب وعلم عروض کے ماہر تھے۔ آپ کی کنیت ابوالمظفر تھی آپ کی ولادت حایر میں ماہ شعبان ۶۴۸ھ میں ہوئی اور پرورش شہر حلہ میں۔ انہوں نے بغداد میں تحصیل علم کی اور وفات ۶۹۳ھ میں کاظمین میں پائی آپ کی کل عمر ۴۵ سال اور ۲ ماہ ہوئی۔ اور رجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ جو یاد کر لیتے کبھی بھولتے نہیں تھے۔ قران بہت کم عرصے میں یاد کر لیا تھا اور گیارہ سال کی عمر سے کتابت شروع کر دی تھی اور درس پڑھتے ہوئے چالیس دن سے زیادہ نہ ہوئے ہوں گے کہ معلم سے بے نیاز ہو گئے اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ آپ کی عمر صرف چار سال کی تھی۔ آپ کو خواجہ نصیر الدین طوسی سے بھی اجازہ حاصل ہے اور اسی طرح شیخ جلیل بن بحرانی سے آپ کو اجازہ ملا ہوا ہے۔

آپ کی کئی تالیفات ہیں جس میں سے ایک شیخ ابوعلی سینا کے ''رسالۃ النظیر'' کے دیباچہ کی شرح بھی ہے۔

چوتھے علی بن عبدالکریم ہیں جنہیں سید رضی الدین کا لقب حاصل ہے اور ان کو خواجہ نصیر الدین سے اجازہ ملا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان پر اور ہمارے امامیہ علماء پر بحق محمدؐ وآلہ الطیبین الطاہرینؑ رحمت نازل فرمائے۔

ابن میثم بحرانیؒ

شیخ مفید الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی علوم عقلی ونقلی میں ید طولیٰ رکھتے تھے انہوں نے نہج البلاغہ پر تین شرحیں لکھیں۔ چھوٹی، درمیانی اور بڑی۔ شیخ بہائی نے ''کشکول'' کی تیسری جلد میں لکھا ہے کہ ان کی وفات ۶۷۹ھ میں ہوئی انہوں نے سو الفاظ پر مشتمل بھی ایک شرح لکھی ہے۔ اور کتاب ''نجات درقیافہ'' ان کی ایک تالیف ہے اور یہ امامت کی تحقیق کے بارے میں ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اہل لغت لفظ مولیٰ کو اس شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جو کسی کام کی تدبیر کا اختیار رکھتا ہو۔ ان کے مشائخ اجازہ میں سے ایک علامہ حلی ہیں۔ خواجہ نصیر الدین اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ علم کلام وحکمت میں بے حد ماہر تھے۔ اور سید شریف گرگانی نے علم بیان میں شرح مفتاح کے بارے میں ان کی ایک تحقیق کا ذکر کیا ہے۔

ہمارے بعض مشائخ انہیں قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور میر صدری شیرازی نے ''شرح تجرید'' میں خصوصاً جواہر واعراض کے بارے میں ان سے بہت کچھ نقل کیا ہے۔ ان کے مزید ارقصوں میں سے ایک یہ ہے کہ شروع شروع میں وہ اعتکاف کے گوشوں میں معتکف رہ کر ذکر کیا کرتے تھے تو عراق کے فضلاء نے انہیں لکھا کہ کتنی عجیب بات ہے کہ فنون علم میں اس قدر مہارت رکھنے کے باوجود آپ کو طبقہ علماء میں کوئی منزلت ووقار حاصل نہیں ہے تو ان بزرگوار نے ان کے جواب میں یہ اشعار لکھے۔

طلبت فنون العلم ابغی بها العلی	فقصرفی عما سموت به العقل
میں نے فنون علم کی طلب کی تو بلندی کی خواہش پیدا ہوئی	پس عقل کے راستوں کو مختصر کردیا
تبین لی ان المحاسن کلها فروع	وان المال فیها هو الاصل
مجھ پر واضح ہوگیا کہ تمام خوبیاں (صرف) شاخیں ہیں	اور بے شک مال ہی اصل (جڑ) ہے

جب اہل عراق نے یہ اشعار سنے تو ان کو لکھا کہ ان اشعار میں آپ نے خود کو ہی خطا وار قرار دیا ہے اور مال کی برتری میں معاملہ کو برعکس کردیا ہے۔ تو اس وقت ابن میثم نے اپنے فیصلے کی تصدیق میں ایک قدیم شاعر کے اشعار لکھے

قد قال قوم بغیر فهم	ما المرء الا ب صغریه
قوم نے بغیر سوچے سمجھے یہ کہ دیا	کہ انسان کی قدر وقیمت دو چھوٹی چیزوں زبان اور دل سے ہے
فقلت قول امرحکیم	ما المرء الا بدرهمیه
پس میں نے قول امرِ حکیم دہرایا	کہ انسان کی قدر وقیمت درہم (ودینار) سے ہے
من لم یکن درهم لدیه	لم یلتفت .عرسه الیه

جس کے پاس درہم (مال) نہیں ہوتا اس کی دلہن بھی اس کی طرف ملتفت نہیں ہوتی

اور جب انہیں یہ اندازہ ہوا کہ ان اشعار سے بھی ان کا شک دور نہیں ہوگا تو وہ خود عراق کے لیے روانہ ہوگئے اور بالکل پھٹے پرانے کپڑے پہن کر عراق کے کسی ایک مدرسہ میں جو علماء سے بھرا ہوا تھا داخل ہوگئے۔ سلام کیا اور جہاں لوگوں کی جوتیاں پڑی ہوئی تھیں وہاں بیٹھ گئے۔ تو ان لوگوں نے بمشکل ان کے سلام کا جواب دیا، نہ ان کی کوئی عزت افزائی کی اور نہ حال چال پوچھا۔ جب مذاکرہ ہو رہا تھا تو ایسا دقیق مسئلہ کہ جس میں سب عاجز رہ گئے پیش آیا چنانچہ ابن میثم نے اس اشکال کے بارے میں نو جوابات ارشاد فرمائے تو ان میں بعض نے بطور مذاق کہا کہ اچھا تو آپ بھی ایک طالب علم ہیں (۱)۔

اس کے بعد کھانا آیا تو ان کو اپنے خوان میں شریک نہیں کیا بلکہ ایک مٹی کے برتن میں ان کا حصہ الگ کر کے ان کے آگے رکھ دیا اور خود ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ جب مجلس درس ختم ہوگئی تو وہ بھی مدرسے سے نکل کر چلے گئے۔

(۱) یعنی ظاہراً تو آپ محض فقیر لگ رہے ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ آپ کو بھی علم کچھ سے لگاؤ ہے (مترجم)

دوسرا دن ہوا تو انہوں نے اپنا نفیس اور بہترین لباس نکالا جس کی آستینیں خوب چوڑی چوڑی تھیں۔ وہ پہنا اور ایک بڑا سا عمامہ سر پر باندھا اور اب پھر ان کے مدرسے کی طرف چلے۔ جب ان لوگوں نے ان کو آتے دیکھا تو سب کے سب ان کی تعظیم میں کھڑے ہوگئے اور ان کو صدر مجلس میں لے جا کر بٹھایا۔ جب بحث و مذاکرہ کا آغاز ہوا تو حاضرین سے کوئی مسئلہ پوچھا جو نہ شرع کی رو سے اچھا تھا نہ عقل کی رو سے بہتر تھا۔ اور بڑی فضول فضول سی باتیں کیں تو سب نے ان کی باتوں کو مانا، ان کی تعریف کی (کہ کیا اعلیٰ خیالات ہیں) اور ان کو قبول کرلیا۔ اس کے بعد جب کھانا آیا تو بڑے ادب و احترام سے پہلے ان کو پیش کیا۔ اب ابن میثم نے اپنی آستین کھانے کے آگے کی اور اس سے مخاطب ہو کر کہا اے میری آستین تو کھانا کھا۔ جب ان لوگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو روکنے لگے کہ حضور آپ اپنی آستین ہٹا لیجئے کیونکہ آستین تو کھانا نہیں کھاتی۔ تو ابن میثم نے کہا کہ آپ حضرات آج میری ان چوڑی چکلی آستینوں کے لیے ہی تو کھانا لیکر آئے ہیں نہ کہ میرے روشن پاکیزہ نفس کے لیے۔ میں تو کل بھی آیا تھا لیکن فقراء کے حلیہ میں تھا اور میں نے کل بڑی اعلیٰ قسم کی باتیں کیں تو بھی تم لوگوں نے میری طرف التفات نہ کیا بلکہ مذاق اڑانے لگے۔ آج میں متکبر اور دولت مند لوگوں کی صورت میں آیا اور احمقوں کی سی باتیں کیں تم نے میری بڑی عزت افزائی کی اور جہالت کو علم پر اور مال کو فقر پر ترجیح دی اور وہ شخص میں ہی ہوں جس نے مال و دولت کی شرافت کے بارے میں اشعار لکھ کر تم کو بھیجے لیکن تم نے اس بارے میں مجھے مورد الزام ٹھہرایا۔ اس پر ان سب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور ان سے بڑی معذرت کی۔

بعض علماء نے "خلاصہ علامہ" کے حواشی میں یہ بات لکھی ہے کہ جہاں کہیں بھی لفظ میثم پایا جائے وہ میم کے نیچے زیر کے ساتھ پڑھا جائے گا (یعنی مِیثم) مگر میثم بحرانی کا نام م پر زبر کے ساتھ ہے (مَیثم)۔

یحییٰ بن احمدؒ

یحییٰ بن احمد بن یحییٰ بن حسن بن سعید کا لقب نجیب الدین ہے اور کتابوں میں یحییٰ بن سعید ان کے دادا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ زاہد و متقی اور جامع علوم تھے اور محقق اول کے چچازاد ہیں۔

آپ کی تالیفات میں کتاب "جامع الشرائع" اور کتاب "مدخول" جو اصول فقہ میں ہے اور دیگر کچھ اور کتابیں ہیں۔

آپ کی وفات شب عرفہ کی پہلی تہائی میں ماہ ذی الحجہ ۶۸۹ھ میں واقع ہوئی اور آخوند ملا محمد تقی مجلسی نے آخوند ملا محمد باقر مجلسی کے اجازہ میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن سعید نے بڑی طویل عمر پائی۔ آپ کے والد بھی فقہائے اجازہ اور اپنے وقت کے مشائخ میں سے تھے۔ اور آپ کا فرزند محمد بھی مشائخ اجازہ اور بہت عظیم فقہاء میں شمار ہوتا ہے۔

اللہ ان سب پر رحمت نازل فرمائے اور اپنے اولیائے ابرار کے ساتھ جنت میں جگہ عطا فرمائے۔

مقداد بن عبد اللہؒ

مقداد بن عبد اللہ بن محمد بن حسین بن محمد السیوری الحلی الاسدی عالم، فاضل، فقیہ اور متکلم ہیں اور ان کی تالیف شدہ کتب میں:

۱۔ کتاب فضل القواعد جو کتاب "قواعد" شہید اول کی شرح ہے۔

۲۔ کتاب شرح نہج المسترشدین اصول دین میں ہے

۳۔ کنز العرفان آیات احکام کی تفسیر میں ہے

۴۔ تنقیح الرائع یہ شرح "مختصر نافع" ہے

۵۔شرح باب گیارہ

۶۔شرح مبادی الاصول وغیرہ۔

نہج المسترشدین کی شرح لکھنے سے وہ ۷۹۲ھ میں فارغ ہوئے۔

۷۔اوران کی ایک شرح الفیہ شہید اول پر بھی ہے۔وہ شاگرد شہید اول ہیں اور انہی سے اجازہ یافتہ ہیں۔

علی بن عبیداللہ بن حسنؒ

علی بن عبیداللہ بن حسن بن حسین بن حسن بن علی بن حسین بن بابویہ قمی کا لقب منتخب الدین ہے۔بعض نے عبیداللہ کو عبداللہ لکھ دیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔اور بعض نے حسن بن حسین کو غیر مکرر لکھا ہے اور یہ بھی سہو ہے۔

آپ علمائے نامدار کے مشاہیر میں سے ہیں اور محمد بن محمد بن علی بن ہمدانی قزوینی کو آپ سے اجازہ حاصل ہے۔

آپ کی تالیفات میں ایک تو کتاب ''فہرست'' ہے جس میں شیخ طوسی کے ہم عصر علماء سے لیکر انہوں نے اپنے زمانے تک کے علماء کے حالات کا ذکر کیا ہے۔

آپ کی کنیت ابوالحسن ہے وہ اپنے والد کا اجازہ رکھتے ہیں جن کا نام عبیداللہ تھا اور وہ (عبیداللہ) اپنے والد حسن کا جو حسیکان کہلاتے ہیں ان کو اپنے والد حسن سے ان کو اپنے والد حسین سے جو شیخ صدوق کے بھائی ہیں اور ان کو اپنے والد علی بن بابویہ سے اجازے حاصل ہیں۔

اس کے علاوہ ان بزرگوار کو بابویہ بن سعد سے جو ان کے دور کے چچاؤں میں سے کسی کے بیٹے ہیں اجازہ حاصل ہے۔اور یہ مذکورہ بابویہ ابن سعد بن محمد بن حسن بن حسین بن علی بن حسین بن بابویہ قمی ہیں۔

شہید ثانی ''شرح بدایہ درایہ'' میں فرماتے ہیں کہ بیٹوں کی باپوں سے پانچ پشت تک مسلسل روایت انہی مذکورہ بابویہ کی ملتی ہے۔جن میں سے ہر فرزند اپنے والد کا اجازہ یافتہ ہے۔چنانچہ بابویہ کو اپنے والد سعد سے اجازہ حاصل ہے اور سعد کو اپنے والد محمد سے اور محمد کو اپنے والد حسن سے اور حسن کو اپنے والد حسین سے جو صدوق کے بھائی ہیں اور حسین کو اپنے والد علی سے اجازہ حاصل ہے۔

بابویہ کی تالیفات میں ایک کتاب اصول وفروع میں ''صراط المستقیم'' نامی ہے اور منتخب الدین اپنی چھ پشتوں سے اجازہ یافتہ ہیں۔

اسی طرح کہیں اجازہ چار پشتوں تک ہے جیسے محمد بن محمد بن زید بن الداعی کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے والد سے اجازہ حاصل ہے۔

اس طرح چار پشت کا اجازہ ظہیر الدین محمد کو ہے کہ ان کو اپنے والد فخر المحققین محمد کا ان کو اپنے والد حسن علامہ حلی کا ان کو اپنے والد یوسف بن المطہر کا۔نیز ایک اور اجازہ جلال الدین حسن کو اپنے والد نجیب الدین محمد سے جو محقق اول کے استاد ہیں اور نجیب الدین محمد کو اپنے والد جعفر سے اور ان کو اپنے والد محمد سے اور ان کو اپنے والد ابی البقاء ھبۃ اللہ بن نما سے اور یہ پانچ پشت تک کا اجازہ ہے۔

اور تین پشتوں کے اجازے تو بہت ہیں جیسے سید علی کو اپنے والد سید عبدالحمید سے انہیں اپنے والد فخار بن معد موسوی سے اور اس طرح اجازہ جعفر اپنے والد محمد سے اور ان کو اپنے والد محمد بن حسین معیہ سے۔اور شیخ ابراہیم کا اجازہ اپنے والد عبدالعالی کرکی محقق ثانی سے اور فرزندوں کو اپنے اپنے والد سے جو اجازے حاصل ہیں وہ تو لاانتہا ہیں جیسے شیخ ابوعلی حسن کو اپنے والد شیخ طوسی سے حسن بن فضل کو اپنے والد شیخ طبرسی سے جو صاحب ''مجمع البیان'' ہیں اور سید یحییٰ الدین کو اپنے والد زہرہ سے اور سید عمید الدین کو اپنے والد سے اور سید ضیاء الدین کو اپنے والد سے اور سید علی خان ششتری صاحب ''شرح صمدیہ'' نے شرح صحیفہ میں لکھا ہے کہ ان کو اپنے والد کا چار پشت تک کا اجازہ حاصل ہے۔

ارباب علم درایت اپنی مطول کتابوں میں بہ ابی لکھ کر بیٹوں کی باپ سے روایت بیان کرتے ہیں اور باپوں کی بیٹوں سے اجازات کا بیان بھی کیا ہے۔ چاہے وہ عامہ سے ہوں یا خاصہ سے اور شہید ثانی نے ''بدایۃ الدرایہ'' کی شرح میں اس سلسلے میں کچھ گفتگو کی ہے جس کی خواہش ہو اس کتاب سے رجوع کرے۔

اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے اور اعلیٰ علیین میں محمدؐ وآل محمدؐ کے ساتھ جگہ عطا فرمائے۔

احمد بن عبداللہ بن محمدؒ

احمد بن عبداللہ بن محمد بن علی بن حسن المتوج البحرانی کتب علماء میں اپنے فضل وتقویٰ اور علم کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ لقب جمال الدین ہے اور کبھی کبھی لوگ ان کو فخر الدین بھی کہہ دیتے ہیں اور کبھی شہاب جمال الدین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ آپ ابن المتوج کے نام سے معروف ہیں اور علامہ کے فرزند فخر المحققین کے شاگردوں میں سے ہیں۔ احمد بن فہد ادریس مقری احسائی آپ سے اجازہ یافتہ ہیں۔

آپ نے تفسیر قران کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی اور ایک رسالہ ناسخ ومنسوخ آیات کے سلسلے میں لکھا اور ''کتاب الاحکام'' کی شرح میں کتاب ''منہاج الہدایہ'' تحریر کی۔

ان کے فرزند ناصر بن احمد بھی فقہاء میں سے ہیں اور والد بزرگوار بھی فقیہ تھے۔ ناصر بن احمد خود بھی فقیہ ومحقق وحافظ تھے اور منقول ہے کہ وہ جو کچھ ایک بار سن لیتے تھے اس کو کبھی فراموش نہیں کرتے تھے۔

ابن المتوج نے امام حسن وامام حسین علیہما السلام کے بارے میں بہت سے مرثیے لکھے۔ آپ شیخ مقداد کے ہم عصر تھے اور مشہور یہ ہے کہ آپ کی قبر جزیرہ اُکل میں ہے اور یہ صالح پیغمبر علیہ السلام کا جزیرہ کہلاتا ہے۔ جو بحرین میں واقع ہے۔

اللہ تعالیٰ ان پر اور تمام گذشتہ علماء پر رحمت نازل فرمائے بطفیل محمدؐ وآل محمدؐ۔

سید تاج الدین ابی عبداللہؒ

سید تاج الدین ابی عبداللہ محمد بن القاسم بن مُعَیَّہ سید حسینی دیباجی ہیں۔ وہ بڑے فاضل، عظیم الشان اور شجرہ نسب کے جاننے والے تھے۔ شیخ شہید اول نے ان سے اجازہ حاصل کیا۔ شہید اول نے اپنے لیے بھی ان سے اجازہ لیا اور اپنے دو فرزندوں محمد وعلی کیلئے بھی اور دو بیٹیوں فاطمہ اور ست المشائخ کیلئے اور تمام مسلمانوں کے لیے بھی جنہوں نے تاج الدین کی حیات میں زندگی کا کچھ نہ کچھ حصہ گزارا۔ شہید ثانی فرماتے ہیں کہ میں نے سید مذکورہ کا وہ خط دیکھا ہے کہ جس میں انہوں نے شہید اول کے لیے مذکورہ تفصیل کے ساتھ اجازہ لکھا تھا۔ خود سید مذکور کو علامہ حلی، سید مجد الدین ابوالفوارس محمد بن علی بن محمد اعرج اور ان کے دو فرزندوں سید عمید الدین اور سید ضیاء الدین سے اجازہ حاصل ہے۔ ان کے علاوہ سید جلیل نسابہ علم الدین علی بن مرتضیٰ سید جمال الدین عبدالحمید بن سید نسابہ طاہراو حد فخار بن معد الموسوی اور سید رضی الدین عبدالکریم بن طاؤس سے بھی اجازہ یافتہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب پر اور ہمارے گذشتہ علماء پر بحق محمدؐ وآلہ الطاہرینؑ رحمت نازل فرمائے۔

علی بن ابراہیم محمد بن حسینؒ

علی بن ابراہیم بن محمد بن حسین بن زہرۃ الحلبی الحسینی فقیہ وفاضل سید ہیں اور آپ کا لقب علاء الملت والحق والدّین ہے اور علامہ حلی ان کے اجازہ

میں کہتے ہیں:

ان دنوں مجھے مولائے کریم سید جلیل عترت طاہرہ کا حسب و نسب رکھنے والے اور روشن ستاروں کی نسل والے جو نفس قدسیہ رکھتے ہیں انسانوں کے رئیس، مکارم اخلاق کے جامع، پاکیزہ بنیاد اور علی الاطلاق ہم عصروں سے افضل علامۃ الملت والحق والدین ابی الحسن علی بن ابراہیم بن محمد بن ابی الحسن بن ابی المحاسن زہرۃ بن ابی المواہب علی بن ابی سالم محمد بن ابی ابراہیم محمد النقیب بن ابی علی احمد بن ابی جعفر محمد بن ابی عبداللہ الحسین بن ابی ابراہیم اسحٰق المؤتمن ابی عبداللہ جعفر الصادق بن ابی جعفر محمد الباقر علیہما السلام بن ابی الحسن علی بن زین العابدین علیہ السلام بن ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام فرزند شہید ابن علی بن ابی طالب علیہ السلام نے حکم دیا اور انہوں نے اپنے اس غلام سے اپنے لیے اور اپنے اقارب کیلئے جو خدا کے نزدیک اپنے اجداد مؤیدین کی طرف سے سادات ہیں۔ اور مجھ سے کچھ لطیف دقیق مسائل اور گہرے مباحث کے بارے میں جوابات بھی طلب کیے۔ چنانچہ میں نے آپ کے حکم کا اتباع کیا اور آپ کی اطاعت میں جلدی کی اگرچہ میں نے لازمی طور پر سوءادب سے کام لیا۔ میں قابل معافی ہوں کیونکہ اگر میں اپنا دامن بچاتا تو آپ کے حکم کی مخالفت ہوتی۔ آپ معدن علم و فضل ہیں اور میں یہ بات دلیل و حجت کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔

میں ان کو اجازہ دیتا ہوں (خدا ان کی عمر دراز کرے) اور آپ کے مکرم و معظم اشرف الملت والدین فرزند ابی عبداللہ الحسین کو اور بڑے بھائی امجد، سید معظم مجد بدرالدین ابی عبداللہ محمد کو اور ان کے دو بزرگی اور عظمت والے بیٹوں کو جو ابو طالب احمد شہاب الدین اور ابی محمد عزالدین حسن ہیں کہ خدا ان کو ہمارے آقا کا ساتھ دینے کی قوت عطا کرے اور میں نے ان کو اور ان سب کو اجازہ دیا کہ وہ مجھ سے ہر اس چیز کی روایت کر سکتے ہیں جو میں نے علوم عقلیہ و نقلیہ میں لکھی یا لکھائی یا، جس پر میں نے فتویٰ دیا، جس کی مجھے اجازت دی گئی روایت کرنے کی یا جو میں نے سنا اپنے اصحاب سے جو ہمارے سابقین ہیں یا جن کی مجھے مشائخ نے اجازت دی جو میرے ہم عصر تھے یا جن کی ذات سے میں نے استفادہ کیا ہے تا آخر اجازہ۔

اللہ تعالیٰ ان پر اور ہمارے گذشتہ علماء پر بحق محمدؐ و آلہ الطاہرینؑ رحمت نازل فرمائے۔

فضل بن حسن بن فضل الطبرسیؒ

فضل بن حسن فضل الطبرسی ابوعلی جن کا لقب امین عالم ہے فاضل و ثقہ و جلیل القدر شخصیت تھے۔

آپ کی کئی تالیفات ہیں جن میں مشہور ترین کتاب تفسیر القران ہے جو "مجمع البیان" کے نام سے ہے جو دس جلدوں میں ہے۔ بڑی اچھی تفسیر ہے جو تمام فنون نحو و لغت و تصریف و معنی اور شان نزول پر مشتمل ہے مگر اس میں ایک بات ہے کہ اس میں اھل سنت کے مفسرین سے تو بہت کچھ نقل کیا ہے لیکن اھل تشیع اور اھل بیت سے بہت کم لیا ہے جو تفسیر عیاشی اور علی بن ابراہیم قمی کی تفسیر سے ہے۔

ان کی ایک بڑی تفسیری کتاب بھی ہے جو "جامع الجوامع" کے نام سے موسوم ہے چار جلدوں میں ہے۔ آپ نے جب پہلی تفسیر لکھنی شروع کی تو آپ کا سن ساٹھ سے اوپر تھا اور جب جامع الجوامع کا آغاز کیا تو آپ کی عمر ستر سے تجاوز کر چکی تھی۔ آپ کی ایک چھوٹی تفسیر بھی ہے جو ایک جلد میں ہے۔ اور کتاب "اعلام الوریٰ" نیز آپ سے روایت شدہ کتاب "صحیفۃ الرضاؑ" ہے۔

آپ مشہد مقدس رضاؑ سے منتقل ہو کر ۵۲۳ھ میں سبزوار آئے۔ اور ۵۴۸ھ میں وفات پائی۔ پھر آپ کے جنازہ کو مشہد رضوی میں لا کر دفن کیا گیا۔

آپ سے برھان الدین محمد بن محمد بن علی ہمدانی قزوینی نے جو رے میں مقیم ہوگئے تھے روایات لی ہیں۔ اور ابن شہر آشوب نے بھی جیسا کہ کتاب "معالم العلماء" میں وہ ان کو اپنا شیخ کہہ کر یاد کرتے ہیں آپ کی قبر مطہر قدمگاہِ حضرت امام رضا علیہ السلام میں ہے۔

اللہ ان پر رحم فرمائے اور جنتوں میں جگہ عطا فرمائے۔

محمود بن علی بن الحسین الرازیؒ

محمود بن علی بن الحسین الحمصی الرازی وقت کے علامہ اور یکتائے روزگار تھے۔ ان کی "تعلیق کبیر" جیسی بہت سی تالیفات ہیں۔ اور ان کے شاگردوں کی وساطت سے شہید اول کو آپ سے اجازہ حاصل ہے۔

شیخ منتجب الدین نے کہا ہے کہ انہوں نے کئی سال آپ سے درس لیا۔ جو آپ کے جو اشعار شہید اول کی تحریر میں ملتے ہیں ان میں سے یہ اشعار بھی ہیں۔

قد کنت ابکی و دادی منک دانیة — فحق ذلک اذ شطت بک الدار

ابکی لذکرک سراً ثم اعلنه — فلی بکائان اعلان و اسرار

ورام بن ابی الفراسؒ

امیر زاہد ورام بن ابی فراس المالکی الاشتری، اصحاب امیر المومنین میں سے مالک بن حرث اشتر نخعی کی اولاد میں سے ہیں اور آپ سید رضی الدین طاؤس اور ابن ادریس کے نانا ہیں۔ آپ نے شیخ محمود حمصی سے درس پڑھا اور شیخ منتجب الدین جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے نے ورام سے درس پڑھا۔ اور سنیوں میں سے امام فخر رازی نے بھی ان سے درس پڑھا جیسا کہ "قاموس" میں ملتا ہے۔

شہید اول نے محمد بن جعفر مشھدی سے روایت کی ہے اور وہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ کتاب "مجموعہ کتاب تنبیہ الخواطر ونزھۃ النواظر" کے لکھنے والے ہیں لیکن اس میں انہوں نے اچھا برا، مناسب، نامناسب سب ہی کچھ لکھ ڈالا ہے۔

سید بن طاؤس اپنی کتاب "فلاح السائل" میں لکھتے ہیں کہ میرے نانا ورام بن ابی فراس وہ شخصیت ہیں کہ لوگ ان کے افعال کی پیروی کرتے تھے۔ اور انہوں نے وصیت کی کہ عقیق کے نگینہ پر بارہ ائمہؑ کے نام نقش کر کے بعد وفات وہ نگینہ ان کے منہ میں رکھ دیں۔ اور سید بن طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے بھی عقیق کے نگینہ پر الله ربی و محمدٌ نبیی و علی اور اس طرح سارے ائمہ کے آخر تک نام لکھ کر ائمتی و وسیلتی نقش کیا اور وصیت کر دی کہ میری وفات کے بعد یہ نگینہ میرے منہ میں رکھ دیا جائے تا کہ جب قبر میں دونوں فرشتے سوال کرنے آئیں تو ان کا جواب بن جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں تک سید ابن طاؤس کا کلام تھا۔

شاید عقیق کو اس لیے مخصوص کیا گیا کہ پیغمبرؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ اپنے ہاتھ میں عقیق کی انگوٹھی پہنو کیونکہ عقیق وہ پہلا پہاڑ ہے جس نے خدا کی وحدانیت اور میری رسالت اور تمہاری اور تمہاری اولاد کی امامت و وصایت کا اقرار کیا۔ والسلام۔

سید عزالدین ابوالمکارم حمزہ بن علیؒ

سید عزالدین ابوالمکارم حمزہ بن علی بن زھرۃ الحسینی الحلبی فاضل و جامع شخصیت تھے۔ ان سے شیخ شاذان بن جبرئیل قمی اور ان کے بھتیجے سید محی الدین ابو حامد محمد بن فقیہ متکلم، محقق، مدقق ابوالقاسم عبداللہ بن علی بن زھرۃ الحسینی نے اجازہ پایا ہوا ہے۔ ان مذکورہ محمد کو اپنے والد کا بھی اجازہ حاصل ہے۔

محقق اول نے سید محمد مذکور سے اجازہ پایا ہوا ہے۔

سید حمزہ کی کئی تالیفات ہیں جیسے "غنیۃ النزوع" علم اصول و فروع میں ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ہر صفحہ اور ہر ورق پر احکامات کا ذکر کیا

ہے۔اور سب کے بعد یہ کہا ہے کہ یہ اجماع کی بناء پر ہے۔غرض یہ کہ اجماع کی کثرت ہے۔تو اگر دوسرے وہاں کا معیار اجماع [illegible]
اجماع کمزور پڑ جائے گا اور وہ دوسرا اجماع اس پر فوقیت حاصل کرے گا اور ان کے اجماع کی مشہوری کی وجہ یہ ہے کہ [illegible]
دعویٰ ہے اور یہی اس کے کمزور ہونے اور وہم میں ڈالنے اور حصول ظن حاصل نہ ہونے کا سبب ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سید بن زہرہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام سے ملاقات کرتے تھے اور آپ سے براہ راست احکام سنتے تھے لیکن وہ یہ [illegible]
قدرت نہیں رکھتے تھے کہ ان احکام کی امام سے نسبت دیں لہٰذا ان احکام کو لکھ کر ان پر اجماع کا دعویٰ کر دیتے تھے تاکہ وہ احکام ان سے قبول کر لیے جائیں۔
لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ تدلیس (۱) ہے۔واللہ اعلم

ان کی دوسری کتابیں بھی ہیں جیسے:

۲۔کتاب ''قبس الانوار فی نصرة العترة الاخیار''

۳۔مسئلة الرد علی المنجمین

۴۔کتاب النکت فی علم نحو وغیرہ

خدا ان پر رحمت نازل فرمائے۔

شیخ ابو منصور احمد بن علیؒ

شیخ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب الطبرسی۔اور جب طبرسی کا اطلاق کرنا ہو تو پہلے صاحب ''تفسیر مجمع'' پر اور ان کے بعد ابو علی طبرسی پر۔وہ فاضل اور ثقہ ہیں اور ان کو اجازہ حاصل ہے سید عالم عابد ابی جعفر مہدی بن حرب حسینی مرعشی سے انہیں شیخ صدوق ابی عبداللہ جعفر بن محمد بن احمد دوریستی سے انہیں اپنے والد محمد بن علی بن بابویہ قمی اور شیخ زین الدین محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی سروی اور شیخ طبرسی صاحب کتاب ''احتجاج'' سے۔

متاخرین میں سے بعض کتاب ''احتجاج'' کی نسبت شیخ ابی علی طبرسی صاحب کتاب ''تفسیر مجمع البیان'' سے دیتے ہیں جیسے ملا محمد امین محدث استر آبادی اور رسالہ مشائخ الشیعہ کے مولف اور محمد بن ابی جمہور احسائی اپنی کتاب ''غوالی اللیالی'' میں یہی کہتے ہیں۔اور یہ نسبت کھلم کھلا بالکل غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے گذشتہ علماء پر رحم فرمائے اور جو موجود ہیں ان کی عمروں میں اضافہ فرمائے۔

محمد بن ادریسؒ

محمد بن ادریس یا ابن ابی احمد ادریس عجلی ربعی حلی شیخ فاضل کامل مدقق سرداروں کے سردار اور وقت کی حیرت انگیز شخصیت فخر الدین ابو عبداللہ ہیں وہ بعض کے بقول شیخ ورام بن ابی فراس کے بھانجے ہیں اور شیخ طوسی کی بیٹی کے نانا ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ شیخ طوسی کے بھانجے ہیں۔شیخ اسد اللہ کاظمینی نے پہلی نسبت کا ذکر کر کے کہا ہے کہ یہ عجیب لگتا ہے اور اس مولف کتاب کو دوسری نسبت عجیب لگتی ہے کیونکہ اگر ہم دونوں کا طبقہ دیکھیں تو بہت بعید معلوم ہوتا ہے کہ ابن ادریس شیخ طوسی کے بھانجے ہوں اور وہ شیخ پر اعتراضات بھی کرتے ہوں یہی وجہ ہے کہ محقق اور علامہ اور محمود حمصی سب نے ابن ادریس کی طعن و تشنیع کی ہے اور اس سے لاپروائی برتی ہے۔

ابن داؤد اپنی کتاب ''رجال'' میں ان کا شمار ضعفاء میں کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے ایک قابل تعریف لوگوں

(۱) راویوں کی ایک غلطی جس میں وہ اس شخص کا نام نہیں لیتے تھے جس سے انہوں نے بالمشافہ روایت یا حدیث سنی بلکہ اور اوپر سے سلسلہ ملاتے تھے۔

کے لیے اور دوسرا حصہ ضعفاء کے لیے اور ابن داؤد کو انہوں نے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ ابن داؤد کہتے ہیں کہ وہ حلہ کے فقہا کے شیخ تھے اور علوم میں بڑے مستحکم تھے لیکن انہوں نے قطعی طور پر اہلِ بیت کی احادیث سے کنارہ کشی کی ہے۔

لیکن شیخ منتجب الدین اور دوسروں نے ان کی تعریف کی ہے اور فقہاء میں انہیں فحل العلماء (۱) کے لقب سے شہرت حاصل ہے اور متاخرین بھی ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ لیکن احادیث احاد پر عمل نہ کرنا ان کے لیے باعثِ عیب نہیں ہے کیونکہ سید مرتضیٰ اور دیگر فقہاء بھی آحاد احادیث پر عمل نہیں کرتے تھے۔ رہا طعن کرنا تو یہ کوئی پہلا موقع نہیں ہے جو اسلام میں نظر آتا ہے لہٰذا شیخ مفید اپنے استاد صدوق پر بڑے اعتراض کرتے ہیں حد یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہمارے شیخ ابو جعفر نے باب قضاوت میں یہ غلطی کی اور صدوق نے ایک حدیث لکھ کر اس کے معنی بھی لکھ دیئے تو شیخ مفید نے کہا کہ کاش وہ حدیث لکھ کر اس کے معنی نہ لکھتے۔

شہید اول ابن نما اور سید فخار کے اجازہ میں اس واسطہ سے کہ میں ان سے روایت کرتا ہوں اور امام علامہ شیخ العلماء و رئیس المذاہب فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن ادریس کو ثانی نے اپنے اجازہ میں کہا کہ یہ مرویات ہیں شیخ علامہ محقق فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن ادریس العجلی کی۔

یا ابن داؤد کا قول کہ وہ حلہ کے فقہا کے شیخ تھے کہہ کر ان کو کمزور بنایا ہے اور دیگر اختلافات بھی ہیں۔

ابن ادریس اپنے ماموں حسن بن شیخ طوسی سے بواسطہ شیخ عربی بن مسافر، وہ شیخ الیاس بن ھشام حائری سے وہ اپنے ماموں حسن بن شیخ سے اور ان کو صحیفہ کاملہ کیلئے بلاواسطہ بھی اجازہ حاصل ہے۔ اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ پسر شیخ کا اجازہ ابن ادریس کو بچپنے میں ملا ہوگا۔

ان کی تالیفات میں کتاب "سرائر" ہے اور اس کے علاوہ بھی کتابیں ہیں۔ اور فقہا کی زبانوں پر وہ نحلی (۲)، عجلی (۳)، متاخر (۴) و فاضل کہلاتے ہیں۔ حالانکہ اکثر فاضل کا لفظ علامہ کے لیے بولا جاتا ہے اور فاضلین علامہ اور محقق دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اور ابن ادریس ۲۵ سال کی عمر میں درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے اور ایسا اکثر ہوا کرتا ہے کیونکہ میں ناچیز بھی ۲۳ سال کی عمر میں مسائل کا حل نکالنے لگا تھا۔

حسن بن علی بن داؤدؒ

حسن بن علی بن داؤد صاحب کتاب "رجال" ہیں اور اس میں ایسا عجیب انداز اختیار کیا کہ ان سے پہلے کسی نے اس انداز پر نہیں لکھا۔ لیکن اس کتاب میں اغلاط بہت زیادہ ہیں اور علمائے رجال بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔

اس ناچیز مولف کتاب نے ان کی کتاب رجال پر غیر مدونہ حواشی لکھے ہیں۔ وہ محقق کے شاگردوں میں سے ہیں اور شہید ثانی نے اجازہ کبیرہ میں کہا ہے کہ تقی الدین حسن بن علی بن داؤد حلی بہت سی تصانیف کے مصنف اور بہت تحقیقات کرنے والے ہیں جس میں سے ان کی ایک کتاب رجال ہے۔ اور ان کی فقہ میں بھی نظم ونثر میں بڑی اور چھوٹی تصانیف ہیں۔ اور منطق، عربیت، علم عروض واصول فقہ میں بھی تیس (۳۰) کتابیں بڑی عمدہ ہیں۔ شہید اول نے ان کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

ادیبوں کے سلطان نظم ونثر کے بادشاہ، نحو وعروض میں نامور شخصیت تقی الدین ابی محمد حسن بن داؤد۔

اور خود اپنی کتاب رجال میں کہا ہے کہ میری ولادت ۵ جمادی الثانی ۶۴۷ھ میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ان پر اور ہمارے گزشتہ علماء پر رحمت نازل فرمائے۔

---

(۱) فحل بمعنی نر۔ (۲) نحلی: چھوڑ دینے والا، معاف کر دینے والا (۳) عجلی: جلدی کرنے والا (۴) متاخر: پیچھے رہ جانے والا۔

محمد بن جعفر بن ابی البقاءؒ

نجیب الدین ابراہیم محمد بن جعفر بن محمد بن ابی البقاء ہبۃ اللہ بن نما بڑے مذہبی پیشوا اور اپنے دور کے علامہ ہیں جیسا کہ شہید اول و شہید ثانی نے ان کی اسی عبارت سے تعبیر کی ہے۔ محقق اول صاحب ''شرائع'' کو ان بزرگوار کا اجازہ حاصل ہے۔ آپ کی وفات بعد زیارت غدیر، ذی الحجہ میں ۶۴۵ھ میں ہوئی۔ ان کے ایک فاضل فرزند شیخ جعفر ہیں۔ اور مقتل حسینؑ میں کتاب ''مثیر الاحزان'' ان کی تالیفات میں سے ایک ہے اور شیخ جعفر کا بھی ایک فاضل فرزند تھا جس کا نام احمد تھا جس کو اپنے والد اور دادا دونوں سے اجازہ ملا۔ اور احمد کا ایک فاضل بیٹا تھا اور وہ جلال الدین ابو محمد حسن بن نظام الدین احمد ہے اور اس کو شہید اول کا اجازہ حاصل ہے اور ان کے علاوہ یحییٰ بن سعید سے بھی رحمۃ اللہ علیہم۔

سید فخار بن معد بن فخار الموسویؒ

سید شمس الدین فخار بن معد بن فخار الموسوی الحایری عالم، فاضل، ادیب اور محدث ہیں اور محقق کو ان سے اجازہ حاصل ہے۔ ان کی تمام تالیفات میں کتاب ''ابوطالبؑ کو کافر قرار دینے والے مذاہب کارد'' ایک بڑی اچھی کتاب ہے۔ آپ ابن ادریس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے اجازہ یافتہ ہیں اور اسی طرح شاذان بن جبرئیل قمی سے بھی اجازہ پائے ہوئے ہیں۔

ابن ابی الحدید دشمنِ اہلبیتؑ نے ''شرح نہج البلاغہ'' میں اسلام ابوطالبؑ سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ سید فخار بن معد نے مجھے ایک کتاب بھیجی جس میں ابوطالب کو صاحبِ اسلام بتایا گیا ہے تو اس ابی الحدید نے اس کتاب کی پشت پر مدح ابوطالبؑ میں کچھ اشعار لکھے لیکن ابوطالب کے اسلام کو تسلیم نہ کیا۔

محمد بن صالح دور بستی کو آپ سے اجازہ حاصل ہے۔

آپ پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرے اور ابوطالبؑ پر پروردگار کا سلام ہو۔

عربی بن مسافر عبادیؒ

عربی بن مسافر عبادی کو اپنے استاد الیاس بن ھشام حایری، پسر شیخ طوسی اور شیخ الیاس سے اجازہ حاصل ہے۔ آپ فاضل و محدث تھے۔ اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے۔

ابو علی حسن بن محمد الطوسیؒ

ابو علی حسن بن محمد الطوسی، شیخ الطائفہ کے فرزند ہیں۔ عالم، فاضل، فقیہ اور محدث تھے اور اکثر اجازات کا خاتمہ آپ کی ذات گرامی پر ہوتا ہے۔ اپنے والد کی کتابیں والد سے پڑھیں اور ان سے اجازہ حاصل کیا۔ آپ کی تالیفات میں:

۱۔ کتاب امالی

۲۔ شرح نہایۃ وغیرہ ہیں۔

اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے۔

محمد بن علی بن شہر آشوبؒ

محمد بن علی شہر آشوب ابن ابی نصر بن ابی الجیش المازندرانی السروی کے کئی القاب ہیں جیسے زین الدین، رشید الدین، اور کنیت ابو جعفر ہے۔ وہ محدث، متکلم، فقیہ، ادیب، شاعر اور تمام خوبیوں کے مالک ہیں۔ ان کی کئی تالیفات ہیں جیسے:

۱۔ مناقب و معالم العلماء در احوال علماء

۲۔ حاوی

۳۔ منہاج

۴۔ مثالب النواصب

۵۔ مخزون مکنون در عیون فنون

۶۔ اعلام الطریق فی الحدود

۷۔ کتاب الاسباب والنزول علی مذہب الرسول

۸۔ کتاب اوصاف

۹۔ کتاب متشابہ القران

وہ شیخ طوسی سے دو واسطوں سے اور اپنے دادا شہر آشوب وغیرہ سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بہت سے مخالفین سے بھی اجازہ یافتہ ہیں جیسے محمود بن عمر زمخشری صاحب ''کشاف''، احمد غزالی، اور ان کے بھائی محمد غزالی صاحبِ کتاب ''احیاء'' سے، اور اسی طرح خطیب خوارزمی موفق بن احمد مکی صاحبِ ''اربعین''، اور قاضی ابی السعادات صاحب ''فضائل'' وغیرہ سے بھی اجازہ پایا ہوا ہے۔

سید ابو حامد بن زہرہ نے ان بزرگوار سے اجازہ حاصل کیا۔

اللہ ان سب پر رحمت نازل فرمائے۔

شیخ ابو عبداللہ جعفر بن محمدؒ

شیخ ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن عباس دوربستی ثقہ، پیشوائے دین، اور عظیم الشان ہیں اور شیخ طوسی کے ہم عصر ہیں۔ انہوں نے شیخ مفید اور سید مرتضیٰ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی تالیفات میں کتاب ''کفایہ'' عبادات میں ہے اور کتاب ''یوم ولیلۃ''، کتاب ''اعتقادات''، کتاب ''رد بر زید'' یہ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، وغیرہ ہیں۔

آپ دربس نامی شہر سے منسوب ہیں اور بعض نسخوں میں بلکہ اکثر میں دور بست کہا گیا ہے اور ان کی اولاد کی اولاد میں بھی فضلاء پیدا ہوئے ان میں سے ایک نجم الدین عبداللہ بن جعفر بن محمد دوربستی ہیں جو عالم و فاضل اور صاحب جلالت تھے اور وہ روایت کرتے ہیں مفید کی روایات کی اپنے دادا ابو جعفر محمد بن موسیٰ بن جعفر وہ اپنے دادا ابی عبداللہ جعفر بن محمد اور وہ مفید کے واسطہ سے اور ایک اور حسن بن جعفر دوربستی ہیں اور جیسا کہ قاضی نور اللہ ''مجالس المومنین'' میں کہتے ہیں وہ فاضل جلیل تھے اور عالم و شاعر بھی تھے اور ان کے اشعار میں یہ اشعار بھی ہیں:

بغض الوصی علامة معروفہ ... کتبت علیٰ جبہات اولاد الزنا

(رسول کے) وصی کے بغض کی عام علامت ہے کہ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہے کہ یہ اولادِ زنا ہیں

من لم یوال من الانام ولیہ سیان عند اللہ مثلی امرنا

لوگوں میں سے جو اس کے ولی کا ساتھ نہیں دے گا تو عن قریب گزشتہ کی طرح خدا کی طرف سے عذاب نازل ہوگا

اور ایک دوسرے فاضل ابو جعفر محمد بن موسیٰ بن جعفر بن محمد دوربستی ہیں وہ فاضل اور جلیل القدر ہیں اور وہ روایت کرتے ہیں شیخ مفید کی اپنے دادا ابی عبداللہ جعفر بن محمد سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔

اللہ ان پر رحمت نازل کرے۔

جعفر بن محمد بن موسیٰ بن قولویہؒ

جعفر بن محمد بن موسیٰ بن قولویہ کی کنیت ابوالقاسم ہے اور ان کے والد ابو مسلمہ نیک اصحابِ سعد میں سے تھے اور ابوالقاسم ان کے اصحابِ ثقہ میں اور ان میں سب سے جلیل القدر تھے اور وہ سعد کی روایت اپنے والد اور بھائی کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں اور کہتے تھے کہ میں نے سعد سے صرف چار احادیث سنیں۔ وہ شیخ مفید کے استاد تھے۔ ان کی وفات ۳۶۹ھ میں ہوئی۔ آپ کی کئی کتابیں ہیں جیسے:

۱۔ کتاب مداوات الحسد

۲۔ کتاب الصلوٰۃ

۳۔ کتاب جمعہ وغیرہ

آپ نے جناب صاحب الزمان صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ کو عریضہ لکھا اور اپنی زندگی کی مدت کے متعلق پوچھا یہ اس وقت ہوا جب حجر الاسود کو اپنی جگہ نصب کیا جا رہا تھا۔ قاصد نے کاغذ آپؑ کے حوالے کیا اور آپؑ نے کاغذ کو پڑھے بغیر ہی فرما دیا کہ کتنی عمر پائیں گے۔ یہ واقعہ علامہ مجلسی نے "بحار الانوار" میں جلدِ غیبت امام میں مفصل تحریر کیا ہے والسلام۔

حسن بن ابی عقیل ابو علیؒ

حسن بن ابی عقیل کی کنیت ابو محمد یا ابو علی ہے۔ شہرت دوسری کنیت کی ہے۔ عمانی کے نام سے مشہور ہیں اور کلینی کے ہم عصر ہیں اور باہمی خط و کتابت میں جعفر بن قولویہ کو اجازہ عطا کیا۔ شیخ مفید ان کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ عمانی یعنی عمان سے منسوب تھے اور یہ ساحل دریائے فارس کا ایک شہر ہے اور اس شہر اور سمندر کے درمیان ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ مشہور مشائخ سے اس کو عین پر پیش اور م کی تشدید کے ساتھ سنا گیا ہے۔ (یعنی عُمّان) لیکن میرے نزدیک م پر تشدید غلط مشہور ہے۔

شیخ طوسی فرماتے ہیں کہ ان کے والد کا نام عیسیٰ ہے اور آپ متقدمین کے عظیم ترین فقہاء اور متکلمین میں سے ہیں۔

ان کی کتابوں میں کتاب "آل رسولؐ کی رسی سے تمسک" بڑی اچھی اور مشہور کتاب ہے جو فقہ کے موضوع پر ہے جیسا کہ ابن شہر آشوب کا خیال ہے۔ لیکن فقہ کے علاوہ بھی اس میں بہت کچھ ہے اور یہ شیخ طوسی کا بیان ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حاجی حضرات خراسان میں آتے ہی اس کتاب کا نسخہ خرید لیتے ہیں اور پھر اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں۔ ابو علی، ابن ابی عقیل اور عمانی اس کو کتب فقہ میں شامل سمجھتے ہیں۔

ان کے بعض فتوے بڑے عجیب ہیں۔ اور امامیہ مجتہدین میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے سنیوں کے امام مالک سے موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ آب قلیل نجاست ملنے سے نجس نہیں ہوتا اور کسی اور مجتہد نے اس کو قبول نہیں کیا سوائے انتہائی جلیل القدر سید حسیب فاضل نقیب امیر معزالدین محمد صدر اصفہانی کے جنہوں نے اس موضوع پر رسالہ لکھا ہے اور انہوں نے ابن ابی عقیل کے خلاف علامہ کے اعتراضات کو رد کیا ہے۔

ان کا دوسرا فتویٰ یہ ہے کہ نماز صبح و مغرب میں اذان و اقامت کو واجب سمجھتے ہیں اور اس میں ابن ابی عقیل کی سید مرتضیٰ نے موافقت کی بلکہ یہ تک کہہ دیا کہ نماز صبح و مغرب میں اگر کوئی اذان و اقامت نہ کہے تو اس کی نماز باطل ہے۔

اللہ ان پر اور تمام گذشتہ علماء پر رحمت نازل فرمائے بحق محمدؐ و آلہ اجمعینؑ۔

محمد بن احمد بن الجنیدؒ

محمد بن احمد بن الجنید ابو علی الکاتب الاسکافی شیخ مفید کے مشائخ میں سے ہیں اور عمانی کے ہم عصر لیکن ان سے کچھ بعد کے ہیں۔ وہ امیر معزالدولہ ابن بابویہ کے دور میں تھے ان کی ایک کتاب معزالدولہ کے مسائل کے جوابات میں ہے۔ آپ نے بڑی عمدہ کتابیں لکھی ہیں حالانکہ وہ قیاس پر عمل کو درست مانتے تھے لیکن اس سلسلے میں ان کی کتابیں متروک ہیں۔ ملا عبداللہ تونی "وافیۃ الاصول" میں کہتے ہیں کہ ابن جنید نے قیاس کا قول بدل دیا تھا۔ آپ کی وفات ۳۸۷ھ میں ہوئی اور شیخ نجاشی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے کسی شیخ سے سنا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ان کے پاس صاحب الامرؑ کا کچھ مال تھا اور ایک تلوار بھی تھی اور انہوں نے اپنی کنیز سے اس بارے میں وصیت کردی تھی۔ لیکن آخر وہ مال اور شمشیر ضائع ہوگئے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابن جنید نیابتِ خاصہ کے دعویدار تھے لیکن یہ محض جھوٹ اور بہتان ہے بلکہ بعض یہ کہتے ہیں کہ بعض سنیوں نے ان کو اس طرح کی نسبت دی ہے۔ پناہ بخدا کہ وہ یہ دعویٰ کریں!؟

ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب "تہذیب الشیعہ" ہے جس کی بیس جلدیں اور بیس جزو ہیں اور یہ فقہ کے موضوع پر ہے۔ اس کتاب کو انہوں نے مختصر کر کے بھی لکھا اور اس کا نام "احمدی در فقہ محمدی" رکھا۔ علامہ اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے سید سعید صفی الدین ابی جعفر محمد بن معد موسوی کی تحریر میں پایا کہ وہ روایت کرتے ہیں ہمدانی قزوینی برھان الدین سے شیخ منتجب الدین کی روایات اور علامہ اپنے والد کے توسط سے سید صفی الدین سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان صفی الدین نے خود یہ تحریر کیا کہ مجھے بڑی جلد نکاح کے موضوع پر "تہذیب" کی ملی ہے جو بڑی خوبصورت عبارت، خوش مضمون، نہایت بلیغ انداز میں تمام فروع و اصول و استدلال و اقوال کی جامع ہے۔

اللہ ان پر رحمت نازل کرے۔

سلار بن عبدالعزیزؒ

سلار بن عبدالعزیز جن کے بارے میں نسخوں میں کچھ اختلاف ہے، متکلم اور فقیہ اور شیخ مفید کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کی کنیت ابو علی تھی۔ آپ نے سید مرتضیٰ سے بھی درس لیا تھا۔ اور اکثر یہ ہوتا تھا کہ سید مرتضیٰ کی غیر موجودگی میں ان کی نیابت میں درس دیتے تھے جیسا کہ کتاب "مقابیس" میں شیخ اسد اللہ کاظمینی نے لکھا ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ شیخ مفید کی نیابت میں درس دیا کرتے تھے یعنی جب کبھی شیخ کسی عذر کی بناء پر نہ آسکتے تھے تو آپ ان کی جگہ بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے جیسا کہ شیخ فخر الدین طریحی نے "مجمع البحرین" نامی کتاب میں مادہ "سلر" پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ابوالفتح بن جنی کہتے ہیں کہ میں نے ان کا زمانہ پایا۔ بلکہ ان سے درس بھی پڑھا ہے۔ آخر عمر میں کمزوری اور ضعیفی کی وجہ سے یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ زیادہ گفتگو کرنے پر

قدرت نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ جو بھی درس دینا چاہتے تھے اسے لکھ لیا کرتے تھے اور پھر اسے شاگردوں کے سامنے پڑھ دیا جاتا تھا۔
وہ گیلان کے دیلمانی باشندے تھے۔ اسی لیے لفظ دیلمی اس کا شاھد ہے اور اہل طبرستان سے تھے جیسا کہ شیخ اسد اللہ کاظمینی کا قول ہے۔ وہ علمائے حلب سے تھے۔
سید مرتضی کی کتابوں میں سے ایک "مسائل سلاریہ" بھی ہے جو سید نے ان کے مسائل کے جوابات میں لکھی تھی۔ اور وہ فرزند شیخ طوسی اور حلبی شیخ حسکا جو منتجب الدین کے جد تھے نیز شیخ عبدالجبار رازی دغیر کے مشائخ میں سے تھے۔ آپکی کئی تالیفات ہیں جیسے:

۱۔ کتاب ابواب وفصول فقہ میں
۲۔ مقنع در مذہب
۳۔ تعریب دراصول فقہ
۴۔ شافی پر جو ابوالحسن نے رد لکھی۔ اس رد پر آپ نے رد لکھی۔
۵۔ ایٹم کی حقیقت کا ذکر

بعض کتابوں میں ملتا ہے کہ شیخ طوسی نے آپ سے اجازہ حاصل کیا۔ آپ کی تالیفات میں سے ایک
۶۔ کتاب مراسم بھی ہے جو فقہ میں ہے۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

عبدالعزیز قاضی بن نحریر بن عبدالعزیزؒ

قاضی بن البراج جن کا نام عبدالعزیز بن نحریر بن عبدالعزیز بن البراج الطرابلسی الشامی ہے اللہ تعالیٰ ان کی بلند مرتبہ قبر کو منور فرمائے، سید مرتضی کے شاگردوں میں سے ہیں اور سید مرتضی کی طرف سے وہ طرابلس میں قاضی تھے ان کا لقب عز المومنین اور سعد الدین ہے۔ کنیت ابوالقاسم اور قاضی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے شیخ طوسی سے بھی تعلیم حاصل کی۔
آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں جیسے:

۱۔ مذہب
۲۔ معتمد
۳۔ روضہ
۴۔ مقترب
۵۔ عماد المحتاج یہ مناسک حج میں ہے
۶۔ جواہر
۷۔ معالم
۸۔ کامل اور
۹۔ سید مرتضی کی العلم والعمل کے جملوں کی شرح

آپ علاقہ شام میں شیخ کے نائب تھے اور آپ کو شیخ سے اجازہ بھی حاصل ہے اور حلبی سے بھی اجازہ یافتہ ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ کراجکی سے بھی

اجازہ لیا اوران سے تعلیم بھی پائی۔

جب آپ نے شیخ سے سوالات کیے تو شیخ نے کئی کتابیں ان سوالات کے جوابات میں لکھیں۔ان کتابوں کے آغاز میں قاضی کو شیخ فاضل کے لقب سے تعبیر کیا اور راوندی نے وضاحت کی ہے کہ ان میں شیخ سے مراد قاضی ہیں۔قاضی،عبدالعزیز بن ابی کامل کے مشائخ میں سے ہیں اور اسی طرح حسکا کے مشائخ میں بھی، نیز مشائخ شیخ عبدالجبار اور شیخ محمد بن علی بن محسن حلبی کے مشائخ میں بھی۔اللہ ان پر رحمت نازل کرے۔

تقی بن نجم ابوالصلاح الحلبیؒ

ابوالصلاح الحلبی تقی بن نجم حلبی یا تقی الدین بن نجم یا نجم الدین فقہاء متکلمین میں بہت بلند مقام کے حامل ہیں۔اور سید مرتضیٰ اور شیخ کے شاگرد ہیں۔شیخ نے کتاب رجال کے باب من لم یرووا عن الائمه (جنہوں نے ائمہ سے روایت نہیں کی) میں کہا کہ تقی بن نجم الدین حلبی ثقہ ہیں۔اور کچھ کتابوں کے مصنف ہیں اور انہوں نے مجھ سے اور سید مرتضیٰ سے درس پڑھا تا آخر۔اور آپ نے سلار سے بھی درس پڑھا اور حلب کے علاقے میں سید مرتضیٰ کے نائب تھے اور اگر کوئی سلار سے کوئی مسئلہ پوچھتا تو وہ کہتے تھے کہ تمہارے پاس تو تقی موجود ہے (اس سے مسئلہ پوچھو) وہ قاضی،عبدرازی، شیخ فقیہ صالح بن ثابت بن احمد بن عبدالوہاب حلبی وغیرہ کے مشائخ میں سے ہیں۔اور آپکی کتابوں کا ذکران کے شیخ، شیخ الطائفہ نے اپنی کتاب رجال میں کیا ہے ان کتابوں میں:

۱۔کتاب کافی اصول دین وفروع دین میں

۲۔ہدایہ فقہ میں

۳۔سید مرتضیٰ کی ''ذخیرہ'' کی شرح

۴۔تقریب المعارف اور

۵۔العمدۃ الشافیہ والکافیہ شامل ہیں۔

فقہا کبھی آپ کو آپ کے نام سے کبھی کنیت سے اور کبھی لفظ حلبی سے پکارتے ہیں۔

عبدالعزیز بن ابی کاملؒ

عبدالعزیز بن ابی کامل الطرابلسی، قاضی ابن البراج کے بعد اسخہ میں قاضی ہوئے وہ فاضل، محقق، فقیہ وعابد تھے۔

آپ کی تالیفات میں:

۱۔کتاب مہذب

۲۔کتاب اشراق

۳۔کتاب کامل

۴۔کتاب جواہر

۵۔کتاب موجز شامل ہیں۔

آپ کو قاضی بن البراج، کراچکی، حلبی اور بعض کے بقول شیخ سے بھی اجازہ حاصل ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات درست نہیں۔

محمد بن علی بن عثمان کراچکیؒ

محمد بن علی بن عثمان کراچکی قاضی ابوالفتح یا ابوالقاسم جو رملہ میں جا بسے تھے محدث، فقیہ، متکلم اور صاحب ''کنز الفوائد'' ہیں اور سید مرتضیٰ، شیخ دیلمی، اور واسطی کے اکابر تلامذہ میں سے ہیں۔ انہیں شیخ مفید سے بھی اجازہ حاصل ہے۔ شیخ کی کتابوں میں سے ایک کتاب ''جواب ابی الفتح محمد بن علی بن عثمان'' بھی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا تعلق مصر سے تھا۔

آپ کی تالیفات میں:

۳۔ نوادر

۴۔ معونۃ فارض در استخراج سہام فرائض

۵۔ شرح جمل مرتضیٰ اور

۶۔ منہاج مناسکِ حج کے بارے میں شامل ہیں۔

محمد بن عمر بن عبد العزیزؒ

محمد بن عمر بن عبد العزیز الکشی، کش ماوراء النہر کا ایک مشہور شہر ہے۔ یہ بڑا شہر ہے۔ لمبائی چوڑائی میں تین تین فرسخ ہے۔ آپ کی کنیت محمد ابا عمرو جس میں عین پر زبر ہے۔ احادیث اور رجال سے بخوبی واقفیت رکھنے والے ہیں۔ لیکن روایت ضعفاء سے بھی کر لیتے ہیں۔ عیاشی کے مصاحب تھے اور اس سے روایات لی ہیں۔ آپ کی کتاب میں بڑی اغلاط ہیں جیسا کہ علامہ نے ''خلاصہ'' میں یہ بات کہی ہے۔ اور نجاشی نے بھی یہی کہا ہے حتی کہ یہاں تک کہا کہ ہمارے پاس ایک کتاب ہے رجال کے بارے میں کہ ہمیں ایک جماعت نے اطلاع دی ابی محمد ہارون بن موسیٰ کی محمد بن عمر بن عبد العزیز ابی عمرو کشی کے متعلق اور لولؤ میں کہا گیا کہ وہ کتاب کشی تو ہم کو نہیں ملی اور جو موجود ہے اور آجکل پائی جاتی ہے وہ کتاب ''اختیار کشی'' ہے جسے شیخ طوسی نے لکھا ہے کشی سے منتخب کر کے اور اس کا نام اختیار کشی رکھا اور شیخ ابراہیم داؤد بن حسن جزائری نے اس کی ترتیب حروف معجم کے حساب سے کی۔(۱)

شیخ عبد اللہ بن صالح کہتے ہیں کہ شیخ داؤد مذکور صحیح الاعتقاد ادیب تھے اور نیک شخص تھے۔ اہل بیت کی محبت میں اخلاص رکھتے تھے۔ انہوں نے کتاب اختیار کشی اور نجاشی کو ترتیب دیا لیکن ان میں قوت استدلال و تصرف نہیں تھی۔ انہوں نے اپنی تحریر میں اور دوسروں کی تحریر میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد چار سو جلدیں بنتی ہے اور ان کو مدرسہ جزیرہ کے لیے وقف کیا جو انہوں نے خود بنایا تھا۔

آپ کے تین فرزند تھے اور سب کے سب فاضل تھے۔ جن میں سب سے بڑے شیخ علی، پھر شیخ حسن، اور شیخ صالح۔ اور شیخ علی کا ایک فرزند تھا جو اپنے والد اور چچا سے افضل تھا خصوصاً عربیت میں اور اس کا نام شیخ داؤد ہے جو شیخ عبد اللہ کا معاصر ہے اور اپنے دادا کے نام سے موسوم ہے شیخ داؤد اور ان کے دادا کی قبر مدرسہ جزیرہ میں حجرہ شمالی میں واقع ہے شیخ علی کے بیٹے کی قبر کے ساتھ ہے۔

اللہ ان پر رحمت نازل کرے اور ہمارے گذشتہ علماء پر بھی اور جو موجود ہیں ان کو طول عمر عطا فرمائے بحق محمدؐ و اہل بیت الطاہرین۔

احمد بن علی بن احمدؒ

احمد بن علی بن احمد بن ابی العباس نجاشی شیخ طوسی کے ہم عصر ہیں اور سید مرتضیٰ کے بھی اور شیخ مفید کے شاگردوں میں ہیں۔ آپ کی نسبت نجاشی

(۱) معجم: وہ حرف یا حروف جن پر نقطے ہوں۔ (مترجم)

اھوازی تک جاتی ہے جو حضرت صادقؑ کے تحریر کردہ رسالہ کے صاحب ہیں۔ علامہ نے ''خلاصہ'' میں کہا ہے کہ احمد بن عباس بن محمد بن عبداللہ ابراہیم بن محمد بن عبد بن نجاشی والی اھواز تھے اور آپ نے خدمت امام جعفر صادقؑ میں ایک کتاب لکھی جس میں ان سے سوالات کیے گئے تھے۔ تو آنجنابؑ نے ایک رسالہ لکھا اور ان کو بھیجا اور وہ مشہور رسالہ ہے۔ احمد کی کنیت ابوالعباس ہے وہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ ان کی کتاب ''رجال'' سے ہم نے اس کتاب میں بہت کچھ نقل کیا ہے۔ آپ کی وفات ۴۵۵ھ جمادی الاول میں ہوئی۔ اللہ ان پر رحمت کرے۔

شیخ ابوعبداللہؒ

شیخ ابوعبداللہ حسین بن عبید اللہ یا عبداللہ بن ابراہیم غضاری (نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے) یہ بزرگوار شیخ طوسی کے مشائخ میں سے ہیں اور شیخ طوسی کو ان سے اجازہ حاصل ہے۔ آپ نے ۱۵ صفر ۴۱۱ھ میں وفات پائی۔ نجاشی نے بھی آپ کے درس سنے اور آپ سے اجازہ پایا ہوا ہے اور آپ کے مشائخ اجازہ میں ابن قولویہ ہیں اور چونکہ انتہائی پرہیز گار تھے لہذا آپ نے بہت سے راویوں کو ضعیف قرار دیا گو آپ کے کسی کو ضعیف کہہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن ہاں اگر آپ نے کسی کو ثقہ مان لیا تو پھر یقیناً وہ اعلیٰ درجہ کا ثقہ راوی ہوگا جیسا کہ ہم نے ''منظومہ درایہ'' اور دوسری کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اللہ ان پر رحمت نازل کرے۔

محمد بن احمد بن سلیمؒ

محمد بن احمد بن سلیم یا سلیمان جعفی پھر المصری آپ کتابِ فاخر کے مصنف ہیں آپ نے غیبت صغریٰ و کبریٰ دونوں زمانے دیکھے۔ شیخ نجاشی آپ کی روایت دو واسطوں سے کرتے ہیں اور ابن قولویہ آپ سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں۔

ابوعبداللہؒ

ابوعبداللہ حسین بن عبید اللہ بن علی واسطی آپ کراچکی کے مشائخ میں سے ہیں اور شیخ مفید کے ہم عصروں میں سے ایک ہیں۔
اللہ تعالیٰ آپ پر اور ہمارے گذشتہ علماء پر رحمت نازل کرے۔ ہمارے نبیؐ اور ان کی آل پاکؑ کے صدقے میں۔

محمد بن محمد بصریؒ.

محمد بن محمد بصری کی کنیت ابوالحسن ہے اور آپ کو سید مرتضیٰ کا اجازہ حاصل ہے اور شیخ ابوالفضل شاذان بن جبرئیل قمی اپنے والد جبرئیل بن اسمعیل سے اور وہ بصروی سے اجازہ یافتہ ہیں۔

محمد بن حسینؒ

محمد بن حسین صاحبِ ''شرح نہج البلاغہ''، کندری سے منسوب ہیں اور ان کا لقب قطب الدین ہے اور وہ متقدمین کے علماء میں سے ہیں اور غیر

راوندی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام گذشتہ علماء پر رحمت نازل کرے اور موجودہ کی عمروں کو طویل فرمائے۔

حسین بن علی بن محمدؒ

حسین بن علی بن محمد بن احمد بن حسین بن احمد خزاعی نیشاپوری رازی آپ ابن شہرآشوب کے بھی شیخ ہیں اور منتجب الدین کے بھی شیخ ہیں۔ آپ کی کئی تالیفات ہیں جیسے "تفسیر روض الجنان" جو بیس جلدوں میں فارسی زبان میں ہے۔ آپ مسلمہ طور پر لائق فاضل و عالم ہیں۔ فخر الدین رازی نیشاپوری نے آپ کے مطالب کو چوری کر کے اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے۔ آپ صاحب کشاف کے ہم عصر تھے۔

سعید بن ہبۃ اللہؒ

سعید بن ہبۃ اللہ بن حسن جن کی کنیت ابوالحسین یا ابوالحسن ہے آپ کا لقب قطب الدین ہے۔ آپ محمد بن علی بن شہرآشوب جو معروف ہیں کے استاد ہیں۔ اور منتجب الدین اور سید رضی الدین نے ان سے اجازہ پایا اور وہ علی بن عبدالصمد نیشاپوری کے دو بیٹوں شیخ محمد اور شیخ علی اور شیخ ذوالفقار سے اجازہ یافتہ ہیں۔ اور اسی طرح ان کو محمد و علی کے والد جو علی بن عبدالصمد ہیں سے بھی اجازہ ملا ہوا ہے۔

آپ کی تالیفات میں:

۱۔ خلاصۃ التفاسیر دس جلدوں میں

۲۔ شیخ کی نہایۃ کی شرح "مغنی" دس جلدوں میں

۳۔ سید مرتضیٰ کی "ذریعہ" کی شرح "مستقصی" تین جلدوں میں

۴۔ شرح نہج البلاغہ دو جلدوں میں ہے۔

آپ قم کے قبرستانِ بزرگ میں مدفون ہیں۔ اور آپ کا نام پتھر کے کتبہ پر لکھا ہوا آپ کی قبر پر لگا ہوا ہے۔ یہ ناچیز کچھ عرصہ قم میں قیام پذیر رہا تو ہر روز ان کی زیارت کو جایا کرتا تھا۔

آپ کے تین بیٹے تھے لائق و فاضل۔ ایک شیخ نصیرالدین ابوعبداللہ الحسین جو عالم صالح تھے دوسرے شیخ ظہیرالدین ابوالفضل محمد جو ثقہ فقیہ اور قطعی عادل تھے۔ اور تیسرے شیخ محمد ابوالفضائل جو فاضل و عالم تھے۔

اللہ ان سب پر رحم نازل فرمائے اور ہمارے تمام گذشتہ علماء پر بھی بحق محمدؐ و اہل بیت الطاہرینؑ۔

محمد علی بن حمزہؒ

محمد بن علی بن حمزہ طوسی مشہدی جو طوسی کے نام سے معروف اور ابن حمزہ مشہور ہیں ان کا لقب عمادالدین اور کنیت ابوجعفر ہے۔ ان کی تالیفات میں:

۱۔ کتاب وسیلہ

۲۔ کتاب واسطہ

۳۔ شرائع

۴۔ مسائل، فقہ میں

لیکن مشہور پہلی ہی کتاب ہے اور ندرت کے طور پر انہیں عماد طوسی کہتے ہیں۔

خدا ان پر رحم فرمائے اور جنت میں جگہ عطا فرمائے۔

محمد بن جہم اسدیؒ

محمد بن جہم یا جہیم اسدی حلی ربعی اور کبھی یوں کہا جاتا ہے ابن علی بن جہم وابن علی بن محمد بن جہم ان کا لقب مفید الدین ہے۔ان کی تعریف کے لیے یہی کافی ہے کہ محقق نے خواجہ نصیر الدین طوسی کے جواب میں کہا کہ اصولیین میں اعلم ابن جہم اور یوسف بن المطہر ہیں اور ابن جہم علامہ کے مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور عبدالکریم بن طاؤس ان سے اجازہ یافتہ ہیں۔

ابن ابی المجدؒ

ابن ابی المجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب ''اشارۃ السو بسوی معرفت حق'' کے مؤلف ہیں۔یہ کتاب اصول دین، فروع دین اور امر بالمعروف پر مبنی ہے اور کشف اللثام کے مؤلف جس کتاب ''اشارہ'' سے نقل قول کرتے ہیں وہ یہی کتاب ہے اور صاحب مقابیس کے پاس اس کا جو نسخہ ہے اس کی تاریخ ۷۰۸ھ ہے۔

حسن بن ابی طالب یوسفیؒ

حسن بن ابی طالب یوسفی عز الدین فاضل کامل اور محقق کے شاگرد ہیں۔انہوں نے محقق کے ''مختصر نافع'' پر ''شرح متوسط'' لکھی اور وہ ''شرح ''کشف الرموز'' کہلاتی ہے اور ''کشف اللثام'' میں اس سے بہت سے قول نقل کیے گئے ہیں۔اللہ ان پر رحم فرمائے۔

محمد بن علی بن محمد گرگانیؒ

محمد بن علی بن محمد گرگانی رکن الدین عالم و فاضل شخصیت تھے اور علامہ حلی اعلیٰ اللہ مقامہ کے ہم عصر تھے۔ان کی تالیفات میں شرح نافع اور شرح مبادی وغیرہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان پر اور گذشتہ علماء پر رحم فرمائے۔

علی بن محمد قاشیؒ

علی بن محمد بن علی قاشی نصیر الدین حکیم و فاضل شخصیت ہیں۔ان کے ہم عصر علامہ حلی اور شہید، اللہ ان دونوں کے درجات کو بلند کرے، آپ کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور بعض مطالب انہوں نے آپ سے نقل کیے ہیں اور ابن معیہ آپ سے اجازہ یافتہ ہیں۔اور انہوں نے بھی آپ کی بے حد مدح کی ہے۔

آپ نے ''شرح تجرید اصفہانی'' پر حاشیہ لکھا اور ''شرح شمسیہ رازی'' پر بھی حاشیہ لکھا اور ''طوالع بیضاوی'' پر شرح لکھی اور ''رسالہ لطفیہ'' لکھا جس میں قواعد علامہ حلی اعلیٰ اللہ مقامہ کی تعریف امارہ پر بیس اعتراضات ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے درجے کو محمدؐ و آل محمدؐ کے طفیل میں بلند فرمائے۔

محمد بن شجاع القطانؒ

محمد بن شجاع القطان شمس الدین الانصاری الحلی آپ نے کتاب "معالم الدین فی آل" لکھی۔آپ کو شیخ مقداد سے اجازہ حاصل ہے اور شہید اول سے بھی۔اللہ ان کے مقامات کو بلند کرے۔

احمد بن محمد بن فہدؒ

احمد بن محمد بن فہد جمال الدین جو کتاب "مہذب" اور "عدۃ الداعی" کے مصنف ہیں۔ان کی کنیت ابوالعباس ہے۔ان کی کتاب "موجز" مقتصر" ہے۔آپ شیخ مقداد سے اجازہ رکھتے ہیں اور وہ شیخ علی بن ہلال جزائری اور شیخ زین الدین علی بن محمد طائی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے۔اللہ ان و اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

مفلح بن حسین صمیریؒ

مفلح بن حسین صمیری کو ابن فہد سے اجازہ حاصل ہے۔آپ نے ان کی "موجز" کی شرح "کشف التباس" کے نام سے لکھی ہے۔اور "شرائع" پر شرح لکھی جس کا نام غایۃ المرام ہے۔آپ کے صاحبزادے شیخ حسین بن مفلح فاضل،عالم،عابد شخصیت تھے اور کئی کتابیں بھی ان کی تالیف شدہ ہیں۔

جواد بن سعد بن جوادؒ

جواد بن سعد بن جواد کاظمی کے نام سے معروف ہیں اور شیخ بہائی کے بہت عظیم شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔

آپ کی تالیفات میں:

۱۔شرح زبدۃ الاصول شیخ بہائی

۲۔شرح خلاصۃ الحساب

۳۔مسالک الافہام بسوی آیات احکام وفوایدعلیہ درشرح جعفریہ شامل ہیں۔

میر فیض اللہؒ

میر فیض اللہ بن عبدالقاہر بن ابی المعالم حسنی تفریشی غروی آپ عموماً تفریشی کے نام سے معروف ہیں۔آپ کی تالیفات میں:

۱۔انوار قمریہ درشرح اثنی عشریہ

۲۔تعلیق بر مختلف (کتاب مختلف پر حاشیہ)

شامل ہیں۔آپ صاحب "معالم" کے ہم عصر ہیں اور صاحب معالم کے صاحبزادے شیخ محمد سے اجازہ یافتہ ہیں۔اور صاحب رسائل اپنے والد کے ماموں شیخ علی اور وہ میر فیض اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

خدا ان پر اور تمام ہمارے گذشتہ علماء پر رحمت نازل فرمائے۔بحق محمد واہلبیت الطیبین الطاہرینؑ۔

رفیع الدین محمد حسینیؒ

رفیع الدین محمد حسینی نائینی فقیہ، حکیم، متکلم ہیں۔ انہوں نے کافی پر اور مختلف پر حاشیے وغیرہ لکھے۔ صاحب ''وسائل'' آپ سے اجازہ یافتہ ہیں بواسطہ ملا محمد باقر مجلسی صاحبِ ''بحار''۔ اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

سید عماد الدینؒ

سید عماد الدین ابوالصمصام ذوالفقار بن سعید بن حسین مروزی کو سید مرتضیٰ اور شیخ طوسی سے اجازت حاصل ہے اور آپ سے سید فضل اللہ راوندی نے اجازہ پایا۔ آپ کی عمر مبارک ایک سو پندرہ سال سے زیادہ ہوئی۔ اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے۔

سید نعمت اللہ جزائریؒ

سید نعمت اللہ بن سید عبداللہ جزائری فاضل و عالم، دانا و ہوشیار، ادیب، بزرگوار عالی نسب جن کو اللہ تعالیٰ نے وحدتِ ادراک سے نوازا تھا۔ ان کا بیٹا سید ولی اللہ افاضل علماء اور سید عبداللہ کا پوتا کامل ترین فضلاء میں سے تھا۔ اس بحر ذخار عالم کے اخلاف و اولاد سب کے سب ارباب کمال ہیں اور لرستان میں اس خاندان میں اُس وقت سے لیکر اب تک بزرگی کا انحصار ہے۔ آپ علوم عربی اور لغت کے ماہر، علم حدیث کے حامل تھے اور آپ کا مسلک اخباری تھا۔

آپ نے جن علمائے اعلام کی شاگردی اختیار کی ان میں آقا جمال خوانساری، ملا محسن فیض، شیخ علی بن شیخ محمد بن شیخ حسن بن شیخ زین الدین شہید (جنہوں نے اپنے دادا کی ''شرح لمعہ'' پر حاشیہ لکھا)۔ اور آخوند ملا محمد باقر مجلسی ہیں۔ اور دوسروں کے مقابلہ میں آپ نے مجلسی کی خدمت میں زیادہ علم حاصل کیا اور انہوں نے خود ''انوار النعمانیہ'' میں لکھا کہ اگرچہ مجلسی کے شاگرد ہزار سے اوپر تھے لیکن مجھ سے انہیں خاص محبت اور لگاؤ تھا حتی کہ اکثر راتوں کو وہ مجھے اپنے کتب خانہ میں روک لیتے تاکہ ''بحار'' کی تصنیف کے ضروری امور انجام دیئے جاسکیں۔ وہ بہت پر مزاح شخصیت تھے اور باوجود اس کے کہ بڑے شوقین مزاج اور خوش اطوار تھے ان میں ایسا رعب وجلال تھا کہ جب بھی میں ان کے پاس حاضر ہونا چاہتا تو ان کی ہیبت سے دل کانپتا تھا اور میں ذرا سی دیر کے لیے دروازہ پر ٹھہر جاتا تھا جب دل قابو میں آجاتا تو حاضر خدمت ہوتا۔

آپ نے میرزا ابراہیم ابن آخوند ملا صدری کی بھی شاگردی کی تھی۔ ''انوار النعمانیہ'' میں لکھا ہے کہ ماہ مبارک رمضان کے اختتام پر شب عید جو شب جمعہ بھی تھی اس میں دن کے وقت میرے اوپر الحاح وزاری اور خضوع وخشوع کی کیفیت طاری رہی تھی تو اب رات کو جو سویا تو عالمِ خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک لق ودق صحرا میں کھڑا ہوں اور اس صحرا میں صرف ایک گھر نظر آرہا ہے اور لوگ ہر طرف سے آکر اسی گھر کی طرف جارہے ہیں میں نے بھی اسی کا رخ کیا تو دیکھا کہ ایک شخص اس گھر کے دروازے پر بیٹھا لوگوں کے مسائل کے جوابات دے رہا ہے تو میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہستی ہے۔ تو مجھے بتایا کہ حضرت محمدؐ ہیں۔ تو میں بھی صفوں کو چیرتا ہوا آپکی خدمت میں حاضر ہوگیا اور میں نے عرض کیا کہ اے جد بزرگوار ہمیں ایک دعا ملی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز کے شروع میں یہ پڑھو۔

انّی اقدم الیک محمداً بین یدی حاجتی و اتوجه به الیک تا آخر دعا اور اس دعا میں آپ کے نام کے ساتھ نام علیؑ بن ابی طالبؑ ذکر نہیں ہوا ہے اور میں جب یہ دعا پڑھتا ہوں تو آپکے نام کے ساتھ نام علیؑ کا بھی ذکر کرتا ہوں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ یہ میری طرف سے دعا میں کوئی بدعت تو نہیں ہوگئی کیونکہ یہ آپ سے اس طرح نقل ہوئی ہے جس کا ذکر آپ سے کیا ہے۔ اس پر آپؐ نے اپنی دو انگلیاں باہم ملائیں اور فرمایا کہ علیؑ کے نام کا ذکر

میرے نام کے ساتھ کرنا ہرگز بدعت نہیں ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ بعض کتابوں میں اس دعا میں ام علی بھی موجود تھا۔

سید مذکور نے اپنی آپ بیتی ایک رسالہ میں لکھی ہے جو بڑی مزیدار، اور انوکھے لطیفوں سے پر ہے کیونکہ آپ بڑے شوخ اور پرمذاق تھے۔ بالکل شیخ بہائی اور مجلسی رحمۃ اللہ علیہما کی طرح۔ آپ نے مزاحیہ کتاب بھی لکھی ہے جیسا کہ شرح جامی کا حاشیہ بڑا بہترین اور طلباء کے مزاجوں کو بڑا بھانے والا ہے۔ اوران کی ایک اور کتاب ہے جس کا نام ''مسکن شیخون درفراراز وباد طاعون'' ہے۔

چونکہ آپ کے حالات زندگی بڑے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز ہیں اور طلباء کو بھی زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھانے والے ہیں لہٰذا ہم ان کا ذکر کررہے ہیں اور چونکہ ہم نے اپنی اس کتاب کی ابتداء اپنے استادِ معظم استاد آقا سید ابراہیم کے نام سے کی تھی لہٰذا اس کا اختتام بھی ایک سید بزرگوار سید نعمت اللہ کے نام نامی پر کررہے ہیں۔

آپ لکھتے ہیں کہ میری ولادت ۱۰۵۰ھ میں ہوئی اور ابھی میری عمر رواں کے ۳۹ سال گزرے ہیں۔ اور اس قلیل عمر میں میں نے کس قدر مصائب اٹھائے ہیں۔

ابھی میں پانچ سال کا تھا اور بچوں کے ساتھ کھیل کود میں لگا رہتا تھا کہ ایک دن میں کھیل کے میدان میں ایک دوست کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ میرے والد میرے پاس آئے اور بڑے پیار سے بولے: اے میرے منے میرے ساتھ چلو ہم معلم کے پاس چلتے ہیں وہ تمہیں لکھنا پڑھنا سکھانے گا تبھی تم کسی مقام پر پہنچ سکو گے۔ میں یہ سن کر رونے لگا اور چلنے سے انکار کردیا۔ لیکن میری واویلا کا کوئی فائدہ نہ ہوا چنانچہ معلم کے پاس پہنچے اور اس نے حروف تہجی پڑھنا سکھائے۔ جب دوسرا دن ہوا میں نے ماں کی حمایت لینا چاہی اور کہا کہ مجھے مکتب نہیں جانا مجھے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے جانے دیں۔ میری والدہ نے والد کو صورتحال سے آگاہ کیا لیکن میرے والد نے مجھے کھیلنے کی اجازت نہ دی تو میں نے سوچا کہ اس مکتب کی پڑھائی جلدی جلدی نمٹادوں تو پھر مجھے کھیلنے کودنے کا موقع مل جائے گا۔ چنانچہ بہت جلدی میں نے قرآن مجید ختم کرلیا اور بہت سے قصائد اور اشعار مجھے زبانی یاد ہوگئے۔ ابھی میں ساڑھے پانچ سال کا ہوا تھا کہ قرآن مجید ختم کرلیا تھا۔ میں نے پھر والدہ کی منت ساجت کی کہ اب تو میری اس مصیبت سے جان چھڑادیں اور مجھے کھیل کود کرنے دیں۔ تو میرے والد نے کہا: بیٹا تم یہ کہانیوں کی کتاب لو اور ہم کسی کے پاس جائیں گے جو تمہیں یہ کہانیاں پڑھائے گا۔ میں رونے لگا۔ میرے والد نے سوچا کہ اس بچے کو کچھ سبق سکھانا چاہیے چنانچہ وہ مجھے ایک نابینا شخص کے پاس لے گئے جو امثلہ، بصرویہ اور تصریف زنجانی کا بڑا ماہر تھا۔ چنانچہ اس شخص نے مجھے درس دینا شروع کیا۔ میں اس نابینا استاد کے عصا کو تھامتا اور اس کی خدمت کیا کرتا اور اس پڑھائی کی خاطر مجھے اس کی بڑی خدمت کرنی پڑی۔ جب امثلہ (۱) اور بصرویہ کی کتابیں ختم ہوگئیں اور (۲) تصریف پڑھنے کی باری آئی تو مجھے اپنے رشتہ داروں میں سے ایک سید صاحب کے پاس بھیجا گیا جو تصریف ''زنجانی'' اور ''کافیہ'' کے بڑے ماہر تھے۔ چنانچہ ان سے میں نے تصریف پڑھنا شروع کی اور جن دنوں میں ان کے پاس درس پڑھتا تھا تو وہ مجھے اپنے ساتھ باغ میں لے جاتے اور مجھ سے کہتے کہ گھاس اکھاڑ لو یہ ہمارے چوپایوں کا چارہ ہے تو میں گھاس اکھاڑتا رہتا اور میرے استاد بیٹھے ہوئے صَرف، اَعْلال وُاِدْغام (۳) کی گردانیں دہراتے رہتے پھر اس ساری گھاس پھونس کا ایک بڑا گٹھر باندھ لیتا اور سر پر رکھ کر ان کے گھر لے جاتا۔ انہوں نے مجھے تاکید کردی تھی کہ خبردار یہ گھاس اکھاڑنے والی بات اپنے کسی رشتہ دار کو نہ بتانا۔ خدا خدا کرکے یہ گھاس کا کام ختم ہوا اور ریشم کے کیڑوں کا زمانہ آ گیا تو میں شہتوت کے پتوں کے گٹھے باندھ باندھ کر سر پر رکھ کر لے جانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرے سر کے بال اڑ گئے اور میں گنجا ہوگیا۔ میرے والد نے جو میرا یہ حال دیکھا تو پوچھا کہ یہ تمہارے سر کے بالوں کو کیا ہوا؟ گنجے کیسے ہوگئے؟ میں نے کہا: مجھے نہیں پتا۔ تو انہوں نے میرا علاج کرایا اور پھر میرے سر پر بال اگ آئے۔

(۱) امثلہ: کہانیاں، کہاوتیں (۲) تصریف: ایک علم کا نام جس میں کلماتِ عربیہ کے صیغوں کی وضع وہیئت سے بحث کی جاتی ہے۔ (۳) ادغام: صرف کی اصلاح ایک حرف کو دوسرے میں داخل کرنا۔

''تصریف زنجانی'' سے فراغت ہوئی تو ''کافیہ'' پڑھنے کی باری آئی تو ایک اور گاؤں گیا اور وہاں ایک فاضل شخص سے کافیہ پڑھی۔ ایک دن میں مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص سفید براق کپڑے پہنے بڑا سا عمامہ سر پر رکھے کہ عمامہ کیا ایک چھوٹا سا گنبد معلوم ہوتا تھا، ایک عالم کی ہیئت میں مسجد میں آیا۔ میں اس کے پاس گیا اور صرف کی گردانوں میں سے کوئی گردان اس سے پوچھی۔ تو اس نے مجھے کوئی جواب نہ دیا بلکہ گھبرا گیا۔ تو میں نے اس سے کہا کہ جب آپ کو اتنی سی گردان بھی نہیں آتی تو یہ اتنا بڑا پگڑ سر پر کیوں باندھا ہے۔ اس پر سب لوگ ہنسنے لگے اور وہ شخص لحہ بھر میں وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے بعد سے میں نے گردانوں کی خوب مشق کی (تا کہ مجھے اسکی طرح کہیں شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مترجم)۔

لیکن اب میں خدا کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں کہ میں نے اس مرد مومن کو ایسا کیوں کہا لیکن خدا کا شکر بھی ادا کرتا ہوں کہ یہ حرکت مجھ سے قبل از بلوغ ہوئی۔ کافی عرصہ یہاں گزارنے کے بعد میں نہر عشار گیا کیونکہ میں نے سنا تھا کہ وہاں کوئی عالم شخص ہے اور میرے مرحوم و مغفور بھائی جو فاضل، صالح اور پرہیز گار انسان تھے اور ان کا نام سید نجم الدین تھا ان عالم کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ لیکن جب وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ میرے بھائی وہاں سے فارغ ہو چکے ہیں میں بھی ان کے ساتھ اپنے گاؤں واپس آ گیا۔ پھر ہم دونوں شط بنی اسد ایک عالم کے پاس پہنچے اور کافی دن ہم وہاں پڑھتے رہے پھر ہم وہاں سے اپنے گاؤں پلٹے تو میرے بھائی جو مجھ سے عمر میں بڑے تھے حویزہ چلے گئے تو میں نے بھی والد سے حویزہ جانے کی اجازت چاہی تا کہ بھائی کے ساتھ رہ کر تعلیم حاصل کروں۔ میرے والد مجھے لیکر شط سحاب پر آئے اور وہاں ہم ایک کشتی میں بیٹھ گئے۔ ہمیں ایک تنگ راستہ سے گزرنا پڑا۔ دونوں طرف گنے لگے ہوئے تھے اور بیچ میں کوئی کشادہ راستہ نہ تھا بس اتنا تھا کہ کشتی درمیان سے گزر سکے۔ گرمی اپنے عروج پر تھی اور پانی میں سے مچھر اڑ کر آ رہے تھے۔ مچھر کیا شہد کی مکھیوں جیسے کہ جہاں ڈنگ مار دیتے وہ جگہ سوج جاتی تھی۔ اس راستہ میں کچھ کا میشی لوگ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ ہم ان کی طرف چلے کیونکہ ہمیں بہت بھوک لگ رہی تھی۔ عصر کے وقت ان کے پاس پہنچے تو صاحب خانہ نے ہمارے لیے فرش بچھایا۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو ہم نے نماز ادا کر لی۔ اور رات کے کھانے کا انتظار کرنے لگے لیکن سونے کا وقت ہو گیا اور کھانے کا کوئی پتہ نہ تھا۔ ادھر بھوک بھی شدت کی لگ رہی تھی ادھر نیند نے آ دبوچا۔ ابھی تھوڑی ہی رات گزری تھی کہ صاحب خانہ ہمارے قریب آیا اور اپنے جانوروں کو نام لے لیکر پکارنے لگا۔

میں نے کسی سے پوچھا کہ بھلا یہ اپنی گائیوں کو اس وقت کیوں بلا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ ان کا دودھ دوہے گا اور اس دودھ سے تمہارے لیے چاول تیار کرے گا میں نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون اور پھر سو گیا۔ صبح کا وقت قریب تھا تو ایک بڑا سا پیالہ آیا اور ہمیں جگایا گیا۔ میں نے جو دیکھا تو اس پیالے میں چاول کے کوئی آثار دکھائی نہ دیے۔ ہم نے کہنیوں تک اپنے ہاتھ اس پیالے میں ڈبو دیئے اور دودھ پی لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بھوک اور چمک اٹھی۔ ہاں ایک بات ہے اس پیالہ کی تہ میں ایسا لگا کہ شاید چاول کے کچھ دانے موجود ہیں۔

غرض طلوع آفتاب کے بعد ہم کشتی پر سوار ہو گئے اور حویزہ پہنچ گئے۔ میرے بھائی پہلے سے ہی حویزہ کے کسی بڑے آدمی کے گھر قیام کیے ہوئے تھے اور کسی فاضل کے پاس جا کر ''شرح جامی'' پڑھا کرتے تھے چنانچہ ہم بھی ان کے ساتھ شریک درس ہو گئے اور ہم نے ''شرح جار بردی''، ''شافیہ'' کے ساتھ پڑھی۔ یہ استاد بھی ہم سے بڑی خدمت لیا کرتے تھے۔ ان کا نام شیخ حسن تھا۔ انہوں نے اپنے تمام شاگردوں کو حکم دیا ہوا تھا کہ جب بھی قضائے حاجت کی غرض سے ساحل کی طرف جائیں تو دو دو پتھر یا اینٹیں قلعہ ترک کے پاس سے لیتے آئیں چنانچہ ہوتا یہ تھا کہ جانا تو دن میں کئی بار پڑتا تھا اور ہم یہ پتھر ڈھوڈھو کر لاتے رہتے تھے۔ جب اس طرح بہت سارے اینٹ پتھر جمع ہو گئے تو انہوں نے اپنا مکان تعمیر کرنا چاہا لہٰذا ایک راج لایا گیا اور ہم سب اس کے مزدور قرار پائے اور استاد کا مکان تعمیر ہو گیا۔

جب کبھی ہم پرانے حویزہ جاتے اور پھر واپسی کا ارادہ کرتے تو استاد ہم سے کہتے تھے کہ بچو! تم خالی خولی واپس جانا چاہتے ہو۔ ٹھہرو! پھر وہ وہاں سے باسی مچھلیاں اور دوسری چیزیں خریدتے اور کہتے کہ ان کو لیکر جاؤ۔ ہم مجبوراً ان کو سر پر رکھتے اور چل پڑتے اور ان میں سے پانی ہمارے کپڑوں اور منہ پر ٹپکتا رہتا۔

ہم اگر کبھی یہ چاہتے کہ ان کی کتاب کا حاشیہ ہی نقل کر لیں تو ہرگز اجازت نہ دیتے تھے لیکن اکثر یہ ہوتا کہ ہم ان کی کتاب چوری چھپے سے لیتے اور حواشی نقل کر لیتے۔ ان کی ہمارے ساتھ یہی روش تھی لیکن بڑی خوشی خوشی ان کی خدمات انجام دیتے تاکہ ان کی ذات بابرکت سے مستفیض ہو سکیں۔ ان کو بے شک اپنی کتابیں بڑی پیاری تھیں۔ ان کے بعد یہ کتابیں ان کے دامادوں کو ملیں لیکن انہیں ان کتابوں سے ذرا لگاؤ نہ تھا۔

الغرض یہ تو ہماری پڑھائی کا حال تھا۔ اب کھانے کی کیفیت سنیں۔ ہمارا قیام تو وہاں کے ایک بڑے آدمی کے گھر میں تھا۔ لیکن اکثر یوں ہوتا تھا کہ ہم بحث و مباحثہ کے لیے ظہر تک مدرسہ میں رکے رہتے اور جب گھر پہنچتے تو پتہ چلتا کہ سب کھانے پینے سے فارغ ہو چکے ہیں۔ پھر رات تک ہمیں کھانا نصیب نہ ہوتا تھا۔ میرا ساتھی تو زمین پر پڑے ہوئے خاک آلود خربوزے کے چھلکے کھا کر ہی گزارہ کر لیتا اور مجھ سے اصل حقیقت چھپائے رکھتا تھا۔ ایک دن میں اس کی تلاش میں جب وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ بہت سے چھلکے جمع کیے بیٹھا ہے اور دروازہ کی اوٹ میں بیٹھا ان کو کھا رہا ہے جبکہ ان پر خوب مٹی بھی لگی ہوئی تھی۔ میں نے جو یہ منظر دیکھا تو بے ساختہ ہنس پڑا۔ اس نے کہا: اس میں بھلا ہنسنے کی کیا بات ہے؟ تو میں نے کہا کہ میں بھی یہی کیا کرتا ہوں اور میرا حال تم سے مختلف نہیں ہے حالانکہ ہم ایک دوسرے سے حقیقت حال چھپاتے تھے۔ اس نے کہا کہ جب یہ بات ہے تو اب ہم مل کر خربوزے کے چھلکے جمع کیا کریں گے اور ان کو پہلے پانی سے دھو لیا کریں گے پھر کھائیں گے چنانچہ ایک زمانہ تک ہم یوں ہی وقت گزارتے رہے۔

اب ذرا کیفیت مطالعہ بھی سن لیجیے۔ ہم دونوں چاند کی چاندنی میں پڑھا کرتے اور جن راتوں میں چاندنی نہ ہوتی تو میں نے کتابوں کے متن حفظ کر لیے تھے جیسے ابن مالک کی ''الفیہ'' اور ''کافیہ'' وغیرہ کے تو چاندنی راتوں میں تو چاند کی روشنی میں پڑھا کرتے اور جب راتیں تاریک ہوتیں تو جو متون مجھے زبانی یاد تھے ان کو بار بار ذہن میں دہرایا کرتا کہ ان کو بھول نہ جاؤں۔ لوگ مجلس میں بیٹھے ہوتے اور میں بھی وہیں موجود ہوتا لیکن لوگوں کے سامنے یوں ظاہر کرتا کہ جیسے میرے سر میں درد ہو۔ چنانچہ دونوں زانو کے درمیان سر رکھ کر بیٹھ جاتا اور مسلسل ان متون کو پڑھتا رہتا مدت دراز تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

ایک دفعہ والد بزرگوار جزائر سے آئے اور کہا کہ تمہاری والدہ تمہیں دیکھنے کے لیے بے چین ہیں چنانچہ ہم والد کے ساتھ جزائر گئے اور کچھ مدت ٹھہر کر حویزہ کا رخ کیا۔ وہاں ہم نے ایک جزائری شخص کو دیکھا جو شیراز جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میرے بھائی نے اپنا اسباب اٹھایا اور بصرہ چلا گیا۔ میں اس شخص کے ساتھ پھر جزائر آ گیا یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا ہم چار دن تک اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہے اس کے بعد اس شخص کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر بصرہ کی راہ لی لیکن میں نے گھر والوں کو نہیں بتایا تھا کیونکہ میرا خیال تھا کہ میرے والد مجھے طلب کر لیں گے۔ چنانچہ میں نے ملاح سے کہا کہ میں کپڑے اتار کر پانی میں کودتا ہوں۔ میں کشتی کے پچھلے حصے کو ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑے رکھوں گا اور جب کشتی چلے گی تو میں پانی میں ہی لٹکا رہوں گا تاکہ مجھے کوئی دیکھ نہ پائے چنانچہ میں اسی طرح ایسی جگہ پہنچ گیا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب مجھے کوئی بلا نہیں سکتا۔ پھر میں کشتی میں سوار ہوا۔

راستہ میں ساحل دریا پر ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا اور اس وقت ہم بیچوں بیچ میں تھے کہ ایک شیخ نے آواز لگائی کہ تم لوگ اہل سنت ہو یا شیعہ؟ سب نے کہا کہ ہم اہل سنت ہیں تو اس شیخ نے کہا کہ خدا فلاں، فلاں، فلاں پر لعنت کرے کیا تمہیں پتہ نہیں کہ فلاں مخنث تھا۔ پھر ساحل پر کھڑے لوگ گالیاں دینے لگے اور کشتی کے لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے۔ کشتی تو دریا میں چل جا رہی تھی لیکن وہ لوگ ساحل سے ہم پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ غرض نصف روز تک ہمارا سفر اسی کیفیت میں ہوا۔ اور آخر ہم بصرہ پہنچ گئے۔ اس زمانہ میں بصرہ کا بادشاہ حسین پاشا تھا۔ ہم نے بصرہ میں قیام کیا اور ایک جلیل القدر سید سے جو مرد فاضل تھا درس لینا شروع کیا۔ ابھی کچھ ہی زمانہ گزرا تھا کہ میرے والد آن پہنچے کہ جزائر واپس چلو۔ ہم بخوشی تیار ہو گئے ہم پھر ساحل سمندر پر آئے اور کشتی کرایہ پر لی اور والد کو بتائے بغیر شیراز کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر ہم نے کشتی کا کرایہ ادا کیا اور پیدل چلے راستہ میں پہاڑیاں تھیں ہم نے ننگے پاؤں ان کو عبور کیا اس وقت میری عمر گیارہ سال تھی۔ ہم صبح کی نماز کے وقت شیراز جا پہنچے اور اس شیخ کے ساتھ جو ہمارے ساتھ تھا اس کے گھر پہنچے لیکن اس کا گھر مدرسہ منصوریہ سے کافی فاصلہ پر واقع تھا۔ اور ہماری خواہش یہ تھی کہ ہم مدرسہ میں قیام کریں کیونکہ وہاں ہمارے بعض اقارب بھی تھے تو اس شیخ نے کہا کہ تم یہ راستہ پکڑو اور یہ کہتے جاؤ کہ ہم مدرسہ منصوریہ جانا چاہتے ہیں اور ہم فارسی نہیں جانتے ہیں۔ ہم چل پڑے۔ اور ہم نے اس جملے کو دو حصوں میں بانٹ دیا ایک ٹکڑا

ایک کہتا اور دوسرا لنگڑا دوسرا۔ چنانچہ جو بھی راستہ میں دکھائی دیتا ہم پہلے ایک بولتا مدرسہ منصوریہ پھر دوسرا کہتا جانا چاہتے ہیں۔اس طرح جیسے تیسے ہم مدرسہ پہنچ گئے۔میں تو وہاں چوکھٹ پر ہی بیٹھ گیا اور میرا بھائی مدرسہ میں اندر چلا گیا۔طالب علموں میں سے جو بھی باہر نکلتا اور مجھے دیکھتا تو تھکن کے آثار چہرے پر دیکھ کر ہمدردی کا اظہار کرتا۔آخر جب ایک ہمدرد ہمیں مل گیا تو پھر ہم اس کے کمرے میں جا بیٹھے۔

دوسرے دن ایک بحرانی فاضل شخص سے ہماری ملاقات ہوئی جو ابنِ مالک کی الفیہ کا درس دیتے تھے۔ہم نے ان کو سلام کیا انہوں نے ہمیں بیٹھنے کو کہا اور جب درس سے فارغ ہوئے تو ہمارا حال چال پوچھا۔ہم نے اپنی ساری کہانی سنائی۔وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور ستون مسجد کے پیچھے لے جا کر میرے کان کو پکڑ کر زور سے مروڑا اور کہا بچے ہرگز اپنے آپ کو شیخ عرب مت سمجھو اور بڑائی نہ مارو اور اپنا وقت ضائع نہ کرو۔اگر تم میری نصیحت پر عمل کرو گے تبھی ایک فاضل شخص بن سکو گے۔میں نے ان کی نصیحت کو پلے باندھ لیا اور پڑھائی کے دوران دوستوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔پھر وہ ہمارے ساتھ مدرسہ کے مہتمم کے پاس آئے۔انہوں نے بڑا مختصر سا وظیفہ ہمارے لیے طے کر دیا جو کسی عنوان بھی ہمارے لیے کافی نہ تھا۔بہر حال ہم نے ان شیخ سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور کسی اور کے پاس بھی درس لینے جانے لگے۔کچھ وقت یونہی گزرا۔آخر میرے بھائی اور دوست نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ ہم جزائر کی طرف لوٹ چلیں کیونکہ عرصہ حیات ہم پر تنگ ہوتا جا رہا ہے۔میں نے کہا کہ میں اجرت پر کتابت کرنا شروع کر دیتا ہوں جس سے میں اپنا گزارہ کروں گا اور کاغذ اور دوسری اشیاء مہیا کروں گا۔اس طرح میں نے چار درس پڑھنے شروع کیے اور پھر میں ان پر حاشیہ لکھتا اور تصحیح کرتا اور صورتحال یہ تھی کہ موسم گرما کی جھلستی ہوئی گرمی میں دوسرے طالب علم مدرسہ کی زمین یا چھت پر جا کر سو جاتے یا وہاں بیٹھ جاتے اور میں اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر کے مطالعہ کرنے، حواشی لکھنے اور تصحیح درس میں مصروف رہتا حتی کہ موذن صبح کے قریب جب حمد خدا شروع کرتا تو میں کتاب پر سر رکھ دیتا اور لمحہ بھر کے لیے جھپکی لے لیتا اور جب طلوع صبح ہوتی تو تدریس کا کام شروع کر دیتا اور جب موذن اذان ظہر کہتا تو اس وقت میں درس کے لیے نکلتا اور درس پڑھا کرتا۔کبھی کبھار یوں ہوتا کہ روٹی کا کوئی ٹکڑا نانبائی کی دکان سے مل جاتا تو راستہ چلتے چلتے اسے توڑ توڑ کر کھاتا رہتا لیکن اکثر مجھے روٹی نصیب نہ ہوتی تھی اور رات سر پر آ جاتی تھی۔اور اکثر جب رات ہوتی تو میں شک میں پڑ جاتا کہ میں نے روٹی کھائی ہے یا نہیں اور جب اچھی طرح غور کرتا تو مجھے معلوم ہوتا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کھایا ہے۔

اکثر اوقات پڑھنے کے لیے چراغ مہیا نہ ہو سکتا تھا۔میں نے اپنا کمرہ بلندی پر لیا تھا جس میں بہت سی کھڑکیاں تھیں جب چاند چڑھتا میں کتاب کھول کر بیٹھ جاتا اور مطالعہ شروع کر دیتا جب وہاں سے چاندنی ختم ہو جاتی تو میں دوسری کھڑکی کھولتا اور وہاں جا بیٹھتا دو سال تک میں یہی کرتا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ آنکھیں کمزور ہو گئیں اور اب تک میری نگاہ کمزور ہی ہے۔

میں ایک درس کے حواشی نماز صبح کے بعد لکھا کرتا تھا۔سردی کی شدت سے میرے ہاتھ پھٹ جاتے اور ان سے خون رسنے لگتا تھا لیکن میں اس طرف متوجہ نہ ہوتا تھا حتی کہ تین سال یونہی گزر گئے۔

اب میں نے "مفتاح اللبیب وشرح تہذیب" جو علم نحو میں ہے لکھنی شروع کی اس کتاب کا متن شیخ بہاء الدین محمد کی تصنیفات میں سے ہے۔ اور کافیہ پر شرح کا بھی آغاز کیا۔

میں علوم عربیت تو ایک بغدادی شخص سے پڑھ رہا تھا اور اصول اہلِ احساء میں سے ایک محقق سے۔اور منطق وحکمت شاہ ابوالولی اور میرزا ابراہیم جیسے محققین ومدققین سے۔اور علم قرائت ایک بحرینی فاضل سے سیکھ رہا تھا۔

ہم کئی طالب علم مل کر شیخ جلیل شیخ جعفر بحرانی سے درس پڑھا کرتے تھے۔یہ درس دوسرے لوگ پڑھتے تھے اور میں سنا کرتا تھا۔جب ہم شیخ کے پاس پہنچتے تو جو بھی آگے بیٹھا ہوتا اس سے کہتے کہ پڑھو اور خود پڑھنے والے کے قریب ہو بیٹھتے اور ہمیں درس پڑھنے اور اس کے معنی کی تفہیم پر حوصلہ افزائی کیا کرتے کہ ہم اپنی کوششوں کو جاری رکھیں۔

ایک دفعہ یہ اتفاق پیش آیا کہ ہمارے چچاؤں اور اقرباء میں سے کسی کی خبر وفات پہنچی تو اس دن میں ان کے سوگ میں رہا اور درس کے لیے نہیں گیا

تو استاد نے ہمارے متعلق اوروں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ اہل عزا ہیں۔ دوسرے دن ہم درس میں گئے تو وہ درس دینے پر راضی نہ ہوئے اور کہا کہ میرے ماں باپ پر لعنت کرے اگر میں تمہیں درس دوں۔ تم کل کیوں نہیں آئے تھے تو ہم نے اپنی پریشانی کا قصہ سنایا تو انہوں نے جواب دیا کہ تم درس میں بدستور آتے اور جب درس ہو چکتا تو اپنے عزاداری کے امور انجام دیتے۔ اور اگر تمہارے باپ کے مرنے کی بھی خبر آئے تو بھی تم درس سے دست بردار نہ ہونا۔ تو ہم ان کے سامنے قسم کھائی کہ ہم ہرگز درس کو نہ چھوڑیں گے چاہے کتنے ہی مصائب ہم پر کیوں نہ آن پڑیں تب کہیں جا کر وہ راضی ہوئے اور وہ بھی فوراً نہیں کافی عرصہ بعد وہ راضی ہوئے اور ہماری بات کو قبول کیا۔

ایک دفعہ یہ اتفاق ہوا کہ ہم ان سے اصول فقہ میں ''شرح عمیدی'' پڑھ رہے تھے۔ تو اس میں ایک ایسا مسئلہ پیش آ گیا جو اشکال سے خالی نہ تھا۔ ہماری پوری جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا آج رات ان مطالب پر خوب غور وخوض کرو اور جب صبح کو آؤ اور اس مسئلہ کا حل نکال لو تو ایک دوسرے کی پشت پر سوار ہو کر فلاں جگہ سے فلاں مقام تک جانا۔ جب ہم صبح ان کے پاس پہنچے تو تمام ساتھیوں نے اس مسئلہ کے متعلق اپنا حل پیش کیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم بتاؤ۔ تو میں نے بھی جتنا سمجھ سکا تھا اتنا اس مسئلہ کے متعلق بتایا تو استاد نے کہا کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہی درست ہے اور یہ سب لوگ غلط کہہ رہے ہیں۔ پھر مجھ سے کہا کہ اس مسئلہ میں جو کچھ بھی تمہارے ذہن میں آیا ہے وہ مجھے لکھاؤ تا کہ میں اس کو حاشیہ کتاب پر تحریر کر دوں۔ چنانچہ میں نے بولنا شروع کیا اور وہ لکھتے رہے اور جب اس کام سے فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ اب تم ان سب کی پشتوں پر باری باری سوار ہو کر فلاں جگہ تک جاؤ اس طرح ہر ایک کو مجھے لاد کر لے جانا پڑا۔ ہمارے ان استاد کا بھی کیا عجب حال تھا۔ مجھے اس دن وہ اپنے گھر لے گئے اور کہنے لگے کہ یہ میری بیٹی ہے میری خواہش ہے کہ اسے میں تمہارے حوالے کر دوں۔

میں نے کہا ان شاءاللہ جب میں عالم ہو جاؤں گا اور تحصیل علم سے فراغت حاصل کر لوں گا تو پھر شادی بھی کروں گا۔ لیکن اتفاق یہ ہوا کہ ان کو ہندوستان کا سفر درپیش ہوا اور وہ حیدر آباد دکن کے دورے پر چلے گئے۔

ایک دن میں نے اپنے ان استاد سے شیخ عبدالعلی حویزی کی تفسیر کے متعلق سوال کیا جو انہوں نے احادیث کی رو سے تحریر کی تھی تو وہ کہنے لگے کہ جب تک شیخ عبدالعلی زندہ ہیں ان کی تفسیر کی قیمت ایک کوڑی کی بھی نہیں ہے لیکن جب وہ وفات فرمالیں گے تو پہلا شخص جو اس تفسیر کو سنہری حروف سے لکھے گا میں ہوں گا۔ اس کے بعد آپ نے یہ رباعی پڑھی:

ان الفتیٰ ینکر فضل الفتیٰ   لوماً وبخلا فاذا ماذھب

بے شک ایک جوان دوسرے جوان کی فضیلت کا انکار کرتا ہے   ملامت کرتے ہوئے اور بخل سے پس جب وہ چلا گیا

لج بہ الحرص علیٰ نکتة   یکتبھا عنہ بماء الذھب

(جس کے) کلام کی باریکی پر حرص سے جھگڑا (کیا جاتا تھا)   تو اس کو سونے کے پانی سے لکھا

ایسا ہی قصہ ایک اور بھی ہے۔ ایک اصفہانی فاضل شخص نے ایک کتاب لکھی لیکن اس کتاب کو بالکل بھی شہرت نہ ملی اور اس کا کوئی نسخہ نقل نہ کیا گیا۔ تو کسی عالم نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے تمہاری کتاب کو کوئی شہرت حاصل نہ ہوئی؟ تو اس شخص نے کہا کہ دراصل میرا ایک دشمن ہے جس دن وہ مر جائیگا میری کتاب کو بڑی شہرت ملے گی۔ عالم نے پوچھا: بھلا وہ دشمن ہے کون؟ کہا: وہ میں ہی ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مصنف نے حق بات کہی (۱)۔

میں شیراز میں تقریباً نو سال رہا لیکن جتنی فاقہ کشی اور مشقتیں مجھے وہاں اٹھانی پڑیں وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک دفعہ کی بات مجھے یاد آتی ہے کہ بدھ اور جمعرات دو شب و روز مجھے سوائے پانی کے کچھ میسر نہ آیا۔ جب شب جمعہ ہوئی تو مجھے لگا کہ زمین گھوم رہی ہے اور آنکھوں میں اندھیرا چھا رہا ہے

(۱) انسان محنت کر کے اپنے افکار و خیالات کو تحریر میں لاتا ہے تا کہ ان سے دوسرے فیض حاصل کریں لیکن اپنے بخل کی وجہ سے کہ میری یہ محنت لوگوں کو آسانی سے مل جائے گی تو بھلا مجھے کیا فائدہ؟ اس لئے وہ خود ہی اسے عام نہیں ہونے دیتا۔ (مترجم)

میں جناب سید احمد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضہ کی طرف گیا اور ان کی قبر کے پاس جا کر قبر کو بغل میں دبا کر کہا کہ آج میں آپ کا مہمان ہوں۔ ابھی میں وہاں کھڑا ہوا تھا کہ ایک سید نے آکر رات کا کھانا مجھے عنایت کر دیا میں فوراً خدا کا شکر اور اس کی حمد بجالایا۔

ایسی پریشانی میں میں کبھی دوستوں اور علماء کے ساتھ باغات میں چلا جاتا اور کبھی ہفتہ بھر یا کبھی اس سے کم یا زیادہ عرصہ وہاں قیام کرتا لیکن میں علمی مشاغل کو وہاں بھی نظر انداز نہیں کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قیام شیراز میں مجھ پر یہ بڑا احسان کیا کہ درس کے ساتھی بڑے نیک اور صالح عطا کیے۔

تحصیل علوم کے لیے جو مشقتیں میں نے برداشت کی ہیں ان ہی کا ایک واقعہ یہ ہے کہ میرے ایک دوست کا گھر شیراز میں تھا اور میں اس کے ہاں اس لیے سونے جاتا تھا کہ وہاں چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرسکوں گا۔ مجھے ایک درس کی تیاری کرنی ہوتی تھی وہ میں چراغ کے سامنے آخر شب میں بیٹھ کر کرتا۔ مجھے مسجد جامع میں جا کر پڑھنا ہوتا تھا جو شہر کے بالکل دوسرے سرے پر واقع تھی تو میں اس کے گھر سے نکل کھڑا ہوتا تھا جبکہ ابھی رات کافی باقی ہوتی تھی۔ میں عصا ہاتھ میں پکڑتا۔ میرے ٹھکانے اور مسجد کے درمیان میں بازار پڑتا تھا۔ آخر شب میں روشنی نام کو نہ ہوتی اور سارا بازار تاریکی میں ڈوبا ہوتا۔ ہر دکان کے پاس ایک بھاری بھر کم کتا بچھڑے کے برابر دکان کی حفاظت کے لیے بیٹھا ہوتا اور میں اکیلا اس سڑک پر چلتا ہوتا جب بازار تک پہنچتا تو دیوار کا سہارا لے لیتا تاکہ صحیح راستہ پر قائم رہوں اور جب کسی سبزی فروش کی دکان کے قریب پہنچتا تو زور زور سے اشعار پڑھنا شروع کر دیتا تاکہ کتا مجھے چور نہ سمجھے بلکہ یہی سمجھے کہ کوئی راہگیر ہے اور ہر دکان کے سامنے ہر کتے کی مناسبت سے میں کوئی ترکیب کیا کرتا تھا۔ تاکہ وہ میرے پیچھے نہ لگنے پائے۔

وقت یونہی گزرتا رہا۔ میں مدرسہ منصوریہ کا طالب علم تھا اور میرا حجرہ کافی اوپر تھا۔ میرا کوئی دوست نہ تھا جو میرے پاس میرے حجرے میں آتا جاتا یا میرے حجرے کے قریب سے گزرتا۔ دراصل میں بالکل تنہائی پسند ہوگیا تھا۔ وقت رفتہ رفتہ گزرتا جارہا تھا حتی کہ میرے والدین کا خط آیا کہ جزائر واپس آجاؤ۔ چنانچہ میں اور میرے بھائی جزائر واپس ہوئے اور ہم دونوں اپنے گھر پہنچے ہمارے گھر والے تو ہمیں دیکھ کر باغ باغ ہوگئے۔ وہ ہمیں یوں بھی سر آنکھوں پر بٹھا رہے تھے کہ دوسرے جو بھی گئے تھے علم سے بے بہرہ ہی واپس آگئے تھے (اور ہم الحمد للہ پڑھ لکھ کر آئے تھے)۔ میری والدہ نے ہم دونوں سے کہا کہ اگر مجھے راضی رکھنا چاہتے ہو تو شادی کرلو۔ میں نے عرض کی کہ ابھی علم حدیث و فقہ باقی ہے لیکن میری والدہ نے حکم دیا کہ تمہیں شادی ہی کرنی ہے ہمارے انکار کی وجہ یہ تھی کہ اگر ہم شادی کرتے تو ہمیں پھر جزائر میں ہی رہنا پڑتا۔ بہر حال والدہ کا حکم ماننا تھا چنانچہ ہم دونوں کی شادی ہوگئی۔ شادی کے بیس دن بعد تک ہم وہیں رہے۔ ایک دن میں ایک فاضل شخص سے ملاقات کے لئے نہر صالح نامی دیہات میں گیا۔ سب اکٹھے ہوئے تو علوم عقلیہ پر مباحثہ ہونے لگا تو اس عالم شخص نے کہا: بڑے افسوس کا مقام ہے کہ علم حدیث تم سے فوت ہوگیا۔ میں نے کہا: کیسے فوت ہوگیا؟ تو انہوں نے کہا کہ قول یہ ہے کہ علم فروج نساء میں ذبح کر دیا گیا ہے۔ یہ جملہ میرے لیے بڑی غیرت کا باعث ہوا اور میں نے کہا کہ اے شیخ میں ہرگز اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا اور اس مجلس سے اٹھتے ہی شیراز روانہ ہو جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا یہ بڑی ناممکن سی بات ہے لیکن میں اٹھ کھڑا ہوا اور کشتی میں جا بیٹھا اور وہاں پہنچا جہاں سلطان بصرہ موجود تھا وہ مجھے اپنے ساتھ صحرا میں لے گیا کہ ذرا تفریح کرلیں۔ جب ہم بصرہ واپس آئے تو مجھے لگا کہ میرے والد میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ میں فوراً شیراز روانہ ہوگیا اور اپنے مدرسہ پہنچ گیا اور میرے بھائی بھی میرے پیچھے آپہنچے۔ ہم مدرسہ میں جا کر ٹھہرے حتی کہ ہمیں اپنی والدہ کی وفات کی اطلاع ملی اللہ ان پر رحمت نازل کرے۔ ہمیں آئے ہوئے ابھی ایک ماہ یا اس سے بھی کچھ عرصہ ہوا ہوگا کہ مدرسہ منصوریہ میں ایسی آگ لگی کہ ایک طالب علم بھی جل کر ہلاک ہوگیا اور کچھ کتابیں بھی جل کر خاک ہوگئیں۔

المختصر ایسے واقعات در پیش ہوئے کہ ہم نے اصفہان کا سفر اختیار کیا۔ ہم ایک کافی بڑا گروپ بن گئے تھے لیکن اثنائے سفر میں سردی کی اس قدر شدت ہوئی کہ ہم بالکل قریب المرگ ہوگئے۔ خیر اللہ کا احسان ہوا اور ہم اصفہان پہنچ گئے اور ایک مدرسہ میں پہنچے۔ وہاں صرف چار حجرے تھے۔ اس میں سے ایک حجرہ میں ہم نے قیام کیا۔ اور حال یہ تھا کہ جب ہم وہاں سوتے اور کسی ایک کو حوائج ضروریہ کے لیے جانا ہوتا تو باقی سارے لوگ بھی جاگ جاتے۔ اس طرح زندگی ہمارے لیے اجیرن ہو چکی تھی۔ ہم نے جو بھی کچھ ہمارے پاس تھا کپڑے اور دیگر چیزیں ساری بیچ ڈالیں اور جان بوجھ کر ہم نمکین غذا کا زیادہ استعمال

کیا کرتے تا کہ پانی کافی پی سکیں۔اور ہم ثقیل چیزیں کھاتے تھے (تا کہ بھوک جلدی نہ لگے)۔

اب خدا کا ہمارے اوپر ایک اور فضل ہوا اور اس کا وسیلہ آخوند ملا محمد باقر مجلسی بنے خدا ہمیشہ ان کا سایہ ہم پر رکھے۔ آپ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ وہاں میں تقریباً چار سال رہا اور میں نے اپنے دوسرے ساتھیوں کا بھی آپ سے تعارف کرایا۔ آپ نے ہماری ضروریات زندگی کا اہتمام فرمایا اور آپ کی خدمت میں میں علم حدیث حاصل کرتا تھا۔ پھر آپ نے میرزا تقی کے نام پر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور مجھے اس کا مدرس قرار دیا۔ یہ مدرسہ شیخ بہائی سے تمام کے قریب ہی واقع ہے۔ چنانچہ میں اب مستقل طور پر اصفہان میں سکونت پذیر ہو گیا اور آٹھ سال تک اس مدرسہ میں مدرسی کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس کے بعد میری آنکھیں کثرت مطالعہ کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئیں۔ اصفہان میں معالجین نے بہت علاج کیا لیکن سوائے اس کے کہ تکلیف میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا مجھے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ اسکی دوا تو مجھے بخوبی معلوم ہے۔ اور میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ مشاہد عالیہ کے لیے سفر اختیار کروں تو میرے بھائی نے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ اصفہان سے راستہ طے کرتے کرتے ہم کرمانشاہ پہنچ گئے اور پھر ہارونیہ میں داخل ہو گئے چونکہ یہ شہر ہارون رشید نے بنایا تھا اس لیے اسی کے نام سے موسوم تھا۔ جب ہم پہاڑیوں پر چڑھے تو اچانک بارش شروع ہو گئی۔ ہوا بہت ٹھنڈی تھی۔ پتھروں پر سے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے اور کسی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ چار پایوں پر سوار ہو کر وہاں سے گزر سکے کیونکہ سردی نہایت شدید تھی اوپر سے بارش بھی ہو رہی تھی۔ میں نے آیۃ الکرسی پڑھنی شروع کر دی اور آگے بڑھنے لگا۔ قافلہ والوں میں سے ہر کوئی اپنی سواری سے گرا لیکن بحمد اللہ میں بصحت وسلامتی اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

یہاں ایک چھوٹی سی کاروانسرا تھی جس کے کمروں میں چوپائے باندھے جاتے تھے۔ میں نے اپنا سامان جو زیادہ تر کتابوں پر مشتمل تھا اس اصطبل مین چھوڑا۔ اب مصیبت یہ آئی کہ سردی کی وجہ سے لوگوں نے اُپلے سلگا دیئے جس سے سارے اصطبل میں دھواں ہی دھواں پھیل گیا۔ اب ہم ایک طرف بارش اور دوسری طرف اُپلوں کے دھوئیں میں پھنس کر رہ گئے۔ بارش سے بچنے کے لیے اصطبل میں جاتے اور ناک کو زور سے بند کر لیتے لیکن جب دم گھٹنے لگتا تو باہر نکلتے اور بارش کا مزہ چکھتے۔ ساری رات ہمارا یہی شغل رہا کہ کبھی اندر جاتے اور کبھی سانس لینے کے لیے باہر نکلتے اور رات تھی کہ ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور سورج نکلا۔ قریبی گاؤں کے لوگ روٹیاں فروخت کرنے کے لئے آئے ان میں ایک عورت بھی تھی جس کی لمبی سی داڑھی تھی جو کچھ سفید اور کچھ کالی تھی۔ ہمیں اس کی ہیئت بڑی عجیب لگی۔ پھر ہم اس گاؤں میں چلے آئے اور اپنی کتابیں اور دیگر سامان وہاں چھوڑ کر ہم میں سے کچھ لوگ سامرہ کی طرف چل پڑے۔ ابھی ایک فرسخ ہی راہ طے کی تھی کہ ہمیں ایک شخص ملا کہ جس نے ہمیں خبردار کیا کہ تم جس طرف جا رہے ہو وہاں نہر پاشا میں ڈاکو گھات لگائے بیٹھے ہیں یہ سن کر ہم عجب کشمکش میں گرفتار ہو گئے کہ آگے بڑھیں یا واپس چلے جائیں آخر ہم نے یہی طے کیا کہ ہمیں آگے ہی چلنا چاہیے۔ جب ہم اس نہر کے پاس پہنچے تو ڈاکوؤں نے اپنے گھوڑوں پر سوار ہم پر ہلہ بول دیا۔ میں نے آیۃ الکرسی کا ورد شروع کیا اب جب وہ ہمارے بالکل قریب آ گئے تو سب کے سب ایک جگہ رُک گئے اور کچھ سوچ بچار کرنے لگے پھر وہ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ تم لوگ راستہ بھول گئے ہو اور حقیقت یہی تھی کہ ہمیں راستہ نہیں مل رہا تھا چنانچہ ان میں سے ایک نے ہمارے لیے راستہ کی نشاندہی کی اور ہمیں قازانیہ تک پہنچا دیا۔

اب ہم نے دیکھا کہ سادات سامرہ ہمارے استقبال کو موجود ہیں اور وہ ہمارا اسباب ہم سے لے لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ آپ لوگ اپنی سواریاں چھوڑ دیں اور ہماری سواریوں پر بیٹھ جائیں چنانچہ ہم ان کے چار پایوں پر سوار ہو گئے اور رات کے وقت ہمارا داخلہ مشہد مبارک میں ہوا۔ ہم نے ایک سید صاحب کے ہاں قیام کیا۔ ایک عورت کچھ لکڑیاں لے آئی جن کی قیمت بمشکل ایک فلس ہو گی۔ جب ہم نماز صبح سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا کہ اب ہم زیارت کے لیے جاتے ہیں تو سید صاحب خانہ نے کہا کہ آپ لوگ ہمارے ہاں ماحضر تناول کیے بغیر کیسے زیارت پر جا سکتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ ہمارے پاس گوشت روٹی موجود ہے۔ سید نے کہا: ہرگز نہیں آپ کو ہمارے دسترخوان پر کچھ نہ کچھ کھانا ضرور ہے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد لکڑی کا ایک بڑا

سا پیالہ آیا جس میں کالا کالا پانی بھرا ہوا تھا۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ آخر اس پانی میں کیا چیز پڑی ہوئی ہے ساتھ میں کچھ چمچیاں تھیں۔ انہوں نے کہا بسم اللہ کیجئے۔ وہ گرم گرم شوربا تھا ہم نے چمچیاں اٹھائیں لیکن وہ اتنی چھوٹی تھیں کہ پیالہ کی تہ تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔ آخر ہم نے اپنا ہاتھ اس برتن میں ڈال دیا کہ شاید نیچے کوئی اور چیز بھی ہو تو پتہ چلا کہ چاول کے کچھ دانے پانی میں ابالے گئے ہیں تو ہم میں سے ہر ایک نے ایک آدھ چمچہ اس میں سے پیا اور پھر چلنے پر آمادہ ہوئے تو وہ سید صاحب بولے: اے میرے مہمانو! تمہیں پتہ بھی ہے کہ سامرہ کے سادات میں خوف خدا نام کی کوئی چیز نہیں ہے جب تم قبہ امام میں پہنچو گے تو وہ تمہارے کپڑے تک اتر والیں گے۔ لیکن تم نے میرا نمک کھایا ہے چنانچہ میرا حق بنتا ہے کہ تمہیں نصیحت کروں۔ تم اپنے نئے لباس بدل کر پرانے کپڑے پہن لوتا کہ بخیر و عافیت واپس آ جاؤ۔ تو میرے سب ساتھیوں نے اس کی بات سن کر نئے لباس اس کے حوالے کر دیئے اور پرانے کپڑے پہن لیے۔ میں نے کہا کہ مجھے آج سردی لگ گئی ہے اس لیے میں نے اپنے سارے کپڑے ایک دوسرے کے اوپر ہی پہن لیے۔ اب ہم زیارت کو چلے۔ پہلے ہی دروازہ پر چار محمدی (۱) ہم سے وصول کر لیے گئے جب دوسرے دروازے پر پہنچے تو پھر کچھ دینا پڑا۔ پھر ہم نے اپنے مولاؤں کی زیارت کی اور ہم سرداب مبارک میں چلے گئے۔ جب سرداب سے نکلے تو پھر ہمیں گھیر لیا گیا اور جو دل چاہا ہم سے چھین لیا گیا اور حالت یہ تھی کہ ایک بیچارہ زائر ایک ہاتھ سے اپنے تہہ بند کو پکڑے ہوئے تھا، دوسری طرف سے ایک سید اس کو کھینچ رہا تھا اور وہ بیچارہ شخص سر برہنہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ آخر ہم اپنی قیام گاہ پر آئے اور صاحب خانہ سے کہا کہ لاؤ ہمارے کپڑے ہمیں دیدو۔ اس نے کہا کہ پہلے آپ میرے حقوق کا حساب کر دیں اور وہ ادا کر دیں۔ ہم نے کہا: بہت خوب آپ اپنا حساب بتائیں۔ اس نے کہا پہلا حق تو میرا یہ ہے کہ میں نے آپ کا استقبال کیا۔ ہم نے کہا: بالکل صحیح ہے یہ تو واضح ہے۔ اس نے کہا: اس کے میں آپ سے صرف دو محمدی وصول کروں گا۔ دوسرا حق یہ ہے کہ آپ نے رات میرے گھر پر قیام کیا۔ چنانچہ اس کا کرایہ بھی ہم نے ادا کیا۔ پھر کہا کہ آج کے قیام کا کرایہ چنانچہ وہ بھی لے لیا۔ پھر کہا کہ آپ کے لیے لکڑیاں منگوائیں جو میری بیوی کی محنت تھی جو لکڑیاں لائی تھی۔ غرض وہ ہر چیز کا حساب کرتا رہا اور وصول کرتا رہا۔ پھر بولا کہ سب سے بڑا حق میرا یہ ہے کہ میں نے آپ کو کھانا کھلایا۔ اس کا ایک ایک محمدی ہر ایک سے وصول کیا۔ پھر کہنے لگا کہ میں نے آپکی حمایت کی اس کا بھی حق ہے کہ آپ میرے ہاں ٹھہرے تھے ورنہ سادات سب کچھ آپ سے چھین کر لیجاتے چنانچہ وہ بھی دیا۔ اس کے بعد بولا کہ حق مشایعت بھی ادا کرو۔ وہ بھی دیا۔ اب سارے حقوق ادا کرنے کے بعد ہم نے کہا کہ اب تو ہمارے لباس ہمیں دے دو تو اب کیا جواب ملتا ہے کہ تم لوگ خود ہی سوچو اور سمجھو کہ اگر تم وہ کپڑے پہن کر زیارت کو چلے جاتے تو سادات وہ بھی تم سے چھین لیتے۔ تو تم کیا سمجھتے ہو میں سید نہیں ہوں! میں بھی وہ تمہارے کپڑے تم سے لے رہا ہوں لیکن دیکھو میں نے تمہاری کوئی اہانت و توہین تو نہیں کی ہے نا! اب مجبوراً ہم کیا کہتے سوائے اس کے کہ خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ (کہ تم نے بغیر توہین کے ادب واحترام کے ساتھ ہمارے کپڑے ہم سے لے لیے)۔

پھر ہم بغداد گئے۔ اور بغداد سے کاظمین اور وہاں سے جناب سید الشہداءؑ کے لیے روانہ ہوئے۔ میں جہاں بھی گیا تھا ہر امام کے سرہانے سے کچھ مٹی اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ روضۂ امام حسینؑ پر حاضری دی تو آپ کے پائنتی سے کچھ خاک اٹھائی اور ان سب کو ملا کر میں نے اپنی آنکھ کا سرمہ بنایا اسی دن میری آنکھ میں اتنی طاقت آ گئی کہ میں مطالعہ کر سکتا تھا۔ اب میری آنکھ پہلے سے کہیں زیادہ بہتر تھی۔ اور میں جو صحیفہ کی شرح لکھ رہا تھا میں اس کو پورا کرنا شروع کر دیا اور اب بھی جب کبھی میری آنکھیں آشوب کرتی ہیں تو میں اسی کو سرمہ بناتا ہوں اور یہی میری دوا ہے۔

میں نے جب روضۂ امیر المومنینؑ پر حاضری دی اور آپؑ کی زیارت کی تو میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سرہانے کی طرف زمین پر پھرایا تا کہ کچھ خاک وہاں سے بھی اٹھالوں تو میرے ہاتھ میں ایک سفید موتی جو در نجف تھا آ گیا میں نے اسے محفوظ کر لیا اور جب باہر آیا تو اپنے مومن بھائیوں کو دکھایا سب کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ بات تو ہم نے کبھی نہ سنی تھی کہ یہاں سے کبھی کسی کو در نجف ملا ہو بلکہ یقیناً کسی فرشتہ نے اس کو وہاں ڈالا ہوگا کیونکہ اب سے سالوں پہلے ایسا ہوا تھا کہ خدام میں سے کسی ایک کو آنجنابؑ کے صحن مبارک سے در نجف ملا تھا۔ تو روضۂ مبارک کے متولی نے وہ اس خادم سے لیکر شاہ صفی کو ہدیتاً بھیج دیا تھا۔

(۱) محمدی: غالباً کسی سکہ کا نام ہے۔ (مترجم)

القصہ اس نگینہ کی ہم نے انگوٹھی بنوالی ہے اور وہ اب بھی ہمارے پاس محفوظ ہے اور اس سے ہم برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ اس نگینہ کی عجیب وغریب کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ میں یہ انگوٹھی انگلی میں پہنے رہتا ہوں۔ ایک دفعہ ششتر میں مسجد جامع گیا، نماز مغرب وعشاء کے بعد جب گھر آیا اور چراغ کے قریب جا کر بیٹھا تو پتہ چلا کہ انگوٹھی کا نگینہ کہیں گر گیا ہے میں سمجھ گیا کہ یہ آج ہی کہیں گرا ہے۔ مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی اور میں دیوانہ سا ہو کر رہ گیا۔ میرے بعض شاگردوں نے کہا کہ ہم چراغ لیکر جاتے ہیں اور اس کو ڈھونڈتے ہیں۔ میں نے کہا ممکن ہے یہ دن کے وقت میں نکل کر گیا ہو اور دن میں تو میں کئی جگہ گیا ہوں نہ معلوم کہاں گرا ہوگا۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ جاؤ خدا کی ذات پر توکل کر کے تلاش کرو۔ چنانچہ وہ چراغ لیکر چلے گئے۔ ابھی پہلی دفعہ زمین پر چراغ رکھ کر دیکھنا ہی چاہتے تھے کہ وہ ان کو پڑا ہوا مل گیا۔ اس کا سائز ایک چنے کے برابر تھا۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ اتنی چھوٹی چیز اتنی آسانی سے مل گئی! مجھے خوشخبری سنائی تو مجھے یوں لگا کہ جیسے ساری دنیا کی دولت میرے دامن میں ڈال دی گئی ہو۔ الحمد للہ کہ اب تک وہ میرے پاس موجود ہے۔

ہم جب زیارت سے فارغ ہوئے تو ہم نے فضلاء ومجتہدین سے ملاقاتیں شروع کیں اور ان سے گفتگو اور ہم نشینی کا شرف پایا پھر ہم رماحیہ آئے۔ میں ایک مجتہد کا مہمان تھا۔ چند دن ان کے ہاں ٹھہر کر ہم نے کشتی کرایہ پر لی اور اس پر سوار ہو کر جزائر جانے کا ارادہ کیا۔ ابھی کشتی دو فرسخ ہی چلی ہوگی کہ مٹی میں دھنس گئی۔ ہم ایک رات اور ایک دن وہاں رکے رہے پھر ایک فرسخ یا کچھ زیادہ چلی ہوگی کہ پھر پہلے کی طرح کھڑی ہوگئی۔ غرض اسی طرح ہوتا رہا تو کشتی والوں کو بڑا تعجب ہوا کہ اس سے پہلے تو ہمارے لیے یہ صورتحال کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ اب میں سوچ میں پڑ گیا اور بولا یہ ماہ جمادی چل رہا ہے اور ماہ رجب قریب آچکا ہے اور رجب کی زیارت ہونے ہی والی تھی میں نے اس کو چھوڑ کر جزائر کا ارادہ کر لیا اسی لیے یہ دشواری پیش آرہی ہے تو میں نے ملاح سے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری کشتی بخیر وخوبی چلتی رہے تو مجھے اتار دو اور پھر ساری بات اس کو سمجھائی (۱) اسے بڑا تعجب ہوا پھر اس نے کہا کہ یہاں کے ایک گاؤں میں ہمارے ایک بھائی رہتے ہیں، میں کشتی کو اس طرح لے جاتا ہوں تا کہ آپ ان کے گھر پر اُتر جائیں۔ اور پھر اس نے کسی کو میرے ساتھ کر دیا کہ مجھے ان کے گھر تک پہنچا دے میرا کشتی سے اترنا تھا کہ کشتی بڑے آرام سے اپنے بہاؤ پر تیرنے لگی۔

ہم اس شخص کے گھر آئے جو ہمارے بھائیوں اور دوستوں میں سے تھا۔ پھر اس نے اپنے ایک غلام کو بھیجا کہ میرا اسباب کشتی سے اتار لائے۔ میں اس مرد مومن کے ساتھ کچھ دن اس کے گھر پر مقیم رہا پھر ہم دونوں زیارت رجب کے لیے چلے اور اپنے مولا امیر المومنینؑ کی زیارت کی۔ زیارت سے فارغ ہو کر پھر اس مرد مومن کے گھر آئے۔ وہ گاؤں ساحل فرات پر واقع تھا اور نہر کے پانی میں ایک درخت اگا ہوا تھا وہ اس کی شاخ پر بیٹھتا تھا اور کشتی نیچے سے گزرا کرتی تھی۔ ایسی خوبصورت جگہ ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ دن میں ہم تیتر، بٹیر کا شکار کرتے اور رات کو انہیں بھون کر کھالیا کرتے۔

آب فرات میں ہر روز بہشت کے پرنالہ سے پانی پھینکا جاتا ہے۔ نیز حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ آب فرات سے ہر مادرزاد اندھے، کوڑھی بلکہ ہر آفت رسیدہ کو شفا حاصل ہوتی ہے لیکن مخالفین اہل بیتؑ کے بدنوں کی نجاست کی وجہ سے اس پانی کی برکت زائل ہوگئی ہے۔ بس اب ایک برکت باقی ہے۔ ہمارے مولا وآقا حضرت جعفر صادقؑ آب فرات کی خاطر سے مدینہ سے تشریف لاتے تا کہ آب فرات کو نوش فرمائیں اور اس سے غسل کریں اور پھر واپس چلے جاتے۔ چنانچہ ایک روز آپ نہر فرات پر آئے اور ایک شخص جو ساحل فرات پر موجود تھا اس سے کہا کہ مجھے ایک جام آب بھر کر دو اس نے دیا تو آپ نے نوش فرما کر کہا کہ اور پانی دو۔ اس نے پھر بھر کر دیا آپ نے اس میں سے پیا بھی اور اپنی داڑھی کو بھی تر کیا اور پھر ارشاد فرمایا: الحمد للہ رب العالمین اس پانی میں کتنی برکت ہے۔

(۱) ماہ رجب چار محترم مہینوں میں سے سب سے پہلا مہینہ ہے۔ اس ماہ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اگر اس ماہ میں کسی امامؑ کی زیارت کی جائے تو وہ مخصوص زیارت رجبیہ پڑھنا چاہیے جو مفاتیح الجنان میں اعمال رجب میں لکھی ہوئی ہے۔ کیونکہ ۱۳ رجب مولائے کائنات کی ولادت کا روز ہے لہٰذا نجف اشرف میں اس تاریخ کو آپ کی زیارت بے حد فضیلت رکھتی ہے۔ (مترجم)

قصہ مختصر میں اب پھر کشتی میں سوار ہوا اور جزائر پہنچ گیا۔ وہاں کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی جو پہلے والی کشتی میں ہمارے ساتھی تھے اور انہوں نے بتایا کہ آپ کے اترنے کے بعد کشتی بغیر حیل وحجت چلتی رہی اور بلاوجہ کہیں کھڑی نہ ہوئی حتی کہ ہم بخیر وعافیت اپنی منزل پر پہنچ گئے۔
جب میں جزائر پہنچا تو میرے گھر والے بہت خوش ہوئے کیونکہ میرے بھائی پہلے ہی شط بغداد کے راستہ جزائر آ چکے تھے۔ والدہ نے جب ان کو اکیلا دیکھا اور مجھے ان کے ساتھ نہ پایا تو بے حد پریشان ہوئیں اور ایک نیا قضیہ کھڑا ہو گیا۔ خیر میں تین ماہ تک وہاں رکا اور وہاں میں نے شرح تہذیب لکھنی شروع کر دی پھر ہم وہاں سے ہم نہر صالح چلے گئے وہاں کے باشندے سب کے سب نیک اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ اور ان کے علماء بھی سچے مومن تھے۔ نفاق وحسد ان میں نام کو نہیں تھا۔ سب میرے ساتھ بڑے حسنِ سلوک سے پیش آئے اور ہم چھ ماہ سے کچھ زیادہ وہاں رہے۔ ہماری خاطر سے انہوں نے ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی جس میں انتہائی جلیل القدر شیخ خاتمۃ المجتہدین شیخ عبدالنبی جزائری نماز پڑھایا کرتے تھے۔ وہاں ہم نماز جماعت پڑھتے تھے مگر نماز جمعہ نہیں۔

اس کے بعد سلطان محمد نے سلطان بصرہ پر لشکر کشی کر دی تا کہ اس سے جزائر اور بصرہ چھین لے چنانچہ سلطان بصرہ نے سوچا کہ جزائر و بصرہ کو بالکل تباہ حال کر دے اور وہاں کے باشندوں کو حویزہ کے قریب ایک جگہ سحاب میں منتقل کر دے۔ چنانچہ ہم سب وہاں چلے گئے۔ اس نے اپنا لشکر قلعہ قرنہ میں رکھا اور خود اہلِ جزائر کے ساتھ سحاب میں رہنے لگا وہ کبھی ہماری طرف نکل آتا تھا تو اس کے لیے صحرا میں ایک خیمہ لگا دیا جاتا تھا جب ہم اس کے پاس پہنچتے تو وہ تعظیم کو کھڑا ہو جاتا اور مجھے اپنے ساتھ خیمہ میں بیٹھا لیتا اور مجھ سے بڑی محبت کا اظہار کرتا۔ جب سلطان محمد کے لشکر نزدیک آ پہنچے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا تو وہ اس قلعہ پر روزانہ ایک ہزار توپوں سے گولہ باری کرتے تھے بالکل یوں لگتا تھا کہ زمین دہل رہی ہو۔ میں شرح تہذیب کی تالیف میں مشغول تھا۔ میں نے اپنی کتابیں اور بیوی بچے اپنے بھائی کے ہمراہ حویزہ بھیج دیئے اور صرف تالیف کرنے والی ضروری کتابیں میرے پاس رہیں۔ پھر میں نے بھی سلطان سے اجازت چاہی کہ میں بھی حویزہ کا سفر اختیار کروں۔ لیکن اس نے مجھے اجازت نہ دی اور یہ کہا کہ اگر آپ ہمارے درمیان سے چلے جائیں گے تو ہم میں سے کسی کا وجود باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ آپ یہیں رہیں۔ اس طرح چار ماہ تک اسی حصار میں رہے حتی کہ جب ماہِ مبارک رمضان آ گیا تو میں نے حویزہ کا سفر اختیار کیا اور میں خبروں کا منتظر رہتا تھا۔ جب ماہ مبارک کی گیارہویں تاریخ ہوئی تو شب جمعہ تھی اور ہمیں خبر ملی کہ سلطان لشکر کی بے وفائی سے ڈر کر بھاگ گیا ہے اور زورق چلا گیا ہے۔ یہ خبر جزائر پہنچی تو طلوع صبح کا وقت تھا تو سارے مرد، عورتیں بوڑھے بچے حویزہ کی طرف بھاگے اور اس راستہ کے طے کرنے میں تین دن لگے۔ اثنائے راہ میں ایک ایسا بیابان پڑتا تھا جس میں آب وگیاہ کا نشان تک نہ تھا۔ اس بیابان میں بہت سے لوگ خوف ودہشت اور بھوک پیاس کی شدت سے ہلاک ہو گئے اور اس قدر لوگ مرے کہ خدا ہی ان کی تعداد جانتا ہے اور جو لشکر اس علاقہ میں تھا وہاں لاکھوں کی تعداد میں قتل کیے گئے اور جو اس منظر کو دیکھتا تھا تو وہ روز قیامت کا تصور ذہن میں لاتا تھا۔

بہر حال سلطان حویزہ قدس اللہ روحہ جن کا نام سلطان علی خان تھا اس نے اہلِ جزائر کی پیشوائی کے لیے سپاہی بھیجے اور ان کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ خدا اس کا بھلا کرے۔ ہم دو ماہ تک اس کے پاس مقیم رہے پھر اصفہان کا سفر اختیار کیا لیکن براستہ ششتر۔ جب ہم ششتر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کے باشندے صلح پسند اور فقیر منش ہیں اور علماء کو دوست رکھتے ہیں۔ وہاں سادات خاندان کی ایک بڑی شخصیت تھی جن کا نام میرزا عبداللہ تھا۔ ہم ان کے گھر جا اترے اور انہوں نے ہماری تمام ضروریات زندگی ہمارے لیے مہیا فرما دیں۔ اب وہ تو رحمتِ خدا سے متوصل ہو گئے ہیں۔ اپنے پسماندگان میں دو فرزند چھوڑے ہیں ایک سید شاہ میر اور دوسرے سید محمد مومن اور دونوں ہی بچپنے سے بے حساب صفات وکمالات کے حامل ہیں۔ عرب وعجم میں ان سے بڑھ کر کوئی کریم پیدا نہیں ہوا۔ ان کے والد نے ہمارے اہل وعیال کو بھی حویزہ سے بلوالیا اور گھر اور دوسرے ضروریات زندگی فراہم کیے۔ ہم تقریباً ۳ ماہ تک ششتر میں مقیم رہے پھر دہدشت کے راستہ اصفہان کا سفر کیا اور ہمارے بال بچے ششتر میں ہی رہے۔ جب دہدشت پہنچے تو کاروانسرا میں ایک حجرہ لے لیا اور وہاں رہے۔ ایک گھنٹہ بعد کسی ساتھی نے کہا کہ دیکھو باہر نکلو شاید ہمارے دوست احباب میں سے کوئی مل جائے جو ہمارے لیے گھر کا انتظام

کرے۔ وہ باہر گیا اور پھر ایک سید کے ساتھ آیا جو اصفہان میں مجھ سے تعلیم پاتا تھا۔ اس نے جب مجھے دیکھا تو باغ باغ ہو گیا اور اس نے حاکم سے کہا یہ شخص آپ کے کچھ شاگرد ہیں۔ چنانچہ اس نے ان کو اطلاع دی وہ دہبد شت کے سادات تھے اور انہوں نے ہمیں کمرہ مہیا کیا۔

اس علاقہ کا حاکم محمد زمان خان نامی ایک شخص تھا وہ عالم اور کریم وسخی تھا اور اپنی سخاوت میں بے نظیر تھا۔ جب ہمارے آنے کی خبر اسے ملی تو اس نے اپنے وزیر کو ہمارے پاس بھیجا اور اس نے ہماری ضروریات کا انتظام کیا۔ جب دن ڈھلنے لگا تو حاکم نے ہمیں بلوایا۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو کہنے لگا۔ میں نے سنا ہے کہ تم صحیفہ کی شرح لکھ رہے ہو۔ میں نے کہا: ہاں۔ تو اس نے کہا کہ دعائے عرفہ کا ایک فقرہ ہے اس کی کیا شرح لکھی؟ تو میں نے پوچھا کونسا فقرہ۔ اس نے کہا: قول امام ہے **تغمدني فيما اطلعت عليه مني بما يتغمد به القادر على البطش لولا حلمه** . (میرے ان گناہوں کے بارے میں کہ جن پر تو مطلع ہے اس شخص کی مانند میری پردہ پوشی فرما کہ اگر اس کا حلم مانع نہ ہوتا تو وہ سخت گرفت پر قادر ہوتا۔) میں نے اس عبارت کی تشریح میں تین پہلو ذکر کیے تو وہ کہنے لگا کہ ایک رخ میرے بھی ذہن میں آتا ہے اور ایک پہلو آقا حسین خوانساری نے نکالا ہے ہم نے ان دونوں پہلوؤں کو بہت اچھا سمجھا اور ان پر بحث شروع کر دی اور میں اس سے بڑے احترام سے بات کر رہا تھا لیکن وہ دو زانو ہو بیٹھا اور اپنا شاہی لباس اپنے پس پشت اتار کر رکھ دیا اور کہا کہ آپ اس طرح فرمائیے جس طرح مدرسہ میں طالب علموں کو درس دیتے ہیں اور مجھے اس سعادت سے محروم نہ کیجئے۔ چنانچہ مباحثہ ہوتا رہا میں اس کو ایک علم سے دوسرے علم کی طرف منتقل کر دیتا تھا لیکن وہ گفتگو میں مجھ پر اس علم کے لحاظ سے سبقت لے جاتا تھا۔ حتیٰ کہ وقت ظہر آ پہنچا۔ ہم نے اپنا مباحثہ روکا اور دوسرے دن پھر مباحثہ کا آغاز کیا۔ غرض تین ماہ تک ہم اس کے شہر میں رہے اور روزانہ یہی صورتحال ہوتی تھی۔ میں نے زندگی میں اس سے زیادہ فہیم اور ذکی اور فصیح البیان شخص نہیں دیکھا اس کے باوجود علماء وفقراء کی امداد میں وہ پیش پیش نظر آتا تھا۔ جب میں نے اس سے سفر اصفہان کی اجازت چاہی تو اس نے مزید احسانات کیے۔

جب اصفہان کا سفر اختیار کیا تو اب دیکھئے کہ وہاں ہمارے اوپر کیا گزرتی ہے۔ ہم ایک بہت فرحت بخش مقام پر پہنچے جہاں نہریں بہہ رہی تھیں اور جا بجا سرسبز درخت لگے ہوئے تھے۔ یہیں بڑا لطف آیا طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی۔ اچانک میرے دل میں ایک خیال گزرا میں نے خدا کی پناہ مانگی کہ آج اگر میں خوش باش ہوں تو میں نے آزمایا تھا کہ اگر ایک دن خوشی نصیب ہوتی تھی تو دوسرے دن نہایت روح فرسا ہوتا تھا۔ ہم سوار ہوئے ہمارا ایک ساتھی ہم سے آگے روانہ ہو چکا تھا وہ راستہ میں ایک چٹان کے نیچے بیٹھ گیا میں اور میرے بھائی سوار ہوئے جب ہمارے چوپائے اس کے پاس سے گزرے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو گھوڑوں نے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا اور میری سواری نے مجھے ایک بہت بڑے پتھر پر گرا دیا جس کی وجہ سے میں بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش میں آیا تو معلوم ہوا کہ میرے بائیں بازو میں شدید درد ہے۔ میرے ساتھی جب قریب آئے تو میرے بازو کو مضبوطی سے باندھ دیا۔ اصفہان تک میں اسی حال میں گیا اور میرزا تقی دولت آبادی کے مدرسہ میں اپنے حجرہ میں بیٹھ گیا۔ میرے ہاتھ کا علاج ہوتا رہا۔ پانچ ماہ ہم وہاں رہے جب ہاتھ ٹھیک ہو گیا تو میرے بدن میں عجب تکلیف پیدا ہوگئی کہ مجھے گویا کسی چیز کا احساس ہی نہ ہوتا تھا اور میں کھلی آنکھوں سے موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا لیکن میں اللہ کی عطا کی ہوئی توفیقات سے بڑا خوش تھا۔ ایک زمانہ تک یہی کیفیت رہی آخر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے شفا بخشی لیکن میرے بھائی کو بخار رہنے لگا چنانچہ ہم وہیں ٹھہرے رہے لیکن پھر اس کو اسہال کی شکایت ہوگئی اور آخر کار شب جمعہ اول ماہ شعبان کو وہ رحمت الٰہی سے ملحق ہو گیا۔ میرے دل کو یہ ایسا صدمہ پہنچا کہ آج تک میں اس کو بھلا نہیں سکا اور روز مرگ تک مجھے اب سکون نصیب نہ ہوگا حتی کہ میں بھی منوں مٹی تلے دفن ہو جاؤں۔ اس کی وفات ۱۰۷۹ھ میں ہوئی اور یہ ۱۰۸۹ھ ہے اور کوئی رات ایسی نہیں جاتی کہ میں اس کو خواب میں نہ دیکھتا ہوں اور بہت خوشحال دیکھتا ہوں۔ لیکن دن میں کیا ہوتا ہے اس کی کتابیں میری نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں جن کو میں پڑھتا رہتا ہوں اور جب اس کی کوئی کتاب نگاہ سے گزرتی ہے میرا غم تازہ ہو جاتا ہے۔ **انا لله و انا اليه راجعون** ۔ اس کے بعد میں اصفہان میں پریشان حال ہی رہا اور دریائے ہم وغم میں غوطہ زن رہتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ لاعلاج مصائب ہیں لیکن ہاں اگر میں زیارت علی بن موسیٰ الرضاؑ کے لیے جاؤں تو شاید کچھ تسلی حاصل ہو۔ لہٰذا میں نے سفر اختیار کیا۔ راستہ میں رات بہت تاریک تھی راستہ نہ ملتا تھا۔ جب دن

نکلا تو ایک ریگستان میں پھنس گئے اور ناف تک ریت میں دھنس گئے۔ ہمارے چوپائے بھی زین تک ریت میں دھنسے ہوئے تھے ہم ہلاکت کی سرحدوں میں تھے کہ خدا نے احسان فرمایا اور راستہ مل گیا اور ہم مشہد مقدس پہنچ گئے۔ اس ارض مقدس میں ہم نے کچھ روز قیام کیا۔ پھر ہم نے اسفراین کے راستہ سے واپسی اختیار کی اور دوران واپسی ہم نے بڑے عجیب وغریب حالات کا مشاہدہ کیا۔ جب ہم سبزوار پہنچے تو مجھے ایک درد عارض ہو گیا چنانچہ میں نے اونٹ کے اوپر محمل لگا کر اس میں آرام کیا۔ جب ہم اصفہان واپس آ گئے تو تھوڑے ہی دن وہاں قیام کیا تھا کہ سفر ششتر پیش آ گیا اور آخر کار اس کو ہی میں نے اپنا وطن قرار دیدیا اور میں نے وہاں اپنا گھر تعمیر کر لیا اور میرے اور سلطان حویزہ کے درمیان بڑا پیار ومحبت کا رشتہ قائم تھا وہ ہر سال مجھے بہت سے خطوط لکھا کرتا اور مجھ سے خواہش کیا کرتا تھا کہ میں اس کے پاس آؤں اور جب میں اس سے ملاقات کو جاتا تو اس قدر حسن سلوک سے پیش آتا کہ میں اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہتا۔

فی الحال میرا قیام ششتر میں ہے اور اس قلیل عمر میں میں نے بے شمار مصائب کا سامنا کیا جو بیان سے باہر ہیں۔ صرف ایک چیز جوان مصائب کو میرے لیے آسان بنا دیتی تھی وہ وہ احادث تھیں جن میں کہا گیا ہے کہ مومن ہمیشہ منزل امتحان میں ہوتا ہے اور مصائب کا شکار ہوا کرتا ہے۔ حتی کہ اگر مومن دریا میں غرق ہو اور کسی تختہ کا اس نے سہارا پکڑ لیا ہو تو وہاں بھی تبارک وتعالیٰ کسی کو اس کے اوپر مسلط کر دیتا ہے کہ اسے اذیت دیتا رہے تا کہ اس کے ثوابوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔

ہمارے استاد ملا محمد باقر مجلسی اللہ تعالیٰ ان کی منزلت اور بلند کرے جو علم وعمل کے لحاظ سے بے نظیر تھے وہ ہمیشہ مصیبت کے تیروں کی زد پر رہتے تھے۔

جو سخت ترین آلام ہم پر گزارے وہ کئی تھے۔ اول یہ کہ دوستوں کی مفارقت کا صدمہ برداشت کیا دوسرے اپنے بھائی کی جدائی اور موت کا صدمہ جس سے میرے دل کو ایسی تکلیف پہنچی ہے کہ وقت مرگ سے پہلے اس کا ازالہ ناممکن ہے۔ تیسرے اولاد کی موت اور ان سب مصائب میں بیچ والی مصیبت سب سے سنگین ہے۔ چوتھے علماء اور اپنے ہم جنسوں کا حسد کہ جہاں بھی میں گیا ہر جگہ مجھ سے حسد کیا گیا اور شیراز میں تو یہاں تک ہوا کہ جن کتابوں کو میں نے بڑی محنت سے خوشخط لکھا تھا اور ان پر حواشی بھی لکھے تھے وہ چرالی گئیں اور کنوئیں میں پھینک دی گئیں یہاں تک کہ سب تباہ ہو گئیں اور جس شخص نے وہ چرائی تھیں وہ مل بھی گیا تھا لیکن میں نے اس سے ایک حرف شکایت کا نہ کہا حتی کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے دوسری کتابیں عنایت فرما دیں اور اس شخص کو ایک ورق بھی حاصل نہ ہو سکا اور انتہا یہ ہوئی کہ وہ کفار سے طالب امداد ہوا۔ میں ہمیشہ محسود رہا اور کبھی کسی سے حسد نہ کیا۔ خدا نے مجھے اپنے ساتھیوں اور عزیزوں کا محتاج نہ ہونے دیا۔ یہ سب فضل پروردگار ہے ورنہ اس بندہ عاصی کا کیا مرتبہ ومقام!

پانچویں لوگوں کے ساتھ معاشرت ایک عجیب مرحلہ ہے کیونکہ انسانوں کی طبیعتوں میں بے حد اختلاف ہوتا ہے اور ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کے مزاج کے مطابق اس سے سلوک ہو اور یہ بڑا مشکل کام ہے کہ ہر شخص کے حسب طبع ومزاج عمل انجام دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو خواہ مخواہ ہاں میں ہاں ملائی جائے یا غلط کاریوں کو دیکھتے ہوئے بھی چپ سادھ لی جائے اور اس پر علماء کا اجماع ہے کہ یہ حرام ہے اور یہ کام کسی کے بس کا ہے بھی نہیں۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ سارے بنی اسرائیل ان سے راضی ہو جائیں تا کہ ان کی ہتک حرمت نہ کریں اور غیبت سے باز رہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ یہ تو وہ صفت ہے جو میں نے اپنے لیے نہیں کی تو بھلا تمہارے لیے کیسے ممکن ہے اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے اگر کوئی ذرا سا غور وفکر کرے اور لوگوں کے حالات کی چھان بین کرے تو وہ دیکھے گا کہ لوگ خدا کے اس قدر شاکی ہیں کہ کسی جابر خونریز بادشاہ کی بھی اتنی شکایت نہ کرتے ہوں گے اور ہمیں شاید ہی کوئی ایسا شخص مل سکے کہ جو قضا وقدر کے بارے میں خدا پر الزام تراشی نہ کرتا ہو اور یہ صورتحال زیادہ تر فقیری وتنگدستی، مرض، حالات کی دگرگونی اور زوال نعمت کے وقت دکھائی دیتی ہے۔

چھٹے سب سے بڑی مشکل جس نے جینا حرام کر دیا اور سکون کا لمحہ میسر نہیں آتا کہ اس سے قبل کوئی نہ کوئی پریشانی رونما ہو جاتی ہے وہ یہ تھی کہ ہم

نے ایسے مقام کو اپنا وطن قرار دیا کہ جس میں نہ کوئی مفتی ہے نہ مجتہد کہ ہم معاملہ اس کے حوالہ کر دیں اور اگر عبادات یا معاملات کے بارے میں کوئی سوال ہوتا تو ہمارے لیے بڑا مشکل مرحلہ بن جاتا تھا کیونکہ یہ مقام معاونت اداء کا محتاج ہے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اشکال ہے تو وہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس تو یہ ڈھیروں کتابیں موجود ہیں اور آپ نے تو فلاں فلاں عالم سے درس پڑھا ہے تو آپ کو تو ہر چھپی بات کا دلوں کے بھیدوں تک کا علم ہونا چاہیے۔ میں پریشان ہو کر اکثر اوقات لوگوں سے خلوت اختیار کر لیتا اور گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جاتا اور یہ تمام سابقہ مشکلات سے زیادہ مشکل مرحلہ تھا۔ خدا ہمارے قول و فعل سے خرابیاں اور یاوہ گوئیاں دور فرمائے۔

ساتویں یہ کہ تالیف و تصنیف کے اسباب مہیا نہیں ہیں اور عالم کے لیے کتابیں فائدہ مند ہوتی ہیں۔ الحمد للہ ہمارے پاس کافی کتابیں موجود ہیں اور یہاں مجھے پروردگار نے کتاب ''نوادر الاخبار'' جو دو جلدوں میں ہے تالیف کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور ''شرح تہذیب'' بھی جو آٹھ جلدوں میں ہے پوری کی پوری موجود ہے اور علم فقہ میں کتاب ''ھدیہ'' جو ایک جلد میں ہے اور ''کشف الاسرار'' جو استبصار کی شرح ہے دو جلدوں میں اور کتاب ''نور النعمانیہ'' جو دو جلدوں میں ہے۔ پھر خدا نے شرح ''صحیفہ'' کی توفیق دی جو ایک جلد میں ہے۔ اور ''شرح مغنی ابن ہشام'' اور ''تہذیب پر شرح'' ایک جلد میں ''کافیہ پر شرح'' اور کچھ دوسرے رسائل۔ یہاں تک نعمت اللہ صاحب کی تحریر تھی۔

آپ کی تالیفات میں کتاب مسکن الشجون فی الفرار عن الوباء والطاعون اور کتاب ''زہر الربیع'' بھی شامل ہیں۔

نیز آپ کی تالیفات میں ''شرح جامی پر حاشیہ'' اور شرح جامی کے حواشی میں اس فقیر مولف کتاب کی کتاب قابل ترجیح ہے اور جو اس بات کی حقیقت کو جاننا چاہے وہ خود اس کتاب کی طرف رجوع کرے اور از روئے انصاف خود ہی فیصلہ کرے (کہ میں نے یہ بات غلط نہیں کہی) اور میرے حاشیہ کے بعد عصمۃ اللہ بن محمود کا حاشیہ دوسرے حواشی پر قابل ترجیح ہے اور تیسرے نمبر پر حاشیہ عصام اور چوتھے نمبر پر حاشیہ سید نعمت اللہ آتا ہے اور اس کے بعد سب ہم رتبہ ہیں اور فی الحقیقت عصام فاضل اور دقیق شخصیت تھے اور انہوں نے ''کبریٰ'' پر فارسی میں شرح لکھی ہے اور ''تفسیر قاضی'' پر حاشیہ اور ''مطول'' میں ملا سعد کی اس عبارت ما انا رأیت احداً (میں نے کسی کو نہیں دیکھا) پر ملا علی قوشچی نے حاشیہ اور دوسروں نے بہت سے رسائل لکھے۔ اور عصام نے بھی اس عبارت پر ایک رسالہ لکھا۔ ''شمسیہ منطق'' پر ''شرح عصام'' اور ''شرح شمسیہ'' پر سید شریف کے حاشیہ پر بھی انہوں نے حاشیہ لکھا۔ اور ابن حاجب کے ''کافیہ'' پر بھی شرح عصام ہے۔ اور شرح جامی پر بھی ان کا حاشیہ ہے۔ اور اس ناچیز مولف کتاب نے شرح جامی پر اپنے حاشیہ میں ان کے اکثر اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔

☆☆☆ خاتمہ کتاب میں ☆☆☆

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ مولف کتاب نے علمائے اطیاب کے نام نامی، ان کے حالات، فتاویٰ، تاریخ پیدائش و وفات اور ان کی تالیفات جو وقت کے ساتھ ساتھ اہل علم و عقل کے ذہنوں سے محو ہو چکی تھیں، پچاس سال کی محنت شاقہ کے بعد خوب چھان بین اور تلاش و جستجو اور ذمہ دار افراد سے سن کر حتی المقدور ان کے احیاء کی کوشش کی ہے۔ بڑے مطالب علمی نصائح اور عجیب و غریب دلچسپ حکایات کا ذکر کیا ہے۔ فی الحقیقت ابھی تک اس قسم کی کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی اور اس کے کئی مقاصد ہیں۔

۱۔ ان کے ذریعہ سلسلہ اسناد کا علم ہوگا۔

۲۔ مولفین کی تالیفات کا پتہ چلے گا۔

۳۔ طالب علموں کے لیے تحصیل علم میں مددگار ہوگی۔

۴۔خواص وعوام کو عبادت، زہد و پرہیز گاری اور اعتقاد و یقین کے واضح کرنے کی رغبت پیدا ہوگی۔
۵۔لوگوں کے لیے پند و نصیحت کا سبب ہوگی اور اس دنیائے غدار و فانی کی محبت سے نجات پانے کے لیے بہترین دوا ثابت ہوگی۔
۶۔اللہ تعالیٰ کی گوناگوں نعمتوں کا اظہار ہوگا کہ یہ اس کی قدرت کا کمال ہے کہ مٹھی بھر خاک کو ایسے ایسے کمالات عطا کر دئے ہیں اور قدرت اپنی جگہ کتنی فیاض ہے۔
۷۔یہ متبرک کتاب تالیف و تصنیف، تدریس، تفہیم و تعلیم و تعلمِ معلم کے لیے بھی کافی و شافی ہے۔
۸۔علمائے کرام کے اسمائے گرامی یاد کر لیے جائیں اور نماز وتر اور اوقات سحر میں ۱۰۰، ۲۰۰ کا نام لیکر ان کے لیے طلب مغفرت کی جائے اور ان کے درجات عالیہ میں اضافہ کی استدعا کی جائے تاکہ ان کی ارواح عالیہ کے فیوض دعا گو پر اپنا اثر پیدا کریں اور اس کو دینی و دنیاوی ترقیات حاصل ہوں۔
۹۔اس کتاب کے ذریعہ طریقہ تحصیل علم بھی سیکھا جاسکتا ہے۔
۱۰۔اکثر کثرت مطالعہ اور غور و فکر کی وجہ سے دماغ تکان محسوس کرنے لگتا ہے تو یہ کتاب ایسے حالات میں طالب علم کے لیے فرح و انبساط اور علمی شوق پیدا کرے گی۔
۱۱۔بہت سے مشکل اور اختلافی مسائل کی اصولی و فروعی طور پر ایسی تحقیق پیش کی گئی ہے کہ آدمی ان کی مکمل معرفت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔
۱۲۔یہ کتاب طلباء کو اخلاص نیت کے رکھنے اور ریا و طلب دنیا سے بچنے کی طرف ہدایت دیتی ہے۔
۱۳۔اس کتاب کے مطالب و حکایات کے ذریعہ مجالس و محافل کو رونق بخشی جاسکتی ہے۔
۱۴۔اس کتاب میں کرامات اور علماء کی واضح و روشن نشانیوں کو پیش کر کے ان کی معرفت دینی کے ذریعے حقیقت دین پیغمبرؐ اور آپ کی آل اطہارؑ کو دلوں میں مستحکم کیا جاسکتا ہے کیونکہ جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ علماء جو اس خانوادہ کے خدام، دربان و نواب ہیں وہ اس قدر عجیب و غریب کرامات کے حامل ہیں تو یقیناً ان کے مخدوم، مولاؑ اور ائمہؑ کی کیا شان ہوگی اور ان کی کرامات کو سن کر جو فائدہ ہوگا تو پھر اماموں اور پیغمبروں کے معجزات سے تو حقیقت رسالت اور حجت دین مبین اور واضح ہوگی۔

اس فقیر حقیر نے کافی پہلے کتاب ''تذکرۃ العلماء'' لکھی تھی لیکن وہ بڑی مختصر ہے۔ بہت سے نام اُس کتاب میں ہیں اور ان کے متعلق حکایات درج کی گئی ہیں جو اس کتاب میں نہیں ہیں اور بہت سے علماء کے قصے ایسے ہیں جو اس کتاب میں ہیں لیکن ''تذکرۃ العلماء'' میں ان کا ذکر نہیں ہوا اور بعض کا ذکر دونوں کتابوں میں ہے ظاہری طور پر تو یوں لگتا ہے کہ ہم نے ایک سو ترپن (۱۵۳) افراد کا ذکر کیا ہے کیونکہ ترپن (۱۵۳) عنوانات قائم کیے ہیں لیکن کہیں کہیں یہ بھی ہوا ہے کہ ایک عنوان کے تحت بیس (۲۰)، تیس (۳۰) یا کم و بیش علماء کا ذکر کر دیا ہے خصوصاً جہاں مفصل اجازے لکھے ہیں چنانچہ قاری کو غفلت نہیں برتنی چاہیے کیونکہ علم درایہ میں مذکور ہے کہ غیر ممیز بچے کے لیے اجازہ روایت دینا صحیح ہے تاکہ بقائے اسناد کے راستہ کو وسعت دی جاسکے جو اس امت کی خصوصیت ہے اور اعلیٰ اسناد رکھنے کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت کو حاصل کیا جاسکے۔

شہید ثانی نے ''شرح درایہ'' میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے علماء کی ایک جماعت کے خطوط کے خاتمہ پر دیکھا کہ انہوں نے اپنی اولاد کے لیے اجازہ ان کی ولادت کے وقت ہی تحریر کر دیا تھا اور اس میں ان بچوں کی تاریخ ولادت بھی لکھ دی تھی۔ جیسے سید جمال الدین بن طاؤس نے اپنے بیٹے غیاث الدین کے لیے کیا۔ اور ہمارے شیخ شہید اول نے اپنے مشائخ سے جو عراق میں تھے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے جو شام میں تھے اور ان بچوں کی ولادت قریب تھی تو ان کے لئے اجازہ لے لیا اور وہ خطوط اب بھی میرے پاس ہیں۔

محمد بن احمد بن صالح لبستی نے ذکر کیا ہے کہ سید فخار بن معد موسوی سفر حج پر جا رہے تھے تو انہوں نے ہمارے ہاں قیام کیا اور میرے والد نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کی خدمت کروں۔ میں سات سال کا تھا یا سات سال کا ہونے والا تھا۔ جب سید نے آگے جانے کے لیے سوار ہونا چاہا تو میرے والد

نے مجھے ان کی حضور میں پیش کیا اور عرض کیا کہ اس بچے کو اجازہ مرحمت فرمادیں۔ چنانچہ سید فخار نے مجھے اجازہ دیا اور کہا کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں ہر اس چیز کی جس کی میں روایت کرتا ہوں۔ اور اس اجازہ سے جو مفہوم نکل رہا تھا وہ یہ تھا کہ تجھے جس چیز کے ساتھ میں نے مخصوص کیا ہے تو عنقریب اس کی حلاوت وشیرینی کو محسوس کرے گا۔

قصہ مختصر اب مولف کتاب یہ کہتا ہے کہ میں نے اجازہ دیا اپنے دو فرزندوں کو ایک موسیٰ جس کا لقب نصیر الدین ہے اور کنیت ابو محمد دوسرے محمد جس کا لقب تقی اور کنیت ابوسلیمان ہے پھر ایک اور فرزند علی کو جس کا لقب نقی ہے اور اس کے بعد ایک اور بیٹے محمد کو جس کا لقب باقر ہے اللہ ان سب کو سلامت رکھے۔ اور توفیقات میں اضافہ کرے اسی طرح اپنی بیٹیوں کو کہ وہ ان سب کی روایت کر سکتے ہیں جو میرے لیے جائز ہے میری تالیفات سے اور میرے ثقہ اصحاب سے اور میرے مشائخ سے جو میرے بزرگوں کے خلف ہیں اور میری اسناد اسی کتاب میں معلوم و مذکور ہیں اور کتاب تذکرۃ العلماء میں بھی میں نے اپنے مشائخ کا ذکر محمدین ثلث تک کیا ہے۔

اس کتاب کی تالیف تین ماہ میں پانچ چھ دن کم میں ہوئی اور یہ ارواح علماء کی کرامات کا ایک جلوہ ہے۔ اور چونکہ روز بدھ بعض احادیث کی بناء پر مومنین کے لیے سعد اور کافرین کے لیے بد ہے چنانچہ اس فقیر نے اپنی اکثر تالیفات روز چہار شنبہ (بدھ) کو ہی شروع کیں اور یہ پاکیزہ و متبرک کتاب بھی چہار شنبہ کو شروع کی اور حسنِ اتفاق سے اختتام بھی روز چہار شنبہ بوقت چاشت ہی ہوا۔ ۷ ارجب ۱۲۹۰ھ میں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدینا الی الشرع الا قوم والنبی المکرم افتخار ولد آدم وعلیه اصلی واسلم وعلی آله موالی العالم وسادات الامم اس کے بعد، یہ ہوائے نفسانی کا شکار اور صحرائے نادانی کا گم گشتہ راہ محمد بن العالم العلیم ربانی میرزا سلیمان الحکیم التنکابنی یہ عرض کرتا ہے۔

کئی سال سے انگریزوں کی ٹولیاں علاقہ تنکابن میں آمد و رفت رکھتی ہیں اور شمشاد کی لکڑی کی خریداری کے بہانے موسم سرما و بہار میں یہ لوگ یہیں قیام کیا کرتے ہیں۔ سال گذشتہ ۱۲۹۰ھ تک یہ سلسلہ جاری تھا کہ کچھ احمق افراد نے ان انگریزوں سے میل جول شروع کر دیا اور نہ صرف یہ کہ ان سے بالکل اجتناب نہ برتا بلکہ ان کے ساتھ پانی کی طرح شراب بھی پینی شروع کر دی۔ یہ انگریز مسلمانوں کو اس قدر برا بھلا کہتے ہیں کہ میں نے اس صورتحال سے پریشان ہو کر حاکم شہر سے رابطہ کر کے گفتگو کی کہ مسلمانوں کا انگریزوں سے میل جول ان کے غربت کا شکار ہونے کی وجہ سے ہے جبکہ کافروں سے اظہار محبت و دوستی بنص قران حرام ہے اس کے علاوہ نجاسات سے بے پروائی کرتے ہوئے شراب نوشی میں مشغول ہو گئے ہیں لہٰذا انگریزوں سے مسلمانوں کی معاشرت دین اسلام کی عظمت کو ان کی نگاہوں میں گھٹا دے گی اور چونکہ اکثر عوام الناس نے دینی عقاید صرف اپنے آبا و اجداد سے حاصل کیے ہیں اور ذاتی طور پر خود اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے تو ذرا سا شک و شبہ پیدا ہونے پر دین اسلام سے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں گے چنانچہ آپ یہ آرڈر دیں کہ انگریز تین دن تک تقریباً ۳، ۴ گھنٹے بیٹھ کر مجھ سے مناظرہ کریں تا کہ میں حقیقت اسلام کو ان پر واضح و روشن کر دوں۔ اور اگر وہ از روئے انصاف عمل کریں گے تو یقیناً امداد جناب صاحب العصر والزمانؑ سے میں ان پر غلبہ پالوں گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا** (سورۂ نساء آیت ۱۴۱) (اور خدا ہرگز مومنوں پر کافروں کا غلبہ نہیں ہونے دے گا) اور اگر وہ انصاف و عقل سے کام نہ لیں گے اور ٹال مٹول کریں گے تو پھر میں ان سے مباہلہ کروں گا اور ہم ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے تو جو جھوٹا ہو گا وہ فوراً ہلاک ہو جائے گا اور حقیقت اسلام ہر ایک کے سامنے عین الیقین بن کر ثابت ہو گی۔ حاکم نے میری یہ باتیں سنیں لیکن ان پر عمل درآمد کے لیے تیار نہ ہوا۔

انگریز اس وقت تو شہر سے چلے گئے تھے لیکن دوبارہ ۱۲۹۶ھ میں وہ وارد ہو گئے اور اتفاق سے ان کے ساتھ ایک ایسا شخص بھی تھا جو ان کا پادری مانا جاتا تھا۔ اس نے کسی تجارتی سلسلے میں مجھ سے ملاقات کی اور ظاہر یہ کیا کہ میں ان کا پادری ہوں اور میں نے باقاعدہ درس پڑھا ہے اور وہ فارسی زبان سے بھی

واقف تھا۔ میں اس کے ساتھ بڑے حسن سلوک سے پیش آیا اور آخر میں یہ بات اس کے گوش گزار کی کہ اگر چاہو تو آپس میں گفتگو کریں اور انصاف کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کریں۔ ہم ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں اس کے بندے ہیں، ہم پیغمبر کی مخالفت کیوں کریں۔ خود آپس میں مباحثہ کر کے عقل کو حاکم قرار دیتے ہیں اگر تمہارا دین حق ہے اور میں تمہاری باتوں کا جواب نہ دے سکوں تو میں تمہارا مذہب اختیار کرلوں گا اور اگر میری باتیں سچی ہوں اور تم بھی از روئے انصاف ان کے قائل ہو جاؤ تو تم خاتم الانبیاء کی نبوت کا اقرار کر لینا۔ اس دنیا کی مختصر سی زندگی میں عقلمند دھوکہ میں کیوں رہے اور گمراہی کا شکار ہو کر عذاب آخرت میں کیوں گرفتار ہو، انگریز نے کہا کہ میں تو خود یہی چاہتا ہوں اور اس قسم کی بات چیت مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ چنانچہ طے پایا کہ اب دوسری میٹنگ ہوگی اور اس میں ہم مناظرہ کریں گے۔

اس حقیر نے مسئلہ نبوت کو اپنی کئی تالیفات میں لکھا ہے جیسے ''منظومہ اصول دین'' میں، پھر اس کی شرح میں جس کا نام ''نجاح الاعتقاد'' ہے، تیسرے ''رسالہ محمدیہ'' کے مقدمہ میں، چوتھے کتاب ''مواعظ المتقین'' میں پانچویں ''منظومہ الفیہ'' میں جس کا نام ''فرایددر نبوت'' ہے۔ چھٹے اس منظومہ کے حاشیہ میں، چھٹے ''قصص العلماء'' میں جہاں مولف نے اپنے بارے میں لکھا ہے، آٹھویں کتاب ''صراط المستقیم'' میں اصول دین کی بحث میں۔

ان میں سے ہر کتاب میں میں نے امر نبوت کو بخوبی ثابت کیا ہے تو اس رسالہ میں جس کا نام میں نے ''سبیل النجات'' رکھا ہے میں نے اس انگریز کے ساتھ اپنے بحث و مباحثہ کو بیان کیا ہے۔ جس کو میں نے واضح اور صاف انداز میں لکھا ہے تا کہ ہر خاص و عام کے لیے کار آمد ہو اور لوگوں میں باطل مذاہب سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور دلائل بھی بڑے دلکش انداز میں دیئے ہیں کہ یہ مطالب عالیہ ہر عام شخص کی سطح ذہنی پر آسکیں اور اکثر مطالب کے لیے میں نے مثالیں بیان کی ہیں کہ ان کی وساطت سے بات جلدی ذہن نشین ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ **ویضرب اللہ الامثال للناس ومایعقلھاالا العالمون** (سورہ عنکبوت آیت ۴۳) ''اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے مثالیں بیان کی ہیں لیکن ان کو صرف سمجھدار لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں''۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مکڑی، مچھر، مکھی اور فانوس وغیرہ کا ذکر قرآن مجید میں کیا ہے۔

قصہ مختصر وہ انگریز جب دوبارہ مجھ سے ملاقات کے لیے آیا تو میں نے اس کو اپنی لائبریری میں بلالیا اور اسکی تالیف قلب کی خاطر انتہائی لطف و کرم کا مظاہرہ کیا کہ جب ملاقات ختم ہوئی تو وہ بڑا پر سکون تھا اور لوگوں سے بڑی تعریف کر رہا تھا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارا اردہ ہے کہ مذہب کے بارے میں گفتگو کرو کیونکہ مجھے ایسی گفتگو بہت اچھی لگتی ہے؟ اس نے کہا کہ آج میں اسی غرض سے آیا ہوں۔

میں نے کہا کہ تحقیق مذہب کے لیے پہلے چند مقدمات سے گزرنا ہوگا کیونکہ اگر ہم گھر کی دیوار بھی بنانا چاہتے ہیں تو نیچے سے اینٹیں چننا شروع کرتے ہیں تب ہی دیوار کو اوپر تک بلند کر سکتے ہیں۔ انگریز نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے کہا: تو پہلی بات یہ ہے کہ ہم خدا کو پہچانیں کیونکہ پیغمبر کے معنی ہیں کہ ایک شخص کسی کا پیغام لایا ہے تو پہلے ہم اس پیغام بھجوانے والے کو پہچانیں وہ کون ہے اور کس طرح کا ہے تو پھر ہم دیکھیں گے کہ پیغام لانے والا کون ہے اور کیا پیغام لایا ہے اور اکثر یوں ہوتا ہے کہ پیغام لانے والے کے اوصاف پیغام دھندہ سے بالکل مختلف ہوتے ہیں تو لامحالہ پیغام لانے والے کو پیغام دھندہ سے کوئی نہ کوئی مشابہت تو رکھنی چاہیئے اور چونکہ ہم سب ایک ہی خدا کے بندے ہیں اور ہر ایک اس بات کو مانتا ہے کہ کوئی نہ کوئی خدا ضرور ہے صرف اس کے مصداق میں اختلاف واقع ہوتا ہے بعض تو واجب الوجود کو خدا مانتے ہیں اور کوئی ستارہ کو خدا مانتا ہے اور کوئی بتوں کو خدا مانتا ہے۔ ایک فرقہ حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کا قائل ہے تو اختلاف اگر ہے تو مصداق خدا میں مگر مفہوم خدا پر سب کا اتفاق ہے۔ جیسے تم یہ سمجھو کہ مجھے پتہ چلا کہ آج کوئی چیز شہر میں داخل ہوئی ہے اور سارے اہلِ شہر اس بات پر متفق ہیں کہ ہاں آج کوئی چیز آئی ہے لیکن کوئی کہتا ہے کہ ایک عجیب وغریب انسان شہر میں داخل ہوا ہے۔ کوئی کہتا ہے گھوڑا داخل ہوا ہے۔ کچھ کہتے ہیں گائے داخل شہر ہوئی ہے تو کوئی چیز تو یقینی ہے۔ اس طرح ہم کہتے ہیں کہ ایک وجود ہے اب وجود کے معنی ہستی کے بھی ہو سکتے ہیں اور چیز کے بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے ایک دفعہ ہم کہیں یہ برتن کسی چیز کا ہے یعنی اس کی ماہیت کیا ہے دوسرے لفظوں میں اسکی جنس کیا ہے تو جواب میں یہی کہا جائے گا کہ یہ تابنا ہے۔ پھر کہیں کہ اس برتن کی ہستی ہے یا نہیں تو جواب ملے گا ہستی ہے اور وجود ہستی کو ہی کہتے

ہیں اور عدم نیستی ہی ہستی ہوتی ہے اور جو کامل بھی تصور کیا جا سکتا ہے وہ وجود کی وجہ سے ہے نہ کہ عدم کی وجہ سے کیونکہ نیستی (نہ ہونا) نقص ہے اور اس میں کوئی کمال نہیں تو جتنے بھی کمالات ہو سکتے ہیں وہ ہستی کی بناء پر ہو سکتے ہیں۔ جیسے توانائی کے معنی کسی ہستی کی قوت ہے اور کسی چیز کا جاننا قوت ہستی کا علم ہے کیونکہ عدم توانائی عدم ہے اور اس میں کوئی کمال نہیں اور عدم وکمال کو نہ جاننا نیست ہے تو کمال وجود توانائی ہے اور خود وجود توانائی ہے اور اس کمال میں بھی کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے جیسے دودھ پیتے بچے کی توانائی کم ہوتی ہے اور جوان کی توانائی کامل ہوتی ہے چنانچہ ہمارے خدا کی دانائی بھی تمام کمالات میں سب سے کامل تر ہونی چاہئے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ خدا ہی نہیں ہے۔ اور اس میں ہر کمال ہونا چاہئے ذاتی طور پر کیونکہ وہ حقیقت وجود ہے اور اگر اس کا کمال سب سے زیادہ اور ذاتی نہ ہو تو وہ وجود ناقص ہوگا جبکہ ہمارے خدا میں کوئی نقص وکمی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور خدا کو کسی چیز کا محتاج بھی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اگر وہ خود محتاج ہے تو اس کی ذات سب سے زیادہ کامل نہیں ہو سکتی چنانچہ اب وہ جسم نہیں ہو سکتا تو اس کو مکان کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور پھر وہ مرکب بھی نہ ہوتا کہ اجزاء کا محتاج نہ ہو اور اس کا شریک بھی نہ ہوتا کہ وہی سب سے کامل وجود ہو اور وہ ایک ہی ہو کیونکہ اگر دو ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے کامل تر ہونا چاہئے ورنہ جو بھی کامل نہ ہوگا وہ خدا نہیں ہوگا۔ چنانچہ خدا کو سب سے کامل تر ہونا ضروری ہے۔ اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے اور جو چیز کامل ہوتی ہے وہ ناقص سے متحد نہیں ہو سکتی کیونکہ کامل کا ناقص سے اتحاد غیر عقلی ہے اور یہ کامل ہستی کسی دوسرے میں حلول بھی نہیں کرتی۔ کیونکہ کامل کا ناقص میں حلول لغو ہے اور اگر یہ کہیں کہ یہ اتحاد دونوں میں کمال پیدا کرے گا تو پھر اس اتحاد سے پہلے ناقص ہوگا اور یہ مفروضہ کے خلاف ہے اور جب اتحاد وحلول نقص قرار پایا تو خدا کو اس سے کامل تر ہونا چاہئے مختصر یہ کہ خدا کے لیے کوئی ماہیت نہیں ہو سکتی کہ اس پر وجود طاری ہو بلکہ اس کا وجود ہی عین ماہیت ہے ورنہ ترکیب (مرکب ہونا) لازم آئے گا اور اس طرح توحید کے تمام مطالب بالکل واضح ہو گئے۔ اور یہ مقدمہ اور تمہید، مقدمہ خدا شناسی تھا اور اس پر اتنی حجت اس لیے کی کہ پہلے پیغام دہندہ کو پہچانیں تو پھر پیغام لانے والے کو پہچانیں گے۔

اس انگریز نے اس تمام مقدمہ کو قبول کیا اور ہم نے اس مقدمہ میں ہی عیسائی مذہب کو باطل ثابت کر دیا اس طرح کہ انگریز کو اس کا احساس بھی نہ ہوا کیونکہ نصرانی بعض عیسیٰؑ کی خدائی کے قائل ہیں اور بعض ان کو خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے تو اقانیم ثلثہ کے قائل ہیں اور بعض عیسیٰ، ان کی والدہ اور خدا سب کو خدا جانتے ہیں اور وہ اس معنی میں کہ خدا تو ذات ہے اور ماں اور بیٹا اس کی صفت ہیں اور اس سے متحد ہیں تو اس مقدمہ سے پتہ چل گیا کہ ہمارا خدا ایسا ہے جس کے کوئی بیٹا نہیں اور وہ کسی سے متحد بھی نہیں ہے اور کسی چیز میں حلول میں نہیں کرتا اور عیسائیوں میں فرق اسی بناء پر ہے کہ بعض حلول مانتے ہیں بعض اتحاد۔ اور یہی حال بعض صوفیہ کا ہے۔ تو اس مقدمہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مذہب صوفیہ بالکل ابتدا میں ہی باطل ہو جاتا ہے۔ اور کسی مقدمہ کو اس طرح سے پیش کرنا انتہائی مہارت اور ہوشیاری کا کام ہے۔

لیکن یہ واضح رہے کہ اس مقدمہ سے حقیقت معرفت خدا حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایک طرح سے وجود معرفت حاصل ہو جاتی ہیں اور خدا کی حقیقت کو جاننا اور اس کی کنہ معرفت ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ خدا ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے اور سب اس کے محاط میں ہیں تو محیط (احاطہ کرنے والا) تو اپنے محاط کا علم رکھتا ہے لیکن اس کے برعکس نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ محاط کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ محیط کو پہچان لے۔ اور ہم نے یہ بات اس انگریز کو ایک مثال سے سمجھائی جس کو اس نے صحیح مانا۔ میں نے کہا کہ ہم اس کمرے میں بیٹھے ہیں یہ کمرہ محیط ہے اور ہم محاط ہیں تو ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم یہ جان سکیں کہ اس کمرے کے پیچھے یا اسکی چھت پر کیا ہے لیکن اگر اس کمرے کو قوت ادراک ہوتی تو یہ جان سکتا تھا کہ ہمارے سر پر یا ہمارے سامنے یا پیچھے کیا ہے۔ اور یہ چیز ایسی ہے جس کو عقل بدیہی طور پر قبول کرتی ہے۔

مقدمہ دوئم: یہ ہے کہ خدا کو بندوں کے لیے پیغمبر مقرر کر کے بھیجنا چاہئے اور اس کی تشریح یہ ہے کہ مقدمہ سابقہ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ خدا تمام عالم میں کامل ترین ہے اور ایسا خدا کوئی لغو وفضول کام کر ہی نہیں سکتا اور کوئی جاہلانہ کام اس سے سرزد ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ مخلوق کا پیدا کرنا بھی مخلوق کے فائدہ کے لیے ہونا چاہئے اور اگر اس میں خدا کا کوئی فائدہ سمجھا جائے تو پھر اس فائدہ کے بغیر خدا ناقص رہ جائیگا جبکہ ہم دعویٰ یہ کر رہے ہیں کہ خدا تمام

موجودات سے کامل تر ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس قاعدہ کی رو سے فائدہ مخلوق کے لیے ہوا اور وہ فائدہ مخلوق کو ترقی دینے کے لیے ہے کہ ان کو اپنے سے قریب تر کرلے تا کہ مخلوقات کو کمال حاصل ہو اور چونکہ کمالات سب اسی کی ذات کے لیے زیبا ہیں تو اس سے قربت انتہائے حاجات اور بہترین کمالات کا سبب ہے۔ اور وہ ذمہ داریوں کے نبھانے سے حاصل ہوگا۔ اس طرح اُس کا خالق رہنا ضروری ہے۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ مخلوق خود یہ اہلیت نہیں رکھتی کہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے اپنی ذمہ داریوں کو معلوم کرے۔ بلکہ لوگ ہر طرح کے ہوتے ہیں کوئی سونا، کوئی چاندی۔ ان میں آپس میں فرق ہے بعض باکمال اور قابل اور بعض ناقابل چنانچہ ہم اس سلسلے میں مثال دیتے ہیں کہ کیا تمام رعایا کے لیے یہ ممکن ہے کہ بلاواسطہ بادشاہ سے اپنے تمام مطالب پورے کرالے۔ کھلی بات ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کیونکہ بعض اس کے اہل ہوتے ہیں کہ سلطان ان سے مخاطب ہو اور بعض نہیں ہوتے بلکہ وہ سلطان کا مطلب اس کے وزیر کی وساطت سے سمجھتے ہیں اور بعض اپنے شہر کے حاکم کے وسیلے سے اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا ہے چنانچہ ضروری ہوا کہ خدا کسی کو پیغمبر بنائے کہ اپنا مطالب اور پیغام اپنے رسول کو بتادے اور وہ اس کو لوگوں تک پہنچادے اور اگر کہا جائے کہ خدا کو نہ کوئی مطلب ہے نہ اسکی طرف سے کوئی ذمہ داری عائد ہوسکتی ہے تو یہ محض حماقت ہے۔ جیسے کہ کوئی آقا بہت سے غلام خریدلے اور ان کو کھانا کپڑا اور زندگی کی ساری ضروریات مہیا کرے لیکن ان غلاموں کو کوئی کام سپرد نہ کرے چنانچہ وہ اپنے آقا کو نہ پہچانیں گے اور فساد پھیلاتے رہیں گے تو عقلاء ایسے آقا کو سفیہ واحمق قرار دیتے ہیں اور خدائے تعالیٰ تو حکیم ہے۔ سفیہ نہیں ہے۔ چنانچہ اسے بندوں کو اپنی شناخت کرانی چاہئے اور ان بندوں کے درمیان سے جور وظلم اور فساد کا خاتمہ کرنا چاہئے چنانچہ اس کو کوئی پیغمبر بھیجنا چاہئے۔

اسی طرح اس نے جب پہلی بار تخلیق انسان کی تو اب وہ یقیناً غذا بھی کھائیں گے اور غذا ہر طرح کی ہوسکتی ہے۔ بعض تو زہر ہوگی کہ اس کو کھا کر انسان ہلاک ہوجائیں گے اور بعض ایسی ہوئی کہ اس کو کھانے سے انسان بیمار پڑجائیں گے چنانچہ کوئی نہ کوئی پیغمبر آنا چاہئے جو بتائے کہ کونسی غذا مہلک ہے اور کونسی نقصان دہ ہے کہ کہیں وہ نقصان دہ غذا نہ کھا جائیں۔

پھر وہ مال واسباب کے بارے میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں تو کوئی پیغمبر اور حاکم اس خدا کی طرف سے معین ہو جو عادلانہ احکامات نافذ کرے تا کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرنے پائے۔ تو اگر یہ پیغمبر اکیلا ہوگا تو اپنی ذات کے لیے بھی پیغمبر ہوگا اور اس کے علاوہ کوئی اور اگر موجود ہو تو اس کے لیے بھی۔ چنانچہ اس مقدمہ سے یہ طے پاگیا کہ خدا کو پیغبر کا تعین کرنا چاہئے۔

مقدمہ سوم: یہ ہے کہ جو احکام یہ پیغمبر خدا کی جانب سے لاتے ہیں وہ دو پہلو رکھتے ہیں ایک رخ سے وہ ان احکام کی طرح سے ہیں جو مولیٰ و حاکم اپنے بندے کو دیتا ہے چونکہ خدا کے احکام واوامر کا فائدہ بندوں ہی کے لیے ہے نہ کہ خدا کے لیے جیسے طبیب کے احکام مریض کے لیے ہوتے ہیں کہ اگر دوا کھائے گا تو مریض کو ہی فائدہ ہوگا نہ کہ طبیب کو لیکن اگر وہ دوا نہ کھائے تو طبیب اس کو کوئی سزا نہیں دیتا لیکن اگر بندہ خدا کے احکام نہ بجالائے تو وہ سزا بھی دیتا ہے کیونکہ یہ آقا کا غلام کو حکم تھا اگر غلام حکم پورا نہیں کرے گا تو آقا اس کو سزا ضرور دے گا حالانکہ اس کا فائدہ بندے کے لئے ہی ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہئے جو احکام بھی پیغمبر لاتا ہے وہ نفس الامریہ کے مطابق مصالح یا مفاسد رکھتے ہیں چنانچہ اکثر ہوتا ہے کہ مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ فلاں حکم فلاں وقت میں نہ نقصان دہ ہوگا نہ فائدہ مند۔ جیسے دو بہنوں سے نکاح گذشتہ شریعتوں میں جائز تھا لیکن ہمارے پیغمبر کے دور میں اس کی حلیت کی مصلحت ختم ہوگئی اور اب اس میں مفسدہ پیدا ہوتا ہے یہ بالکل حکم طبیب کی طرح ہے کہ اگر ہر روز وہ جلاب دینے لگے تو مریض کی آنتیں بالکل کٹ کے رہ جائیں گی تو وہ کبھی معدہ کو نرم کرنے والی دوا دیتا ہے اور کبھی دست آور دوا دیتا ہے۔ لیکن بعض احکام ایسے ہوتے ہیں کہ جو ہر دین کا لازمی حصہ ہیں اور ان میں تغیر وتبدل اور نسخ ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسے جان کی حفاظت یہ ہر دین میں لازم قرار پایا کیونکہ اگر خون بہانا جائز ہو جاتا تو بقائے نظام عالم کا خاتمہ ہو جاتا اور نسل بنی آدم قطع ہو جاتی۔ چنانچہ ہر پیغمبر یہ حکم ضرور لیکر آئے گا۔ اس طرح حفاظتِ مال کہ اگر ہر ایک کا مال دوسرے کے لیے استعمال کرنا حلال ہوتا تو کس قدر فساد برپا ہوتا اور نظام عالم یکسر تباہ وبرباد ہو جاتا۔ اسی طرح حفظ عرض (ا) کیونکہ اگر ہر کسی کی بیوی دوسرے کے لیے حلال ہوتی

تو لوگوں کے نسب مٹ کر رہ جاتے اور یہ نہ معلوم ہو سکتا کہ کون کس کی اولاد اور کس کا کون باپ ہے اور میراثیں برباد ہو جاتیں۔ یا اسی طرح حفظ دین سے کہ اگر دین کی حفاظت نہ کی جائے تو دین ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور بعثت رسول کا مقصد ہی تباہ ہو جاتا ہے۔ نیز حفظ عقل ہے کہ جو چیز عقل کو زائل کرنے والی ہے وہ حلال و مباح ہو تو معرفت خدا جو پیغمبروں کی بعثت کی غرض ہے وہ موقوف ہو جائے اور سب ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگیں گے یہی سبب ہے۔ شراب کو ام الخبائث کہا گیا ہے کیونکہ تمام گناہ اس کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ شراب تمام ادیان میں حرام قرار پائی ہے اور عقل بھی اس کی حرمت کا حکم دیتی ہے۔ اور ان پانچوں چیزوں کو اصطلاح میں مقاصد خمسہ کہتے ہیں اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شراب کسی دین میں بھی حلال نہیں رہی حتیٰ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب میں بھی۔

مقدمہ چہارم: یہ ہے کہ جب خدا بندوں کے پاس اپنا پیغمبر بھیجے تو اس کے پاس خدا کی جانب سے کوئی ایسی نشانی ہو جو اس کی حقیقت کی دلیل ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو ہر کوئی دعویٰ نبوت کر بیٹھے گا اور سچے کی جھوٹے سے شناخت ناممکن ہو جائے گی جس کی وجہ سے لوگ گمراہ ہو جائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کرنا چاہتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ کسی مقام پر اپنا بنایا ہوا ایک حاکم بھیجے تو اسے لازماً اس کو کوئی نشانی دینی پڑے گی جو اس بات کا ثبوت ہو گی کہ اس کو حاکم بنا کر بھیجا گیا ہے جیسے اس کو کوئی خاص خلعت عطا کی گئی ہو یا اس کے نام کا فرمان جاری کیا گیا ہو۔ اب جب یہ مرحلہ سمجھ میں آ گیا تو اب یہ بھی سمجھ لیں کہ حقیقت پیغمبر کا اظہار چند چیزوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ اول تو یہ کہ جس کسی پیغمبر کی پیغمبری کا ہمیں یقین ہو وہ یہ تصریح کرے کہ فلاں شخص فلاں نشانی کے ساتھ آئے گا اور ادعائے پیغمبری کرے گا تو وہ سچا ہو گا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس پیغمبر کی کتاب میں جس کی پیغمبری پہلے سے ثابت ہے اور اُس کی کتاب برحق تسلیم کی گئی ہے اس پیغمبر کا نام موجود ہو اور اس کی صفات ذکر کی گئی ہوں۔ جیسا کہ انجیل میں ہے کہ ایک پیغمبر ابن امینس آئے گا اور یہ لفظ امینس آمنہ کے لیے ہے جو ہمارے پیغمبر کی والدہ گرامی ہیں کیونکہ انجیل والوں کی لغت میں ھا کو س سے تبدیل کر دیا جاتا ہے جو ان کی لغت کی کتابوں کی چھان بین سے معلوم ہوا ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ جو بھی دعوائے پیغمبری کرے اس کے تمام احکام مطابق عقل ہونے چاہئیں اور وہ جو حکم بھی دے عقل اس کی خوبیوں کو محسوس کرے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ وہ کوئی معجزہ لیکر آئے یعنی اس کے ہاتھ سے وہ کام سرانجام پائے جو عموماً اس کے ہم جنس افراد انجام نہ دے سکتے ہوں۔ اب جیسے یہاں کوئی دو مثقال کے برابر وزن کو کوئی پتھر پڑا ہو اور پیغمبر یہ کہے کہ میں اس پتھر کو زمین سے اٹھا سکتا ہوں اور کوئی دوسرا اس کو نہیں اٹھا سکتا حالانکہ دو مثقال کا پتھر ہر کوئی زمین سے اٹھا سکتا ہے تو وہ کسی ایسی چیز کے بارے میں کہے جو خارق عادت ہو اور لوگ اس کو نہ کر سکتے ہوں تا کہ معلوم ہو کہ وہ خدا کی جانب سے آیا ہے لیکن اگر وہ پیغمبر نہ ہو بلکہ کوئی ساحر (جادوگر) یا نظر بندی کرنے والا ہو تو خدا کے لیے لازمی ہے کہ اس سے معجزہ صادر نہ ہونے دے تو اگر کوئی دعوائے نبوت کے ساتھ معجزہ بھی پیش کرے تو ہم اس کی سچائی کو قبول کر لیں گے اس طرح پیغمبر اور غیر پیغمبر میں امتیاز واضح ہو گیا۔ فرنگی نے ان سب باتوں کو قبول کیا اور کہا کہ باتیں عقلاً بالکل صحیح ہیں اور ان میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد رحم کرنے والا اور مہربان ہے تو اس کے لطف کا تقاضا یہ تھا جو صنعت بھی لوگوں میں زیادہ رواج یافتہ ہو اس صنعت کو انتہائی باکمال بنا کر معجزہ کی حیثیت سے پیغمبر کو عطا کرے کہ جس میں لوگوں کو مہارت حاصل ہے اور پھر وہ اس میں پیغمبر کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہ جائیں اور اس سے اس پیغمبر کے برحق ہونے کا زیادہ ثبوت فراہم ہو گا۔ جیسے کہ کلیم اللہ کے زمانے میں جو موسیٰ بن عمران تھے اہل مصر میں سحر جادو کا بول بالا تھا۔ خدائے تعالیٰ نے موسیٰ کو بھی اس نوعیت کا معجزہ دیا۔ وہ لوگ لکڑیوں کو کھوکھلا کر کے ان میں پارہ بھر دیا کرتے اور جب سورج کی گرمی

(۱) حفظ عرض: عزت و ناموس کی حفاظت۔ (مترجم)

سے پارہ پھیلتا تو وہ لکڑیاں سانپ کی طرح دوڑتی نظر آتیں تو موسیٰ ہمارے نبی (ان کی آل اور موسیٰ پر سلام) بھی عصا پھینکتے جو اژدھا بن جاتی اور ان کا سارا جادو دھرا رہ جاتا اور وہ اس معجزہ کے جواب سے قاصر رہ گئے چنانچہ سب لوگ حتیٰ کہ جادوگر بھی سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے۔

حضرت داؤد کے زمانہ میں گانے بجانے اور خوش الحانی کا زور تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو ایسا خوش آواز بنایا کہ ایک دفعہ جب انہوں نے بنی اسرائیل کے ایک مجمع میں نہایت خوش الحانی کے ساتھ زبور پڑھی تو اس حسنِ قرائت کو برداشت نہ کرتے ہوئے چار ہزار دوشیزائیں بے ہوش ہوگئیں۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے وقت میں یونانی طبیب حیرت انگیز طریقے سے بیماریوں کا علاج کیا کرتے تھے تو پروردگارِ عالم نے حضرت عیسیٰ کو اسی قسم کا معجزہ بخشا تو وہ اندھے، بہرے، کوڑھی کے لیے دعا فرماتے اور وہ شفایاب ہو جاتے۔ اس پر طبیبوں نے کہا کہ ہم بھی علاج کے ذریعہ ان امراض کو دور کر دیتے ہیں تو حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ میں نے مادرزاد مریضوں کا علاج کر سکتا ہوں اور یہ طبیبوں کے بس کی بات نہ تھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تو مردوں کو جلا سکتا ہوں تو معالجین کو اپنی بے بسی کا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے سام بن نوحؑ کو جن کی وفات کو چار ہزار سال گزر چکے تھے زندہ کر کے دکھایا۔

کہتے ہیں کہ افلاطون نے ان سے کہا کہ تم عوام الناس کے تو پیغمبر ہو سکتے ہو لیکن میرے نہیں میرے لیے میری عقل کافی ہے چنانچہ وہ ایمان نہ لایا۔ اور اس کا استاد ارسطاطالیس ایک نوخیز جوان کی محبت میں گرفتار تھا تو اس کو زہر دیکر ہلاک کر دیا۔ اور جالینوس مرض انبہ میں مبتلا ہوا۔ ارسطو نے کہا کہ عیسیٰؑ کا خیال ہے کہ مخلوقات کو کسی خالق نے پیدا کیا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ خود بخود پیدا ہوگئی ہیں۔ اس نے عیسیٰؑ کو خیال سے نسبت دی اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی پیغمبری کا قائل نہیں تھا۔

جناب ختمی مرتبتؐ کے زمانہ میں عرب اپنے اشعار اور خطبوں میں فصاحت و بلاغت کا زور دکھلاتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے فصیح و بلیغ جملے تختی پر لکھ کر خانہ کعبہ پر آویزاں کر دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر ایسا کلام نازل فرمایا کہ جس کی فصاحت و بلاغت، فضیلت و سلاست و جزالت بشری قوت سے بڑھ کر تھی اور اس قسم کا معجزہ اس وقت کے لوگوں کے لیے انتہائی قابلِ قبول تھا۔

مقدمہ پنجم: یہ ہے کہ جو لوگ زمانہ پیغمبر میں موجود تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے پیغمبرؐ کا معجزہ دیکھا تھا تو ان کے لیے تو لازمی ہے کہ اس کو درست مانیں لیکن اگر اس زمانہ میں وہ نہ ہوں بلکہ پیغمبرؐ کے زمانہ کو ایک طویل مدت گزر چکی ہو اور وہ اس کے بہت بعد دنیا میں آئے ہوں اور اس پیغمبر کے معجزہ کو بھی مدت دراز بیت چکی ہو تو آخر کوئی نہ کوئی میزان ہونی چاہئے جس سے وہ پہچانیں کہ کوئی شخص آیا تھا اس نے دعوائے پیغمبری کیا تھا اور معجزہ ساتھ لایا تھا جیسے اب ہمارے پیغمبرؐ کی ہجرت کو ۱۰۹۶ سال گزر چکے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کو ۱۷۰۹ سال کا عرصہ ہو چکا ہے تو عیسائیوں کو کیسے پتہ چلا کہ وہ سچے پیغمبر تھے اور معجزہ بھی لائے تھے اس سلسلے میں کوئی تو پیمانہ ہو؟ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ چند چیزیں ہیں جن سے ایک ان دیکھے انسان کے بارے میں یقین پیدا ہو سکتا ہے۔

۱۔ پہلی چیز خبر واحد ہے جس کے لیے بہت سے قطعی قرائن موجود ہوں۔

۲۔ تواتر لفظی ہو کہ فلاں خبر بہت سے لوگوں کو معلوم ہے حتیٰ کہ یقین آجائے کہ انہوں نے جھوٹ پر اجماع نہیں کیا ہے اور وہ بھی اس خبر کو ایک کثیر جماعت سے نقل کر رہے ہوں جیسے پہلے ہوا تھا۔ اس طرح مبداء تک پہنچ جائیں اور یقین حاصل ہو جائے کہ یہ خبر حقیقت پر مبنی ہے۔

۳۔ تواتر معنوی اس طرح کہ کسی مسئلہ میں کئی خبر واحد آئیں جو بظاہر الفاظ میں مختلف ہوں لیکن کسی ایک نکتہ پر سب متفق ہوں یہاں تک کہ اس قدر مشترک پر یقین پیدا ہو جائے جیسے ایک خبر ملی کہ اگر پرندے کا پنجہ نجس ہو اور پانی کے برتن میں وہ پنجہ ڈال دے تو پانی پھینک دینا چاہئے اور دوسری خبر ملے کہ اگر خون کا ایک قطرہ پانی کے کٹورے میں گر جائے تو پانی پھینک دینا چاہئے اس پانی سے وضو نہیں ہو سکتا اور پھر پانی نہ ہو تو تیمم کرے اور اسی طرح کی کئی خبریں ملیں جو الگ الگ چیزوں کی بابت ہوں لیکن ان کی قدر مشترک یہ ہو کہ آب قلیل نجاست ملنے سے نجس ہو جاتا ہے۔

۴۔ اس طرح سے تواتر معنوی ہو کر متعدد حدیثیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک خبر واحد ہو اور سب کا مضمون ایک ہی ہو اور اس سے یقین پیدا

ہو جائے کہ ان احادیث میں سے ایک نہ ایک ضرور معصوم نے ارشاد کی ہوگی۔

۵۔ پانچویں تظافر(۱) وتسامع (۲) ہے یعنی کہ خبر دینے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ جس کی وجہ سے اس خبر کو سچا مان لیا جائے اور اس میں اور تواتر میں یہ فرق ہے کہ ہر طبقہ سے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جس سے یقین پیدا ہو جاتا ہو لیکن تظافر وتسامع میں وسایط (وسیلے) نہیں ہوتے اور اگر تواتر میں بھی وسایط نہ ہوں اور وہی پہلا طبقہ ہو تو پھر اس حدیث کے نقل کرنے والوں کی بابت علم ہونا ضروری ہے جبکہ تظافر وتسامع میں ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً رستم کی شجاعت تسامع وتظافر سے مانی گئی ہو کہ چونکہ ہم نے بہت زیادہ یہ سنا کہ رستم شجاع تھا لہٰذا یقین کر لیا کہ وہ شجاع ہے اور شاید اس میں دونوں قسم کا تواتر معنوی موجود ہو اس طرح کی ہم نے رستم کا یہ قصہ سنا کہ اس نے اکوان دیو پر قابو پالیا اور کسی نے یہ کہا کہ اس نے سہراب پر غلبہ پایا تھا۔ کسی اور نے کہا کہ اس نے اشکبوس کو مغلوب کر لیا تھا وغیرہ جس سے ہمیں پورا یقین پیدا ہو گیا کہ رستم ایک مرد شجاع تھا۔ اور یہ ساری خبریں اس کی شجاعت کی دلیل ہیں لیکن تسامع وتظافر کی ایک خاص مثال یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ کربلا موجود ہے یا مکہ موجود ہے یا ہندوستان میں کلکتہ موجود ہے۔ تو ان کے وجود پر کامل یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جو یقین تظافر وتسامع سے پیدا ہوتا ہے وہ بلا کسی شک کے ہوتا ہے۔ پھر میں نے اس انگریز سے یہ پوچھا کہ کیا آپ بھی کربلا گئے ہیں۔ اس نے کہا: نہیں البتہ میں جانتا ہوں کہ کربلا موجود ہے؟ میں نے کہا: آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ کربلا کوئی شہر ہے جواب بھی موجود ہے۔ اس نے کہا: یہ میں نے سنا ہے۔ میں نے کہا کہ سن کر آپ کو یقین آ گیا۔ اس نے کہا: ''ہاں'' میں نے کہا: اسی طرح جو لوگ زمانہ پیغمبرؐ میں نہیں تھے بلکہ سالہا سال بعد اس دنیا میں آئے وہ اسی طرح ایک دوسرے سے سن کر یقین حاصل کرتے ہیں کہ فلاں پیغمبر آیا تھا اور فلاں معجزہ بھی لایا تھا۔

تو اس مقدمہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ زمانہ پیغمبرؐ میں نہیں تھے یا تھے تو سہی لیکن پیغمبرؐ کو انہوں نے خود نہیں دیکھا تھا ان کو بھی اسی طرح علم حاصل ہو جاتا ہے کہ ایک پیغمبرؐ آیا اس نے دعوائے نبوت کیا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں معجزہ بھی پیش کیا اور یہ طریقہ تظافر وتسامع کا ہے۔

جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو مجھے تھکن محسوس ہونے لگی کیونکہ ہم نے تقریباً تین گھنٹے بات چیت کی تھی اور اب وقت بھی تنگ ہو گیا تھا اور لمبی لمبی باتوں کے لیے دو تین نشستیں بہتر ہوتی ہیں تا کہ بات پورے طور پر دل میں اتر جائے چنانچہ میں نے کہا کہ باقی باتیں دوسری نشست میں ہوں گی۔ اگرچہ جتنی گفتگو ہوئی تھی وہ ہو چکی تھی اور ہمارے پیغمبر کی پیغمبری بھی ثابت ہو چکی تھی اگر ان مقدمات کو بخوبی ترتیب دیدیا ہو تو نتیجہ لازمی طور پر حقیقت کو تسلیم کرتا ہی ہوگا اور انگریز نے ان سب کی تصدیق کر بھی دی تھی۔ چنانچہ اب اس کے لیے لازمی تھا کہ خاتم الانبیا کی تصدیق کرے اور اگر تصدیق نہ کرے گا تو نبوت عیسیٰؑ کیسے ثابت کر سکے گا۔

انگریز نے بھی دوسرے دن کے لیے وعدہ کیا لیکن مجھے یوں لگتا تھا بلکہ سارے حاضرین مجلس کی نگاہ میں بھی اس نے اسلام کو اختیار کر لیا تھا لیکن تقیہ کی وجہ سے کھل کر اقرار نہیں کیا تھا۔ اور صرف یہ کہا کہ واقعاً آج مجھے بہت سی مفید باتیں معلوم ہوئیں یہ تو گویا ایک علمی خزانہ تھا جو بالکل نایاب ہے۔ میں نے کہیں اور یہ باتیں کبھی سنی ہی نہیں اور یہ بالکل اس طرح ہے کہ آدمی سیڑھی تیار کرے۔ اور سیڑھی بنانا ہی مشکل ہے لیکن جب سیڑھی بن جائے تو پھر چھت پر چڑھ جانا کوئی مشکل کام نہیں۔

میں نے کہا: ''یہ بالکل صحیح ہے اور میں نے ان مقدمات کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو اس طرح ثابت کر دیا ہے کہ بڑے بڑے لاٹ پادری بھی اپنے اپنے زمانہ میں اس وضاحت کے ساتھ ان کی نبوت کو ثابت نہ کر سکے''۔

القصہ ابھی تک ہماری کوئی دوسری نشست تو نہ ہوئی لیکن جو حقیقتِ دین اسلام ہے وہ ان مقدمات سے واضح ہے اس کے باوجود بھی میں کچھ مزید وضاحت کر دیتا ہوں۔

پروردگار کی مدد اور اس کی عطا کردہ توفیق کی بناء پر میں عرض کرتا ہوں کہ محمدؐ بن عبداللہ نے مکہ معظمہ میں ادعائے نبوت کیا اور یہ مرحلہ تسامع وتظافر

(۱) تظافر۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ (۲) تسامع۔ کسی کے متعلق لوگوں کا ایک دوسرے سے سننا۔ (مترجم)

سے ثابت ہو چکا اور مخالف نے بھی اس کا انکار نہیں کیا اور آنجناب کا معجزہ بھی تسامع وتظافر سے ثابت ہے کہ آپؐ نے چاند کے دو ٹکڑے کیے۔ گذشتہ مقدمات میں یہ بیان ہو چکا کہ تظافر وتسامع علم کا فائدہ دیتا ہے چنانچہ ان کی نبوت یقینی ہوگئی۔ اس طرح حضرت عیسیٰؑ کا مردوں کو زندہ کرنا ثابت کیا گیا ہے اگر آپ کہیں کہ ایسی چیز ہوئی تھی تو فوراً انگریز اس کا اقرار کریں گے اور ان کی تاریخوں اور روز ناموں میں یہ بات لکھی جاتی لیکن چونکہ یہ بات لکھی نہیں گئی لہٰذا اس بات کو قبول نہیں کرتے۔ تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ تظافر وتسامع اور تواتر سے علم اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ سننے والے کے ذہن میں پہلے سے شبہات موجود نہ ہوں جیسے کہ اصول کی کتابوں میں یہ بات پورے اور واضح طور پر مذکور ہے۔

اس کے علاوہ زمین کروی ہے اور شق القمر مکہ میں آدھی رات کو واقع ہوا اور زمین کے گول ہونے کی وجہ سے فرنگیوں کے بعض شہروں میں اس وقت ظہر یا عصر کا وقت ہوگا لہٰذا وہاں کے لوگ اس کو نہ دیکھ سکے۔ پھر اس کے بھی بے حد امکانات ہیں کہ اس وقت ان کے شہروں میں ابر چھایا ہوا ہو جیسا کہ ان کے اکثر شہر ابر آلود رہا کرتے ہیں۔ رہی روز نامہ اور اخبارات کی بات تو یہ ہے کہ اس زمانے میں انگریز علاقوں میں بھی نہیں چھپتے تھے۔

نیز نبوت پیغمبرؐ پر دیگر دلائل بھی ہیں۔

۱۔ آپؐ کے تمام احکام عقل پر مبنی ہیں اور مطابق عقل ہیں اور ان میں کوئی خواہشات نفسانی کا پہلو نہیں پایا جاتا۔ اس کی وضاحت کے لیے بڑی تفصیل درکار ہے جو اس مختصر رسالہ میں نہیں سما سکتی۔

۲۔ گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں جیسے توریت، انجیل، کتاب شعیا، کتاب ارمیا اور وحی کودک کہ جس سے وہ ہیلڈ کی نبوت مراد لیتے ہیں وغیرہ میں جناب ختمی مآبؐ کی نبوت کی تصریح موجود ہے جیسا کہ ہم نے "الفیہ نبوت" اور اس کی شرح میں لکھا ہے۔

۳۔ آنحضرتؐ کے متعلق بہت سے معجزات نقل ہوئے ہیں جیسے ہمیشہ بوقت آفتاب ابر آپ کے سر پر سایہ فگن رہتا تھا اور سنگریزے آپ کے ہاتھ پر تسبیح پڑھتے تھے اور بعض افاضل یہ کہتے ہیں کہ محض سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا کوئی حیرت انگیز امر نہیں ہے کیونکہ ہر شے ہی اللہ کی حمد کی تسبیح پڑھتی ہے بلکہ خارق عادت امر یہ ہے کہ سنگریزوں کو پڑھتے ہوئے سنا جاتا تھا۔ نیز خواہ آپ مجلس میں بیٹھے ہوں یا راستہ چل رہے ہوں آپ کا سر وگردن دوسروں سے بلند تر نظر آتا تھا۔ اور پشت سر بھی اسی طرح دیکھا کرتے تھے جیسے اپنے آگے دیکھتے تھے اور جس کوچہ سے گزر جاتے تھے دو دن تک وہاں عطر کی خوشبو محسوس ہوتی تھی اور اس طرح لوگوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ پیغمبر خدا یہاں سے گزرے ہیں۔ اور مکھی مچھر آپ کے جسم مبارک پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اور کوئی پرندہ آپ کے سر پر سے ہو کر پرواز نہیں کرتا تھا اور ہرن کے بھُنے ہوئے بازو نے گفتگو کی کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے اور درخت آپؐ سے باتیں کرتے تھے اور کسی بھی نرم مٹی میں آپ کا نشانِ قدم نہیں بنتا تھا لیکن اگر سخت چٹان پر سے راستہ گزرتے تو نشانِ قدم ابھر آتا تھا۔ اور غیب کی خبریں دیا کرتے تھے۔ اگر اپنا لعابِ دہن خشک کنویں میں ڈال دیتے تو وہ کنواں پانی سے لبالب بھر جاتا تھا۔ اندھے کو بینا کر دیا کرتے تھے، بہشت کے خوان آپ کے لیے نازل ہوتے تھے اور دھوپ میں آپ کے جسم کا سایہ نہ پیدا ہوتا تھا بلکہ آپ کے لباس کا بھی سایہ نہ پڑتا تھا۔ اسی طرح بہت سے معجزات ہیں۔ بعض نے ہزار معجزات کہے ہیں لیکن اس ناچیز کا عقیدہ ہے کہ لامحدود معجزات تھے کیونکہ یہ تو ایک جنس کے اعتبار سے ایک معجزہ ہے مثلاً جب کبھی آپ کے سر پر ابر نے سایہ کیا ہم نے اس کو ایک معجزہ کہہ دیا۔ حالانکہ جتنی بار بھی ایسا ہوا اتنے معجزے ہونے چاہیں (نہ کہ ہم صرف ایک معجزہ کہہ دیں)۔

غرض یہ کہ بالفرض یہ معجزات اخبار احاد کے طور پر ہمیں پہنچے لیکن قسم دوم سے دونوں لحاظ سے تواتر معنوی بھی ہو رہا ہو تو یقین حاصل ہو جائے گا کہ یقیناً یہ معجزات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اس طرح آپ کے معجزات کے بارے میں ہمیں علم حاصل ہو گیا۔

۴۔ چوتھے یہ کہ آپ کے معجزات ہر دن اور ہر سال ظاہر ہوا کرتے تھے کیونکہ اولاد معصومین اور ان کے وہ معجزات جو ان کے روضوں اور قبروں سے ظاہر ہوتے ہیں بہت ہیں جیسا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی سات سالہ دختر فاطمہ کی قبر سے بہت سی کرامات ظاہر ہوتی ہیں جن میں سے بعض کا میں نے خود مشاہدہ کیا ہے اور ہر سال بارش کے وقت نور برستا ہے۔ اسی طرح روضہ عباسؑ بن علیؑ سے ہمیشہ کرامات ظاہر ہوتی رہتی ہیں تو اگر دین اسلام برحق نہ ہوتا

تو کیا یہ معجزات رونما ہوتے؟ یہ سب پیغمبرؐ کے معجزات کا ہی حصہ ہیں اور زرآباد میں جس امام زادہ کے پہلو میں ایک درخت اگا ہے اس سے خون نکلتا ہے۔ یہ سب کرامات خود مشاہدہ کی جاسکتی ہیں اور بعض تواتر معنوی کے لحاظ سے ہم تک پہنچی ہیں۔

۵۔ایک معجزہ ایسا بھی ہے جو زمانہ پیغمبرؐ سے لیکر روز قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور یہ وہ قران ہے جو ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اور اس کا اعجاز بھی کئی قسموں پر مشتمل ہے بلکہ ہر ہر آیت مختلف لوگوں کے لیے مختلف معجزات کی حامل ہے۔

بہر حال بحسب صفت قران معجزہ ہے۔

ا۔بلاغت وجزالت وملاحت وسلاست کے لحاظ سے اس حد تک کہ ان تک رسائی انسانی طاقت سے باہر ہے اور اگر کسی بشر کو اس کے حصول کی قدرت ہوتی تو یہ نہ فرماتا کہ اگر تم سے ہو سکے تو اس کی مثل لے آؤ اور یہ چیلنج کئی سوروں میں دیا گیا اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی عقل مند ایسا دعویٰ نہ کرتا کیونکہ یہ اس کے مقصد کے خلاف ہوجاتا۔

۲۔دوسرے یہ کہ اس میں بے پناہ حسن ہے۔

۳۔تیسرے یہ کہ اس کا اسلوب حیرت انگیز ہے۔

۴۔اس میں ہر بیماری کی شفا ہے چاہے ظاہری بیماری ہو یا باطنی۔

۵۔پانچویں یہ کہ غیب کی خبروں پر مشتمل ہے جیسے اس میں روم پر غلبہ پانے کی خبر تھی یا اور ایسی ہی باتیں جو عین اسی طرح ظہور پذیر ہوئیں۔

۶۔چھٹے یہ کہ ہر آیت میں اس قدر علوم واحکام مندرج ہیں کہ سوائے خدا کے کسی اور میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اتنی مختصر سی بات میں اس قدر علم مندرج کر دے اور اس حقیر نے "تفسیر توشیح" اسی غرض سے لکھی اور میں نے ہر ہر آیت سے اتنے علوم اور احکام نکال کر دکھائے ہیں اور ان کو واضح کیا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ علوم کا کس قدر ذخیرہ قران میں بلکہ ہر آیت میں موجود ہے۔ کہ سوائے خدا کے یہ کسی کا کام نہیں ہوسکتا۔

۷۔قران سے ایسے ایسے استخارات نکلتے ہیں کہ جو بالکل عجیب وغریب ہوتے ہیں۔

۸۔قران سے جو فال نکالی جاتی ہے وہ پھر اسی طرح واقع ہوتی ہے۔

۹۔اور نویں دلیل یہ ہے کہ پیغمبر امی تھے یعنی کسی معلم کے پاس نہیں گئے۔ علم، لکھنا پڑھنا، تحریر کچھ نہ جانتے تھے جیسا کہ قران مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود تصریح کی ہے کہ پیغمبر امی ہے۔ اس نے کوئی کتاب نہیں پڑھی، کوئی تحریر نہیں لکھی۔ اگر یہ بات جھوٹ ہوتی تو لوگ جھٹلاتے اور کہتے کہ پیغمبر لکھتے تھے، کتاب پڑھتے تھے لیکن کسی نے بھی یہ اعتراض نہ کیا اس بے علمی اور امیت کے باوجود اچانک اولین وآخرین کے علوم کا اظہار کر دیا اور علم وعمل کو کمال تک پہنچا دیا حتیٰ کہ آپ کی امت میں بے شمار علماء پیدا ہوئے جو کسی اور دین میں نہیں ملتے اور بہت سے اصحاب اور ان کے تابعین اور ان کے بھی بعد کے لوگ صاحبان مکاشفات ہوئے اور ان سے کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ اور یہ چیزیں سوائے تائید ایزدی اور توفیق سبحانی کے ممکن ہی نہیں۔ مختصر یہ کہ ختمی مرتبہ کی نبوت اس پایہ کی نہیں ہے کہ آسانی سے بیان کی جاسکے یا صرف اس کو دلائل سے ہی ثابت کیا جائے۔ بلکہ حجیت قران اور نبوتِ پیغمبرؐ پر دلائل و براہین پیش کرنا بالکل ایسے ہے کہ جیسے کوئی دن کے وقت میں شمع لیکر سورج کا سراغ لگائے۔

الحمدللہ

کتاب کا ترجمہ اختتام پذیر ہوا

ہماری دیگر مطبوعات

علل الشرائع	دینی، تاریخی ومعاشرتی سوالات کے جوابات پر مشتمل احادیث
من لایحضرہ الفقیہ	فقہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں
کمال الدین وتمام النعمت	ضرورتِ امامؑ پر ایک مبسوط کتاب جو خود امام زمانہ علیہ السلام کی خواہش پر تحریر کی گئی
التوحید	وحدانیت خداوندِ عالم جس پر صرف معصومین علیہم السلام ہی گفتگو کے مجاز تھے
خصال	اعداد کی مناسبت سے مختلف موضوعات پر احادیث
ثواب الاعمال وعقاب الاعمال	اچھے کاموں کی جزاء اور برے کاموں کی سزاء پر مشتمل احادیث
معانی الاخبار	احادیث اور قرآنی آیات کی تشریح کرنے والی کتاب
بوستانِ معصومہؑ	بی بی معصومہِ قمؑ کے معجزات پر مشتمل ایک تحریر
لافانی اجسام	ان اجسام کے بارے میں جو دفن ہونے کے برسوں بعد بھی سالم پائے گئے
عملِ سورہِ انعام	لاینحل مشکلات کے حل کیلئے
آیت الکرسی	گرفتارانِ بلا کی نجات دہندہ
میں پھر آؤں گا (سفرنامہ)	ایران اور عراق کی زیارات کا معلوماتی سفرنامہ
قرآن اور شہزادی فاطمہؑ	بی بی فاطمہؑ کے فضائل قرآن کی زبانی

AL-KISA PUBLISHERS
Postal Code: 75850, office R-159, Sector 5-B/2
North Karachi, Karachi. Pakistan
Contact @ +92 21 36968621, +92 300 2406150
Email: al-kisa@hotmail.com

ISBN
978-969-9605-07-9

Rs. 350/-